



مہر شہر

سوانح حیات

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب

نور اللامعین



کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں



سوانح حیات

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گوڑہ شریف

عبد المصنوع علی محمدی

غرض ادائے نیاز است و نہ حاجت نیست کمال حشمت محمود را بحسب نیاز

مولوی مفتی بخش
محمدی سیفی

16-6-1999

مہر علی شاہ

سوانح حیات

فَإِنِّي فِي اللَّهِ بِأَقْبَىٰ بِأَلَلَّهِ آيَاتِ اللَّهِ

حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ

گولڑہ شریف۔ ضلع راولپنڈی



تالیف

مولانا فیض احمد صاحب فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف



باجازت

حضرت سید پیر غلام محی الدین شاہ صاحب قدس سرہ

بإھتمام

جناب سید پیر غلام معین الدین شاہ ضاوسید پیر شاہ عبدالحق شاہ ضا ظہار العالی

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں۔

بار _____ ہشتم
تعداد _____ چار ہزار (۲۰۰۰)
مقام اشاعت _____ گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد
تاریخ اشاعت _____ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق اگست ۱۹۹۷ء
ہدیہ _____



خطاطی : خوشی محمد ناصر قادری خوش رقم جالندھری (مرحوم)
بنک کالونی - سمن آباد - لاہور

مطبوعہ _____ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۱۸- جی ٹی روڈ - سمن زار سٹریٹ لاہور ۵۴۹۲۰
فون : ۶۸۶۵۰۱۰، ۶۸۶۴۱۶۴، ۶۸۱۴۳۳۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تعارفِ مولف

حضرت اُستاد العلماء مفتی فیض احمد خطیب جامع دارِ عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد

آپ ۲۲۔ مارچ ۱۹۲۱ء کو اپنے آبائی قصبہ ستی بختاوردھانڈہ تحصیل ضلع بھکریں ایک مشہور علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے مورث اعلیٰ حضرت میاں محمود اور اُن کے پوتے حضرت حافظ میاں عیسیٰ سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشہور صاحب علم و فقر بزرگ ہوئے ہیں جن کے حالات کتاب مناقب سلطانی باب دہم میں مذکور ہیں۔ آپ کے والد حافظ غلام محمد صاحب اور چچا حافظ اللہ بخش صاحب نے اُستاد الاساتذہ علامہ غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور سے اکتساب علم کیا اور اُنہی کے ذریعہ اُن کے شیخ طریقت سند المحققین حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قادری حشتی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے مقامی مڈل سکول میں تعلیم کے علاوہ گھر پر بھی دینی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۷ء کی ابتداء میں حضرت گولڑوی کی بیعت سے مشرف ہوئے اور جنوبی پنجاب کے دینی و روحانی مراکز ملتان و تونسہ شریف میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت علامہ گھوٹوی کے شاگرد رشید اور حضرت گولڑوی قدس سرہ کے مخلص مرید اُستاد العلماء حافظ مہر محمد صدر مدرس مدرس جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور کی خدمت میں درس نظامی کی تکمیل کی اور سند حاصل کی۔ اُستاد صاحب کو آپ کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۳۶ء میں جامعہ میاں صاحب شرق پور شریف میں تدریس کے لیے بھیج دیا اور پہلے ہی سال آپ نے درس نظامی کی بڑی بڑی کتابیں پڑھائیں۔ اچھرہ کے قیام کے دوران تحریک پاکستان عروج پر تھی آپ نے اپنے مشائخ کی ہدایت پر ہم خیال دینی طلباء کے ساتھ مل کر تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔

آپ نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۱ء کی ابتداء تک جامعہ میاں صاحب شرق پوری، جامعہ فتحیہ اچھرہ، مدرسہ نعمانیہ ملتان اور جامعہ مسعودیہ پپلاں ضلع میانوالی میں سینکڑوں شائقین علم کو مستفید کیا اور اپریل ۱۹۶۱ء میں حضرت السید پیر غلام محی الدین گیلانی قادری حشتی المعروف بابو جی علیہ الرحمۃ کے حکم سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں تدریس، فتویٰ نویسی اور خطابت کے فرائض سنبھالے اور اُنہی کے حسب ارشاد حضرت السید پیر مہر علی شاہ گیلانی قادری حشتی گولڑوی قدس سرہ کی مُستند اور جامع مفضل سوانح حیات مہرِ منیر تالیف کی جو اندرون و بیرون ملک نہایت مقبول ہے نیز حضرت پیر صاحب کی فارسی تصانیف و ملفوظات کا اردو ترجمہ اور آپ کے فتاویٰ کو مرتب کر کے شائع کرانے میں اہم خدمت سرانجام دی۔ ۱۹۶۹ء میں جب کچھ لادینی اور سیکولر نظریات کا پرچار مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں شروع ہونے لگا تو آپ نے بغداد شریف کی تنظیم العلماء کے معروف ادارہ تربیت الاسلامیہ کے ایک مشہور عالم حضرت مولانا شیخ ساطع الجبلی کے ساتھ پاکستان کے اکثر بڑے شہروں میں مختلف مکتب فکر کے علماء کو لادینی نظریات کے خلاف متحد ہونے کی اہمیت سے خبردار کیا۔ اور شیخ مذکورہ مظلّمہ کے خطبات کی ترجمانی کی جس پر اُنہوں نے آپ کو اپنے ادارہ کی طرف سے اعزازی سند دی شیخ مذکورہ مظلّمہ جامعہ ازہر مصر کے سند یافتہ ہیں اور آپ عراقی علماء کے مشورہ پر جنوبی امریکہ، قطیف، ارجنٹائن میں اسلامی تبلیغی مرکز کے سربراہ ہیں اس سے قبل آپ کو پاکستان کی مشہور علمی شخصیت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی صدر جماعت اہل سنت و تنظیم المدارس نے اپنے جامعہ انوار العلوم ملتان کی اعزازی سند عطا فرمائی جو آپ کی دینی خدمات کے اعتراف کا مظہر ہے۔

حضرت بابو جی کے حسب ارشاد سنہ ۱۹۷۷ء میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کے زیر صدارت منعقدہ سنی کانفرنسوں میں آپ نے اسلامی نظام کے موضوع پر خطاب کیا۔ ۱۹۷۸ء کی تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۹ء کی تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے خطبات و فتاویٰ اور تقریروں میں جمہور اہل اسلام کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی۔ اور اس کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے عمل کی تکمیل کے لیے تقریر و تحریر و فتاویٰ کے ذریعہ کوشاں ہیں۔ گورنہ شریف جیسے مرکزی مقام میں اس قدر طویل عرصہ تک خدا تعالیٰ کے فضل سے ان دینی خدمات کی وجہ سے آپ کو دینی علوم خصوصاً اسلامی فقہ پر کافی عبور حاصل ہے۔ اور آپ کے فتاویٰ اندرون و بیرون ملک مستند سمجھے جاتے ہیں۔ اور آپ کی تقریر جو کتاب و سنت و اقوال اکابر ملت کی روشنی میں نہایت جامع ہوتی ہے، عوام و خواص میں اثر انگیز ہوتی ہے متعدد بار حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور حضرت بابو جی کے ساتھ عراق و افغانستان کا دورہ بھی کیا اور وہاں کے زعماء و علماء سے اتحاد اسلامی پر تبادلہ خیال کیا جس کی اس وقت اُمتِ مسلمہ کو نہایت ضرورت ہے۔ اور یہی مسلک آپ کے شیخ طریقت حضرت مجددِ ملت گولڑوی قدس سرہ اور آپ کے اسلاف کرام کا رہا ہے جو سلسلہ عالیہ قادریہ کے صاحب کمال بزرگ ہوئے ہیں اس کی تفصیل مہرِ منیر کے مطالعہ سے واضح ہو جاتی ہے۔

محمد حیات خان
محمد فاضل خان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مؤلف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ حضرت قبلہ عالم گولڑوی پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی کے متعلق ایک جامع تذکرہ کو شش بسیر کے باوجود ایک طویل مدت تک عالم وجود میں نہ آنے کے کئی وجوہات تھے۔

اول تو یہ کہ اللہ جل شانہ نے علم و فقر میں حضرت قبلہ عالم کو جو مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا، اُس کا صحیح ادراک و بیان ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا۔ کیفیات قلبی اور مشاہدات باطنی کا استفہام اور پھر اُن کا الفاظ میں اظہار صرف دُستوار ہی نہیں بلکہ قریباً محال تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُستاد العلماء مولینا محمد غازی جیسے بقیہ عالم نے بھی جن کے علم کے متعلق خود حضرت قبلہ عالم کا مل اعتماد کا اظہار فرمایا کرتے تھے، تقریباً پچاس سال کی طویل صحبت و استفادہ کے باوجود بالآخر متاسفانہ انداز میں یہی کہا کہ افسوس ہم حضرت کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ آفتاب آمد دلیل آفتاب پر اکتفا کرتے ہوئے اس میدان میں قدم بڑھانے کی جرأت کسی کو نہ ہوتی تھی۔

دوم یہ کہ اپنی حیات ہی میں بعض مخلصین کی جانب سے قلبندی حالات کی استدعا پر حضرت قبلہ عالم نے منع فرمادیا تھا کہ میرے متعلق کوئی کچھ نہ لکھے۔ لہذا ایک تو اس کام کا فی ذاتہ مشکل ہونا، دوسرے آنجناب کا حکم امتناعی، سب سے حوصلے بھی پست ہونے کا باعث ہوا۔ اور مئی ۱۹۳۷ء یعنی آپ کے وصال تک کسی کو اس طرف توجہ کرنے کی جسارت نہ ہوئی۔

سوم یہ کہ آنجناب کے بعد آپ کے خلف الصدق پیر سید غلام محی الدین شاہ المعروف حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی نے بھی ”من پسینم و پدرم چناں“ کے دعوئے سے یکسر مُبرا اور تواضع و انکسار کا مجسم پکیر ہونے کے باعث حضرت قبلہ عالم کے ارشاد کے خلاف کسی کی حوصلہ افزائی نہ فرمائی۔ البتہ حالات زمانہ، ضرورتِ وقتی، جذبہ اخلاص و نیاز اور استفاضہ خلق کے پیش نظر بعض حضرات نے از خود خفیہ طور پر کچھ نہ کچھ یادداشتیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔

سب سے پہلے حضرت کے نیاز مند اور جامعہ عباسیہ، بہاول پور کے شیخ الجامعہ مولینا غلام محمد نے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا اور حضرت قبلہ عالم سے خود سنئے ہوئے یادگیری معتبر ذرائع سے معلوم کردہ واقعات کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ مگر وقت معین آجانے کے باعث اس سعی جمیلہ کو تشنہ تکمیل ہی چھوڑ کر ۱۳۶۷ھ یعنی ۱۹۴۸ء میں راہی ملک بقا ہو گئے۔

ایک اور نیاز مند ملک سلطان محمود ڈوانہ نے، جو حضرت قبلہ عالم کے زمانہ میں اور کافی عرصہ بعد بھی آستانہ عالیہ

کے شعبہ خط و کتابت پر مامور رہے تھے، اس ضمن میں کوشش شروع کی۔ انہوں نے مولینا محبوب عالم سے، جو کافی عرصہ تک حضرت قبلہ عالم کے سفر و حضر میں مصاحب رہے تھے، حضرت کے متعلق اُن کے چشم دید یا دیگر ذرائع سے معلوم شدہ حالات کو فراہم کرنا شروع کیا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں حضرات بھی جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ یعنی مولینا محبوب عالم کا ۱۹۵۲ء میں اور ملک سلطان محمود کا ۱۹۵۶ء میں انتقال ہو گیا اور مسودہ پھر نامکمل رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ کے ایک عقیدت مند آرزو دانی رام پوری نے اس ضمن میں بہت اصرار کے بعد قبلہ بابو جی سے مشروط اجازت حاصل کی۔ قبلہ بابو جی نے فرمایا: لکھیے، مگر خیال رہے کہ آپ کے قلم سے میں اپنا ذکر نہیں چاہتا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ بات سے بات نکال کر میرا ذکر چھیڑ دیں اور آپ کی عقیدت کتاب کو افسانہ ہی بنا دے۔ گویا حضرت بابو جی مدظلہ نے وضاحت فرمائی کہ حضرت قبلہ عالم کا منع فرمانے سے مطلب یہ تھا کہ لوگ بعید از حقیقت باتیں لکھ کر ”چپیراں نمی پرند مریداں“ ہی پرانند کا مصداق بنتے ہیں۔ راز صاحب کے مسودہ کے ماخذ زیادہ تر مولینا شیخ الجامعہ اور نواب زادہ واجد علی اشکات رام پوری کی تحریریں و روایات تھیں۔ اشکات رام پوری والیان رام پور کے خاندان میں سے تھے۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دینیات سے واقفیت اور شاعری سے شغف تھا۔ خوب شعر کہتے تھے۔ عمر کا آخری حصہ درویشانہ رنگ میں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر بسر کیا۔ انہیں حضرت کے اکثر دیرینہ ارادت مندوں سے ملنے کے مواقع میسر آئے۔ ۱۹۵۸ء میں یہیں فوت ہو کر گولڑہ شریف میں ہی مدفون ہوئے۔

متذکرہ بالا تینوں مسودات جو زیادہ تر حضرت قبلہ عالم کے متفرق حالات پر مشتمل تھے۔ مگر آپ کی تعلیمات کا ان میں بہت کم ذکر تھا، ۱۹۵۸ء تک جوں کے توں دھرے رہے اور اُن کی تکمیل و اشاعت کا کام نہ ہو سکا۔ تاہم بعض عقیدت مند اور دیگر اہل قلم حضرات وقتاً فوقتاً اپنے طور پر حضرت قبلہ عالم کے متعلق اپنے مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع کراتے رہے۔ جن میں بعض حالات صحیح اور بعض خلاف حقائق بھی ہوتے تھے۔ چند قادیانی اور غیر مقلد مقلدین نے بھی حضرت سے اختلاف کے باعث واقعات کو توڑ موڑ کر شائع کرنا شروع کر دیا، جس کی وجہ سے سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت قبلہ عالم کے صحیح اور مستند حالات مع تعلیمات منظر عام پر لائے جائیں تاکہ وہ مشن جو آپ نے اپنی حیات طیبہ میں جاری فرمایا تھا، بطریق احسن جاری رہے۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں جب کہ راقم الحروف آستانہ عالیہ پر اقامت کی سعادت سے مشرف ہوا تو حضرت کے ارادت مندوں میں یہ احساس شدت اختیار کر چکا تھا۔

اتفاقاً اُن ہی ایام میں جناب سید غلام مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی مقیم راولپنڈی نے قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ”افکار راولپنڈی“ کے نام سے ایک کتاب شائع کر رہا ہوں، جس میں مشاہیر حضرات کا بھی ذکر ہو گا، اس لیے حضرت قبلہ عالم کے حالات قلم بند کرنے کی اجازت بخشی جاوے۔ شاہ صاحب کے اصرار پر قبلہ بابو جی نے راقم الحروف کو مستذکرہ بالا مسودات میں سے کچھ مختصر واقعات تحریر کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ جو شاہ صاحب نے لے کر بعینہ کتاب مذکور میں شائع کرادیے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ جناب بابو جی کی اجازت سے حضرت قبلہ عالم کے کچھ حالات باضابطہ طور پر کتابی صورت میں ظور پذیر ہوئے۔

بالآخر قبلہ بابو جی نے متوسلین کی گزارشات پیہم اور ضرورت وقت کے خیال سے مجھے ارشاد فرمایا کہ گو حضرت قبلہ عالم کا ارشاد گرامی اب بھی میرے پیش نظر ہے، مگر بعض لوگوں کی افراط و تفریط کے مد نظر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت کی سوانح حیات تحریر کی جائے، لیکن کوشش اس امر کی ہو کہ حالات مستند ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آپ کے مسلک اور تعلیمات کے بیان، آپ کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور فتاویٰ وغیرہ پر مبنی ہو۔ غیر ضروری حالات و کرامات کے ذکر سے حتیٰ الوسع اجتناب کیا جائے، کیونکہ حضرت کی شان محتاج بیان نہیں اور نہ اظہار کمال میرے مشائخ کرام کا مسلک ہے۔

پہلے تو اس عظیم ذمہ داری کی برداشت سے خود کو عاجز و پا کر مجھے خیال پیدا ہوا کہ معذرت کر دوں مگر پھر اللہ تعالیٰ کی تائید اور حضرات مشائخ کرام علیہم الرضوان کی نظر کرم پر تکیہ کرتے ہوئے، خدا کا نام لے کر سلسلہ تالیف شروع کر دیا۔ حال یہ ذرہ نوازی حضرت قبلہ عالم کی محض اس نگہ کرم کا صدقہ ہے، جو اس سچیدان کو انجناب کے وصال سے فقط تین چار روز قبل حاضری کے وقت نصیب ہوئی۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ کہاں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی سوانح مبارکہ کی ترتیب تدوین اور کہاں یہ ظلم و جہول بے بضاعت۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

اس کتاب کی تالیف میں مذکورہ بالا مسودات کے علاوہ حضرت قبلہ عالم کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور بعض قلمی تحریروں کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی انجناب کے صحبت یافتہ اور دیرینہ متوسلین سے بالمشافہ اور بذریعہ خط و کتابت بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ حضرت کے مشائخ کرام و آباؤ اجداد کے حالات اور بعض ضمنی مباحث کے سلسلہ میں متعدد معتبر کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے، جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر کر دیا گیا ہے۔

اکثر امور میں حضرت قبلہ بالوجہ مدظلہ سے رہنمائی حاصل کر کے حضرت قبلہ عالم کی تعلیمات اور مسلک کی تشریح کی گئی ہے۔ اس لیے ان مقامات پر جناب بالوجہ کا ذکر بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔

حضرت قبلہ عالم کی کرامات، اولادِ امجاد، متوسلین و معاصرین کا ذکر فقط اس حد تک کیا گیا ہے، جو اس سوانح کی تکمیل کے لیے ضروری تھا ورنہ تفصیل رادفر سے دیگر باید۔ بعض اہم مسائل میں علمائے ہم مسلک کے ساتھ بھی تبادلہ خیالات کر لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کئی برسوں کی پیہم اور عاجزانہ مساعی کا ثمرہ کتاب "مہرِ منیر" کی صورت میں پیش خدمت ہے۔

ع کر قبول افتد زہے عز و شرف۔

یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے :-

باب اول میں خاندان و آبائے کرام کا ذکر ہے۔

باب دوم میں زمانہ طفولیت اور کسبِ علم کے حالات ہیں۔

باب سوم زمانہ درس و تدریس سے تعلق رکھتا ہے۔

باب چہارم جذب و سیاحت کے حالات پر مبنی ہے۔

باب پنجم میں سندِ ارشاد کے کوائف ہیں۔

باب ششم حضرت کے وصال، اولاد و متوسلین کے اذکار پر مشتمل ہے۔

باب ہفتم حضرت کے معاصرین کے ذکر میں ہے۔

باب ہشتم میں انجناب کے بعض مناظرات و مذاکرات ہیں۔

باب نہم میں آپ کے ارشادات یعنی ملفوظات و مکتوبات و کلام منظوم مندرج ہیں۔

باب دہم تصانیف اور بعض فتاویٰ سے متعلق ہے۔

باب یازدہم بعض کرامات کے ذکر میں ہے۔

مضامین کی فہرست کتاب کے آغاز میں دے دی گئی ہے۔

خاتمہ کلام پر میں جناب ملک محمد خدابخش ٹوانہ، ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس، اپنے برادر عزیز مولوی مشتاق احمد فاضل مجاہد غوثیہ گولڑہ شریف وایم۔ اے جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور خان محمد اقبال خان مرحوم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس تالیف و تدوین میں بے حد محنت و انہماک سے میرا ہاتھ بٹایا۔ افسوس کہ مؤخر الذکر اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور آستانہ عالیہ میں مدفون ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کے دونوں بھائیوں محمد حیات خان اور محمد فاضل خان نے اُسی جذبہ اور اخلاص سے کتاب کی طباعت و تکمیل میں نمایاں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اُن مہت بول بندوں کے طفیل جن کے ذکر خیر پر یہ کتاب مشتمل ہے، اس بندہ پر تقصیر اور اس کا رنج میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی مسامحہ قبول فرما کر فوز و فلاح داریں اور جملہ قارئین کرام کے لیے سعادت داریں کا موجب بنائیں آمین ثم آمین ثم آمین

نیاز مند بارگاہ مہر فیض احمد فیض عفی عنہ
آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی

۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ { تاریخ تالیف
مطابق ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء

قطعہ تاریخ طبعت "مہر منیر"

مطبوع گشت تذکرہ عارف الہ
در سن طبعت آمدہ از غیب ایں ندا
عالی جناب مہر علی شاہ پادشاہ
"مہر منیر" آمدہ اندر ظہور واہ
فیض ۱۹۷۳ ع

پیش لفظ طبع سوم

"مہر منیر" کی طباعت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آستانہ عالیہ کے طے والوں کو بالخصوص اور بالایان پاکستان و ممالک اسلام کو بالعموم ایک سانحہ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کے فرزند جلیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف بہ بابو جی قریباً چھ ماہ علیل رہنے کے بعد ۲ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۷۳ء بوقت النجی شب اپنے لاکھوں طے والوں کو سو گوار چھوڑ کر ممالک حقیقی سے جا ملے اور اس طرح ہماری آنکھیں سلسلہ کاہلین و صاحبین کے اس نہایت ہی درخشندہ ستارے کی زیارت سے محروم ہو گئیں حضرت بابو جی کے اوصاف حمیدہ یا اُن کے حالات زندگی کو یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں صرف آپ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام اور وصال کے مختصر حالات اس کتاب کے آخر میں دیئے جاتے ہیں آپ کی مفارقت ہمارے لوں پر ایک کبھی نہ مٹنے والا داغ چھوڑ گئی ہے آپ کے تشریف لے جانے سے آپ کے طے والوں کی حالت قلبی کو مولانا نعمت اللہ صاحب الہ آبادی کا ایک مہر صبر جو انہوں نے حضرت اعلیٰ کے وصال پر کہا تھا خوب بیان کرتا ہے وہ تو زندہ ہی رہے نعمت مگر ہم گئے اللہ تعالیٰ اُن کی مٹھی اور دلنشین یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے اور ہمیں اُن کے اوصاف حسنہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۹ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۷۳ء

فیض احمد فیض عفی عنہ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹	فضائل اہل بیت پر بعض اکابرین کے ارشادات	۱	باب اول
۲۲	حدیث حشم غدیر		خاندان و آبائے کرام
۲۲	مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ علیؑ		پہلی فصل
۲۲	نسبت اویسیؑ		خاندان
۲۲	مہر ہے ساری علیؑ دی	۳	شجرہ نسب
	تیسری فصل		حسینؑ پاک اور ان کی ذریت فرزندان
	آبائے کرام	۴	رسولؐ ہیں
۲۴	مولائے کائنات جناب علیؑ		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تحریر اپنے نسب
۲۴	حسین کریمین	۵	کے متعلق مع سند بغداد شریف
۲۴	حسین کریمین کی اولاد و امجاد	۸	نسب بحیثیت عمومی کا شرف
۲۴	غوث الثقلینؑ	۱۰	آل نبیؐ کے نسب طاہر کا شرف
۲۸	پیدائش کے وقت عالم اسلام کی حالت		حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے نسب کے متعلق
۳۱	غوث الاعظمؑ کی تشریف آوری بغداد	۱۳	کراماتی ثبوت
۳۱	آپؑ کے روحانی تصرفات	۱۳	یہ نوافل کی ٹوپی ہے
۳۲	تأاریوں کا قبول اسلام	۱۴	تائید و تصدیق غوثیہؑ
۳۳	پاساں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	۱۵	کرامت جاریہ
۳۵	غوث الاعظمؑ کے کوائف زندگی	۱۵	وادی حمر اکار و بیٹے صادقہ
۳۴	عشق فارغ کرد از دنیا و مافیہا مرا	۱۶	ایک جن کی شہادت
۳۸	محمی الدینؑ		دوسری فصل
۳۹	آپؑ کی مجالس و غلط		فضائل اہل بیت کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۰	موازنہ عقل و عشق	۱۷	فضائل اہل بیت پر اکابرین اُمت کی کتب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب دوم	۴۰	اقلیم ولایت کی شہنشاہی کا فرمان
	زمانہ طفولیت و کسب علم	۴۱	خواجہ غریب نواز چشتی کا سر جھکانا
۴۱	ولادت	۴۱	شیخ صنعان کا انکار و توبہ
۴۱	شان مجددیت کی غماز بخمائے ولادت و وصال	۴۱	اس فرمان کا مفہوم
۴۳	چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا ہم عدد	۴۲	تصرفات بعد از وصال
۴۴	آمد آمد کی نوید	۴۳	حضرت غوث الاعظم و اکابرین اُمت
۴۴	اسے معلوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے		رسالہ انوار قادریہ پر حضرت قبیلہ عالم
۴۴	بچپن میں عشق الہی کی سرگرمیاں	۴۵	قدس سرہ کی تفسیر ربط
	سات برس کی عمر میں بحالت خواب ابلیس سے		چوتھی فصل
۴۵	قوت آزمائی		حضرت قبلہ عالم کے دیگر اجداد کرام
۴۵	ابتداءئے تعلیم	۴۹	سید تاج الدین عبدالرزاق و سید جمال اللہ حیات المیر
۴۵	قرآن ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا	۴۹	سید ابوصالح طاہر نصر و سید علی بغدادی
۴۵	مادر زاد ولایت پر کرم خوردہ کتاب کی شہادت	۵۰	سید تاج الدین محمود و سید ابی الحیات
۴۶	موضع بھوئی کے درس میں داخلہ	۵۰	حضرت میراں شاہ قادر قمیص
۴۶	بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ	۵۱	حضرت شاہ محمد فاضل قلندر
۴۷	عید گاہ مانغریبیاں کوئے تو		حضرت پیر سید روشن دین شاہ و
۴۸	درس انگہ میں شمولیت	۵۱	پیر سید رسول شاہ
۴۸	ہم درس کا احساس بھرتی	۵۲	گولڑہ
۴۸	موروثی جود و ایثار کا مظاہرہ	۵۲	سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ پانی پتی
۴۸	تم قصیدہ پڑھو میں قصیدہ والے کو بلاتا ہوں		حضرت پیر سید میراں شاہ و حضرت پیر
۴۹	ایک آسیب زدہ مسجد کو دارالوطائف قرار دینا	۵۳	سید فضل دین شاہ
۴۹	جرات و رحم دلی کا مظاہرہ		حضرت پیر سید نذر دین عرف حضرت
۴۹	خلوت میں جلوت	۵۴	اجی صاحب
۵۰	ایک عابدہ مانی کی پیشین گوئی	۵۵	زندہ جلانے کی کوشش ناکام
۵۰	تعلیم و تعلم میں انہماک	۵۶	ایک مجذوب کی کارکردگی
۵۰	بلانے والے کو سلیقہ ہو تو اہل برزخ جواب دیتے ہیں		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۲	حدیث قَوْمُوا إِلَىٰ مَسِيْدِكُمْ بِحَثِّ	۷۱	ایک قادری فقیر کے مجتہد بھرے جُملہ کا اثر
۸۳	آئین بالجہر پر مناظرہ	۷۱	استاد محترم کی معیت میں سیال شریف
۸۳	ایک مجذوبہ کی والہانہ صدا	۷۱	کی حاضری
۸۴	آٹھائے درس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات	۷۱	ہندوستان دادخواہم لگام
۸۴	میلے تاشوں سے نفرت	۷۲	مولانا احمد حسن محدث کا پٹواری سے ملاقات
۸۴	تحصیل علوم کے بعد مراجعت وطن	۷۳	ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز
	باب سوم	۷۳	استاذ الکُل مولانا طیف اللہ علیگرہی
	زمانہ درس و تدریس	۷۵	علی گڑھ کے درس میں تحصیل علم
	مراجعہ وطن، اجرائے درس و شادی	۷۵	یورپی امتحان کا اعتراف کمال
۸۷	خانہ آبادی	۷۶	ایک مجذوب کا اظہار حیرت
۸۷	تدریس و تعلیم میں خصوصی شان		طالب علمی میں جود و کرم اور ریاضت و مجاہدہ
۸۸	مسجد ضرار کے مسئلہ پر حضرت کا موقف	۷۶	کی شان
	معقول کی مشہور کتاب قاضی مبارک کی تدریس		مولانا عبد اللہ ٹوکی سے ایک طالب علمانہ
۸۹	پر علماء کا اظہار حیرت	۷۶	بحث
۸۹	ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ	۷۷	طالب علمی میں رشک انگیز تدریس
۹۱	دوران مناظرہ اپنے جد امجد کی روحانی توجہ	۷۸	ذہنی اور زرہ جانی قوی کے ساتھ جہانی طاقت
۹۱	ریاست سوات کا سفر	۷۸	مولانا طیف اللہ کی ملاقات کیلئے دوبارہ سفر ہند
۹۲	خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اور حضرت کی تلقین	۷۹	مولانا طیف اللہ کی طرف سے عطیہ سندات
۹۳	اعلیٰ حضرت سیالوی سے بیعت	۷۹	۱۔ اجازت نامہ کتب حدیث صحیح مسند وغیرہ
	شیخ کے حضور میں مسالک وحدت الوجود و شہود	۸۰	۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف
۹۳	رفتہ زیر	۸۰	۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید، ترجمہ و تفسیر
۹۳	اپنے شیخ کی توجہ کے متعلق آپ کے تاثرات	۸۰	۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین
	سیال شریف میں وحدت الوجود پر ایک عالم	۸۱	۵۔ حدیث شریف مسلسل بالاولیٰ
۹۴	سے گفتگو	۸۱	۶۔ مندر سال حدیث مولانا محمد سعید سنبل
۹۵	خلافت ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک	۸۱	۷۔ مندر حدیث مصافحہ
۹۶	حضرت ثانی سیالوی کی خاص عنایات	۸۱	شمولیت درس حدیث بمقام سہارنپور

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	استاذ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت		حضرت اعلیٰ سیالوی کے فیوض و برکات و بعض
۱۱۸	سے پہلی ملاقات	۹۷	مشہور خلفاء کا ذکر خیر
۱۱۹	مولانا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات	۹۷	اقتباس از کتاب "انوار شمس"
۱۱۹	دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ		باب چہارم
۱۲۰	مولانا رحمت اللہ کے حضرت کے متعلق تاثرات		زمانہ جذب و سیاحت
۱۲۰	قاری عبد اللہ مکی کی حضرت سے ارادت	۱۰۱	حضرت کی اپنے شیخ سے عقیدت
۱۲۱	قاری عبد اللہ کا مکتوب	۱۰۱	طلب مزید کیلئے بیابانوں میں خلوت کا راز
۱۲۳	قاری احمد کا مکتوب	۱۰۲	وصال شیخ کے بعد آپ کی حالت
۱۲۵	قاری احمد کے حق میں حضرت کی سند علوم	۱۰۳	مجاہدات کنار راوی
	قاری عبد الرحمن آبادی و قاری عبد الرحمن جونپوری	۱۰۴	خان بہادر مولوی شیر محمد اسٹنٹ پولیسکل انجینئرنگ
۱۲۶	کی حضرت سے ارادت و عقیدت	۱۰۵	فتوحات مکیہ کا بالاستیعاب مطالعہ
	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے درس	۱۰۵	انجمن نعمانیہ میں تدریس کی پیش کش
	میں حضرت کی تقریر و حاجی صاحب کا	۱۰۶	شاہی مسجد لاہور کے حجرہ میں قیام
۱۲۸	عطائے سلسلہ صابریہ	۱۰۷	آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی
	حضرت حاجی صاحب کی ان عنایات پر ان	۱۰۸	ایک اور عاشق دیوانہ
۱۲۹	کے بعض متوسلین کا رد عمل	۱۰۹	سفر مالیہ کوٹلہ
۱۲۹	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور آپ کا مسلک	۱۰۹	سفر ملتان
۱۳۰	فتوحات مکیہ کے حصول میں تائید غیبی	۱۱۰	سفید مرغ نے مدفونہ دولت کی نشاندہی کی
	حضرت کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلق ایک	۱۱۲	حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار پاک کی کشش
۱۳۰	بزرگ کا کشفی مشاہدہ	۱۱۲	ڈیرہ غازیخان کا ایک ناکافقہ
	وادی حمر کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم	۱۱۴	فقیر صاحب ٹون کے دعویٰ کا جواب
۱۳۱	کی قلمی تحریر	۱۱۵	مجاہدات مظفر گڑھ
۱۳۳	اس کٹھن سفر میں شان استغنیٰ و اشیاء و کرم	۱۱۶	حضرت خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر اشارہ غیبی
۱۳۴	عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار	۱۱۶	مجاہدات حسن ابدال
۱۳۴	ریاست بھوپال کا سفر	۱۱۶	سفر حجاز
		۱۱۷	درود مستغاث پگھت گو

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب پنجم مسند ارشاد		باب پنجم مسند ارشاد
	پہلی فصل مجددانہ شواہد		پہلی فصل مجددانہ شواہد
۱۴۶	بعض سابقون الاولون	۱۴۹	مسند اکابرین
	بعض مشہور خطیب اور ادیب پر مشتمل اخلاص		تردید مرزائیت
۱۴۷	میں منسلک	۱۴۰	انسداد چکر الویت
۱۴۷	حضرت کی ابتدائی نشست گاہ	۱۴۰	روایت خیریت
۱۴۸	مراقبہ ذکر و فکر کی کیفیت	۱۴۰	انجریزی تعلیم پر حضرت کا مسلک اور دینی مدارس
۱۴۸	شان تربیت		میں دہشتی
۱۴۹	فقیر محمد امیر کوٹ اٹل	۱۴۰	مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبد القیوم کے
۱۵۰	بابا غلام فرید بٹالوی	۱۴۱	ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی
۱۵۱	فقر حقیقی کی بے نفسی و بے غرضی		بریلوی اور دیوبندی
۱۵۲	اگر خدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ	۱۴۲	وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ کی صحیح تفسیر
۱۵۲	چالیس روز کی بجائے دو یوم ہی میں تکمیل کار	۱۴۲	غیر متقدمین
۱۵۳	سفر حج کے مکاشفات	۱۴۲	علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک
۱۵۳	شیخ کی غیرت	۱۴۳	وحدت الوجود اور وحدت الشہود
۱۵۴	حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت	۱۴۳	مسئلہ خلافت و فضیلت
۱۵۴	قاضی فیض عالم		یعن برید
	تیسری فصل	۱۴۳	تہذیب میں رفع سبابہ کی سنت کا احیاء
	سماع اور غنا پر حضرت کا مسلک اور	۱۴۳	اوقات مسنونہ نماز کی پابندی اور وظائف کی
	آپ کی زندگی کے چند واقعات		تصحیح و ترتیب
۱۵۵	سماع اور غنا کا مطلب اور آداب حال کا مسلک	۱۴۳	تحرک خلافت
۱۵۵	حضرات چشتیہ کا مسلک	۱۴۴	شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار
۱۵۶	حضرت کا مسلک	۱۴۴	سیاست سے پرہیز
۱۵۶	اینگلو انڈین ریلوے کارڈ پر سماع کا اثر	۱۴۵	قبول عام کی خلعت
۱۵۷	اجمیر شریف کے قوال کا واقعہ		
۱۵۷	ہندو جوگی کا قبول اسلام		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۸	روح انسانی	۱۵۷	آپ کی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات
۱۸۸	قیامت	۱۶۰	جناب غیاث الدین اجمیری کا واقعہ
۱۸۸	جہاد بالسیف	۱۶۱	علمائے سرحد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ
۱۸۹	معراج جسمانی	۱۶۱	کفر و ایمان کی بحث
۱۸۹	احترام انبیاء	۱۶۲	علماء کا سکوت اور دیوان صفا کی رقت اور بیعت
۱۹۱	آل نبی کا احترام		پچو تھی فصل
	نبی کریمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے متعلق قادیانیوں	۱۶۳	قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ
۱۹۳	کی زبان درازی	۱۶۵	بانی قادیانیت اور ان کی ابتدائی زندگی
۱۹۳	تمام اُمت محمدیہ پر کفر کا فتوے	۱۶۶	مرزا صاحب کے ابتدائی عقائد
۱۹۴	قادیانیت کے پس پردہ کارفرما قوتیں	۱۶۷	اس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت
۱۹۵	برطانیہ کی اطاعت نصف الاسلام	۱۶۷	مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ
۱۹۵	قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقعات	۱۶۸	مثیل مسیح سے مسیح موعود
۱۹۷	مرزا صاحب کے عادی کا اُمت مسلمہ پر رد عمل	۱۶۹	مشابہت مسیح کے دلائل
۱۹۸	قادیانی اور لاہوری پارٹی	۱۶۹	احادیث نزول مسیح کی تاویل
۲۰۰	اعتبار	۱۷۱	مسیح موعود سے نبوت تک
	پانچویں فصل	۱۷۲	ختم نبوت کے خلاف انوکھے استدلال
	حضرت قبلہ عالم قدسؒ کا قادیانیت کے	۱۷۳	ظلی نبی
	خلاف معرکہ	۱۷۳	ظلی نبی سے مستقل اور صاحب شریعت نبی
۲۰۳	باطنی ارشادات	۱۷۶	مرزا صاحب کی وحی
۲۰۳	ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر	۱۷۷	مرزا صاحب کے الہامات
	مولوی محمد حسین ثمالوی اور خواجہ غلام فرید چاچراں	۱۷۸	مرزا صاحب کے الہامات اور عرفان الہی کے نمونے
۲۰۴	کی ابتدائی خوش فہمیاں	۱۸۰	مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں
۲۰۵	شیخ الجامعہ کا بیان	۱۸۲	الہامات کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا فرمان
۲۰۵	مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا	۱۸۵	مرزا صاحب اور قرآن و حدیث
	قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلہ عالم قدسؒ سے	۱۸۶	مسلمانوں سے اسلام کے ہر اصول پر اختلاف
۲۰۷	کا جواب	۱۸۶	نزول ملائکہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۲	قادیانی جماعت میں انتشار	۲۰۶	مشائخ طریقت کو چیلنج
۲۳۳	کرنامات اور حجرات میں مقابلہ کی پیش کش	۲۰۶	"شمس الہدایت" کا طلوع
۲۳۳	لاہور میں قادیانی واعظین کے جیلے بہانے	۲۰۷	قادیان میں تھمک
۲۳۴	تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ	۲۰۷	مولوی عبد الجبار غفرلہ لومی کا خط
۲۳۴	کی ایک مشہور عام بات	۲۰۸	حکیم نور الدین صاحب کے بارہ سوالات
۲۳۴	قادیانی چیلنج کے جواب میں فقر غفور کا جواب	۲۰۸	حضرت کے جوابات
۲۳۵	شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ	۲۰۸	حکیم نور الدین پر صرف ایک سوال جو تشہ جواب
۲۳۷	قیصر یا فیصلہ جلسہ بنا	۲۰۹	بی رہا
۲۳۸	علماء و مشائخ ناصرین کی فہرست	۲۱۰	مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ
۲۴۱	حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی لاہور سے واپسی	۲۱۵	کی دعوت
۲۴۲	پیر مرزا صاحب کا اشتہار	۲۱۵	نقل ضمیمہ اشتہار دعوت
۲۴۲	مرزا صاحب کے عذرات	۲۱۸	چھپاسی علماء کے اسماء کی فہرست
۲۴۲	ان عذرات کا جواب	۲۱۹	نقل اشتہار جواب دعوت
۲۴۳	مسلمان دانشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے	۲۲۲	نقل ضمیمہ اشتہار جواب دعوت
۲۴۳	اشتمارات اور دلائل کار و عمل اور ان کے	۲۲۸	جماعت علماء کی طرف سے جواب دعوت کا اشتہار
۲۴۳	عواقب	۲۲۸	حضرت کی طرف سے تقریری بحث
۲۴۳	گھڑیٹھے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت	۲۲۸	کی دعوت کار و عمل
۲۴۵	حضرت کی ذات گرامی پر اس نئی مبارزہ طلبی	۲۲۸	فریقین کی توقعات کا جائزہ
۲۴۵	کار و عمل	۲۲۹	قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی
۲۴۵	"سیف چشتیانی"	۲۳۰	نامنظوری کے خط پر اس شرط کی واپسی
۲۴۶	"اعجاز المسیح"	۲۳۰	مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع
۲۴۹	"شمس بازغہ"	۲۳۰	مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم
۲۵۱	حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس ضمن میں	۲۳۰	قدس سترہ کو اس محاذ پر اپنا قائم منتخب کرنا
۲۵۱	ایک پیش گوئی	۲۳۱	لاہور میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تشریف آوری
۲۵۲	"سیف چشتیانی" پر بہتان سترہ کی حقیقت	۲۳۶	مرزا صاحب کی آمد کا انتظار
۲۵۴	مرزا صاحب نے سترہ سناہین کا الزام واپس لے لیا	۲۳۶	قادیانیوں کی دورہ خوب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	ساتویں فصل		گورداسپو کے تقدسات میں حضرت کو بطور گواہ طلب
	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور تحریک خلافت	۲۵۴	کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے متواتر کوشش نام
۲۶۷	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور ملکی سیاست	۲۵۵	مولوی محمد حسن فیضی
۲۶۸	تحریک خلافت کے اسباب		مخالفین کا حضرت کی تصانیف کو غیروں سے منسوب
	اسلامی خلافت کے متعلق علمائے راسخین	۲۵۶	کرنے کا رجحان
۲۶۸	کامسک	۲۵۷	انجیلٹھ بالیٹھ
	اپنے مسک کے باوجود حضرت نے مخلصین کو		معمرہ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہ
۲۶۸	تحریک خلافت میں حصہ لینے سے منع نہیں فرمایا۔	۲۵۷	کا ایک اہم بیان
	تحریک خلافت میں ہندو کانگریس کے ساتھ		چھٹی فصل
۲۷۰	تعاون کا مسئلہ		تحریک ہابیت کا مقابلہ
۲۷۰	ہندوؤں کے ساتھ تعاون	۲۵۹	حدیث شدر حال
۲۷۲	مولینا محمد علی مونگیری اور مسٹر گاندھی کا مکالمہ	۲۶۰	زیارت روضہ رسول کی تاکیدی احادیث
۲۷۵	انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش	۲۶۱	زیارت قبور
۲۷۶	کانگریس کے تعاون سے مولینا عبدالباری کا رجوع	۲۶۱	غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات
۲۷۶	مولوی محمد اسحق مانسہروی کا چیلنج		علمائے مکہ کی طرف ابن عبد الوہاب نجدی
۲۷۷	مولوی ظفر علی خان کی حاضری	۲۶۲	کار سالہ دعوت
۲۷۷	اسلامیان ہند کی آزادی کے لیے دُعا		محمد بن عبد الوہاب نجدی کی عہدگی عقائد کے متعلق
	علی بصیرت انا وھن اتبعن علی بصیرت	۲۶۳	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ
۲۷۷	کے معرفہ اور نگرہ ہونے کا سوال	۲۶۳	بعض اہل طریقت رجعت کی زد میں
	ظفر علی خان کے خلاف شہادت	۲۶۴	حضرت کے فتویٰ کے خلاف مخالفین کا اشتہار
۲۷۸	سے انکار	۲۶۴	"الفتوحات الصمدیہ"
۲۷۸	مولوی ظفر علی خان کا مسٹر گاندھی سے بگاڑ	۲۶۵	عجبالہ بردو سالہ
۲۷۹	تحریک ہجرت میں رائے عامہ کا طوفان		حضرت شیخ اکبر کی تائید میں انعامی دعوت مناظرہ
	حکیم شمس الدین وزیر آبادی حضرت کے ایک	۲۶۵	اور علمائے اہل حدیث کا سکوت
۲۷۹	سرگرم خلافتی مرید	۲۶۶	حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی تصنیف "اعلام کلمۃ اللہ"
۲۸۰	حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۷	نواب سر عمر حیات خان و سر خضر حیات خان نواز	۲۸۲	حکیم صاحب کے اشکِ ندامت
۲۹۸	نواب میاں محمد حیات قریشی	۲۸۲	پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد
۲۹۸	سرکنڈ حیات خان نمان بہادر میاں مشاق احمد خان		انہویں فصل
۲۹۸	گورمانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ		حضرت قبلہ عالم قدس سرور اور حکومتِ برطانیہ
۲۹۸	حاجی میاں کریم بخش، میاں عبدالرحیم	۲۸۳	انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار
۲۹۸	میاں عبدالکریم سیٹھی پشاور و میاں	۲۸۴	اس انکار پر حکومتِ برطانیہ کا ردِ عمل
۲۹۸	امام بخش سوداگر ملتان	۲۸۴	ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی رو بکار کا جواب
۲۹۹	بعض نو عمر امیر زادے	۲۸۶	حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں استغاثہ
	گیارہویں فصل	۲۸۶	انگریز پرنسپل ڈپٹی پولیس سے مفروضوں کے متعلق گفتگو
	آزمائش کی چند گھڑیاں	۲۸۷	ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت
۳۰۱	حضرت کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے		نویں فصل
۳۰۱	تلوار پر بہتہ		حضرت دیوان صاحب پاکستان شریف کی عقیدت
۳۰۱	سالن میں زہر	۲۹۱	پہلی ملاقات پر دیوان صاحب کا تاثر
۳۰۲	جادو کا دار		لباس اور سواری کے متعلق ایک انگریز کا اعتراض
۳۰۲	چاہ کن راجہ درپیش	۲۹۱	اور اس کا جواب
۳۰۲	قرابت داروں سے حضرت کا سلوک	۲۹۲	حضرت دیوان صاحب کے لیے زینہ اولاد کی فضا
۳۰۳	بعض معاصرانہ چشمکیں	۲۹۲	جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی
۳۰۳	شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر بگوی کا اعتراض		بطاہر مطالعہ و شغل تسبیح اور باطن حضرت بابا صاحب
۳۰۳	اور رجوع	۲۹۳	سے گفتگو
۳۰۳	جناب مولوی عبداللہ صاحب گڑھی افغاناں کا		دسویں فصل
۳۰۳	اعتراض و اصرار		ولیان ملک اور رقبائے عظام کا آپ سے توسل
۳۰۳	حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ملاقات کے لیے سفر	۲۹۵	امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان
۳۰۵	ملاقات	۲۹۶	نواب صاحب بہاولپور
	بارہویں فصل	۲۹۶	نواب ولی اللہ حیدر آباد دکن
	حضرت کے بعض ہنگامی اور مقررہ سفر	۲۹۶	نواب صاحب انب در بند
۳۰۷	پاک پتن شریف کے سفر میں مقاماتِ قیام	۲۹۷	سر ولد محمد علی خان گھیبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۸	ایک مخلص کے لی خطرہ کا از خود جواب	۳۰۸	سفر سیال شریف کے دوران مقامات قیام
۳۱۸	حضورِ می نام گھوڑے کا اظہارِ ادب	۳۰۸	میاں بُندی مجذوب کا آپ کے نام خط
۳۱۸	پاک پتن شریف میں ایک گھوڑے کی کشتی		حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ایک صاحب
۳۱۹	ڈھیری شاہاں کی بارات کا واقعہ	۳۰۸	مزار کی خط و کتابت
۳۱۹	معنوی جمالیات کے علاوہ صوری محاسن پر نظر	۳۰۹	بعض ہنگامی سفر
	باب ششم	۳۰۹	اسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اشارہ
	وصال، اولاد و اتحاد اور متوسلین		پشاور میں حضرت اخوند دراز زندہ صاحب کے
	پہلی فصل	۳۰۹	مزار پر
	بیماری اور ضعف		تیرھویں فصل
۳۲۳	خواب و خور سے بے نیازی		تنظیم اوقات اور شمائل و خصائل
۳۲۳	ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس	۳۱۱	شیخ اجماع صاحب کی قلبی یادداشت سے اقتباس
۳۲۳	منظرِ رحمتِ عالم	۳۱۱	اشغال
۳۲۴	انس و فی مشاہدہ	۳۱۱	ارشاد و تلقین
۳۲۴	بشارات	۳۱۲	رمضان شریف کے اوقات
۳۲۴	ایک شکوہ آمیز گزارش	۳۱۳	متعلقین سے وفاداری کا معاملہ
۳۲۵	بطنی مشوروں پر پوراخوری کا التزام	۳۱۴	معاندین سے حسن سلوک
۳۲۵	کار کا حادثہ	۳۱۴	دنیا سے بے توجہی
۳۲۵	لنگرِ غوثیہ کا بذل و سخا	۳۱۴	دوستی اور دشمنی کے متعلق نظریہ
۳۲۶	تصفیہ مابین سنی و شیعہ کی تالیف	۳۱۵	حضرت مائی صاحبہ کی برکات کے خصوصی اثرات
۳۲۶	علامہ اقبال کا عرفیہ	۳۱۵	حضرت کی خوراک
	دوسری فصل	۳۱۶	استاذِ زادوں کا احترام
	عالمِ استغراق	۳۱۶	حضرت کا حلیہ مبارک
۳۲۸	دریائے ناپید کنارِ توحید	۳۱۶	حضرت کا لباس
۳۲۸	استغراق میں محذّر نماز کا استغما	۳۱۷	آواز و گفتار
	وَأَنْتُمْ سُّكَّارٌ أَوْ رَهْمٌ فِي صَلَاتِهِمْ	۳۱۷	چال اور رفتار
۳۲۹	دائیمون کا باطنی مدلول	۳۱۷	حضرت کی اسب سواری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴۰	۴۔ روزنامہ وحدت دہلی ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء	۳۴۹	عرض و معروض کی کیفیات
۳۴۱	۵۔ روزنامہ وحدت دہلی ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء	۳۵۰	مجاذیب اور اہل سکر کی کثرت حاضری
۳۴۱	۶۔ ترجمان سرحد پشاور ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء	۳۵۰	گمشدگی سایہ کی اطلاع
۳۴۱	۷۔ روزنامہ سیاست لاہور ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء		تیسری فصل
۳۴۱	۸۔ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور		کوائف وصال
	پانچویں فصل	۳۵۱	عالم استغراق میں ایک دعا کی تلقین
	شعر اور ادب کا اظہار عقیدت	۳۵۲	سورۃ یوسف کی تلاوت میں چار وقت انکسار مقامات
	مرثیے اور قطعہ ہائے تاریخ وصال	۳۵۲	آئندہ عرس پر صحو کی طرف رجوع کا وعدہ
۳۴۳	۱۔ مرثیہ عربیہ از حضرت شیخ محمد علی مدنی	۳۵۲	ہمارے سب سے جیویں پھلان تھیں حق تیویں سنسار کنوں
	۲۔ از قلم ابو الفضل مولانا مولوی کرم الدین صاحب مرحوم دبیر	۳۵۳	”ہمارے نہیں جیت ہے“
۳۴۴	سکنہ بھین ضلع جہلم	۳۵۳	”اچھا یا راجہ! وعدہ کرناں“
۳۴۵	۳۔ از جناب مائل صدیقی پشوری	۳۵۴	”صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟“
	۴۔ نقیہ نگار جناب شریعت علی صاحب علوی شیخ پوری	۳۵۴	تجدید بعیت و ارشاد
۳۴۶	معلم مشن سکول پشاور	۳۵۴	ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی
۳۴۷	۵۔ از سید ضیاء جعفری قادری صدر دائرہ ادب پشاور	۳۵۵	کیفیت وصال کا واقعہ
۳۴۸	۶۔ از نیاز مند درگاہ مہر فیض احمد عفی عنہ (مؤلف)	۳۵۵	اولیوم سہ شنبہ ۲۹ صفر
۳۴۸	۷۔ از جناب شیخ ڈاکٹر اللہ صاحب طب نقشبندی گنجاہی	۳۵۵	مسرت ہمیشہ، نیاز
۳۴۹	۸۔ از مولانا مولوی سلام اللہ خان حصار رئیس چکسٹر	۳۵۶	احمد ذات کی برق انگیز طویل اور عمیق گونج
۳۵۰	تاریخ ہائے وفات اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب		مستورات کے وادیا پر جہین مہربان رک پر
	رحمۃ اللہ علیہ	۳۵۷	القباض
	چھٹی فصل	۳۵۷	آخری زیارت، جنازہ اور تدفین
	بعض کوائف بعد از وصال		چوتھی فصل
۳۵۲	حجاب برزخ کی کیفیت		ملکی اخبارات و رسائل کے تاثرات
۳۵۲	ایک انجور ارادت مند کا خواب	۳۵۹	۱۔ اخبار نعین اجمیر شریف ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء
۳۵۳	مولوی عبد الرحیم صاحب (تختی) کا غش	۳۶۰	۲۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء
۳۵۴	حضرت بابو جی کی داستان غم	۳۶۰	۳۔ پینچا (مشرقی) پور پشاور ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۹	حضرت مدنی صاحب کی بیعت	۳۵۴	ساتویں فصل
۳۶۹	کیفیت ذمہ داری کا ایک اور واقعہ	۳۵۴	روضہ شریف کی تعمیر
۳۷۰	حضرت قبلہ بابو جی کی شادی	۳۵۴	ثبوت شریف کی برآمدگی
۳۷۱	تواضع اور انکسار	۳۵۴	بمذاکرہ شکم آید بدو چشم روشن خود
۳۷۱	اخلاق فاضلہ	۳۵۵	روضہ مبارک پر کندہ آیات، احادیث اور اقوال
۳۷۲	جو د و سمن	۳۵۹	لا اسراف فی الخیر
۳۷۳	حضرت مدنی صاحب کا مکتوب		آٹھویں فصل
۳۷۵	اخفائے حال		اولاد و احفاد
۳۷۵	محبت فی اللہ	۳۶۰	درتسیم حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی
۳۷۶	عفو و درگزر	۳۶۱	بیٹے کے خلیفہ اعظم ہونے کی روایات
۳۷۷	وفا اور آشتی پروری	۳۶۱	اللہ اللہ کرنے والی روح
۳۷۸	ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست	۳۶۱	تعلیم و تربیت
۳۷۸	دینی و ملی خدمات	۳۶۱	آپ کے تابع
	نویں فصل	۳۶۲	فیضانِ نظر
	قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی اولاد امجاد	۳۶۲	آپ کی طرف حضرت اعلیٰ کے خطوط کے اقتباسات
۳۸۱	صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت	۳۶۴	نوعمری سے توجہ الی الحق
۳۸۱	شہزادہ توحید، نوز کلام حضرت لدی مدظلہ العالی	۳۶۴	میری راہ اختیار کرنی ہے تو میں باتوں پر کار بند رہنا
۳۸۲	حضرت بابو جی کا مکتوب شریف	۳۶۴	حضرت اعلیٰ کی نظر میں حضرت بابو جی کا مقام
۳۸۴	نوز کلام صاحبزادہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب	۳۶۵	صاحبزادگی کی فضا کا مدارک
۳۸۵	شجرہ مہر یہ قدس سترہ	۳۶۵	بے خون جگر چسپین تھو
	دسویں فصل	۳۶۶	فکر و نظر کی بندی
	متوسلین	۳۶۶	بچپن میں ریو سے انجن سے شغف
۳۸۶	متوسلین کا خاص رنگ	۳۶۷	مرشد راہ کے لیے انجن کی چار خصوصیات کا سبق
۳۸۶	حضرت کے بعض ممتاز سرشدین	۳۶۷	کس کا کتب ایک ہم سدا کے حل کا باعث ہوا
۳۸۷	حضرت کے متوسلین کی امتیازی شان	۳۶۸	اجازت بیعت و ارشاد
۳۸۷	مدعیانِ مشنیت	۳۶۸	ذمہ داری کی کیفیت کا طہور

مضمون

صفحہ

باب ہفتم
محاصرین کرام

حضرت دیوان غیاث الدین صاحب انجیر شریف

۳۹۱

حضرت دیوان سید محمد صاحب پک پتن شریف

۳۹۱

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی

۳۹۱

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسہ شریف

۳۹۱

حضرت خواجہ محمود صاحب تونسہ شریف

۳۹۲

حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیال شریف

۳۹۳

حضرت خواجہ فضل الدین صاحب سیالوی

۳۹۵

حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب سیالوی

۳۹۵

حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب شہین سال شریف

۳۹۶

حضرت صاحبزادہ محمد عبداللہ صاحب سیالوی

۳۹۶

حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی

۳۹۷

حضرت صاحبزادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی

۳۹۷

حضرت پیر حیدر شاہ صاحب جلال پور شریف

۳۹۷

خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف

۳۹۷

معلم الدین صاحب مردلہ شریف و خواجہ

۳۹۷

فضل دین صاحب چاچراں شریف

۳۹۷

حضرت خواجہ عبدالخالق صاحب جہان خیلان

۳۹۷

حضرت خواجہ عبدالقادر صاحب باجوہ خیلان

۳۹۷

حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی

۳۹۸

حضرت باوانضل دین صاحب گلیامی

۴۰۰

حضرت خواجہ احمد صاحب میرونی

۴۰۲

حضرت مولوی اکبر علی صاحب میانوالی

۴۰۴

حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بساوی

۴۰۵

حضرت سلطان نور احمد صاحب دربار حضرت سلطان اعادین بامو

۴۰۵

مضمون

صفحہ

حضرات پیر جماعت علی شاہ صاحب و حافظ

۴۰۶

جماعت علی شاہ صاحب علی پوری

۴۰۷

حضرت میاں شیر محمد صاحب شر قوری

۴۰۸

حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب ڈفرہ

۴۰۸

حضرت حافظ عبدالکریم صاحب پلٹہ می

۴۰۹

حضرت مخدوم عبدالدین شاہ صاحب گیلانی ملتان

۴۰۹

حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ملتان

۴۰۹

حضرت سید غلام عباس شاہ صاحب سجاولہ نشین

۴۰۹

محمد شریف

۴۱۱

حضرت پیر قطب شاہ صاحب سندھوی

۴۱۱

حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ

۴۱۲

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوہر شریف

۴۱۴

حضرت مولانا وصی احمد صاحب شہ پل بھیت

۴۱۴

حضرت سید لعل شاہ صاحب شاہ بلاول

۴۱۴

حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواروی

۴۱۵

حضرت سید سید علی شاہ صاحب سہادہ

۴۱۵

حضرت مولانا عبدالباری صاحب رنگی محل

باب ہشتم

بعض مذاکرات و مناظرات

۴۱۹

مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت

۴۲۰

اللہ تعالیٰ کا اور اس کے حبیب کا علم

۴۲۰

تصدیق النبی لنفسہ

۴۲۰

وہابی و بھگت اولیاء اللہ

۴۲۰

نفس میں سید کی تعظیم کا ثبوت

۴۲۱

حیات النبی پر سوال

۴۲۱

جمعہ فی القرنی پر سوال

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۱	بیعت طریقت پر اعتراض کا جواب	۲۲۱	یا شیخ عبد القادر جیلانی شیعاً للہ پر اعتراض کا جواب
۲۳۱	حضرت شمس تبریزی کے ایک شعر کا حل	۲۲۱	انسان کامل کے مقامات کی وسعت
۲۳۲	خلاف الدرجاج کی ترکیب	۲۲۲	ایک آیت کی غلط تاویل کا جواب
۲۳۲	لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت	۲۲۲	قصیدہ غوثیہ میں وافعل مائشاً کا جواز
۲۳۲	میں کسب اور اکتساب کا فرق	۲۲۳	حدیث مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر
۲۳۳	قصہ خضر و موسیٰ میں الفاظ آیت کی تشریح	۲۲۳	ایک اعتراض
۲۳۳	حرمت فحش فوق العقدہ کی تشریح	۲۲۳	تصویر میں حضرات نقشبندیہ سے حدیث وجود و
۲۳۴	کلیر شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق ایک مکتوب	۲۲۳	شہود پر گفتگو
۲۳۴	مولوی حسین علی صاحب الہجراں کے ساتھ مناظرہ	۲۲۴	جنابہ رضیہ کے مطالبہ فذک کی ایک
۲۴۰	تاویل قرآن پر اعتراض کا جواب	۲۲۴	حسین توجیہ
	باب	۲۲۴	خلفائے راشدین کی خلافت کی ترتیب کا
	ارشادات (ملفوظات و مکتوبات)	۲۲۵	لطیف استخراج
۲۴۳	ملفوظات مہریہ و مہر چشتیہ	۲۲۵	خلفائے راشدین کی خلافت کا نص قرآنی
	پہلی فصل	۲۲۵	سے ثبوت
	مکتوبات عالیہ	۲۲۵	علمائے اہلسنت کو شنائے اہل بیت کرام
۲۴۵	ایک مخلص کی بیماری پر دوا نامہ	۲۲۵	کی تلقین
۲۴۵	ایک طالب وظائف کو تلقین	۲۲۵	امکن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ
۲۴۶	طریقہ وقوف زمانی و عددی	۲۲۵	قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے
۲۴۶	ایک عارفانہ رباعی کی تشریح اور تفسیر	۲۲۶	ایک ہندو سادھو سے مسئلہ توحید پر گفتگو
	تحریک خلافت اور بیعت امامت کے متعلق	۲۲۶	ایک بخومی برہمن سے مکالمہ
	مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی کا خط اور	۲۲۸	علم الحروف کے خواص
۲۴۹	اس کا جواب	۲۲۹	اذا دخل السین فی السین ظہر
	حضرت کا مکتوب شریف بجواب سجادہ نشین	۲۲۹	قبر مہدی الدین
۲۵۱	صاحب سیالوی	۲۲۹	بعض طنزیہ اشعار کی تعلیق
۲۵۳	دو اشعار کی عارفانہ تشریح	۲۳۰	بہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۷۱	شیخ اکبر کا کشف	۴۵۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کا اطلاق اور آپ کے جانساز بننے کے متعلق استفسار کا جواب
۴۷۲	حضرت شیخ اکبر کا ایک مُرید کو حق تعالیٰ ربی کا عطیہ	۴۵۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ساجد کی فضیلت کے غلط اعتقاد کی تردید
۴۷۲	فیض اقدس	۴۵۶	سجدۃ تعظیمی کی ممانعت
۴۷۳	فیض قدس	۴۵۶	ایک آیت کریمہ کے متعلق تفسیر صیغہ الرحمن کی تشریح
۴۷۳	آدم کے وجود میں علوم الہیہ کا ظہور	۴۵۷	موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بموتی
۴۷۳	انسانی وجود میں عالم علوی و سفلی کے حقائق و نظائر	۴۵۹	احترام سادات کے متعلق حضرت کی ایک قلمی تحریر
۴۷۵	فیض اقدس کا ایک اور سبق	۴۶۱	ایمان ثابتہ اصطلاح صوفیاء میں ولی کی تعریف اور اسلام میں صوفیاء کی حیثیت پر سوالات کے جواب
۴۷۵	ایک صاحب کشف فقیر جو بوجہ لغزش گمراہ ہو گیا۔ عبادت سے ملائکہ کی تولید	۴۶۲	آیہ تطہیر کے مصداق کون ہیں؟
۴۷۵	ترکِ اشغال یعنی عدمِ تخت نشینی	۴۶۲	لعنِ یزید پر آپ کا مسلک
۴۷۵	مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے		دوسری فصل
۴۷۶	ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا	۴۶۴	ملفوظاتِ طلبات
۴۷۶	سخن در فضیلت اہل بیت کرامؑ	۴۶۸	تقریر علیہ النجف سمانیہ لاہور
۴۷۶	حسینؑ کے ابناءے رسولؐ بننے کا قرآنی ثبوت۔ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔	۴۶۹	شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب
۴۷۷	حضرت مولا علیؑ کا انبیائے کرام سے تعلق		توحید و خودی کے متعلق اخص الخواص کے عقیدہ کا بیان
۴۷۷	ابدال اور نقباء کی منازل اور کیفیات کا بیان	۴۷۰	روایت الہی کے بارے میں حضرت شیخ اکبر کے مسلک کی تشریح
۴۷۸	دیوان حافظؒ کے دو اشعار کی تشریح	۴۷۱	ایک شبہ کا ازالہ
۴۷۸	درویشوں کی چار قسمیں	۴۷۱	حضرت شیخ الشیوخ شہرِ دہلی اور شیخ اکبر
۴۷۹	الواع ذکر	۴۷۱	شیخ اکبر ایک مخالفت کے جملے پر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸۵	سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ	۴۷۹	صحابہ کرام کا حضورِ دوام
۴۸۶	سلسلہ شریف قادریہ امامیہ	۴۸۰	تصویرِ شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ
	تیسری فصل	۴۸۰	مسائل معجزات و کرامات
	کلام منظوم	۴۸۰	بامی اخلاص اور آشا پرستی
۴۸۹	کلام منظوم	۴۸۱	جلال کعبۃ اللہ
۴۹۰	فارسی غزل "مے توحید از خجاندہ غیب"	۴۸۱	پیران کلیر جلال کی کیفیت
۴۹۰	فارسی غزل "سینہ مالامال در دست مجید ہر دے"		ایک درویش کی سرکار بغداد کے ارشاد
۴۹۱	ملک سلطان محمود کے خط کا منظوم جواب	۴۸۱	ربیت
۴۹۱	فارسی غزل "آتشہ ماہِ رُوسے پر ناز و ستم گارم"	۴۸۱	آپ سے ایک کسان مرید کی گفتگو
۴۹۲	فارسی غزل "گو نامر سیاہ کردم از بسکہ گناہ گارم"	۴۸۲	سورۃ یسین کے وظیفہ کی ترکیب
۴۹۲	حضرت بابو جی کی طرف مکتوبات میں عارفانہ اشعار	۴۸۲	ایک پیر زادہ کو نصیحت
۴۹۳	فارسی نعت "صبا ز طرۃ شبنم مہوش طنار"		سورۃ یسین و منزل اور چہل کاف کے وظائف
۴۹۳	فارسی اشعار راوی از ہجراں شکایت می کند"	۴۸۲	کی ترتیب
۴۹۴	"مثنوی بوڑا بزبان فارسی"		اوراد اور دم برائے شفائے بختِ ارم منہ
۴۹۵	اردو غزل "دلکس کی لگن میں پھر تاجے وحشی تو بن بن میں"	۴۸۳	وجع مفاصل - کرم دماغ وغیرہ
۴۹۶	فارسی اشعار و مدح خواجہ شمس الدین حساسی لوی	۴۸۳	تعویذ برائے جملہ حاجات
۴۹۷	پنجابی اشعار بطرز کوسف زلیخا"	۴۸۳	وظیفہ برائے فراغتِ معاش
۴۹۷	ہندی خیال "جب سے لاگے تو رے سنگ نین پیا"	۴۸۳	دُرود مستعات شریف کا ورد
۴۹۸	"مناجات پنجابی" اچھے بھی اوہ پیاں دس دیاں"	۴۸۴	وظیفہ برائے حفظ و امان
۴۹۸	نعت پنجابی "دل لگا رہے پروا ہاں نال"	۴۸۴	وردِ خاص
۵۰۰	نعت پنجابی "آج بسک بہتر اے دی دھیری اے"	۴۸۴	محبت الہی کے لیے وظیفہ
۵۰۱	مرثیہ پنجابی "ایہ ہندی فاطمہ سین دی اے"		کلام اللہ کے وظائف حصولِ ثواب اور رضائے
۵۰۲	ہندی کبت	۴۸۴	حق کی نیت سے پڑھنے چاہئیں
۵۰۳	مثنوی گونگو	۴۸۴	مرگی کی مرض کے لیے دم
		۴۸۵	مجموعہ وظائف و اوراد
		۴۸۵	حضرت قبلہ عالم کے سلاسل فقر

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۳۶	تفسیر اور تاویل کی تحقیق		باب دوم
۵۳۶	اہل کے معنی		تصانیف
۵۳۷	ذبح کے شرائط اور اقسام		پہلی فصل
۵۳۷	استفتاء متعلق نذر و استمداد ارواح اولیاء	۵۱۳	"تحقیق الحق فی کلمۃ الحق"
۵۳۸	نذر اولیاء اللہ کے متعلق فتاویٰ عزیز می کا حوالہ	۵۱۵	حضرت کا اپنا بیان در وجہ تالیف
۵۳۹	نذر کردہ چیز کی تخصیص کا بیان	۵۱۶	مولف کلمۃ الحق کی توجہات
	چند سوالات در بارہ استعانت و امداد	۵۱۶	لفظ اللہ پر دقیق علمی بحث
۵۴۰	ارواح کا ملین	۵۱۹	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وجوہ بلاغت
۵۴۱	ان سوالات کے جوابات	۵۱۹	عالم برزخ کا بیان
	حضور سرور کائنات کے بعض خاص اشادات	۵۲۰	سجدہ تعظیم کی مانعت
۵۴۲	حسب المراتب ہوتے تھے		دوسری فصل
	حضرت سلطان الزاہدین کھج مشکو کے		"شمس الہدایۃ فی اثبات حیات المسیح"
۵۴۲	سہارے اور توکل کا ایک واقعہ	۵۲۲	وجہ تالیف
	ہر شخص کی مبداء فیاض سے ایک	۵۲۵	رفع و نزول و حیات مسیح پر دلائل
۵۴۲	خاص خصوصیت		تیسری فصل
۵۴۵	بدرگاہش بیاد ہر چہ میخواستی تمنا کن		"سیف چشتیانی"
۵۴۶	عقیدہ شفاعت	۵۲۹	وجہ تالیف
۵۴۷	سماع موتی	۵۳۰	اقتباسات از سیف چشتیانی
۵۴۸	قبور پر دعائے مغفرت	۵۳۲	مہراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت
	پانچویں فصل	۵۳۳	تعارض عقل و نقل کا مسئلہ
	"الفتوحات الصمدیہ"	۵۳۴	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں
۵۴۹	وجہ تالیف	۵۳۴	طعام اہل ارض و اہل سما
۵۴۹	غیر متقلدین کے سوالات		چوتھی فصل
۵۵۰	سوال نمبر ۱		"اعلام کلمۃ اللہ فی بیان مآہل بہ"
۵۵۱	سوال نمبر ۲ کے جواب کا خلاصہ		لَعَنَ اللَّهُ
۵۵۲	غیر متقلدین پر حضرت کے بارہ سوالات	۵۳۶	وجہ تالیف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷۳	شہریت کا غیر متزلزل ضابطہ	۵۵۴	تقریب تالیف
۵۷۴	قضا و قدر کا نادر شاہکار مرد حق	۵۵۵	اثبات خلافت راشدہ پر آیات قرآنیہ
۵۷۵	جمال ظاہری کی کرامت اولین	۵۵۹	بعض مطاعن اور ان کا جواب مسئلہ قسطاس
۵۷۵	اس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے	۵۶۰	حدیث خم غدیر
۵۷۶	علوم لدنیہ کی کرامت عظیمہ	۵۶۰	قضیہ باغ فدک
۵۷۶	شرف نسب کی سرمدی کرامت	۵۶۱	آیہ مباہلہ کی تشریح اور تفسیر
۵۷۶	صلہ اُمت کی بشارت	۵۶۲	آیت تطہیر
۵۷۸	قادیانیت کا مقابلہ	۵۶۳	آیت موت
۵۷۸	گاندھی ازم کا سد باب	۵۶۳	حدیث ثقتین
۵۷۹	استقرار پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کا حصہ	۵۶۳	حدیث اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَى بَابِهَا
۵۷۹	پاکستان کے لیے دُعا	۵۶۴	لفظ مولیٰ کی تشریح
۵۷۹	پاکستان کی پیش گوئی	۵۶۵	ایک ضروری تنبیہ
۵۷۹	۹۶۵ء میں جنگ ہندوستان کے متعلق خواب		ساتویں فصل
۵۷۹	میں قبل از وقت فتح پاکستان کی بشارت		"فتاویٰ مہر"
۵۸۰	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کئی سے خدمت	۵۶۶	طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت کا ایک فتوے
۵۸۰	رے کرامت کی کار سازی فرماتے ہیں	۵۶۸	اردو میں فتویٰ کا مختصر مطلب
۵۸۰	مہر عالم کے جلووں کا عکس	۵۶۹	فتویٰ متعلقہ نماز جمعہ
۵۸۰	اس ولایت کبریٰ کی وسعت	۵۶۹	بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ کے متعلق فتوے
۵۸۱	حضرت سید لعل شاہ صاحب کے مکاشفات		باب یازدہم
۵۸۱	حضرت سید عباس علی شاہ صاحب بخاری ساندہ خور کا خواب		کرامات
۵۸۲	انقلاب افغانستان میں شہر کابل کی نگہداشت	۵۷۳	کرامت کی تعریف
۵۸۲	ملا صاحب ہڈہ کی غزائیں نظر آنا	۵۷۳	کرامت حسیہ
۵۸۲	حل مشکلات کے لیے مدینہ منورہ سے ایک تار	۵۷۳	کرامت معنویہ
۵۸۳	ایران میں اونگھتے ہوئے مرید کو اشارہ کر کے لاری		
۵۸۳	کے حادثہ سے بچایا		
۵۸۳	مرید کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے اُتر والیا۔		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حضرت جس قدر غریب نواز تھے اُسی قدر	۵۹۹	سلسلہ طریقت میں بیعت فرمایا
۶۰۱	غیور بھی تھے	۵۹۹	قطب الوقت کے اوصاف کا بیان اور اس کا مشاہدہ
۶۰۲	تمتہ		راقم الحروف کی بیعت اور اُس کے متعلق ایک
۶۰۳	قصیدہ مہر نما	۶۰۰	مجدوب کی اطلاع بر غیب
۶۰۵	کوائف وصال حضرت بابو جی قدس برترہ		

فہرست تصاویر

- ۱ صفحہ ۴۴-۴۵۔ دوران مطالعہ حضرت کے قلمی نوٹ
- ۲ ۵۲۔ آستانہ عالیہ گولڑا شریف کا فضائی منظر
- ۳ ۵۳۔ مزار مبارک حضرت سید روشن دین صاحب و سید رسول شاہ صاحب
- ۴ ۵۴۔ مزار مبارک حضرت سید پیر نذر الدین شاہ صاحب والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب
- ۵ ۵۵۔ مزار مبارک حضرت سید نذر الدین شاہ صاحب کا اندرونی منظر
- ۶ ۵۶۔ مزار مبارک سید پیر فضل الدین شاہ صاحب کا اندرونی و بیرونی منظر
- ۷ ۵۷۔ حضرت کی رہائش گاہ "عشق آباد" حضرت کا پلنگ بستر مبارک
- ۸ ۶۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب
- ۹ ۸۰-۸۱۔ سند با عنایت کردہ مولانا لطف اللہ صاحب و مولانا احمد علی صاحب سہارن پور
- ۱۰ ۱۳۰۔ وادی حمرا والے خواب کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر
- ۱۱ ۱۳۱۔ حضرت کی قلمی تحریر کردہ دو غزلیں
- ۱۲ ۱۴۶۔ مسجد آستانہ عالیہ گولڑا شریف
- ۱۳ ۱۴۷۔ مسجد عالیہ کے دو اندرونی مناظر: محراب و جائے نماز قیام
- ۱۴ ۳۵۴۔ روضہ مبارک پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب مشرق
- ۱۵ ۳۵۵۔ روضہ مبارک پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب شمال
- ۱۶ ۳۵۶۔ روضہ اقدس و مرقد مبارک سید پیر مہر علی شاہ صاحب و حضرت بابو جی
- ۱۷ ۳۵۷۔ حضرت بابو جی کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر
- ۱۸ ۳۶۰۔ حضرت بابو جی
- ۱۹ ۳۶۱۔ فولواجن گوالید جو حضرت بابو جی کو پیش کیا گیا
- ۲۰ ۳۶۷۔ حضرت بابو جی کی بیٹھک مبارک

باب اول

خاندان و آبائے کرام

حاندان

شجرہ نسب

تیرٹی نسل پاک میں بنے پختہ پختہ نور کا نور ہے یوں نور تیسرا سب گھرانہ نور کا
 حضرت قبلہ عالم پرست سید مہر علی شاہ ہیلانی، رزاقی، قادری چشتی، نظامی و صابری، اعلیٰ قدس سرہ کے
 نسب پاک کا سلسلہ پنجویں، اسیوں سے حضرت غوث الاعظم اور عیشیوں و اسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے جاتا ہے۔ اس کی تفصیل جو از غزالی سب سلسلہ میر علی بن مریم الدین، تہاوی امانی ثورہ ہات تعمیر الیٰ ذیل ہے۔
 سید مہر علی شاہ ابن سید نذر گن شاہ ابن سید خاتم شاہ ابن سید، وشن گویں شاہ ابن سید عبد الرحمن
 نور علی ابن سید عزیز اللہ ابن سید غیاث علی ابن سید فتح اللہ ابن سید اسد اللہ ابن سید نور الدین ابن سید
 احسان ابن سید، رگابی ابن سید جمال علی ابن سید محمد جمال ابن سید ابی محمد ابن سید میر علی محمد کلاں ابن سید
 میرزا شاہ قادر نقیص سادہ صوری ابن سید ابی الحیات ابن سید تاج الدین ابن سید بہاؤ الدین ابن سید جمال الدین
 ابن سید داؤد ابن سید علی ابن سید ابی کمال ابن سید علی ابن سید تاج الدین ابو بکر عبد الرزاق ابن سید غوث الاعظم
 میرزا علی الدین ابی محمد عبد العزیز درجیلانی ابن سید ابو کمال ابن سید عبد العزیز علی ابن سید یحییٰ زابا ابن سید
 شمس الدین زکریا ابن سید ابو بکر داؤد ابن سید موسیٰ ثانی ابن سید عبد اللہ قاسم ابن سید موسیٰ ابوالحسن ابن سید عبد اللہ
 فضل ابن سید حسن مثنیٰ ابن سیدنا امام حسن المجتبیٰ ابن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم رضی اللہ عنہم اجمعین
 حضرت قبلہ عالم کی والدہ ماجدہ بھی اسی خاندان پاک گیلانیہ، قادیسی سے تھیں جن کا شجرہ شریف مندرجہ ذیل ہے۔
 حضرت منصور موصوف زبنت پیر سید بہادر شاہ ابن سید شیر شاہ گریں سید چراغ شاہ ابن سید امیر شاہ
 ابن سید عبد اللہ شاہ ابن سید مبارک شاہ ابن سید حسین شاہ ابن سید میر شاہ ابن سید محمد تقیم شاہ
 ابن سید عبد المعالی ابن سید نور شاہ ابن حضرت سید علی بہاؤ الدین المعروف بہاؤ شیر قادری مکہ مجروح شاہ تقیم ضلع
 ساہی وال ابن سید محمود ابن سید علاؤ الدین ابن سید مسیح الدین ابن سید سعد الدین ابن سید ظہیر الدین ابن سید
 شمس العارفین قادری ابن سید موسیٰ ابن سید مشتاق ابن سید علی ابن سید ابی صالح نصر ابن سید تاج الدین ابو بکر
 عبد الرزاق ابن سید غوث الاعظم علی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔
 آئینہ اب کا شجرہ از دل بھی اسی خاندان عالیہ میں یعنی آپ کی والدہ ماجدہ کے علم زاد بھائی سید چراغ علی شاہ کی صاحبزادی
 سے ہوا یہ خاندان مجروح شاہ تقیم سے نقل مکانی کو کے حسن ابدال ضلع کیسل پور میں آباد ہو چکا تھا۔

حسین پاک اور ان کی ذریت فرزدان رسول ہیں

آنحضرت سے قرب و قرابت کا جو شرف اہل بیت کرام میں سے حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء سرکار ولایت سیدنا علی اور حسین شریفین علیہم السلام کو ہے، اس میں کوئی بھی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے آیہ مبارکہ :-

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا كَهْوِ نِسَاءِنَا وَنِسَاءَ آبَائِنَا لِنُؤْخِذَ بِهِمْ نَبْذَرُهُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ (آل عمران، آیت ۶۰)

اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بھلائیں۔

اور اس پر آپ حضور کا حسین پاک کو بطور اپنے بیٹوں کے ہمراہ لینے کا عمل ہی کافی ثبوت ہیں۔ چنانچہ علامہ سیلیمان حنفی نے "نایب المودۃ" میں علامہ زرقانی المالکی نے شرح مواہب اللدنیہ میں، علامہ سہودی الشافعی نے جواہر العقیدین میں اور شیخ عبدالحی محمدرشت حنفی دہلوی نے مارج النبوة میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فرزدان رسول کہلانے کا شرف صرف حسین پاک اور ان کی ذریت کو حاصل ہے۔

علامہ زمان شیخ محمد بن علی صبان مصری اپنی کتاب اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و اہل بیۃ الطاہرین میں فرماتے ہیں :-

"اور اہل بیت کے فضائل میں سے ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آنحضور کی اولاد و فرزند کہلاتے ہیں اور آنجناب کے ساتھ صحیح نسبت سے منسوب ہیں۔ امام غزالی نے آنحضور کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت کو اُس کی اپنی پشت میں رکھا، مگر میری ذریت علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی۔ طبرانی وغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ہر ماں کی اولاد اپنے آبائی خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے، بجز اولاد فاطمہ کے جن کا ولی اور عصبہ میں ہوں۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ہر عورت کی اولاد کا عصبہ اُن کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماسوائے اولاد فاطمہ کے، کیونکہ اُن کا باپ اور عصبہ میں ہوں یہ خصوصیت صرف اولاد فاطمہ کے لیے ہے۔ آپ حضور کی دوسری صاحبزادیوں کی اولاد اس میں شریک نہیں۔ اُن کے لیے حضور کو باپ نہیں کہا جائے گا۔ البتہ آپ کی ذریت و نسل کہہ سکتے ہیں۔"

حضرت قبلہ عالم کی اپنے نسب کے متعلق اپنی ایک تحریر آپ کے قلمی شجرۂ نسب میں سے نقل کی جاتی ہے، کیونکہ بعض لوگ مشاہیر سادات کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سید ہونے کے متعلق خود دعویٰ کیوں نہیں فرمایا۔ اسی لیے جناب غوث الاعظم نے قصیدہ غوثیہ میں فرمایا ہے :-

أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمَخْذُوعُ مَقَاتِلِي وَأَقْدَارِي عَلَى عُنُقِ الرِّجَالِ

(میں سید حسنی ہوں اور میرا مقام عالم باطن میں مخدع ہے۔ اور میرا قسم مروان خدا کی گردنوں پر ہے) ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں :-

لَا مَخْذُوعَ عَالَمٍ بَعْدَ غَيْبِ الْغَيْبِ فِي أَيْكٍ بَسْتِ فِي بَلَدٍ مَقَامِ بَعْدَ جِهَانِ نَهَايَتِ فِي بَلَدٍ بِرِوَاكِزِ الْأَكْمَلِ تَرِيں اُولِيَا كِرَامِ كُوْرَسَاتِي حَاصِلِ تَوَقُّی ہے۔ اور اس کی حقیقت سے بے خبری کے باعث بہت سے اولیاء کرام اس مقام والی شخصیت کے متعلق دھوکا کھا گئے جیسے حضرت غوث الاعظم کے وقت میں ایک ہم عصر بزرگ شیخ عبد الرحمن طفسوخی کا واقعہ نفحات الانس میں تحریر ہے۔

وَمَنْ فِي رَجَالِ اللَّهِ نَالَ مَكَانَتِي وَجَدَنِي رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَصْلِ رِجَالِي
 (اور مردانِ حشدِ امیں کون سے جس نے میرا مرتبہ پایا؟ کیونکہ میری تربیت میرے جدِ امجد رسول اللہ نے خود فرمائی ہے)
 وَالَّذِي الرَّهْطُ اعْرَبْتُ مُحَمَّدٍ أَبُو هَارِثُ رَسُولُ الْخَلْقِ عَزَبَهُمْ شَانِي
 (اور میری والدہ جنابِ زہرا بنت محمد علیہ السلام ہیں جن کے والد تمام خلق کے رسول ہیں اور ان کی وجہ سے میری شانِ نبیہ)

حضرت قبلہ عالم کی تحریر اپنے نسب کے متعلق مع سند بغداد شریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ - أَمَّا بَعْدُ فَيَقُولُ الْعَبْدُ الْمُعْصِمُ
 بِحَبْلِ اللَّهِ الْمَعْرُوفُ بِبَهْرٍ عَلَى شَاهِدٍ عَنِ رَبِّهِ أَنَّ مَا بِهِ يَنَالُ نَوْعُ الْإِنْسَانِ
 الشَّرَفَ وَالْعُلَى وَالْعُزَّةَ الْوُثْقَى عِنْدَ رَبِّهِ الْأَعْلَى كَلِمَةُ الثَّقْوَى بِشَهَادَةِ
 أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ
 وَبَدَلَالَةٍ -

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ - وَإِنَّ الْمَنَاطَ لِهَذَا الْمَقْصِدِ الْأَعْلَى حُصُولُ
 الْإِنْتِسَابِ وَالْإِرْتِبَاطِ بِمَنْ قَامَ مَقَامَ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى - عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ
 الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنَ اللَّهِ الْأَعْلَى وَمَنْ سِوَاهُ -

إِمَّا عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ أَعْنِي حَسَبًا وَنَسَبًا أَوْ لَا أَعْنِي حَسَبًا فَقَطْ، بِمُقْتَضَى
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا - وَيَفْحَوَاءُ
 يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ - وَبِمَنْطُوقٍ: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحَبْلِ أَحَبَّهُمْ
 وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِابْغَضِهِمْ - وَبِمَذْهُولٍ: أَهْلُ بَيْتِي كَسَفِينَةٍ تَوْجَرُ مَنْ
 رَكِبَهَا نَجَى -

وَمَا زِلْتُ أَتَرَدَّدُ فِي سَيَادَةِ أَهْلِ هَذِهِ الدَّارِ أَعْنِي دَارَ الْهِنْدِ حَتَّى فِي
 شَأْنِي نَظَرًا إِلَى حَسَبِي وَإِنْ كَانَ الْكُتُبُ الْمُعْتَبَرَةُ فِي هَذَا الْفَنِّ فِي هَذِهِ النَّاحِيَةِ
 مَوْجُودَةً عِنْدَ جَدِّي وَمُرْشِدِي فِي الطَّرِيقَةِ الْقَادِرِيَّةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ پیر
 فَضْلِ دِينَ قُدَّسَ سِرُّهُ وَقَدْ كَانَ يُقَرِّرُ بِشَفَقَتِهِ الْعَمِيمَةِ الْجَبَلِيَّةِ الْبَحْلِيَّةِ فِي هَذَا
 الْأَمْرِ حَتَّى أَعْرِفَنِي عِنْدَ سُرَّةِ الظَّنِّ وَأَرَانِي مَنَصَّةَ الْيَقِينِ بِرِوَايَتِهِ عَنْ سَيِّدِي
 وَشَيْخِي الْمُتَمَسِّكِ بِشَرِيعَةِ الْمُصْطَفَى حَضَرَتْ مَسْكِينِ شَاهِ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنْ عَمِّي
 شَيْخُ الْمَشَائِخِ حَضَرَتْ پیرِ رُوشَن دین و دِل دینی سَيِّدِ السَّادَاتِ سَيِّدِ رُسُلِ
 قَدْ حَصَلَ لَهَا السُّنْدُ فِي بَعْدِ إِدْعَائِهِمْ عَنْ صَاحِبِ السَّجَادَةِ لَسَيِّدِ حَبِيبِ
 مُصْطَفَى ابْنِ السَّيِّدِ قَاسِمِ الْقَادِرِي فِي الْإِنْتِسَابِ إِلَى خَوَاتِ الثَّقَلَيْنِ قُدَّسَ سِرُّهُ -

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور صلوٰۃ و سلام جناب خاتم النبیین
پر اور آپ کی جملہ آل و اصحاب پر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو پکڑنے والا بندہ المعروف بہ مہر علی شاہ
اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے، عرض گزار ہے کہ نوع انسانی میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو چیز شرف کا
باعث اور عروہ و ترقی ہو سکتی ہے وہ کلمۃ التقویٰ یعنی پرہیزگاری ہے۔ اس کی شہادت اللہ کافان
أَقَامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ (یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی سے ڈرا اور اپنے
نفس کو حرص و ہوا سے بچاتا رہا اُس کا ٹھکانا جنت ہے) دے رہا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنْ
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ (یعنی بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا
وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) دلالت کر رہا ہے۔

اور بلاشبہ اس مقصد عظیم کا دار و مدار اُس ذات کے ساتھ نسبت اور تعلق کا حصول ہے جو مقام
قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کا صاحب ہے۔ اُن پر اور اُن کی آل پاک پر اللہ تعالیٰ کا درود و سلام ہو۔

یہ نسبت اور تعلق خواہ کامل ہو یعنی حسب و نسب دونوں لحاظ سے ہو یا فقط حسب کے لحاظ سے آیہ تطہیر
اِسْمَائِرِیْدُ اللّٰهُ لَیْذُہْبٌ عَنْکُمْ الرِّجْسَ
اَہْلَ الْبَیْتِ وِیُطَہِّرْکُمْ تَطْہِیْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)
اور فرمان الہی:

یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ
النِّسَاءِ۔ (الاحزاب: ۳۲)

اور احادیث پاک:
مَنْ اَحَبَّهُمْ فِیْ حَبِیِّ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ
اَبْغَضَهُمْ فِیْ بَعْضِیْ اَبْغَضَهُمْ۔
جس نے اُن کے ساتھ یعنی میرے اہل بیت کے ساتھ
محبت رکھی میری ہی محبت کے باعث رکھی اور جس
نے اُن کے ساتھ بغض رکھا، میرے ہی ساتھ بغض
کی وجہ سے رکھا۔

اَہْلَ بَیْتِیْ کَسَفِیْنَتِیْ نُوْحٌ مِّنْ رِّکْبَہَا
نَجِی۔
میرے اہل بیت کشتی نوح کی مانند ہیں جو اس
میں سوار ہوا، نجات پاگیا۔

اس کو ثابت کر رہے ہیں۔
میں اس ملک یعنی ہندوستان کے سادات کی سیادت کے معاملے میں ہمیشہ متردّد رہتا تھا۔ حتیٰ کہ مجھے
اپنے حسب یعنی کمالات کسبیہ کے پیش نظر اپنے متعلق بھی ایسے ہی خیالات آتے رہتے تھے حالانکہ علم نسب
کی وہ تمام کتب جو اس نواح میں معتبر شمار کی جاتی ہیں، میرے جد بزرگوار اور مرشد طریقت قادر یہ سید السادات
پیر فضل دین قدس سرہ کے پاس بطور سند موجود تھیں۔ اور آنجناب اپنی شفقت عمیمہ، فطری، جیلانی کے باعث

لے یہ طریق تحریر بہ انداز کفری ہے۔

مجھے اس ضمن میں مطمئن کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سیدی و شعی، پابند شریعت مصطفوی، حضرت مسکین شاہ سے یہ روایت بیان فرما کر مجھے ظن غالب اور حد یقین تک پہنچا دیا تھا کہ آنجناب کے علم بزرگ شیخ الشیوخ حضرت پیر سید روشن دین اور آنجناب کے والد بزرگوار سید السادات حضرت پیر سید رسول شاہ کو بغداد شریف میں حضرت سید حبیب مصطفیٰ ابن سید قاسم قادری تاجا نشین بارگاہ غوثیہ نے اس امر کی سند عطا فرمائی تھی کہ ان کا نسب تعلق حضرت سیدنا غوث الاعظم قدس سرہ کی ذات گرامی سے صحیح اور درست ہے۔ اس قہید کے بعد حضرت قبلہ عالم نے اس طویل سند کی نقل درج فرمائی ہے جو آپ کے اصل شجرہ نسب کے ساتھ دربار گولڑہ شریف میں محفوظ ہے اس سند کا سن تحریر ۱۲۱۱ھ ہے اور اس میں جناب تاجا نشین صاحب بغداد شریف تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”یہ دونوں حضرات پیر سید روشن دین صاحب اور پیر سید رسول شاہ صاحب حسب و نسب کے لحاظ سے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں اور فیض و برکت میں آنجناب کے صحیح وارث ہیں اور میرے لیے بمنزلہ اپنی اولاد کے ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ کے متوسلین کو چاہیے کہ ان کے ہاتھ کو میرا ہاتھ اور ان کی زبان کو میری زبان سمجھیں۔“

حضرت قبلہ عالم کی مندرجہ بالا تحریر سے امور ذیل واضح ہوتے ہیں:-

اول یہ کہ انسان کے شرف، بزرگی اور عزت کا دار و مدار تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور قوی تعلق پر ہے۔

دوم یہ کہ تقویٰ و تعلق باللہ کا حصول جناب سرور کائنات کی ذات الاصفات کے ساتھ وابستگی اور آنجناب کی پیروی پر ہے۔

سوم یہ کہ جناب سرکار کونین کے ساتھ نسبت اور تعلق شرعی لحاظ سے صرف دو صورتوں میں معتبر شمار کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت کامل ترین تعلق کی ہے جو حسب و نسب ہر دو لحاظ سے ہو۔ حسب ذاتی کمالات کسبیت اور نسب باپ کی طرف سے جدی غوثی تعلق کو کہتے ہیں۔

دوسری صورت فقط حسب یعنی کمالات کسبیت کے لحاظ کی ہے۔

اس ضمن میں ایک تیسری صورت بھی ہے یعنی محض نسب کے لحاظ سے جو حسب یعنی دولت ایمان اور اعمال صالحہ سے، حضرت نوح کے بیٹے کی طرح معتبر ہے شرعی طور پر اس تیسری قسم کے تعلق کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اس لیے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز نے اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ ویسے یہ صورت جیسے کہ آئندہ اوراق میں واضح کیا جائے گا، اس حضور کی اولاد کرام میں متصور بھی نہیں اور خارج از بحث ہے۔

گویا تمام بزرگی و کمال کا انحصار محض تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری اُسی قدر زیادہ ہوگی، جتنا آنحضور سے تعلق قوی ہوگا۔ اور اس حضور کا تعلق جیسے کہ اوپر ذکر آچکا ہے، جسی جوسی دونوں لحاظ سے اہل بیت کرام کو ہی حاصل ہے اور فقط جسی لحاظ سے کامل طور پر حضرات صحابہ کرام کو حاصل ہے جس کے اعلیٰ ترین مظہر حضرات خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان ہیں۔

پہلی قسم کے اولین صدیق سیدنا علی بن حسین شریفین اور جناب فاطمہ ہیں۔ ان کی اولاد سے ہر دور میں اس قدر علماء و عرفاء پیدا ہوتے رہے ہیں کہ ان کے اسماء گرامی کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال علم و فضل، تجرد و سخا، شجاعت و جلالت، شریعت و طریقت یعنی مجملہ فضائل و کمالات میں ان کی اولاد جیشہ سرآمد روزگار رہی اور بفضلہ تعالیٰ رہے گی۔ اور اسی شجرہ شریفین کی آخری شاخ سید السادات حضرت امام مہدی ہوں گے۔ اہل بیت کرام کے انساب پاک اور فضائل پر معالَم العترۃ النبویہ

اور کتاب الانساب از علامہ سمنانی اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف موجود ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ
"اخبار الاخیار" میں فرماتے ہیں :-

ظاہر از اہل بیت نور بنی
از ازل تا ابد بود ظاہر

یعنی اہل بیت کرام سے آل حضور کا نور یوں ظاہر ہو رہا ہے جیسے سورج کا نور چاند سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ نور
تا ابد اسی طرح ظاہر ہوتا رہے گا، کیونکہ یہ ابدی اور سرمدی ہے۔

دوسری قسم یعنی صحابہ کرام خصوصاً خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان کی اولاد کے متعلق کتب سیر، اسامہ الرجال و انساب کے مطالعہ
سے اظہر من الشمس ہے کہ اہل بیت کرام کے بعد جس قدر ارباب کمال ان کی اولاد سے ہوئے ہیں، دوسرے خاندانوں میں ان کا
عشر عشر بھی نہیں پایا جاتا۔ مثلاً مثنیٰ نمونہ از خردوار سے، حضرت صدیق اکبر کی اولاد سے تابعین میں حضرت قاسم اپنے وقت
کی ایک نہایت ہی ممتاز شخصیت تھے، جنہیں امام بخاری نے اپنے زمانے کے فاضل ترین حضرات میں شمار کیا ہے قرآن و سنی
میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین بھروردی اور حضرت مولانا جلال الدین رومی اور متاخرین میں مجدد و طریقت حضرت کلیم اللہ
جہان آبادی، حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی، حضرت شیخ عبد اللہ شطاری سلسلہ شطاریہ بہت بڑے بزرگان
میں سے ہوئے ہیں۔

حضرت فاروق اعظم کی اولاد سے قرآن اولیٰ میں حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی متعدد سلسلوں کے پیشوا تھے۔
اور قرآن و سنی میں اور متاخرین میں حضرت شیخ کبیر فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت صوفی حمید الدین ناگوری، حضرت شیخ نجم الدین گبری
حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، قطب العالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی، امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد
الف ثانی، حضرت شیخ سلیم چشتی اور ہندوستان کا مشہور عالم خاندان ولی اللہی اور علمائے خیر آبادی ہوئے ہیں۔
حضرت عثمان غنی کی اولاد سے پانی پت میں مشہور زمانہ ولی حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء اور مشہور محقق جناب قاضی
شہاب الدین پانی پتی گزے ہیں مزید تفصیل کے لیے نفحات الانس مولانا جامی، اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی، طبقات کبریٰ
از امام شعرانی اور تذکرہ علمائے ہند وغیرہ کتب دیکھی جاسکتی ہیں۔

نسب بحیثیت عمومی کا شرف

بعض لوگ فقط حسب یعنی ذاتی کمالات کو ہی شرف و کمال کا موجب سمجھتے ہیں اور نسب یعنی خاندانی شرافت کی فضیلت
کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ نسب کا شرف دیگر مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص قابل احترام ہے۔ نسب
سے ہی نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ خلافت و امامت کے لیے اسلام میں قریشی ہونے کی تخصیص بھی شرف نسب کے باعث
ہے۔ اسلاف و آباء کی شرافت اولاد کے لیے دنیا و آخرت ہر دو میں مسئلہ طور پر عزت کا باعث ہے اور اقوام عالم میں نسب
کا احترام ایک امر مسلم ہے خود قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے مثلاً :-

۱۔ سورۃ کہف کی ۸۲ ویں آیت میں دو تیم بچوں کی دیوار کا جس کے نیچے ان کا مال مدفون تھا، اللہ تعالیٰ کا حضرات
موسٰی و خضر علیہما السلام کے ذریعے، بلا اُذرت تعمیر کرانے کا ذکر ہے، اس کا خیر میں اللہ تعالیٰ کی حمایت اور رحمت کا فرما

حق، اُس کا باعث قرآن مجید نے وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا بیان فرمایا ہے۔ علامہ آکوسی نے تفسیر روح المعانی میں اُس صالح شخص کو اُن بچوں کی ساتویں یا دسویں پشت کا ایک جد بزرگ تحریر فرمایا ہے۔ گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اسی شرافت نسب کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے بچوں کا لحاظ و احترام فرمایا۔

امام ابن ابی شیبہ اور امام احمد اور ابن ابی حاتم نے حضرت نضرؓ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ خوش خبری اور مبارک ہوموں کی اولاد کے لیے کہ وہ اس کی برکت سے اُس کے بعد محفوظ و مامون رہیں گے۔ پھر حضرت نضرؓ نے اس کی تائید میں سورۃ کہف کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔

اسی طرح روح المعانی میں امام عبد بن حمید اور ابن المنذر کے ذریعے حضرت وہبؓ سے نقل ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے ایک خارجی سے دریافت فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، سورۃ کہف کے قیموں کا مال اللہ تعالیٰ نے کیوں محفوظ رکھا؟ اُس نے کہا کہ باپ کی صالحیت اور نیکی کے باعث۔ آپ نے فرمایا: بخدا، میرے باپؓ اور جد اکرمؓ کی صالحیت اُن کے باپ کی صالحیت سے بدرجہا بہتر تھی۔

۲۔ سورۃ طور آیت ۲۱ میں تحریر ہے :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَصَآ
أَلْتَهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ شَيْءٌ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی
ایمان لائے میں اُن کی پیروی کی تو ہم (آخرت میں اُن
کی اولاد کو اُن ہی کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے اپنے
اعمال صالحہ کے انعامات میں سے بھی کوئی کمی نہ کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر کے تحت بھی علامہ آکوسی نے کئی محدثین اور مفسرین کے حوالوں سے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بہشت میں اُس کے ہمراہ اُسی درجہ و مقام میں رکھیں گے تاکہ اُس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرف نسب ہی کا احترام اور لحاظ ہے۔

لعل۔ اسی مضمون کی تائید میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ العزیز نے قرآن مجید کا جو حوالہ پیش فرمایا تھا، عدیم المثال ہے بلقان کی ایک مجلس میں کسی نے آپ سے سوال کیا: کیا سید بنی فاطمہؓ کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت موجود ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نسب کا شرف قرآن کریم سے ثابت ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی :-

قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ
الْعَبِيدِ۔ (سورۃ الزخرف آیہ ۸۱)

یا رسول اللہ (ان عسیانوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر
اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس
کی عبادت کرتا۔

گویا اللہ تعالیٰ کے فرزند کی عبادت اُس کے نسب کی وجہ سے ہوتی۔

یہاں یہ عرض کرنا مناسب نہ ہو گا کہ جو لوگ نسب کے شرف کو تسلیم نہیں کرتے، وہ بالعموم اس آیت سے استدلال کرتے ہیں :-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

صاحب روح المعانی اس آیت کی تفسیر میں علامہ مناویؒ و علامہ ابن حجر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ نہ تو یہ آیت شرف نسب کے خلاف ہے اور نہ وہ احادیث ہی اس مضمون کے منافی ہیں جن میں نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ البتہ بنو دہود کی طرح نسب کی وجہ سے لوگوں پر تکبر کرنا اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتے ہوئے ذلیل و حقیر خیال کرنا صحیح نہیں بلکہ تحدیث نعمت نسب ذاتی کے شرف کا اظہار خود انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیلؑ سے کنانہ کو منتخب فرمایا۔ پھر قریش کو کنانہ سے اور بنی ہاشم کو قریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے چُن لیا۔ علامہ آلوسیؒ نے تمام مخالف اقوال کا جواب دے کر آخر میں فیصلہ فرمایا ہے: وَبِالْجُمْلَةِ شَرَفُ النَّسَبِ مِمَّا اخْتَبَرَ جَاهِلِيَّةً وَاسْلَامًا۔ یعنی خلاصہ بحث یہ ہے کہ نسب کا شرف جاہلیت اور اسلام دونوں میں معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔

آل نبی کے نسب طاہر کا شرف

اب تک تو مطلق نسب کا ذکر تھا۔ اب آنحضرت کے نسب پاک پر کتاب و سنت اور علمائے اُمت کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى۔

(سورۃ شوری: ۲۲-۲۳)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے۔ اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے یہاں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ بڑے فضل و بزرگی کی بات ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جنہوں نے ایمان لاکر نیک کام کیے۔ کہہ دیجیے، میں تم سے اس چیز کا کوئی اجر نہیں مانگتا، بجز اہل قرابت کی دوستی کے۔

علامہ ضادؒ نے حاشیہ جلالین میں تحریر فرمایا ہے کہ یہاں استثناء منقطع ہے یعنی میں تم سے تبلیغ کے صلے میں کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ہاں، اس قدر چاہتا ہوں کہ تم میرے اہل قرابت سے محبت رکھو۔ صاحب روح المعانی نے بھی ابن جریر، سہمی اور عمر بن شعیب جیسے اکابر تابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے اہل بیت رسولؐ کی محبت کا واجب ہونا مراد ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی درمشورۃ میں کئی محدثین کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کے وہ کون اہل قرابت ہیں جن کی محبت واجب کی گئی ہے؟ تو اُن حضوروں نے ان چار حضرات یعنی حضرت علیؓ، سیدہ فاطمہ الزہراءؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا ذکر فرمایا۔ چونکہ اُس وقت حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کے اولاد

نہیں تھی، اس لیے آں حضورؐ نے صرف ان چار ناموں کے ذکر پر ہی اکتفا فرمایا، ورنہ جیسے کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے
آنحضرتؐ کے اس ارشاد میں اُن کی اولاد بھی شامل ہے، تفسیر بالا کی تائید میں صاحبِ روح المعانیؒ نے ائمہ اہل بیت
کرامؑ سے کئی روایات نقل کی ہیں کہ اس آیت کی رُاسے قیامِ اُمت پر اہل بیت کرامؑ کی محبت لازم کی گئی ہے۔ نیز مسلم،
ترمذی، نسائی، طبرانی، حاکم، بیہقی، ابن جریر، ابن حبیبؒ، ابن ماجہؒ، وغیرہ محدثین سے کئی احادیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مضمون
کی تائید میں اس قدر احادیث ہیں کہ اُن کا شمار مشکل ہے۔ چہ اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہ آیا اس آیت کا تعلق آنحضرتؐ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤمن قرابت والوں سے ہے یا عام اہل قرابت کے ساتھ۔ لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ آں حضرتؐ
کے اقربا کی محبت محض اس حیثیت سے واجب ہے کہ وہ آپ کے اقربا ہیں۔ اور یہ شعر بھی تحریر کیا ہے :-

دَارَيْتُ قَوْمًا فِي هَؤُلَاءِ مِنْكَ وَهُمْ عَدُوٌّ

اُسے دوست، تیری محبت میں ایسی قوم کی بھی ہیں نے تواضع کی ہے، جو دشمن تھے، کیوں نہ ہو، ایک آنکھ کی عیادت سے ہزار آنکھ کی عزت کی جاتی ہے،

اُسے دوست، تیری محبت میں ایسی قوم کی بھی ہیں نے تواضع کی ہے، جو دشمن تھے، کیوں نہ ہو، ایک آنکھ کی عیادت سے ہزار آنکھ کی عزت کی جاتی ہے،

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ جس قدر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت زیادہ اور قوی ہوگی، وہ اُسی قدر زیادہ محبت کی متقاضی ہوگی۔ لہذا اگر آں جناب کی قرابت سے مراد عام اولاد و عید المطلب الی بابائے تو بنوفاطمہ زیادہ قریبی ہونے کے باعث زیادہ محبت و اجست رام کے مستحق ہوں گے۔ عام لوگوں نے اس ضمن میں بہت بے توجہی سے کام لیا ہے۔ حتیٰ کہ موجودہ دور میں جو شخص اہل بیت رسول کے ساتھ محبت کا اظہار کرے، اُس پر رافضی یعنی شیعہ ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل قرابت کے مؤمن یا غیر مؤمن ہونے کی بحث جس کا حوالہ مفتی موصوف نے دیا ہے۔ جناب سیدۃ النساء کی اولاد کرام سے تعلق نہیں رکھتی، کیونکہ اکثر علمائے مجتہدین نے جیسے علامہ زرقانی نے تشریح مواہب اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوة میں اکثر احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جناب سیدہ کی اولاد کفر سے مامون و محفوظ ہے۔ کیونکہ آخرت میں کافر کی مغفرت شرعاً ناممکن ہے اور آیہ تطہیر الاضراب ۳۳ کی رو سے اولاد رسول کو پاکیزگی اور مغفوراً الحشر ہونے کا مفاد پہنچتا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و عطا کی وجہ سے ہے۔ لیکن جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ بنو فاطمہؑ سے کفر کا سدور ہو سکتا ہے، وہ بھی قرابت رسول کے باعث اُن کی محبت اور احترام کو لازم قرار دیتے ہیں۔“

(۲) آیہ تطہیر کے متعلق حضرت شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ کے باب ۲۹ میں مندرجہ تشریح و تفسیر کو شہ غلط رکھتے ہوئے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ العزیز نے اپنے ایک فتویٰ میں حسب ذیل نتائج اخذ فرمائے ہیں :-

اول یہ کہ آل عبا یعنی حضرت سیدۃ النساء اور حضرات علی و حسین علیہم السلام اور تمام بنو فاطمہ اس آیت کی بشارت میں شامل ہیں۔

دوم یہ کہ الفاظِ اذہاب، رجس اور تطہیر کے معنی مغفرت اور عفو کے ہیں نہ کہ احکام و ہدایات شرعیہ سے آزادی کے۔ سوم یہ کہ اس تطہیر کا اثر شتر کے روزِ ظاہر ہو گا جب کہ بتوفیقِ خدا کیسے ہی گنہگار ہوں، پاک اور مغفوراٹھا جائیں گے اور محض آنحضرت کے شرف کے باعث اللہ تعالیٰ کا فضل اور عنایت ہے، کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں

کہ ان سے دنیا میں کوئی خطا سرزد نہ ہوگی یا یہ کہ کسی شرعی حد یعنی سزا کے مستثنیٰ ہوں گے۔ بلکہ دنیا میں احکام شرعیہ کے یہ بھی اُسی طرح پابند ہوں گے جیسے عام لوگ۔ چوری، زنا، شراب خوری وغیرہ میں باوجود ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء ہونے کے بھی حاکم سے اُسی طرح شرعی سزا کے حق دار ہوں گے جس طرح دوسرے لوگ، مگر ان کا حشر مغفرت پر ہوگا۔

(۳) اَلنَّبِیُّ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَازْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ
مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ۔ (احزاب)

نبی کریم مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہیں
اور نبی کی ازواج ان کی مائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی
کتاب میں بعض قرابت والے بعض دوسروں سے اور دیگر
مومنین و مہاجرین سے ان کے نزدیک تر ہیں۔

(۴) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ
بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُکَفِّرُ عَنْهُمْ وِیَعْلَمُ سِرَّهُمْ
الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ج۔ (آل عمران ۱۶۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا، جو ان میں
انہیں میں سے رسول بھیجا، جو ان پر اللہ کی آیات
تلاوت فرماتا ہے اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور انہیں
کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنۢ بَعْدِ وَهَاجَرُوْا
وَ جَاهَدُوْا وَاَمَعَكُمْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْکُمْ
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ
فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ۔ (انفال ۷۵)

اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا سب سے زیادہ حصہ آل نبی کو عطا ہوا جو بلاشبہ شرف عظیم ہے۔
اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھر چھوڑے
اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے، سو وہ لوگ بھی تم ہی
میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں بعض قرابت والے
بعض دوسروں سے نزدیک تر ہیں۔

(۶) اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ
وَ اِیْتَاۤءِ ذِی الْقُرْبٰی۔ (النحل ۹۰)

اس کی رو سے اہل قرابت کو آل حضرت کے زیادہ نزدیک ہونے کا شرف حاصل ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا اور قرابتوں
کو دینے کا حکم فرماتے ہیں۔

یہ حکم آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی دیا ہی ہے جیسا عام افراد امت کے لیے۔ آل حضور نے اپنے
قرابت داروں کو مالی میراث نہیں دی بلکہ ایٹاء ذی القربی کے حکم عامہ کی تعمیل میں امامت، ولایت اور امت کی ہدایت
اور امت کی طرف سے دائمی احترام کی باطنی میراث تفویض فرمائی ہے۔

(۷) وَالَّذِیْنَ یَقُولُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ (الفرقان ۷۴)

اور وہ (فلاح یافتہ) لوگ جو دعائیں کہتے ہیں کہ اے ہمارے
پروردگار ہمیں ہماری ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی
ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

یہ دعا سب سے پہلے آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوئی اور ہمیشہ تلاوت قرآن پاک کے
دوران بعد میں بھی آپ پڑھتے رہے۔ آپ امام المتقین ہیں اور سادات بنی فاطمہؑ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔
(۸) حاکم سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:-

وَعَدَیْ رَبِّیْ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ مِنْ اَقْرَبِ
میرے پروردگار نے میرے اہل بیت کے معاملے

مِنْهُمْ بِالتَّوْحِيدِ وَلِيَّ بِالْبَلَاغِ أَث
لَا يُعَذِّبُهُمْ۔

میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن میں سے جو کوئی اُس
کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرے گا، اُسے
عذاب نہیں فرمائے گا۔

(۹) طبرانی، حاکم اور ابوالغلی کی طرف سے روایت ہے کہ اُن حضرت نے سیدہ فاطمہؓ کا نام لے کر فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؓ عقیقہ ہے۔
فَحَرَّمَهَا اللَّهُ وَذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ۔
اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد کو آگ پر حرام
کر دیا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے نسب کے متعلق کراماتی ثبوت

حضرت قبلہ عالم کی تحریر سے، جو ابتدائے باب میں درج ہو چکی ہے، واضح ہوتا ہے کہ آپؑ نے مکمل تحقیق کے بعد
اپنے آپ کو اس نسل پاک سے منسوب فرمایا ہے اور اپنے حسبِ یعنی کمالات کسبیہ کا ذکر بہ انداز کسر نفسی فرمایا ہے۔
آئندہ صفحات کے مطالعہ سے یہ امر پائیہ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ اُن جناب کی ذات گرامی حقیقتاً صفات بنی فاطمہؓ کی حامل تھی
اور اس شجر کا صحیح مصداق تھی۔

سید کے بُود کہ ہویدا شود ازو خلق محمدی، کرم مرتضیٰ علیؑ

جب عنایتِ الہی سے حضرت قبلہ عالم کے دادا بزرگوار کے والد محترم حضرت پیرستید روشن دینؑ اور اُن
کے چھوٹے بھائی پیرستید رسول شاہؑ کو اس نواح کی باطنی ولایت عطا ہوئی اور وہ اپنے وطن ساڈھوہ شریف حال ضلع
انبالہ (بجارت) سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف میں آباد ہوئے تو اپنے ذاتی کمالات جذب و سلوک کے باعث خاص
عام میں مقبول ہو کر مرجع خلافت بن گئے اور ہر کس و ناکس حصول فیض کی خاطر کشاں کشاں آکر اپنا مقصد حاصل کرنے لگا۔
یہ صورت حال نواحی بستیوں کے سادات کو، جو اکثر و بیشتر شیعہ تھے، پسند نہ آئی اور اُنہوں نے اس نو وارد خاندان
کی وقت لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی خاطر ان کے نسب پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ اِس دوران میں حسن ابدال
کے گیلانی سادات کو، جو شجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے، یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ حضرات اُن
ہی کے خاندان سے ہیں۔ نیز چونکہ ہر مقام پر جناب غوث الاعظمؑ کے تصرفِ باطنی نے بھی دستگیری فرمائی۔ اِس لیے
حاسدین کو سوائے شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ بنو فاطمہؓ کی ٹوپی ہے

ایک نواحی گاؤں جس کا نام ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں، کے سادات نے حضرت پیرستید روشن دینؑ کو
اُن کے ایک نیازمند گولڑہ رئیس کے ذریعے بہت اصرار سے اپنے ہاں کسی تقریب پر دعوت دی اور ہر مجلس نامناسب
انذار میں آپؑ کے شجرہ نسب کے متعلق بحث پھیر دی۔ آپؑ نے فرمایا، اِس موقع پر ایسا تذکرہ آدابِ مہمان نوازی کے خلاف
ہے البتہ کسی روز میرے یہاں تشریف لا کر آپ صاحبانِ شجرے اور سادات دیکھ کر اطمینان کر سکتے ہیں مگر وہ لوگ چونکہ
آپؑ کے خلاف ناموافق فضا پیدا کرنے پر تلے ہوئے تھے، اِس لیے نہ مانے اور کہنے لگے کہ یہاں کسی نو وارد کو اِس وقت

تک سید کہلانے کا حق نہیں پہنچتا جب تک وہ مصدقہ شجروں کے ذریعے مقامی سادات میں اپنی سیادت تسلیم نہ کرالے۔ آپ نے اپنے ہمراہی گولڑہ رئیس کے ذریعے بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ خاموش نہ ہوئے بلکہ ان میں سے کسی زبان دراز نے یہاں تک کہہ دیا کہ کاٹھ دی کتنی نہیں تے سید سنی نہیں۔ یعنی لکڑی کی جھنڈیا نہیں ہو سکتی اور سید اہل سنت والجماعت نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک قدرے متغیر ہوا اور آپ نے ایک جلالی کیفیت میں اپنے سر مبارک سے ٹوپی اتار کر مجلس کے فرش پر رکھ دی اور تمام مدعیان سیادت کو جو نامناسب باتیں کر رہے تھے، مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیر کا شجرہ سیادت اس ٹوپی میں ہے، جس کسی کو بنجیب الطرفین سید ہونے کا دعویٰ ہو، وہ اس ٹوپی کو اٹھا کر اوپر ہن کر دکھائے۔ یہ الفاظ سن کر دوسرے فریق کا ایک سرکردہ بزرگ بڑے طمطراق سے اٹھا اور ٹوپی کو اٹھانے کی کوشش کی، مگر لاکھ جتن کے باوجود اسے ہلاتک نہ سکا۔ حضرت نے باوازی بند نہ فرمایا۔ یہ بنی فاطمہ کی ٹوپی ہے اور چودہ طبق پر بھاری ہے۔ آپ کے الفاظ اور فریق مخالف کی عاجزی دیکھ کر حاضرین مجلس سناٹے میں آگئے اور دوسرے فریق کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ بالآخر ان لوگوں نے عاجزی اور معذرت کی تو آپ نے فرمایا اچھا، اٹھا لو۔ اس پر ان حضرت نے بصد احترام گلہ مبارک کو اٹھایا اور بوسہ دے کر آپ کے پیش کیا۔ بھری محفل میں یہ کرامت دیکھ کر لوگ ادھر سے منقطع ہو کر اس طرف پلٹ پڑے۔ آج کل ان صاحبان کا پیری مریدی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور فقط کاشت کاری اور ملازمت پر دار و مدار ہے۔ ان کے خاندان کی ایک شاخ حضرت قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہے۔

تائید و تصدیق غوثیہ رضی

دوسرا واقعہ حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار حضرت پیر سید نذر دین شاہ کو پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ موضع سالگراں علاقہ کوٹہ ضلع راولپنڈی میں، جو ایک پہاڑی علاقہ ہے، اپنے ایک ارادت مند چودھری فتح محمد گوجر کے یہاں رونق افروز تھے کہ اس گاؤں کے رہنے والے ایک اور عقیدت مند نے بہت سے حاضرین کی موجودگی میں عرض کی کہ فلاں شخص ہم سے بحث کرتا رہا ہے کہ تمہارے پیر سید نہیں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا کہتا ہے، میں سید نہیں ہوں اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پھر سامنے دیکھ کر فرمایا: سنو، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ وہ سامنے حضرت غوث الاعظم اپنے تخت پر جلوہ فگن فرما رہے ہیں کہ وہ دو، میرے سید ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے ارادت مند چودھری فتح محمد کو جو اس وقت تک صاحب اولاد نہیں ہے، اسی سال اللہ تعالیٰ ایک فرزند عطا فرمائیں گے، جو شکم مادر سے شش ماہ کا پیدا ہو گا۔ چنانچہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا، اسی طرح ظہور پذیر ہوا۔ چودھری فتح محمد گوجر کی عمر اس وقت پچاس سال کے لگ بھگ تھی اور وہ اولاد سے قریباً بالواس ہو چکا تھا۔ اس کا یہ فرزند چودھری محمد بخش حضرت پیر سید نذر دین شاہ کی زندہ کرامت کے طور پر عظمیٰ طبعی کو پہنچا اور حضرت قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ اس کا فرزند چودھری غلام حسن گوجر حضرت قبلہ عالم کے خلیفہ الصدوق اور سجادہ نشین سیدنا غلام محی الدین المعروف جناب بابو جی مدظلہ کا ارادت مند ہے اور اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے۔

کرامتِ جاریہ

حضرت قبلہ عالم کی سیادتِ نبوی کی تصدیق و تائید میں مندرجہ بالا دونوں واقعات کرامتِ فقر کی قسم سے ہیں ایک قسم سے واقعے کا تعلق کرامتِ علم سے ہے۔ اور چونکہ اس نے ایک کتابی مسئلے اور دینی علمی معیار کی صورت اختیار کر لی ہے اس لیے اسے ایک کرامتِ جاریہ کہا جاسکتا ہے۔

جن لوگوں نے حضرت قبلہ عالم کی تصانیف اور فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بعض متشددانہ نظریات پر تنقید کی گئی ہے۔ اس سے اہل حدیث کے ایک گروہ نے ناراض ہو کر مناظرِ مباحث کی ہست ڈالی اور ۱۳۲۵ھ یعنی ۱۹۰۸ء میں راولپنڈی کے ایک مولوی عبد الاحد خانپوری کو سامنے لا کر حضرت قبلہ عالم پر دس علمی سوالات شائع کیے اور اعلان کیا کہ جوابات کی صورت میں حضرت قبلہ عالم کو بھی اُن کی جماعت پر سوالات کرنے کا حق ہوگا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی تصنیف "الفتوحات الصمدیہ" میں اُن دس سوالوں کے جواب باسواء دے کر اپنی طرف سے اُن پر بارہ سوالات شائع کر کے یہ پیش گوئی بھی فرمادی کہ وہ لوگ ان کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آج نصف صدی ہونے کو آئی، مگر اُس جماعت کی طرف سے کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا جاسکا۔

اس واقعے سے حضرت کے سیادتِ نسب کا پہلو اس طرح نکلتا ہے کہ آپ نے ان بارہ سوالات کے وقت اپنے احباب حضرت مولانا محمد غازی اور مفتی غلام مرتضیٰ وغیرہ سے فرمادیا تھا کہ ان سوالات کا تعلق بنی فاطمہ کے صدری علوم سے ہے اور ان کے جواب دینے کے لیے جواب دینے والے کا علوم رسمیت پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ سید بنی فاطمہ ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ ان سوالات کی تفصیل اس کتاب کے باب تصانیف میں دی گئی ہے۔ بعد میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے اپنے ملفوظات میں ان سوالات کے بعض دقیق نکات کی کہیں کہیں عقدہ کشائی ہوتی رہی ہے۔

وادیِ حمر کا رُقبائے صادقہ

سفرِ یثرب شریف کے دوران ایک مرتبہ آپ کا قافلہ وادیِ حمر میں شبِ باش ہوا۔ بدوؤں کے حملے اور قافلے والوں کے خوف و ہراس اور اضطراب کے باعث حضرت قبلہ عالم نمازِ عشاء کی ابتداءئی سُنّتیں ادا نہ کر سکے تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی حضور نے ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول کو سُنّت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں آپ کے آلِ رسول ہونے کی تصدیق فرمائی اور جس خواب میں آنجناب کی زیارت ہو، وہ حسب فرمانِ نبوی صَنِ رَایَی فَقَدْ رَایَی الْحَقَّ بِالْکُلِّ حَقٍّ اور صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد میں ایک موقع پر جب حضرت سید ابراہیم گیلانی بغداد شریف سے راولپنڈی تشریف لائے تو کسی مجلس نے حضرت قبلہ عالم سے اپنے شجراتِ نسب اُن سے تصدیق کر لینے کے لیے عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ شجرے وغیرہ تو پہلے ہی تصدیق شدہ موجود ہیں، مگر ان شجروں کے علاوہ میرے پاس ایک ایسی قوی دلیل ہے جس کے بعد اطمینان کے لیے کسی مزید ثبوت کی حاجت نہیں اور اس سے آپ کا اشارہ مندرجہ بالا رُقبائے صادقہ کی طرف تھا۔ اس ضمن میں آپ کی مفصل تحریر باب چہارم میں درج کی گئی ہے۔

ایک جن کی شہادت

حسب آیات قرآنیہ :-

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلْعَرِّيَا تَكُمُ

رُسُلٌ مِّنْكُمْ (سورة الاحقاف ۱۳۱)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي

(سورة الذاریت ۵۶)

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس
تم میں ہی سے رسول نہیں آئے تھے؟
اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو بنایا ہے تو صرف
اپنی بندگی کے لیے۔

جنات و انسان کا علیحدہ علیحدہ مخلوق ہونا ثابت ہے۔ جنات کی عمریں بھی طویل ہوتی ہیں۔ جناب بابو جی مدظلہ فرماتے
ہیں کہ ضلع کیمبل پور کے مولوی شاہ ولی کی اہلیہ کو آسیب کی شکایت تھی جب کسی اور جگہ علاج وغیرہ سے افادہ نہ ہوا تو اسے حضرت
قبلہ عالم کی خدمت میں گولڑہ شریف لے آئے۔ آپ مریضہ کی طرف متوجہ ہوئے تو جن حاضر ہو کر بولنے لگا اور کہا کہ وہ دربار غوثیہ
بعد از شریف کا خادم ہے اور ایک مرتبہ جناب غوث الاعظم کی معیت میں گولڑہ شریف بھی آچکا ہے۔ حضرت قبلہ عالم نے اس
کا ثبوت مانگا تو کہنے لگا کہ ایک دفعہ آپ بعارضہ پیش پیش بیمار تھے اور علاج سے افادہ نہیں ہو رہا تھا۔ خدام پریشان تھے اور
آپ کی چارپائی حضرت احمی صاحب کے مزار شریف کے قریب درخت سرس کے نیچے تھی۔ محمد خان خادم آپ کے پاؤں دبا
رہا تھا کہ جناب غوث پاک تشریف لائے اور چارپائی کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا کہ علاج کراؤ، انشاء اللہ صحت ہوگی۔ میں اس
وقت حاضر تھا۔ جناب غوث پاک نے مجھے فرمایا ہوا ہے کہ یہاں میری اولاد رہتی ہے اور جب کبھی ادھر سے گزروں تو یہاں
سے ہو جایا کروں۔ حضرت قبلہ عالم نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔

اے اجمی پھواری زبان میں باپ کو کہتے ہیں حضرت قبلہ عالم کے والد ماجد مراد ہیں۔

دوسری فصل

فضائل اہل بیت کرام نبی ﷺ

فضائل اہل بیت پر اکابرین امت کی کتب

حضرات اہل بیت کرام کی شان میں اکابرین امت محمدیہ نے ضخیم کتب تحریر کی ہیں اور اس قسم کی تحریرات کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعریف و تحقیقت آں جناب ہی کی منقبت و تعریف ہے اور آں حضرت کے ذکر خیر کو اللہ تعالیٰ نے حسب ارشاد قرآنی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ وہ رفعت عطا فرمائی ہے جس کا احاطہ علم انسانی اور زور قلم انسانی سے باہر ہے۔ لہذا یہ سلسلہ توصیف و تعریف کبھی ختم ہونے کا نہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور بالخصوص اس لیے بھی کہ تمام قرآن پاک آں جناب کی تعریف و توصیف سے بھرپور ہے اور مصداق :-

إِنَّ اللَّهَ وَحَلَّتْ كَتَمَةُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُس پر درود اور سلام بھیجو۔ (الاحزاب ۵۶)

اللہ تعالیٰ خود اور اُس کے فرشتے بھی نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بھی آنحضرت پر درود و سلام بھیجنے کا تاکید فرماتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ امرتسری نے اپنی کتاب اربع المطالب کے آغاز میں اُن مشہور علمائے امت کی ایک طویل فہرست دی ہے جنہوں نے اہل بیت نبی کے فضائل پر مستقل کتب تحریر کی ہیں۔ اُن میں سے بعض مشاہیر کے اسماء گرامی مع اُن کی تصانیف کے درج ذیل کیے جاتے ہیں :-

کُتب

مصنفین

المنائب

حضرت ابام احمد بن حنبلؒ

الخصائص

حضرت امام نسائیؒ

منقبۃ المطہرین

حضرت حافظ الحدیث ابو نعیم اصفہانیؒ

جواہر المعتمدین

حضرت امام ابی الحسن علی بن عبد اللہ سمهودیؒ

ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ

علامہ محب طبریؒ

الفصول المہمۃ فی معرفۃ الائمة

علامہ نور الدین ابن صباغ مالکیؒ

مودۃ القشربکی

عالم ربانی سید علی ہمدانیؒ

علامہ سلیمان حنفی بلخیؒ

علامہ محمد بن علی صبان مصریؒ

علامہ یوسف سیوطی ابن جوزیؒ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

امام حاکم صاحب مستدرکؒ

امام ابی اسحق اسفرائینیؒ

امام جلال الدین سیوطیؒ

حضرت مولانا عبد الرحمن جامیؒ

علامہ رشید الدین خان دہلویؒ

ملا محمد مبین سہالویؒ

علامہ مومن مصریؒ

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ

حافظ الحدیث محمد ابن احمد ذہبیؒ

سید عبد الرحمن اجوری شافعیؒ

علامہ عبد الرؤف منادیؒ

علامہ ابن انصرؒ

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ

ینایع المودۃ

اسعاف الراغبین فی سیر المصطفیٰ و اہل بیتہ الطاہرینؑ

تذکرۃ خواص الامۃ فی احوال الامۃؑ

مناقب امۃ اثنا عشرؑ

فضائل فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

نور العین فی مشہد الحسینؑ

احیاء المیت بفضل اہل بیتؑ

شواہد النبوت

الفتح المبین فی فضائل اہل بیت سید المرسلینؑ

وسیلۃ النجات فی فضائل الحضراتؑ

نور الابصار فی مناقب البیت و آلہ المختار علیہم السلام

سر الشہادین

فتح المطالب

رسالہ فضائل اہل بیتؑ

کتاب الصفوة بمناقب اہل بیت النبوةؑ

معالم العترة النبویہ

صواعق محسرة

ان علی خزانہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت رسول کس شان کے مالک ہیں۔ نیز تاریخ اسلام اور بزرگان دین کے احوال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کمالات محمدیہ کا جو خصوصی ظہور آپ کی پاک و طیب اولاد کے بعض کاہلین سے ہوا ہے، اُس کی مثال دیگر اکابرین ملت میں کہیں نظر نہیں آتی، کیونکہ ان حضرات کو کمالات کسبیتہ کے علاوہ جو فضائل بطور ورثہ وہی طور پر عطا ہوئے ہیں، اُن میں یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اور یہ فضائل درحقیقت وہی فضائل و کمالات محمدیہ ہیں، جو اس پاک خاندان میں نسلی طور پر اور بطریق وراثت جلوہ گر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ کیونکہ جیسے کہ پہلے عرض ہو چکا ہے، انبیاء علیہم السلام کی وراثت یہی جو بہ فضل و کمال ہے نہ کہ مال و منال دنیوی۔

اسی وجہ سے حضرت قبلہ عالم نے اپنے ملفوظات و تحریرات میں وضاحت فرمائی ہے کہ چونکہ فضائل اہل بیت کرامؑ مومنو بنی ہیں، اس لیے کوئی شخص ریاضات و مجاہدات سے، خونِ نبویؑ کی تاثیر و فیوض و برکات کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ جو کچھ بھی حضرات اہل بیت کرام کو اس طور پر عطا ہوا وہ اُن کی کوشش کا نہیں بلکہ محض عنایتِ الہی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ آیہ تطہیر سے ثابت ہے۔ اور طالبِ حب تک اس مقام پر نہ پہنچے، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے ذوق و شوق سے رُوشناس نہیں ہو سکتا۔ ان حضرات کی رفعتِ شان کے متعلق کچھ اربابِ بصیرت و کشف و شہود اور قلندر ان اویسیہ ہی بتلا سکتے ہیں۔

فضائل اہل بیت پر بعض اکابرین کے ارشادات

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے۔ اُرْقُبُوا مُحَمَّدًا فِيْ اَهْلِ بَيْتِهِ
 راسے مسلمانوں! نبی کریم کے اہل بیت کے معاملے میں آں حضرت کا لحاظ و احترام ملحوظ رکھو، نیز فرمایا کہ مجھے اپنی قرابت
 سے آں حضرت کی قرابت زیادہ عزیز ہے۔
 شفاء المصنفہ قاضی عیاضؒ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت حسینؓ کو محبت و احترام سے اپنے کندھوں
 پر اٹھایا کرتے تھے۔

ابن عساکر میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ مُعین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جنس باب رسالت مآب کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے۔ جب وظائف مقرر کرنا چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے مٹتی کہ بحیثیت امیر المؤمنین آپ مقدم رکھتے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرتؐ کے ساتھ قرُب و بُعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم اور اُن میں سے حضرت عسلی و حضرت عباسؓ کو مفتدم رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ کی تھیں۔ اور اگرچہ شہین علیہما السلام اُن میں سے نہ تھے مگر اُن حضرت کی ذریت کے تعلق سے اُن کی تنخواہیں بھی بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں۔ اُن حضرت کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اُسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو ذی قدر صحابی تھے، زیادہ مقرر کی۔ ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا تو فرمایا کہ حسین شریفینؓ کی والدہ ماجدہ جیسی والدہ، اُن کے باپ جیسا باپ اور اُن کے تانا جیسا نانا لاؤ اور پھر ہماری کا دعویٰ کرو۔ حضرت اُسامہؓ کے معاملے میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہؓ کو تنجہ سے اور اُسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

نور الابرار میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسنؑ کے پوتے حضرت عبداللہؑ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؑ کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ لکھ بھیجا کیجئے۔ مجھے خدا اور رسولؐ سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

مدارج میں تحریر ہے کہ حضرت امام مالک بن انسؒ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم سے کوڑے لگاتے گئے تو انہوں نے جوش میں آتے ہی فرمایا: لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روزِ حشر میری وجہ سے آنحضرتؐ کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد مستوجبِ باز پرس ہو۔“

تاریخ الخلفاء اور سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کو خلیفہ منصور عباسی نے بدیں وجہ قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ انہوں نے حضرت سید محمد نفس زکیہ حسنی کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ اور چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کے عراق پر تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں، تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود بائیم شہادت خود جہاد میں شریک ہوتا۔ اُس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی برس کی تھی۔

سید علیہ السلام نے حیات مالک میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا تھا۔
حضرت امام شافعی کی ثبت اہل بیت کے واقعات ضرب المثل بن چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مخالفین نے

آپ پر رخص یعنی شیعہ ہونے تک کی تہمت لگائی۔ رُوح المعانی اور شہد اشعار عشریہ وغیرہ کتب میں آپ کے یہ اشعار تحریر ہیں۔

يَا رَاكِبًا قَفَّ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مَنَى
وَاهْتَفَ بِسَاكِنِ خَيْفَهَا وَالنَّاهِضِ
مَسْحَرًا إِذَا قَاضَى الْحَجَّ يَنْجُو إِلَى مَنَى
فَيْضًا كَمُلْتَ طَهْرَ الْفُرَاتِ الْفَائِضِ
إِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَلَيْسَ هَدَى الشُّقْلَانِ إِنِّي رَا فَضْ
ترجمہ: اے شتر سوار انحصب میں کہ حد و دہنی میں سے ہے، ٹھہر جا اور اُس وادی میں بسنے والوں اور
وہاں سے اُٹھ کر جانے والوں سے پکار کر کہہ دے اور اُن حاجیوں سے بھی کہہ دے، جو علی الصبح دریائے
فُرَات کی طرح موج در موج مَنی میں وارد ہوتے ہیں کہ اگر آلِ محمد کی محبت کا نام رِفض ہے تو جن و انس
گواہ رہیں کہ میں یقیناً رافضی ہوں۔

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی جو کچھ اہل سنت والجماعت کا اصحاب کرام کے متعلق مسکات ہے
میں اُس سے تجاوز کو بھی دین نہیں سمجھتا اور اُن کے احترام کو بھی حسب ارشاد نبوی ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر لوگ صحابہ و اہل بیت
کرام کے معاملے میں افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں، مگر حق ہر دو کے بین بین ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے المناقب میں اہل بیتؑ کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ تاریخ الخلفاء
میں اُن کا یہ قول تحریر ہے کہ جس قدر احادیث حضرت علیؑ کی شان میں ہیں، کسی اور صحابی کی شان میں نہیں۔ صواعق مخرقہ میں ہے
کہ امام احمد بن حنبلؒ کسی سید زادے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیم ماکھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات
بنو فاطمہؑ اور حضرت سلمان فارسیؒ کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیتؑ میں شمار کیے گئے ہیں، سب بضمن حکم مغفرت اس آیت
میں داخل ہیں۔ وہ ظاہر و مظہر ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اُس عنایت خصوصی کا نتیجہ ہے جو اُن حضرات کے حال پر ہے کسی مسلمان
کو زیبا نہیں کہ اُن حضرات کی مذمت کرے جن کی پاکیزگی کی اور بُرائی سے تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے فیصل و
کرم اُن کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل کرتا ہے۔

امام عبد الوہاب شہرانیؒ لطائف المنن میں حضرت شیخ اکبرؒ کے مندرجہ بالا ارشاد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
شیخ نے فضائل اہل بیت کرام میں یہ دو اشعار خوب کہے ہیں۔

فَلَا تَقْدِرُ بِأَهْلِ الْبَيْتِ خَلْقًا
فَأَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ أَهْلُ السِّيَادَةِ
فَبَعْضُهُمْ مِنَ الْإِنْسَانِ خُسْرٌ
حَقِيقٌ وَحُبُّهُمْ عِبَادَةٌ ۝ ۵

ترجمہ: اہل بیت نبیؑ کے برابر کسی کو مت سمجھو، کیونکہ وہ اہل سیادت ہیں۔ اُن کا بغض انسان کے لیے
حقیقی خسارہ ہے اور اُن کی محبت عبادت ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولادِ رسولؐ کی تعظیم و تکریم کو لازم سمجھتا ہوں۔ خواہ اُن
کے اعمال کیسے ہی ہوں، کیونکہ بُرے اعمال کی وجہ سے شرف نسب میں کمی نہیں ہوتی۔
حضرت شاہ شرف الدینؒ ابو علی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بوہ سیدہ کی شکایت پر انہوں نے

مندرجہ ذیل رباعی سلطان علاؤ الدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی :-

سادات افضل اندو بود و صفتش جل
بر فعلش شان نظر مکن اسے حسنہ ز جمال

اولاد مرغتے و جگر گوشہ نبی

الصالحون لله والطالحون رلی

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت نبیؐ کو درود و سلام، مہارت و پاکیزگی، حرمت صدقہ اور وجوب محبت میں اس جناب کے ساتھ شامل فرمایا ہے اور یہ صرف اُن ہی کی خصوصیت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

جب خاتم نبوتؐ کی خلافت حضرت علیؑ کی ذات گرامی تک پہنچی، تو اس شجر علم و ولایت سے دخت طوبیٰ کی مانند بے شمار شاخیں پھوٹیں جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہوئے اور ساری دنیا حضرت علیؑ کے نور جمال ولایت سے روشن ہو گئی۔ بالخصوص رسول اللہؐ کی اولاد عالی نژاد نے بحکم وراثت حقیقی اور مناسبت ذاتی ولایت کا پورا پورا حصہ اور فیض حاصل کیا اور اپنی عصمت ذاتی کی بنیاد پر ولایت عنوی کا علم بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت دوسروں کے لیے چھوڑ دی۔ خاندان نبوتؐ سے نور ولایت نہ تو کبھی منقطع ہوا نہ ہوگا اور آسمان ولایت نے بغیر ان اقطاب کے کبھی قرار نہیں پکڑا۔ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا قطب الاقطاب عالم، غوث بنی آدم اور مرجع جن و انس بنا کر مشرق و مغرب میں مشہور و معروف کر دیا اور حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کو دین اسلام کا دوبارہ زندہ کرنے والا بنایا۔ اگرچہ جمال محمدیؐ تمام آل میں تابان و درخشاں ہے، مگر محی الدین سید عبد القادر جیلانیؒ میں اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے جو حقیقتاً جمال احمدیؑ اور کمال محمدیؑ کا مظہر اتم ہے :-

حضرت مجتہد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف و فتر سوم مکتوب ۲۳ میں تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حاصل ہونے کے دراستے ہیں پہلا راستہ قرب نبوتؐ سے تعلق رکھتا ہے اور یہی اصل الاصل ہے اور اس راستے کے واسطیان ابیاء علیہم السلام ہیں اور اُن کے اصحاب اور تمام امتوں میں سے جن کو بھی وہ اس ذریعہ دولت سے نوازا جائے اُن میں شامل ہیں۔ دوسرا راستہ قرب ولایت کا ہے جس کے ذریعے اقطاب، اوتاد، ابدال، بھجا و عام اولیا و اصل باللہ ہوتے ہیں :- راہ سلوک اسی کو کہتے ہیں۔ اس راستے کے واسطیان کے پیشوا اور اُن کے فیض کا منبع حضرت علی المرتضیٰؑ ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہؑ و حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اس امت میں اُن کے ساتھ شامل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سرکار علیؑ قبل از ظہور وجود عرصہ ہی بھی اس مقام پر فائز تھے اور اس راہ کے واسطیان آپؑ ہی کی روحانیت کے توسط واسطے سے منزل مقصود تک پہنچتے رہے۔ آپؑ کے بعد یہ منصب عالی علی الترتیب حسنین کریمین کو تفویض ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ائمہ اہل بیت کرام اس مقام پر فائز ہوئے۔ ان سے ماسوا جن کو بھی مذکورہ مقامات ملنا چاہئے ان ہی حضرات علیہم السلام کے واسطے سے ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا دور آنے پر یہ منصب عظیم یعنی قلیبیت کبریٰ آپؑ کی ذات سے مختص کر دیا گیا۔ اب جس کسی کو بھی اس راستے سے فیض و برکات حاصل ہوتی ہیں، آنجنابؑ کے توسط سے ہی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت مجتہد الف ثانیؒ نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ مجھے بھی حضرت غوث اعظمؒ کی نیابت کے طور پر

یہ مقام حاصل ہوا ہے۔

علامہ آگوسی بغدادیؒ نے تفسیر روح المعانی میں آیت تطہیر کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اسی تطہیر الہی کا نتیجہ ہے

کہ اخلاق، اعمال اور فضائل کے لحاظ سے اہل بیت کرام ہر دور میں دوسروں سے پیش نظر آتے ہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے اعمال مقبول ہیں اور ان پر آثارِ جمیلہ کا مترتب ہونا یقینی امر ہے۔ یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے ارباب کشف نے تصریح فرمائی ہے کہ ہر دور میں قطب اسی خاندان سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی لمعات "المعالم الوضیۃ" وغیرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مقام جذب و ولایت کے فاتح اول سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور سیدۃ النساء حضرت حشیں کریمیں اس مقام میں آپ کے ساتھ شامل ہیں بقیۃ ائمہ اہل بیت بھی اسی نسبت کے اقطاب ہیں اور سیدنا غوث الاعظم کی اس مقام میں ایک خصوصی شان ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جناب سیدۃ النساء کی شان میں کیا خوب کہا ہے :-

مریم از یک نسبت صلیٰ عزیز بارہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمتہ للعالمین آلِ امام اولین و آخرین
بانوئے آن تاجدارِ ہسل آتی مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا

مادرِ آن فتاقلہ سالارِ عشق

مادرِ آن مرکزِ پرکارِ عشق

حدیثِ ختمِ غدیر

متذکرۃ بالا اقوال کی تائید حدیثِ ختمِ غدیر میں کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیُّ مَوْلَاہُ۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَاَلَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ (جس کا میں محبوب ہوں، یہ علیؑ بھی اُس کا محبوب ہے۔ الہی جو اس کے ساتھ محبت رکھے، تو بھی اُس کے ساتھ محبت رکھ اور جو اس کے ساتھ عداوت رکھے، تو بھی اُس کے ساتھ عداوت رکھے) اور حدیث شریفہ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیُّ بَابُہَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے) سے ہوتی ہے۔ ان احادیث میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو کائنات کا مولا اور اپنے علومِ مقدسہ کے شہر کا دروازہ قرار دیا ہے۔ علامہ سنن ابی شریح جامع صغیر میں لفظ مولا کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولا اُسے کہتے ہیں جو لازمِ ولایت اور اُس پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ "نسائی" اور مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کا ولی ہے۔ تمام سلاسلِ صوفیائے کرام اور محققینِ علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ یہاں ولایت سے مراد ولایتِ باطنیہ ہے جس کا بلا فصل یعنی مسلسل ہونا لازمی امر ہے۔ بعض حضرات ان احادیث کو ضعیف شمار کرتے ہیں مگر وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ ثقہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ اسی طرح وہ صاحبان بھی غلطی پر ہیں جو ان کو خلافت ظاہرہ کے تسلسل اور بلا فصل ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیل ازالۃ الخفاء مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور رسالہ فخر الحسن مصنفہ حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی کی شرح القول المستحسن میں موجود ہے۔ یہ شرح مولانا احسن الزمان محدث حیدرآبادی خلیفہ حضرت خواجہ محمد علی چشتی سلیمانی خیر آبادی نے تحریر کی ہے۔ اور اس میں سلسلہ چشتیہ کے سرگروہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے حضرت سیدنا علیؑ سے براہِ راست نسبت و استفادہ کو قوی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے جس سے خلافتِ باطنیہ جناب رسول کریمؐ کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے بعد ان کے تلامذہ دیگر حضرات تک اکثر سلاسل میں ثابت ہے۔

اس رسالہ کے اقباسات حاشیہ نیز اس بحث خلافت میں بھی موجود ہیں۔

مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ علی

مذکورہ بالا ۱۴ احکامات سے واضح ہے کہ جس طرح مقام نبوت کے مرکز اعلیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسی طرح مقام ولایت کے مرکز اعلیٰ سیدنا علی ہیں۔ آیہ کریمہ:-

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ
مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ تَوْحِيدًا كُونُوا قُصَصًا
لِمَا مَعَكُمْ لَوْ أَنَّهُمْ يُفْعَلُونَ لَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا
مِثْلَ النُّجُومِ (۱۴)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکم سے آواں پھر تمہارے پاس پہنچے گا اسے اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا۔

اور حدیث شریف :-

كُنْتُ نَبِيًّا وَادَّارِئِينَ الزُّوجِ وَالْجَسَدِ -

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم اچھی زوج اور جسم کے درمیان تھے۔

کی تشریح میں امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اور حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکینہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حقیقت نبیؐ کی تجلی اولیٰ قبول فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقت محمدیہ ہے اور اس کے بعد سیدنا علیؑ کی حقیقت ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت فرمایا ہے کہ آل حضرتؐ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی، تو انہیں عرش معلیٰ کی دائیں جانب پانچ انوار رکھے، ہر انوار میں مصروف نظر آئے۔ آپ کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے، تو میں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، آسمان، زمین، فرشتے، انسان، جن وغیرہ کو پیدا نہ کرتا۔ جب ہمیں کوئی حاجت پیش آئے، تو ان کے وسیلے سے سوال کرنا۔ (الدرج الطالب جلد ۴، صفحہ ۴۹۱)

اس حدیث کو امام ابو القاسم رافعیؒ وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحب درج الطالب نے امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے فرزند عبد اللہؒ اور علامہ ابن عساکرؒ اور محبت طبریؒ وغیرہ علمائے کرام کی کتب کے حوالے سے اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث کو نقل کیا ہے، جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے بھی اپنی تفسیر عریضی میں ان کلمات کی تفسیر لکھتے ہوئے، جن کے توکل سے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ مذکورہ بالا احادیث کے ہم معنی روایات نقل فرمائی ہیں۔ لیکن یہ خیال ہے کہ جیسے شرح العقائد نیز اس میں تحریر ہے۔ حضرت علیؑ کے یہ فضائل سند فضیلت شریف کے منافی نہیں ہیں۔ ان سے حضرات شیعیان کی فضیلت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

نسبتِ اویسیؑ

مُندرجہ بالا حقائق سے حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ العزیز کے سابقہ مکتوبِ گرامی کی تصدیق ہوتی ہے اور اویسی قلندروں سے اہل بیتؑ کی شان دریافت کرنے کے متعلق جو آپؑ نے فرمایا ہے، اُس میں الفاظِ اویسی قلندروں میں اپنے متعلق بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اصطلاحِ صوفیہ میں اویسی اُن حضرات کو کہتے ہیں جو باطنی طور پر آلِ حضرتؑ یا دیگر ارواحِ کاملین سے براہِ راست تربیت پائیں۔ اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم کو علاوہ اُس فیض کے جو ظاہری طور پر مشائخ طریقت کی توجہات عالیہ سے حاصل ہوا، براہِ راست امامِ الاولیاء سرکارِ علیؑ اور سیدنا غوث الاعظمؑ کی توجہاتِ گرامی سے بھی کمالاتِ خصوصی عطا ہوئے جن کا اظہار آپؑ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ اسی ضمن میں ایک فارسی غزل میں آپؑ کا یہ شعر قابلِ ملاحظہ ہے۔

تایافتہ ام خبر سے از بابِ علومِ دل ولدادہ بہ سہ آں شہِ حیدرِ کرام

مہر ہے ساری علیؑ دی

ایک اور پنجابی نعت میں ارشاد فرمایا ہے :-

مہر ہے ساری علیؑ دی، شک نہ رہا اک ذرہ

تاہیں اوہ پتیاں و سداں سانوں ماہی و الیاں ٹاہلیاں

دوسرے مصرعے کی تشریح آپؑ نے ایک مقام پر نفسِ الرحمنؑ اور حضراتِ الاسماء کے ساتھ فرمائی ہے۔ اسی نعت میں حضرت سیدنا غوث الاعظمؑ کے فیوض و برکات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے :-

ہے جو تنزیہ عینِ تشبیہ جمع حق مشہود ہے

کرم کیست تا غوثِ اعظمؑ اپنے سرویاں الیاں

فی الحقیقت تربیت اور استفادہ کے معاملے میں حضرت قبلہ عالم کی ذاتِ گرامی میں تمام تر وہی نقشہ نظر آتا ہے جو آپؑ کے جدامجد سرکار بغدادؑ کے متعلق کتبِ سیر میں مرقوم ہے۔ حضرت غوثِ الاعظمؑ نے بھی اپنے ارشاد :-

وَجَدِی رَسُولُ اللَّهِ فِي الْأَصْلِ رَبَّائِیْ

کے مطابق باوجود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست مستفیض ہونے کے حسبِ قاعدہ طریقت، اپنے وقت کے متعدد اہل باطن حضرات سے خرقہ خلافت حاصل فرمایا تھا۔ لہذا حضرت قبلہ عالم کا بمصدق الولد سِرِّ لایبہ اپنے جہِ بزرگوار کے نقش قدم پر ہونا ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ سماعتؒ میں لُغْنِ "نسبتِ اویسیہ" فرماتے ہیں :-

مزید برآں بَلَّتِ مُصْطَفَوِیِّیْنِ بِالْعُمُومِ اور اس زمانے میں بالخصوص ان دو بزرگانِ یعنی سیدنا علیؑ و سیدنا

عبد القادر جیلانیؒ سے بڑھ کر اور کوئی بزرگ بخرق عادات و کرامات کے ضمن میں مشہور نہیں ہے اور یہ امر اس بات

کا مقتضی ہے کہ ممالک جب عالم غیب کی طرف توجہ کرے تو اُسے ان ہر دو بزرگان میں سے کسی نہ کسی صورت

میں متشکل دیکھے :-

اب اس مبارک موضوع کو اپنے مندرجہ ذیل اشعار پر بدیں اُمید ختم کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان پاکستیوں کے
ذکر خیر کی برکت سے میرا بھی اہل بیت کرام کے ثنا خوانوں میں حشر کرے :-

رضائے حق ہے رضائے نبی و آل نبی	ولائے حق ہے ولائے نبی و آل نبی
وکارِ صیّت کو پڑھ کر یہ رازِ فاش ہوا	لغائے حق ہے لغائے نبی و آل نبی
نہیں نماز وہ منظورِ بارگاہِ حُجّہ	کہ جس میں ہو نہ شنائے نبی و آل نبی
انہیں کے گھر میں ہی نازل ہوا کلام اللہ	انہیں کے گھر سے ہدایت ملی جسے بھی ملی
نجات انہیں سے ہے البتہ بحرِ غفلت میں	بغیر ان کے نہ کشتی کوئی بھی پار ہوئی
صداقت اور عدالت انہیں پہ ہے نمازاں	امامت اور ولایت کے ہیں مدار یہی
گواہ ان کی طہارت پہ آیہِ تطہیر	نشان ان کی شہادت سے کر بلا کی گلی
سیادت ان کی مُسلم ہے دونوں عالم میں	غلام ان کے ہیں شاہ و گدا، فقیر و غنی
شجاعت ان کی ہے ضربِ المثل زمانے میں	لقب انہیں کا ہے شیرِ خدا کے لم یزلی
سخاوت ان کی، خدا کی قسم، کہ کیا کمنا	نہیں تو ان کی زباں سے نہیں کسی نے سُنی
ہیں علمِ ظاہر و باطن کے بحرِ بے پایاں	خدا نے ان کو سمجھائے ہیں رازِ پائے خفی

نہیں جو ان سے تعلق تو فیض کچھ بھی نہیں
کہ دین ان کے سوا ہے تمام بولہبی

تیسری فصل

آبائے کرام^{رض}مولائے کائنات جناب علی^{رض}

اس خاندانِ ذی شان کے اسلافِ کرام نے ہر دور میں باطل کے خلاف نبو و آزارہ کرام کی سر بلندی کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات کا تاریخی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تقریباً تمام غزوات میں شریک رہ کر ایسے کارنامے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ سنہری حروف میں لکھے جاتے رہیں گے۔ صرف غزوہ تبوک میں آل حضرت نے آپؑ کو مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا تو آپؑ معنوم ہوئے۔ اس پر آل حضرت نے فرمایا۔ اَھَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ صِیْتِیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی (کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہو جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تھی؟)

جنگ بدر میں کفار کے ستر مقتولین میں سے اکیس (۲۱)، صرف آپؑ کی تلوار کا شکار ہوئے۔ اُس وقت آپؑ کی عمر شریف صرف سترہ برس کی تھی۔ جنگ احد کے باریس (۲۲) مقتولوں میں سے سات آپؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جنگ احزاب میں، جب عمرو ابن عبدود، جو عرب میں ایک ہزار پہلوانوں کا مقابل سمجھا جاتا تھا، آپؑ کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہنچا تو آل حضرت نے فرمایا: علیؑ کی یہ ضرب اُس کے متام دوسرے اعمال پر سبقت لے گئی ہے۔ اُس زمانے کے دستور کے خلاف آپؑ مقتول کے اسلحہ و پارچات پر تصرف نہیں فرماتے تھے۔ اس پر عمرو کی بہن نے ایک مرثیہ میں کہا کہ بھائی! میں تیری لاش پر ابر بہار کی طرح ردتی، مگر یہ دیکھ کر میرے آنسو خشک ہو گئے کہ تو ایک مرد شجاع کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔

میدانِ جنگ میں جو شخص بھی اس شیر خدا کے مقابل ہوا، قتل ہوا۔ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ے
نہ شد نصیبے برون کار زارش ز غر زار ایل و ضرب ذوالفقارش

صرف دو مقابل بچ بچکے تھے۔ ایک اپنی پشت برہنہ کر کے بھاگا تھا اور آپؑ نے مسکرا کر منہ پھیر لیا اور دوسرے نے آپؑ کے چہرہ مبارک پر ہتھوک دیا جس سے آپؑ نے تلوار نیام میں کر لی کہ بھاد اہل فی سبیل اللہ میں اس ذاتی رنج و غصہ کی وجہ سے قتل آجائے۔ جہاد بالسیف کے علاوہ اشاعتِ علومِ نبویہ، تبلیغِ دین اور ہدایتِ خلق کے معاملہ میں مساعی کا جو نظور آں جنابؑ کی ذاتِ گرامی سے ہوا، اُس پر خود صحابہ کرامؓ، ائمہ تابعینؓ اور تمام سلاسل کے اولیائے عظامؓ کے اقوال شاہد ہیں۔ مسندِ امام احمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ با اس جلالتِ شان فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی مشکل سے پناہ دیں جس کے حل کے لیے

حسینؑ کریمین

مولائے مشکل کشا کے بعد آپ کے دونوں فرزند ان ارجمند حسینؑ کریمین کی دینی خدمات اور اشاعتِ طریقیہ نبویہ پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ سیدنا امام حسنؑ کا ظاہری خلافت سے دستبردار ہو کر، حسبِ پیشگوئی آن حضرت، اُمتِ مُسلّمہ کو خانہ جنگی سے بچالینا ایک عظیم کارنامہ ہے اور جناب امام حسینؑ کا یزید شقی کے خلاف آوازِ حق بلند کر کے حدودِ شرعیہ کے تحفظ کے لیے سب کچھ قربان کر دینا اپنی مثال آپ ہے۔

غریبِ سادہ و رنگین ہے استخوانِ حرم نہایت اس کی ٹھیں، ابتداء ہے اسمعیل (اقبال)

حسینؑ کریمین کی اولادِ امجاد

حسینؑ کریمین کی اولادِ گرامی بھی اشاعتِ حق اور ازالہِ باطل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ سیدنا امام حسینؑ کے پوتے جناب زید شہیدؑ نے بھی مروانیوں کی غیر شرعی حکومت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے میدانِ کربلا کا نقشہ از سر نو پیش کیا۔ حضرت امام حسنؑ کے فرزند جناب حسنؑ مثنیٰ جو میدانِ کربلا میں زخمی ہوئے تھے اور جنہیں اسما بنت حکیم مساندی نے سفارش کر کے ابنِ زیاد ملعون سے چھڑایا تھا، کے پوتے سید محمد نفس الزکیہ، سید ابراہیمؑ اور سید یحییٰ زایدؑ نے منصور عباسی وغیرہ کے دورِ حکومت میں آوازِ حق بلند کی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ علوٰی شان کی یاد تازہ ہو گئی۔

علیؑ کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ جہاں پیدا ہوا شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

یہ مسئلہ اُمر ہے کہ عالمِ اسلام کی دینی، دنیوی، اخلاقی، معاشرتی، ذہنی اور روحانی امت دار اپنے قیام و بقا میں اسی گھر انے کی مروجونِ منت ہیں۔ اہل سنت و الجماعت کے چاروں فقہی ائمہ، اہل بیتِ کرام کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ حضرت امام جعفر صادقؑ کے اور امام شافعیؒ امام موسیٰ کاظمؑ کے تربیت یافتہ ہیں۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کا شاگرد ہو کر بالواسطہ اسی خاندانِ پاک کا شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، تعبیر، جندسہ، بلاغت و طب وغیرہ علوم کے اکابر علماء اسی گھر انے کے ارادت مند اور فیض یافتہ تھے جتنی کہ معتزلہ بھی پنجِ ابلاغ کے ثبوت پر اصحابِ علیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ الغرض روحانیت کے سارے سلسلے اور طریقے اسی دریا کی نہریں ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے واسطے سے اُن کے جدِ مادری حضرت صدیق اکبرؑ سے منسلک ہے اور دیگر سلاسلِ قادریہ، چشتیہ، شہروردیہ، اویسیہ، رفاعیہ، مولویہ، شاذلیہ، شطاریہ اور بندگیہ وغیرہ سب کے سب براہِ راست امیر المؤمنین سیدنا علیؑ ابن ابی طالب سے متعلق ہیں۔

غوثِ الثقلینؑ

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے جناب غوثِ پاک، پیرانِ پیر، دستگیر، سیدنا محمدی الدین ابی محمد عبد الفتاح اور

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احیائے دین کے سلسلے میں وہ بطل جلیل اور رہبر عظیم ہیں جن کے دست برکت نے دین اسلام کو ایک مثالی شکل میں مریض پاک حیات نو بخشی اور چار دانگ عالم میں محی الدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علماء محدثین اور اکابر سلف کی ایک کثیر تعداد نے آپ کے فضائل اور مناقب میں ضخیم کتب تحریر کی ہیں۔ ان میں سے سدر جہ ذیل یہاں عربی زبان میں دستیاب ہو سکتی ہیں اور بعض کے اردو اور فارسی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ نور الناظر فی اخبار شیخ عبد القادر، از علامہ ابوبکر عبد اللہ تمیمی عراقی

۲۔ ہجۃ الاسرار، از علامہ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شطنوفی

۳۔ راس المفاخر فی مناقب الشیخ عبد الفتاد، از امام عبد اللہ ابن السعد الیسافی الشافعی

۴۔ درر الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر، از علامہ سراج الدین ابوصحف عسکری علی

۵۔ روضۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبد الفتاد، از علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس اللغات

۶۔ الروض الزاہر فی مناقب الشیخ عبد الفتاد، از علامہ ابوالعباس احمد قسطلانی

۷۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب الشیخ عبد القادر، از علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی صاحب مرقاہ شرح مشکوٰۃ

حضرت غوث الاعظم دُنیا کے تمام اولیاء اللہ کے سردار اور نبوت کے بعد ولایت کے اُس مقام اقصیٰ پر فائز ہیں، جہاں اور کسی کو رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ آں جناب کی ولادت ۷۴۷ھ میں ہوئی۔ اکانوے برس کی عمر پائی اور ۸۵۶ھ میں وصال ہوا۔ ولادت کی تاریخ لفظ عاشق سے اور عمر شریف لفظ کمال سے نکلتی ہے۔ اسی طرح سن وصال کے الفاظ بحساب ابن معشوق الہی ہیں۔ لہذا کیا خوب کہا ہے۔

سینش کامل و عاشق تولد و صاحب دال ز معشوق الہی

پیدائش کے وقت عالم اسلام کی حالت

تاریخ کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ جناب غوث الاعظم کی پیدائش سے قبل دُنیا بے اسلام پر زوال و انحطاط عمومی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ بظاہر اسلامی سلطنتوں کے اقتدار کا سلسلہ اندلس سے لے کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندرونی طور پر حالات نہایت خراب و ناگفتہ بہ تھے۔ دُنیا بے اسلام کی مرکزی طاقت یعنی خلافت بغداد بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اور باقی ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ سیاسی و معاشرتی لحاظ سے ہر جگہ انتشار تھا۔ علامہ شبلی نعمانی نے سید سلیمان ندوی نے اپنی تاریخی کتابوں اور علامہ ابن جوزی نے المنظم میں اُس وقت کے اسلامی ممالک کے جو حالات تحریر کیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاری، فسق و فجور، سیاسی ابتری اور اخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

اندلس میں امیر عبد الرحمن اموی کی قائم کردہ حکومت کی مرکزی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں موقع کی تاک میں تھیں کہ مسلمانوں کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کریں۔

مصر میں سلطنت باطنیہ عبیدیہ جسے علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں دولت خبیثہ کے نام سے پکارا ہے احمد اور بے دینی کے نظریات پھیلا رہی تھی۔ اُس کے ارباب اختیار نے جس قدر اسلامی اقدار کو نقصان پہنچایا، اُس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہ لوگ عراق و حجاز پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گویا مسیحی دنیا کی متحدہ قوت اسلام کو مٹانے پر مٹی ہوئی تھی۔

مشرق وسطیٰ میں دولت عباسیہ کا وجود برائے نام ہوتا تھا اور سلجوقی و دیگر ماتحت سلاطین خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے۔ جس سلطان کی طاقت بڑھ جاتی، بغداد میں اسی کا خطبہ شروع ہو جاتا۔

افغانستان و ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں کا زوال شروع ہو چکا تھا اور ہندو راجے اپنی سابقہ شکستوں اور ذلتوں کا انتقام لینے کے لیے صلاح مشورے کر رہے تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی اخلاقی حالت بھی گر چکی تھی طبقہ اُمراء عیش و عشرت میں مبتلا تھا۔ مشرق وسطیٰ کے ایک افساد راجے کے رئیس ابن مروان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اُس کی حرم ہر اسے میں صرف گانے بجانے والی لونڈیوں کی تعداد پانچ صد کے قریب تھی اور بقول امام یافعی قرطبہ کے ایک امیر محمد نامی کے ہاں ایسی آٹھ صد عورتیں تھیں۔ ہسپانیہ کے نقاب پوش سلاطین کے دور میں اسلامی پردہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ مردوں نے نقاب پہننا شروع کر دیا تھا اور عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں۔ بدکاری و شراب نوشی عام تھی۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا، اُمراء، سلاطین اور علماء تک وجاہت پرستی اور دنیوی عیش کا شکار تھے۔

مذہبی اور روحانی صورت حال اس سے بھی بدتر تھی۔ قرامطہ اور باطنیہ نیز اہل رفض و اعتزال و علمائے سور کے فتنوں اور لاتعداد و سپیاد ہو جانے والے دیگر فرقوں نے اسلام کے مرکزی شہر بغداد تک میں اودھم مچا رکھا تھا۔ ہر روز بے شمار مشائخ، علماء، اُمراء اور دیگر سرکردہ مسلمان فرقہ باطنیہ کی سازشوں اور خبیثہ خون آشام کارشکار ہو رہے تھے۔ مشہور زمانہ سلجوقی وزیر نizam al-Mulk طوسی اور اُس کے بعد شمس الدین محمد بن سلجوق فرماں روا ملک شاہ بھی ان خدانا ترس قاتلین کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ یونانی فلسفہ الگ اسلامی عقائد و نظریات کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا اور علمائے اسلام اس سے متاثر ہو کر دین سے بتدریج دُور ہوتے جا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین و دیگر یورپین موزخوں نے اس زمانے کو دنیائے اسلام کا ایک تاریک دور شمار کیا ہے۔

امام غزالیؒ "احیاء العلوم" میں اس زمانے کے علماء کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ہر وقت شیعہ بستی، جنسلی اور اشعری مناظرات میں مصروف رہتے تھے۔ گالی گلوچ اور کشت و خون تک نوبت پہنچا ایک معمولی بات تھی۔ اور کچھ نہ ہو تو صدر نشینی پر ہی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔ معاشرے کا یہی وہ سیاسی اور روحانی اِدبار تھا جسے آں حضرتؒ نے مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ خطرناک قرار دیا تھا۔ صلاح ستہ میں بالفاظ مختلف یہ حدیث شریف تحریر ہے: "خدا کی قسم، غربت و افلاس کا تھما سے متعلق مجھے کوئی خوف نہیں، بلکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور پھر جیسے تم سے پہلی امتوں میں مقابلے کا بازار گرم ہوا، اُسی حالت میں تم بھی مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی اس حالت میں انبیاء نہیں بلکہ خود مسلمان ہی مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔"

اسی روحانی اِدبار کے متعلق فیض الباریؒ تعلیقات بخاری میں بھی علامہ الور شاہ کشمیری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آں حضرتؒ نے فرمایا: پانچویں صدی کے قریب میری امت پر آفت کی ایک چکی چلے گی۔ اگر اس سے یہ بچ نکلی تو پھر کچھ مدت کے لیے اسے استقامت حاصل ہو جائے گی۔

چنانچہ ان حالات میں ایک ایسی ہی روحانی قوت کی ضرورت تھی جو تمام طاغوتی طاقتوں کو مغلوب کر کے اپنے

عالم گیر اثر کے باعث بنی نوع انسان کو از سر نو دین اسلام پر قائم کرے اور دین کی تقویت و غلبہ کا موجب ہو۔ جس کی نظر میں تمام کائنات رانی کے ایک دانے کے برابر ہو جس کا عظم علوم الہیہ کا اور جس کی طاقت قادرِ حقیقی کی قدرت کا مظہر ہو جو سلطان الوقت اور موجبِ نصرتِ حیات اکابرین دین متصرف علی الاطلاق ہو، جو نوع انسانی کو مادیت کی ذلتوں، نفس پرستیوں اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر روحانی بلندیوں اور اخلاقی استواریوں سے روشناس کرائے۔ ان کمالات و تصرفات روحانی کا حامل اُمتِ مرحومہ کا یہی بطلِ جلیل اور مردِ عظیم تھا جسے قیامت تک دنیا پر ان پر غوثِ الاعظم اور مہی الدین کے مبارک ناموں سے پکارتی رہے گی۔

بے شک کلیدِ قفسِ درمیدع ہو تم

اولادِ حق صبیحِ رسولِ محمدا ہو تم

یہ اسی مبارک و کریم النفس انسانِ کامل کی برکت تھی کہ نہ صرف دین اسلام سنبھل گیا اور مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی حالات اصلاح پذیر ہونا شروع ہو گئے بلکہ اُن میں اُس فتنہ عظیم سے تبرؤ آزا ہو کر ایمان سلامت لے نکلنے کی صلاحیت و حوصلہ بھی پیدا ہو گیا جو کہ آں جناب کے وصال کے تقریباً نصف صدی بعد تاری طوفان و غارت گری کی صورت میں قیامتِ صغریٰ بن کر نمودار ہوا اور دُنیا سے اسلام پر ٹوٹا۔

حضرت غوثِ الاعظم نے اپنے ان خداداد کمالات کا بطورِ تحدیثِ نعمت قصیدہ غوثیہ میں ذکر فرمایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ بھی ہمعات میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

”اصل نسبتِ حضرت غوثِ الاعظم نسبتِ اولیہ است بامزجے از برکاتِ نسبتِ سبکینہ بایں معنی کہ اِس کس مراد و محبوب نقطہ کہ با ذار ذاتِ الہیہ است در شخصِ اکبر، در ضمنِ حُبِ نفوسِ فلکیہ ملائعِ اعلیٰ و ارواحِ کمل گرد۔ و از راہِ اِس حُبِ سیلانِ کند بر دئے تجلی از تجلیاتِ الہیہ کہ جامع است میانِ ابداع و خلق و تدبیر و تدلی۔ و ظاہر شود اُن سے و برکتے کہ انتہا ندارد۔ دریں صورتِ قصدِ اِس کمال و توجہِ بدالِ کردہ باشد یا نہ۔ گویا امرے منظم بغیرِ ارادہ و سے ظہور می کند۔ ازینجا ست کہ حضرت غوثِ الاعظم بغیرِ تقاضا و کلماتِ کبریا یہ منظم شدہ اند و تسخیرِ عالم از ایشاں ظاہر می شد۔“ (مجموعہ ۱۶)

ترجمہ:- حضرت غوثِ الاعظم کی اصل نسبتِ نسبتِ اولیہ ہے جس میں نسبتِ سبکینہ کی برکات بایں معنی شامل ہیں کہ یہ شخص ذاتِ الہیہ کی ذال کے نقطے کی طرح شخصِ اکبر میں ارواحِ کاملہ و ملائعِ اعلیٰ کے نفوسِ فلکیہ کی محبت میں محبوب و مراد بن جاتا ہے اور اِس مقامِ محبوبیت کے ذریعے اُس کے ارادہ و توجہ کے بغیر تجلیاتِ الہی میں سے وہ تجلی جو ابداع، خلق، تدبیر و تدلی کی جامع ہے، اُس پر ظہور کرتی ہے جس کے باعث ایسے اُنس و برکات کا ظہور ہوتا ہے جن کی انتہا نہیں۔ گویا انتظامی امور کائنات خود بخود ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اِسی وجہ سے حضرت غوثِ الاعظم نے کلماتِ فخریہ فرمائے ہیں اور اُن سے تسخیرِ عالم کا ظہور ہوا ہے۔

اس کی تائید بخاری شریف کی حدیثِ قدسی سے ہوتی ہے جو مشکوٰۃ شریف باب ذکر اللہ و التقرب الیہ میں مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے بلاشبہ میں اُس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ اور میرے تقرب کے لیے فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز بندہ کے لیے نہیں۔ اور ہمیشہ میرا بندہ فرائض کے علاوہ

نوافل عبادات سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اُس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور میں اُس کی بصر ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اُس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو ضرور دیتا ہوں، اگر میری پناہ چاہے تو ضرور اُسے پناہ دیتا ہوں۔

غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری بغداد

حضرت غوث الاعظم ^{۷۸۹}ؒ میں بغداد تشریف لائے اور آپ کے درود بغداد کے ساتھ ہی روحانیت کا کچھ ایسا معنوی دور چلا کہ عراق میں بڑے بڑے وجاہت پسند علماء اور اُمراء میں روحانی انقلاب نمودار ہونا شروع ہو گیا۔ لوگ دین کی طرف زیادہ راغب ہو گئے۔ علماء جو وجاہت ذاتی کے لیے باہم دست و گریبان رہتے تھے، عبادات و ریاضات میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ امام غزالی جن کا ظاہری طور پر تو حضرت غوث الاعظم سے استفادہ ثابت نہیں آپ کی تشریف آوری بغداد سے کچھ عرصہ پہلے صدارت نظامیہ پر متمکن تھے اور علمی شان و شوکت کے ساتھ قیمتی پٹھے اور عجائبات زیب تن کر کے نظامیہ بغداد کی صدارت پر جلوہ گر ہو کر تھے تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی محض تشریف آوری کے روحانی اثر سے ظاہری وجاہت ترک کر کے طریقت و سلوک کی طرف متوجہ ہو گئے اور بقیہ عمر وجہ دہریت کے خلاف جہاد میں بسر کی۔

شیعہ، سنی اور حنبلی، اشعری تنازعات ختم ہو گئے۔ سہو قیوں کی خانہ جنگی بھی، جس میں مسلمانوں کا بے شمار اُلاف جان ہوا تھا، بتدریج بند ہو گئی۔

حضرت غوث الاعظم کے سنہ ارشاد پر تشریف فرما ہوتے ہی آپ کے خلفاء و شاگرد مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ اور آپ کی تعلیم کے مطابق تبلیغ و احیائے دین کے مبارک مشن کو اس غوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ ہر ملک میں عوام و خواص اللہ کے رنگ میں رنگے جانے لگے اور آپ کی ذات گرامی کا پیران پیر اور غوث الاعظم کے القاب گرامی سے چار دانگ عالم میں شہرہ ہو گیا۔

آپ کے روحانی تصرفات

آپ کے مبارک دور میں عراق و عرب کی مُست ذکرہ بالا اسلامی صورت میں آپ کے ساتھ آپ کے خلیفہ حضرت عبدالقادر اور ان کے بعد ان کے جیسے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سُہروردیؒ اور ان کے خلیفہ حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کی مساعی جمیلہ کو بھی دخل تھا۔

اندلس میں حضرت عمار بن یاسرؒ اندلسی جو حضرت عبدالقادر متذکرہ صدر کے خلیفہ تھے اور حضرت ابو مدین ہمدانیؒ و حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے ارشاد و تبلیغ اور کشف و کرامات کے باعث موقدین کی سلطنت معرض وجود میں آئی، جس کی وجہ سے اُس نواح میں آئندہ کئی صدیوں کے لیے اسلام کو استحکام نصیب ہو گیا۔ حضرت عمار بن یاسرؒ کے خلیفہ حضرت نجم الدین گبرلیؒ تھے۔ جن کے سلسلہ اُلات سے حضرت شمس الدین تبریزیؒ، شیخ بہاؤ الدینؒ (والد حضرت مولینا رومؒ) اور مولینا فخر الدین رازیؒ جیسے سرآمد روزگار ظاہر ہوئے۔

حضرت قند عالم گورکھیؒ قدس سرہ العزیز کے سلسلہ پائے طریقت میں سے ایک قادری سلسلہ تو حضرت شیخ عبدالقادر کے

واسطے اور دوسرا قادریہ جدیہ سلسلہ آپس کے جد امجد حضرت میراں شاہ قادر قیص و جناب غوث پاکؒ کے منجھلے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالرزاقؒ کے واسطے جو حضرت قبلہ عالم کے جد اعلیٰ بھی ہیں، حضرت غوث الاعظمؒ سے جا ملتا ہے۔ گویا حضرت قبلہ عالم جسمانی و روحانی ہر دو طور پر حضرت سرکار بغدادؒ کی اولاد ہیں۔

مصر کی حکومت باطنیہ بھی آپس ہی کے وقت میں زوال پذیر ہو کر بالآخر ۱۹۵۲ء میں، یعنی آپس کے وصال کے بعد پانچ سال کے اندر اندر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئی اور اُس کی جگہ سلطان نور الدین زنگی اور پھر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی حکومت پر نمودار ہوئے جنہوں نے مرکزی خلافت سے تعلق جوڑ کر اپنی سلطنتوں کو وحدت اسلامی میں منسلک کرتے ہوئے عباسی خلیفہ کا نام خطبے میں پڑھوانا شروع کیا اور پھر اپنے اپنے وقت میں یورپ کی متحدہ صلیبی طاقت کو کئی لڑائیوں میں کمر توڑ شکستیں دے کر بیت المقدس کو آزاد کرایا۔ امام یافعیؒ اور ابن اثیرؒ نے اپنی کتب تاریخ میں ان دیندار حکمرانوں کی تعریف میں نہایت شرح و بسط سے تحریر کیا ہے۔

ابن ہی ایام میں غزنویوں کی تباہ شدہ سلطنت کی جگہ غوری خاندان نے ہندوستان میں ایک نئی اور وسیع تر اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس میں حضرت غوث الاعظمؒ کے قریبی عزیز و فیض یافتہ حضرت خواجہ غریب نواز مدین الدین اجمیریؒ کا بھی ہاتھ تھا۔ بعد میں آپس کے خلفاء و شاگردوں اور مشائخ چشت اہل بہشت اور مشائخ سہروردیہ حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ زکریا، شاہ صدر الدین عارفؒ، ابوالفتح شاہ رکن عالم ملتانؒ، سید جلال الدین بخاریؒ اوجی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اوجی و جناب لعل شہار قلندر سندھی وغیرہ بزرگان نے اس برصغیر میں دور و نزدیک اپنی ان تھک مساعی سے لوگوں کو دولت اسلام سے سرفراز فرمایا۔

گویا حضرت غوث الاعظمؒ اور آپس کے بلا واسطہ و بالواسطہ فیض یافتگان کی کوششوں سے نہ صرف دین اسلام میں نئی زندگی نمودار ہوئی بلکہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اُس کی روحانی قوت دفاع اس حد تک بیدار و استوار ہو گئی کہ جب ساتویں صدی کے آغاز میں یعنی ۶۱۵ء میں تاتاریوں کی قیامت خیز یلغار سے نصف صدی یعنی ۶۵۶ء تک اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی تو ظاہری حالات کے تقاضوں اور عام توقعات کے برعکس اسلام کا چراغ گل ہونے کی بجائے نہ صرف روشن رہا، بلکہ صرف پچیس سال کے اندر اندر یعنی ۶۸۰ء تک خود ان غارت گروں کو اپنا حلقہ بگوش بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ سچ ہے ے

چراغے را کہ ایزد برفروزد کے کو قوت زندریش بسوزد
اور یہ معرکہ کسی شاہی لشکر یا دنیوی طاقت سے سر نہیں ہوا، بلکہ اُسی سلطان الوجود، قطب الوقت، خلیفۃ اللہ فی الارض و ارض کتاب و نائب رسول، المتصرف فی الوجود علی الشقیق، منظر اسمائے الہی، غوث الاعظم و شکیبہ کے روحانی تصرف کا اعجاز تھا کہ دشمنان اسلام نے اسلام قبول کر کے اس کی وہ خدمات انجام دیں کہ باید و شاید۔

تاتاریوں کا قبول اسلام

تاتاریوں کے قبول اسلام کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ تاتاریوں کے غلبے کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک خراسانی بزرگ اشارۂ غیبی کے تحت بلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کے پاس پہنچے۔

وہ شکار سے واپس آیا تھا اور اپنے محل کے دروازے پر اس درویش کو دیکھ کر بانڈاز مسخر و تحارت کہنے لگا کہ اے درویش! تمہاری دائرہ کی بال اچھے ہیں یا میرے گتے کی دُم؟ آپ نے جو ابا فرمایا کہ میں بھی اپنے مالک کا گتا ہوں۔ اگر میں اپنی جان بشاری و وفاداری سے اُسے خوش کر پاؤں تو میری دائرہ کی بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے گتے کی دُم اچھی ہے جو آپ کی فرمان برداری کرتا ہے اور آپ کے لیے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان پر اس انداز گفتگو کا بہت اثر ہوا اور اُس نے آپ کو اپنا مہمان رکھ کر آپ کی تعلیم و تبلیغ کے زیر اثر درپردہ اسلام قبول کر لیا، مگر اسے اس خیال سے ظاہر نہ کیا کہ ناسازگاری حالات کے پیش نظر کہیں اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے بعد ازاں اُن کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ کچھ عرصہ بعد تشریف لائے گا تاکہ میں اس دوران اپنی قوم کو ذہنی طور پر یہ نیا مذہب قبول کرنے کے لیے تیار کر سکوں۔ وہ درویش واپس وطن تشریف لے گئے مگر چونکہ وقت پورا ہو گیا تھا اس لیے نقصانے الہی داعی اجل کو لبیک کہ گئے۔ مصداق ہرچہ پیر نتوانست، پیر مت مگنہ کچھ عرصے بعد اُن کے صاحب زادے باپ کی جگہ حسب وصیت تگودار خان کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا کہ باقی سرداران قوم تو قریباً مائل ہو گئے ہیں، مگر ایک سردار جس کے پیچھے کافی جمعیت ہے، آمادہ نہیں ہو رہا ہے۔ حضرت نے تگودار خان کے مشورے سے اُسے بلوایا اور تبلیغ فرمائی، مگر اُس نے کہا، میں ایک سپاہی ہوں جس کی ساری عمر جنگ میں گزری ہے۔ میں صرف طاقت میں ایمان رکھتا ہوں اگر آپ میرے پہلوان کو کشتی میں پھپھار دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ یہ بات سُن کر آپ نے تگودار خان کے منع کرنے کے باوجود اُس سردار کا چیلنج منظور کر لیا اور مقابلے کے لیے تاریخ و وقت کا تعین کر کے اجتماع ناظرین کے خیال سے اعلان عام کر دیا۔ تگودار خان نے بہتیرا کہا کہ ایک تاتاری نوجوان پہلوان سے ایک سن رسیدہ و کمزور جسم درویش کا مقابلہ نا انصافی اور قتل عمد کے مترادف ہے، مگر مخالفت سردار نے کہا کہ یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔ اول تو اس لیے کہ اس درویش کے قتل سے اس قسم کے دوسرے دخل و مشغولات کرنے والوں کو عبرت ہوگی اور دوم اس لیے کہ خان اعظم یعنی تگودار خان آئندہ اس قسم کے چلتے پھرتے لوگوں کی باتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا کریں گے۔

پاساں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

چنانچہ مقررہ دن ہزار ہا مخلوق کی موجودگی میں مقابلہ ہوا۔ حضرت نے جاتے ہی ایک طمانچہ اس زور کا اُس تاتاری پہلوان کے منہ پر رسید کیا کہ اُس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور لوگوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے! انہیں کیا معلوم کہ یہ منہی قسم کا درویش کس کا پہلوان تھا؟

تری خاک میں ہے اگر شر تو خیال فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نانِ شعیب پر ہے مدارِ قوتِ حیدریؑ

چنانچہ اُس کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف اُس سردار نے حسب وعدہ میدان میں نکل کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا، بلکہ اکثر حاضرین بھی اسلام لے آئے اور تگودار خان نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ تاریخ میں اُس کا یہی نام (۱۲۸۲ء تا ۱۲۸۳ء) تحریر ہے۔ اپنے دور اقتدار میں اُس نے سلاطین مصر کے بھی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی لیکن تاتاری جرنیلوں نے بالعموم اُس کے اسلام لانے کو پسند نہ کیا اور بغاوت کی لہر

باوجود مقابلہ کے کامیاب نہ ہو سکا اور شہید ہوا۔ مورخین نے اس واقعہ کو قدرت کی ایک عجیب ستم ظریفی قرار دیا ہے کہ باب
یعنی ہلاکو خان تو اسلام اور عرب تہذیب کو تباہ کرے اور بیٹا، یعنی احمد (تنگو دار خان) اسی تہذیب اور اسلام کے تحفظ
کے لیے اپنی جان قربان کر دے۔

اگرچہ اس واقعہ سے تاتاریوں میں اشاعت اسلام کی رفتار قدرے سست پڑ گئی، مگر چونکہ دوسری طرف ہلاکو خان کا
ایک چچا زاد بھائی برک (۱۲۵۶ء تا ۱۲۶۶ء) بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر چکا
تھا اور پھر احمد یعنی تنگو دار خان کے بھتیجے کے بیٹے غزن محمد (۱۲۹۵ء تا ۱۳۰۴ء) نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے
وسط ایشیا کی تاتاری حکومت، تاتاری اسلامی حکومت میں بدل گئی۔ اس غزن محمد کے خلاف بھی اُس کے جرنیلوں
نے تبدیل مذہب کے باعث بغاوت کی، مگر وہ سب کو شکست دے کر غالب آنے میں کامیاب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ تقریباً تمام تاتاری قبائل اسلام لے آئے۔

ہر بنائے گمنہ کا باداں گنہند اول آں بنیاد را ویراں گنہند

ایک وہ وقت تھا کہ تاتاری کفار کے ابتدائی حملے کے وقت سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے بقول مشہور
یہ کہہ کر اپنا گھوڑا لوٹا لیا تھا کہ اُسے ملائکہ اور اولیاء اللہ کی ارواح چنگیزی لشکر کے سروں پر یہ فلک یہ کہتی نظر آتی
ہیں: **آيَتُهَا الْكُفْرَةُ أَقْتُلُوا الْفَجْرَةَ** (اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کرو) جس کے نتیجے میں لاکھوں اور
کرودھوں مسلمانوں کا خون بہا۔ اور ایک وقت یہ آیا کہ ایک تنہا درویش نے اپنی قوتِ یلّٰہی کا مظاہرہ کر کے لا تعداد
تاتاریوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ گویا ہر دو صورتوں میں مشیتِ ایزدی، حسب تقاضائے وقت و احوال اُسی تجبلی کی
شان تدبیر کا فرما تھی۔ سچ ہے ع: ازمست کہ برماست۔ آیات ذیل:-

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا
جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَقِيَ مَرَحَّتِي يُغَيِّرُ مَا
بِأَنفُسِهِمْ (رعد: ۱۱)

اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو زبردستی
ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیک ہوں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ
وَأَهْلِهَا مُصْلِحُونَ (هود: ۱۱۷)

کیا اُن لوگوں پر جو زمین کے وارث ہوئے ہیں،
وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد یہ ظاہر
نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں، تو انہیں اُن کے گناہوں
کے سبب سے پکڑ لیں۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتَوْنَ الْأَرْضَ مِنْ
بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَحْنَاهُمْ
بِذُنُوبِهِمْ (الاعراف: ۱۰۰)

اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب
وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اُس کی پکڑ سخت

وَكُنْ لَكَ أَخَذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ
وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخَذًا أَلِيمٌ (هود: ۱۰۲)

تکلیف دہ ہے۔

شَدِيدٌ (هود: ۱۰۲)

اسی کو ثابت کرتی ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی بد اعمالیوں کے باعث صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے
ہلاک کر کے اُس کی جگہ کوئی دوسری قوم دین کی خدمت کے لیے لاکھڑا کرتے ہیں۔

جب احیائے دین کے ظہور کامل کا وقت آئے تو غلاموں سے سلاطین تک پاکیزہ زندگی کے نمونے بن جاتے ہیں سلطان قطب الدین ایبک ارکان دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ غریب پروری و مسکین نوازی کے موجب کھانا شہر ہوتا ہے سلطان شمس الدین التمش جناب قطب الدین بختیار کاکی کے حسب وصیت ان کی نماز جنازہ پڑھا کر عرصہ کی سنتوں اور تہجد کے نوافل کا ہمیشہ ادا کرنے والا اور جنسی پاکیزگی کا مرقع ثابت ہوتا ہے اور سلطان ناصر الدین محمود سرکاری خزانے کو سپاک کی امانت سمجھتے ہوئے کتابت قرآن کو اپنا اور اپنے اہل خانہ کا ذریعہ معاش بناتا ہے۔ اُمراء و سلاطین تبلیغ اسلام میں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ غریب نواز، حضرت گنج شکر اور غوث بہاؤ الحق کے احکام کی خدام خانہ زاد کی طرح تعمیل کرتے ہیں اور ان خدمات کے صلے میں ہندو چین جیسے کفرستانوں کے تحت و تاج سات سات اور آٹھ آٹھ سو سال کے لیے اپنے خاندانوں کے لیے وقف کر لیتے ہیں۔

غوث الاعظم کے کوائف زندگی

صاحب بہجت الاسرار حضرت غوث الاعظم کی ولادت باسعادت رمضان ۷۸۵ھ کی چاند رات مقام قصبہ جیل علاقہ جیل ہونا تھریر کرتے ہیں جیل طبرستان سے کچھ آگے بحیرہ اخضر کے قریب کے علاقے کا نام ہے۔ آپ والد کی طرف سے حسنیٰ اور والدہ کی طرف سے حسینیٰ یعنی نجیب اطہر قین سید ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید ابوصالح ولی کامل تھے۔ اور جنگ و جہاد سے بہت انس رکھنے کی وجہ سے جنگی دوست "مشہور تھے۔ حضرت غوث الاعظم کے ناما بزرگوار سید عبد اللہ صومعی بھی جیلان کے مشہور مشائخ و دروہما میں سے تھے۔

کہتے ہیں کہ عنقاوان شباب میں سید ابوصالح بہ سلسلہ ریاضات ایک دریا کے کنارے جا رہے تھے۔ اور کئی روز سے کچھ نہیں کھایا تھا دریا کے کنارے پر ایک سیب پڑا ہوا دیکھا تو بسم اللہ کہہ کر کھالیا۔ کھانے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ یہ نہیں کس کا سیب تھا جو میں نے بلا اجازت کھالیا ہے۔ اس لیے پریشانی کے عالم میں دریا کے ساتھ ساتھ سیب کے مالک کی تلاش میں چل پڑے تاکہ اس سے اجازت حاصل کریں چند فرلانگ کی مسافت کے بعد دریا کے کنارے سیبوں کا ایک باغ نظر آیا جس کے درختوں سے پکے ہوئے سیب پانی پر لٹکے ہوئے تھے۔ سید ابوصالح سمجھ گئے کہ وہ سیب ان ہی درختوں کا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ باغ سید عبد اللہ صومعی کا ہے۔ لہذا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بصد ادب بلا اجازت سیب کھا لینے کے لیے معافی کے خواستگار ہوئے۔ سید عبد اللہ چونکہ خود خاصان خدا میں سے تھے۔ سمجھ گئے کہ نیک و ہونہار نوجوان ہے۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لیے باغ کی رکھوالی کی شرط پیش کر کے کہا کہ اتنا عرصہ یہ خدمت انجام دو۔ اس کے بعد معافی کے متعلق غور کیا جائے گا۔ آپ نے رضائے الہی کی خاطر یہ خدمت منظور کر کے نہایت دیانتداری سے وقت میں تک اسے انجام دیا اور پھر حاضر خدمت ہو کر معافی کے طلب گار ہوئے۔ سید عبد اللہ نے فرمایا ایک شرط اور باقی ہے، وہ یہ کہ میری ایک لڑکی آنکھوں سے اندھی، کانوں سے بہری، ہاتھوں سے ٹہنی اور پاؤں سے ٹکڑی ہے۔ اسے نکاح میں قبول کرو تو بلا اجازت سیب کھانے کی معافی دے دی جائے گی۔ حضرت ابوصالح نے قبول کیا۔ اور بعد نکاح جب اپنی بیوی کو ان تمام خرابیوں سے مبرا ہونے کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی متصف پایا تو خیال گزرا کہ یہ کوئی اور لڑکی ہے اور غلطی کے خیال سے بھال پریشان گھر سے باہر نکل آئے۔ حضرت عبد اللہ نے فرست باطنی سے

پریشانی خاطر کا سبب معلوم کر کے کہا کہ اُسے بیٹے! یہی تمہاری بیوی ہے اور میں نے اس کی جو صفات تم سے بیان کی تھیں وہ سب صحیح تھیں۔ یہ اندھی ہے کہ آج تک کسی غیر محرم پر اس کی نظر نہیں پڑی۔ یہ بھری ہے کہ کبھی خلاف حق بات نہیں سُنی۔ نیز کبھی خلاف شرع کام نہ کرنے اور گھر سے باہر قدم نہ رکھنے کی وجہ سے بُجی اور لنگڑی بھی ہے۔ حضرت ابو صالحؓ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حضرت غوث الاعظمؒ ان دو پاکیزہ ہستیوں کی اولاد تھے۔ آپؐ کی پیدائش کے وقت آپؐ کی والدہ ماجدہ اُمّ النحیر سیدہ فاطمہؓ کی عمر شریف ساٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ آپؐ مادر زاد ولی کامل تھے آپؐ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے ولی ہونے کا علم اُس وقت سے ہو گیا تھا جب کم سنی میں مکتب کو جاتے ہوئے اپنے آگے پیچھے فرشتوں کو دیکھتا تھا۔ جو میرے ساتھ چلتے، میری حفاظت کرتے اور مکتب پہنچنے پر لڑکوں کو کہتے کہ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کے لیے جگہ دو۔

آپؐ کے والد دانا بزرگوار کا انتقال آپؐ کی کم سنی میں ہی ہو گیا تھا، اس لیے آپؐ کی سرپرستی اور تعلیم و تربیت کا اہتمام سربہر آپؐ کی والدہ ماجدہ کے ذمے رہا۔ ایام طفولیت میں کبھی بچوں کے ساتھ کھیلنے کے خیال سے باہر نکلتے تو آواز آتی "إِلٰی یَا مُبَارَکُ" اُسے برکت والے! میری طرف آ۔ آپؐ سم کر والدہ محترمہ کی گود میں جا بیٹھتے اور کھیل کا خیال ترک کر دیتے۔

جوان ہوئے تو ایک مرتبہ بیل لے کر ہل چلانے کے ارادے سے اپنی زمین کی طرف جا رہے تھے کہ بیل نے مُڑ کر دیکھا اور بزبان انسان کہا "مَا لِهَذَا خُلِقْتَ وَلَا بِهَذَا أُصِرْتَ" یعنی اُسے عبد القادر! آپ کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ آپؐ گھبرا کر واپس آ گئے۔ مکان کی چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ حاجیوں کا ایک قافلہ بیت اللہ شریف کو جا رہا ہے۔ اُتر کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو تحصیل علوم اور زیارت بزرگان سے فیضیاب ہونے کے لیے بغداد چلا جاؤں۔ آپؐ کی عمر اُس وقت اٹھارہ سال کے قریب تھی اور والدہ ماجدہ کی اٹھتر سال۔ وہ با چشم پرغم اسی دینار، جو جناب غوث الاعظمؒ کے والد بزرگوار نے ترکے میں چھوڑے تھے، نکال لائیں۔ چالیس دینار غوث الاعظمؒ کے پیراہن میں سی دیئے اور چالیس اُن کے چھوٹے بھائی کے لیے رکھ لیے۔ پھر اُن سے ہمیشہ سچ بولنے کا عہد لے کر انہیں خدا کے سپرد کیا اور کہا کہ اب قیامت کے روز ملاقات ہوگی۔

اثنائے راہ جب قافلہ مہمدان سے آگے نکلا تو ڈاکوؤں کے گروہ نے اُسے لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو نے حضرت غوث الاعظمؒ سے پوچھا کہ لڑکے بترے پاس بھی کچھ ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں، چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو کو یقین نہ آیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے ڈاکو نے بھی آکر یہی سوال کیا اور وہی جواب سُن کر اپنے سردار سے سرسری طور پر اس کا ذکر کیا۔ سردار نے آپؐ کو بلوا کر پوچھا تو آپؐ نے اُسے بھی سچ سچ بتا دیا اور پیراہن چاک کرنے پر چالیس دینار برآمد ہو گئے۔ اس پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی سخت متعجب ہو کر بولا کہ لڑکے! تمہیں معلوم ہے، ہم رہزن ہیں جو مسافروں کا مال لوٹتے ہیں۔ پھر تم نے ہم پر ان دیناروں کا بھید کیوں ظاہر کر دیا۔ جسے تم نہایت آسانی سے خفیہ رکھ سکتے تھے۔ غوث الاعظمؒ نے فرمایا، "میں نے وقت رخصت اپنی ضعیف والدہ سے سچ بولنے کا اہل قرار کیا تھا، اس لیے چالیس دیناروں کی خاطر خلافت عہد کیوں کرتا۔" سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ بہت رویا اور کہنے لگا۔ اُسے بچے! تجھے اپنی ماں کے ساتھ عہد کا اتنا پاس ہے اور حیف ہے

مجدد پر جو اتنے سالوں سے اپنے خالق کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پس پشت ڈالے ہوئے ہوں، یہ کہہ کر ڈوا اٹھا اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اُس کے رخصت ہونے بھی اُس کی موافقت کی کہ باہر زنی میں تو ہمارا سرواڑہ تھا تو توبہ میں بھی تو ہی ہمارا مستند رہ۔ اور تمام ٹوٹا ہوا اہل قافہ والوں کو واپس کر دیا۔ یہی وہ اسرائیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس تائب گروہ کو داعیہیں بالہ میں سے کیا۔

بعد ازیں کریمیت یزدی کے تحت فخر وفاق، مجاہدات و ریاضات شاد اور تحصیل علم میں جس قدر مشقت آپ نے برداشت کی، اُس کی بمثال نہیں ملتی۔ وہ پالیسیٹس اشرافیہ تو چند روز میں ہم دس طلبہ و مساکین کی ضروریات پر خرچ ہو گئی تھیں۔ عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ قوت لایموت کے لیے دہلے کے کنارے نکل جاتے اور گرمی پڑی سبزی ترکاری اٹھا کر شکم پُری کرتے۔ ایک مرتبہ بیٹ، دز تک کچھ نزل سکا تو کسری کے حلات کے کھنڈروں کی طرف نکل گئے تاکہ کوئی سبک چیر مل سکے۔ وہاں دیکھا کہ ستر او لیا، اللہ اسی طلب میں پھرتے تھے۔ اُن کے لیے رکاوٹ بننے کے خیال سے واپس آگئے تو ایک آشنا جو آپ ہی کی تلاش میں تھا، ملا اور سونے کا ایک ٹکڑا دیا کہ والدہ محترمہ نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اُس سے ایوان کسری کے کھنڈروں میں واپس جا کر اُن مردان خدا اور دیگر فقراء کی بھی خدمت کی اور شام تک سب کا سب راہ خدا میں خرچ کر دیا۔

بعد ازاں کے قریب ایک ویرانے میں پُرانا بُرج تھا۔ اس بُرج میں آپ نے گیارہ برس تک شب و روز عبادت و ریاضت کی، جس کی وجہ سے اُس بُرج کا نام بُرج عجمی پڑ گیا۔ آپ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ میں نے اپنے پروردگار سے عہد کیا کہ میں اُس وقت تک کچھ نہ کھاؤں پوئوں گا جب تک کوئی دوسرا مجھے میرے مُنہ میں لقمہ دے کر نہ کھلائے گا۔ متواتر چالیس روز بغیر کھانے پئے گزر گئے۔ چالیس دن کے بعد ایک شخص آیا اور کھانا میرے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے میرے نفس نے چاہا کہ کھانا کھا لے، لیکن میں نے اُس کی طرف بظہر تو جہد کی اور نفس "الجوع" یعنی بے بھوک! پکارتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ ابو سعید مخزومیؒ آدھر سے گزرے اور فراست باطنی سے اُس شور پر آگاہ ہو کر قریب تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا اے عہد الفت اور یہ شور کیسا ہے؟ میں نے کہا، یہ اضطراب نفس ہے، مگر رُوح یا دالہی میں مطمئن ہے۔ انہوں نے فرمایا، میرے غریب خانے پر چلو اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ میں نے دل میں کہا، جب تک یہاں سے کوئی خود نہ لے جائے گا، اُس وقت تک نہ جاؤں گا۔ ابھی اسی خیال میں تھا کہ خضر علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے حضرت ابو سعید کے مکان پر لے گئے۔ جہاں دروازے میں شیخ ابو سعید کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر منہ دیا، عہد الفت اور کیا میرا کہنا کافی نہ تھا کہ خضر علیہ السلام کے کہنے کی ضرورت پڑی؟ یہ کہہ کر مجھے گھر میں لے گئے اور اپنے ہاتھ سے میرے مُنہ میں لقمے ڈال کر کھانا کھلایا۔

عشق فارغ کرد از دنیا و مافیہا مرا

اس دوران دنیوی اور شیطانی طاقتیں بھی غافل نہیں رہی تھیں ایکسٹات متذکرہ بالا کھنڈروں میں دنیا اپنی مثالی

صورت میں آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی تمام تر دلکشیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آپ کے سامنے آئی اور یاد الہی سے غافل کرنا چاہا، مگر آپ نے اپنے جدِ اعلیٰ مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سنت کی پیروی میں فرمایا، مجھ سے دُور رہ کہ میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ جب تائیدِ ایزدی سے وہ بے نیل مرام واپس لوٹ گئی تو آپ نے بطور تحدیثِ نعمت فرمایا ہے

عشقِ فارغ کرد از دنیا و مافیہا مرا کے تواند بُرد از رہِ عشوہ دُنیا مرا

ایک دفعہ ابلیس آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے مجھے اور میرے اتباع کو بہت تکلیف دی ہے اس لیے میں آیا ہوں کہ آپ کی خدمت اور تابعداری میں رہوں ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ ایک ہاتھ غیب سے نمودار ہوا اور اُسے زمین میں دھسا دیا ہے

مَدعی آنے لگا راز کی اس محفل میں غیب کے ہاتھ نے جھٹ سینے میں اس کے مارا
ایک دوسرے موقع پر وہ نیزہ آتشیں سے مسلح ہو کر آیا تو غیب سے ایک شمشیر برہنہ آپ کے ہاتھ میں آگئی، جسے دیکھتے ہی وہ بھاگ گیا۔

اسی طرح ایک رات جب کہ آپ عراق کے ایک بے آب و گیاہ صحرا میں مصروفِ عبادت تھے آپ کو ایک روشنی نظر آئی، جس نے تمام آسمان کو منور کر دیا اور اُس میں سے آواز آئی ”اے عبدِ الفتادرا! میں تیرا پروردگار ہوں اور تیری عبادت سے راضی ہو کر تجھے اپنی عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں۔“ حضرت غوثِ الاعظم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ظاہری و باطنی علوم میں نگاہ کی تو کہیں اس صورت کا جواز نظر نہ آیا اور میں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اس علو مرتبت کے عمر بھر عبادت کے مُکلف و پابند رہے۔ اُن کو عبادت کی تکلیف سے مُعافی نہ ملی تو اور کوئی کیونکر اس سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں نے لاجول پڑھا تو شیطان اصلی صورت میں سامنے آکر کہنے لگا، ”میں نے اس مقام پر بہتیرے عبادت گزاروں کو گمراہ کیا، مگر اے عبدِ الفتادرا! آپ اپنے علم کے زور سے بچ نکلے۔“ میں نے پھر لاجول پڑھا اور کہا، دُور ہو مرؤدائیں اپنے علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور فضل و کرم سے محفوظ رہا ہوں۔ اس پر وہ سر پیٹنے لگا کہ آج میں آپ سے قطعاً مایوس ہوا۔ آئندہ آپ پر وقت ضائع کرنا بے سود ہے۔ میں نے کہا، میں تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں کرتا اور ہمیشہ تمہارے منکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہوں گا۔

مُحی الدِّین

سیدنا غوثِ الاعظم رحمہ اللہ ۶۸۹ھ میں خلیفہ مستطہر باللہ عباسی کے عہد میں بغداد تشریف لائے۔ اور تیس سال کی مدت میں جو آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکی و مدنی زمانہ تبلیغ کا عرصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ظاہری و باطنی ہر طرح کی تکمیل فرما کر مُحی الدِّین کے لقب سے ملقب فرما کر مسندِ ارشاد عنایت فرمائی۔ بہجۃ الاسرار میں تحریر ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے مشہور خلائق لقب ”مُحی الدِّین“ کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ ۱۱۸۹ھ میں ایک مجمع کے روز میں سفر سے پابرجہ بغداد کی طرف واپس آ رہا تھا

کہ ایک نہایت ہی لاعلم اور نحیف بیمار پر میرا گزر ہوا۔ اُس نے کہا السلام علیک یا عبد اللہ! میں نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا اٹھ اٹھاؤ۔ میں نے اٹھا کر بٹھا دیا تو اچانک اُس کا چہرہ بارونق اور جسم موٹا تازہ ہو گیا۔ میں حیران ہوا تو کہنے لگا: تعجب کی بات نہیں۔ میں آپ کے جد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہوں، جو مُردہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: پُچھا نہجہ جب میں جامع مسجد کی حدود میں داخل ہوا تو ایک شخص نے اپنا جوتا اُتار کر مجھے پہننے کو دیا، اور یاسیدی مٹی الدین کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ نماز جمعہ تمام ہوئی تو لوگ دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور یا مٹی الدین یا مٹی الدین پکارتے ہوئے میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے۔ حالاں کہ اس سے پہلے کبھی کسی نے مجھے اس نام سے نہیں پکارا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی: شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں کہ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے، ایمان باطنی اعتقاد کا۔ اور دین ان ہر دو کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ گویا دین وہ جامع نظام ہے جو بنی نوع انسان کے عقائد و اعمال، ظاہر و باطن، صورت و معنی، روحانیت و جسمانیت پر مشتمل ہے۔ ایسے نظام کا احیاء نبی مُرسل یا اُس کے قابل ترین نائب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگرچہ آں حضرت نے ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیوں کی نشان دہی فرمائی ہے، جن سے تجدید دین کا فریضہ انجام پذیر ہوتا ہے، مگر تجدید اور احیاء میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مجددین کی فہرست میں ابتداء سے لے کر اس وقت تک بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی پائے جاتے ہیں، مگر مٹی الدین کا لقب کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے یہ امر پائے ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ احیائے دین کا اہم ترین فریضہ حقیقتہً جناب غوث الاعظم کی ذات گرامی قدر ہی سے پائے تکمیل کو پہنچا اور یہ عظیم الشان لقب صرف آپ ہی کے وجودِ مسعود پر صادق آتا ہے۔

آپ کی مجالس و عطا

سیدنا غوث الاعظم ہفتے میں قریباً تین بار مجالس و عطا منعقد فرماتے تھے۔ وعظ کیا ہوتا تھا، علم و حکمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا تھا، لوگوں پر وجدانی کیفیات طاری ہو جاتی تھیں۔ بعض اپنے گریبان چاک کر لیتے اور کپڑے پھاڑ لیتے تھے اور بعض بیوش ہو جاتے تھے۔ کئی مرتبہ لوگ بحالت بے ہوشی واصل بحق ہو جاتے۔ آپ کی مجالس میں علاوہ رجال الغیب، جنات، ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کے، عام سامعین کی تعداد ستر ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی، اور آپ کی آواز دُور و نزدیک بیٹھے ہوئے سب لوگ یکساں سُنتے۔ اُس دور کے اکثر نامور مشائخ بالالتزام ان مجالس میں حاضری دیتے تھے آپ سے بکثرت خوارق و کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ آپ کی مجالس کا انعقاد بغداد میں ہوتا، مگر آپ کے معاصر اولیاء اللہ یعنی حضرت شیخ عبد الرحمن طفسوخی اور شیخ عدنی بن مسافر وغیرہم اپنے اپنے شہروں میں اُسی وقت پر اپنے اپنے ارادت مندوں اور شاگردوں کے ہمراہ دائرے بنا کر بیٹھ جاتے اور نہ صرف حضرت غوث الاعظم کے مواظبت کرتے بلکہ انہیں قلمبند بھی کرتے۔ پھر جب کبھی بغداد آنے کا موقع ملتا، اور آپ کی مجلس میں قلمبند شدہ تحریرات کے ساتھ مواظبت کرتے تو سر مو فرق نہ پایا جاتا۔

ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ بحالتِ کیف آپ کی دستارِ مبارک کا ایک بیج کھل گیا۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین مجلس نے برپاسِ ادب اپنے سروں سے عمامے اُتار کر آپ کے منبر کے نیچے پھینک دیئے۔ جب وعظ ختم ہونے پر آپ کے حکم سے سب لوگوں نے اپنی اپنی دستاریں اٹھالیں تو ایک زمانہ سر بند پڑا رہ گیا۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اصفہان میں ہماری ایک عارفہ بہن رہتی ہیں، جنہوں نے جوشِ عقیدت میں اپنا سر بند اُتار کر پھینک دیا ہے۔ آپ نے وہ سر بند اپنے دوستِ مبارک پر رکھا۔ جہاں سے وہ فوراً غائب ہو گیا۔

موازنہ عقل و عشق

آج راڈار اور ٹیلی ویژن کے زمانے میں ان حقائق سے کچھ دُہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو روحانیت سے سرسبز نا آشنا ہوں۔ دورِ حاضر کا سب سے بڑا سائنسدان آئن سٹائن کہہ گیا ہے کہ میں نے ریڈیو دوربین کے ذریعے ایک ایسا کہکشاں تو دیکھ لیا ہے جو زمین سے دو کروڑ نواری سال کے فاصلے پر ہے، یعنی روشنی جو فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل طے کر جاتی ہے، وہاں دو کروڑ سال میں پہنچے گی، لیکن جہاں تک کائنات کی سرحدیں معلوم کرنے کا تعلق ہے۔ اگر میری عمر ایک ملین یعنی دس لاکھ سال بھی ہو جائے، تو بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس اس نورِ ازل سے منور سراجِ منیر حضرت غوث الاعظم اس کائنات کے متعلق قصیدہ غوثیہ میں فرماتے ہیں:-

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا كَخَزَائِنٍ عَلٰی حُكْمِ اِتِّصَالِ

(اللہ تعالیٰ کے تمام بلادِ میری نظر میں اس طرح ہیں جیسے تتھیل پر ایک رائی کا دانہ)

اس سے مادیت اور روحانیت کا اور عقل و عشق کا مکار کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں:-

حسابِ عمر صد عاقل بجز بگذرد یک دم حسابِ یک دم عاشق بصدِ معشر نمی گنجد

یعنی حشر کے دن سو سنس دانوں کی عمروں کا حساب طرفہ العین میں ختم ہو جائے گا، مگر عاشق کی زندگی کے ایک لمحے کا حساب سو حشر بھی بپا ہوں تو ختم نہیں ہو سکے گا۔

اقلیم ولایت کی شہنشاہی کا فرمان

حضرت غوث الاعظم کی کرامات کی کثرت پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت جس کی بدولت آپ دُنیا سے ولایت کے شہنشاہ مانے گئے، یہ ہے کہ ایک مرتبہ محلہ حلبہ میں اپنے مہمان خانے میں وعظ فرماتے ہوئے آپ پر حالتِ کشفی طاری ہوئی اور آپ نے فرمایا:-

قَدْ جِي هٰذِهِ عَلٰی رَقَبَةٍ كُلِّ دَلِيٍّ اللّٰهُ

(میرا یہ مشہد ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔)

اس مجلس میں عراق کے سب اکابر مشائخ موجود تھے۔ سب نے یہ ارشادِ گرامی سُن کر اپنی گردنیں خم

کر دیں۔ اور تمام کثرۃ ارض پر جہاں جہاں کوئی قطب، ابدال یا ولی تھا، ہر ایک نے آپ کے یہ الفاظ سن کر گردن جھکا دی اور عارف کامل شیخ علی بن ابی نصر ایسی نے جو مجلس میں حاضر تھے، اٹھ کر آپ کا قدم مبارک اپنی گردن پر رکھ لیا۔ بعد میں انہوں نے اپنے ارادت مندوں کے استفسار پر بتلایا کہ سید عبد العزیز نے یہ بات از خود نہیں کہی بلکہ اسے کہنے کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔

خواجہ غریب نواز چشتی کا سر جھکانا

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اُن دنوں خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدات و ریاضات میں مشغول تھے۔ آپ نے بھی روحانی طور پر جناب غوث الاعظمؒ کا مندرجہ بالا ارشاد گرامی سن کر اپنی گردن اس قدر خم کی کہ پیشانی زمین کو چھونے لگ گئی، اور عرض کی: قَدْ قَالَتْ عَلٰی رَاسِنِیْ وَعَیْنِنِیْ (آپ کے دونوں قدم میرے سر اور آنکھوں پر ہوں) حضرت غوث الاعظمؒ نے اس اظہار نیاز سے متاثر ہو کر مجلس میں فرمایا کہ سید غیاث الدین کے صاحبزادے نے گردن جھکانے میں سبقت کی ہے جس کے باعث عنقریب ولایت ہند سے سرفراز کیے جائیں گے۔

شیخ صنعان کا انکار و توبہ

اصفہان کے ایک ولی اللہ شیخ صنعانؒ جناب غوث الاعظمؒ کے ہم عصر تھے۔ دریائے علم و عرفان کے زبردست شناور تھے اور کرامات و خوارق اُن سے بکثرت سرزد ہوتے تھے۔ غوث الاعظمؒ کا مذکورہ بالا فرمان روحانی طور پر انہوں نے بھی سنا، مگر آں جنابؒ کا مرتبہ کمال پہچاننے میں ٹھوکر کھا جانے کے باعث گردن خم کرنے میں متامل ہوئے، جس پر اُسی وقت اُن کی ولایت و بصیرت سلب ہو گئی اور تہی دامن ہو جانے کی وجہ سے ایمان بھی خطرے میں پڑ گیا، بالآخر اُن کے ایک ارادت مند کی عاجزی و خدمت گزاری کے باعث جناب غوث الاعظمؒ نے توجہ ہو کر انہیں کفر سے بچا لیا۔ اور توبہ کرنے پر منصب بحال ہوا۔ (اقتباس الانوار)

اس فرمان کا مفہوم

جناب غوث الاعظمؒ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان الفاظ کے متعلق یہ تو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بحکم الہی کے گئے تھے۔ مگر وسعت فرمان کے معاملہ میں موجودہ دور کے بعض حضرات نے اختلاف کیا ہے، اُن کا خیال ہے کہ آپؒ کا یہ فرمان صرف اولیائے وقت کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اولیائے متقدمین میں حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور اولیائے مستأخرینؓ میں حضرت امام مہدیؑ بھی شامل ہیں لیکن اکثریت اور اکابرین کی رائے یہ ہے کہ اس قول کے تحت آپؒ کے زمانہ کے اولیائے حاضر و غائب کے علاوہ تمام اولیائے متقدمین و متأخرین بھی آتے ہیں۔ اور اولیاء سے مراد وہ ولی اللہ ہیں جو اصحاب و ائمہ اہل بیت وغیرہ کے مختص ناموں سے منسوب نہیں۔

تصرفات بعد از وصال

آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ آپ کے وصال کے بعد بھی بدستور جاری ہے اور بفضلِ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا جیسا کہ فضائل اہل بیت کرامؑ کے ضمن میں پہلے ذکر ہو چکا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت علی کریم اللہ وجہہ الکریمؑ کو مقام جذب و ولایت کا فاتح اول قرار دیتے ہوئے جناب سیدۃ النساء، حسین شریفین و بقیۃ امۃ اہل بیت کرامؑ کو اُسی نسبت کے اقطاب بیان فرما کر سیدنا غوث الاعظمؒ کی اس مقام میں ایک خصوصی شان تحریر کی ہے۔ نیز اپنی کتاب ہمعات کے مجمعہ امیں لکھا ہے:-

”و در اولیائے اُمت و اصحاب طُرُق اقصاے، کیسکہ بعد تمام راہ جذب باگد و جُوہ، بہ اصل اس نسبت (اولیئہ) میل کردہ است و در آں جا بوجہ اتم قدم زدہ است، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اندو لہذا لکفتہ اند کہ ایشان در قبر خود مثل احیاء تصرف می کنند:-“

”اور اُمت کے اولیائے عظام میں سے راہ جذب کی تکمیل کے بعد جس شخص نے کامل و مکمل طور پر اس نسبت اولیئہ کی اصل کی طرف رجوع کر کے وہاں کامل استقامت سے قدم رکھا ہے وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ آں جنابؒ اپنی قبر شریف میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں:-“

حضرت شاہ ولی اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ نے آں جنابؒ کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ دُور و نزدیک ہر جگہ کیاں تصرف فرماتے ہیں آپؑ اپنے ہم عصر اور بعد میں آنے والے تمام اولیائے کرام کے لیے حصول ولایت اور وصول فیض کا وسیلہ کبریٰ اور واسطہ عظمیٰ ہیں۔

شیخ عبداللہ بلخیؒ نے اپنی کتاب خوارق الاجاب فی معرفۃ الاقطاب میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو سال بعد بخارا میں ایک درویش بہاؤ الدین نامی پیدا ہوگا، جو ہم سے ایک خاص نعمت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے میدان سلوک میں قدم رکھا تو حضرت خضرؒ کے اشارے پر حضرت غوث الاعظمؒ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر ”الغیاث، الغیاث، یا محبوب سبحانی“ پکارتے ہوئے سو گئے اور خواب میں آں جنابؒ کے فیوض و برکات سے سرفراز ہوئے۔

اسی طرح فضائل اہل بیت کرامؑ کے ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مکتوب کا حوالہ بھی آچکا ہے جس میں وہ امۃ اہل بیت کرامؑ کے بعد منصب قطبیت کبریٰ کا حضرت غوث الاعظمؒ کی ذات گرامی سے مختص ہونا بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”وصول فیوض و برکات دریں راہ بہر کہ باشد از اقطاب و شجاء بتوسط شریف اود مفہوم می شود، چہ

اس مرکز غیر اُورائے تر نہ شدہ۔ ازیں جاست کہ فرمودے

اَفَلَتِ شَمْسُ الْاَوَّلٰیْنَ وَ شَمْسُنَا اَبَدًا عَلٰی اَفْنٰقِ الْعٰلٰی لَا تَعْرُبُ
”اس راہ میں برکات و فیوض کا حصول، اقطاب و شجاء کو جو بھی ہوں، آپؑ ہی کے توسل سے

ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکزی حیثیت آپ کے بغیر کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوتی، اس وجہ سے آپ نے اس شعر میں فرمایا ہے کہ

”انگوں کے آفتاب غروب ہو گئے، مگر ہمارا آفتاب بندی کے آفتاب پر ہمیشہ چمکتا رہے گا، اور کبھی غروب نہ ہو گا۔ یعنی مجھ سے پہلے حضرات کے لیے دائرہ ولایت کام کر رہے تھے، مگر میرے لیے یہ مقام ابدی و سرمدی ہے۔“

روح المعانی میں حضرت مجدد سے نقل ہے کہ قطبیت کبریٰ کا مقام حضرت امام مہدی تک جناب غوث الاعظم کی ذات بابرکت کے ساتھ مختص ہے۔

حضرت شیخ محمد اکرم حشری، قدوسی، اقتباس الانوار میں اس جناب کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔۔۔
”جس کسی کو ظاہری باطنی فیض حاصل ہوا، سیدنا غوث الاعظم کی وساطت سے ہی ہوا۔ خواہ اسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ کوئی دلی آپ کی مہر کے بغیر منظور اور معتبر نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو وہ مقام عطا فرمایا ہے کہ تمام تصرفات کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں دے دی ہے، جسے چاہیں، کسی منصب ولایت پر مقرر فرمادیں، جسے چاہیں، ایک آن میں معزول فرمادیں۔“

نیز تحریر فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو متعدد ثقہ روایات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیری پیشوا اے سلسلہ چشتیہ حسب ارشاد نبوی، سیدنا غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرصہ فیض حاصل کرتے رہے اور آپ نے شغل بہ گوشہ اور حرز سیفی بھی آنجناب سے حاصل کیا۔ ان ہر دو حضرات کی ملاقات اور خواجہ غریب نواز اجمیری کے غوث الاعظم سے استفادہ کے ثبوت پر کتاب فوز الطالب ”مُصنّفہ مولانا برہان الدین خان، بھی قابل دید ہے۔

حضرت غوث الاعظم و اکابرین اُمت

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری نے حضرت غوث الاعظم کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں: آپ حسب تصریح ”تختہ الابرار“ از مرزا آفتاب بیگ چشتی سلیمانی جناب غوث الاعظم کے پرستے میں خالہ زاد بھائی ہیں۔۔۔

یا غوثِ معظم، نورِ ہدی، مُختارِ نبی، مُختارِ خدا

سُلطانِ دو عالم، قُطبِ علی، حیراںِ زجلالتِ ارض و سما

در صدقِ ہمہ صدیق و رُشی، در عدلِ عدالتِ چو عمریؑ

اُسے کانِ حیا عثمانیؑ، مانتدِ علیؑ با جود و سخا

در بزمِ نبی، عالی شانی، ستارِ عیوبِ مریدانی

در ملکِ ولایتِ سُلطانی، اُسے منبعِ فضل و جود و سخا

چوں پائے نبی شد تاج سرت تاج ہمہ عالم شد قدمت

اقطاب جہاں در پیش دُرت اُفتادہ چو پیش شاہ گدا

گردا میسج بہ مُردہ رواں، دادی تو بدین محسوس جاں

ہمہ عالم محی الدین گویاں، بر حسن و جمالت گشتہ فدا

حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار خاں کالی مندرجہ ذیل میں حضرت غوث الاعظم کو مخاطب کرتے ہیں :-

قبلہ اہل صفنا، حضرت غوث الثقلینؒ

دستگیر ہمہ جا، حضرت غوث الثقلینؒ

خاکِ پائے تو بود روشنی اہل نظر

دیدہ را بخش ضیاء، حضرت غوث الثقلینؒ

بے نواختہ دلم، نیست کسے آنکہ دھند

حستہ را جز تو دوا، حضرت غوث الثقلینؒ

حضرت کعبہ حاجات ہمہ خلقان است

حاجتم ساز روا، حضرت غوث الثقلینؒ

مُردہ دل گشتہ ام و نام تو محی الدین است

مُردہ را زنجِ نما، حضرت غوث الثقلینؒ

اسی طرح کتب معتبرہ سے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین شہروردیؒ، حضرت سید احمد رفاعیؒ، خواجہ ابو یوسف ہمدانی نقشبندیؒ اور کئی دیگر پیشوایان سلسلہ ہائے طریقت کا انتخاب سے استفادہ ثابت ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین شہروردیؒ آپؒ کی شان میں فرماتے ہیں :-

شیخ عبد القادر بادشاہ طریقیؒ اور تمام عالم وجود میں صاحب تصرف تھے۔ کرامات و

خوارقِ عادت میں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو ایک دوامی یدِ طولی عطا فرمایا تھا۔ (ترجمہ)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :-

غوثِ اعظمؒ دلیلِ راہِ یقین

بہ یقین رہبرِ اکابرِ دین

اوست در جملہ اولیاء ممتاز

چوں سمیہ در انبیاء ممتاز

نیز اخبار الاخبار میں رقمطراز ہیں :-

”اللہ تعالیٰ نے غوثِ الاعظمؒ کو قطبیتِ کبریٰ اور ولایتِ مطلقہ کا مرتبہ عطا فرمایا۔ فرشتوں سے لے

کر زمینی مخلوق تک آپؒ کے کمال، جلال اور جمال کا شہرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کے خزانوں کی کنجیاں

اور جسمانی تصرفات کے لوازم و اسباب آپؒ کے اختیار و اقتدار میں دے دیئے تھے اور تمام اولیاء اللہ

کو آپؒ کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا تھا۔ غرضیکہ تمام اولیائے وقت، حاضر و غائب، قریب و بعید، ظاہر و باطن

سب کے سب آپؒ کے فرمانبردار و اطاعت گزار تھے اور آپؒ تمام اولیاء کے سردار و سالار تھے۔ کیونکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین و رحمۃ اللعالمین و اہل بیتہ و عترتہ الطاہرین
 و اصحابہ الکرام و الذین استخروہم فی الدین الی یوم الدین اما بعد رسالہ الیہ الیہ الیہ الیہ الیہ
 جو کہ فی حق تعالیٰ معتقدین مسند علیہ السلام کہ فی حق تعالیٰ اور اس کے اہل بیت علیہم السلام کو مولا جو یہ شرف شہادت
 عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین مفید و موجب خیر و برکت ثابت ہو گا۔ جزئی الصفہ ربیع فیہ
 کہیں نہ ہو جب کہ سرخی اولیاء فی الاضواء و السہر عینیہ سیدنا عبد القادر الجیلانی رحمہ اللہ کے ہاتھ سے
 کا ذکر خیر ہی اس میں مذکور ہے جس کا عیون میں خاتم الولایۃ محمدیہ شیخ ابوبکر محمدی رحمہ اللہ نے خواجہ
 باب ۳۰ پر لکھتے ہیں (دہنم رضی اللہ عنہم رجل واحد وقد کون اوراقہ فی کل زمان آیتہ (رحمہ اللہ) فاعلم
 فوق عبادہ۔ ہر الاشغال علی کما شئہ سوی اللہ مستہم متجماع مقدم کثیر الدعوی بحق یقول حق
 و حکم عدلہ کان صاحب نہ المقام شیخنا عبد القادر الجیلانی سیدنا اد کان فی العلم والاشغال بحق
 علی الخلق کان کبیر شان) میں ~~مذکورہ اشعار~~ سیدنا عبد القادر رحمہ اللہ کے ہاتھ سے
 نیز حق سبحانہ و تعالیٰ کے ہر شے پر غالب و مقرب تھے گویا ہر شے آیتہ ثانیہ (و افاقہ فوق عبادہ)
 کہہ رکھے اس کا بے سیر لکھتے ہیں کہ محمد اوان الورد باہن قائم ہر افراد حضور
 (سیدنا عبد القادر رحمہ اللہ) کا اصحاب میں سے تھا جس کے شان میں عیننا ب فائز تھے کہ محمد بن قائم اوان الورد
 اولیاء الزاد سے ہر دروازہ قلب کے خفیہ کا مانند خارج تھے وہیں جسکی نظیر ملکتہ میں ملنے کر وہیں
 سمیع ہی جلال اللہ میں جسکو نیز حق سبحانہ و تعالیٰ کی شے کا علم ہر شے نہ اپنا اور نہ غیر کا
 جب عیننا سیدنا عبد القادر رحمہ اللہ کا منہ کہ بعض خدام خفیہ علیہم السلام کا مانند تھا کہ

سکا دائرہ خارج میں تو پہر آپ کے وہی ذکر و یاد کا ہر شے میں لکھتے ہیں
 آپ کا حق کیا ہوگا و اللہ علیہ مناصب عبادہ و ہر کمال کا علم و ہر اہل اہل و عیال کی ذرا لیسق اقام

و الحمد للہ اولاد و اولاد و اولاد
 کہنے کا ہر وقت کا ہر وقت

۱۲۰۰ھ
 ۱۲۰۰ھ

علی کاغذ
 شاہ جلال و امیر کا حلقہ بگوش
 رزگراہ نام خفہ ۱۳۰۰ھ

آپ قطب الوقت، سلطان الوجود، امام الصدیقین، مجتہد العارفین، رُوح معرفت، قطب الحقیقت، خلیفۃ اللہ فی الارض و اراث کتاب اللہ، نائب رسول اللہ، الوجود البعث، النور القصر، سلطان الطرق اور تصرف فی الوجود علی تحقیق میں۔
حضرت امام عبد اللہ یافعی فرماتے ہیں کہ جناب غوث الاعظم کی کرامات درجہ تو اتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔
حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری عرض گزار ہیں :-

من آدم به پیش تو سلطان عاشقان ذات تو بہت قبلہ ایمان عاشقان
در ہر دو کون جز تو کے نیست دستگیر دستم بجیر از کرم اے جان عاشقان
حضرت شاہ ابوالمعالی کا ارشاد ہے :-

گر کے واللہ عالم از می عرفانی است از طفیل شاہ عبد الفت اور گیلانی است
حضرت مولانا الحاج محمد امداد اللہ مہاجر مکی کا ارشاد ہے :-

حسداوند! بحق شاہ جیلانی محی الدین و غوث قطب راس
بکن خالی مرا از ہر خیمای ولیکن آں کہ زو پیدا است حالے

رسالہ انوارِ قادریہ پر حضرت قبلہ عالم کی تقریظ

اسی ضمن میں حضرت قبلہ عالم گولڑوی نے کتاب انوارِ قادریہ کو پڑھ کر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں، جو مکتوبات شریف موسومہ ”مہرِ حشتیہ“ اور فتاویٰ مہریت سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنْهُ بِإِطْنَا عَلَيْهِ وَظَاهِرًا عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَعِزَّتِهِ الظَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ طَرَادًا الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ -“

آقا بعد رسالہ انوارِ قادریہ میرے ملاحظہ سے گزرا۔ علاوہ حسن مضامین کے بوجہ ذکرِ ساداتِ کرام، علیہم الرضوان، طرزِ بیان و عبارت عام فہم کی رو سے بھی ناظرین اہل اسلام کے لیے عموماً و معتقدین و شائقین سلسلہ قادریہ کے لیے خصوصاً میری ناقص رائے میں مفید عام و موجب خیر و برکت ثابت ہوا ہے جزئی المصنّف ربّہ عن ظاہرِ یہاں چونکہ رسالہ ہذا البوجہ اشمال پر ذکرِ آلِ محمد و شہود ذات و منبغ بصیغات صفات، آلِ قائل قد ہی ہذا علی رقبہ کلّ ولی اللہ۔ آلِ مبرا از انقباط باسوی اللہ آلِ غوث بالیان ارض و سما، آلِ وارث علوم جدیہ قاذخی الی عبدہ ما اذخی۔ آلِ مرکز و نقطہ حبیہ دائرہ وجود، محبوب ربانی، امام الثقلین، محی الدین سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس قابل نہیں کہ بعض دیگر مسائل اور مصنفات کی مانند صرف معمولی تقریظ پر اکتفا کیا جائے۔ لہذا تینا و تیر کا فائدہ و فائدہ درغیر ذیل سے محلی و موشح کرنا اس کا غیر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

فائدہ: آپ کا سچا اور پاک فرمان ذیل کہ یہ قدم میرا بروی کی گردن پر ہے :- از قبیل شطیحات نہیں جیسا کہ کم ظرف لوگ کم عقلی کی وجہ سے ایسے دعاوی کیا کرتے ہیں بلکہ بوجہ تعاصرو و استقامت و تمکین میں

مأمور ہونے کے ایسا فرمایا گیا ہے۔ بوجہ متعدد :-

(۱) اگر یہ فرمان امر خداوندی کی تعمیل نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ کم حوصلگی کے باعث صادر ہوتا، جیسا کہ بعض متصوفین موجودہ زمانہ کا خیال ہے تو پھر آں کا سہرا صنم غیر وغیرت، آں ناصب خیام وحدت واحدیت آں مرکز دائرہ پر کار وجود، آں مہبط تجلیات والوار شہود، آں گوئے ازہرہ برودہ در حق پرستی، آں قطب الوحدت خواجہ خواجگان معین الحق والدین حشمتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بروقت صد و فرمان عالی سب سے پہلے تسلیم خم نہ فرماتے۔
(ب) بوجہ کمال اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، مثل قول علیہ السلام: اَنَا سَيِّدُ دُنْيَا آدَمَ وَبَيْدِي لَوَاعُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وغیرہ یہ فرمان صادر ہوا۔

(ج) آپ ایسے اقوال کے صدور کا منشاء قول ذیل سے بیان کرتے ہیں: وَمَا قُلْتُ قَوْلِي هَذَا إِلَّا وَقَدْ قِيلَ لِي يَعْنِي مِمَّنْ از خود ایسی بات نہیں کہتا ہوں، بلکہ منجانب اللہ ارشاد ہوتا ہے کہ ایسا کہو۔

(د) رئیس المکاشفین شیخ اکبر قدس سرہ فوٹحات کے باب ۳ میں بعد ذکر اقسام اولیاء اللہ فرماتے ہیں :-
"وَمِنْهُمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَقَدْ تَكُونُ امْرَأَةٌ فِي كُلِّ زَمَانٍ أَيْتُهُ
(وہو القاهر فوق عباده) لہ الاستطالة على كل شيء سوا الله شہم، شجاع، مقدام، كثير
الدعوى بحق يقول حقاً ويحكم عدلاً لكان صاحب هذا المقام شيخنا عبد القادر
الجيلي ببغداد كانت له الصولة والاستطالة بحق على الخلق كان كبير الشأن"

یعنی اولیاء میں سے ایک ولی ایسا ہوتا ہے کہ سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے ہر چیز پر غالب اور متصرف رہتا ہے اور پر زور و عادی کرتا ہے، مگر اُس کا دعویٰ اور بول بالا سچا ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہی حکم اُس کا عدل انصاف سے ہوتا ہے۔ اس مقام کے صاحب بغداد میں عالی جناب ہمارے شیخ عبد القادر جلی گویا آیت و هو القاهر فوق عباده کے منظر تھے۔

اسی باب ۳ میں لکھتے ہیں کہ محمد اوائی المعروف بابن قائد افراد میں سے تھے اولیائے افراد وہ ہوتے ہیں جو خضر علیہ السلام کی طرح دائرہ قطب سے خارج ہوں۔ عالیشان غوث پاک قدس سرہ محمد اوائی مذکور کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولیائے افراد سے ہے اور یہ محمد اوائی غوث پاک کے اصحاب خدام میں سے تھے۔
حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح ہذا سے نتائج ذیل ثابت ہوئے :-

۱۔ عالی جناب نہ صرف مقام غوثیت کے مالک تھے، بلکہ اس سے بالاتر تھے۔

۲۔ آپ ہر شے پر سوائے خدائے عزوجل کے غالب و متصرف تھے۔

۳۔ ایسا شخص لاف زن و کم ظرف نہیں ہوتا بلکہ سچا اور صاحب تمکین ہوتا ہے۔

۴۔ ہر زمانے میں ایسا ولی ہونا چاہیے۔ وہ عبارت جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اسی باب میں ہے، مگر

خوف طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی گئی ہے۔

۵۔ حضرت شیخ کے زمانے میں اس تصرف کا مالک حسب تصریح شیخ رضی اللہ عنہ ایک ولی تھا مگر اسی باب میں لکھتے ہیں کہ گویا ولی مقام و هو القاهر فوق عباده میں ہے، لیکن شیخنا عبد القادر رضی اللہ

عمر میں علاوہ مقام ہذا کے اور وجوہ فضیلت بھی موجود تھے۔

چنانچہ سیدنا عبد القادر و سیدنا خواجہ نظام الدین ہر دو مقام محبوبیت میں شریک ہیں مگر صریح حضرت خواجہ نظام الدین اور ملک آبادی، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی و ہوتی سیدنا عبد القادر سے مستفیض ہیں (ملاحظہ ہو نظام القلوب)۔ نیز محبوبیت قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیت نظامیہ کئی قطعات ارض تک نہیں پہنچی۔ رہا لفظ مُسَبِّحَانِ وَالْهِیٰ سو مقام جذب و محبوبیت سے جیسا تناسب کہ لفظ مُسَبِّحَانِ کو ہے لفظ الہ کو نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کَیْدًا۔ اور نہ لفظ الہ ذات بخت پر وال ہے بلکہ مُسَبِّحَانِ کہ رتبہ ذات کا نام ہے۔ (ملاحظہ ہوں فتوحات و شروح قصوص)

حضرت مجدد الف ثانی دوسری جلد کے آخری مکتوب میں حضور غوث اعظمؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:-
”وَصَوَّلَ قِیُوسَ وَبَرَکَاتِ دَرِیْہِ بِہِ کہ باشد از اقطاب و نجبا تو سبط شریف او مفہوم می شود، چہ این مرکز غیر اور ایست نہ شد الخ

اس موقع پر برائے فائدہ مندرجہ ذیل سوالات و جوابات بھی درج کیے جاتے ہیں:-

سوال۔ لفظ ولی اللہ اصحاب کرام پر بھی بدیل قول تعالیٰ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا و سائر آیات قرآنیہ بولا جاسکتا ہے، تو حسب قول مذکور چاہیے کہ آپ کا قدم اصحاب کرام کی گردن پر بھی ہو۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ کوئی ولی خواہ کیسا ہی کامل ہو، صحابہؓ کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

جواب۔ متاخرین کے عرف و محاورے میں ولی اللہ اسوائے صحابی پر بولا جاتا ہے۔

سوال۔ عبارت فتوحات ”مَسْطُوْرَۃٌ بِالْاِیْمَنِ لَہٗ الْاِسْتِطَالَةُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سِوَاللّٰہِ“ سے پایا جاتا ہے کہ اس ولی کا تصرف انبیاء علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے۔

جواب۔ عالیجناب رضی اللہ عنہ کا زمانہ انبیاء کا زمانہ نہ تھا۔

سوال۔ لفظ ”کُلِّ زَمَانٍ“ مندرجہ عبارت فتوحات ”مَسْطُوْرَۃٌ بِالْاِیْمَنِ“ سے پایا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے ولی کا ہونا واقعی امر ہے اور نیز اسی باب میں قبل از عبارت مذکور حضرت شیخ تصریح فرماتے ہیں کہ بعد آنحضرت چار انبیاء بہ اجسام ہم زندہ ہیں۔

جواب مفضول کا تصرف فاضل پر مثل تصرف جبرائیلؑ برآں حضرت واقعی اور مسلم شدہ امر ہے۔ کیونکہ بوجہ مخالفت فیما بین وجوہ فضیلت، استبعاد مندرجہ سوال بخوبی مندرج ہو سکتا ہے۔ وہی آخری مکتوب شریف ملاحظہ ہو چنانچہ عالیجناب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خُصُّنَا بِحَقِّ اَلْحَقِّ یَقِیْفُ عَلٰی سَاحِلِہِ الْاَنْبِیَاءِ۔ یعنی ہم ایسے دریا میں ڈوبے ہیں جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام کو کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ بحر و دریا سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی ہم کو بوجہ کمال اتباع ظاہری و باطنی، شریعت و طریقت ذات پاک محمدیؐ میں کامل ذوالاصل ہے۔ بخلاف سائر انبیاء علیہم السلام کہ وہ اپنی اپنی شرائع میں رنگین ہونے کے باعث اس فنا کمال سے ہماری ہیں۔

سوال۔ عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حسب احادیث صحیحہ بعد التزول شرع محمدیؐ کے پابند

حضرت قبلہ عالم کے دیگر اجداد کرام

سید تاج الدین عبد الرزاق و سید جمال الدین حیات المیر

حضرت قبلہ عالم گوروی قدس سرہ العزیز جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، جناب غوث الاعظم کے منجھلے بیٹے سید تاج الدین عبد الرزاق قدس سرہ العزیز کی اولاد پاک میں سے ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت قادریہ، رزاقیہ شرق و غرب میں پھیلا ہوا ہے۔ سید عبد الرزاق اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے ہوئے ہیں۔ آپ مفتی عراق کے لقب سے مشہور تھے۔ منجھلے صاحبزادے ہونے کے باوجود آستانہ عالیہ غوثیہ بغداد شریف کی سجادگی و تولیت کا شرف زیادہ تر آپ ہی کی اولاد کو حاصل ہا ہے آپ کے ایک فرزند سید جمال اللہ المعروف پیر حیات المیر زندہ پیر کو اپنے جسد بزرگوار حضرت غوث الاعظم کی دعا سے حیات جاوید حاصل ہوئی۔ وہ آنجناب یعنی غوث الاعظم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ جناب غوث الاعظم اپنے اس پوتے کے حال پر بے حد شفقت فرماتے تھے کتب خزینۃ الانبیاء تحفۃ القادریہ اور اقتباس الانوار وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظم ان کو گود میں لے کر پیار فرماتے اور کہتے، بیٹا! جب امام آخر الزمان، حضرت مہدی سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔ اصل عبارت ذیل ہے :-

”از سید جمال اللہ مدت عمرش پُر سیدند، فرمود کہ جدم رضی اللہ عنہ غوث الاعظم وقت جوش شوق الہی مرا

دربارہ می فرمودے کہ برادر مہدی و حضرت عیسیٰ علیہما السلام را از من سلام برسانی۔ او ہنوز زندہ است و در

نواح بسطام وغیرہ ممالک سیر می نمایند“

کتاب تحفۃ الابرار میں انیس القادریہ وغیرہ کتب کے حوالہ سے تحریر ہے کہ سید جمال اللہ شکل و صورت میں حضرت غوث الاعظم سے بہت مشابہ تھے اور آپ کی دعا سے زندہ جاوید ہیں۔ سید تقیم شاہ سکنہ حجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال اور سلطان بری لطیف، نور پور شاہاں ضلع راولپنڈی اور بہت سے دیگر اولیاء کرام کا آپ سے فیض حاصل کرنا بیان کیا جاتا ہے۔

سید ابوصالح طاہر نصر و سید علی بغدادی

سید ابوصالح حضرت سید عبد الرزاق کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ مفتی عراق کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ حضرت قبلہ عالم آپ کے صاحبزادے سید علی بغدادی کی اولاد سے ہیں۔ تحفۃ الابرار میں تذکرۃ العابدین کے

حوالے سے تحریر ہے کہ آپ کی تصانیف میں سے "اسرار النقطہ"، "شرح فصوص الحکم"، "شرح قصیدہ خمریہ" و "فارصیت" و "اوراد فحیہ" برائے کثرتِ شاہر و باطن اکیر اعظم کا حکم رکھتی ہیں۔

سید تاج الدین محمود و سید ابی الحیات

حضرت سید علی قادریؒ کی چوتھی پشت میں حضرت سید تاج الدین محمودؒ دستِ ادری رزاقیؒ نویں صدی ہجری میں سب سے پہلے سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ کا انعام الہی لے کر بنگال پہنچے۔ اُن دنوں سلاطین بنگالہ کا پایہ تخت گوڑ تھا۔ سلطانِ وقت فیروز شاہ نے آپؒ کی خانقاہ کے لیے جاگیر مقرر کی اور آپؒ کافی عرصہ تبلیغ فرمانے کے بعد اپنے صاحبزادہ سید ابی الحیاتؒ کو اپنی جگہ مسندِ ارشاد پر چھوڑ کر واپس بغداد شریف چلے گئے۔ اُن ایام میں سید شریفؒ کی کو بنگال کے ایک جتے کی حکمرانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی پرہیزگاری اور خدمتِ دین کے باعث اس سلسلہ شریف کی ترویج میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔

حضرت میراں شاہ قادر قمیصؒ

حضرت سید ابی الحیاتؒ ہمایوں ابن بابر بادشاہ کے دور تک زندہ رہے۔ اُن کی وفات پر اُن کے صاحبزادہ میراں شاہ قادر قمیصؒ نے اُن کا جانشین ہو کر نہ صرف بنگال میں بلکہ تمام برصغیر ہند میں عظیم شہرت حاصل کی جب تک اُنوں بادشاہ اور شیر شاہ سوری کی جنگوں کی وجہ سے ملک میں بد امنی پھیلی تو آپؒ ارضِ مقدس بغداد شریف لے گئے۔ اور کئی سال بعد امن بحال ہونے پر واپس گنگوہ پہنچے۔ اس وقت یہاں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ اور اُن کے خلفائے عظام کا کافی شہرہ تھا۔ لطائفِ قدوسیؒ میں لکھا ہے کہ قطبِ العالم شیخ عبد القدوسؒ نے بایں جلالتِ شان و کبریتِ عمری شہر سے باہر نکل کر حضرت مخدوم قمیصؒ کا استقبال کیا اور کچھ عرصہ اپنے پاس مہمان رکھ کر سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے اوراد و وظائف مرحمت فرمائے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مشائخِ عظام میں سے تھے جو شہرت و عظمت اس سلسلہ شریف میں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو عطا فرمائی، وہ صاحبِ سلسلہ حضرت سید علاؤ الدین علی احمد صابرؒ کے علاوہ شاہیدی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلفائے عظام میں شیخ جلال الدین تھانیسریؒ، شیخ عبد الغفور عظیم پوریؒ اور شیخ عبد الاحد سرہندیؒ (حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والدِ بزرگوار) وغیرہ مشائخ کے اسمائے گرامی آتے ہیں آپؒ نے ہندوستان کے مختلف سیاسی انقلابات دیکھے اور خاندانِ لودھی سے مغلیہ دور تک رونق افروز عالم رہ کر ۹۴۵ھ میں ترانوے سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

حضرت مخدوم قادر قمیصؒ گنگوہ سے بنگال گئے۔ مگر وہاں حالات کو سازگار نہ پا کر موجودہ اضلاع اُنبالہ اور سہارنپور (جہاں کے قصبہ شاہ ڈھور میں جو اب ساڈھور کے نام سے مشہور ہے، سکونت اختیار فرمائی۔ ۹۸۳ھ میں جب مغل بادشاہ اکبر نے بہار کو فتح کیا تو حضرت مخدوم کو بنگال کے سلطانِ باریڈ کے پاس سفیر بنا کے بھیجا۔ اُسی زمانے میں بہار کا ایک ہندو راجہ اور اُس کی رانی آپؒ کی روحانیت سے متاثر ہو کر حلقہِ مگوشِ اسلام ہوئے۔ شاہانِ مغلیہ نے آپؒ کی خانقاہ کے لیے کچھ گاہوں

نہ کیے ہوئے تھے جو انگریزی دور تک رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

”شاہ قادر قمیص ابن سید ابی الحیات، حضرت شاہ عبدالرزاق بن حضرت غوث الاعظم کی اولاد سے ہیں۔ آپ پہلے بنگال میں ارشاد و تبلیغ فرماتے رہے، جہاں سے فقر و تجرد کے ساتھ آکر قصبہ سالورا خضر آباد میں مقیم ہوئے۔ وہاں سید نصر اللہ نے جو عالم دین باعمل، صاحب حال و شیعہ سنت بزرگان میں سے تھے، اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا جس وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس علاقے کے آس پاس کے اکثر و بیشتر لوگ اور درویشوں کی ایک جماعت آپ کے عقیدت مند و ارادت مند ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالرزاق المعروف شیخ بہلول آپ ہی کے خلیفہ تھے جو علم شریعت و طریقت میں کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ شاہ قمیص نے بنگال میں وفات پائی، جہاں بادشاہ وقت نے ان کو کسی کام کے سلسلے میں روار کیس تھا۔ ۳۔ ذیقعدہ ۹۹۶ھ کو آپ کا جسد پاک بنگال سے لا کر سالورہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں ہر سال ۲ تا ۱۱ ربیع الثانی اجتماع خلافت ہوتا ہے۔“

حضرت شاہ محمد فاضل قلندر

حضرت مخدوم قادر قمیص کے بعد آپ کے پوتے حضرت شاہ محمد فاضل قلندر بہت بڑی شہرت کے مالک اور سلسلہ عالیہ قادریہ قیسیہ کے فروغ کا باعث ہوئے۔ ۹۔ رمضان المبارک ۱۰۴۰ھ کو انتقال فرما کر قلعہ ساڈھورہ کے قریب دفن ہوئے۔ یہ جگہ پہلے ”شاہ محمد فاضل کی گھاٹی“ اور بعد میں فاضل پور کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت شاہ قادر قمیص کی اولاد میں سے ایک اور بزرگ سید صادق علی شاہ، حضرت مولانا فخر الدین فاضل جہاں دہلوی چشتی نظامی کے خلیفہ مجاز ہو کر دہلی سے بہار اور بنگال کی سیاحت فرماتے ہوئے لنکار سیلون، تشریف لے گئے اور تبلیغ دین فرماتے رہے۔ اُسی جگہ انتقال فرمایا اور بمقام پولو بانگ مدفون ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت شاہ قیام الدین اصدق کاندھن موضع جٹھہ او ان المعروف پیر گنج خلیع چٹنہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

ان چند حضرات کا ذکر خیر یہاں تبرکاً کر دیا گیا ہے۔ ورنہ سلسلہ عالیہ قادریہ قیسیہ کے مشائخ کا تذکرہ بہت طویل ہے زمانہ قریب میں حضرت شاہ قادر قمیص کی اولاد میں سے حضرت قبلہ عالم گولڑوی اور حضرت شاہ سلیمان پھلواروی (صوبہ بہار) ایسی مایہ ناز ہستیاں گزری ہیں سلسلہ عالیہ قادریہ قیسیہ کے مشائخ کی تفصیل تذکرۃ الابرار مصنف تھقی حیدر قلندر کا کوردی میں بھی جا بھکتی ہے۔

حضرات پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ

مخدوم میراں شاہ قادر قمیص کی بارہویں پشت میں سے ایک صاحب حضرت سید عبدالرحمن نوری جج کے لیے گئے۔ واپسی پر بمقام بصرہ بقضائے الہی انتقال فرما گئے۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے اولاد و وظائف کی کتابیں آپ کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ آپ کے صاحبزادگان پیر سید روشن دین و سید رسول شاہ کو جب ساڈھورہ میں اس کی اطلاع ہوئی تو وہ پیدل روانہ ہو کر بصرہ پہنچے اور چھ ماہ تک اپنے والد ماجد کے مزار شریف پر مقیم رہے۔

قلمی شجرہ نسب (مخازن الغیب) میں لکھا ہے کہ ایک وزار اور دو وظائف کی کتابیں خود بخود شریف سے باہر گئیں جنہیں لے کر یہ دونوں بھائی فریضہ حج ادا کرنے چلے گئے۔ واپسی پر بغداد شریف و بصرہ سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ جہاں امیر کابل نے ایک علمی مناظرے میں بڑے صاحبزادے پیر سید روشن دین شاہ کے کمال سے متاثر ہو کر منصب قضا پیش کیا، مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کابل سے وطن واپس ہوتے ہوئے سرزمین گولڑہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہ غالباً بارہویں صدی ہجری کے آخر کی بات ہے، جب کہ تخت دہلی پر غل بادشاہ شاہ عالم ثانی تھیں تھا اور بنگال پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ پنجاب پر سکھ قابض ہو رہے تھے اور مرہٹے اور انگریز دہلی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان پانی پت کی تیسری لڑائی کی وجہ سے اُس نواح میں بد امنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے ان ہردو حضرات نے پنجاب کے اس شمال مغربی گوشے کو جاتے امن اور اپنے مقاصد تبلیغ و ارشاد کے لیے موزوں خیال کرتے ہوئے ساڈھورہ سے اہل و عیال و خدام کو اسی جگہ بلوا لیا۔ حضرت پیر سید روشن دین، قبلہ عالم گولڑوی کے دادا حضرت پیر سید غلام شاہ کے والد بزرگوار تھے۔

گولڑہ

راولپنڈی سے گیارہ میل کے فاصلے پر کوہ مارگلا کے دامن میں ایک قصبے کا نام گولڑہ ہے، جو غالباً وہاں کے قدیمی باشندوں گولڑہ قوم کے باعث اس نام سے موسوم ہے۔ سلطنت خداداد پاکستان کا دارالخلافہ اسلام آباد اس قصبے کی شرقی حد کے ساتھ واقع ہے۔ اُن دنوں یہ جگہ سکھوں کی عملداری میں سکھ قلعہ دار کا صدر مہتمم تھی۔ سکھوں کی تحصیل و قلعہ کے کھنڈرات و آثار اب تک موجود ہیں۔ آج کل یہاں ریوے جنکشن، تھانہ پولیس، ہسپتال، ڈاک خانہ، مارگھر ٹیلیفون آفس وغیرہ بن چکے ہیں اور راولپنڈی و اسلام آباد سے پختہ سڑکوں کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ جن پر سرکاری موٹر بسیں، مسافروں اور زائرین کی آمد و رفت کا ذریعہ ہیں۔ یہ عروج اس قصبے کو اللہ تعالیٰ نے دربارِ عالیہ غوثیہ مہرئی کی وجہ سے بخشا ہے، جو منبع برکات ہونے کے باعث مرجع خلافت ہے۔

پہلے اس علاقہ پر افغانوں کا قبضہ تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں احمد شاہ ابدالی کے انتقال پر رنجیت سنگھ نے، جو افغانوں کی طرف سے پنجاب کا صوبیدار تھا، خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور پنجاب کے ساتھ اس علاقہ کو بھی اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ حضرت پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ کے مزارات آستانہ عالیہ کے شمال کی طرف ایک چار دیواری میں زیارت گاہ خلق ہیں۔

سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ پانی پتی

حضرت سائیں علی محمد عرف حضرت مسکین شاہ، پیر سید روشن دین شاہ و پیر سید رسول شاہ کے حنفی ام میں سے تھے، جو ہردو حضرات کے اہل و عیال کے ہمراہ ساڈھورہ سے نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف آئے اور اسی جگہ اُن کی خدمت میں عمر گزار دی۔ حضرت پیر سید رسول شاہ سے خلافت پانی اور اُن کے وصال کے بعد اُن کے کم سن فرزند و جانشین حضرت پیر فضل دین کی تربیت فرما کر اُن کے والد شریف کی روحانی امانت اُن کو پہنچائی۔ سائیں

آستانہ عالیہ گولہ شریف کا فضائی منظر۔

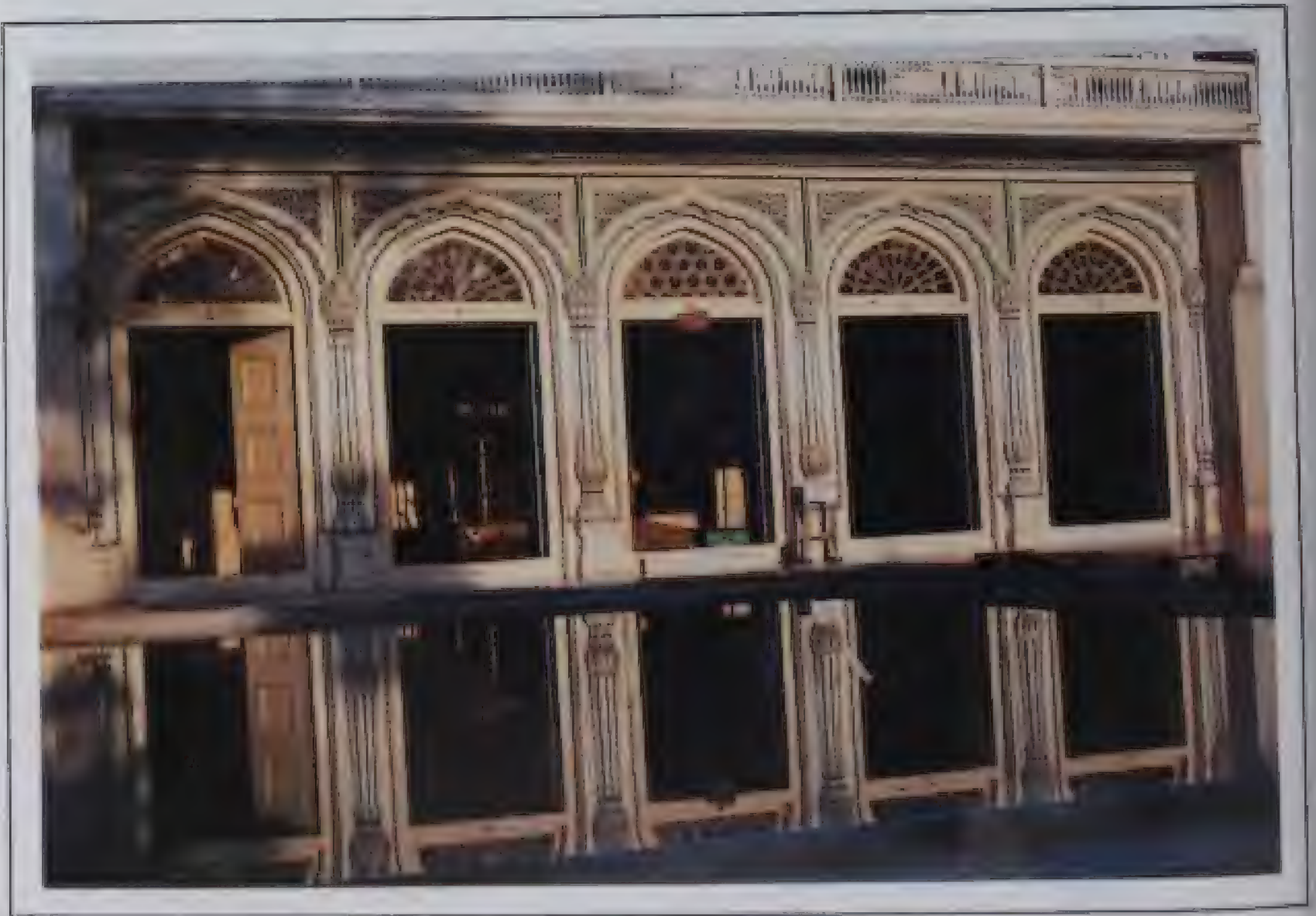




مزار مبارک حضرت سید روشن دین شاه صاحب دین و سید رسول شاه صاحب



مزار مبارک سید پیر نذیرین شاہ صاحب (والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب) بیرونی منظر۔



مزار مبارک کا ایک اور منظر (بمعدہ عکس تالاب)



حضرت پیر نذر دین شاہ صاحب کا مزار مبارک (اندرون منظر)



مزار مبارک سید پیر فضل دین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اندرون بیرونی منظر۔





حضرت کی رہائش گاہ "عشق آباد"



حضرت کا پلنگ و بستر مبارک

مسکین شاہ کی دو کرامتیں زبانِ زورِ خاص و عام ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس قدر غوثِ الحان قاری تھے کہ بل چلانے والوں کے بل اور گڈریوں کے جانور نمازِ فجر کے وقت اُن کی قرأت سُن کر رُک جاتے تھے اور جب تک قرأت ختم نہ ہو جاتی ہانکنے پر بھی نہ چلتے تھے۔ چنانچہ جب وہ اس طرح کھڑے ہو جاتے تو لوگ اختتامِ قرأت تک اُن کو ہانکنے کی کوشش ہی نہ کرتے۔ دوسری یہ کہ سائیں صاحب کو حضرت غوثِ الاعظم سے نیاز و نسبت میں اس قدر استغراق تھا کہ قیام کی حالت میں اُن کے پیچھے کھڑے ہونے والے شخص کو اکثر حضرت غوثِ الاعظم کا روضہ پاک نظر آ جاتا۔

حضرت پیر سید میراں شاہ و حضرت پیر سید فضل دین شاہ

حضرت پیر سید روشن دین شاہ پہلے وصال فرما گئے تھے، حضرت پیر سید رسول شاہ کا بعد میں انتقال ہوا اور اُن کے دو خور و مال صاحبزادے پیر سید میراں شاہ اور پیر سید فضل دین شاہ رہ گئے جن کی پرورش و تربیت جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ کے ذریعہ عمل میں آئی۔ سید میراں شاہ اگرچہ پابندِ شریعت تھے، مگر بوجہ غلبہٴ سُکر و کیف قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ ملفوظاتِ طلیات حضرت قبلہٴ عالم میں بروایت آپ کے والد ماجد حضرت پیر سید نذر دین المعروف اجی صاحب تحریر ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں حضرت اجی صاحب، پیر سید میراں شاہ صاحب کی اُننگلی پکڑے جا رہے تھے۔ جب اُس جگہ سے گزرے، جہاں اب حضرت قبلہٴ عالم کی حرم سرائے ہے اور اُس زمانے میں قوم سہام کے مکانات تھے تو ایک سہام نے، جسے اپنی قوم کے سکھوں کی عملداری میں صاحبِ قلم و قانون ہونے کا ناز تھا، اپنے مکان کی مُرمت کے سلسلے میں پیر صاحب سے کوئی ناگوار سی بات کی تو جواباً آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، اس جگہ پر ہم میں سے ہی کسی کے مکانات نہیں گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ان کی ایک اور کرامت کے متعلق حضرت قبلہٴ عالم فرماتے تھے کہ ایک رات اُن کی گھوڑی رستی ٹڑا کر ایک زمیندار کے کھیت میں جا نکلی، جس نے اُسے پکڑ کر درخت کے ساتھ اس طرح باندھ دیا کہ اُس کا مُنہ اُوپر کو اُٹھا رہے اور وہ کچھ کھپائی نہ سکے۔ اگلے روز تلاش کے دوران پیر سید میراں شاہ کے ایک خادم نے گھوڑی کو اس تکلیف دہ حالت میں پا کر اُس زمیندار سے کہا کہ اگر غلطی سے گھوڑی تمہارے کھیت میں جا نکلی تھی تو زیادہ سے زیادہ اُسے آوارہ قرار دے کر سرکاری پھاٹک میں داخل کرادیا ہوتا۔ ہم جہرمانہ ادا کر کے چھڑوا لاتے۔ اس طرح اِس بے زبان جانور کو تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں تھا، لیکن اُس نادان شخص نے لاپرواہی سے سُنی اُن سُنی کر دی۔ خادم نے واپس آ کر یہ ماجرا پیر صاحب سے بیان کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اُسے جا کر کہہ دو، تم نے ہماری گھوڑی کا مُنہ باندھا ہے ہم نے تمہاری گھوڑی کی بچہ دانی باندھ دی ہے۔ لہذا یہ شخص بے اولاد ہی فوت ہوا۔

پیر سید میراں شاہ کو حضرت قبلہٴ عالم سے کمال درجہ محبت تھی۔ اکثر اپنے پاس بٹھلائے رکھتے۔ ملفوظاتِ مہرہ میں حضرت قبلہٴ عالم کی زبانی تحریر ہے کہ جس شام پیر سید میراں شاہ کا وصال ہوا اُس روز صبح کے وقت مجھے فرمایا کہ اپنے چھوٹے مائوں صاحب (حضرت پیر فضل دین) سے جا کر کہہ دینا کہ آج ہم ایک لمبے سفر پر جانے والے ہیں میں کم عمر تھا، اس لیے پیغام دینا یاد نہ رہا۔ جب شام کو بغیر کسی ظاہرِ تکلیف کے فوت ہو گئے تب معلوم ہوا کہ ”لمبے سفر“ سے

مُراد سفر آخرت تھا حضرت پیر فضل دین صاحب حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار کے مانوں تھے اور آپ بھی انہیں مانوں کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سید فضل دین ایک بلند مقام، صاحب کشف و کرامات اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ آپ کی دُعا، اُم اور تعویذات تیر بہدت تھے۔ حل مشکلات اور افادۂ ظاہری و باطنی کے لیے دُور و نزدیک سے آنے والی خلق حُدا کا آپ کی خانقاہ میں ہر وقت جُوم رہتا تھا۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ آپ کا شغل پاسِ انفس تھا اور زیادہ تر اسی وظیفے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور اپنے مسودات میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت قبلہ عالم کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت پیر فضل دین کے دادا بزرگوار نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بیٹے سید رسول شاہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دینا۔ چنانچہ جب پیر سید فضل دین کچھ بڑے ہوئے تو اُس جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں اب اُن کا مزار ہے اور وہیں عمر گزاری دی جناب امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں عرض کی کہ مجھے وہی کلمہ پڑھا دیجیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو پڑھایا تھا تو آپ نے فرمایا، کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

بقول شیخ الجامعہ حضرت قبلہ عالم یہ بھی فرماتے تھے کہ سائیں علی محمد عرف مسکین شاہ نے پیر سید فضل دین سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لنگر کے لیے سو سو روپے یومیہ مقرر فرمائے ہیں۔ اگر اس سے زیادہ ہو گیا تو تمہاری قسمت۔ اس سے کم نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نواح میں آپ کا لنگر مشہور تھا۔

ایک روز حضرت قبلہ عالم نے آپ کے تصرفات و صفاتی باطن کے ضمن میں فرمایا کہ میں جب سفر حج سے واپس آیا تو حضرت پیر سید فضل دین نے میرے ایام سفر کی کئی ایک باتوں کا خود مجھ سے ذکر فرمایا اور کہا کہ ایک روز میں نے دیکھا تو تم جہاز میں قبلہ رُو بیٹھے فلاں وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

حضرت پیر سید فضل دین نے مجرّد و مُرتاض زندگی بسر فرمائی۔ آپ کا وصال ایک سو آٹھ برس کی عمر میں ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف حضرت قبلہ عالم کی خانقاہ کے شمال مغرب میں مرکز زیارت و احترام ہے۔ سلسلہ طریقت قادریہ جدید میں حضرت قبلہ عالم کو آپ سے بیعت و خلافت حاصل ہے اور حضرت قبلہ عالم آپ کے وصال سے گیارہ برس قبل مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے۔ اُس زمانہ میں آپ کی وجہ سے حضرت پیر فضل دین صاحب کو لوگ بڑے پیر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت پیر سید نذر دین عرف حضرت اجی صاحب

حضرت پیر سید روشن دین شاہ کے صاحبزادے پیر سید غلام شاہ کی شادی اپنے چچا پیر سید رسول شاہ کی صاحبزادی اور پیر سید فضل دین شاہ کی ہمیشہ سے بھونی تھی۔ اس رشتے سے پیر سید نذر دین شاہ تولد ہوئے جو حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار تھے۔ چونکہ پوٹھواری زبان میں والد کو آجی کہتے ہیں، اس لیے قبلہ عالم کے والد بزرگوار ہونے کی نسبت سے آپ حضرت اجی صاحب کے نام نامی سے مشہور خلائق ہوئے۔ آپ کی ولادت ۳۵-۱۲۳۴ھ یعنی ۱۸۱۵ء میں مقام گولڑہ شریف بھونی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ اور آپ کے عین عالم شباب میں جب کہ بنور سکھوں کی عملداری تھی۔ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا، جس سے گیلانی سادات کے اس گھرانے کو خاص

شہرت نصیب ہوئی۔

حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں حضرت ابھی صاحب شب و روز عبادت الہی اور مطالعہ کتب کے سلسلے میں اپنی آبائی مسجد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس مسجد کے قریب ہی سکھوں کا محلہ تھا، جہاں سکھ قلعہ دار کی ایک ہشتہ دار لڑکی بدچلنی کے الزام میں حائل پائی گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مقامی مخالفت نے جو قلعہ دار کا معتقد تھا اور اس نووارد شریف خاندان کی عظمت اور روز افزوں اثر و رسوخ کی جیسے حسد کرتا تھا حضرت ابھی صاحب کو متہم کیا۔ جس پر قلعہ دار نے کسی اور ثبوت کے بغیر آپ کو گرفتار کر کے زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس الزام و سزا کے حکم کے خلاف قرب و جوار کے مسلمانوں کے وفد سکھ سردار کے پیش ہوئے تو اُس نے کہا کہ سجادہ نشین صاحب خود آکر یقین دلائیں کہ لڑکا بے گناہ ہے۔ سجادگی پر اُس وقت حضرت ابھی صاحب کے ماتوں حضرت پیر سید فضل دین رونق افروز تھے۔ آپ نے جانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اُسے کہہ دو اسے جلا ڈالے۔ اگر یہ گنہگار ہے تو ہمارے لیے اس کا جمل جانا ہی بہتر ہے۔

تاریخ سزا سے ایک دن پہلے مواضعات میرا بادیہ و میرا کوٹ وغیرہ کے مسلمانوں نے اجتماع کر کے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر بڑے پیر صاحب نے اطراف و جوانب میں پیغام بھجو کر اطلاع کرادی کہ جو کوئی ایسا قدم اٹھائے گا، اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ لوگ رُک گئے۔

سزا دلے دن علی الصباح ہی ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن قلعے کے باہر جمع ہو گئے۔ اس قلعے کے کھنڈرات شہر سے مغرب کی جانب کچھ دور ندی کے کنارے اب تک موجود ہیں۔ عورتوں نے آہ و بکا کرتے ہوئے اپنے زیورات کا ڈھیر لگا دیا کہ ہمارے پیر زادے کو ان کے ساتھ تول کر جہانم وصول کر لو اور اُنہیں رہا کر دو، مگر کوئی شہوانی نہ ہوئی۔ اُس زمانے کے دستور کے مطابق عبرت عامہ کے لیے سزائے موت شارع عام پر دی جاتی تھی۔ اس لیے ایک کھلی جگہ لکڑیاں چُن کر چتائی کی گئی اور فوج نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔

زندہ جلائے کی کوشش ناکام

یہ بُدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا۔ اُس رات ابھی صاحب کو حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی جنہوں نے فرمایا کہ چتا پر جانے سے پہلے غسل کر کے، گھر میں جو نیا لباس موجود ہے، پہن کر دو نفل منسا ز ادا کر لینا۔ چنانچہ سکھ سپاہیوں نے آخری خواہش کی تکمیل میں غسل کے لیے پانی بھی دیا اور گھر سے لباس بھی منگوادیا، جو آپ نے پہن کر نماز دو گنا ادا فرمائی اور چتا پر جا کر بیٹھ گئے۔ لکڑیوں پر تیل ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی، مگر لاکھ جتن کے باوجود آگ نہ لگی۔ یہ دیکھ کر الزام لگانے والے شخص نے کہا کہ سپاہی پیروں سے مل گئے ہیں۔ اس لیے دانستہ ہیرا پھیری کر رہے ہیں۔ یہیں دیکھتا ہوں، آگ کیسے نہیں لگتی۔ یہ کہہ کر اُس نے حضرت کے کپڑوں اور لمبے لمبے گھونگھریلے بالوں پر کافی تیل ڈالا اور ایک برتن میں ٹھیک بنوے ڈال کر جلائے اور جب شعلے بلند ہونے لگے، تو اُس برتن کو آپ کے تیل میں تر بتر بالوں کے نیچے رکھ دیا۔ مگر شعلے پکتے رہے اور اُن کی حرکت سے حضرت کے بال ہراتے رہے۔ لیکن انہوں نے آگ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ آخر اُس نے جلتے ہوئے بنوں کو آپ کے تیل میں شرابور کپڑوں پر

اُلٹ دیا۔ لیکن وہ بغیر کسی قسم کا اثر کیے ہوئے لکڑیوں پر جا گرے اور بچھ گئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں میں آپ کی بے گناہی کا غوغا اٹھا اور قلعہ دار نے حکم دیا کہ مخبر کو گرفتار کر کے اسی چار چلا دیا جائے۔ اور خود گلے میں کپڑا ڈال کر دست بستہ حضرت سے معافی کا خواستگار ہوا کہ آپ واقعی بے گناہ ہیں۔ میں نے اس بُرے آدمی کے کہنے میں آکر آپ پر ناحق ظلم کیا۔

قبلہ عالم فرماتے تھے کہ اُس روز حضرت پیر سید فضل دین صبح سے ہی اپنے حجرے میں بغداد شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے تھے اور بار بار آدمی بھیج کر اُجی صاحب کی خبر منگواتے تھے۔ جب آپ نے سنا کہ مخبر کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو آدمی دوڑا یا کہ نذر دین شاہ سے کہو، اس شخص کو معاف کرادے۔ لیکن اُس شخص کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت اُجی صاحب نے سکھ سردار سے کہہ دیا تھا کہ میں اُس وقت تک چتا سے نہیں اُتروں گا جب تک اس شخص یعنی میرے خلاف الزام لگانے والے کو معافی نہ دے دی جائے گی۔

آناں کہ بجائے مادی ہا کر دند گردست رسد بجز نکوئی نکم

حضرت اُجی صاحب کے اُن تیل سے بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ لوگوں نے غلاف کعبہ کا سا سوک کیا اور عالم شوق و وارفتگی میں تبر کا اُن کے چہیتڑے کر کے ہمراہ لے گئے۔ خدا کی شان کہ اس واقعہ کے جلد ہی بعد یعنی ۱۸۴۸ء میں سکھوں کی عملداری کا تختہ بھی اُلٹ گیا اور پنجاب پر انگریزوں کی حکومت ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد تمام عمر حضرت اُجی صاحب کا بدھ کی رات کو تہجد کے وقت غسل کا معمول رہا اور آپ اسی کو بطور وظیفہ حل مشکلات بتلایا کرتے تھے۔

ایک مجذوب کی کارکردگی

سائیں مہجی نام ایک مجذوب، جو اس خاندان کے دامن گرفتہ تھے، اس واقعہ کے دوسرے روز پہاڑ سے اُتر کر حضرت پیر فضل دین کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے۔ "سب لوگ آپ کو مبارک باد دے رہے ہیں لیکن مجھے کوئی شاباش نہیں کہتا اور نہ میرے ہاتھوں کو ہندی لگاتا ہے، حالاں کہ یہ دیکھتے، صاحبزادے کی آگ بھجھاتے بھجھاتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔"

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ وہ شخص ایک صاحب کشف و کرامت بزرگ تھا۔ موضع خان پور میں راجہ جہاں داد کے والد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی اور وہ اس مجذوب کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ سائیں مہجی کنوئیں کے بہتے ہوئے پانی کو ہاتھوں سے اُچھال اُچھال کر کھیت میں ڈال رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا، سائیں کیا کر رہے ہو، تو جواب دیا، فلاں راجہ کے گھر پودا لگا رہا ہوں، اس کے کچھ عرصے بعد راجہ جہاں ادپدیا ہوا بعد یہ راجہ صاحب کابل کے سفیر بن کر گئے تھے۔ اُن کی تقرری سے کچھ عرصہ پہلے سائیں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ دیکھو میرا گھوڑا کتنا تیز ہے، کابل کی دیواریں پھاند رہا ہے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا، تو ایک روز یہ سائیں، حضرت پیر سید فضل دین کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے "پیر جی! اب ٹوپ والے آگئے ہیں ہم یہاں سے چلے۔" اس کے بعد وہ غائب ہو گئے اور انہیں پھر کسی نے نہ دیکھا۔

حضرت اُجی صاحب نے اپنے بلند اقبال اور قطب مدار نور نظر یعنی حضرت قبلہ عالم کے عروج کا زمانہ اپنی آنکھوں

سے دیکھا۔ آپ ازراہ انکسار اس آگ والے واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب تمہارے پیر یعنی قبلہ عالم کی کرامت تھی، جو اُس وقت میری صُلب میں تھا۔ اُس کی وجہ سے مجھ میں عشق الہی کی ایک آگ بھڑکتی رہتی تھی یا توں کو نوافل پڑھ کر جب تھک جاتا تو کُنوؤں سے پانی نکال کر قصبے کی تمام مساجد کے سقاوے سے بھر آتا۔ مگر نیند پاس نہ پھٹکتی تھی اور نہ کسی کل قرار آتا تھا۔ جب تمہارے پیر کا نور اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہوا تو یہی کیفیت اُن کی والدہ کی ہو گئی۔ ساری ساری رات جائے نماز پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی رہتیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حضرت ابھی صاحب کی شادی حسن ابدال کے گیلانی سادات کے خاندان میں ہوئی تھی جو مجرہ شاہ مقیم ضلع ساہی وال کے مشہور بزرگ حضرت بہاؤ الدین عرف بہاول شیر قلندر گیلانی کی اولاد سے ہیں۔ حضرت بہاول شیر سیدنا غوث الاعظم کے صاحبزادے سید عبد الرزاق کی اولاد میں سے ہیں اور نویں صدی ہجری کے قریب بغداد شریف سے ہندوستان شریف لائے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت قبلہ عالم والدہ اور والدہ دونوں طرف سے نجیب الطرفین گیلانی سید ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ پیر بہادر شاہ گیلانی کی دختر نیک اختر تھیں، شجرہ ہائے نسب آغا باب میں دیئے جا چکے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابھی صاحب سلسلہ طریقت قادریہ جدیہ میں اپنے مائوں حضرت پیر سید فضل دین کے دست حق پرست پر بیعت تھے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اپنے نور نظر فرزند (حضرت قبلہ عالم) سے خلافت حاصل کیے تھے۔ آپ کے اپنے ارادت مندوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا جن کی اولاد آج تک حصول قرب الہی و حل مشکلات کے لیے آپ کے مزار شریف پر حاضری دیتی ہے۔ آپ کا مزار شریف مسجد کے متصل مدرسے کی وسیع عمارت کے اندر واقع ہے۔ آپ کی وصیت تھی کہ میری قبر پر روضہ نہ بنانا اور مجھے مسجد کے قریب دفن کرنا کہ اذان کی آواز آتی رہے۔ حضرت قبلہ عالم کا ارشاد ہے کہ اُن کو حضرت ابھی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے اکلوتے فرزند حضرت سید غلام محی الدین المعروف بابو جی ادا م اللہ برکات کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر دعوت ولیمہ وسیع پیمانے پر دینا۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالم نے اس کی پوری طرح تعمیل کی۔ حضرت ابھی صاحب نے نوے سال کی عمر میں ۲۴ رجب ۱۳۲۴ھ یعنی سنہ ۱۹۰۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت حضرت قبلہ عالم کے علاوہ دو صاحبزادے پیر سید محمود شاہ اور پیر سید ولایت شاہ اور ایک صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت قبلہ عالم کی عمر شریف پچاس برس کے قریب تھی۔

حضرت ابھی صاحب بلند اوصاف اور لطیف واردات حال کے مالک تھے۔ آپ کی طبیعت میں غریب نوازی اور مخلوقوں کی حمایت کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا کسی جا شخص کی زیادتی کی شکایت پہنچتی تو فوراً اُس کے حسنات کمزور شخص کے حق میں صفت آراء ہو جاتے۔ آخری عمر تک سخاوت، شجاعت اور سپہ گری کے اوصاف آپ کی ذات شریف میں نمایاں رہے۔ آپ گھوڑے کی سواری کے بہت شائق تھے۔ اور ہمیشہ اچھے گھوڑے آپ کے زیر سواری رہے۔

بَابُ دُوم

زَمَانَةُ طِفْلُولِيَّتِ وَكَسْبِ سِلْم



حضرت سید پیر عمر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ



عفت‌آورد علی‌احمد
مهرآورد

زمانہ طفولیت و کسبِ علم

ولادت

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ قلم رمضان المبارک ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان اپنی پہلی جنگِ آزادی کے خونیں دور سے، جسے انگریز مورخین نے غدرِ دہلی کا نام دیا ہے، گذر کر مکمل طور پر انگریزوں کے پنجہ استبداد میں آچکا تھا۔ سلطنتِ مغلیہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ چکی تھی۔ اور دینِ اسلام کی ہدایت و علم کے روشن چراغ انقلابِ زمانہ کے ہاتھوں یا تو گل ہو چکے تھے یا قید و بند کی صعوبتوں میں ایامِ حیات گزار رہے تھے، یا ترکِ وطن کر کے برصغیر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔

حسب فرمانِ قرآنی فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے) ہر ملک اور زمانہ میں ہماری شامت اعمال کے باعث تباہیوں اور بربادیوں کے تاریک دور کے بعد تجدید و احیاء دین کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی بستیاں پیدا فرمادیتے رہے ہیں جن کی خدمات قومی سے سلفِ صالحین کی یادیں تازہ ہو جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ جس وقت ایک غیر مسلم مغربی مادہ پرست قوم کے علم و اقدار و نظریات کا حضرت مسلمانانِ ہند پر سوار ہو رہا تھا اور اس خطہ میں اسلامی شریعت و طریقت اور روحانیت کے لیے گوناگوں مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اسلامی اقدار یکسر مٹتی نظر آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ اِنَّا لَنَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآلِہٖ لَٰحْفَظُوْنَ (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی یقیناً اس کی محافظت کرنے والے ہیں) کے مطابق ایسی پاک بستیوں کو عالم وجود میں لانا پسند فرمایا جن کی علمی اور روحانی قوت سے نہ صرف اسلام مادہ پرستی کے مسموم اثرات سے محفوظ رہا بلکہ مسلمانوں میں حیاتِ نو کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے جو بالآخر اس برصغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد حکومت کے منصوبہ شہود پر آنے کا باعث ہوئے۔

شانِ مجددیت کی غمازِ تاریخائے ولادت وصال

حضرت قبلہ عالم کی تاریخِ ہائے ولادت و وصال علمِ الاعداد کی روش سے مندرجہ ذیل الفاظ و جملوں سے اخذ ہوتی ہیں جو قطعات کی صورت میں درج ذیل ہیں۔

مجدد قرن الرابع عشر

۱۲۴۵ھ

مہرِ عالم چو گشت با رونق زو منور شدند مجملہ طبق
چوں تولد نمود ہاتھ گفت ہست این منظر جیب حق

۱۲۷۵

چوں مہر علی آل غوث جلی شد پیدا آمد زود صدا
این منظر اسد اللہ باشد این منظر محی الدین بادا

۱۲۷۵

خواجہ مہر علی عالی جناب جامعِ علم و عمل شرع و کتاب
مولدِ اود مخزنِ عشق حق است سن رحلت شمس فضل بالحجاب

۱۳۵۶

۱۲۷۵

امام حاکم بیہقی و ابوداؤد نے روایت کی ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی مرقات الصعود حاشیہ
ابوداؤد میں ذکر کیا ہے کہ اتفق الحفظ علی تصحیحہ یعنی حفاظ حدیث اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور وہ
حدیث یہ ہے :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ
عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْ يُجَدِّدُ
لَهَا دِينَهَا

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے ہر صدی
کے سرے پر ایسا شخص مبعوث فرمائیں گے جو اس کے
دین کی تجدید کرے گا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ جسدِ دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کُرس مِائَةِ سَنَةٍ سے
مراد محدثین کے اتفاق سے صدی کا آخری حصہ ہے یعنی ایسی شخصیت کی ولادت صدی کے آخری حصہ میں ہونی چاہیے
اور اُس کی علامات یہ ہیں کہ وہ شخص علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اور اُس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و
تبلیغ سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے، سنت کے زندہ کرنے میں اور بدعتوں کے ختم کرنے میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے
اختتام اور دوسری کے آغاز میں اُس کے علم کی شہرت اور اُس سے لوگوں کو فائدہ معروف و مشہور ہو۔ لہذا اگر اُس شخص
نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اور اُس سے اُس زمانہ میں احیائے شریعت نہیں ہوا تو اُس کا نام مجددین کی فہرست
میں نہیں آئے گا۔

رُاس مِائَةِ سَنَةٍ (صدی کے سرے پر) کی تشریح کے لیے حضرت قبلہ عالم کے زمانہ کو اُمتِ مسلمہ کی اُن دو
عظیم اور معروف ترین شخصیتوں کے سن پیدائش و وصال کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جن کے مجدد ہونے کو تمام عالم اسلام
تسلیم کرتا ہے۔

حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی ————— ولادت ۴۷۱ھ ، وصال ۵۶۲ھ

حضرت شیخ احمد ریسندہؒ مجددِ اُمت ثانی ————— ولادت ۹۷۱ھ ، وصال ۱۰۳۲ھ

حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گوروی ————— ولادت ۱۲۷۵ھ ، وصال ۱۳۵۶ھ

اس سے نائیس مائتہ مسنہ (صدی کے سرے پر) کی شرط کی وضاحت تو ہو جاتی ہے۔ علم و عرفان۔ تصنیف و تالیف۔ احیائے شریعت اور بدعت و الحاد کے خاتمہ کی تفصیل آئندہ صفحات سے واضح ہو جائے گی۔ صدی کے آغاز یعنی سنہ ۱۳۰۰ کے شروع میں آپ علوم ظاہرہ و باطنہ، شریعت، طریقت اور روحانیت کے اُس مقام پر پہنچ چکے تھے جو ائمہ ابن شمس سے آپ کو اسی سال اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے خلافت عطا ہوئی۔ علمی شہرت کی یہ کیفیت تھی کہ اسلامی مدارس و مذاکرات میں کسی مقولہ کے ساتھ یہ کہہ دینا قال علامہ گولڑوی "یعنی علامہ گولڑوی نے فرمایا اُس کے مُستند ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ آنجناب کی ذات سے قادیانیت، نیچریت، چکرا لوتیت اور متشدد دوہابیت کے ساتھ ساتھ آل انڈیا کانگریس کی ہندوانہ اور کافرانہ سیاست کے خلاف اسلامیان ہند کی جو رہنمائی ہوئی وہ اب تاریخ کا جزو بن چکی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قادیانیت کے مقابلہ میں صرف آپ ہی کی ذات گرامی تھی جسے ہندوستان کے تمام اسلامی فرقوں نے بلا اختلاف اپنا قائد تسلیم کیا تھا۔ اس کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے بھی کئی سال قبل ازراہ کشف آپ کو مطلع فرمایا تھا کہ ہندو پنجاب کی سرزمین میں ایک زبردست فتنہ ظاہر ہو گا جس کا اللہ و آپ کی ذات کے ساتھ مقدر ہے۔ اپنی کتاب سیفِ چشتیانی کے ابتدائی خطبہ میں حضرت قبلہ عالم نے ان الفاظ میں خود بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے کہ قادیانیت کے خلاف تبلیغی جہاد ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ وہ الفاظ ذیل ہیں :-

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اور حضرت محمد اُس کے بندے اور رسول حبیب خلیل اور
خاتم النبیین ہیں۔ آپ اور آپ کی آل پر اللہ تعالیٰ کے علم کے
برابر بلند ترین صلوٰۃ اور اُس کے حلم کے برابر پاکیزہ ترین تسلیات
ہوں اور آپ کے اصحاب پر بھی جنہوں نے آپ کو جگہ دی
اور آپ کی نصرت کی نیز قیامت صلوات و تسلیات ہوں
اُن سب حضرات پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کی پیروی
کی بالخصوص آنجناب کے دین متین کے مجددین پر جو متنبی قادیان
کو ہر میت دینے والے اور اُس کے مذہب کی شرک کاٹنے والے ہیں۔

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَهُ الْعَالَمِينَ وَأَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَحَبِيبُهُ وَخَلِيلُهُ
خَاتَمُ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَاةِ
أَسْنَاهَا عَدَدَ عَلَيْهِ وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْثَاهَا
مِلَاءَ حِلْمِهِ وَعَلَىٰ صُحْبِهِ الَّذِينَ أَوْوَدَّ نَصْرُهُ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ
سَيِّمًا قَجْدَ دِينِي دِينَهُ الْمَتِينِ الْهَارِصِينَ
الْمُتَنَبِّئِي الْقَادِيَانِي فَأَلْقَا طِعِينَ عَنْ مِلَّتِهِ
الْوَتِينِ

چودھویں صدی کا مجدد بسم اللہ کا تم عدد

ابجد کی رو سے سیدنا مہر علی شاہ کے اعداد ۸۶۷۸۹ تکتے ہیں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعداد بھی ہیں۔ نیز
آنجناب کے تذکرہ بالا اسم گرامی سے اگر بطریق جہز، حروف ی۔ الف اور ہ کو جو مکرر آتے ہیں حذف کر دیا جائے تو ۷۷۷۷۷۷۷۷
سو (۷۷) اعداد اور ہ جاتے ہیں۔ جو مجدد قرن رابع عشر (چودھویں صدی کا مجدد) کے حروف مکرر ہ۔ د۔ ر۔ ع حذف کرنے
کے بعد کے حروف کے اعداد ہیں۔

آدم کی نوید

حضرت قبلہ عالم کی ولادت باسعادت کے متعلق آپ کے خاندان میں پہلے سے ہی بشارتیں چلی آتی تھیں۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ آپ کے والدین شریفین اور حضرت پیر سید فضل دین جو حضرت قبلہ عالم کے والد ماجد کے مانوں اور حضرت کے شیخ طریقت بھی تھے اور اُس وقت اس خاندان شریف قادریہ کی مسند ارشاد پر بھی جلوہ فگن تھے۔ اس امر پر مطلع تھے کہ اس گھر میں ایک نورانی چراغ روشن ہونے والا ہے۔ نیز آپ کی ولادت سے چند روز پیشتر ایک عمر رسیدہ مجذوب خانقاہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور عنقریب پیدا ہونے والے مقبول خدا کی زیارت کا ذکر کرتے تھے چنانچہ جب حضرت تولد ہوئے تو یہ مجذوب حرم سرائے کی ڈیوڑھی میں پہنچے اور آپ کو باہر منگوا کر ہاتھ پاؤں چوئے اور رخصت ہو گئے۔ سچ ہے مقبولان خدا بنتے نہیں بنائے جاتے ہیں۔

اسے معلوم نہیں یہ کیا ہونے والا ہے

حضرت قبلہ عالم ابھی چار سال کی عمر کو نہ پہنچے تھے اور عربی کا پہلا قاعدہ پڑھتے تھے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر سید فضل دین نماز ظہر کی تیاری کے سلسلہ میں باہر تشریف لے گئے تو آپ کو خانقاہ سے باہر والی جھاڑیوں میں قاعدہ لیے سوتے پایا۔ جگہ سایہ دار نہ تھی اور زمین تمازت آفتاب سے تپ رہی تھی۔ بڑے پیر صاحب نے اُسی وقت اپنے چچا سے ان پر سایہ کیا اور اٹھوا کر گھر بھجوانے کے لیے خادم کو بلا بھیجا۔ جب تک حنادم نہ آیا آپ سایہ کیے کھڑے رہے اور فرمایا یہ ابھی معلوم ہے اسے معلوم نہیں کہ ایک روز یہ کیا ہونے والا ہے۔

بچپن میں عشق الہی کی سرگرمیاں

حضرت قبلہ عالم فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں مجھے آبادی سے ایک گئے نہ وحشت اور ویرانوں میں جی لگنے کا احساس ہوتا تھا میں ابھی اتنا چھوٹا تھا کہ گھر کے دروازوں کی اندروالی درمیانی زنجیر تک میرا ہاتھ نہ پہنچتا تھا اور میں بغیر کسی چیز پر کھڑے ہوتے اُسے کھول نہ سکتا تھا۔ اس لیے شام کے وقت ایک چٹو کو دھکیل کر دروازہ کے قریب رکھ دیتا اور رات کو جب الدین سو جاتے تو اُس چٹو پر چڑھ کر زنجیر کھول کر باہر نکل جاتا اور رات کا بیشتر حصہ سامنے والے پہاڑی نالہ کے کھڈوں اور جھاڑیوں میں گزارتا۔ کبھی ساتھ والے جنگل میں پھر تارہتا۔ جب ذرا بڑا ہوا تو اس وحشت کے ساتھ ساتھ طبیعت میں گرمی اور جدت اس قدر زیادہ ہو جاتی کہ سخت سردی کے ایام میں بھی بعض اوقات نالے کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرتا اور بخ بستہ یعنی جھے ہوئے پانی کے ٹکڑوں کو جسم پر ملا کرتا۔ کبھی کافی رات گئے مطالعہ سے فارغ ہو کر کمرہ سے باہر نکلتا تو موسم سرما کی سرد پہاڑی ہوا کے جھونکوں سے ایسی تسکین ہوتی جیسے گرمیوں میں کسی تشنہ کام کو آبِ مخمک سے ہوتی ہے۔

سات برس کی عمر میں بحالت خواب ابلیس سے قوت آزمائی

سیفِ پستیالی اور مخلوقاتِ جنات میں جس سے کہ سات برس کی عمر میں آپ کی خواب میں شیطان سے قوت آزمائی ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خواب میں شیطان نے مجھے کہا کہ آؤ میرے ساتھ کشتی لڑو جب میں اسے گرائے کے قریب ہوتا تو ال میں خوشی پیدا ہوئی کہ میں خواب آ رہا ہوں مگر پانچ سال بول جاتا اور جب دو مجھے گرائے کے قریب ہوتا تو تائبی سے میری زبان پر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز العظیم جاری ہو جاتا اور وہ خواب ہونے لگتا تین چار مرتبہ اسی طرح ہوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں اسے گرائے میں کا ریاب ہو گیا۔

ابتداء تعلیم

آپ کو شہر آن کریم پڑھنے کے لیے خاندان کے درس میں اور اردو فارسی کے لیے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ فراتنی کم عمری میں کہ خادم اٹھا کر آپ کو لے جاتا اور واپس لاتا۔ مدرسہ کے طلباء نے راولپنڈی جا کر امتحان دیا۔ آپ کو نمبر چوکیدار اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گیا۔ ممتحن انگریز تھا۔ اس نے سب سے پہلے آپ پر ہی سوال کیا کہ بانی کا مصدر کیلئے آپ نے صحیح جواب دیا۔ ممتحن نے ساری جماعت کو یہ کہہ کر پاس کر دیا کہ جب اس قدم سن بچہ ایسا صحیح جواب دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد کی تعلیم اچھی ہے اور پوری جماعت لائق ہے۔

قرآنِ ناظرہ پڑھ کر حفظ ہو گیا

حافظ کی یہ حالت تھی کہ قرآن مجید کا روزانہ سبق آپ زبانی یاد کر کے یعنی حفظ کر کے سنا دیا کرتے تھے جب قرآن مجید ختم کیا تو اس وقت سارا قرآن آپ کو بلا ارادہ حفظ ہو چکا تھا۔ عربی، فارسی اور صرف و نحو کی تعلیم کے لیے جے پیر صاحب نے علاقہ پچھلی (ہزارہ) کے مولوی غلام محی الدین کو مقرر فرمایا تھا جنہوں نے آپ کو کافی تک تعلیم دی۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک روز استاد صاحب نے پوچھا کہ مطالعہ کر کے آتے ہو یا نہیں؟ مجھے اس وقت تک لفظ مطالعہ کا یہ صحیح مطلب معلوم نہیں تھا۔ میں سمجھا مطالعہ زبانی یاد کرنے کو کہتے ہیں اس لیے اگلے روز تمام سبق زبانی سُنایا تو استاد صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔

مادر زاد ولایت پر کرم خوردہ کتاب کی شہادت

ایک مرتبہ مولوی غلام محی الدین صاحب نے زیر سبق کتابِ قطران کے ایک ایسے حصہ کی عبارت یاد کرنے کی ہدایت کی جو کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں جاسکتی تھی جب آپ نے تذکر کیا کہ جو مضمون کتاب میں موجود ہی نہیں اسے کیسے یاد کیا ہو سکتا ہے تو مولوی صاحب نے غالباً آپ کے مادر زاد ولی ہونے کی شہادت کی تصدیق کی غرض سے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ اگر کل یہ عبارت یاد نہ ہوئی تو سزا ملے گی حضرت فرماتے تھے کہ میں آبادی سے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر

مطالعہ وغیرہ کیا کرتا تھا۔ میں نے وہاں بیٹھ کر کتاب کے کرم خوردہ حصہ کو سمجھنے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر سر اٹھا کر کہا: یا اللہ! تجھے تو معلوم ہے کہ یہ عبارت کیا ہے۔ اگر تو مجھے بتا دے تو میں استاد کی سزا سے بچ جاؤں گا۔ یہ کہنا تھا کہ اچانک درخت کے پتوں میں ایک سبزی مائل عبارت نمودار ہوئی جسے میں نے حفظ کر لیا۔ تو وہ غائب ہو گئی۔ میں نے اُسی وقت جا کر وہ عبارت استاد صاحب کو سُنادی۔ اُنہوں نے کچھ شبہ کا اظہار کیا تو میں نے کچھ افشا کیے بغیر کہا کہ مجھے اِس کے صحیح ہونے میں اِس قدر یقین ہے کہ اگر اِس کتاب کا مصنف بھی قبر سے نکل کر آجائے اور کہے کہ یہ غلط ہے تو میں مانوں گا۔ چنانچہ استاد صاحب اِس کی صحت کے لیے اُسی روز راولپنڈی گئے اور ایک مکمل نسخہ سے میری بتلاتی ہوئی عبارت کو صحیح پا کر واپس آکر بصدیحی اِنی اُس کی صحت کا اعتراف کیا۔

موضع بھوتی کے دریں میں داخلہ

[illegible]

بھوتی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ

بھوئی کا ایک طالب علمانہ مناظرہ

بھوئی میں آپ کا ایک طالب علمانہ مناظرہ بہت مشہور ہے جس کی وجہ سے اس کم عمری میں بھی آپ کو اُس نواح میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ بھوئی کے قریبی گاؤں بجاڑ میں ایک شخص فوت ہو گیا۔ اُس وقت کے دستور کے مطابق ورثانے ارد گرد کے معززین، عوام اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کو ختم قرآن و ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں مدعو کیا۔ اس دوران میں بھوئی اور گڑھی افغاناں کے طالب علموں میں کسی علمی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی۔ لوگ حلقہ باندھ کر سوال و جواب شننے لگ گئے۔ حضرت باہر تھے جب وہاں پہنچے تو بوجہ کم سنی جمع کے اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ ایک شخص سے کہا مجھے اٹھا کر لوگوں کے دائرہ کے اندر پہنچا دو۔ اُس نے کہا وہاں ڈاڑھیوں والے طلباء بحث کر رہے ہیں۔ تم بچے ہو کیا کر لو گے۔ آپ نے اصرار کیا

تو اُس نے اٹھا کر آپ کو مجمع کے اندر حلقہ مناسفہ میں کھڑا کر دیا۔ اُس وقت گڑھی افغاناں کے درس کے دو فارغ التحصیل طلبہ آجو ہندوستان میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے گئے ہوئے تھے اور اُن دنوں تعطیلات پر آئے ہوئے تھے بھوئی کے طلبہ سے سوال و جواب کر رہے تھے اور اپنی فصاحت کے باعث اُن پر چھائے ہوئے تھے۔ حضرت نے پہنچتے ہی شافیہ کی عبارت — قال النحیل الاشياء افعالاً وقال الفراء لفعاً — پڑھی اور سوال کیا کہ حسب قاعدہ قال کا مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے یہاں قال الفراء لفعاً میں قال کا مقولہ مفرد ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ مگر اُن میں سے کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد آپ نے اُن سے منطق کا سوال کیا کہ تصدیق مرکب ہے یا بسیط؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ امام رازی کہتے ہیں کہ مرکب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بقول امام رازی تصدیق مرکب ہے تو مقولات قبائیلہ سے ترکیب کا اشکال وارد ہوتا ہے جن سے مرکب چیز محض اعتباری ہوتی ہے واقعی نہیں ہوتی۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ آپ نے کہا سند پیش کرو۔ اُنہوں نے قاضی مبارک کی عبارتیں نوک زبان پڑھنا شروع کر دیں۔ جب وہ ایک عبارت ختم کرتے تو آپ کہتے اس سے رفع اشکال کیسے ہوا۔ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکتے اور کوئی دوسری عبارت پڑھ دیتے۔ آپ پھر وہی سوال دہراتے جب دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو اساتذہ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ جیت گئے اور لوگوں نے مایاں بجانا شروع کر دیں۔ اس شکست پر گڑھی افغاناں کے لوگوں نے اپنے طالب علموں کو بہت شرمسار کیا جس پر وہ اس قدر طیش میں آئے کہ بھوئی میں افواہ پھیل گئی کہ گڑھی افغاناں کے طلبہ نے اس بچے کو رات کے وقت اٹھا لے جانے کی سازش کی ہے۔ چنانچہ کئی روز تک بھوئی والے آپ کی حفاظت کے لیے راتوں کو پہرہ دیتے رہے۔

عید گاہ ماغریب اں کوئے تو

آپ بھوئی کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر گھر پہنچے تو عید الفطر کا موقع تھا۔ حضرت اجی صاحب کو سواری کا بہت شوق تھا۔ اور اکثر شاہ سواری سے موقعوں پر نیزہ بازی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ نماز کے بعد جب لوگ اکٹھے ہونا شروع ہوئے تو آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ عید کی خوشیوں کا منظر دیکھنا چاہتے ہو یا دوست سے ملاقات کی تدبیر کا خیال ہے۔ دل نے جواب دیا وہ دست سے ملنے کی خواہش ہے۔ لہذا موضع انگہ علاقہ نوشہرا ضلع شاہ پور کے مشہور دھڑوت درس میں داخلہ کے خیال سے گھر سے نکل پڑا۔ وہاں میرا ایک بھوئی کا ہم مکتب فقیر نادر دین پہلے ہی داخل ہو چکا تھا وہ رات میں نے یسکی ڈھوک کی مسجد میں بسر کی۔ صبح اُس مسجد کے امام مولوی محمد حسن اپنے صاحبزادے کو مسجد میں شرح جامی پڑھاتے رہے اور مجھے بھی شریک سبق ہونے کو کہا۔ مگر میں نے کہا کہ میرا ارادہ انگہ جانے کا ہے۔ لہذا انصت ہوا۔

یہ جواب ہے کہ اولیٰ ہاں قال یعنی فقط آیا ہے اور ہاں قال یعنی فقط آئے وہاں مقولہ مفرد ہوتا ہے (بحوالہ حواشی شرح جامی) ثانیاً یہاں جملہ الاشياء محذوف ہے بقریہ سابق۔ (مؤلف)

درس انگہ میں شمولیت

موضع انگہ علاقہ سون ضلع شاہ پور سرگودھا میں گولڑہ شریف سے تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ وہاں پہنچ کر فقیر نادر دین کے ذریعہ اُستاد صاحب مولوی سلطان محمود سے متعارف ہوئے۔ فقیر نادر دین حضرت سے عمر میں بڑا تھا۔ اور جب آپ ابتدائی کتب یعنی قطبی وغیرہ پڑھ چکے تھے تو فقیر نادر دین نے معقول کی تمام کتابیں ختم کر لی تھیں۔ مولوی سلطان محمود نے پوچھا کہ آپ کیا پڑھیں گے۔ تو فقیر نادر دین نے اُن کی کم عمری اور بھوئی کے ایام تعلیم کے خیال سے کہا کہ انہیں معقول کا کوئی چھوٹا سا رسالہ شروع کرادیجئے۔ حضرت نے فقیر نادر دین سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ وہ اُس وقت صدرؔ یعنی شرح ہدایت الحکمت مصنفہ صدر الدین شیرازی پڑھ رہا تھا اس لیے تعجب یا شائد طنز کے انداز میں بولا کہ کیا میرے ساتھ ہم سبق ہونے کا خیال ہے، میں تو صدرؔ پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں بھی صدرؔ پڑھوں گا۔ حضرت اُستاد کو تعجب تو ہوا مگر اس سبق کی شرکت کے دوسرے تیسرے روز ہی اُن پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس کتاب کو پڑھنے کی استعداد آپ میں فقیر نادر دین سے کہیں زیادہ ہے۔

ہم درس کا احساس کمتری

فقیر نادر دین پر آپ کی ذہانت اور قابلیت کے کمال کا احساس کچھ اس شدت سے غالب ہوا کہ احساس کمتری کا شکار ہو کر ڈاڑھی منڈوالی اور انگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں اُس نے رام پور کے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا عبدالحق ابن مولانا فضل حق خیر آبادی سے معقول کی کتابوں کی تکمیل کی اور وہیں مدرسہ رام پور میں مُلازمت اختیار کر لی۔ پھر مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن میں ملازم ہو کر اعلیٰ عہدہ پر پہنچا اور وہیں انتقال کیا اُس نے اپنی یادگار اُردو کا ایک رسالہ چھوڑا ہے جو اثبات ہیولی اور اثبات جبل بیط پر لکھا تھا۔ حضرات خیر آبادی کی جو تقریریں ان مشکل مباحث پر ہوتی رہی تھیں، یہ رسالہ اُن ہی مضامین کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔

موروثی جود و ایثار کا مظاہرہ

انگہ میں حضرت کو جو خرچ گھر سے ماہوار پہنچتا تھا آپ اُسے نادار طلباء میں تقسیم فرمادیتے اور خود عموماً روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ شدید اشتہا کی صورت میں طلباء کے جمع کردہ ٹکڑوں میں سے کچھ ترساول فرمالیتے۔ آپ کے اس جود و سخا و ایثار اور ریاضت و مجاہدہ کو دیکھ کر وہاں کے لوگ اور طلباء آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ حضرت نے اس کم عمری کی حالت میں ہی ریاضات و مجاہدات کو اپنا معمول بنالیا تھا جس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔

تم قسیدہ پڑھو میں قسیدہ والے کو بلاتا ہوں

اس نواح میں قسیدہ غوثیہ شریف کے ایک عامل نے لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ اور وجاہت قائم کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ اسے دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور دست بوسی کرتے تھے ایک روز وہ شخص انگہ کی مسجد میں آیا۔ سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے مگر حضرت بیٹھے رہے۔ اُس نے چہیں چہیں ہو کر کہا: اولڑ کے، کیا تو مجھے نہیں جانتا، پڑھوں قسیدہ؟ آپ

نے فرمایا تم قہیدہ چھوڑ دو اور میں قہیدہ مارے کو بجاتا ہوں اس اخلاص سے حال صاحب پر ایک خاص کیفیت جاری ہو گئی
اور اس نے حضرت کنان آپ کے پاؤں کو چھوا۔

ایک سیب زدہ مسجد کو دارالوظائف قرار دینا

اگر کی آبادی سے کچھ فاصلہ پر ایک یہاں مسجد سیب زدہ اور جنات کے مسکن کے طور پر مشہور تھی۔ اور کوئی شخص بھی
نام کے بعد اور کاذب ذکر کرتا تھا لیکن آپ ہمیشہ اس کی غفلت کے بعد وہیں جا کر وظائف میں مصروف ہو جاتے بعد ازاں
واپس آکر مطالعہ سابق و کتب میں منہمک رہتے۔ فرماتے تھے اس مسجد میں جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں بعض وظائف
بآواز بلند پڑھا کرتا تھا اور پڑھتا تھا کہ لوگ بے آرام نہ ہوں۔

جرات و رحم دلی کا مظاہرہ

ایک دفعہ آپ کے اُستاد مہتمم کے طرز کے پاؤں میں درم آگیا جس پر پاؤں مٹنے کے لیے ارنڈ کے پتوں کی ضرورت تھی۔
آپ انگوٹھ سے کچھ فاصلہ پر پہاڑیوں میں سے ارنڈ کے پتے اکٹھے کر کے ایک زوال میں باندھ کر رہے تھے کہ راستہ میں اور
بھیڑ میں نے ایک گدھی کو گلیہ کر لیا۔ اس کا بچہ بے حسنی سے بھائے جان بھاگ بھاگ جانے کے اپنی اس کے اور گدھا گئے اور
پھر گاتنے لگ گیا۔ آپ نے دیکھا تو بے اختیار اُڑ کر وہاں جا پہنچے اور زوال میں بندھے ہوئے پتے بھیڑیوں کے منہ پر لگ گئی
کوٹھڑانے کے لیے مارنے لگ گئے چند کسان کچھ فاصلہ پر مل چلا رہے تھے۔ انہوں نے پتہ کر آپ کو روک کر پایا اور بعد ہی
بھاگ کر وہاں پہنچ گئے مگر اس شہار میں بھیڑیے گدھی کو معمولی زخمی کر کے بھاگ گئے تھے۔ کسانوں نے آپ کو کہا کہ جب
ہندہ شکار پر ہو تو اس کے اور اس کے شکاریں داخل کر کے کی بھی غلطی نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس سے انسان پر بھی حملہ کرنے
سے نہیں ٹوکتا اور پھر آپ تو ابھی بالکل بچے ہیں آپ نے کہا مجھ سے گدھی کے بچے کی حالت نہیں دیکھی گئی جو ماں کی محبت
میں اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بے قراری سے اس کے بعد گدھی بھاگتا رہا۔ اس کے بعد آپ گدھی اور اس کے بچے کو پانگہ کر
بخنڈت گاؤں میں لے آئے۔ اگلے روز جمعہ تھا اور مولانا سلطان محمود نے وقفہ کے دوران اپنے کم فخر شاگرد کی نڈا تری، ہرسم
ایثار و جرات کا تذکرہ کیا جو کافی عرصہ زبان زد عام و خاص رہا۔

خلوت میں جلوت

حضرت کی طبع مبارک پر ابتداء سے ہی عشق الہی کا رنگ غالب تھا۔ جامع آگ پر قیل کا کام کرتا تھا آپ خود بھی نہایت
خوش آواز تھے اور خوش آوازی سے اثر پذیر بھی بے حد ہوتے تھے۔ آپ کی رام گنگو بھی اس قدر شیریں اور دل انگیز ہوا کرتی تھی کہ
سننے والوں کے دلوں میں کیفیت کے طوفان مٹا دیتے تھے۔ ان ایام میں آپ اکثر جنگل اور دیوانوں کو نکل جاتے اور
بآواز بلند عشقیہ اور درد انگیز اشعار پڑھا کرتے آپ کے ہمراہ اس طلباء اور گاؤں کے باقی لوگ بھی بالخصوص انگوٹھ کے فیر دار میاں
علی اکبر آپ کی لاطمی میں ایسے مواقع سے خلعت انداز ہونے کے ہمیشہ مشتاق و منتظر رہتے۔

ایک عابدہ مانی کی پیشین گوئی

ایک دفعہ جمعہ کی رات کو ایک کمرہ میں خفیہ طور پر قوالی کا اہتمام کیا گیا اور آپ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اگلے روز استاد صاحب کے پاس شکایت ہو گئی۔ جنہوں نے باقی طلباء کو تو ذرا سختی سے زبرد توینج کی مگر حضرت کو نرم انداز میں سمجھایا۔ مسجد کے قریب ہی ایک عابدہ مانی رہتی تھیں جو حضرت سلطان بابو کی حضوری سے مشرف تھیں انہوں نے سُن کر کہا کہ آج تو حافظ سلطان اس سید زادے کو ٹوک رہے ہیں، کل جب ان کے مقام اور مرتبے سے آگاہ ہوں گے تو اس کے پاؤں چومیں گے یہ نہایت ہی صاحب کمال ہیچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اور ہر لمحہ اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں خدا کی شان اس پیش گوئی کا ظہور اس طرح ہوا کہ جب آپ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے مجاز ہوئے تو ایک مرتبہ عرس سیال شریف کے موقع پر مولینا سلطان محمود نے آپ کو انگوٹھ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ عرس کے بعد آپ گھوڑے پر سوار استاد صاحب کے ہمراہ انگر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک محنت پر استاد صاحب اپنے گھوڑے سے اترے، اور پیادہ پا ہو کر حضرت کے گھوڑے کے آگے دوڑنے لگے اور آپ کو تاکید اسوار رہنے کا حکم دیا کہ اگر اس کے خلاف کیا تو حجت گریز کے خلاف تصور کروں گا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں سخت شرمندہ تھا مگر قدر دیش بر جان درویش تعمیل حکم کی۔ آخر کچھ فاصلہ اسی طرح طے کرنے کے بعد حضرت کے استاد گھوڑے پر سوار ہو گئے اور فرمایا کہ ایک دفعہ اثنائے سفر سیال شریف اس مقام پر ہی مسافت آپ نے میرے گھوڑے کے آگے دوڑ کر طے کی تھی جس کا میرے دل پر سخت بوجھ تھا اور میں اسے بے ادبی محسوس کرتا رہا۔ الحمد للہ کہ آج اس کی تلافی ہو گئی۔

پھر انگوٹھ پہنچ کر استاد صاحب نے احادیث صحاح ستہ کی تمام کتب کے چیدہ چیدہ حصے سنا کر حضرت سے اجازت حدیث حاصل کی اور آپ کے حسب ارشاد تازیت حدیث شریف ہی پڑھاتے رہے اور منطق و عقول کی تدریس ترک کر دی۔

تعلیم و علم میں انہماک

حضرت کو تعلیم و علم میں اس قدر انہماک تھا کہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے درجہ کے طلباء کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ اور بے اوقات ایسا ہوتا کہ موسم سرما کی طویل راتیں عشا کی نماز کے بعد مطالعہ میں ہی گذرتیں حتیٰ کہ اسی حالت میں صبح کی اذان ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلباء کی اتنی کثرت ہو گئی کہ آپ نے انگوٹھ کا قیام ترک کر کے شکر کوٹ میں رہائش اختیار فرمائی۔ دن کے وقت انگوٹھ میں اپنی تعلیم حاصل کرتے اور شام کو شکر کوٹ جا کر طلباء کو درس دیتے۔

بلانے والے کو سلیقہ ہو تو اہل برنخ جواب دیتے ہیں

حافظ غلام احمد مکنہ پنچہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چک نمبر ۷۷ ضلع سرگودھا میں رونق افروز تھے کہ مسئلہ سماع موتی پر ذکر چھڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بلانے والے کو بلانے کا سلیقہ ہو تو اہل برنخ ضرور سنتے ہیں۔ انگوٹھ کے ایام طائب علی میں میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی پکارتا تھا تو قیسری پکار پر جواب آتا تھا کہ میں نے سُن لیا ہے تم اپنا کام شروع کرو۔ حضرت کی ایک تحریر سے اس لفظ سلیقہ کا مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ پکارنے والے کو اہل برنخ سے خصوصی

نسبت ہونا چاہیے۔

ایک قادی فقیہ کے محبت بھرے جملہ کا حضرت پر اثر

حضرت نے اپنی تصنیف لطیف اعلا کلمۃ اللہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جن دنوں میں بطور طالب علم انگلہ میں مقیم تھا۔ ایک عمر رسیدہ اور مسافر بزرگ شکر کوٹ میں رہا کرتے تھے۔ آپ کا نام بابا نور ماسی مشہور تھا۔ قادی سلسلہ میں حضرت شیخ محمود علی والے کے دست حق پرست پران کی بیعت تھی۔ ہر مہینہ کی گیارہویں کو ایک بکرا یا دنبہ خود پال کر جناب غوث الاعظم کے ختم شریف کے لیے ذبح کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی حلہ و روٹیاں پکا کر فقراء میں تقسیم کرتے۔ اس نیاز مند خادم الاولیاء کو خاص اصرار اور استہمام کے ساتھ شریک دعوت فرماتے اور میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بغیر میری استدعا کے مجھے شغل پاس انفاس کی اجازت فرمائی۔ ایک روز میں شکر کوٹ سے انگہ جا رہا تھا کہ راستہ میں دُور سے میں نے انہیں اُس دُنبے کو چراتے اور اُس کے ساتھ کھیلنے دیکھا جسے وہ گیارہویں شریف کے ختم کے لیے پال رہے تھے۔ باوجود سفید ریش بزرگ ہونے کے ازراہ محبت و فرط شوق کبھی اُسے کندھے پر اٹھاتے اور کبھی زمین پر کھڑا کر دیتے۔ میں نے قریب جا کر سنا تو کہہ رہے تھے۔ اویسے محبوب یا لیلیا! اس جملہ میں محبت و شوق کا ایک ایسا طوفان تھا کہ دل بے حد متاثر ہوا اور خیال آیا کہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کے مطالعہ میں وقت بسر کروں گا اور تدریس وغیرہ نہ کروں گا جب ذرا آگے ہو کر اُن سے ملنے کے لیے بڑھا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ پیر صاحب، جو شخص علم پڑھ کر تعلیم نہیں دیتا وہ ایسا ہے جیسے درخت بے ثمر۔ یہ بات کر کے پھر اُس دُنبے کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ اُن کو حضرت غوث الاعظم کے ساتھ قوی رابطہ تھا۔

استاد محترم کی معیت میں سیال شریف کی حاضری

حضرت کے استاد مولانا سلطان محمود انگوی کی بیعت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی، نظامی، فخری بلیمانی قدس سے تھی۔ وہ سال میں کئی بار سیال شریف ضلع سرگودھا، اپنے پیر و مرشد کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ سیال شریف انگہ سے بائیس کوس کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے شرعی کنارے پر واقع ہے۔ راستہ میں کئی مقامات پر قیام کرتے اور درس تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ حضرت قبلہ عالم ہمیشہ استاد صاحب کے ساتھ جاتے تھے اور حضرت اعلیٰ سیالوی بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آخر حضرت نے سلسلہ چشتیہ میں ان ہی سے بیعت کی جس کا مفصل ذکر اپنے موقع پر آئندہ ابواب میں آئے گا۔

بہ بند و ستال داد خواہم لگام

تقریباً اڑھائی سال انگہ میں تسلیم حاصل کرنے کے بعد جب آپ واپس لوٹے تو درس نظامی سے صرف سلسلہ معقول، ریاضی اور فقہ کی آخری کتب اور حدیث شریف میں صحاح ستہ اور تفسیریں بیضاوی وغیرہ باقی رہ گئیں۔ ان کتابوں کی تعلیم کے لیے اُن دنوں عام طور پر طلباء ہندوستان کے مدارس کا رخ کرتے تھے آپ نے آئندہ تسلیم کے سلسلہ میں ایک روز سکندر نامہ سے قال لی تو یہ شعر نکلا۔

ہم ملک ایران مراشد متام بہ ہندوستان داد خواہم لگام
چنانچہ غالباً ۱۲۹۰ھ کے قریب یعنی فقط پندرہ سال کی عمر میں آپ ہندوستان روانہ ہو گئے۔

مولینا احمد حسن محدث کانپوری سے ملاقات

سب سے پہلے آپ کانپور میں مولینا احمد حسن محدث کے پاس پہنچے وہ سفر حج کے لیے تیار بیٹھے تھے، فرمایا: میاں صاحبزادے میں آج سے آٹھویں روز حج پر روانہ ہو رہا ہوں، اس عرصہ میں دو چار سبق اگر پڑھ بھی لو گے تو اس سے کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ وہاں سے لوٹ کر علی گڑھ مولینا موصوف کے اُستاد حضرت مولینا لطیف اللہ کے درس میں داخل ہو گئے۔

کافی عرصہ بعد جب قبلہ عالم کے علمی و روحانی کمالات کی شہرت ہوئی تو مولینا احمد حسن بہت متاثر ہوئے کہ کاش آپ کو ایک آدھ سبق ہی پڑھا دیا ہوتا۔ آپ کی تصانیف ملاحظہ کر کے، بالخصوص قادیانی معرکہ کے بعد جب حضرت کے علم و کمال کا چار دانگ شہرہ ہوا تو مولینا نے اس حسرت کی تلافی اس طرح کی کہ پیرانہ سالی میں محض آپ کی زیارت کے لیے پاک پتن شریف کا سفر اختیار کیا۔ حضرت کی خدمت میں رہنے والے دو علمائے کرام جناب مولینا محمد غازی و جناب قاری عبد الرحمن جونپوری حضرت مولینا احمد حسن کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ مولینا نے حضرت سے ملاقات کی تقریب پیدا کی۔ اور ایک سال جب آپ عرس حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ العزیز پر پاک پتن شریف میں تھے مولینا احمد حسن بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور جس وقت حضرت قبلہ عالم مزار شریف کی زیارت کے بعد خانقاہِ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر کھلی جگہ پہنچے تو مولینا حضرت کے سامنے آکر اچانک اُن کے قدموں کی طرف جھک پڑے۔ حضرت دیوان سید محمد صاحب سجادہ نشین پاک پتن شریف اور علماء و فقہاء کا ایک حجم غفیر حضرت کی معیت میں تھا۔ علاوہ ازیں عوام کا اُردھام حضرت کے پیچھے پیچھے تھا۔ کسی نے حضرت کے کان میں کہہ دیا کہ یہ مولینا احمد حسن کانپوری ہیں۔ آپ نے فوراً مولینا کو اٹھایا اور بغل گیر ہوئے۔ پھر ساتھ لے جا کر اپنی جائے قیام موتی محل کے نزدیک اُن کی رہائش کا انتظام فرمایا۔ مولینا ہر روز صبح آپ کے پاس آتے اور مودبانہ دروازہ کے باہر بیٹھ جاتے۔ حضرت فوراً اُٹھ کر اُنہیں اندر لے آتے اور اپنے برابر مصطفیٰ پر بٹھانا چاہتے۔ مگر مولینا برپاس ادب معذرت کرتے تو آپ خود بھی مصطفیٰ بٹھا کر اُن کے برابر بیٹھ جاتے۔ دیر تک علمی اور روحانی گفتگو کا سلسلہ رہتا۔ ایک روز مولینا نے کہا: قبلہ میری تصنیع کی عادت نہیں، جہاں دل مانتا ہے، وہیں سر جھکاتا ہوں، میں تو آپ کی دید کو عبادت سمجھ کر حاضر ہوا ہوں۔ مجھے حسرت ہے کہ کاش میں آپ کو ایک سبق ہی پڑھا دیتا۔ اس لیے نہیں کہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتا بلکہ اس لیے کہ آپ کی دُعاؤں میں شمولیت سے مشرف ہو جاتا۔ لیکن اسوس مجھے کیا خبر تھی کہ آپ ایک روز کیا ہونے والے ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی معمر بزرگ کو ایسی نورانی اور جاذب نظر شکل و شبابت کا نہیں دیکھا جیسے حضرت مولینا احمد حسن کانپوری تھے۔ شفاف گندمی رنگ، کشیدہ قامت، سفید ریش اور اعلیٰ درجہ کی لطافت پسندی گفتگو کے وقت گویا منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ اس شانِ علم پر اخلاص و انکسارِ سجدہ۔ آپ کے نیاز کا ذکر فرماتے ہوئے جناب بابو جی کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ مولینا نے مکہ معظمہ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکتی کے مزار پر چھ ماہ قیام کیا اور ہر روز اپنی ریش مبارک سے مزار کو صاف کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! اپنے وقت کے اُستاد الکمل کی

اپنے شیخ کے ساتھ یہ نسبت بنیاداً اور حقیقت کس کی کے غلط و ذمہ کے لیے تمام ہمت و نصرت ہے۔
 کیا پسیدائی لاشعرت تھے ہندوؤں پر آستان کا سے اقبال

ہندوستان کے دینی علوم کے مراکز

حضرت قبلہ عالم جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲۹۹ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں وہیں لکھنؤ، دیوبند، راسم پور، کانپور، علی گڑھ، ادبی اور سہارن پور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے۔

لکھنؤ میں مولانا جتوئی ۱۳۰۲ھ میں مرجع ضائع تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی زیر سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی صلی اللہ علیہ وسلم علی صاحب مدرسہ علی تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرسہ رکھتے تھے۔ مولوی ملک علی موصوف، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولوی ذوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علمائے دیوبند کے اُستاد تھے۔ راسم پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولانا عبدالحق مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے۔ ان کے حواشی یعنی نوٹ، کتب ہائے معقول قاضی وغیرہ پر قابل دید ہیں۔

کانپور میں مولانا احمد حسن مسند آئے تدریس تھے جو کہ اُستاد اعلیٰ مولانا لطف اللہ علیگرہمی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ معقول کی مشہور کتاب محمد اللہ اور مثنوی مولانا دہم کے حواشی سے آپ کے تخریج علی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی کے مرید خاص تھے۔ اور اگرچہ علمائے دیوبند کو بھی حضرت حاجی صاحب سے شرف بیعت حاصل تھا اور اس لحاظ سے مولانا احمد حسن کے پرہیزگاری تھے لیکن بعض مسائل میں مولانا کو ان سے اختلاف رہا جس پر حاجی صاحب نے مکر شریف سے ایک رسالہ ہفت مسئلہ بطور محاکمہ تحریر فرما کر بھیجا جو مسائل اختلافیہ میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اور علمائے کرم کے لیے محبت ہے مسئلہ امکان نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا احمد حسن نے مسائل لکھے ہیں جن میں مولوی اسماعیل صاحب بلوی کی پُر زور تردید کی ہے۔ علمائے خیر آبادیہ واسماعیلیہ کے اس اختلاف پر حضرت قبلہ علیہ السلام کا تبصرہ باب تصنیفات میں آئے گا۔

اُستاد اعلیٰ مولانا لطف اللہ علیگرہمی المتوفی ۱۳۳۲ھ

علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ کی ذات گرامی شہرہ آفاق تھی۔ آپ مفتی عنایت احمد کے شاگرد و رشید تھے جو مولانا بزرگ علی علیگرہمی متوفی ۱۲۶۲ھ اور مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ کے مشہور شاگرد تھے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور جانشین تھے۔ مفتی صاحب کافی عرصہ علی گڑھ میں اپنے اُستاد مولانا بزرگ علی کے مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ اور اُسی زمانہ میں مولانا لطف اللہ آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ مفتی صاحب بعد میں حکومت کی طرف سے بعدہ منصف مقرر ہو گئے تھے۔ اور آپ نے مولانا لطف اللہ کو اپنا سررشتہ دار مقرر فرمایا۔ اسی دوران میں تحریک آزادی ہند شروع ہوئی۔ اور مفتی صاحب نے انگریز حکومت کے خلاف خان بہادر خان روسلیکھنوی کا ساتھ دے کر جہاد میں حصہ لیا اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر انگریزوں نے ۱۳۱۹ھ میں غدر کے

دیگر مجاہدین کے ساتھ آپ کو بھی بطور سزا جزا رائد میان میں عرقید کے لیے ملک بدر کر دیا۔ جہاں آپ نے بغیر مطالعہ و حوالہ جات کتب محض یادداشت سے چھ کتابیں تصنیف فرمائیں جو بہ تفصیل ذیل ہیں :-

(۱) علم الصیغہ - (۲) وظیفہ کریمہ - (۳) نجمتہ بہار - (۴) احادیث الحبیب المستبرکہ - (۵) ترجمہ تقویم البلدان، اور (۶) تواریح حبیب اللہ۔ جن میں سے ترجمہ تقویم البلدان ایک انگریز افسر کو بہت پسند آیا اور یہی بات بظاہر آپ کی رہائی کا سبب ہوئی۔ آپ کی ہندوستان میں مراجعت پر آپ کے شاگرد مولانا لطف اللہ نے یہ تاریخی و باطنی لکھ کر پیش خدمت کی ہے

چوں بفضل حلالی ارض و سما استادم شد ز قید عنم رہا
بہر تاریخ خلاص آل جناب بر نوشتم ان استاذی نجایا

۱۲۷۷ھ

ہندوستان آکر آپ نے کانپور میں مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ ۱۲۷۹ھ میں بارادہ حج روانہ ہوئے۔ جدہ کے قریب جہاز ایک پہاڑی سے ٹکرا کر غرق ہو گیا جس میں یہ علم کا آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ آپ ایک اعلیٰ پیمانہ کے مصنف و مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے مدبر اور مجاہد بھی تھے۔ حج پر روانہ ہونے کے وقت اپنے شاگرد مولانا لطف اللہ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے جنہوں نے ابتداء کانپور اور پھر علی گڑھ میں علوم دینیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ہندوستان کی علمی دنیا نے ان کا استاذ العلماء کے خطاب سے اعتراف کیا۔ اس دور کے نامور علمائے دین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جس نے استاذ العلماء کے گلشن علم سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اس وقت مولانا کی شاگردی فضل و کمال کی سب سے اعلیٰ اور بلند ترین سند شمار ہوتی تھی مولوی عبدالحق دہلوی مصنف تفسیر حقانی، مولانا عبدالغنی کانپوری، مولانا شاہ محمد علی رحمانی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی جیسی برگزیدہ ہستیاں آپ کے شاگردان میں سے ہیں۔ حیات شیخ الہند مصنف سید اصغر حسین شاہ دیوبندی میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر علمائے دیوبند کے مشہور پیشوا مولانا محمود الحسن دیوبندی تقریر کر رہے تھے کہ مولانا لطف اللہ علیگری جی جلسہ میں تشریف لائے مولانا محمود الحسن نے آپ کو دیکھتے ہی ہنساؤ ادب و احترام تقریر ختم کر دی۔ اسی طرح علمائے بریلوی کے مشہور پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی آپ کا جید احترام فرماتے تھے مولانا سید محمود شاہ خاں راولپنڈی جو مدت تک مولانا لطف اللہ کے مدرسہ علی گڑھ میں مدرس رہ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی فتویٰ کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا خاں اور مولانا لطف اللہ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی مگر بعد میں شلح و صفائی ہو گئی اور دوستانہ مراسم قائم رہے مولانا لطف اللہ کے اکثر فارغ التحصیل شاگرد مولانا احمد رضا خاں کے کہنے پر ان کے مدرسہ میں بطور مدرس بھی ملازم ہوتے رہے جیسا کہ حیات اعلیٰ حضرت بریلوی میں تحریر ہے۔

بہر حال ہندوستان کے مدارس علمیہ میں سے علی گڑھ کا انتخاب حضرت قبلہ عالم کے مسلک اعتدال کا مظہر ہے۔ حضرت مولانا لطف اللہ علمائے ربانیین کا نمونہ اور زبدہ تقویٰ اور خدا پرستی کا مجسمہ تھے طبیعت بے حد مرخاں و مرخج پائی تھی۔ علمائے ہم عصر کے ساتھ بعض فردی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کے خلاف تعصب اور تشدد کا کبھی اظہار نہ فرمایا۔ آپ کی مقبولیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی ہر طبقہ کے علماء کے دل میں آپ کا بے حد

احترام تھا۔ آپ کی سادگی اور پرہیزگاری کا ایک واقعہ حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک موقع پر کسی شاہی کی تقریب میں آپ مستورات کے ہمراہ پہلی میں سوار ہو کر سفر فرما رہے تھے کہ راستہ میں راہزنوں نے گھیر لیا۔ آپ نے پوچھا بھئی جان چاہیے یا مال؟ انہوں نے جواب دیا۔ مال۔ آپ نے کہا اچھا مستورات کے پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے الگ کھڑے رہو۔ میں خود ہی سب زیورات اتروا کر تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جب ڈاکو سب کچھ لے کر چل دیے تو ایک پختی نے ماں سے کہا، اماں، دیکھو میں نے یہ زیورہ بچا لیا ہے۔ جو نہی مولینا کے کان میں یہ آواز پہنچی، فرمایا، افسوس، تم نے مجھے اپنے وعدہ میں جھوٹا کر دیا۔ اور اسی وقت وہ زیورہ لے کر ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑے اور پکارتے جاتے تھے کہ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ وہ دور سے کشتیاں نہیں کوئی مدد پہنچ گئی ہے اس لیے اور تیز تیز چلنے لگے۔ لیکن مولینا کو اکیلا دیکھ کر بالآخر ٹھہر گئے۔ مولینا نے پہنچ کر ہانپتے ہوئے لڑکی کا زیورہ پیش کر کے معذرت کی کہ بھئی میری لاعلمی میں یہ زیورہ رہ گیا تھا۔ اور اس طرح وعدہ خلافی ہو گئی ہے۔ ڈاکوؤں پر اس سادگی اور راست بازی کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ تمام لوٹا ہوا مال اُن کو واپس کر دیا۔

ان ہی پاک منش بزرگان دین کے انھاس قدسیہ کی برکت تھی کہ ایسے نازک دور میں جب کہ حکومتِ برطانیہ اور اُس کے ہواخواہ ہندوستان میں علومِ اسلامیہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکے تھے، مدارسِ اسلامیہ کا وجود باقی رہا اور علومِ دین کے سرچشمے جاری رہے۔ حضرت مولینا اور آپ کے اساتذہ کرام کے حالات پر کتابِ اساذ العلماء مؤلفہ نواب حبیب الرحمن خان شروانی اور تذکرہ مشاہیر کاکوری مؤلفہ مولوی محمد علی حبیب، قابلِ دید ہیں۔

علی گڑھ کے درس میں تحصیلِ علم

علی گڑھ میں حضرت نے قریباً اڑھائی برس تعلیم حاصل کی اور اپنی قابلیت، بلند اخلاقی اور مثالی کردار کے باعث مولینا طیف اللہ اور دیگر اساتذہ کرام و ہم محبتوں میں جو مقبولیت و توقیر آپ کو حاصل ہوئی اُس کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔

یورپی امتحان کا اعترافِ کمال

جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور نے اپنے مسودات میں تحریر کیا ہے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم کی زبانی سنا تھا کہ اُس زمانہ میں سرسید احمد خاں نے خیال کیا کہ مدارسِ عربیہ کی اصلاح کی جائے اور جس مدرسہ کی تعلیم ناقص ہو اُسے بند کر کے اُس کا چندہ آمدنی علی گڑھ کالج کے مصرف میں لائی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولینا طیف اللہ سے کہا کہ آپ اپنے مدرسہ کا سالانہ امتحان دلویا کریں۔ تاکہ ایک تو سال بھر کی تعلیم کا اندازہ ہو سکے، دوسرا امتحان کے خیال سے طلباء کو زیادہ محنت کرنے کی رغبت ہو۔ چونکہ اکثر طلباء پنجابی اور پٹھان تھے جو اچھی طرح لکھائی نہ جانتے تھے، اس لیے مولینا اس بارہ میں قدسے متامل ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم نے کہا آپ فکر نہ کریں ہم تقریری یا تحریری فرسٹم کے امتحان کے لیے تیار ہیں جس پر خوش ہوئیں تھے اور مشہور خوشنویس غشی غلام احمد سکنہ کجی کی سے باقاعدہ مشق کی ہوئی تھی غشی غلام احمد تمام مرآتِ خطوط سے واقف تھے اور ان پر عبور رکھتے تھے۔ یہ اپنی آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے حضرت نے ان کی گذراوت کے لیے وظیفہ مقرر فرما لیا تھا اور آخر وقت تک ان کی خبر گیری فرماتے رہے تھے حضرت کے اس فرمان پر مولینا طیف اللہ بہت خوش ہوئے اور طلباء کا امتحان دلوانا منظور فرمایا۔ سرسید نے اپنے طور پر ایک یورپ کے رہنے والے عالم و فاضل کو امتحان لینے

کے لیے بلوایا تھا۔ مولینا نے امتحان سے ایک روز قبل آزمائشی طور پر خود طلباء کا امتحان لیا اور حل کے لیے اقلیدس کا پرچہ دیا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اقلیدس کی شکل مسئلہ کا پہلے وہ جواب تحریر کیا جو اقلیدس میں دیا ہوا ہے۔ پھر اُس پر اپنی طرف سے اشکالات و اعتراضات کیے اور شکل مسئلہ پر اپنا حل تحریر کیا۔ مولینا نے میرے جوابات کو بے حد پسند فرمایا اور انہیں ایک نفاذ میں بند کر کے مٹمن صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اگلی صبح تمام طلباء اُجلے کپڑے پہنے، کاغذ قلم و دوات لیے صف بنا کر مٹمن صاحب کے انتظار میں بیٹھے رہے مگر وہ تشریف نہ لائے جب بہت دیر ہو گئی تو سرسید کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ مٹمن صاحب رات کو بغیر بتائے چلے گئے ہیں اور پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ جو طلباء اقلیدس پر اعتراض کر سکتے ہیں، مجھ میں اُن کا امتحان لینے کی اہلیت نہیں بلکہ اپنی سُکی کا اندیشہ ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ مولینا یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے بہت دُعائیں دیں کہ تم نے ہمارے مدرسہ کو بچا لیا اور نہ سرسید اسے ختم کر دیتے۔

ایک مجذوب کا اظہارِ حیرت

حضرت فرماتے تھے کہ ایک روز میں اپنی باری پر ہدایہ شریف کا سبق لینے مولینا کے کمرہ کی جانب جا رہا تھا چونکہ مطالعہ کا موقع نہ ملا تھا اس لیے جاتے ہوئے سر پر بگڑی بھی لپیٹا جاتا تھا اور کتاب کھول کر مطالعہ بھی کرتا جاتا تھا۔ مسجد میں حوض کے کنارے ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ اُس نے باواز بلند پکار کر کہا پیر جی، مرغینانی نے اس کتاب کو اٹھارہ سال میں لکھا ہے اور آپ چلتے چلتے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ (مرغینانی سے اُن کی مراد مصنف ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی تھا)

طالب علمی میں جو دو کرم اور ریاضت و مجاہدہ کی شان

علیگڑھ آنے پر بڑے پیر صاحب نے حضرت قبلہ عالم کے لیے ساٹھ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا تھا جو ماہ بسا وقت معینہ پر پہنچا رہتا۔ مگر حضرت اس قسم کو طلباء میں تقسیم فرما دیا کرتے اور خود اکثر روزہ یا فاقہ سے رہتے۔ آپ کے ہم جماعتوں میں سے کئی طلباء شہر کی مساجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور جمعرات کو بہت سا کھانا لاکر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتے کہ لے کھا لے۔ مگر ہفتہ بھر کا فاقہ زدہ کھاتا تو کیا کھاتا۔ چند لقمے تناول فرما کر سب کچھ واپس کر دیتے۔

مولینا عبد اللہ ٹونکی سے ایک طالب علمانہ بحث

مولانا شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کے قیام علیگڑھ میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جو میں نے خود آپ کی زبانی سنا۔ حافظ عبد القدوس سکھ مکھڑ ضلع کیمبل پور، صرف و نحو کے بڑے ماہر تھے اور تمام درسی کتابیں اُن کو یاد تھیں۔ اہستہ لانی تعلیم پنجاب میں اور باقی تمام علوم کی تحصیل مولینا نطف اللہ علیگڑھ ہی سے کی تھی۔ وہ سال دو سال کے بعد ہمیشہ حضرت مولینا کی زیارت کو علی گڑھ آتے اور کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے۔ اتفاقاً حافظ صاحب کی موجودگی میں مولینا عبد اللہ ٹونکی بھی جو مولینا کے شاگرد تھے اور مدرسہ فچپوری دہلی کے اول مدرس تھے، حضرت مولینا کی زیارت کو آئے۔ مولینا عبد اللہ کے حافظ عبد القدوس سے بھی تعلقات تھے۔ حافظ صاحب نے حضرت قبلہ عالم سے کہا پیر جی، یہ مولوی عبد اللہ اپنے علم پر بہت نازاں ہیں۔ ان سے کچھ

علی گشت گو ہو جائے تو خوب رہے گی۔ چنانچہ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا طغٹ اللہ سے جماعت کو سبق پڑھانے کے دوران جب کہ مولانا ٹونکی بھی حاضر تھے کسی بڑکے نے کوئی سوال پوچھا۔ مولانا عبد اللہ نے اپنے استاد محترم کی اہانت کے بغیر پیش دستی کر کے اسے جواب دیا۔ حضرت قبلہ عالم کو استاد عالی پر ان کی یہ سبقت ناگوار گذری۔ آپ نے استاد محترم کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے سے اشارہ پا کر، علم نحو کی زیر سبق کتاب کا فیہ کی ابتدائی عبارت الکلمۃ لفظ وضع بلغنی منہ کے متعلق مولانا عبد اللہ ٹونکی سے سوال کیا کہ مفرد کو مجرور پڑھنا جائز ہے یا نہیں، مولوی عبد اللہ صاحب جواب دیا جائز ہے۔ حضرت نے اعتراض کیا کہ جس وقت کسی فعل کا تعلق کسی اسم موصوف سے ہو تو انصاف حالت تعلق کے وقت ہوتا ہے۔ یہاں بلغنی کا تعلق وضع سے ہے اور بتقدیر جرح معنی موصوف ہو گا۔ پس لازم آئے گا کہ معنی کا افراد بحالت وضع ہو حالانکہ وضع افراد و ترکیب کا سبب ہے اور مستب سبب کے بعد ہوتا ہے۔

مولانا عبد اللہ نے فرمایا کہ آپ نے اعتراض میں غلطی کی ہے، آپ کو کہنا چاہیے تھا کہ انصاف تعلق سے قبل ہوتا ہے نہ کہ حالت تعلق میں۔ حضرت نے فرمایا کہ جاف فی الترجل التراكب میں رکوب محلی سے پہلے نہیں ہو گا بلکہ محلی اور رکوب کی معارفت ہے۔ مولانا عبد اللہ نے کہا کہ شرح جامی میں تو قبل الوضع کا لفظ موجود ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مولوی عبد اللہ حکیم سیالکوٹی نے حاشیہ الغنوری میں لکھا ہے کہ قبل الوضع کا لفظ سہو من النسخ ہے اور صحیح نسخہ میں مع الوضع ہے۔

یہاں مولوی عبد اللہ صاحب غیوش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر جناب مولانا طغٹ اللہ نے کتاب بند کر کے سبق ختم کر دیا اور حضرت کی تقریر سے بہت خوش ہوئے۔ حافظ عبد القدوس نے اپنی خوشی کا اظہار عجیب عجیب طریقوں سے کیا جس کا علم ہونے پر مولوی عبد اللہ صاحب بہت طیش میں آئے اور اگلے روز مدرسہ میں آکر حضرت کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دینے لگے۔ مگر حافظ عبد القدوس کے سمجھانے سے مرعوب ہو کر لوٹ گئے۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ یہی مولانا عبد اللہ ٹونکی حضرت کی تصانیف پڑھ کر عیش عیش کرتے تھے۔ اور جب لاہور میں قادیانی معرکہ کے وقت حضرت نے علمائے اہل سنت و اہل حدیث کے سامنے قادیانی مسلک کی جانب سے اُن پر امتحان سوالات کر کے اُن کے جوابات بھی دیئے تو مولوی عبد الجبار غزنوی اور مولانا عبد اللہ ٹونکی نے بیک زبان دیگر علماء کے ہمراہ اعلان کیا کہ قادیانی مذہب کا آپ کے دلائل و جوابات سے بہتر جواب ممکن ہی نہیں۔ جناب بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مولوی عبد اللہ ٹونکی نے انگریز حکومت میں بنکوں کے سود کے بعض حالات میں جائز ہونے پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جسے لاہور کے سفر کے دوران حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کر کے رائے تحریر فرمانے کی عرض کی تھی۔ حضرت نے انہیں تخلیہ میں سمجھایا کہ میری رائے اس موقف کے خلاف ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی رائے تبدیل کر کے رسالہ واپس لے لیا اور آئندہ حضرت کے موقف کے مطابق رہے۔

طالب علمی میں رشک انگیز تدبیریں

مدرسہ علی گڑھ میں حضرت کا بہت شہرہ ہو گیا تھا۔ استاد صاحبان اور طلبا سب ہی آپ کی ذہانت اور نکتہ رسی کے قائل اور معترف تھے۔ طلباء کا رجوع آپ کی طرف اس قدر ہوا کہ یہاں بھی آپ کو اپنا ایک علیحدہ درس قائم کرنا پڑا۔ ایک چٹان طالب علم محمود نامی بھی اپنی قابلیت کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور کچھ طالب علموں کو درس دیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت

کے کمال کے پیش نظر اکثر طلباء کے بعد پھر سے محمود صاحب کو چھوڑ کر آپ کے درس میں آنے لگے۔ حتیٰ کہ محمود صاحب کے پاس صرف ایک طالب علم رہ گیا جسے اُس نے کہا کہ اگر تم نے بھی مجھے چھوڑ کر پیر کے پاس سبق شروع کر دیا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

ایک روز یہ طالب علم حضرت کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں آپ کے پاس پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے درس میں آنے کی اجازت بھی دیں۔ اور محمود صاحب سے میری حفاظت بھی کریں۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک آجاؤ، میں پڑھاؤں گا بھی اور انشاء اللہ تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ چنانچہ وہ آگیا۔ ایک رات محمود نے مسجد کے اندر سے گنڈی لگالی اور اُس طالب علم کے سینہ پر چڑھ کر اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو طالب علم نے شور مچا کر حضرت کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے بڑی مشکل سے گنڈی کھلوائی اور اُس پٹھان کو نیچے پھینک کر، اُس کے سینہ پر سوار ہو کر اُس سے عہد لیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

ذہنی اور روحانی قوی کے ساتھ جسمانی طاقت

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ذہنی اور روحانی قوتوں کے ساتھ ساتھ حضرت کو جسمانی قوتوں سے بھی نوازا تھا۔ گو آپ کا بیشتر وقت تحصیلِ علم اور عبادتِ الہی میں بسر ہوتا تھا۔ اور شاید گھوڑے کی سواری کے علاوہ عمر بھر کسی دوسری ورزش کا اہتمام نہ ہو سکا لیکن آپ کی صحت اور اعصاب باقاعدہ ورزش کرنے والوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ حتیٰ کہ ساتھ برس کی عمر تک آپ کے بازوؤں پر چمچکی نہیں لی جاسکتی تھی۔

جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک عقیدت مند پہلوان نے کشتی میں فتح و کامیابی کے لئے دعا کی است دعا کی تو فرمایا ذرا پاؤں تو دابو، دیکھیں تم میں کتنا زور ہے۔ اُس نے تھوڑی دیر تک پوری قوت سے آپ کے پاؤں دابے اور پھر اُس کا پسینہ پھوٹ نکلا مگر آپ خاموش بیٹھے رہے۔ آخر مسکرا کر فرمانے لگے۔ بس اسی بل بوتے پر پہلوانی کرتے ہو۔ حالانکہ وہ بہت مضبوط جسم اور طاقتور انسان تھا۔

علی گڑھ میں تقسیم سے فابریغ ہو کر آپ نے کوئی سند وغیرہ حاصل نہ کی کیونکہ مدارسِ اسلامیہ میں عام طور پر صرف سندِ حدیث کو کافی سمجھا جاتا تھا جس کے حصول کے لئے آپ بالاحسن سہارن پور میں مولیٰ سنا احمد علی محدث کے درس میں جا کر داخل ہو گئے۔

مولیٰ لطف اللہ سے ملاقات کے لیے دوبارہ سفر ہند و حصولِ سند

حضرت کے مسند ارشاد پر چٹکتے ہوئے کے کافی عرصہ بعد آنجناب کے فرزند ارجمند حضرت بابو جی مدظلہ العالی ہندوستان میں گئے اور اپنے والد ماجد کے استاد محترم مولیٰ لطف اللہ کی زیارت کے لئے علی گڑھ بھی حاضر ہوئے۔ آپ کے ہمراہ ننگر عالیہ کے خادم میاں عبداللہ اور چاندی نامی خدمت گار بھی تھے۔ آپ نے انہیں منع فرمایا کہ گورنہ کا ذکر نہ کرنا۔ چنانچہ مولیٰ لطف اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کچھ بدیہ پیش کر کے دعا کے لئے استدعا کی تو آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آئے ہو؟ جناب بابو جی نے عرض کی کہ راولپنڈی کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے وہاں سے حاضر ہوا ہوں۔ اس دوران میاں عبداللہ کے منہ سے خیر ارادی طور پر گورنہ شریف کا نام نکل گیا۔ حضرت مولیٰ لطف اللہ نے ضعیف العمری کے بھانپ گئے اور فرمایا، اچھا، وہاں

تو ہمارے ایک عزیز بستے میں، تم اُن کے ذہن تو نہیں ہو، جواب میں جی ہاں عرض کرنے پر مجید شفقت سے پیش آئے اور فرمایا تم ہمارے عزیز کے عزیز ہو۔ اس کے بعد عجیب سے شکوہ آمیز آواز اس لہجہ میں فرمایا کہ اُنہوں نے تو میں بخدا ہی دیا۔ جناب بابو جی فرماتے ہیں کہ اس مجلہ کا میری طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ اور واپس آتے ہی حضرت کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے بھی بہت محسوس فرمایا۔ اور کچھ عرصہ بعد بہت سے تحائف لے کر علیگڑھ اُستاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت ولیسنائے اللہ اُس وقت ہندوستان میں اُستاد اکل تھے اور آپ کے شاگردوں کا سلسلہ ملک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت قبلہ عالم کے درود علیگڑھ کاٹن کر بے شمار علمائے کرام جمع ہو گئے۔ اور کئی روز تک علوم و معارف کی مجالس گرم رہیں۔ افسوس ان شاندار علمی صحبتوں کی روداد کسی نے محفوظ نہ کی۔ اور نہ ان مجالس کے شرکاء میں سے اس وقت کوئی زندہ ہے جس کی زبانی یادداشت سے ہی کوئی بات معلوم ہو سکتی۔ جناب بابو جی مدظلہ اس سفر میں ہمراہ نہ تھے اس لئے وہ بھی اس موضوع پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکتے۔ بہر حال آپ کے اس قیام علیگڑھ سے آپ کے علمی و عرفانی کمالات کا شہر ہندوستان کے طول و عرض میں ہو گیا۔ مولیٰ سید محمود شاہ جو اُن ایام میں وہاں مدرس تھے رخصتوں پر اپنے وطن پشاور آئے ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب میں واپس ڈیوٹی پر پہنچا تو ہر جگہ شمع و شام حضرت قبلہ عالم کا ذکر خیر ہی سُننے میں آیا اور مولیٰ لطف اللہ صاحب اور دیگر علمائے کرام آپ کی علمی و عرفانی صلاحیتوں اور معلومات کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اُس وقت سے میرے دل میں حضرت کی عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور اگرچہ میں ایک سخت خیال انسان تھا یہ عقیدت مجھے کشاں کشاں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر لے آئی۔ مگر افسوس کہ مجھے یہ حاضری اُس وقت نصیب ہوئی جب حضرت قبلہ عالم اس دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

مولیٰ لطف اللہ کی طرف سے عطیہ سندات

حضرت قبلہ عالم کے اس سفر کی اہم یادگار یہ ہے کہ مولیٰ لطف اللہ صاحب نے حضرت قبلہ عالم کو قرآن مجید، کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ اور بعض خصوصاً احادیث کی سندات عطا فرمائیں جو اس وقت تک تبرکات عالیہ میں محفوظ ہیں۔ یہاں تبرکات بعض اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

ار اجازت نامہ کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ | اس اجازت نامہ میں خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

وبعد فیقول خادم المحدثین المہدیین
لطف اللہ ابن اسد اللہ اخی اجزت الاخ
الاعز المولوی الفاضل سید محمد مہر علی شاہ
سلمہ اللہ تعالیٰ بروایۃ کتب الصحاح وغیرہا
کما اجاز فی بہا عمدۃ المحدثین الشیخ الاجل
مولینا آل احمد بن محمد امام ابن نعمۃ اللہ
الفلواری البھاری الذی

حمد و صلوة کے بعد محدثین مہدیین کا خادم لطف اللہ
بن اسد اللہ کہتا ہے کہ میں کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ
کی روایت کی اجازت برادر عزیز مولوی فاضل سید محمد مہر علی
شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو دیتا ہوں جس طرح عمدۃ المحدثین شیخ
ابن مولینا آل احمد بن محمد امام ابن نعمت اللہ خپلواروی
ہماری نے مجھے کتب مذکورہ کی روایت کی اجازت
فرمائی۔

اس کے بعد سند میں تمام کتب کے مصنفین تک سلسلہ اسناد کو ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ اجازت نامہ مشکوٰۃ شریف | یہ اجازت نامہ مولانا مفتی عنایت اللہ کاکوروی کی سند متصل کے ساتھ مصنف کتاب علامہ خطیب تک پہنچا ہے۔ اس کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:-

انی اجزت الاخ العزيز السعيد الفاضل اللورنى
سيد محمد مهر على شاه افاض الله عليه
سبحال المن والاحسان للكتاب المذكور
وفقه الله لتدريسه والاستفادة بانواره و
اخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة
والسلام على جيبه سيد المرسلين محمد و
آله واصحابه اجمعين

میں برادر سید فاضل ذکی سید محمد مهر علی شاہ (جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی بہترین نعمات و احسان سے مستفیض فرمائے) کو اس کتاب مذکور کی اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تدریس اور اس کے انوار سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ واللہ رب العالمین اور صلوٰۃ و سلام اللہ تعالیٰ کے حبیب سید المرسلین محمد مصطفیٰ اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر ہوں۔

۳۔ اجازت نامہ قرآن مجید، ترجمہ و تفسیر خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

اما بعد می گوید محمد لطف اللہ بن محمد اسد اللہ غفر لہما کہ بعض سور قرآن مجید شہید از عزیز دل و جانم مولوی حاجی سید محمد مهر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ و ایشاں را اجازت بہت کہ تعلیم حضرت قرآن مے کردہ باشند و امور موقوف علیہ قرآن را از رسائل و کتب ثقات تحقیق کردہ باشند و اس فقیر را سند و اجازت حضرت قرآن از خدمت حضرت مولیا قاری محمد عبد الرحمن غفر لہ پانی تی حاصل شد و ایشاں را از خدمت حضرت مولیا محمد اسحاق صاحب قدس مہر حاصل شدہ الی آخر سندہ

اس کے بعد محمد لطف اللہ بن محمد اسد اللہ غفر لہما کہتا ہے کہ میں نے قرآن مجید کی بعض سورتیں اپنے دل و جان کے عزیز مولوی حاجی سید محمد مهر علی شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ سے سنی ہیں۔ انہیں اجازت ہے کہ حضرت قرآن کی تعلیم دیا کریں۔ اور جن امور پر قرآن مجید موقوف ہے اُن کی تحقیق معتبر کتب و رسائل سے کرتے رہیں۔ اس فقیر کو قرآن مجید کی سند اور اجازت حضرت مولیا قاری عبد الرحمن صاحب پانی تی غفر لہ سے حاصل ہوئی۔ انہیں حضرت مولیٰ محمد اسحاق قدس سرہ سے ملی۔

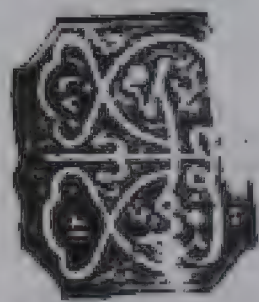
۴۔ اجازت نامہ حدیث ضیافت الاسودین | یہ اجازت نامہ بھی اسی سابقہ سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات گرامی تک متصل ہے۔ اس حدیث کی اجازت آپ نے بعض علمائے کرام کو بھی عطا فرمائی۔ چنانچہ ایک اجازت نامہ حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی کے نام پر مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے۔ اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ مجھے استاد نے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے پانی اور کھجور کی ضیافت سے بھی نوازا۔ پانی اور کھجور کو اہل عرب اسودین کہتے ہیں اور مسلمان کی ضیافت کرنے کی فیضیت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک مومن کی ضیافت کی اُس نے گویا حضرت آدم کی ضیافت کی جس نے دو کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرات آدم و حوا کی ضیافت کی جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی۔ اُس نے گویا حضرات جبرائیل، میکائیل و اسرافیل کی ضیافت کی۔ چار کی صورت میں تورات۔ انجیل۔ زبور اور قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل کیا۔ پانچ کی صورت میں گویا پیدائش عالم سے قیامت تک پانچوں نمازیں باجماعت ادا کیں۔ چھ کی حالت میں گویا اولاد اسماعیل سے ساٹھ غلام آزاد کئے۔ سات کی صورت میں اُس پر ہنم کے ساتوں دروازے بند کئے گئے۔ آٹھ میں جنت کے آٹھوں دروازے اُس پر کھولے گئے۔ نو کی حالت میں

بسم العبد الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسول محمد وآله وصحبه أجمعين أما بعد فقبول العبد الرضائي الى حرمه بعد محو الخطايا عن نفسه
اجازتي بهذه الرسالة اثر توفيقه بكتبت بحمد جده في هذا اليوم الاول من شهر ربيع الاول سنة الف وثمان مائة وثمانين
هجرية بمحرم الثامن الاخير من شهر ربيع الاول في الثاني من شهر ربيع الاول سنة الف وثمان مائة وثمانين
هجرية بمحرم الثامن الاخير من شهر ربيع الاول في الثاني من شهر ربيع الاول سنة الف وثمان مائة وثمانين
هجرية بمحرم الثامن الاخير من شهر ربيع الاول في الثاني من شهر ربيع الاول سنة الف وثمان مائة وثمانين
هجرية بمحرم الثامن الاخير من شهر ربيع الاول في الثاني من شهر ربيع الاول سنة الف وثمان مائة وثمانين
هجرية بمحرم الثامن الاخير من شهر ربيع الاول في الثاني من شهر ربيع الاول سنة الف وثمان مائة وثمانين

محرم الثامن



بسم الله

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيرة محمد وآله
واما بعد فبقول البديع الاحي رحمه الله تعالى
احمد على المساهمة ان مولوي ميثا شاه ربي بن الويت
كوليه صنع بر اول بندي قد عرض على النصف الاول
من الصبح للبحر وواكثر الصبح لمحمد الله تعالى
وانى قد عرضت الكتابين عليهما على التمسح والمولانا اعظم
مولوي محمد اسحق لد هلي رحمه الله تعالى وقد اجاز
ولما اجيز للمولوي ميثا شاه ان يشتغل بالكتابين وغيرهما
كتاب الحديث وبعده المستفاد بها ما شرط المعبر
المعبر عند اهل الحديث وبالمراجحة الى الشرح والله اسدنا
وعليه السلام والآخر مولانا محمد اسحق ربي بن الويت
سنة خمس وسبعين ^{١٢٩٥} هـ والهاجرة المحجة

اللہ تعالیٰ اُس کے لئے تمام گنہگاروں کے عہد کے برابر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ دس مسلمانوں کی ضیافت کی صورت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے، حج اور عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔

حدیث متذکرہ بالا کے بعض راویوں کے تعلق امام سخاوتی وغیرہ محدثین نے اعتراضات کئے ہیں، مگر سند میں خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور اُن کے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی شخصیتوں کا پایا جانا اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ **حدیث شریف مسلسل بالاولیۃ** | اس حدیث کی سند حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر راوی بیان کرتا ہے کہ یہ پہلی حدیث ہے جو اُس نے اپنے استاد محترم سے سنی ہے مضمون یہ ہے:-

الراحون یرحمہم اللہ الرحمن تبارک
وہو اللہ یرحمہم فی الارض یرحمہم من
فی السماء
رحم کرنے والوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ رحم فرماتے ہیں
زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والے تم پر رحم
کریں۔

۶۔ **سند رسالہ حدیث مولینا محمد سعید سنبل** | رسالہ مصنف مولینا محمد سعید ابن محمد سنبل حدیث کی مشہور کتابوں کی ہر پہلی حدیث کے متن اور اُن کی اسناد پر مشتمل ہے۔ عموماً کسی محدث سے بطور تبرک سند لینے کی صورت میں یہ رسالہ متداول ہے۔

۷۔ **سند حدیث مصافحہ** | اس حدیث کی روایت میں راویوں کی تعداد بہت کم ہے۔ کیونکہ اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جن صحابی قاضی شہورس نامی شامل ہے۔ اور جنات کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہورس صحابی جو قوم جن سے تھا کو فرمایا کہ اے شہورس میرے ساتھ مصافحہ کر۔ کیونکہ جس نے مجھ سے مصافحہ کیا، یا میرے ساتھ مصافحہ کرنے والے سے مصافحہ کیا۔ اسی طرح سات واسطوں تک۔ وہ جنتی ہوگا۔ حدیث ضیافت و مصافحہ کی اعجازت حضرت نے بہت سے حضرات کو عطا فرمائی۔ جن میں سے حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف اور مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شمولیت درس حدیث بمقام سہارن پور

سہارن پور میں شیخ الحدیث مولینا احمد علی فتن حدیث کے امام تصور کئے جاتے تھے۔ بخاری شریف پر آپ کے حواشی آپ کی علمیت و قابلیت کا مبین ثبوت ہیں۔ آپ مولینا عبث الحقی (سبحہ العلوم) لکھنوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۱۲۶۱ھ میں مکہ شریف جا کر خاندان ولی اللہی کے مشہور چشم و چراغ شاہ محمد اسحاق سے دوبارہ درس حدیث لے کر سند حاصل کی۔ کتاب انوار الاولیاء میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے حالات میں تحریر ہے کہ جب مولینا احمد علی مکہ شریف میں حاجی صاحب سے ملے تو انہوں نے کہا کہ مولینا چوٹکریں نے آپ سے گلستان کے اسباق پڑھے ہیں اس لئے آپ میرے استاد ہیں۔ اگر محسوس نہ فرمائیں تو بمشورۃ عرض کرتا ہوں کہ وہ سروں کے مدارس میں ملازمت کرنے کی بجائے اپنا درس حدیث شروع کیجئے تو زیادہ مفید رہے گا۔ اس لئے واپس آکر مولینا نے سہارن پور میں حدیث شریف کی تعلیم و تدریس کا اپنے یہاں

الگ اہتمام فرمایا اور صد با علماء کو محدث بنادیا۔ ہندوستان میں ہر طبقہ کے علماء میں سے اکثر کی سند حدیث آپ تک پہنچتی ہے فن حدیث میں جہاں آپ یونہی علماء کے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب کے استاد ہیں وہاں خاندان غوثیہ کے چشم و چراغ حضرت قبلہ عالم گوڑوی اور مولینا سید محمد علی شاہ مونگیری جیسی آفتاب معرفت ہستیاں بھی آپ سے مستفیض ہیں حضرت مولینا احمد علی خود حنفی مسلک کے تھے مگر حلقہ درس وسیع ہونے کے باعث ہر مکتب فکر کے طلباء اُس میں شامل ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ جب مولینا احمد علی سہارن پوری کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے آپ کو اپنے درس میں داخل کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ کتب حدیث کے تمام نسخے ختم ہو چکے ہیں اس لئے آپ کسی دوسری جگہ جا کر حدیث پڑھیں حضرت حیران ہوئے اور دیگر طلباء بھی متعجب ہوئے کیونکہ اس قسم کا جواب مولینا کی عادت و معمول کے قطعاً خلاف تھا تجسس پر معلوم ہوا کہ حضرت کے سہارن پور پہنچنے سے قبل علی گڑھ والے پٹھان طالب علم محمود نے انتقام لینے کی خاطر ایک خط مولینا کو لکھ دیا تھا کہ اس نام اور اس حلیہ کا ایک طالب علم آپ کے پاس حدیث پڑھنے آ رہا ہے۔ اسے حصول علم کا شوق کم اور طلباء و استاد کو تنگ کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا اشتیاق زیادہ ہے۔ لہذا اُس کا آپ کے درس میں داخلہ شر و فساد کا باعث ہوگا۔ اس اطلاع سے متاثر ہو کر مولینا نے حضرت کو اجازت شمولیت درس دینے سے اجتناب کیا۔ حضرت نے اس کی تردید کا تو کوئی اقدام نہ کیا البتہ مؤدبانہ اصرار سے مولینا سے سبق میں شامل ہونے کی اجازت حاصل کر لی لیکن مولینا آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت نہ آنے دیتے تھے کہ خود ہی بد دل ہو کر چلا جائے گا۔ آپ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور آہستہ آہستہ سبق دوہرانے کے اوقات میں آپ کے اخلاق عالیہ اور ذہانت کا علم تمام طلباء کو ہو گیا جنہوں نے یہ کوائف حضرت مولینا کی خدمت میں عرض کر کے کہا کہ ایسے شخص کے خلاف ایسی شکایت سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک روز آپ کے سبق پڑھنے کی نوبت بھی آگئی تو مولینا آپ کی قابلیت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ شکایت واقعی بے جا تھی۔ اس کے بعد وہ حضرت کے حال پر بے حد توجہ فرماتے رہے اور اسباق میں آپ کے ساتھ امتیازی سلوک فرماتے تھے۔ چونکہ حضرت دریافت فرماتے اُس کا بہت زیادہ خیال فرماتے۔ حتیٰ کہ بتدریج مولینا کو حضرت سے بید محبت و شفقت پیدا ہو گئی۔

حدیث قوموا الی سید کرم پر بحث

حضرت فرماتے تھے کہ مولینا احمد علی کے درس میں ہم دو طالب علم مولینا و صی احمد علی بھتی اور میں حنفی المذہب تھے۔ باقی اکثر و بیشتر طلباء غیر متد تھے۔ درس کے دوران اکثر اختلافی مسائل پر بحث چھڑ جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیشہ حنفی مذہب کی فوقیت ہی ثابت ہوتی۔ غیر متد میری موجودگی کو اپنی شکست سمجھتے تھے۔ ایک روز حدیث قوموا الی سید کرم پر بحث چلی کہ قیام حضرت سعد کی تعظیم کے لئے تھا یا اُن کے زخمی ہونے کی وجہ سے امداد اور اعانت کی غرض سے تھا۔ بخاری شریف کی حدیث

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی قریظہ سعد بن معاذ کے حکم پر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جب مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرت نے انصار سے فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال نزل اہل قریظہ علی حکم سعد ابن معاذ فارسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد فآتی علی حمار فسلما دنی من المسجد قال للانصار قوموا الی سید کرم۔

حضرت استاد نے قیام مامور بہ کو برائے تعظیم قرار دیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا کہ اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ حضرت شذیہ فرماتے تھے اور قیام کا امر انہیں سواری سے اُتار کر لانے کے لئے تھا۔ استاد صاحب نے میری طرف دیکھا تو میں نے عرض کی کہ قُضُوْهُوَ جمع ہے اور زخمی ہونے کی وجہ سے امداد کی حاجت ایک شخص کے قیام سے بھی پوری ہو سکتی تھی۔ سب انصار کو کھڑے ہونے کا حکم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم برائے تعظیم تھا۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اگر مشتق پر حکم کیا جائے تو مشتق مبتدئ علت حکم ہوتا ہے۔ جیسے الکاتب متحرک الاصابع میں تحریک اصابع کی علت کاتب کا مبتدئ اشتقاق کتابت ہوگی۔ کتب علم بلاغت و اصول میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اس کی مثال السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا اور الذَّانِبَةُ وَالذَّانِبُ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ میں قطع اور جلد کی علت سرقہ اور زنا ہے، لہذا قُضُوْهُوَ الی سیدکم میں قُضُوْهُوَ یعنی کھڑے ہونے کی علت سید کا مبتدئ اشتقاق سیادت یعنی سرکاری قرار پائے گی پس ثابت ہوا کہ کھڑے ہونے کا حکم بغرض تعظیم تھا۔

غرض اس قسم کے کئی واقعات ہوئے جس پر غیر متعلم طلبہ سخت پریشان ہوئے آخر آپ نے اُن سے عذر لیا کہ آئندہ انہیں بہت کم نصو صا امام ابوحنیفہ اور حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی شان میں قطعاً کوئی نازیبا لفظ مثنیٰ سے نہیں نکالیں گے۔

امین بالجہر بریناظ

غیر متعلمین کے ایک بڑے مولوی سہارن پور آئے جن کے ساتھ حضرت کابلند آواز سے آئین کہنے کے متعلق مکالمہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کابلند آواز سے آئین کہنے کے حق میں سب قوی دلیل کیا ہے۔ تو انہوں نے ترمذی کی حدیث جَهَرَ بِهَا صَوْتُهُ کا حوالہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شعبہ کی روایت خَفَضَ بِهَا صَوْتُهُ بھی ترمذی میں موجود ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی امام ترمذی نے تضعیف کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس تضعیف کی امام ابن حجر نے تلخیص البحر میں تردید کی ہے۔ نیز یہ روایت دوام یا اکثریت پر دلالت نہیں کرتی جس سے اس کا سنت ہونا ثابت ہو۔ یہ تو محض ایک واقعہ ہے جس سے زیادہ سے زیادہ جواز نکلتا ہے جو متنازع فیہ نہیں۔ آیۃ اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ط (اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو) بھی آہستہ پڑھنے کی تقاضی ہے۔ اس پر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

ایک مجذوبہ کی والدہ صدا

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سہارنپور میں مسجد کے سامنے ایک مجذوبہ چھوٹی سی جھونپڑی میں بڑی رہتی تھی۔ جس نے ذوق و شوق کے عالم میں ایک روز چلا کر صدا لگائی :-

میری ٹوٹی چھوٹی جھونپڑیاں کبھی جی چاہے تو آپارے

آپ فرماتے تھے کہ اس صدا میں کچھ ایسی کیفیات و دردِ نہاں تھے، کہ کئی روز تک بے خودی کا

غلبہ رہا۔ سچ ہے :-

کہ صُحبتِ بادلِ غم دیدِ اُلفتِ بیشتر گیرد

چراغِ راکہ دُوشے بہت دُسر زود تر گیرد

اثنائے رس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات

فرمایا جب ہم حدیث پڑھتے تھے تو کبھی کبھی حدیث والے "صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کرم فرماتے تھے کیوں نہ ہو جب حدیث شریف کے ہر طالب صادق پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص توجہ مبذول فرماتے ہیں تو اپنے نورِ نظر اور نعتِ جگر پر کیوں عنایات مبذول نہ فرماتے ہونگے۔

میلے تماشوں سے نفرت

فرماتے تھے ایک مرتبہ وائسرائے ہند کی آمد کے سلسلہ میں سہارنپور میں کئی روز تک جلسے تماشے ہوتے رہے۔ لوگ دُور دُور سے دیکھنے آتے تھے مگر میری طبیعت اس طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ آخری رات مدرسہ کے قریب ہی آتش بازی کا پروگرام تھا۔ میں اپنے بالا خانے والی کھڑکی میں اپنی مستقل نشست سے اگر صرف ایک بالشت ہی آگے سرکاتا تو سب کچھ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ مگر اس طرف طبیعت نے کوئی میلان یا رغبت محسوس نہ کی۔ اس لئے اپنی پُرانی مستقل نشست پر ہی بیٹھا رہا اور کسی طرف توجہ نہ ہوئی۔ البتہ قوالی اور سماع میں بہت جی لگتا تھا۔ گلی میں ایک خوش آواز سرائینہ رہا کرتا تھا۔ کبھی فرصت میں اُس کے پاس جا کر حسب حال شعر و اشعار سُن کر دل بہلا لیا کرتا تھا۔

تحصیلِ علوم کے بعد مراجعتِ وطن

حضرت کے اس قسم کے حالات سے آگاہ ہو کر مولانا احمد علیؒ نے محسوس کیا کہ یہ طالبِ علم ایک مہتممِ بصیرت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ انہی کے بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے علومِ ظاہری و باطنی رسمیت و ہدیہ کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی خدمت بھی لینے والے ہیں۔ اس لئے اسے زیادہ دیر تک روکنا دین کی خدمت کے منافی ہے۔ چنانچہ ایک روز اچانک اپنے دولت کہہ پر حضرت کی دعوت کی، اور پھر سندِ حدیث سپرد کر کے فرمایا کہ آپ کو مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وطنِ تشریف لے جائیے اور دین کی خدمت کیجئے۔

حضرت نے بخاری شریف اور مسلم شریف کی تعلیم لی تھی اس لئے سند بھی ان ہی مضامین کے متعلق تھی۔ اس پر سال ۱۲۹۵ھ تحریر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً بیس برس کی عمر میں علومِ رسمیت کی تکمیل کر کے وطن کو مراجعت فرمائی تھی۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۲۹۷ھ میں حضرت مولانا احمد علیؒ کا انتقال ہو گیا۔ گویا حضرت اُن کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے۔ اسی طرح آپ نے مولانا لطف اللہ سے بھی اُن کے آخری دور میں تحصیلِ علوم کی تھی اور شیخِ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی سے بھی خلافت اُن کے آخری دور میں ہی حاصل کی تھی۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس عالم اسباب و تحصیل میں صاحبِ فن اپنے آخری دور میں ترقی و کمال کے انتہائی عروج پر ہوتا ہے۔ اور طویل تجربہ و مشاہدہ کے باعث اپنے فن کی تعلیم و تدریس کے لئے موزون و مناسب ترین حالت میں ہوتا ہے۔

باب سوم

زمانہ درس و تدریس

۱۲۹۵ھ تا ۱۳۰۰ھ

۱۸۷۷ء تا ۱۸۸۲ء

زمانہ درس و تدریس

مراجعت وطن، احرائے درس و شادی خانہ آبادی

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت پیر سید فضل دین شاہ گیلانی المعروف بڑے پیر صاحب نے جو حضرت قبلہ عالم کے والد بزرگوار حضرت اجی صاحب کے ماموں اور سلسلہ عالیہ جدیہ میں حضرت قبلہ عالم کے شیخ طریقت بھی تھے ۱۳۱۱ھ یعنی ۱۸۹۳-۹۴ء میں اور خود حضرت اجی صاحب پیر سید نذیر دین شاہ گیلانی نے ۱۳۲۳ھ یعنی ۱۹۰۵-۶ء میں انتقال فرمایا۔ چنانچہ ۱۲۹۵ھ یعنی ۱۸۷۸ء میں جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس وطن تشریف لائے تو ہر دو بزرگان بقید حیات تھے اور ان کے زیر سایہ حضرت قبلہ عالم ہر قسم کے معاشی و دیگر کمزرات سے آزاد رہتے ہوئے درس و تدریس اور ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہے۔ ان ہی ایام میں آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے نخیال میں سید چراغ علی شاہ کی دختر نیک اختر سے بمقام حسن ابدال ہوئی۔ حضرت کی نانی صاحبہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری اوجی کی اولاد میں سے تھیں۔ صاحب تحفہ نے منظر جلالی وغیرہ کتب کے حوالہ سے حضرت مخدوم جہانیاں کے متعلق لکھا ہے کہ جب آپ روضہ اقدس سرکار دہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو مدینہ عالیہ کے بعض سادات کرام نے آپ سے سید ہونے کی سنداغی آپ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر عرض کی: السلام علیک یا جدی تو روضہ اقدس سے آواز آئی وعلیک السلام یا ولدی جسے سن کر معترضین دم بخود رہ گئے اور آپ کی شرافت و سیادت کے قائل ہو کر جید تعظیم و تکریم بجالائے۔

تدریس و تسلیم میں خصوصی شان

حضرت قبلہ عالم حصول تعلیم کے بعد وطن واپس پہنچتے ہی بمصدق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) ہمہ تن تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ابتدا میں پچاس کے قریب طلباء آپ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان میں مولوی دوست محمد سکنہ بھوپڑ تحصیل سکوہاں، سید ممتاز علی شاہ سکنہ ریاست پونچھ، مولوی فقیر محمد سکنہ راجہ تحصیل فتح جنگ اور مولوی حضرت پیر سکنہ کھنگر ضلع ہزارہ آپ سے اعلیٰ درجات کی انتہائی کتب خود پڑھتے تھے اور ابتدائی و چھوٹی جماعتوں کی کتابیں مہستدی طلباء کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ درس حضرت کی آبائی مسجد واقع قصبہ گولڑہ میں شروع کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت میں وہ تمام اوصاف جمع فرمادیے تھے جو ایک اعلیٰ ترین معلم میں ہونے چاہئیں کیفیت گو کی سلاست و جامعیت کے ساتھ ساتھ انہم و تفہیم کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ کم سے کم استعداد کا طالب علم بھی مطلب بخوبی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے اکثر ہم عصر علمائے کرام کو جب کبھی آپ کو درس دیتے سُننے کا اتفاق ہوا تو حیران ہو کر بیاباختہ

داد دیئے بغیر نہ رکھے۔ نالائق سے نالائق اور بے ذوق سے بے ذوق طالب علم پر بھی اگر نگرہ شفقت اور نظر توجہ فرماتے تو وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو جاتا۔ مولیٰ سنا احمد دیں سکنہ بھوئی جو علاقہ چھپہ ہزارہ کے مشہور علماء اور مدرسین میں سے تھے، بچپن میں آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ اور ان کے والد بزرگوار نے انہیں نہایت کمزور ذہن خیال کرتے ہوئے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں چاہتا ہوں یہ عالم بن جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ذہین فرزندوں کو تو خود منتخب کر لیا اور اے میرے پاس لائے ہو۔ اچھا، اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے۔ خدا کی شان دیکھیے کہ وہی بچہ آپ کی نظر کرم سے ایک متبحر عالم ہوا۔

اسی طرح مولوی محرم علی چشتی لاہوری کے فرزند مولوی قائم علی چشتی کا واقعہ ہے۔ ان کو بھی ان کے والد بزرگوار نے حضرت کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یہ نہایت کند ذہن بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فاضل ہے چنانچہ آپ کی نظر فیض اثر سے یہی اُس کا نام پڑ گیا اور وہ فارغ التحصیل ہو کر فاضل لاہوری کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ حضرت قبلہ عالم سے فیضاب ہونے والے علماء کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے اہل بیت اہل دور میں علوم ظاہرہ کی تدریس میں کافی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اور اگرچہ حجاز مقدس سے واپسی پر علوم رسمیت کی تدریس بہت حد تک مولانا محمد غازی نے سنبھال لی تھی مگر پھر بھی کتب تصوف کے ساتھ ساتھ علوم رسمیت کی تعلیم میں بھی آپ برابر ہاتھ بٹاتے رہے حتیٰ کہ زمانہ استغراق تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مسجد ضرار کے مسئلہ پر حضرت کا موقف

اس زمانہ میں قطبال ضلع کیمبل پور میں ایک مسجد کو مسجد ضرار کہنے کے متعلق علماء توح میں ایک مناظرہ ہوا۔ دونوں جانب سے پچیس پچیس علماء تھے۔ آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے مقابلہ میں موضع سکھری علاقہ پنڈی گھیب کے ایک مشہور مناظر کو لایا گیا۔ میدان مناظرہ میں پہنچنے سے پیشتر ملاقات پر آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ مسجد زیر بحث کے متعلق آپ کے پاس اُسے مسجد ضرار قرار دینے کی علت تامل کیا ہے۔ اُس نے مسجد ضرار کے متعلق نازل شدہ آیت تلاوت کر کے تفریقاً بین المؤمنین کا ذکر کیا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا أَسْبَاجًا أَصْرَارًا وَكُفْرًا
وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَارْصَادًا لِّلْمَن
حَارَبَ اللّٰهُ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۝

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مسجد بنائی ہے کہ
(اسلام کو) ضرر پہنچائیں اور اس میں کفر کی باتیں کریں۔
اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اُس شخص کے قیام کا
سامان کریں جو پہلے سے خدا و رسول کا مخالف ہے۔

(سورۃ توبہ - ۱۰۷)

آپ نے فرمایا کہ علت تامل محض تفریق نہیں بلکہ اس میں چار چیزیں ضرر اکفراتفریقاً بین المؤمنین اور ارصاد المؤمنین جارب اللہ و رسول شامل ہیں۔ ان میں سے ایک یاد و علت ناقصہ ہیں جن پر حکم مترتب نہیں ہو سکتا۔ اس سے وہ صاحب کچھ اس قدر متاثر و مرعوب ہوئے کہ عین وقت مناظرہ پر آپ کے ساتھ بحث سے گریز کرتے ہوئے اور کسی جانب سے بھی مناظرہ میں شریک ہوئے بغیر واپس چلے گئے۔ اس مسئلہ میں حضرت کا موقف یہ تھا کہ کسی بھی مسلمان کی بنا کردہ مسجد پر منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کا حکم عائد کرنا درست نہیں ہے۔

معقول کی شہر کتاب قاضی مبارک کی تدریس پر علماء کا اظہار حیرت

اسی منظر کے سلسلہ میں مولوی محمد سعید صاحب نے تحصیل بری پور میں قبولیت کے لئے ہونے والے امتحان کے لئے تھے کہ ان صنوع میں قاضی مبارک ہر مطلق کی اعلیٰ ترین کتاب ہے اور اس دینے والے کو اس کا عالم کوئی نہیں ہے۔ پھر پڑھنے والے نے ان کی مولوی میں اس کتاب کا ایک سبق کسی کو پڑھایا ہے جس کا نام حیرت ہو گئے اور لکھنے کے آج سے قاضی مبارک پڑھنا آپ کا حق ہے۔ آئندہ وہ طالب علم جو اس سے یہ کتاب پڑھنے آئے گا میں اسے آپ کی خدمت میں رہا ذکر کروں گا۔

ایک نواحی گاؤں میں شیعوں سے مناظرہ

آپ کو ہندوستان سے واپسی کے بعد میں نے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کی علمی شہرت کے پیش نظر اس نواح کے مقامی علماء میں سے اکثر آپ سے عہد کرنے لگ گئے آپ کی تو ابھی پورے طور پر پیشش مبارک بھی نہیں چھنی تھی مگر درس و تدریس میں نکتہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مولوی علماء، محو حیرت ہو جاتے تھے جہاں اور سمجھ و رسامی میں پیش کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی علماء کے درس خیر آباد ہو گئے جو ان کے عہد و عباد کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کو نوح آپ کا ارشاد خیر کرنا مقصود تھا اس لئے ہر سلسلہ میں آپ کی فوقیت اور برتری کے اظہار کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ انہی آدمیوں میں ایک قریبی گاؤں کے مسلمانوں کے واقعات شیعہ الجہاد مولانا نے بطریق ذیل تحریر کیے ہیں:-

بھیکہ ایک چھوٹا سا گاؤں گورنمنٹ کے قریب واقع ہے جہاں اکثر مسیحی رسالت جو مذہب شیعوں میں رہتے ہیں انہوں نے راولپنڈی میں تین ایک متعصب شیعوں کی مدد سے حضرت کو مست غلو کا بیج دیا جو آپ نے منظور فرمایا اور مدت زمانہ پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے کھنڈ کے ایک بھٹہ کو بولایا ہوا تھا، ہر شیعہ بحث باغ فدک مقرر ہوا شیعوں نے پہلے تقریر کے دعویٰ کیا کہ فدک جناب شیعہ کا حق تھا اور حضرت صلیق نے اس کو غلو کر دیا تھا اور جناب شیعہ کو یہاں لہذا حق علم غلط نہیں ہو سکتا۔

حضرت نے جواباً کہا کہ فدک پر حضرت سیدنا محمد علی ایہا و علی زید جہاد اولاد با الصلوٰۃ والسلام کے استحقاق کی کوئی دلیل پیش کیجئے مگر ان کا کافی نہیں، کیونکہ صرف دعویٰ کی صورت میں تو دوسری جانب سے بھی خلاف دعویٰ ہو سکتا ہے۔

اس پر بھٹہ صاحب نے آیہ و شریعتی:-

يُؤْتِيكَمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهْتُمْ
حَقَّ الْأُنثَىٰ ۖ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَاُولَٰئِكَ لَكُمْ
فَلَهُنَّ ثُلُثًا مِّمَّا تَرَكَ زَوَاجُنَّ كَانَتْ وَاحِدَةً
فَلَهُمَا النِّصْفُ (پارہ ۴ - النساء - آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ضمن میں تم کو دیتا ہے کہ تم کو دیتا ہے
میں مردوں کے لئے دو عورتوں کی مانند حصہ ہے اگر
عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے دو حصہ
چھوٹی بیوی چیز کی ہے۔ اور اگر عورت ایک ہو تو اس

کے واسطے آدھا ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ بے شک ایسی صورت میں جب کہ جناب سیدہ اپنے والد شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہلی وارث ہوتیں تو اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں سے نصف حصہ کی مالک ہوتیں۔ لیکن جس صورت میں باپ نے کوئی ترکہ ہی نہ چھوڑا ہو تو نصف کہاں سے ملے گا۔ دوسرے یہ کہ فذک کا ترکہ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے۔

مجتہد صاحب نے کہا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ فذک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا تھا۔ اور یہ آیت پڑھی :-
وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا آوْ
جَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَا
لَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۚ
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الحشر ۶)
اور جو کچھ پھیر لایا اللہ اپنے رسول پر ان میں سے، پس
نہیں دوڑائے تم نے اُس کے اوپر گھوڑے اور نہ اونٹ
لیکن اللہ مسلط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس کے اوپر چاہتا
ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کے ساتھ ہی جو آگے آتی ہے اُس پر بھی غور فرمائیے :-
مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ
فِلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَىٰ لَا يَكُونَ
دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر ۷)
جو کچھ اللہ ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر پھیر لایا
پس اللہ کے، رسول کے، قرابت والوں، یتیموں اور
فقیروں کے واسطے ہے تاکہ نہ ہو دے ہاتھوں ہاتھ لینا
تم میں سے دو متمندوں کے واسطے۔

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ فذک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک نہ تھا اور فے کا مال ملک ہوتا بھی نہیں۔ اگر بالفرض ایسا
مان بھی لیا جائے تو حدیث شریف :-

لَا تُخْرَجُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُؤْرَثُ مَا تَرَكَنَا
صَدَقَةٌ
ہم معاشر انبیاء اپنا ورثہ نہیں چھوڑتے ہمارا متروکہ
صدقہ ہوتا ہے۔

اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فذک کو وقف کر دیا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ نے
وقف نہیں فرمایا تو حضرت سیدہ کا حق نصف فذک ہوتا کہ سارا جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔
مجتہد صاحب نے کہا کہ یہ حدیث نص قرآن کے خلاف ہے اور یہ آیت پڑھی :-

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (پایہ ۱۹ - نمل ۱۶)
اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا۔

آپ نے جواب دیا کہ یہاں وراثت دینی مراد ہے۔ انہوں نے پوچھا اس تخصیص کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے
فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت سی اولاد تھی۔ باقی اولاد کو محروم کر کے صرف ایک کو وارث بنانا پیغمبر کی شان
کے خلاف ہے۔ لہذا تخصیص کا قرینہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی تخصیص ہے نیز لَخْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ
لَا تُؤْرَثُ کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کا وارث غیر نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبی کا وارث نبی ہو تو اس حدیث کے خلاف
نہیں اور اس کی دلیل مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ سے ملتی ہے۔ لہذا یہ آیت حدیث شریف کی تائید کرتی ہے نہ کہ تردید۔

دوران مناظرہ اپنے جد امجد کی روحانی توجہ

مولانا شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے کہ اس مناظرہ کے دوران تقریر کرتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شخص کا ہاتھ میرے کندھے پر ہے۔ اور وہ کسی وقت سرگوشی کے طور پر میرے کان میں بھی کچھ کہہ دیتا ہے۔ مگر جب میں ادھر ادھر سر پھراتا تو کوئی دکھائی نہ دیتا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ آپ میرے جد امجد زبدۃ الکاملین، عمدة الاولیاء حضرت پیر سید روشن دین تھے جو روحانی طور پر میری امداد فرما رہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت کے کمال علمی اور عاجز و ماغی کا ایسا سکہ بیٹھا کہ پوٹھو دار، کھاڑی، چھچھ اور ہزارہ کے کل علماء آپ کے معترف ہو گئے۔ مسئلہ مذک مندرجہ بالا کی مزید تفصیل حضرت کے فتاویٰ اور ملفوظات میں موجود ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ریاست سوات کا سفر

ان ایام میں ریاست سوات کی جانب آپ نے حضرت اخوند صاحب کے سلسلہ طریقت میں سے کسی خلیفہ صاحب کا کافی چرچا سنا۔ اور معلوم ہوا کہ وہاں کے علماء رحمۃً اور نسوار کو حرام کہتے ہیں۔ اور ان کے استعمال کرنے والوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ چونکہ اُمتِ مسلمہ پر یہ ایک ناجائز تشدد تھا اس لئے آپ نے ادھر کا سفر اختیار فرمایا۔ فرماتے تھے کہ اس سفر میں خورد و نوش کے سلسلہ میں صرف مکی کی روٹی ملتی رہی اور کوئی اناج نہ مل سکا۔ ادھر دستور تھا کہ بندہ اور سیکھ لوگ بال رکھتے اور شلوار پہنتے تھے۔ اور مسلمان سرمنڈوا کر تہ بند یعنی چادر پہنتے تھے۔ حضرت کے سر پر گھونگھریا لے بال تھے اور شلوار بھی پہن رکھی تھی۔ اس لئے جب آپ خلیفہ صاحب کی مسجد میں داخل ہونے لگے تو ایک مسلمان نے غلط فہمی کے باعث آپ کو ٹوکا کہ یہ مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ کہ ہم مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس پر وہ سمجھ گیا کہ آپ مسلمان ہیں اور خاموش ہو گیا۔ آپ سیدھے اُن خلیفہ صاحب کے حجرہ کی طرف گئے۔ دروازہ بند تھا اور کافی لوگ بیٹھے دروازہ کے کھلنے اور خلیفہ صاحب کے باہر آنے کی انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں کچھ علماء بھی تھے جو اس آیت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اُن کے حق میں برابر ہے کہ خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(بقرہ ۶-۷)

اُن کی بحث کا حاصل یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اُن کے دلوں پر مہر لگا دی تو ایمان نہ لانے میں اُن کا کیا قصور ہے اور اُن کے لئے عذابِ عظیم کیوں ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ چونکہ اُن لوگوں کی علیت معمولی تھی اور فقہ حقیقہ کی چند جزئیات سے زیادہ نہ جانتے تھے اس لئے کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچ رہے تھے۔ آخر آپ نے مسئلہ جبر و قدر پر محققانہ تقریر فرمائی۔ جسے سُن کر نہ صرف اُن لوگوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ آگیا۔ بلکہ وہ بہت خوش ہوئے اور خلیفہ صاحب بھی یہ باتیں سُن کر حجرہ سے باہر آ گئے اور آپ سے ملے۔

ملاقات پر معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب کو بھی علم و عرفان میں کوئی خاص کمال حاصل نہ تھا۔ آپ نے خلیفہ صاحب سے محقق و
نسوار کے فتاویٰ کے متعلق ذکر فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں خود تو عالم نہیں ہوں اور نہ ایسے فتاویٰ دے سکتا ہوں البتہ
یہاں کے علماء جو فتویٰ دے دیتے ہیں، میں اُس پر اس علاقہ میں عمل کروانا ہوں۔ یہ بات سن کر حضرت اس مسئلہ کے متعلق
علماء کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے اپنے خیال کی تائید میں دلائل پیش کئے۔ آپ نے اُن کے دلائل کی کمزوری کو اُن
پر واضح کیا جس سے متاثر ہو کر وہ سب اپنی غلطی کو تسلیم کر گئے اور لکھ دیا کہ ہمارا فتویٰ محقق نوشی اور نسوار کشی کے متعلق صحیح
نہیں جسے ہم واپس لیتے ہیں۔

جمعہ کار و زاریا تو خلیفہ صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نماز جمعہ پڑھائیں آپ نے جمعہ کے خطبہ میں اُس
فتویٰ کی واپسی کا بھی اعلان فرمادیا۔ افسوس اُس وقت اُن علی مباحث کو ضبطِ تحریر میں لانے والا کوئی نہیں تھا۔ ورنہ
تحقیق کنندگان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتیں۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ آپ محقق نوشی وغیرہ کو حرام اور ناجوز کفر و فسق
قرار نہیں دیتے تھے۔ البتہ منہ سے بدبو آنے کی صورت میں کراہت کا حکم ضرور فرمایا کرتے تھے۔ جیسے کہ پیاز و لہسن کے
متعلق کتب شرع میں مذکور ہے۔

خلیفہ صاحب کا عجیب واقعہ اور حضرت کی تلقین

حضرت فرماتے تھے کہ خلیفہ صاحب جس بیمار پر نظر ڈالتے تھے اللہ تعالیٰ اُسے شفا دے دیتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ
نعمت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہوئی۔ تو انہوں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ہم بہت سے لوگ قافلہ کی صورت میں
جناب غوث الاعظمؒ کے روضہ پاک کی زیارت کے لئے بغداد شریف گئے۔ وہاں روزانہ زیارت سے مشرف ہوتے ایک
رات ایسا اتفاق ہوا کہ جب مجاورینِ روضہ شریف نے دروازہ بند کرنے سے قبل سب کو باہر جانے کی آواز دی، تو باقی
لوگ تو باہر نکل گئے مگر میں نے نہ سنا اور وہیں کھڑا رہا۔ مجھے ایک سمت ہونے کے باعث کوئی دیکھ بھی نہ سکا اور باہر سے
دروازہ مقفل کر کے سب لوگ رخصت ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلنے پر میں سخت حیران ہوا۔ مگر نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن
کے مصداق تمام رات حیران پریشان کھڑا ہی رہا۔ بہ پاسِ ادب بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور تھکاوٹ کی زیادتی کے باعث کھڑا بھی
نہ رہا جاتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے بارگاہِ غوثیہ کے ادب و احترام کے باعث بیٹھنے کی جرأت نہ کی۔ تہجد کا وقت ہو گا
کہ کسی نے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھے اور زور سے دبا کر مجھے بٹھلا دیا۔ صبح کو جب روضہ شریف کے کھلنے پر باہر
نکلا تو مجھ میں یہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ جس بیمار پر نظر ڈالتا اللہ تعالیٰ اُسے شفا عطا فرمادیتے تھے۔

حضرت قبلہ عالم نے دریافت فرمایا کہ اس کیفیت میں پہلی حالت سے ضرور کچھ کمی واقع ہو گئی ہوگی۔ تو انہوں
نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اللہ کرنا سیکھئے ورنہ ایک وقت آئے گا کہ یہ کیفیت بالکل جاتی
رہے گی۔ اُس وقت کھٹ افسوس ملنے سے بہتر ہے کہ ابھی سے اس کا تذکرہ کیا جائے چنانچہ آپ نے اُن کو مناسب
اُردو و خطائف کی تلقین فرمائی۔ بہر حال آپ کے اس سفر سے نہ صرف اُس علاقہ میں فروعی مسائل میں تشدد کم ہو گیا بلکہ عام
خیر و برکت کے علاوہ خلیفہ صاحب کی روحانی تربیت بھی ہوئی۔

اعلیٰ حضرت سیالوی سے بیعت

انہی میں حصول تعلیم کے دوران اپنے استاد جناب عاقظ سلطان محمود کی معیت میں آپ کو کئی مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا جناب خواجہ صاحب بھی حضرت پر حق شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان سے جب آپ فارغ التحصیل ہو کر واپس پہنچے تو سیال شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ صاحب سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے سلسلہ عالیہ قادریہ جدید میں آپ اپنے خاندان میں ہی بیعت تھے۔

شیخ کے حضور میں مساکب وحدت الوجود و شہود پر تقریر

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مجھے ابتداء ہی سے جبرائیل علیہ السلام کے مثل بشری کے واقعہ سے وحدت وجود کی جانب ذوق گواہی دیتا تھا۔ اور اس مسلک پر وحدت الشہود والوں کے اعتراضات و دلائل بھی میرے پیش نظر تھے۔ آخر مشائخ عظام اور اپنے شیخ طریقت کے روحانی تصرف سے اسی عالم گیر مسلک یعنی وحدت الوجود پر ہی طبیعت پختہ ہو گئی۔ اس سلسلہ میں فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سیالوی کی خدمت میں حاضری کے دوران وحدت الشہود پر بات چل نکلی تو اولاً میں نے وحدت الشہود پر تقریر کی۔ اور وحدت الوجود کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہما کے اشکالات و اعتراضات پیش کیے۔ حضرت اعلیٰ سیالوی نہایت غور سے سنتے رہے مگر قدرے متعجب نظر آتے تھے کیونکہ یہ مسلک آپ کے اور ہمارے مشائخ کے خلاف تھا۔ لیکن جب میں نے وحدت الوجود پر ان تمام اعتراضات کے جواب دینے شروع کیے تو خواجہ صاحب بے حد مسرور ہوئے اور بار بار فرماتے تھے واہ شاہ صاحب واہ۔ پھر مجھے فتوحات مکیہ کے مطالعہ کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ کی توجہ سے اس مسئلہ کے بیشتر از بیشتر اسرار مجھ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔

اپنے شیخ کی توجہ کے متعلق آپ کے تاثرات

اس کے بعد فتوحات مکیہ ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز کے مطالعہ میں رہی اور زماذ ارشاد میں آپ نے سالہا سال فتوحات اور فضوص الحکم کا درس دیا۔ اپنی تصنیف لطیف تحقیق الحق میں آپ وحدت الوجود کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :-

”گویا سیدی و سندی، رومی و رومی حضرت خواجہ شمس الدین رضی اللہ عنہ الآن در بیان ایں راز و تلقین معنی کلمہ طیبہ متوجہ نشسته اند۔“

ہست مجلس برآں متدار کہ لود

یعنی اس کتاب کی تالیف کے دوران کلمہ طیبہ کے وحدت الوجود پر نوثر رنوز کی تشریح کے وقت آپ کو اپنے شیخ حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال کے پندرہ سال بعد ان کی معیت و حضوری اور توجہ اسی طرح میسر تھی جس طرح مندرجہ

بالا تفریکے دوران اُن کی حیات میں مقام سیال شریف حاصل تھی۔ اور پندرہ برس کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اس
شاہبازِ لامرکانی کو تو عرفان کی منازل طے کرنے کے دوران صبحِ ازل بھی کل کی ہی بات معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ خود فرماتے ہیں۔
کُن فیکون ماں کل دی گل ہے ساں اگے پریت لگائی

توں میں حرف نشان نہ آہا جدوں دتی میم گواہی
اے دی اسانوں اوہ پئے دسدے بیلے بولے گا ہی

مہر علی شاہ رل تاہیں بیٹھے جدوں سکٹ ہاں توں آہی
اور یہی وہ عارف و کامل ہستیاں ہی تو ہیں جن کی شان میں حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے :-
اَلَسْتَ اِزْل ہچناں شاں بگوش بفریادمت لوبلی درخروش
(ان کے دل کے کانوں میں آج بھی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ازلی صدا گونج رہی
ہے اور وہ آج بھی بکلی بکلی کی فریادیں سرشارِ رو بے خود ہیں)

ظاہر ہے کہ عالم سلوک کی یہ منازل درس و تدریس اور مطالعہ کتب سے نہیں بلکہ مردانِ خدا کی نگہِ کرم سے ہی حاصل ہوتی ہیں
چونکہ اس سلسلہ کا تعلق ذوق اور حال سے ہے اس لئے اگر مردانِ خدا کی روحانی شفقت و تربیتِ حال میر نہ ہو تو عقلِ مجزوی
کے لئے اس کا حصول محال ہے۔ کیونکہ ہر مرحلہ پر ایسے ایسے مشکل نکات و مقامات آتے ہیں کہ علم ظاہر و قال کے ذریعہ اُن
سوالات کا حل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ضمن میں شہسوارِ میدانِ علم و عرفان حضرت مولینائے رومؒ فرماتے ہیں :-
قال را بگذار و مردِ حال شو پیش مردِ کا ملے پا مال شو
ترجمہ۔ محض گفتگو کو چھوڑ کر حال کی کیفیت پیدا کر۔ اور یہ تجھے اُسی وقت نصیب ہوگی جب تُو اپنے آپ کو کسی مردِ
کامل کے قدموں میں ڈال دے گا۔

اسی طرح حضرت مولینا جامیؒ کا ارشاد ہے :-
رُستق ازیں پردہ کہ بر جان تست بے مد و پیر نہ امکان تست
ترجمہ :- اس حجاب و پردہ سے رہائی حاصل کرنا جو کہ تیری جان پر پڑا ہوا ہے۔ بغیر پیر کی امداد کے تیرے لئے
ممکن نہیں ہے۔

سیال شریف میں وحدت الوجود پر ایک عالم سے گفتگو

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اپنی ایک تقریر جو آپ نے سیال شریف کے ایک بڑے عالم کے سامنے مسلک
وحدت الوجود کے خلاف امتحان کی تھی اور انہیں لا جواب کر دیا تھا، یہاں درج کی جاتی ہے۔ اس سے اُس روایت کی بھی
تردید ہو جائے گی جو بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے کہ حضرت نے سیال شریف کے ایک خلیفہ صاحب سے فتوحات
مکیہ کا درس لے کر مسلک وحدت الوجود اختیار فرمایا تھا۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک پُرانے ہم مکتب و ہم جماعت مولوی سید احمد علم محمول
میں قابلیت کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے، لیکن جب کبھی حضرت کے ساتھ بحث و مباحث کا موقع آتا تو اُس دعویٰ پر قائم

نہ رہ سکتے۔ اُن دنوں موضع بلف کا درس علم معقول کی تعلیم کے لئے بہت مشہور تھا۔ ایک مرتبہ یہ سید احمد صاحب اس درس کا ذکر کر کے حضرت سے کہنے لگے کہ میں وہاں جا کر قاضی مبارک شمع منہیات پڑھوں گا اور پھر اگر آپ کے ساتھ بحث کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ بلف تو بجائے خود رہا۔ تم اگر آسمان پر بھی چلے جاؤ تو بھی کچھ نہ کر سکو گے کیونکہ تم میں معقولی بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

ایک دفعہ سیال شریف میں حاضری پر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی سید احمد وہیں درویشوں میں مقیم ہیں۔ مگر نماز وغیرہ فرائض ترک کر چکے ہیں حضرت نے ملاقات پر انہیں فرمایا: ہم نے سنا ہے کہ تم میں سے انسانیت رخصت ہو چکی ہے۔ اور صرف حیوانیت باقی رہ گئی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں آپ کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ میری طرح تعلیم و تدبیریں ترک کر کے ذکر جہر اختیار کریں کیونکہ تعلیم وغیرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ قطع نظر تمہاری اس ظاہری حالت کے ترک تعلیم و تعلم سے اگر تم نے کوئی خاص فائدہ حاصل کیا ہے تو مجھے بتاؤ، تاکہ اُسے پیش نظر رکھ کر میں بھی تمہاری نصیحت پر غور کر سکوں۔ مجھے تو تم میں سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا کہ تمام رات ذکر جہر کرنے کے باعث تمہیں قدرے رقت قلبی تو حاصل ہو گئی ہے مگر اسے عرفان نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جسے عرفان حاصل ہو جائے وہ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پر مولوی سید احمد حضرت کو مولوی صاحب جام پوری کے حجرہ میں لے گئے جو ذکر و شاغل ہونے کے علاوہ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ اور اُن سے کہا کہ پیر صاحب وحدت الوجود کے منکر ہیں انہیں قائل کر دیجئے چنانچہ حضرت قبلہ عالم نے اُن کے سامنے وحدت الوجود کے مسلک پر حسب ذیل اعتراض کیا اور فرمایا کہ چونکہ مسئلہ وحدت الوجود حضرات اولیائے کاملین اور محققین کے مشہودات میں سے ہے اس لئے میں اس کا منکر تو نہیں مگر اپنے اور اس شخص یعنی مولوی سید احمد کے حال کے پیش نظر ازراہ تحقیق یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمارے مشائخ کرام حقیقت اشیا کے منکر تھے (معاذ اللہ) کیونکہ حقائق اشیا کا مسئلہ ہمارے اعتقادی مسلمات میں سے ہے۔ کیا یہ چیز کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے امر مسلم نہیں؟ پھر زید کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو مذہب وجودیہ کی رو سے عذاب کس کو ہوگا؟ اُس کی حقیقت کو یا تعین کو؟ اُس کی حقیقت تو عین حق ہے جو معذب نہیں۔ اب اگر تعین کو عذاب ہوگا تو میں پوچھتا ہوں کہ تعین امر عدی ہے یا وجودی؟ اگر عدی ہے تو اُس کا وجود ہی نہیں کیونکہ امر عدی کا وجود محض اعتباری ہے۔ امر عدی کو امتزاع کے بعد وجود ملتا ہے نہ کہ امتزاع سے قبل۔ اور اگر تعین وجودی ہے تو وجود عین ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ مولوی صاحب جام پوری نے اس تقریر سے بہت متحیر ہو کر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس اعتراض کا جواب مفصل طور پر کتاب تحقیق الحق مؤلفہ ۱۳۱۵ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے دیا ہے۔

خلافت ارشاد اور تربیت میں امتیازی سلوک

حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سرہ العزیز نے حضرت کے علمی اور عرفانی کمالات کے پیش نظر اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے آپ کو تمام اشغال و وظائف کی اہازت عمار اور بصیرت و ارشاد کا منصب عطا فرمادیا تھا۔ اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ آنجناب کے آخری خلیفہ ہیں۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت اعلیٰ سیالوی کی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پر خاص نظر عنایت تھی۔ اور آنجناب نے حضرت کی دوسرے خلیفہ میں سے علیحدہ اور جدا رنگ

میں تربیت فرمائی جس کی تائید میں کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ علاقہ چھوڑ ضلع الہک کے ایک سید صاحب حضرت اعلیٰ سیالوی کے اراد مند تھے۔ ان کی مقبولیت دیکھ کر بعض چھاچی علماء نے اُن کے ذکر جہر اور قتالی سُننے کے خلاف ایک طوفان مٹا کر دیا۔ سید صاحب نے عرس شریف کے موقع پر اس امر کی شکایت حضرت اعلیٰ سیالوی سے کی تو آنجناب نے چند دیگر علماء کو اُن کی معاونت اور مخالفین کی مدافعت پر تیار کیا لیکن میاں سید محمد پوٹھواری کو حضرت کے پاس بھیج کر تاکید فرما دیا کہ آپ اس جھگڑے میں نہ آئیے گا اور الگ رہیے گا۔ اسی طرح حضرت اعلیٰ سیالوی نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو سیال شریف خاص میں بھی لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے لباس، وضع قلع کو بھی تبدیل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ کے دیگر ارادت مند آپ کی پیروی میں سنت شیخ مجھے بونے سر کے بال کٹواتے اور ٹوپی و تہ بند یعنی چادر پہنتے تھے۔ اور سیال شریف خاص میں کسی کو بیعت کرنا خلاف ادب قرار دیتے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے بال لمبے اور گھنگھریالے تھے۔ نیز آپ کا لہ دستار و شلوار پہنتے تھے حضرت اعلیٰ سیالوی نے ہزارہ کے ایک جید عالم مولوی سید احمد مرحوم کو سیال شریف میں ہی سب سے پہلے حضرت سے حکماً بیعت کروایا تھا۔ اُن کے فرزند حافظ منظور حسین صاحب بہاولپوری بھی حضرت کے شخص مرید ہیں۔

حضرت ثانی سیالوی کی خاص عنایات

حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ العزیز کے پوتے جناب صاحبزادہ محمد سعد اللہ فرماتے ہیں کہ اُن کے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد دین المعروف حضرت ثانی صاحب سیالوی کا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اور بہت محبت بھرے خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ناسازی طبع کے باعث عرس سیال شریف کی حاضری سے معذوری کا ہر فیضہ لکھ بھیجا جس وقت یہ خط سیال شریف پہنچا اُس وقت قتالی جو رہی تھی اور قتال شیعہ پڑھ رہے تھے۔ پیت کا وعدہ کر کے پائے پیت بچانا چھوڑ دیا۔ مہر کی اکتیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا۔ حضرت ثانی صاحب خط پڑھ کر غلین ہو گئے اور قتالوں کو فرمایا کہ دوسرے بصرہ کی جگہ پر پڑھیں۔ مہر نے اکتیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا۔

قتال ابھی یہ شعر پڑھ ہی رہے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دریا کے تین پر پہنچ چکے ہیں حضرت فرماتے تھے کہ ہر فیضہ روانہ کرنے کے بعد معایرے دل میں خیال آیا کہ سیال شریف جانا چاہیے چنانچہ اسی وقت تیار ہو کر روانہ ہو پڑا ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ سیالوی کے عرس پر سیال شریف میں بعض حضرات نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پر اعتراضات کئے کہ آپ یہاں اپنے پیر کے مسکن پر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بال نہیں کٹواتے مجلس سماع میں قتالوں کو خود اٹھ کر عطیہ نہیں دیتے۔ اور لباس میں بھی اپنی وضع اختیار کر رکھی ہے۔ یہ تمام امور ہمارے مشائخ کے معمول کے خلاف ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تو خاموشی سے سُننے رہے اور کچھ نہ بولے۔ لیکن حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی طرف سے اعتراضات کے جواب دیئے اور قدرے جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ متعزضین کو غالباً معلوم نہیں کہ جس وقت حضرت اعلیٰ سیالوی نے پیر صاحب کو خلافت عطا فرمائی تھی تو خود اپنی موجودگی میں یہاں سیال شریف میں ایک ہزاروی شاہ صاحب کو ان سے بیعت کروایا تھا۔ اور آپ کے گھنگھریالے خوبصورت بال دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ شاہ جی آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے بال ہوں اُسے اُن کا خیال رکھنا چاہیے نیز حضرت اعلیٰ قدس سترہ نے فرمایا تھا کہ شاہ

جی، اچھا لباس رکھا کرو میں نے تو طالب علمی کے زمانہ سے ہی اپنی سہولت کے لیے بال کٹوانے شروع کر دیئے تھے اور نیلا تہبند اور ٹوپی پہنتا تھا، اسے سنت نہ سمجھنا۔ لہذا ان معاملات میں شاہ جی اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل کر رہے ہیں۔ باقی رہا قوالوں کو خود اٹھ کر عطیہ نہ دینے کا معاملہ، تو یہ سوال اُس سے کیا جاسکتا ہے جو روپیہ پیسہ اپنے پاس رکھتا ہو، اور ان امور کی طرف توجہ رکھتا ہو۔ شاہ صاحب ایسے فارغ عن الدنیا ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ کتنی رقم آئی اور کس نے دی۔ یہ نذر بردار خدام ہی کے ذمہ ہے کہ مجالس میں عطیہ نہ دیا کریں۔

حضرت اعلیٰ سیالوی کے فیوض و برکات و بعض مشہور خلفاء کا ذکر خیر

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالوی متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے پایہ کے شیخ طریقت بھی تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اپنے شیخ کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ علم طریقت کے مجتہد اور مجدد تھے آپ حضرت خواجہ خواجگان محمد سلیمان تونسوی چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے عظام میں سے ہوئے ہیں اس خطہ زمین میں آپ کے دریائے سخاوت کا فیض ضرب المثل بن چکا ہے۔ آپ کے اراد مندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے اور سلسلہ خلفاء بھی بہت طویل ہے۔ صاحب انوار شمس نے پینتیس حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کئے ہیں۔ اور ان میں حضرت اعلیٰ سیالوی کے تین صاحب زادگان، حضرت ثانی خواجہ محمد دین، خواجہ فضل دین اور خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ذکر خصوصی کے بعد لکھا ہے :-

یہ پانچ خلفائے عظام بہ نسبت دیگر خلفائے زمان زیادہ ترفیض رسان
عالمیان اور برگزیدہ فضلاء کے جہان ہیں۔ کرامت و عظمت پناہ حضرت غلام احمد
شاہ ساکن جلال پور شریف، عوارف و فضائل دستگاہ حضرت مہر علی شاہ
ساکن گولڑہ شریف، قدوة العاشقین مولوی فضل دین ساکن چاچڑ تحصیل شاہ پور
زبدۃ السالکین مولوی عظیم دین ساکن مڑولہ والا تحصیل بھیرہ، برگزیدہ صادقین
مولوی محمد امین ساکن چکوڑی ضلع گجرات، مکران میں سے جناب شاہ صاحب
جلالپوری اور حضرت پیر صاحب گولڑوی کرامات اور کمالات میں مستثنیٰ
ہیں اور خلافت کی ہدایت اور افادت کے لیے معتقد ہیں۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت جس قدر حضرت اعلیٰ سیالوی نے اپنے وقت میں کی اُس کی مثال
بنا مشکل ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۳ھ یعنی ۱۸۹۹ء میں بھٹام سیال شریف ہوئی اور وصال ۱۳۴۴ھ
یعنی ۱۸۸۳ء میں اسی مقام پر ہی ہوا۔ آپ کے حالات زندگی میں مرۃ العاشقین اور انوار شمس خاص طور پر مشہور ہیں

اقتباس از کتاب "انوار شمس"

انوار شمس مؤلف ۱۳۳۴ھ کے مولف مولوی امیر بخش خوشابی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے پیر بھائی
اور حضرت ثانی صاحب سیالوی کے منظور نظر خدام میں سے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار

موزوں فرمائے تھے جو اس کتاب میں درج ہیں۔

دستگیر بے کسان و عاجز اا	مقدمائے سالکان و کاملان
دارتِ حسنین فخرِ اصفیاء	قرۃ العینین سرورِ انبیاء
نازنین بارگاہِ مرتضیٰ	زینتِ سجادہ کلِ چشتیا
افضلے شہبازِ اوجِ منزلت	کاملے غواصِ بحرِ معرفت
حضرت مہر علی شاہ دلی	معدنِ علمِ خفی و ہم جلی
شد چو مقناطیس در جذبِ لال	از کمالش گشت شورے در جہاں
سرورانِ دہر حُمدِ امِ درش	فاضلانِ دیں غلامِ درگمش
گشت روشن عالم از انوارِ او	جن و انس طالبِ دیدارِ او
مثلِ جدِ خویش شاہِ دستگیر	در کمالات و کرامت بے نظیر
گشت ہر اطرافِ عالم را محیط	فیضِ او چوں منتشر شد در بیط
گشت اندر پیشِ علمش شمار	غیر مذہبِ کجرواں از ہر دیار
بیرہ گردیدے جہاں از گمراہاں	گر نمودے ذاتِ او در ایں زماں
مے رسد بادِ دستگیرے محیِ دین	نسبِ او از پشتِ بستِ پیار میں

از طفیلِ حرمتِ خیر البشر
باد فیاضِ حقائقِ تاحشر

باب چہارم

زمانہ جذب و سیاحت

۱۳۰۰ھ تا ۱۳۰۶ھ

۱۸۸۴-۸۳ء تا ۱۸۸۹-۹۰ء

زمانہ جذب و سیاحت

حضرت کی اپنے شیخ سے عقیدت

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنے شیخ کریم کے ساتھ بے حد عقیدت اور کمال درجہ کی محبت تھی۔ موقوفات طیبات میں آپ کا ارشاد بدین مضمون درج ہے :-

”ہمارے خواجہ شمس الحق والدین کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی محبت سے آیا اُسے اُس کی استعداد سے زیادہ فیوض و برکات سے نوازا جس کسی نے آپ کو ایک بار دیکھا اُسے دوبارہ دیکھنے کی ہمیشہ حسرت رہی۔ ۳۰ سالہ میں حج بیت اللہ شریف کے موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی خود بخود میری طرف متوجہ ہوئے اور باطنی نعمت دینا چاہی۔ لیکن میرے دل میں خیال گذرا کہ جو رخ انور ہم نے دیکھا ہے جہاں میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ آخر ان کے اصرار پر عرض کی کہ اگرچہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ آپ بخوشی عنایت فرما رہے ہیں۔ لہذا آپ کا شکریہ گزاروں۔ تاہم اس عنایت کو اپنے شیخ طریقت کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سلسلہ طریقت چشتیہ صابریہ عنایت فرمایا۔“

حضرت حاجی صاحب کے واقعہ کی تفصیل اسی باب میں آگے درج ہے۔

طلب مزید کھیلنے بیابانوں میں خلوت کاراڑ

حضرت اعلیٰ سیالوی کی زندگی میں حضرت قبلہ عالم کی توجہ زیادہ تر مقامی درس و تدریس، ریاضات و عبادات اور وقتاً فوقتاً سیال شریف کی حاضری اور استفادہ پر رہی۔ ۳۰ سالہ میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کا وصال آپ کے عمدہ شوق کے لیے تازیانہ اور انتہائی بے قراری کا باعث ہوا۔ ہمت عالیہ کی تشنگی ابھی فرو نہیں ہوئی تھی اس لیے اسی باب فقر کے حسب معمول طلب مزید کے لیے علوم رسمیک کی تعلیم و تدریس کو خیر باد کہہ کر جہاں گروہی اور صحرا نوردی اختیار فرماتے ہوئے اپنے جد امجد حضرت فوت الاعظم کی سنت کو پورا کیا۔ کیونکہ آنجناب بھی علوم ظاہرہ کی تکمیل کے بعد سالہا سال تک عراق کے بیابانوں میں شامل بخیار بیتے ہوئے کسی ایک مدت م پر قرار پذیر نہ ہوئے تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی عمر اُس وقت پچیس برس کی تھی۔

بزرگان دین کے معمول صحراوردی کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائے حال میں کیسوی کے لیے انہیں خلوت کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے ان آیام میں لوگوں سے زیادہ میل جول ان کے حال میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اور جب تکمیل کے بعد مشاہدہ دوام اور مقام محمود تمکین پر فائز ہو جاتے ہیں تو خلوت سے جلوت کی طرف رجوع فرماتے ہوئے ہدایت خلق میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت ان کو جلوت میں خلوت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

خلوت میں ہو مشق تصور، نقص کمال عشق یہی ہے

تنہائی کے معنی یہ ہیں، سب میں رہ کر تنہا ہو جانا

اس وقت یہ سب میں ہوتے ہوئے، سب میں رہتے ہوئے بھی سب سے الگ ہوتے ہیں۔

وصال شیخ کے بعد آپ کی حالت

حضرت اعلیٰ سیالوی کے وصال کے بعد آپ کے سفر و سیاحت کے اکثر حالات آپ کے منتظم خط و کتابت ملک سلطان مسعود ڈوانہ نے حضرت کے پُرانے شاگرد اور سفر و حضر کے مصاحب جناب مولوی محبوب عالم کی زبانی قلمبند کیے تھے۔ اور کچھ واقعات جناب مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور نے بھی اپنے مسودات میں تحریر کیے ہیں۔ مولوی محبوب عالم قریباً بارہ سال کی عمر میں حضرت کے درس میں شامل ہوئے تھے۔ اور پھر ساری عمر حضرت کی خدمت میں بسر کر کے بالآخر اسی جگہ فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کے والد حضرت مولوی عصمت اللہ خان ہزاروی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیر طریقت تھے۔ انہوں نے اپنے اس لڑکے کی تعلیم و تدریس کا خاص طور پر انتظام کیا تھا مگر اس صاحبزادہ نے، موضع گڑھی انغاناں علاقہ تحسن ابدال میں ایک عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو دیکھ کر کچھ ایسی کشش محسوس کی کہ ذہنی طور پر تمام علاقہ دنیوی سے بے تعلق ہو کر آپ کی سرپرستی میں رہنے کو ترجیح دی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے سفید شلوار اور سفید قمیص پہن رکھی تھی۔ سر پر دستار بھی سفید ہی تھی اور لمبے گھنگھریالے بال۔ ریش مبارک ابھی اچھی طرح گھنی نہیں ہوئی تھی۔ آپ ٹہل رہے تھے اور پاس سے گزرتے ہوئے دو تین مرتبہ غور سے آپ نے میری طرف دیکھا۔ آنکھوں میں ذوق الست کی مستی تھی یا جنود مجذوبہ والی ازلی کشش کہ دل بے ساختہ مسحور ہو کر آپ کی طرف کھینچا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چند روز بعد ہی گھر سے بھاگ کر گولڑہ شریف حاضر ہونے پر مجبور ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ سیال شریف گئے ہوئے ہیں لہذا واپس چلا گیا۔ دوبارہ جب آنے لگا تو بڑے بھائی نے تعاقب کر کے راستہ میں آن پکڑا مگر میں نے منت سماجت کر کے کہا کہ والد صاحب بقید حیات ہیں۔ اُن کی تبادلی اور جائداد میں مبارک ہو میں نے اپنے حصہ کی جائداد بھی تمہیں بخشی۔ مجھے جانے دو میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ بھائی نے میری باتیں سن کر چھوڑ دیا اور میں گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ میرے پہنچنے سے تھوڑا عرصہ ہی قبل حضرت اعلیٰ سیالوی کا وصال ہوا تھا۔ اور حضرت اپنے شیخ کے فراق میں عجیب و غریب کیفیت میں مبتلا تھے۔ نماز ادا کرتے وقت یا وظائف پڑھتے وقت یا باتیں کرتے ہوئے جی کہ اُٹھتے بیٹھتے آپ پر گریہ طاری رہتا۔ اس صورت حال کے پیش نظر درس و تدریس کا کام بڑے بڑے شاگردوں نے سنبھال لیا تھا چنانچہ کچھ عرصہ یہی حالت رہی اور پھر سفروں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کئی کئی مہینے متواتر غائب رہتے اور پتہ

نہایت کہ کہاں ہیں کبھی اچانک واپس آجاتے اور منتشر قیام کے بعد چہ کہیں روانہ ہو جاتے کبھی تنہا ہوتے اور کبھی کسی کو ساتھ لے لیتے کسی جگہ زیادہ قیام فرماتے اور کہیں کم۔ اولاً یہ سلسلہ لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں تک محدود رہا مگر چہ سندھستان کی طرف رخ فرمایا اور حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز بمیری کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے جہاں سے کسی اشارہ نبی کے تحت واپس تشریف لاکر حجاز مقدس کا سفر اختیار فرمایا اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ مبارک سے محبت و تمکین کے مرتبہ عالی پر فائز المہم ہو کر بالآخر تشریف دہلی و ملت خانہ پر واپس آکر مسند ارشاد پر ٹھہرنے ہوئے۔ بعض سفروں کے معلوم شدہ حالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مجاہدات کسار راوی

سب سے پہلے ایک طالب علم فیض عالم نامی کو ہمراہ لے کر حضرت نے گولڑہ شریف سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔ ایک آدھ روز اپنے پیہجانی حافظ محمد دین سکھ کو چھٹیکیداران کشمیری بازار کے پاس رہ کر بالآخر راوی کے کنارے جہاں ان دنوں گھنا جھگل ہوا کرتا تھا، جا ٹھہرے کبھی تیسرے چوتھے روز شہر میں کچھ وقت کے لیے چلے جاتے دن کو روزہ اور رات کو قیام ہوتا۔ تمام وقت پاس انھاس، ذکر جہر اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتا۔ کئی کئی دن کے بعد سید احمد رپر کچھ تسکین دل فرماتے در نہ محض ذکر الہی پر بسر اوقات فرماتے تھے۔ البتہ ذوق شوق، سوز و گداز اور درد کی روحانی غذا کی طلب رہتی۔ سنہری مسجد کے نیچے ستاروں، ریابوں اور سارنجیوں کی ایک دوکان تھی شہر میں آتے تو کبھی کبھی وہاں ضرور جا بیٹھتے۔ کبھی کو چھٹیکیداران کی مسجد میں رات گزارتے۔ جب آپ کے علم و فضل کا چرچا ہوتا شروع ہوا اور علماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی تو ان کے پاس خاطر سے شیخ الہی بخش کتب فروش کی دوکان پر تشریف لائے گئے۔ ساندول کی دوکان پر ایک روز ایک خوش رو نوجوان کرم دین نامی پر جو ستارہ نواز بھی تھا آپ کی نظر پڑی تو اس نے کچھ ایسی شش محسوس کی کہ اپنی ضروریات کا خیال ترک کر کے آپ کی طرف لوٹا اور بولا فقیر یہ لاہور ہے دلی نہیں کہ غدر پڑ جائے۔ آپ نے مسکرا کر کبیل اٹھایا اور مسجد میں چلے گئے۔ دیکھا تو کرم دین بھی پیچھے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا لاہور اپنی جگہ کیوں نہ قائم رہا پیچھے پیچھے کیوں چلا آیا۔ کرم دین نے معذرت کر کے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور حلقہ ذاکرین میں شامل ہو کر نیک بختوں میں سے ہوا۔

حافظ محمد دین کا ایک آشنا خلیفہ نور دین نان فروش بھی آپ کا عقیدت مند اور شیعہ الہی تھا اور کبھی کبھی دودھ اور نان لے کر راوی کے کنارے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا جھگل میں آپ کی تلاش کے لیے آپ کا طالب علم فیض عالم یا حافظ محمد دین یا خلیفہ نور دین ذکر جہر کی آواز پر کان لگاتے اور آواز سے سمت کا تعین کر کے آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ فیض عالم کو آپ کبھی راوی کے کنارے یا شہر کی کسی مسجد میں جہاں بھی موقع ملتا سبق پڑھا دیا کرتے۔ جمعہ کے روز کپڑے دھو لائے غسل فرماتے اور بالعموم مسجد وزیر خان میں نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے۔

شیخ الہی بخش کتب فروش بھی بہت عقیدت مند تھا۔ اس کی دوکان کے قریب ایک مسجد تھی جس کے امام حکیم فضل احمد بھی آپ سے بیعت ہو گئے تھے۔ وہ بھی کبھی خود اور کبھی اپنے ایک تلمیذ جیسے شیر محمد کے ذریعے آپ کی خدمت میں کھانا پہنچا کرتے تھے۔ شیر محمد ان دنوں پائی سکول کا طالب علم تھا۔ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے متعلق اپنے چچا

سے کہنے لگا کہ یہ فقیر تو کابل کا کوئی جاٹو سس معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اسے خواہ مخواہ ولی بنا رکھا ہے۔ یہ سن کر حکیم صاحب سخت ناراض ہوئے اور اُسے کہا کہ ابھی پر صاحب کی خدمت میں کھانا لے جاؤ اور ان بے ادبانه الفاظ کی ان سے معافی مانگو۔ شیر محمد غصے کے عالم میں دریائے راوی پر پہنچا۔ دل میں گھر سے بھاگ جانے یا دریا میں ڈوب مرنے کے خیالات موجزن تھے جب حضرت کے پاس پہنچا تو آپ نے خلافت معمول متوجہ ہو کر دُجوئی فرمائی اور پھر اپنے اور اولشغال میں مصروف ہو گئے۔ اتفاق سے اُس وقت شیر محمد کا ہاتھ حضرت کے کمر سے چھو لیا تو اُس پر کچھ ایسی رقت طاری ہوئی کہ بہت دیر تک بے اختیار روتا رہا جب قدرے سنبھلا تو دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ پھر آپ کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اور اُس وقت تک نہ اٹھا جب تک کہ آپ سے بیعت نہ ہو لیا۔

خان بہادر مولوی شیر محمد اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت

آگے چل کر یہی لڑکا بفضلِ ایزدی دینی و دنیوی عروج حاصل کر کے خان بہادر مولوی شیر محمد اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت ہوا۔ گورنمنٹ سے اپنی احسن خدمات کے صلہ میں تین پشت کی منشن حاصل کر کے گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور حضرت سے بعض کتب کا درس لینے کے ساتھ ساتھ مرتے دم تک حضرت کی خط و کتابت کے انتظام کی خدمت سرانجام دی۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک گولڑہ شریف میں قیام رہا۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے انتقال کیا اور یہیں دفن ہوئے۔ حضرت اپنی آخری تصنیف "تصفیہ مابین سنی و شیعہ" ان ہی سے لکھوا رہے تھے جو ان کے انتقال کے باعث ناتمام رہی۔

خان بہادر مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ لاہور میں سخت بیمار ہو گیا۔ غلبہ مرض کے باعث بچنے کی امید نہ رہی۔ خواب میں دیکھا کہ ملک الموت نے جان قبض کر لی ہے اور تجھ پر تکفین و تدفین کے بعد نکیرین سوال و جواب کے لیے آئے ہیں۔ میں نے سوالات کے جواب صحیح عرض کر دیئے۔ جب پوچھا گیا کہ کُنتَ تَقُولُ فی ہذا التَّجَلُّلِ (ان سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تم کیا کہتے ہو)۔ تو سامنے سنگ مرمر کی ایک بلند دیوار میں ایک دریچہ کھل گیا۔ اور اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نظر آئے۔ میں نے عالم وارفی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کی۔ اے اللہ کے محبوب! میں جانتا ہوں کہ آپ خدا نہیں ہیں اور آپ کی شریعت میں غیر خدا کو سجدہ روا نہیں مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں آپ کے حضور سرسجود ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے سر زمین پر رکھ دیا۔ جب اٹھایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرمایا ہے تھے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، اسے واپس لے جاؤ۔ ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو عزیز و اقارب میری چارپائی کے گرد ماتم کر رہے تھے۔ اگلے روز گولڑہ شریف میں جناب غوث الاعظم کے عرس مبارک کی آخری مجلس تھی چونکہ اصل مرض غائب ہو چکا تھا اس لیے باوجود شدید نقاہت کے دو آدمیوں کی امداد سے اُسی شام بذریعہ ریل گاڑی روانہ ہو کر صبح گولڑہ شریف حاضر ہو گیا۔ مجلس شریف پُرانے مہمان خانہ میں منعقد تھی۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بصدشانِ رعنائی رونق افروز محفل تھے۔ باوجود اس طویل علالت اور شدید نقاہت کے لنگر شریف کے چاول گوشت تمام مہمانوں کے ساتھ خوب سیر ہو کر کھائے مگر کوئی گرائی نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے چند ہی روز میں مکمل طور پر صحت یاب ہو کر بھلا چمکا ہو گیا۔

فتوحاتِ مکینہ کا بالاستیعاب مطالعہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو آپ کے شیخ طریقت نے فتوحاتِ مکینہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے مطالعہ کی تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے شیخ الہی بخش کتب فروش لاہور کے ذریعہ اس کتاب کی جستجو فرمائی تو معلوم ہوا کہ تمام شہر لاہور میں اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جو خواجہ کریم بخش سوداگر چرم کے پاس ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے آزمائش کی ہے کہ بڑے بڑے مولوی بھی اس کتاب کی عبارت تک صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اس لیے اگر کوئی صاحب اس کتاب کا صرف ایک صفحہ درست پڑھ کر مطلب بیان کر دیں تو وہ روزانہ چند گھنٹے میرے مکان پر آکر اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تشریف لے گئے اور کئی صفحات مع طلب کے پڑھ کر انہیں مناسے۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ کتاب آپ کے حوالے کر دی کہ یہ اطمینان پڑھ کر واپس کر دیجئے گا۔ آپ نے تسلی و اطمینان سے اس کا مکمل طور پر مطالعہ فرمایا اور پھر کتاب فارغ ہونے پر نواہی دی۔

تدریس کی پیش کش

ایک روز آپ لاہور کی ایک مسجد میں مشغول وظائف تھے کہ کسی دینی مدرسہ کے دو طالب علموں نے وہاں آکر اپنا سبق دہرانے شروع کر دیا۔ ایک طالب علم نے کافیہ کی یہ عبارت پڑھی :-

الْمَرْفُوعَاتُ هُوَمَا الشَّمْلُ عَلَى عِلِّهِ
الْمَرْفُوعَاتُ فَمِنْهُ الْفَاعِلُ

مرفوع وہ اسم ہے جو علامت فاعل پر مشتمل ہو۔ ان میں سے ایک چیز فاعل ہے۔

ان طالب علموں نے فَمِنْهُ الْفَاعِلُ کے صِن کو بعضیہ قرار دیا۔ حضرت کے گوشِ مبارک پر یہ آواز پڑی، تو آپ نے فرمایا کہ یہاں صِن کو بعضیہ تم خود کہہ رہے ہو یا تمہارے استاد محترم نے اس طرح پڑھایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہیں پڑھایا ہی اسی طرح گیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس نہ تم مجھے اور نہ تمہارے استاد محترم، انہوں نے پوچھا یہاں صِن تبعضیہ نہیں تو کیا ہے۔ فرمایا تمہارے استاد جوتے تو بات کرتا۔ وہ لڑکے اُسی وقت اپنے استاد کو بلالائے جنہوں نے آتے ہی پوچھا۔ میاں کیا آپ نے صِن بعضیہ کو غلط کہا ہے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ استاد صاحب نے وجہ پوچھی تو فرمایا صِن تبعضیہ کا مدخول کل ذوالالباعض ہوتا ہے اور یہاں ضمیر مفرد ہے کل نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کیونکہ ضمیر وں کا معنی ان کا مرجع ہی ہوا کرتا ہے اور یہاں مرجع مرفوع ہے جو کہ المرفوعات سے معلوم ہو رہا ہے اور وہ کلی ہے۔ حضرت نے فرمایا بے شک وہ کلی ہے مگر صِن کا مدخول کل ہوا کرتا ہے نہ کلی۔ کل اور کلی کے درمیان فرق ہیں موجود ہے یعنی صِن بعضیہ کا مدخول کل ذوالالباعض ہوتا ہے نہ کہ کلی ذوالافراد۔

مولوی صاحب اس مسئلہ پر تو خاموش ہو گئے مگر شاگردوں کے سامنے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے مناظرہ گفتگو شروع کر دی اور پوچھا اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ میں هُمْ کی حیثیت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا یہ ضمیر فصل ہے مولوی صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اگر اللہ کے

سوا اور معبود ہوتے تو کائنات تبہ ہو جاتی) میں لفظ **الہیۃ** جمع ہے اور جمع کے اقل افراد تین ہوتے ہیں تو اس آیت کریمہ سے تین یا تین سے زیادہ معبودوں کی نفی تو ہو گئی مگر دو کی نفی تو نہ ہوئی۔ پھر یہ آیت مثبت توحید کیوں کر ہوئی؟

آپ نے جواب دیا کہ قضیہ شرطیہ مذکورہ میں ثبوت توحید کی مدار ترتیب تالی یعنی کلام کے آخری حصہ **لَفَسَدَتَا** پر ہے۔ اور ترتیب تالی جس طرح تین یا زائد پر ہوتا ہے اُسی طرح دو پر بھی ہوتا ہے پس لزوم فساد جس طرح تین یا زائد سے ہوتا ہے اُسی طرح دو سے بھی ہوگا۔ لہذا استدلال تام ہے۔

حضرت نے یہ جواب دے کر مولوی صاحب سے فرمایا۔ اب آپ فرمائیں کہ اثبات توحید کے لیے یہاں اقل درجہ **الہیین** (دو معبودوں) کا ذکر چھوڑ کر جمع لانے میں کیا حکمت ہے۔ اس پر مولوی صاحب لا جواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

اگلے روز مدرسہ کے صدر اور اراکین نے مولوی صاحب کے ہمراہ آکر حضرت کو مدرسہ کی صدارت اساتذہ کے منصب کی پیش کش کی مگر آپ نے معذوری کا اظہار فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ لاہور کی کسی مسجد میں تسبیح پڑھ رہے تھے کہ امام مسجد مولوی غلام اللہ جو قصور کے رہنے والے تھے کچھ دیر تک آپ کو معترضانہ انداز سے دیکھتے رہے اور پھر آپ کی درویشانہ وضع اور طرز عبادت یعنی تسبیح خوانی وغیرہ پر سوالات شروع کر دیئے جب جوابات تسلی بخش ملے اور کوئی بات نہ بن سکی تو کہا کہ صدر کی مشناتہ بالتکریر کی تقریر کیجئے۔

اب صدر اعظم طبعی کی کتاب ہے اور اسے مضمون زیر بحث یعنی تسبیح و تہلیل سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ نیز مشناتہ بالست کری علماء کے نزدیک اس کتاب کا ایک معرکہ آلا مقام ہے لیکن حضرت نے بغیر کسی تاثر کے ایسی آسان اور سہل تقریر فرمائی کہ مولوی صاحب دم بخود رہ گئے۔ بالآخر کہنے لگے کہ رب العزت کے دربار میں باز پرس کے لیے تیار رہیں۔ حضرت نے پوچھا یہ کیوں، تو کہنے لگے کہ جو شخص سینے میں علم کا دریا لیے پھرتا ہو اور خلق خدا کو سیراب نہ کرے اس سے کیونکر باز پرس نہ ہوگی۔

ادھر تو مولوی صاحب درس نہ دینے اور وعظ نہ کہنے پر معترض تھے ادھر بادہ کشان عشق و محبت کا تقاضا سنئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک روز میں لاہور کی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا اور ایک مجذوب میرے پاس خاموش بیٹھا تھا جب میں کتاب میں ہی مہمک رہا تو وہ یہ رباعی باوازی بند پڑھتے ہوئے چلا گیا جس کے سننے سے کئی روز تک طبیعت پر کیفیت طاری رہی ہے۔

دنداں بگڑ زن کہ کبابے بازیں نیست
در صفحہ دل ہیں کہ کتابے بازیں نیست

خون نابہ دل خور کہ شرابے بازیں نیست
در کنز و ہدایہ نتوان یافت حصارا

شاہی مسجد لاہور کے حجروں میں قیام

۱۳۰۱ھ میں حضرت چند روز کے لیے گولڑہ شریف آئے اور مختصر قیام کے بعد پھر واپس لاہور چلے گئے۔

اس مرتبہ شاہی مسجد کے مجرود میں مقیم ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل امام مسجد گولڑہ شریف، مولوی فقیر اللہ نور المعرف بکے والا ساکن تناولی ضلع ہزارہ اور قاضی فیض عالم سکھ کینٹی مرزا تحصیل گوجرانویہ وغیرہ تحصیل علم کے سلسلہ میں آپ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ دیگر محنت می طالبان علم بھی آپ سے درس حاصل کرتے تھے۔ مولوی محبوب عالم جو ابھی ابتدائی کتب پڑھتے تھے گولڑہ شریف میں ہی رہے۔ حضرت شاہی مسجد میں اعلیٰ کتب کا درس دیتے تھے اور جب جی میں آتا راوی کے جنگل میں یاد الہی میں جامضوت ہوتے۔ اس جگہ پہلے طالبان علم کو کھانے کی بہت تکلیف ہوتی۔ کئی کئی وقت فاقہ رہتا۔ مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ ایک روز مولوی محمد اسماعیل نے عرض کی، حضرت! آپ کو تو اللہ اللہ کرنے کی وجہ سے روحانی تغذیہ کی فراوانی کے باعث جسمانی غذا کی ضرورت کم محسوس ہوتی ہے لیکن ہم نفسانی لوگ بغیر غذا جسمانی کیسے وقت گزار سکتے ہیں۔ آپ نے متعجب ہو کر دریافت فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ خاموش ہو گئے مگر اسی روز سے لوگوں نے خود بخود ہر قسم کا کھانا باذرا لا شروع کر دیا۔ کھانا بھی اچھی قسم کا یعنی گوشت روٹی، پلاؤ، زردہ وغیرہ ہوا کرتا۔ اور آئندہ اس ضمن میں طلباء کو کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

آپ کا ایک عاشق المشہور فقیر سواتی

ایک شخص جسے مولوی کا غانی کہہ کر پکارتے تھے محض اچھی خوراک کے خیال سے حضرت کے درس میں آیا کرتا تھا۔ اُس نے ایک روز اپنے ایک آشنا صوفی پٹھان سے حضرت کے کمالات کی تعریف کی۔ یہ پٹھان صوفی کشمیری بازار کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آج کل کوئی فقیر نہیں ہے۔ البتہ صرف سوات والے بزرگ فقیر ہیں۔ اُسی رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہی مسجد کے تالاب پر وضو کر رہے ہیں۔ اور یہ یعنی صوفی پٹھان آپ کی شکل مبارک دیکھ کر بہت متاثر ہوتے ہیں اور بیعت کے لیے عرض کرتے ہیں۔ مگر حضرت جواب میں فرماتے ہیں کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اس سے قبل ان صوفی صاحب نے حضرت کو نہیں دیکھا تھا۔ اگلی صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کو خواب میں نظر آنے والی شکل میں ہی تالاب پر وضو کرتے پایا۔ انہوں نے بیحد متاثر ہو کر بیعت کے لیے استدعا کی تو حضرت نے وہی جواب دیا کہ میں تو فقیر نہیں، کسی فقیر کے پاس جاؤ۔ اُس روز تو یہ واپس چلے گئے لیکن دوسرے روز درمند دل اور اشک آلود آنکھوں کے ساتھ حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ افسوس کہ ان حضرت یعنی پٹھان صوفی صاحب کا نام کہیں تحریر نہیں ہے۔ ان کے دیکھنے والوں میں سے جو خال خال شخصیتیں اس وقت رہ گئی ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ یہ فقیر صاحب سواتی کے نام سے مشہور تھے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ارادتمندوں میں سے یہ صاحب ایک خاص مقام و انداز کے حامل ہوئے ہیں۔ حضرت نے دریائے راوی پر انہیں کوئی اسم پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی، جسے پڑھنے پر یہ اُسی جگہ مابی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے ان پر پانی ڈلویا اور ہوش میں آنے پر ان سے وہی اسم پاک پڑھوایا تو پھر وہی کیفیت ہوئی کئی سال بعد جب حضرت گولڑہ شریف تشریف لاکر مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو کچھ عرصہ تک یہ صاحب لاہور سے آکر حاضری دیتے رہے مگر سال میں دو بار مرتبہ سے زیادہ بار دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے تھے آپ کو دیکھتے ہی وجد میں آجاتے۔ پاس بیٹھنے تک کی ہمت

نہ تھی۔ بالآخر لاہور سے ترک سکونت کر کے گولڑہ شریف آگئے۔ حضرت نے آستانہ عالیہ سے مغرب کی طرف کچھ فاصلہ پر موجود تھانہ پولیس کے قریب والی مسجد میں قیام کا حکم دیا۔ آہستہ آہستہ حاضری نامکمل ہوتی گئی۔ بالآخر یہ حالت ہو گئی کہ حضرت تو بجائے خود رہے اُن کے خدام خاص کو دیکھنے پر بھی وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس لیے حضرت نے خدام کو فقیر صاحب کی طرف جانے سے منع فرما دیا۔ ایک روز دھوبی حضرت کے کپڑے لے کر مسجد کے پاس سے گزرا۔ یہ بچوں کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے معلوم نہیں کہ کپڑوں پر نظر جا پڑی یا پیراہن یوسف کی سرلیج السیر خوشبو نے مشام جان کو معطر کیا کہ اچانک فرش مسجد پر گر کر تڑپنے لگے۔ دائے ارمان اُس سوزِ محبت کے، جو نہ تو تاب وصل پہنے دے اور نہ طاقتِ جدائی۔ بمصدق ۔

من شمع جاں گدازم تو صبحِ دلکشائی سوزم گرتِ زبِ نغمِ میرم چو رخِ منائی
ز دیکتِ اسِ مہینم، دورِ آنچسناں کہ گفتم تے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

جب ان فقیر صاحب کا آخری وقت آیا تو جناب قاری عبدالرحمن جونپوری نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ چلیے، بے چارہ تڑپ رہا ہے۔ جب تک آپ تشریف نہیں لے چلیں گے۔ جان نہیں دے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ چند لمحوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت کو دیکھا جیسے خلاف معمول سکون آگیا ہو۔ پھر اچانک ایک لمبی سانس لی اور جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

ایک اور عاشقِ دیوانہ

حضرت کے جمالِ جاں نواز کا ایک اور عاشق بھی مجذوب ہو گیا تھا۔ یہ آپ کی مسجد کے باہر پڑا رہتا۔ اور پانچ وقت جب آپ نماز کے لیے آتے تو نظر اٹھا کر آپ کو دیکھ لیتا۔ اور کبھی کبھی آپ کے پیچھے سفر میں بھی جا پہنچتا۔ حضرت کے سال بھر میں دو ہی سفر مقرر تھے۔ ایک سیال شریف کا اور دوسرا پاک پتن شریف کا۔ ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں خافتہ معلیٰ کے شمالی دروازہ کی سیڑھیوں میں حضرت کی گذرگاہ پر پڑا ہوا تھا۔ جب حضرت کا معاذِ ہام خلق کے وہاں سے گذر ہوا تو اٹھ بیٹھا اور کہا: پیر جی، ہمارا اعتقاد آپ پر سے اٹھ گیا ہے۔ حضرت نے ایک طویل آہ لے کر فرمایا: میاں! عا کرو کہ میرا اعتقاد تم پر سے نہ اٹھ جائے۔ اکثر اہلِ دل یہ بات سن کر بے اختیار رو دیئے کہ سلوک کا کتنا بڑا مسئلہ کس آسان لفظی سے حل فرما دیا ہے۔

افسوس یہ لوگ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ آپ ان کو کیا دکھائی دیتے تھے اور درحقیقت کیا تھے۔ حال کی بات قال میں کیسے سمجھائی جاسکتی ہے۔ یہ کام ہم ہی ظاہر بینیوں کو کرنا پڑتا ہے جو مادی استدراک کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے مؤرخ، متقن یا مولوی بن کر رہ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی لقاؤں کے الہی کے حسرت و ارمان میں رونے والی آنکھیں شاید انکوں کی بینک کے شیخِ طریقت کے آئینہ جمال میں اُس حُسنِ حقیقی کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں جس کی نسبت خود حضرت قبلہ عالمِ قدس سرفرازی فرمایا ہے ۔

ایہ صورت ہے بے صورت تھیں بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ ہے اس صورت تھیں، درج وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں

اور کسی اور صاحب نے بھی خوب کہا ہے۔ ع

تیری جہیں سے آشکار پر تو ذات کا فروغ

صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن کریم گواہ ہے کہ ان لوگوں کے دل کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہی ظاہری آنکھیں پر تو جمال حقیقی سے روشن تر ہو کر بشری قیود و حدود سے ورہی دیکھ لیتی ہوں۔ بہر حال اُس زمانہ میں حضرت کی دید برق جہاں سوز سے کسی طرح کم نہ تھی جو آنکھ آپ کے چہرہ مبارک پر پڑ جاتی ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتی خصوصاً نوجوان طبقہ پر آپ کی نظر کیما اثر کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ گھر بار چھوڑ دیتے شادی بیاہ کی نسبتیں توڑ دیتے اور تمام علاقائی دنیوی سے قطع تعلق کرتے ہوئے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں مبتلا ہو جاتے آپ کے نیاز مندوں کو کہتے ہی ایسے حضرات کا حال معلوم ہے جو بچپن میں ہی اس نگہ خدا آگاہ کے تیر نیم کش سے گھائل ہو کر جانداویں اور گھر بار چھوڑ کر آپ کی خدمت میں تہجد کی زندگیاں بسر کر گئے۔

سفر مالیر کوٹلہ

لاہور میں کوئی سال بھر قیام فرمانے کے بعد جوش جنوں نے پھر زنجیر درکشکھائی۔ اور آپ سلسلہ درس و تدریس ترک فرما کر پھر راوی کے جنگل میں خلوت گزین ہو گئے۔ مگر جب پروانوں نے وہاں بھی چین سے نہ ٹھکنے دیا تو تنہا مالیر کوٹلہ کے سفر پر نکل گئے۔

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پر رہاں

رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے ہے

کچھ عرصہ مالیر کوٹلہ میں قیام فرمایا۔ وہاں کے حالات کی تفصیل نہیں مل سکی۔ صرف ایک اضافی واقعہ جناب شیخ الجامعہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اُس جگہ حضرت کے ایک ارادت مند حافظ صاحب رہا کرتے تھے جو ایک رات کچھ وظائف ایک قبرستان میں جا کر پڑھنے لگے تو اچانک پتھر اور اینٹیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ جیسے جیسے یہ وظیفہ پڑھتے تھے سخت باری زیادہ ہوتی جاتی تھی کہ ایک بڑا سا پتھر سر کے بالکل قریب سے گزرا جس سے گھبرا کر انہوں نے وظائف بند کر دیئے اور قصیدہ بُردہ شریف کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پتھروں کا برسنا بند فرما دیا۔

هُوَ الْجَبِيْبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوَالٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٌ

(وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ اُن کی شفاعت کی امید

ہے ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے ہیں)

حضرت کا ایک دیوانہ قاضی مہید عالم کسی طرح یہاں کے متعلق بھی پتہ لگا کر آپ کے پاس مالیر کوٹلہ جا پہنچا جس پر بالآخر واپس گھر تشریف لے آئے۔

سفر ملتان

چند روز بعد پھر تنہا ملتان تشریف لے گئے۔ رات کو محلہ قاضیاں میں ایک قاضی صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔

اور دن کے وقت حضرت غوث بہاؤ الحق کے مزار پر انوار پر موجود رہتے۔ خود فرماتے تھے کہ ایک روز میں بوہڑ دروازہ سے نکل رہا تھا کہ مولوی نظم الدین سکنہ بستی چمڑنگ مع اپنے شاگرد سید بہار شاہ سکنہ سداواں دور سے آتے نظر آئے۔ میں نے معلوم کیا کہ مولوی صاحب تو طلب دعا کے لیے آرہے ہیں اور ان کا شاگرد کوئی علمی سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ملاقات پر مولوی صاحب نے تو اپنے حسن خاتمہ کے لیے دعا کو کہا جو میں نے بعد معذرت کر دی۔ اور ان کے شاگرد نے پوچھا کہ ترکیب ذہنی اگر ترکیب خارجی کو مستلزم ہے تو لازم آئے گا کہ عقول مادی ہوں۔ کیونکہ عقل کی حد یہ بیان کی جاتی ہے کہ العقل جوہر مجرد عن المادۃ فی الذات والفعل اور جوہر جوہر درجہ لا بشرط مشی میں جنس ہے مرتبہ بشرط لا مشی میں مادہ ہوتا ہے حضرت نے جواب دیا کہ مادہ صرف اجسام تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی یعنی مادہ کی ایک قسم مجردات میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مادہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ اُس نے دریافت کیا کہ ان قسموں کا کس کتاب میں ذکر ہے حضرت نے فرمایا کہ قاضی مبارک کے حاشیہ منہیہ اور اُس کے حاشیہ ملاپشت میں۔ یہ سن کر وہ مطمئن اور خاموش ہو گیا۔

حضرت شیخ الجامعہ کے استاد گرامی مولانا جمال الدین گھوٹوی سے منقول ہے کہ ایک روز انہیں ملتان میں حضرت کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ دوپہر کے وقت حضرت نے اپنے حجرے کا دروازہ کھولا۔ باہر تشریف لاکر تھوڑی دیر باتیں کیں پھر اُن سے فرمایا کہ اجازت دیجئے اور پھر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اُن دنوں حضرت کو خلوت پسند تھی اور لوگوں سے گونہ وشت ہوتی تھی۔

ایک دن مولانا سلطان محمود سکنہ ٹھٹھی حمزہ نے ملتان اگر استاد صاحب گھوٹوی سے کہا کہ حضرت پیر صاحب کی زیارت کا شوق ہے چنانچہ تلاش کُنں ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ تنہا تشریف فرما ہیں اور آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ انہیں آمادہ کر آسو پونچھے اور مصافحہ کیا یہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ نے کچھ دیر خاموش رہ کر یہ رباعی پڑھی اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

خونِ نابہ دل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
دندانِ جبِ گرزَن کہ کتابے بہ ازیں نیست
در کُز و ہدایہ نتوان یافت حُدا را
در صفحہٴ دل ہیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

حضرت نے اپنے ایک آشنا حکیم مہر بخش کو فرمایا کہ یہاں محلہ قاضیاں میں میری کافی شہرت ہو گئی ہے کسی دوسری جگہ مکان کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے حرم دروازہ کے اندر ایک مکان کرایہ پر لے دیا۔ یہاں ایسی تنہائی تھی کہ ہفتوں کسی آدمی کا منہ تک دیکھنا نہ ملتا۔ اس مکان کے قریب ایک شخص رہتا تھا۔ اُس نے رات کو کبھی بار جاگ کر آپ کو بحالت نماز و قیام دیکھا اور کافی عرصہ تک اسی طرح دیکھتا رہا تو آپ کا بے حد عقیدت مند ہو گیا ایک دن حاضر ہو کر عاجزانہ گزارش کی کہ میری لڑکیاں جوان ہیں کہیں سے اُن کے رشتہ کے سلسلہ میں کوئی پیغام نہیں آتا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادیں۔ اور مجھے اس فرض سے باحسن سکدوش فرمادیں۔ حضرت نے دعا کی اور دو تین ماہ کے اندر اندر حسبِ خواہش بچوں کی شادی سے اللہ تعالیٰ کے کرم سے فارغ ہو گیا۔

سفید مرغ نے مدفونہ دولت کی نشاندہی کی

جب اس محلہ میں بھی شہرت ہو گئی تو آپ نے محلہ حسین آگاہی میں جا کر مکان لیا۔ وہاں بھی ایک مندرجہ بالا قسم کے

شخص نے حاضر خدمت ہو کر بغیر کچھ کہے سنے خاموشی سے شب و روز آپ کی خدمت شروع کر دی۔ اُس شخص کی لڑکیاں جوان تھیں مگر غربت و ناداری کے باعث کہیں رشتے نہ ہوتے تھے۔ آپ نے بڑے فرست اُس کی پریشانی کا حال معلوم کر کے ایک روز اُسے فرمایا کہ ایک سفید مرغ لاؤ۔ اُس نے ایسا ہی کیا تو شام کے قریب اُسے مرغ سمیت بھول کر بوضہ غوث بہاؤ الحق کے مغربی دروازہ کی طرف لے گئے۔ مرغ کے گلے میں ایک تعویذ ڈالا اور اُسے چھوڑ دیا مرغ نے تھوڑا فاصلہ چل کر ایک جگہ کو اپنی چونچ سے کھودا۔ حضرت نے اُس شخص کو وہ جگہ کھودنے کو کہا تو تھوڑی سی گہرائی میں ہی روپوں کا قبضہ ملا۔ آپ نے اُسے کہا کہ جس قدر ضرورت ہے لے لو۔ اُس شخص نے روپوں سے بھولی بھولی تو آپ نے کڑھے کو بند کر دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت ملتان سے مظفر گڑھ جا چکے تھے اُس شخص نے دوبارہ اُسی جگہ پہنچ کر قسمت آزمائی کرنا چاہی تو وہاں سے سانپ نکل آیا اور وہ ناکام واپس لوٹا۔

حکیم مہر بخش کے فرزند اپنے والد صاحب کی زبانی روایت کرتے تھے کہ بہت دنوں حضرت کی یہ کیفیت تھی کہ سر پر مال بندھا رہتا تھا۔ اور جہاں بچے پتنگ اڑا رہے ہوتے، اُس جگہ دیر تک کھڑے آسمان کی طرف دیکھتی دیکھتے رہتے اور آنکھوں سے اشک رواں رہتے۔

رشتہ در گردنم انگذہ دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ دوست

کھانے پینے کی طرف توجہ نہ تھی کبھی حکیم صاحب آپ کی رغبت کے پیش نظر بھڑیا بکری کی زبان کا گوشت کچا کر پیش کرتے تو بہت اصرار کے بعد تھوڑا سا تن اول فرما لیتے۔ حکیم صاحب کے ایک چچا بزرگوار بہت بڑے عالم اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ اُن کے ساتھ تجلیہ میں علم و فقر کی گفتگو رہتی۔ وہ فرمایا کرتے کہ انہیں عام فقر کے زمرہ میں شمار نہ کرنا۔ یہ بہت زبردست عالم اور بہت ہی بڑے پائے کے ولی اللہ ہیں جو جذب و سلوک کی منازل طے کر رہے ہیں اور عنقریب فلک ولایت پر آفتاب بن کر چمکنے والے ہیں حکیم صاحب کہتے تھے کہ ملتان کے لوگ بالعموم جان گئے تھے کہ حضرت کس پایہ و شان کے بزرگ ہیں۔ اور آپ کے قیام ملتان کے آخری دنوں میں لوگ اس کثرت سے آپ کی طرف رجوع کرنے لگ گئے تھے کہ آپ اپنے حجرہ میں چھپ چھپا کر آتے اور اندر داخل ہو کر اُسے باہر سے مقفل کر دیتے۔ بکثرت اشخاص دُعا کے لیے حاضر ہوتے اور ہم سے سفارش کے طلبکار ہوتے۔ آپ کی دُعا اور نگہ انتفات حل مشکلات وغیرہ میں تیر بہدف شمار ہوتی تھی۔

ایک روز حکیم مہر بخش آپ کو کمرہ میں بند کر کے آپ کے ارشاد کے مطابق دروازہ باہر سے مقفل کر کے کسی کام کے سلسلہ میں حضرت حافظ محمد جمال کی خانفت شریف کی جانب چلے گئے۔ وہاں ایک مجذوبہ مانی پڑی رہتی تھیں حکیم صاحب کو پاس بلا کر طمانی زبان میں کہنے لگیں۔ وے بالا، اول جیون جو گے کوں اندر کیوں ڈھاک آیاویں، اوندی دل جو بھی تھیدی ہو سی۔ حکیم صاحب نے کہا۔ مانی میں کیا کروں، وہ خود مجھے کہتے ہیں کہ باہر سے تالا لگا دو۔ مجذوبہ بولیں۔ نان وے نان، اینویں نہ کیا کر، شہزادہ وی شہزادہ۔ یعنی یہ شہنشاہوں کا فرزند ہے اسے معمولی انسان نہ سمجھنا، مبادا اندر مقفل ہو کر بیٹھنے سے ان کا دل اُداس ہو جائے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید کے مزار پاک کی کشش

حضرت قدس سرہ فرماتے تھے کہ پہلی بار جب ہم ملتان گئے تو پاک دروازہ سے گذرتے وقت اچانک میرا رخ کسی غیبی طاقت نے ایک خانقاہ شریف کی طرف پھیر دیا۔ سامنے ایک بڑی واؤنچی ڈیوڑھی تھی اور آگے والا تھا۔ جہاں ایک مولوی صاحب غیر متددوں کی تردید میں تقریر کر رہے تھے مگر دلائل ایسے بودے اور بے سرو پا تھے کہ حیرت ہوتی تھی کہ سامعین سب کے سب غیر متقلد کیوں نہیں ہو جاتے مگر اُس اندرونی کشش نے ہمیں وہاں زیادہ دیر رکنے نہ دیا۔ کچھ آگے بڑھے تو حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہید کا مزار پاک نظر پڑا۔ جو معلوم ہوا کہ گیلانی القاب ہیں اور یہ اپنے ہی گھرانے اور خاندان کی کشش تھی جو کھینچے لیے جارہی تھی۔ حضرت مخرج نے مزار پاک میں سے فرمایا کہ قرابت کا یہ طریق نہیں ہے کہ نزدیک رہتے ہوئے بھی ملاقات نہ کی جائے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پیر طہقیت اور حضرت مخدوم عبدالعتاد رثانی اوجی اور حضرت سیدنا عبدالوہاب بن سیدنا غوث الاعظم جیلانی کی اولاد پاک سے ہیں۔ یہ خاندان برصغیر پاک و ہند میں گیلانی سادات کے مشہور خانوادوں میں سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کے حالات اخبار الاخبار میں مفصل بیان فرمائے ہیں۔ یہ خاندان سب سے پہلے ریاست بہاولپور کے شہر آفتاب شہر اوج میں وارد ہوا تھا اور بعد میں بہاول پور کے دوسرے شہروں اور ضلع ملتان میں سکونت پذیر ہوا۔ حضرت مخدوم موسیٰ پاک شہید کی خانقاہ شریف ملتان شہر میں دربار پیران پیر کے نام سے مشہور عام ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پاک تین شریف جاتے ہوئے عام طور پر ملتان اتر کر مزار شریف حضرت موسیٰ پاک شہید کی زیارت کیا کرتے تھے اور آنجناب کے سجادہ نشین، قدوة السالکین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ گیلانی کے ساتھ حضرت کے تعلقات بحد مجاہد تھے۔ اسی خاندان کے ایک مشہور فرد سید میاں شاہ رئیس اعظم بہاولپور، حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے بیعت ہیں۔

حاجی امام بخش ملتان سوداگر چرم بیان کرتے تھے کہ اُن کے محلہ میں ایک مجذوبہ بامانی موراں نامی نیم برہنہ حالت میں پھرا کرتی تھیں۔ ایک روز کپڑا مانگ کر جسم ڈھانپنے کی تنگ و دو میں مصروف ہو گئیں کہ مرد آ رہا ہے۔ گویا پہلے کوئی مرد انہیں نظر نہ آتا تھا۔ اور لوگ اُن کی نظروں میں عام جانوروں کی طرح تھے۔ سچ ہے طَالِبُ الدُّنْيَا مُخَنَّدٌ، طَالِبُ الْعُقْبَىٰ مُوَكَّلٌ طَالِبُ السَّوْلَىٰ مَذْکُورٌ کچھ دیر بعد ایک درویش مجذوب صورت اُس کے پاس آیا۔ اور دونوں باتیں کرتے رہے جب وہ جانے لگا تو لوگ اُسے بزرگ سمجھ کر ساتھ چلنے لگے۔ لیکن اُس نے سختی سے ڈانٹا اور لوگوں کو روک دیا۔ کئی اشخاص نے مختلف قسم کے سوالات بھی پوچھے مگر اُس نے کسی کا جواب نہ دیا۔ البتہ ایک شخص نے جب یہ پوچھا کہ گولڑہ والے پیر صاحب جو یہاں آتے رہتے ہیں، صحیح فقیر ہیں یا نہیں۔ تو فوراً پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا: گولڑہ والے پیر صاحب اولیاء کے سرتاج ہیں۔

ڈیرہ غازیخان کا ایک نانگافیر

جناب شیخ اباجی کے سؤدات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ڈیرہ غازیخان میں ایک نانگے فقیر سے ملاقات ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ وہ فقیر بڑا صاحب کشف تھا اور واقعات کونیہ کی اطلاع پہلے دے دیا کرتا

تھا میرے متعلق اُس نے کئی پیشین گوئیاں کیں جو پوری ہو رہی ہیں۔ اور اُس کے مکاشفات ہمیشہ درست ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ڈیرہ غازیخان سے ملتان آتے وقت وہ میرے ساتھ ہو لیا۔ غازی گھاٹ سے سہم جہاز میں سوار ہو کر دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے کہ ایک عورت کافی فاصلہ پر دودھ کا برتن لیے مشک پر تیرتی نظر آئی۔ میری توجہ ایک لمحہ کے لیے اُدھر ہو گئی اور خیال آیا کہ یہ عورت اپنے کام میں کیسی باہمت ہے۔ معاوہ نام کا فقیر تائی بجا کر کہنے لگا: وہ مار ٹوٹ گئی۔ تار ٹوٹ گئی۔ یعنی تمہاری توجہ ذکر الہی کے شغل سے ہٹ کر اس عورت کے کام کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ پھر وہ جہاز میں ہی کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نگہی میں لے جائیں گے۔ اور مجھے پیدل چلائیں گے۔ بابا تم اُس کے لاڈ لے جو جوئے۔ آجہم ریل گاڑی میں اکٹھا سفر کریں گے۔ میں نے کہا نہیں دونوں اکٹھے نگہی میں چلیں گے۔ میرے پاس کرایہ دینے کو رقم ہے۔ وہ بولا پیسے تو میرے پاس بھی ہیں مگر غذا کی مرضی یہی ہے کہ میں پیدل چلوں۔ حضرت فرماتے تھے کہ جہاز سے اتر کر میں نے ایک اچھا سا تانگہ دیکھا اور اُس میں سوار ہو کر اُس فقیر سے کہا کہ میرے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ میں یہ بات ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ ایک شخص جلدی سے آکر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور وہ جگہ روک لی۔ وہ پچھلی سیٹ کی طرف پٹا تو دو اور آدمی پک کر اُس سے پہلے سوار ہو کر وہاں بیٹھ گئے اور تانگہ میں سواریاں پوری ہو گئیں۔ پھر وہ جس تانگے یا نگہی کی طرف جاتا۔ اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی سواریاں سے بھر جاتا۔ اور چونکہ اُس روز وہاں تحصیلدار آیا ہوا تھا اس لیے کوچیان قانون شکنی کے خوف سے چار سے زیادہ سواریاں نہ بٹھلاتے تھے چپٹ پنچہ اُس فقیر کو پیدل ہی چلنا پڑا۔ جب کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد یہ تانگوں کی سواریاں ریلوے اسٹیشن غازی گھاٹ پہنچیں تو ریل گاڑی کی روانگی کا وقت ہو چکا تھا اور وہ تیار کھڑی تھی۔ مجھے خیال گذر کہ اب یہاں اُس فقیر کا کشف ضرور غلط ثابت ہو گا۔ لیکن گاڑی نہ چلی اور کھڑی رہی معلوم ہوا کہ انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ کوئی دلو گھنٹہ بعد وہ فقیر ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور سید حامیرے ڈبے میں چلا آیا۔ اور جیسے ہی اُس نے گاڑی میں قدم رکھا گاڑی چل دی۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں نے اُس فقیر سے پوچھا کہ یہ نعمت تم نے کہاں سے پائی کیونکہ تمہارے کسب کا نتیجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں پولیس میں سپاہی تھا۔ ایک مرتبہ ہم دو سپاہی ایک گرفتار شدہ ملزم کو حراست میں لیے جا رہے تھے کہ اٹنائے راہ ایک قبرستان آیا جہاں ایک شکستہ سی قبر پر وہ ملزم دعا مانگنے کے لیے رکائیں نے کہا کہ جیسی قبر کی حالت ہے ویسی ہی قبر والے کی ہوگی کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، جلدی چلو۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ صورت شخص نظر آئے۔ اور مجھے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں لے گئے۔ میری سفارش کی اور میرے لیے دعا کرائی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میاں ہماری قبر تو ٹوٹی پھوٹی سہی مگر تمہارا کام تو بنادیا۔ صبح کے وقت جب جاگا تو صاحب کشف تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر آزاد ہو گیا۔

مولانا محبت النبی سابق صدر مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف کہتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز نے ایک روز سبق پڑھانے کے دوران اس فقیر کے مزید کچھ حالات بیان فرماتے ہوئے کہا تھا کہ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ آخری عمر میں گولڑہ اگر آپ سے ملوں گا۔ ابھی تک وہ نہیں آیا۔ اس وقت میری عمر ستر سال سے اوپر ہے معلوم ہوتا ہے وہ ابھی تک زندہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ میں نے اُس کی کوئی بات غلط نہیں پائی مولانا فرماتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے ہمیں آخری سبق دیا تھا اور اس کے دو تین ماہ بعد آپ عالم استغراق میں چلے گئے تھے۔ آپ کی باتوں سے

معلوم ہوتا تھا کہ اُس فقیر کے کئی ایک دیگر مکاشفات بھی آپ کو اپنے متعلق معلوم تھے جن کا ذکر آپ مناسب خیال نہ فرماتے تھے۔

حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کامسک تھا کہ اپنے حال یا مکاشفات عالیہ کو پردہ اخفایں رکھتے تھے اور کسی قسم کا دعویٰ کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق کا ظہور ہوا لیکن آپ نے صرف انہی چیزوں کو ظاہر فرمایا جن کے لیے کوئی شرعی نجات یا استدھوری وجہ اظہار ہوتی مثلاً قادیانی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشفی ارشاد یا وادی حمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کے بیعت کے اہتمام کی بالخصوص تاکید نیز یا شیخ عبدالقادر جیلانی ثبوت اللہ کے متعلق اپنے مشاہدہ کا اظہار اسی قسم سے ہے۔ ندائے غائبانہ اور استمداد اولیاء اللہ کے سوال پر یا ستر غلام حیدر کے خط کے جواب میں اپنی استمداد کے متعلق مندرجہ ذیل ارشاد تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک عقیدت مند نے تقریباً بارہ یا ساڑھے بارہ بجے دن بارگاہِ غوثیہ بعثِ راویہ میں مضطربانہ فریاد کی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ اُسی وقت شعلہ سے تار ضلع کیمیل پور میں پنچپ کہ محمد حسین کو پھانسی نہ دی جائے۔ حالانکہ پھانسی کا حکم قطعی بنطور می سائر حکام ہو چکا تھا۔ اور پھانسی دینے کو تیار تھے۔ یہی اسی ضمن میں آتا ہے۔

ایسے ہی دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پن شریف کی طرف بوقت ملاقات التفات نہ فرمانے کے متعلق بطور معذرت آپ کا یہ فرمانا کہ جب آپ آئے تھے تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر شریف فرماتے اور گفتگو ہو رہی تھی اس لیے میں آپ کی طرف متوجہ نہ ہو سکا بھی اسی قسم سے ہے۔ اس کا مفصل ذکر آئندہ البواب میں آئے گا۔

فقیر صاحب نوں کے دعویٰ کا جواب

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے میرزا عظیم خان گولڑہ آپ کا مُعقّد تھا۔ آپ بھی اہستہ بہ استہ سے اُس پر مہربانی فرماتے تھے۔ اُسے خود سیال شریف لے جا کر حضرت اعلیٰ سیالوی قدس سترہ سے بیعت کرایا کیونکہ خود بیعت کرنے سے اُس کے ساتھ بے تکلفی میں فرق آتا تھا۔ اُس نے اپنے خسر کی وفات پر اپنی بیوی کی طرف سے موضع جو دھ کی زرعی اراضی کے متعلق حق وراثت کا دعویٰ کیا۔ مگر یہ دعویٰ ناکامیاب رہا اور جائیداد اُس کی بیوی کو ملنے کی بجائے متوفی کے وارثان بازگشت کو منتقل ہو گئی۔ اور پہلی دو عدالتوں میں سے اپیلیں بھی خارج ہو گئیں موضع نوں میں ایک فقیر صاحب رہتے تھے جن سے متوفی کے وارثان بازگشت کو عقیدت تھی۔ انہوں نے حضرت فیصل دین کی خدمت میں عین م بھجوا یا کہ چھوٹے پیر صاحب یعنی حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ عظیم خان کے حق میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔ اُن سے کہہ دیجئے کہ میں نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے یہ جائیداد عظیم خان کو نہیں مل سکتی میرے ارادت مندوں کے پاس ہی رہے گی اس لیے آپ ناحق تکلیف نہ اٹھائیں۔ بڑے پیر صاحب نے اس پیغام لانے والے شخص کو حضرت کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا فقیر صاحب سے بعد سلام کہیے گا کہ آپ تو لوح محفوظ کی تحریر پڑھ سکتے ہیں۔ میں آنکھیں بند کر دوں تو اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا لیکن ایک بات یاد رکھیے گا کہ جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہ مل جائے گی، میں اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ چیفت کورٹ میں جا کر عظیم خان کی اپیل منظور ہو گئی اور اُس جائیداد پر آج تک اُس کے وارث قابض ہیں۔

مُتّان میں قیام کئے اور ان آپ کا ہے گا ہے ایک چائے فروش کی دکان پر جایا کرتے تو وہ چائے سے تواضع کرتا۔ ایک روز آپ وہاں چائے پی رہے تھے کہ دوکاندار کے لڑکے کے دل میں خیال گذرا کہ یہ فقیر میرے باپ کی خوش اعتقادی کے باعث آج تک کوئی دس پندرہ روپے کی چائے مفت پی چکا ہوگا۔ حضرت نے اُس کے دل کے خیال سے آگاہ ہو کر اُسے بلایا اور ایک تعویذ لکھ دیا کہ پُرانے قلعے میں جاؤ اور جو گڑھا سب سے پہلے سامنے آئے اُس میں یہ تعویذ ڈال دو۔ اور وہاں سے جو کچھ ملے اُسے اُٹھا لینا۔ چنانچہ اُس لڑکے کو اسی طرح کرنے پر کپڑے کی ایک پوٹلی ملی جس میں اڑتالیس روپے بندھے تھے اس کے بعد آپ دکان پر بھی تشریف لے گئے۔

اُن ہی ایام کے ایک اور دلچسپ واقعہ کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ مجھے دودھ ختم نہیں ہوتا تھا۔ میتا تو نورالتے ہو جاتی تھی اور کئی روز تک بیمار بھی رہتا۔ ایک روز دریائے سندھ عبور کیا تو ایک شخص مسافروں کے نام دریافت کر آیا۔ میں نے نام بتایا تو مجھے یہ کہہ کر ساتھ لے گیا کہ میں طبیب ہوں اور کئی روز سے آپ کا منتظر ہوں۔ مجھے جناب غوث الاعظم نے خواب میں فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے اس نام کا ایک شخص آ رہا ہے اُسے دودھ ختم نہیں ہوتا۔ آپ اُس کا علاج کریں چنانچہ اس نے مجھے دوا دی جس سے دودھ شکایت رفع ہو گئی۔

مجاہدات مظفر گڑھ

جب مُتّان میں زیادہ شہرت ہو گئی تو آپ مظفر گڑھ چلے گئے۔ اور بستی چین کے قریب ایک کنوئیں پر قیام فرمایا۔ قاضی فیض عالم طالب علم بھی ہمراہ تھا۔ مگر گرمی کی تاب نہ لا کر واپس چلا گیا۔ اُس کنوئیں کا مالک بیوی بچوں سمیت وہیں رہتا تھا۔ اسی اثنا میں رمضان شریف کا مہینہ آگیا اور اُس شخص نے حضرت کے آرام کی خاطر ایسا انتظام کیا کہ دن کے وقت آپ کی چارپائی رستوں سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیتا اور عصر کے وقت باہر نکال لیتا۔ اس طریقہ سے آپ شدت گرمی کے وقت قدر سے آرام میں رہتے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس شخص پر بندو سب ہو کاروں کا سودی قرضہ تھا جس میں کنواں گرومی تھا۔ جب وہ مستمدا نہ کر سکا تو ہندوؤں نے اُسے بے دخل کرنا چاہا۔ صورت حال سے آگاہ ہو کر حضرت نے اُسے لوہے کا ایک ٹکڑا لانے کو کہا۔ اور جب وہ لے آیا تو اپنی چادر میں لپیٹ کر اُسے دیا اور کہا کہ کل صبح اسے کھولنا۔ رات کے وقت حضرت وہاں سے خاموشی کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ صبح کو جب اُس نے چادر کھول کر دیکھا تو لوہا سونا بن چکا تھا۔ اُس سے اُس نے اپنا تمام قرضہ وغیرہ ادا کیا اور کنواں واکذار کر لیا۔ شیخ الجامعہ نے آگے لکھا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی مرتبہ نواب عبداللہ خان کی استدعا پر حضرت خان گڑھ تشریف لے جا رہے تھے تو بستی چین کے بالمقابل پہنچ کر گاڑی ٹھہرائی اور اتر کر اُس کنوئیں کی طرف گئے۔ لوگ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ کنوئیں کا مالک فوت ہو چکا تھا۔ اُس کا لڑکا بھی تقریباً بوڑھا ہو چکا تھا۔ آپ نے پوچھا مجھے پہچانتے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ نہیں۔ اُس شخص کی بیوی کنوئیں کے قریب بیٹھی تھی۔ آپ نے اُس سے بھی یہی پوچھا۔ اُس نے کہا، کیوں نہیں پہچانتی۔ آپ ایک مدت یہاں رہے۔ رمضان شریف میں چارپائی پر ٹھکا کر آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ بھلا آپ بھی کوئی بھولنے والی شخصیت ہیں۔ حضرت بہت مظلوم ہوئے۔ غالباً پچاس روپے اُسے عطا فرمائے اور فرمایا کوئی اور کام کاج ہو تو کوہ پھر نواب عبداللہ خان کو اُن کی ہمیشہ خبر گیری کی تاکید فرمائی۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر اشارہ غیبی

مُتَّانِ مُنَظَّرِ گڑھ اور ڈیرہ غازیخان کے اضلاع کی سیاحت کے بعد آپ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ ایک روز مزار شریف پر مراقب تھے کہ آواز آئی۔ جو کچھ مُعین الدین کے پاس ہے تمہارے پاس بھی ہے، اسے گھر بیٹھ کر کھاؤ۔ پہلے آپ کو خطرہ گذرا کہ شاید شیطانی آواز ہے مگر فرماتے تھے کہ غور کیا تو آواز بے کیف تھی اس لیے یقین ہو گیا کہ فرمان الہی ہے چنانچہ گھر واپس لوٹ آیا۔

مجاہداتِ حسن ابدال

کچھ عرصہ بعد آپ پھر نکلے مگر اس مرتبہ زیادہ دُور نہیں گئے۔ اور حسن ابدال میں گوردوارہ خیمہ صاحب کی شریفی مسجد کی چلہ گاہ میں کچھ عرصہ مشغول رہے۔ فرماتے تھے کہ ایک روز چلہ گاہ میں ایک بہت بڑا سانپ آکر میرے ارد گرد چکر لگانے لگا لیکن جب میں اُس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا تو خود بخود چلا گیا۔

اس واقعہ کی مناسبت سے حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیشہ صاحبہ گولڑہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی زیارت کو اُن کی جائے قیام پر حاضر ہوئیں تو آپ دروازے بند کیے مگرے میں اکیلے کچھ لکھ رہے تھے ہمیشہ صاحبہ نے کواڑ کی درزیں سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ آپ کے سامنے موجود ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد پھن پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے مگر جب آپ اپنا قلم اُس کے سر پر رکھ دیتے ہیں تو وہ بیٹھ جاتا ہے معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ عرض کرنا چاہتا ہو اور آپ اُسے انتظار کرنے کا حکم فرماتے ہوں ہمیشہ صاحبہ یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوفزدہ ہوئیں اور حضرت نے آہٹ پا کر سانپ کو اشارہ سے رخصت کیا اور ان کو اندر بلا لیا۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

تو ہم گردن از محکمہ داور پیچ کہ گردن نہ پیچد ز محکمہ تو پیچ

اس کے بعد حسن ابدال کے قریب ایک پہاڑی نالے کی وادی میں جا بجافلوت نشینی اختیار فرمائی۔ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں گزرتے ہوئے بابو جی سے فرمایا کہ اس نالے میں کوئی ایسی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے جہاں میری نشست نہ رہی ہو۔

سفر حج از

سن ۱۳۱۶ھ میں ایک روز اپانک حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ مولانا محبوب عالم فرماتے تھے کہ لاہور کے ایک صاحبِ ایت اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ شوقیہ اور فراقیہ اشعار شائع کیے تھے جو حضرت کی نظر سے گزے۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اپانک اٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے اور مجھے کہلا بھیجا کہ میرے وظائف و لوازمات سفر اسٹیشن پر پہنچا دو جب میں سب ضروری چیزیں لے کر پہنچا تو آپ نے لاہور کا ٹکٹ لیا اور مجھ سے فرمایا کہ سفر طویل ہے شام تک کسی سے ذکر نہ کرنا۔ گاڑی چلی تو میں بے اختیار رو دیا۔ گھر میں کسی کو خبر نہ تھی اور نہ کسی درویش یا طالب علم کو یہی پتہ چلا کہ آپ سفر پر تیار ہے ہیں۔ چند روز کے بعد آپ کا خط موصول ہوا

کریٹ اللہ شریف اور دینہ منورہ کا قصد ہے۔ ہر پانچ گز اپنے درینہ حقیقت میں اور پیر جہاں حافظ محمد ران سے فرمایا کہ
 آج کا راز ہے۔ انہوں نے اسی روز اپنی اہل کے زیورات بھی رکھے اور ہم گاہن کا شرف حاصل کیا۔ یہی ہے جہاں پر
 سوار ہوئے جو کراچی اور کمران ہوتا ہوا جس سے پہنچا یہی میں ایک پراسرار شخصیت سے چند ملاقات ہی آپ کی
 رہائی اور جہاں میں سوار ہونے کے وقت یہی میں ہی رہ گئے تھے غریب جہاں کراچی پہنچا تو پتہ ہی بند لگا دیا تو کھدے
 حافظ محمد ران نے لہذا تعجب اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اس قسم کے حالات پوچھنے سے منع فرمایا۔

درود مستغاث پر گفتگو

جہاں میں ایک صاحب درود مستغاث پڑھ رہے تھے جس میں ایک فقرہ المستغاث اِلٰی حضرت اللہ
 عَلٰی الصَّلٰوة وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللہ بار بار آتا ہے یہ درود شریف کثیر لکھان میں اور لکھو صاحبہ
 قبلہ عالم قدس سرفاوار اُن کے توجہ میں کے منوات سے ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا ہرگز ناس نہ کرنا چاہیے کیونکہ
 اس میں غریب و غریب تاثیرات ہیں۔ اگرچہ اس کے تھک کے متعلق اس ذرا میں طبع شدہ جنہوں میں کوئی اگر نہیں ہے لیکن
 حضرت شیخ ابہام نے اپنے مسودات میں لکھا ہے کہ ۳۵۵ میں ہے جب ہندی کی لکھان واقعہ دینہ عالیہ پر اس کا ایک
 شہر ملکہ قلعہ طیارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس میں ترتیب بہت کا نام تیار لکھ کر دیا یعنی تحریر تھا جو مشاہیر عراقی میں سے جو تھے
 اور حضرت نوٹ الامم کے ہم عصر لوہاں سے مستغاث تھے آپ کے موقوفات کا مجوزہ لکھائی التوحید کے ہم سے موسوم
 ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی شرف علی صاحب دہلوی نے کیا ہے مولوی شرف علی صاحب دہلوی نے اس فقرہ کی
 تحریر کی ہے اگر درود مستغاث شریف حضرت احمد دہلوی کی ترتیب سے تو ناسے ناسے کے مجوزہ پر ایک اور بہت بڑے بڑے
 کامل بھی دیکھیں جاتا ہے جس کی ولایت پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ بہر حال جہاں میں ایک کمرانی عالم نے ناسے ناسے
 پر اعتراض کیا۔ نظام المشائخ دہلی کے مطابق ہیں وہیہ جنوں حضرت پر اعتراض کیا گیا تھا۔ وہ خواجہ عبدالرحمن چھوڑ دی بہر حال
 تھے انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سرفاوار کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جانتے ہیں جب کمرانی مولوی
 صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے اس کے جوہر میں ثبوت مانگا آپ نے فرمایا حدیث نبویؐ: وہ کہنے لگے
 حاجی دامت اللہ ماہر کئی قس برس سے کھاری شریف کا درس لے رہے ہیں اور ایسی ناسے ناسے لکھا ہوا باقر وادیتے ہیں
 آپ نے فرمایا کہ حاجی صاحب بھی کھاری طرح ہی ایک انسان ہیں مولوی صاحب نے کہا کیا اُن کے سامنے آپ یہ فقرہ کہ
 دیں گے فرمایا ہاں کہہ دوں گا۔

اُن دفعہ حاجی دامت اللہ ماہر کئی مدرسہ صوفیہ کی صدارت پر مقرر تھے اور یہ آپ کی فکر شریف کا آخری سال تھا
 کیونکہ اسی سال ہی یعنی ۱۳۱۸ھ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ جہاں میں حضرت کے درود مستغاث شریف پر لکھ کر دے
 مولوی صاحب مدرسہ صوفیہ کے طالب علم تھے امداد میں سے تعطیلات گزارنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ انہوں نے
 مکہ شریف پہنچ کر جناب حاجی صاحب سے اس لکھ کر دے لکھ کر دے انہوں نے کہا کہ اچھی بات ہے کہ صاحب میں تو انہیں لے
 آئیے گا۔ اُن کے دلائل نہیں گئے مگر حاجی صاحب کے نائب مدرس جناب مولانا محمد غازی بخش میں آگئے اور انہوں نے

حضرت کے علم کا امتحان لینے اور آپ کو جواب کرنے کے خیال سے کئی کتابوں سے مشکل اور ادق علمی سوالات جمع کرنے شروع کر دیے۔

استاذ العلماء مولانا محمد غازی کی حضرت سے پہلی ملاقات

مولانا محمد غازی ہومی کڑی علاقہ انک کے خاک پٹھان تھے مولانا احمد حسن کانپوری نے تقسیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حاجی رحمت اللہ صاحب سے علم حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تبحر رکھتے تھے خصوصاً علم تجوید و قرأت میں مہارت تانہ تھی جب حضرت قبلہ عالم قدس سرف سے ملاقات ہوئی تو محبت شوق میں اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے استعفی ہو کر گولڑہ شریف آ گئے اور باقی عمر اسی جگہ درس تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گزار دی حضرت اجی صاحب کے پہلو میں دفن ہیں۔ ردوہایت میں عمالہ آپ کی تحریری یادگار ہے۔

حضرت بابو جی مدظلہ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام نعین الدین المعروف جناب اللہ جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جناب استاذ محمد غازی فرماتے تھے کہ ابتداً جب مکہ معظمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرف کی تشریف آوری اور علمی شہرت کا پھر چاہوا۔ کہ ایک پنجابی سید بڑا عالم و فاضل اس سال حج کے لیے آیا ہے۔ اور اس مکرانی طالب علم سے درود مستغاث پر ہزاروں گفتگو کا حال بھی معلوم ہوا۔ تو انہیں دیکھنے کا بیدا اشتیاق پیدا ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرے بنگالی مولوی سے مل کر میں نے کچھ مشکل علمی سوالات جمع کیے کہ آپ سے پوچھیں گے۔ اور کافی تلاش کے بعد خواجہ عبد الرحمن چھوڑوی (ہزاروی) کی وساطت سے ہم نے آپ کو بیت اللہ شریف کے سامنے مراقب پایا جب قریب گئے تو آپ نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا لیکن آپ پر کچھ ایسی حالت طاری تھی کہ جو نہی ہماری نظر پڑی، رقت طاری ہو گئی اور بحث مباحثہ کا خیال دل سے جاتا رہا۔ میں شرم کے مارے اپنے ہمراہی بنگالی مولوی سے آٹھ چھپاتا تھا کہ کیا کہے گا۔ کس شیخی سے آیا تھا اور کیسے رو رہا ہے۔ مگر جب میں نے بالآخر اس کی طرف دیکھا تو وہ بھی رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے ہم سے حال دریافت فرمایا مگر مجھ سے بات نہ ہو سکتی تھی۔ آخر کاریں نے آپ سے مدرسہ صولتیہ میں اپنی جائے رہائش پر قیام کے لیے عرض کی۔ آپ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب میرے لیے یہی جگہ اچھی ہے لیکن میرے بہت اصرار پر فرمایا اچھا وہیں ٹھہ جاؤں گا۔ وہاں قضائے حاجت وغیرہ کے لیے سہولت ہوگی۔ یہاں یہ پاس ادب بہت دور جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ساتھ مدرسہ میں تشریف لے آئے۔

مولانا محمد غازی فرماتے تھے کہ اُن دنوں حضرت پر کچھ ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ آپ پر نظر پڑتے ہی رقت طاری ہو جاتی۔ مولانا محرم شریف میں بیت اللہ کے بالمقابل یاد خدا میں مستغرق رہتے بہت کم گفتگو فرماتے اور جب کچھ کہتے تو اس میں بلا کی جاہلیت اور کشش ہوتی جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا مولوی صاحب آپ کی والدہ صاحبہ کا تعاضد ہے۔ کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں۔ میں نے عرض کی کہ فن قرأت میں کچھ اسباق ایک مغربی قاری صاحب سے لینے اچھی باقی ہیں۔ سند کے کرانشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب کیا ہوا۔ ابراہام نہ پڑھا ابراہیم پڑھ لیا۔ بس اتنا ہی فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا۔ مغربی استاد محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا اچھا میں پڑھاتا ہوں۔ آپ ٹھٹھ جائیں تاکہ اس طرح فن قرأت کی تکمیل ہو جائے۔ لہذا اس طور سے تکمیل کی۔

مولینا حاجی رحمت اللہ سے ملاقات

مدرسہ صولتیین قیام کے دوران ایک روز مولینا رحمت اللہ صاحب آپ سے ملاقات پر پوچھا کہ جہان میں مسئلہ ندائے غائبانہ پر آپ کی کسی شخص سے گفتگو ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوئی تھی اور جو الفاظ آپ نے کہے تھے بطور معذرت کہا کہ آپ کے متعلق میں نے یہ الفاظ بھی کہے تھے مولینا نے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں آپ کا مسلک کیا ہے۔ فرمایا میں جابر سمجھتا ہوں مولینا نے دلیل طلب کرتے ہوئے کہا کہ "یا رسول اللہ" کی ندا حاضر و ناظر ہونے کی متقاضی ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر نہیں ہیں اور نہ ہر ایک کے ناظر ہیں حضرت نے جواب دیا کہ بخاری شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ نیکرین مردہ سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے۔ "مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ رَأَيْتَ" اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے تھے، "هَذَا" موضوع ہے محسوس مبصر قریب کے لیے اور "الرجل" موضوع ہے مذکور مفرد کے لیے جو بنی آدم سے ہو۔ لہذا وہاں قریب محسوس مبصر قریب مرد کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ جب تک کسی لفظ کے وضعی معنی ہو سکیں، غیر وضعی معانی لینا خلاف اصل ہے۔ اور جب ایک ہی وقت میں کثیر التعداد مخلوق مرتی ہے اور حسب مضمون حدیث مذکور، ہر جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وقت موجود ہونا ثابت ہوا تو کیا بعید ہے کہ روئے زمین پر ہر جگہ آپ حاضر ہوں۔

اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب گرویدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ تو علم لدنی ہے۔ ہم ساہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث درس میں پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن ہی نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ چونکہ ایک محقق اور منصف مزاج عالم تھے اس لیے شرعی دلیل سے ندائے غائبانہ کی معقول وجہ سمجھ میں آ جانے پر فوراً اپنے سابقہ مسلک کو تبدیل فرمایا۔ اس مسئلہ حاضر و ناظر کے متعلق باب مکتوبات و مخطوطات میں حضرت قبلہ عالم قدس مترہ کا ایک مفصل مکتوب بھی قابل دید ہے۔ آپ کی کتاب اعلام کلمۃ اللہ کے آخر میں بھی ندائے غائبانہ اور علم غیب وغیرہ مسائل پر مکمل تحقیق موجود ہے۔

دجال کے طواف کعبہ کی توجیہ

اس گفتگو کے بعد حضرت مولینا حاجی رحمت اللہ نے ایک اور حدیث کی تاویل دریافت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو طواف کرتے دیکھا جو دونوں دود و آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے لیکن ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ دجال کعبہ شریف میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن کسی تاویل سے تسلی نہیں ہوتی۔ آپ کے نزدیک ان دونوں احادیث میں مطابقت کی کیا صورت ہے؟ حضرت قبلہ عالم قدس مترہ نے فرمایا کہ پہلی حدیث میں لفظ "یطوف" آیا ہے، کعبہ شریف کا ذکر نہیں ہے۔ ہر شخص حضرت باری تعالیٰ عز و جل کے کسی کسی اہم صفاتی کا منظر ہوتا ہے اور دود و دیگر اسماء اس اسم کے معادن اور ماتحت ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اسم بادی کے منظر ہیں اور اس اسم کے دو معادن اسماء کی معاونت سے اس اسم کا طواف کر رہے ہیں۔ اور دجال اسم فضیل کا منظر ہے اور اس اسم کے ماتحت اسماء کی مدد سے اس اسم کا طواف کر رہا ہے حضرت قبلہ عالم قدس صرف

کی اس تاویل کا ماخذ فتوحات مکیہ تھا اور مولینا کو یہ وضاحت بہت پسند آئی۔

یہی سوال ۳۳۴ھ میں مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے اپنے ایک عزیز میں حضرت سے دریافت کیا تھا۔ اُن کا خط اور آپ کا جواب مہرِ چشتیہ کے صفحات ۳۲۸ تا ۳۴۹ پر درج ہیں۔ اُس جگہ سوال یہی تحریر ہے کہ بڑے احادیث صحیحہ و رجال کا مکمل معطلہ میں داخلہ حرام ہے۔ پھر وہ کعبۃ اللہ کا طواف کیسے کر سکتا ہے۔ حضرت کے جواب کا اختصار یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح اور دجال دونوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خیال منفصل اور عالم رویا میں عالم شہادت کے محالات، ممکنات نظر آتے ہیں۔ اور اسی طرح مجربات مجسم ہو کر نظر آتے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کا بروزِ حشر ایک صورت میں جلوہ گر ہونے پر مومنین کا انکار کرنا اور دوسری صورت میں متجلی ہونے پر اقرار، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بصورتِ بدن یعنی دُودھ مشاہدہ فرمانا اسی قسم سے ہیں۔ ہر شخص اپنے خیالات اور اعتقادات و اعمال میں اپنے مرکزِ استعداد ذاتی کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے یعنی اُن اسمائے الہیہ کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتا کہ جن اسماء کے لیے اُس کا عین ثابت، فیضِ اقدس میں بغیر تخللِ جبلِ منظر قرار دیا گیا ہے۔ صدیق کا عین ثابت ہادی اور ابو جہل کا عین ثابت مُضِل کے احاطہ سے باہر نہیں جاسکتا۔ اسی طرح عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عین ثابت اور دجال کا بھی۔

حدیث کا مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال دونوں اپنے اپنے بیت اللہ اسمائی کا طواف کر رہے ہیں۔ ایک یھودی مَن یَشَاءُ کے اظہار میں اور دوسرا یَیْضِلُ مَن یَشَاءُ کے اسباب میں سرگرم کمر بستہ ہے۔ ہادی اور مُضِل کا موضوع چونکہ ذات واحدہ ہے۔ لہذا عالمِ رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی بیت اللہ مشہود ہوا۔

دوسری حدیث جس میں دجال کی عدم رسائی بیت اللہ کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حسب ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دجال کو عالم شہادت میں بیت اللہ تک رسائی نہ ہوگی۔

مولینا رحمت اللہ کے حضرت کے متعلق تاثرات

مولینا رحمت اللہ نے حضرت سے بیعت کی۔ استدعا بھی کی تھی مگر حضرت نے مولینا کی عمر اور علم و فضل کا لحاظ فرماتے ہوئے بیعت لینے سے تو عذر فرمایا البتہ وظائف اور اذیتیں فرمادیں۔ مولینا کے شاگرد قاری عبداللہ آبادی کے ایک خط میں تحریر ہے کہ مولینا کے وصال کے وقت میں موجود تھا وہ اپنی بیماری کے دوران فرماتے تھے کہ گولڑہ جانے کو جی چاہتا ہے اور وصال سے تھوڑی دیر قبل فرمایا کہ میری آنکھوں کے سامنے پیر صاحب کا وہ سبز رُومال پھر رہا ہے۔ مستری حبیب اللہ لاہوری اور حضرت کے شاگرد قاضی فیض عالم بھی اُس وقت مولینا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھے۔ اور ان باتوں کی تصدیق کرتے تھے مولینا کے قدرے مفصل حالات اسی کتاب کے باب معاصرین میں درج ہیں۔

قاری عبداللہ مکی کی حضرت سے ارادت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے کئی خاندان ترک وطن کر کے ہندوستان سے چلے گئے تھے۔ جناب بابو جی دہلوی کے پوتے حضرت شاہ غلام نصیر الدین کے اُستاد قاری محبوب علی لکھنوی حال خطیب جامع مسجد آستانہ عالیہ

گوڑہ شریف بیان کرتے ہیں کہ اُن کے اُستاد جناب قاری عبد الرحمن الہ آبادی اپنے خاندان کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے والد ہجرت کر کے جب ہندوستان سے مکہ شریف گئے تو اُن کے چار فرزند اور کعبہ کے بہت سے دیگر افراد بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ ترکوں کی حکومت تھی۔ چھ ماہ تک معاشی تنگی کے باعث حکومت ترکیہ کے ٹکڑے جو انہوں نے حرم شریف کے قریب قائم کر رکھا تھا، ایک وقت کا کھانا حاصل کرتے رہے۔ دوسرے وقت آب زمزم کے فقط ایک ایک پیالہ پر گزر کرتے تھے۔ اسی اثنا میں مولانا رحمت اللہ نے بنگال کی ایک مخیرہ خاتون، صولت النساء کی مدد سے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی جس کا مقصد ہندی طلباء کو تجوید اور قرأت کی تعلیم دینا تھا کیونکہ ہندوستان میں اُس وقت ان قانون عالیہ کی کمی تھی۔ اس ضمن میں مصر کے قاری شیخ ابراہیم سعد بن علی کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ اس مدرسہ میں سے سب سے پہلے قاری عبد الرحمن کے بڑے بھائی قاری عبد اللہ قرأت اور تجوید میں فارغ التحصیل ہوئے جو بعد میں ان مسنون کے اُستاد اکل مانے گئے اور ہندوستان و دیگر ممالک کے بے شمار قراء ان سے مستفیض ہوئے جو مولوی شریف علی صاحب تالیف قرآن مجید کی سند میں ان کے متعلق اُستاد اکل، اسناد اکل کے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ ۱۳۷ھ میں جب حضرت قبلہ عالم گوڑوی قدس سرہ حجاز مقدس گئے اور مولانا رحمت اللہ سے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے گفتگو کے بعد مولانا نے حضرت سے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا تو اُس وقت مولانا کی حیثیت مکہ شریف کے ممتاز علماء میں سے تھی۔ آپ ممالک اسلامیہ کے تمام مشہور بزرگان دین کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ گواہی تک کہیں بیعت نہ کی تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ بعض حضرات علم ظاہر رکھتے ہیں مگر علم باطن سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور بعض علم باطن رکھتے ہیں اور علم ظاہر میں نامکمل ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات میں انہوں نے دونوں کمالات مشاہدہ فرما کر اس قدر عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا کہ تمام علمائے عربین شریفین پر بالعموم اور مدرسہ صولتیہ کے اساتذہ اور ارباب علوم پر بالخصوص اس کا بے حد اثر ہوا۔ اُن ایام میں قاری عبد اللہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ ابوسعید بلوی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں نقشبندی مجددی ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں اور دوسری کرسی پر حضرت قبلہ عالم گوڑوی رونق افروز ہیں۔ قاری صاحب کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف ایک باطنی کشش محسوس ہوئی اور آپ نے قاری صاحب کو گلے سے لگا لیا۔ اس خواب کے بعد قاری عبد اللہ نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے بیعت کر لی۔ اور اپنے فرزند قاری احمد کو بھی بیعت کرایا۔ قاری عبد اللہ اور اُن کے فرزند قاری احمد کی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات گرامی سے عقیدت و نیاز کا اظہار و اندازہ ان دونوں حضرات کے منقولہ ذیل خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے مکہ معظمہ سے آپ کی خدمت میں تحریر کئے تھے۔

قاری عبد اللہ کا مکتوب

من مكة المكرمة

والصلوة والسلام على

الحمد لله وحده

من المدرسة الصولتية

من لاني بعدة

ان ابھی مایہدی من ہذا المشاعر الحرمیة و ازہی مایہدی من ہذا المآثر المکیة
سلام معبق بارج نسائم البیت الحرام و محفوف ببرکات زمزم و المقام نخص بہ قطب
الاقطاب و غوث الانجاب اُستاد الطریقة المحشتیہ الجامع بین العلوم الحقیقیہ و الشرعیة

مشرق شمس الارشاد مطلع بد ورا لمداد صفوة مناهل الورد شيخ المشائخ والعباد شيخنا
وقد وتنا و ملاذنا و عمدتنا مرشدنا و مقتدانا و امامنا و مولانا متعنا الله بطول حياته و اقاض
علينا من بركاته و نفعنا بصالح دعواته و عمننا بعظيم توجهاته آمين

عَبَّ تَقْبِيل الْيَادِي الْكَرَامِ وَ هَذَا عَاطِرُ التَّحِيَّةِ وَالْكَرَامِ وَ بَثَّ لَوْ عَجَّ اسْتَوَاقِي إِلَى ذَلِكَ الْمَقَامِ
أُبْدِي أَوْلَاكَ كَثِيرَ الْبَحْثِ وَالسُّوَالِ - عَنْ جُنَابِكُمُ الَّذِي فِي الْخَيْرِ لَا زَالٍ - نَرْجُو اللَّهَ الْكَرِيمَ ذَا النُّوَالِ
أَنْ تَكُونُوا جَمِيعًا فِي نِعْمَةِ الْكَمَالِ وَأَنْ تَفْضَلْتُمْ عَنْ الْمَحَبِّ الْمَخْلَصِ بِالسُّوَالِ فَهُوَ مَنْ يُلُوذُ بِهِ
بِبَرَكَةِ دَعَائِكُمْ فِي الطَّيِّبِ بِالِ - وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَثَانِيًا لَا يَخْفَا كَرَامَتُهُ فِي انْتَاءِ هَذِهِ السَّنَةِ
عَقْدَ امِيرْمَكَةِ مَجْلِسًا خَاصًا مَرْكَبًا مِنَ الْمُطَاقِي الْأَرْبَعَةِ وَاعْيَانِ عُلَمَاءِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِجَلِّ امْتِحَانِ
مَنْ رَامَ أَنْ يَنْتَظِمَ فِي سَلَاكِ الْمُدَرِّسِينَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَيَمْتَحِنَ فِي سِتَّةِ فَنُونٍ وَمَنْ أَرَادَ وَظِيفَةَ
مَحَلُولَةٍ مِنَ الْوُظَائِفِ الْخَمْسَةِ عَشَرَ فَيَمْتَحِنَ فِي اثْنَيْ عَشَرَ فَنَاءً فَتَقْدَمَ مَحَاسِبُكُمْ أُنْجَالِي أَحْمَدُ وَحَامِدُ
فَادِي أَحْمَدُ امْتِحَانِ الْوُظِيفَةِ فَفَازَا فِي الْامْتِحَانِ بِبَرَكَةِ ادْعِيَةِ الْمَشَائِخِ وَحَسَنِ تَوْجِهَاتِكُمْ فَخَازَ أَحْمَدُ
الْأَمْرَةَ الْأُولَى وَنَالَ الْوُظِيفَةَ وَنَالَ شَهَادَةَ تَامَّةَ مَهْمُورَةٍ بِمَهْرٍ الْأَمِيرِ وَرُئِيسِ الْعُلَمَاءِ وَالْمُطَاقِي وَاعْيَانِ
عُلَمَاءِ الْمَسْجِدِ وَاجَازَةً بِالْوَعظِ وَالتَّدْرِيسِ مِنَ الْمَشِيخَةِ الْعَالِيَةِ مَهْمُورَةٍ بِمَهْرٍ الْقَاضِيِ وَالرُّئِيسِ وَالْفَنُونِ
الَّتِي أَدَّى أَحْمَدُ الْامْتِحَانِ فِيهَا النُّحُو وَالصَّرْفَ وَالْمُنْطَقَ وَالْمَعَانِي وَالْبَيَانَ وَالْبَدِيْعَ وَالْفَقْهَ وَالْحَدِيثَ
وَأَصُولَهُمَا وَالْكَلَامَ وَالتَّفْسِيرَ فِي الْبَيضَاوِي وَامَّا حَامِدُ فَادِي فِي النُّحُو وَالصَّرْفِ وَالْمَعَانِي وَالْبَيَانَ
وَالْبَدِيْعَ وَالْكَلَامَ وَنَالَ مَلَا زِمِيَّةَ التَّدْرِيسِ هَذَا وَالْمَامُولِ مِنْ جُنَابِكُمْ أَنْ تَمْنُوا عَلَيَّ مَحْسُوبِكُمْ
أَحْمَدُ بِمَا اسْتَمْنَعْتُ مِنْ جُنَابِكُمُ الْكَرِيمِ مِنَ الْبَيْعَةِ وَالْإِجَازَةِ الْعَامَّةِ الْمَطْلُوقَةِ الشَّامِلَةِ لِلْأَوْرَادِ وَالْأَذْكَارِ
وغير ذلك لتجتمع له نسبته المحسوبية والمريدية والتلميذية ونرجو الدَعَوَاتِ الصَّالِحَاتِ لِي وَأُنْجَالِي
وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ فِي سَائِرِ الْأَوْقَاتِ فِي الْخَلَوَاتِ وَالْمَجْلُوتِ هَذَا وَجَزِيلِ سَلَامِي عَلَى مَنْ يُلُوذُ بِكُمْ
دَاعِيكُمْ الْمَخْلَصَ عَبْدُ اللَّهِ قَارِي
من الإخوان والمحبين -

حرر في ۱۱ ذالْحِجَّةِ ۱۳۳۳ هـ

ترجمہ مکتوب گرامی ذیل ہے -

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

۱۱ ذی الحج ۱۳۳۳ھ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده

مشاعر حرم کا پُر بہار بدیع اور مآثر مکیہ کا پُر رونق شجر، کعبۃ الشکی پاکیزہ خوشبو سے معطر اور زمزم و ممت م ابراہیم کی برکات
سے متبرک سلام مخصوص بخدمت قطب الاقطاب و غوث الانجاب اُستادِ طریقتِ حشریہ اور جامع علوم تحقیقیہ و شرعیہ
آفتابِ ایشاکا مشرق اور ماہتابِ امداد کا مطلع، واروین کے لیے چشمہ صافی، شیخ المشائخ والعباد، ہمارے شیخ و
پیشوا، جائے پناہ، قدوہ و مرشد و امام و مولی، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و رازے میں متشع فرمائے اور آپ کی برکات کا ہم پر فیضان
فرمائے، آپ کی عمدہ دعاؤں سے ہمیں نفع بخشے اور آپ کی توجہات عالیہ ہمارے لیے مام فرمائے، آمین دست بوسی

اور بدیہ سلام و احترام پیش کرتے ہوئے اور اس مقدس مقام کے لیے دلی و فوری اشتیاق کے اظہار کے بعد
 سب سے پہلے آنجناب کی خیریت کا طالب و سائل ہوں۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ سب حضرات نعمت کمال
 سے سرفراز ہوں گے اور اس محبت مخلص کی خیریت کے بارے میں اگر آپ سوال فرمائیں تو جواباً گزارش یہ ہے کہ یہ مجلس اور
 اس کے تمام متعلقین خیریت سے ہیں اور عمدہ حال میں ہیں۔ اور ہر حال میں اللہ کے لیے حمد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ
 آنجناب پر مخفی نہ رہے کہ اس سال کے دوران امیر مکتہ نے ایک مجلس خاص منعقد کی تھی جس میں مذاہب اربعہ کے مفتی
 اور مسجد حرام کے اکابر علماء شریک تھے تاکہ مسجد حرام میں مدرس بننے کے امیدوار افراد سے چچہ فنون کا امتحان لیا جائے
 اور مقررہ پندرہ وظائف کے امیدواروں سے بارہ فنون کا امتحان لیا جائے۔ آپ کے خادم عزیزین احمد و حامد نے اس
 میں حصہ لیا۔ احمد نے وظیفہ کا امتحان دیا اور مشائخ کی دعاؤں و آپ کی توجہ سے اول نمبر پر امتحان پاس کیا اور اسے سند
 ملی جس پر امیر مکتہ، مذاہب اربعہ کے مفتی اور اکابر علماء کی مہر لگی ہوئی ہیں۔ اسے وعظ و تدریس کی اجازت بھی ملی ہے۔
 جس پر امیر مکتہ اور رئیس العلماء کی مہر لگی ہوئی ہے۔ احمد نے حسب ذیل فنون کا امتحان دیا: (۱) صرف (۲) نحو (۳)
 معانی (۴) بیان (۵) بدیع (۶) فقہ و اصول فقہ (۷) حدیث و اصول حدیث (۸) تفسیر (بیضاوی وغیرہ)۔ حامد نے صرف
 نحو، معانی، بیان، بدیع اور علم کلام کا امتحان دیا۔ اور ملازمت تدریس حاصل کی۔ آنجناب سے دلی آرزو ہے کہ اپنے
 مشوب احمد پر احسان کریں۔ اور جو کچھ اُس نے طلب کیا ہے از قسیم بعیت و اجازتِ عامہ برائے اذکار و اُوراد وغیرہ اُسے عطا
 کریں تاکہ اُسے نسبت محسوبیت و مُردیت و تلمذ حاصل ہو جائے۔ میرے لیے، میری اولاد کے لیے تمام مسلمان مردوں و عورتوں
 کے لیے تمام اوقات میں دُعا کے خیر فرمائیں۔ آپ کے متعلقین و محبتین کے لیے میرے دلی سلام۔ آپ کا مخلص دُعا گو عبد اللہ قاری

قاری احمد کا مکتوب

۷۸۶
۹۲

الحمد لله عزّ شأنه

علم الاسرار الربانية اشارة الدقائق الرحمانية الجامع بين علمي الباطن والظاهر وارث
 المجد كابر اعن كابر مرشد السالكين الى اقوم طريق ومربي المريدين بدقائق اسرار التوفيق
 مركز دائرة الارشاد مطمع بدور الامداد صفوة مناهل الورد شيخ المشائخ والعباد معدن
 السلوك والحقيقة حضرت اُستاذ الطريقة عمر الله الوقت بعياته وافاض علينا سجال هباته
 وعَمَّنَا ببركاته آمين

غِبْ تَقْبِيلَ الْيَادِي الْكَرَامِ وَلِثَمِّ مَوَاطِئِ الْأَرْجُلِ وَالْأَقْدَامِ وَادَاءِ وَاجِبِ التَّحِيَّةِ وَالسَّلَامِ
 مَعَ كِمَالِ التَّجْهِيلِ وَالْإِحْتِرَامِ فَإِنَّ شَوْقِي إِلَى ذَلِكَ الْمَقَامِ لَا تَكَوْنُ وَتَحْصِيهِ إِلَّا قَلَامُ مَنْهُوَ كَشَوْقِ الظَّمَانِ
 لِلشَّرَابِ وَالْأَرْضِ الْمَحَلَّةِ لِلْسَّحَابِ وَهَذَا اقْتِصَابٌ وَتَمَثِيلٌ وَتَقْرِيبٌ وَتَخْيِيلٌ وَالْأَفْشَوْقُ إِلَيْهِ
 يَفُوتُ التَّوَصُّيْفَ وَيَتَجَاوَزُ التَّعْرِيفَ وَهَذَا قَوْلُ مُسْلِمٍ الثَّبُوتُ لَا يَحْتَاجُ إِلَى تَنْقِيحٍ وَلَا تَحْرِيرٍ نَعُوتُ
 هَذَا وَالْمَعْرُوضُ إِلَى حَضْرَتِكَ عَلَيْهِ أَنْ تَمْنُوْا عَلَى الْمُحْسُوبِ الْبَيْعَةَ وَالْإِجَارَةَ الْعَامَّةَ فِي الْعُلُومِ

العقلیة والنقلیة اجازة مطلقة شاملة للاذکار والاحزاب وتحسنوا الی بیان بعض الاوراد التي تحسنونها لدم لی النسب الثلاث اذ لیس ینحفاکم انتسابی الی حضرتکم العلیة واصافتی الیکم بالمحبوبیة فان رائی المولی ان تكون هذیة الاضافة معنویة لیست فی تقدیر الانفصال وضم الیه بالنسبتی المریدیة والتلمیذیة لتکون نسبة تامة مقررة للحال کما حققتہا مالنا کمال التحقیق فهو بذلک اجد روح حقیق وان رائی المولی الاعراض عن هذی المقال وقال لکل علم رجال تادب القلم وکف لسانه وقال رحمہ اللہ امرء عرف قدره ومکانه والمرجوان لا تخرجونا من خاطرکم الشریف عند الدعوات الصالحات فی الخلوات والمجلوات وفی سائر الاوقات فانافقراء الی ذلک واللہ اعلم بها هنالك هذی او فی الختام جزیل السلام علی من هو الی المقام لاسیما سیادی انجبالکم الکرام لا زالوا ملحوظین بعین الملک العلام ودمتم فوق مارمتم آمین۔

محسوبکم وداعیکم

حرره فی ۱۱ ذی الحجة المبارک ۱۳۳۳ھ

احمد بن عبد اللہ القاری

ترجمہ :-

الحمد لله عزّ شأنه

بخدمت عالم اسرار ربانی وواقف اشارات ودقائق رحمانی، علم ظاہر وباطن کے جامع اور نسلاً بعد نسل شرف و بزرگی کے وارث، سالکین کو سبیل اقوم کی طرف رہنمائی کرنے والے، مریدین کی توفیق کے دقیق اسرار کے ساتھ تربیت فرمانے والے، دائرہ ارشاد کے مرکز اور بدو و امداد کے مطلع منور، وارد ہونے والوں کے لیے چشمہ صافی، شیخ المشائخ، معدن سلوک و حقیقت، حضرت اُستاد طریقت، اللہ تعالیٰ زمان کو آپ کی حیات طیبہ سے آباد رکھے۔ اور آپ کے خم ہائے بخشش سے ہم پر افادہ فرمائے اور آپ کی برکتیں ہمارے لیے عام فرمادے۔ دست و قدم بوسی اور انتہائی تعظیم و احترام سے بدیہ سلام پیش کرنے کے بعد عرض خدمت یہ ہے کہ اس مقام مقدس کی طرف و فور شوق کو قلمبند نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے پیاسے کو پانی کا شوق اور قحط زدہ زمین کو بارانِ کرم کا شوق ہوتا ہے ایسا ہی مجھے شوق ہے بلکہ یہ تو محض ایک تشبیہ و تمثیل اور تجزیہ چیز ہے میرا دلی شوق ہر توصیف سے زائد اور ہر تعریف سے متجاوز ہے۔ یہ ایک مستم البت بات ہے جس کے لیے زیادہ تیغ کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خدمت عالی میں گذارش یہ ہے کہ آپ اپنے اس محسوب و منسوب پر احسان فرماتے ہوئے علوم عقلیہ و نقلیہ و دیگر اوراد و اذکار کی اجازت عامہ عطا فرمادیں اور بعض ایسے اوراد بھی عطا فرمائیں جو آپ کو پسند ہوں تاکہ مجھے آپ سے تینوں نسبتیں حاصل ہو جائیں۔ انتخاب پر مخفی نہیں کہ بندہ کو آپ سے شرف محسوبیت و منسوبیت حاصل ہے پس اگر مولائے نعمت اس اضافت معنویہ کو ناقابل انقطاع بناتے ہوئے نسبت مریدی و نسبت شاگردی پر مزید اضافہ بھی فرمادیں تاکہ نسبت پختہ اور تمام حاصل ہو جائے جیسا کہ میری آرزو ہے۔ تو یہ بات انتخاب کے شایانِ شان ہے اور اگر (خدا انخواستم) آقا و مولا اس گفتگو سے یہ فرماتے ہوئے اعراض کریں کہ ہر علم کے لیے مخصوص مرد ہوتے ہیں تو پھر قلم ادب اختیار کرنے کا اور زبان روک لی جائے گی اور یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس انسان پر رحم فرمائے جس نے اپنی قدر منزلت کو پہچان لیا۔ پوری اُمید ہے کہ خلوت و جلوت اور تمام اوقات میں دعواتِ صالحہ کرتے وقت ہمیں اپنے دل سے

فراموش نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی دعاؤں کے سخت محتاج ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اخیر میں تمام حاضرین مہتمم کو سلام جنسوسا آبختاب کی کریم اولاد پر خدا کرے ہمیشہ خداوند علّام الغیوب کی نظر شفقت سے نور امید سے زیادہ نور و راز نصیب ہو۔ آمین۔

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

آپ کا منسوب و طالب دعا:

احمد بن عبد اللہ القاری،

قاری احمد کے حق میں حضرت کی سند علوم

یٰٰخَیْطُ نَحْنُ اِنْ سِیْ مَکْتُوٰتِ کَیْ سِیْ نَظَرُ حَضْرَتِ قَبْلَہٗ عَالَمِ قَدَسِ سَرَفَہٗ نَہْ قَارِیْ اَحْمَدُ کَہْ نَامِ مَذْرُجِ ذِیْلِ سَنَہٗ رَسَالِ فَرَمَانِیْ۔
الحمد لله القدیم الذی لا یزال ولم یزل العلیم الذی لا یجھل المحلیم الذی لا یجھل الجواد الذی لا یبخل المتعزز بجلال وحدانیتہ المہتزر بجمال رحمانیۃ المتحور بکمال فردانیتہ واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبداً ورسولہ المرقدی برداء فحار (کُنت نبیاً وادمر بین الماء والطین) المہتدی الی فضاء اسرار (فعلمت علم الاولین والآخرین) سابع لہج (فکان قاب قوسین أو أدنی) سائح فوج (وإن الی ربک الرجعی وإن الی ربک المُنْتَهِی) صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ والذین اتبعوہم باحسان وسلم تسلیماً کثیراً لا تعد ولا تحصى سیتما علی سیدی شباب اهل الجنة الحسن والحسین وذریتهما خصوصاً علی سیدنا الشیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر الجیلانی وعلی سیدنا الشیخ معین الدین حسن سنجرى ثم اجمیری۔

اقابعد فقد وصل الی بعض تحریرات مخلصی فی اللہ مولوی احمد بن محبتی اللہ عبد اللہ القاری المکی الماتریدی الحنفی المقیم فی مدرسة الصّولتیہ فوجدتہ بفضل اللہ وکرمہ قائماً فی المنقولات بارحاً فی المعقولات فاجزته اجازةً عامّةً لتدریس العلوم کُلّھا کما اجاز فی بعض مشائخی اجازةً عامّةً وایضاً اجزته واوصیہ بالمواظبة علی التقوی والتبایع السنّة سراً وعلانیة والمدّ ومة علی الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصیغة التّهم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم مائة مرة و ذکر اللہ تعالی اللہ الصّمد اللہ الصّمد اللہ الصّمد کذا مائة مرة دبر کل صلوة والسلام خیر ختام۔

العبد

الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بہر علی شاہ عفی عنہ

رابع جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

ترجمہ سب تعریف ذاتے قدیم کے لیے ہے۔ ازل سے اب تک لازوال ہے۔ ایسا علم والا جو کبھی بے خبر

نہیں رہتا۔ ایسا ظم والا جو جلدی نہیں کرتا۔ ایسا بخشش والا جو بخل نہیں کرتا۔ وہ ذات جو جلال و عدانیت کے ساتھ غالب جمال رحمانیت کے ساتھ نازاں اور کمالِ فردانیت کے ساتھ منفرد ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مقرب بندہ و رسول ہیں جو کُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَّ اَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ (میں نبی تھا حالانکہ حضرت آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے) کے فخر کی چادر اوڑھنے والے ہیں اور فَعَلِمْتُ عَلَّمَ الْاَوَّلِينَ وَالْاٰخِرِينَ (میں نے اولین و آخرین کے علوم جان لیے) کے اسرار کی فضا میں راہ پانے والے ہیں۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی (پس دو کمان کے مہم دار پر جو گئے یا اس سے بھی زیادہ قریب) کے سمندر میں غوطہ زن اور اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرَّجْعٰی وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی (بے شک تیرے رب کی طرف ہی بازگشت ہے اور تیرے رب کی طرف ہی انجام کار ہے) کی شاہراہ کے سیر کنندہ ہیں۔ آپؐ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر اُن گنت اور بے حد صلوة و سلام ہوں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ آپؐ کی پیروی کی خصوصاً جنت کے نوجوانوں کے ہر دوسرے حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ اور اُن کی اولاد و امجاد علی الخصوص سیدنا شیخ ابی محمد عبد القادر الجیلانی اور سیدنا شیخ معین الدین حسن سنجری اجمیری پر۔

بعد ازیں مجھے مخلصی فی اللہ مولوی احمد بن محبتی اللہ قادی عبد اللہ مکی ماتریدی حنفی مقیم مدرسہ صولتیہ کی بعض تحریریں پہنچیں۔ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اُسے علوم منقولات و معقولات میں فائق اور ماہر پایا اور اُسے تمام علوم کی تدریس کے لیے اجازت عامہ دیتا ہوں جیسے مجھے میرے بعض مشائخ نے اجازت عامہ عطا فرمائی اور انہیں ظاہر و باطن میں تقویٰ و اتباع سنت کے ساتھ اور درود شریف اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک و سلم اور اللہ الصمد سو سو بار ہر نماز کے بعد علی الدوام پڑھنے کی وصیت کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

قادی عبد الرحمن الہ آبادی و قادی عبد الرحمن جوپوری کی حضرت سے ارادت و عقیدت

حضرت قبلۂ عالم قدس سترہ کی توجہ و برکت سے قادی احمد شریف مکہ کے زمانہ میں تمام حجاز کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور اُن کے بھائی قادی عبد الرحمن طائف میں قاضی ہوئے۔ سعودی حکومت کے دور میں جب کتبہ کے باقی افراد واپس ہندوستان آگئے تو قادی احمد وہیں رہے اور جدہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ قادی عبد اللہ کے چھوٹے بھائی قادی عبد الرحمن نے بھی مدرسہ صولتیہ میں تسلیم پائی اور وہاں سے واپس ہندوستان آکر کانپور میں کچھ عرصہ قیام فرمایا جہاں مولانا احمد حسن کانپوری کے فرزندان و دیگر مشہور طلباء نے آپ سے علم تجوید و قرأت حاصل کیا اور بعد میں دیوبند، سہارن پور، لکھنؤ وغیرہ کے مدارس میں تجوید کے مشہور اساتذہ ہوئے۔ گویا ہندوستان کے اکثر قراء اسی خاندان کے خوش چین ہیں۔ قادی عبد الرحمن نے علم تجوید پر ایک کتاب فوائد مکیہ تحریر فرمائی جو اس فن میں بہت ہی مشہور و مقبول ہے۔ قادی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ابتداء میں ایک آزاد منشا انسان تھا۔ اور اگرچہ میرے بڑے بھائی قادی عبد اللہ اور مدرسہ صولتیہ کے بہت سے دیگر مدرسین و طلباء نے مکہ شریف میں حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سترہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی مگر میں حلقہ ارادت میں داخل نہ ہوا۔ ابتداء میں مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جو ہندوستان کے مشاہیر علماء اور عرفا میں سے ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ اس خیال میں بھی مبتلا رہا کہ اگر کہیں سے نسخہ کیسیا

باتھ لگ جائے تو ایک مدرسہ اپنے ذاتی خرچ پر قائم کروں۔ اس مقصد سے ایک کیمیا گر کی کافی عرصت تک خدمت کی اور کیمیا کی کچھ آثار بھی پیدا ہوئے۔ مگر ایک روز خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم گولڑہی قدس سرہ انصوار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور پاس ہی سوئے چاندی کے ٹھیر گئے ہوئے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن سے کہہ دو اگر سوئے چاندی کی ضرورت ہے تو یہ موجود ہے۔ مگر میری شفاعت کی اُمید نہ رکھے۔ چنانچہ اس خواب کے بعد وہ تمام شوقِ نفرت سے بدل گیا اور کیمیا کا خیال دل سے دور ہو گیا۔ ساتھ ہی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے عقیدت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ مگر پھر بھی وساوس اور خطراتِ بیعت ہونے سے مانع رہے۔ ایک روز پھر خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنے مکان پر ٹہل رہے ہیں اور مجھے مخاطب فرما کر میرے ایک ایک شک اور اعتراض کا ازالہ فرماتے ہیں۔ بیدار ہوا تو دل تمام وساوس سے پاک تھا۔ اس کے بعد جب گولڑہ شریف حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو ایک صبح حضرت نے طلب فرمایا۔ دیکھا تو آپ اُسی طرح ٹہل رہے تھے جیسے خواب میں نظر آئے تھے۔ میرے سامنے ہوتے ہی آپ نے مجھے مخاطب فرما کر وہ تمام شکوک و شبہات رفع فرمادئے جس کے بعد میں بیعت سے مشرف ہوا۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ قاری عبد اللہ کی وفات پر جب قاری عبد الرحمن مکہ شریف گئے۔ تو اراکین مدرسہ صولتبیہ نے ان کو وہاں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان واپس جاؤ۔ تمہاری وہاں ضرورت ہے۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ قاری عبد الرحمن پہلے حضراتِ مشائخ کرام سے اس قدر عقیدت نہ رکھتے تھے مگر بعد میں تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ میں نے بار بار اصرار کیا کہ یہاں گولڑہ شریف میں رہ کر لوگوں کو مستفید فرمائیں لیکن ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ شیخ کے مقام پر رہنا بہت مشکل کام ہے لہذا مجھے محدود تصور فرمائیں۔ قاری محبوب علی فرماتے ہیں کہ ذکر اور یادِ الہی کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سینہ پر ایک پھوڑے کا ڈاکٹر سے اپریشن کراتے وقت بیباختہ اہم ذات اللہ ثمنہ سے نکالا جس میں کچھ ایسی شش تھی کہ بعد میں ڈاکٹر نے بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قاری صاحب ایک مرتبہ پھر اُسی طرح اللہ کا نام لے دیجئے۔ مجھے اس سے ایک خاص کیفیت حاصل ہوئی تھی۔

واضح ہو کہ یہ قاری عبد الرحمن الہ آبادی، جناب قاری عبد الرحمن جو پوری خطیبِ مفتی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے علاوہ ایک دوسرے صاحب ہیں۔ قاری عبد الرحمن جو پوری بھی مدرسہ صولتبیہ میں کچھ عرصہ تعلیم رہے تھے۔ اور مولینا رحمت اللہ اور قاری عبد اللہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ابتداً ہندوستان میں مولینا احمد حسن کانپوری سے تعلیم حاصل کی تھی اور فرماتے تھے کہ ایک دفعہ بیعت کے لیے حضرت شاہ وارث علی کی خدمت میں حاضر ہوا جو ہندوستان کے مشہور بزرگانِ دین سے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے بذریعہ کشف معلوم کر کے فرمایا کہ عبد الرحمن تمہارا جتھہ ایک دوسرے صاحب کے پاس ہے اور ایک مسواک بھی تبرکاً عطا فرمائی۔ آخر جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مکہ شریف گئے تو قاری عبد الرحمن جو پوری آپ کے کھالات دیکھ کر کچھ ایسے گرویدہ ہوئے کہ مدرسہ سے استعفیٰ دے کر گولڑہ شریف میں سکونت اختیار کی اور آخر وقت تک یہیں رہے۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے آپ ہی سے فہم تجوید کی مشق فرمائی۔ راقم الحروف کے استاد قاری غلام محمد پشاور ہی ان ہی کے شاگرد تھے۔ جو اپنے استاد کی وفات کے بعد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر خطیب اور مفتی رہے۔ قاری عبد الرحمن جو پوری موصوف کے فتاویٰ ان کی علمی شان کے بین شاہد ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے درس میں حضرت کی تقریر حاجی صاحب کی طرف سے عطائے صابریہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ ایک روز مولوی محمد غازی کے ہمراہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب اس وقت مثنوی مولیٰ سنار روم کا سبق دے رہے تھے۔ اثنائے سبق ایک ایسا شعر آیا جس میں آرزوئے وصل کی شدت کا اظہار تھا جناب لالہ حاجی صاحب زادہ غلام محسن الدین مدظلہ العالی اپنے سفر نامہ ماکاب عربیہ روم ۱۹۲۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عمر رسیدہ بزرگ انہیں ملے تھے جو اس واقعہ کے وقت درس میں حاضر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شعر یہ تھا۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

ایک شاگرد نے سوال کیا کہ مولینائے روم کو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ جہاں دُئی کا تصور ہی نہیں۔ پھر یہ وصل کی تنازعہ معنی دارد؟ حضرت حاجی صاحب نے جواب میں کچھ فرمایا مگر دریافت کرنے والے کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے پھر سوال کو دہرایا حضرت قبلہ عالم نے عرض کیا کہ یہ طالب علم اپنے سوال کا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کر پا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کے سوال کا منشاء عرض کروں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کیا مضائقہ ہے؟ جب حضرت نے سوال کی وضاحت فرمائی کہ وصل ایک امر اضافی ہے جو دُئی کا متقاضی ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود اس کے منافی ہے تو حضرت حاجی صاحب کی طبیعت بھر آئی اور فرمایا کہ اچھا اب اس کا جواب بھی آپ ہی بیان فرمائیں۔

حضرت نے عرض کیا وصل کے معنی ہستی موہومہ کو مٹانا ہے۔ غیرت کی نفی نفس الامر میں ہے اور حقیقت میں محبوب حقیقی کے بغیر کوئی غیر موجود نہیں مگر وہم کے غلبہ سے تغار پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک فنا کے کامل حاصل نہیں ہوتی۔ طلب اور عشق کے تمام منازل میں ایک وہی غیرت باقی رہتی ہے۔ اس لیے فراق بھی ہوتا ہے اور وصال کی طلب بھی ہوتی ہے۔

میں جہی تک تھا کہ تیری جسلوہ پیرائی نہ تھی
جو نو دُئی سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

حضرت نے اپنی جوابی تقریر کو خواجہ حافظ مولینائے روم اور دیگر عرفا کے کلام از قلم

تو مباحث اصل اکمال این است و بس
زود روم شود وصال این است و بس

اور حضرت شیخ اکبر کے رجسٹر ارشادات سے مُرتب و مُرتع کر کے کچھ ایسے پرکیت انداز میں ادا فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ وجد میں آگئے اور آپ کو بے حد رقت ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو کمرہ کے اندر تشریف لے گئے اور اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ لاکر حضرت کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اگرچہ آپ کو اس کی حاجت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو۔ حضرت فرماتے تھے میں نے عرض کیا آپ کی عنایت کا شکریہ مجھے طواف کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا میں بھی تقریباً بیس سال سے ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ جناب بالوچی مدظلہ فرماتے ہیں کہ دورانِ درس ایک دفعہ حضرت نے اس کیفیت کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ جس شخص کا مطمح نظر ذات ہو وہ آثار و افعال اور صفات کی طرف

توجہ نہیں ہوتا ہے۔

عشق آل شہد است کہ چوں بر فروخت ہر چیز معشوق باقی جمہد سوخت

حضرت فرماتے تھے کہ جب میں عرب شریف سے واپس آیا تو ایک مدت کے بعد دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن شریف کے تعاضد پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کے وظائف انہیں تلقین کیے۔ اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عطیہ کی حکمت معلوم ہوئی۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ عرب شریف کے قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ مجھے اسی جگہ رہائش اختیار کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا۔ مگر حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا جس کا سبب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اُس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے۔ اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا جیسا کہ آپ کی تصانیف و محفوظات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ پر بعد میں انکشاف ہوا کہ اس فتنہ سے مراد قادیانیت تھی۔

حضرت حاجی صاحب کی ان عنایات پر ان کے بعض متوسلین کا ردِ عمل

جناب بالوچی کا ارشاد ہے کہ حضرت فرماتے تھے جب میں حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت ہندوستان کے چار مشہور علماء بھی حاضر درس تھے۔ میری تقریر اور حضرت حاجی صاحب کی جوابی مہربانی کو انہوں نے کچھ محسوس کیا اور مجھ سے ایک منطقی سوال پوچھا میں نے کہا: میاں یہاں تو ایک باخدا انسان کی مجلس ہے۔ یہاں سے کچھ حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ مناظرہ کا مقام نہیں۔ اگر آپ حضرات کو مناظرہ کا اتنا ہی شوق ہے تو فلاں مفت م پر آکر مجھ سے گفتگو کیجئے گا اور اگر میرے پاس آنا مناسب نہ سمجھیں تو میں خود آپ کے مقام پر حاضر ہو جاؤں گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور آپ کا مسلک

حضرت حاجی امداد اللہ ^{۱۲۲۳ھ} یعنی ^{۱۸۰۸-۹ء} عیسوی میں بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور پیدا ہوئے ^{۱۸۵۷ء} کی جنگ آزادی میں انگریز حکومت کے خلاف ہندوستان میں جہاد میں حصہ لیا ^{۱۲۷۶ھ} یعنی ^{۱۸۵۹-۶۰ء} میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں ^{۱۳۱۷ھ} یعنی ^{۱۸۹۹-۱۹۰۰ء} میں رحلت فرما کر اپنے دیرینہ رفیق اور دینی و سیاسی معاون حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ بلادِ عرب میں شیخ العرب والجم کے لقب سے موسوم تھے۔ دیوبندی مکتب فکر کے اکثر و بیشتر علماء کو آپ سے ارادت ہے۔ گو بعض مسائل میں انہیں حاجی صاحب سے اختلاف بھی رہا۔ مگر مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا لطیف اللہ علیگرہی، مولانا محمد حسین الدہلوی اور بہت سے دیگر آپ کے متوسلین علمائے کرام آپ کے مسلک کے پوری طرح پابند رہے۔ مسئلہ وحدت الوجود میں حاجی صاحب کا مسلک امداد المشاق کے مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہوتا ہے:-

”یہ مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح مطابق للواقع ہے۔ اس مسئلہ میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ معتقد علیہ تمامی مشائخ کا ہے مگر قال و اقرار نہیں، البتہ حال و تصدیق ہے یعنی اس مسئلہ میں یقین اور تصدیق قلبی کافی ہے اور استناد اس کا لازم اور افشا ناجائز ہے کیونکہ اسباب ثبوت اس مسئلہ کے کچھ مذکور ہیں، بلکہ بحسب دقیق

کہ فہم عام بلکہ فہم عمائدی ظاہر میں کہ اصطلاح عرفا سے ماری میں نہیں آتے تو الفاظ میں کہنا اور دوسرے کو سمجھنا تک ممکن ہے۔

فتوحات مکیہ کے حصول میں تائید غیبی

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ فرماتے تھے کہ مکہ معظمہ میں کتاب فتوحات مکیہ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ ایک کتب فروش نے اس کی قیمت چالیس ریال بتائی جو میرے پاس نہ تھے۔ اسی خیال میں بیٹھا تھا کہ ایک اجنبی افغان نے حرم شریف میں اگر چالیس ریال پیش کیے۔ وہ پوچھی تو کہنے لگا کہ اس وقت میرے دل میں خود بخود خیال پیدا ہوا ہے کہ یہ قسم آپ کو پیش کروں۔ چنانچہ اُس کے اصرار پر وہ چالیس ریال قبول کر لیے اور اشارہ غیبی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے جا کر کتاب خرید لی جو ہمیشہ زیر مطالعہ رہی۔

حضرت کے رئیس الحجاج ہونے کے متعلق ایک بزرگ کا کشفی مشاہدہ

جس سال آپ حج پر گئے تھے اُسی سال حضرت سید لعل شاہ نقشبندی دندہ شاہ بلاول ضلع کیمیل پور حج کے لیے گئے تھے۔ جناب مولانا محمد قازی اور سید چان شاہ جالبوی نے اُن کو کہتے سنا کہ میں نے بیت اللہ شریف اور پھر عرفات میں بھی مراقبہ کر کے معلوم کرنا چاہا کہ اس سال اولیائے حاضرین میں سے رئیس الحجاج کا منصب جلیلہ کسے عطا ہوا ہے تو حرم شریف میں میں نے خانہ کعبہ کو حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے گرد طواف کرتے دیکھا اور عرفات میں لوگوں کے حج آپ کے ہی توسل سے بارگاہ الہی میں پیش ہو کر مقبول ہوتے نظر آئے۔ اس لیے سمجھ گیا کہ اس سال آپ ہی اس باطنی منصب عالی پر فائز المرام ہیں۔ جناب جالبوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ان ہی سید لعل شاہ کے خاندان میں سے ایک صاحب سخت عیب ہوئے اور چونکہ اس گھرانے کو مندرجہ بالا واقعہ کی بناء پر حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ سے عقیدت تھی اس لیے وہ گولڑہ شریف میں دعائے صحت کے لیے آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا بخشی۔ اُن کی زبانی بھی میاں عبداللہ وغیرہ حضرات نام لنگر شریف نے اُس مراقبہ کا ذکر سنا تھا۔

بیت اللہ شریف اور دیار صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے وقت ایک عام مسلمان کے ذوق و شوق کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ہی بیان میں نہیں آسکتی تو اولیاء اللہ کی کیفیات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی یہ حضرات مأمور من اللہ ہو کر یا واردات قلبی کے تحت مضطرب اپنے جمال حال کے کسی گوشہ سے خود ہی پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت کے عشق و نیاز کی ایک معمولی جھلک آپ کی اس مشہور و مقبول نعمت میں بھی پائی جاتی ہے جو آج تک ہزاروں دی و دھیری اے کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے اور جس کا ایک مصرعہ مہر علی کشتے تیری شاگستہ خاں اکتیں کشتے جاڑیاں بھی ہے۔

حضرت نے اس غزل میں اُس کیفیت کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو وادی حرم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہونے پر رونما ہوئی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق آپ کے کاغذات میں سے آپ کی ایک قلبی تحریر بھی دستیاب ہوئی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے۔

چنانچه در سوره مدثر طبعاً الصلوة و الصلح بقاء صواب الای یا فاطمہ الای

ازین کینه ترین است و چون باعث اضطراب از نظام الطریق است و شکر در گشت

نفسی لله و لمی لله جناب مولی که در جناب درین کفر ببارک عقل تعلیم و تقیم را که در در

مکمل مولی رحمت الله و ربهم و معجز و معجز بکه معجز را در الله تعالی میفرمودند و در سوره طه که در

کفر با حق است این را هیچ کس نمی داند و در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

چنانچه می بینیم که در عالم خدای روحی و معنوی و علم و حکم و درین سیه نام از جمل باکال جان آفرین

چنانچه در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

میفرمودند که آن رسول را بناید که ترک نکند و در سوره طه که در سوره طه که در

بودند بدو دست خود بکنند و در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

و از این اتفاق و در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

(آن رسول را بناید که ترک نکند) و در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

نوبت سوم در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

ازین کینه ترین است و چون باعث اضطراب از نظام الطریق است و شکر در گشت

نفسی لله و لمی لله جناب مولی که در جناب درین کفر ببارک عقل تعلیم و تقیم را که در در

مکمل مولی رحمت الله و ربهم و معجز و معجز بکه معجز را در الله تعالی میفرمودند و در سوره طه که در

کفر با حق است این را هیچ کس نمی داند و در سوره طه که در سوره طه که در سوره طه که در

حق تان چکانیدن و در میدان نسب میاید ^ع من ندانم باده ام یا باده را پیمانم
عاشق شوریده ام یا عاشق یا جانانه ام

مستلان حیرتم جان گویت یا جان جان ^{اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانه ام}
شوق سوکی در ظهور آورد نارطورا ^{در بناد شمع آتش میزنند پروانه ام}
با جمال ذراتیش حسن دگر در کار شد ^{چشم او را سرمه ام یا زلف او را شانه ام}
غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آینه ^{تا ترا بشناختم جانان ز خود بجایانم}

ایضا

نخستین باده کاندز جام کردند ^{مرا جش عکس آن گفتم کردند}
سویا شد در امکان صورت حق ^{باین صورت جان را رام کردند}
بمی بایست تفضیلی از آن روی ^{مکارم را بآن اتمام کردند}
شراب و عدت از غمخانه غیب ^{مرا جمع ازل در کام کردند}
چو غلطیدم ز مستیها بهر سو ^{حریفان مستی از من وام کردند}
حقیقت را که مستوران نظر بود ^{کما مشهود خاص دعایم کردند}
پس آنکه موج دریا باز زدید ^{باقام فنا اکرانم کردند}
دین رمزی دقیق با تو گویم ^{نمود آغاز و نیز انجام کردند}
اللهم صل وسلم وبارک دعا علی سیدنا محمد و آله و اصحابه

ساز و ضافات الهیه ۱۱ مین

مرا جش عکس آن گفتم کردند
باین صورت جان را رام کردند
مکارم را بآن اتمام کردند
مرا جمع ازل در کام کردند
حریفان مستی از من وام کردند
کما مشهود خاص دعایم کردند
باقام فنا اکرانم کردند
نمود آغاز و نیز انجام کردند

وادی حمرا کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلہ عالم کی قلمی تحریر

چنانچہ در سفر مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بمقام حمرا وادی یا فاطمہ وادی ازیں مکینہ ترین اُمت مہجورہ،
بیاعت اضطراب از قطع الطرق سنتِ عشار متروک گشت۔ مخلصی فی اللہ و محبتی للہ مکرّمی جناب مولوی
محمد غازی صاحب دیریں سفر مبارک شغل تعلیم و تعلّم کہ در مدرسہ مکرّمی مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم و معذور بمکہ
مستطردہ اللہ تعالیٰ مے فرمودہ ترک فرمودہ محض برائے خدمتِ ایں سب سے بیجا بنابر حسن ظن شریف رفاقت بخشیدہ
بعیت رفا بکرانہ قافلہ بخواب رفتم۔ چہ مے منعم کہ سرورِ عالم فدائے روحی صلی اللہ علیہ وسلم درجہ عربی سیاه فام از
جمال باکمال جہاں آرا، حیات دیگر بخشیدند۔ در حالیکہ مسجد سے دو زانو مراقب نشستہ بودم نزدیک تر
بایں عاصی شدہ مے فرمایند کہ آلِ رسولؐ را نباید کہ ترک سنت کنند و ہر دو ساق مبارک را کہ لطیف تر از
حریر بودند بدو دست خود شکم گرفتہ گریاں و ناله کناں مے گفتیم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ و از بے استقامتی
و بدبوشی عرض نمودم کہ حضور کد ام کس اند۔ در جواب جہاں مجملہ مذکورہ بالا آلِ رسولؐ را نباید کہ ترک سنت کنند
فرمودند ہمیں طور سے باز تکرار سوال و جواب بوقوع آمد۔ نوبت سوم در قلب حزین چنیں سخت شد کہ از ندائے تو
بلغض یا رسول اللہ منع نے فرمایند اگر کسی دیگر از اہل اللہ بودے بگفتے کہ مرا رسول اللہ ہو۔ والحمد للہ علی ذالک
از خوبی و حسن آں جمال باکمال و از مستی و ذوق و تحیر فائض آں وقت مبارک لسان تقریر و تحریر
گنگ است و لال۔ البتہ ابیات ذیل تجرّے ازاں بادہ بکام، و نغمہ ازاں ناز و بشام عشاقاں چکانیدن و میدان
انب مے نماید۔

من نہ انم بادہ ام یا بادہ را پیما نہ ام	عاشق شوریدہ ام یا عشق یا جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جہاں گوشت یا جان جہاں	اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام
شوق موسیٰ در ظہور آورد و نار طور را	در نہاد شمع آتش مے زند پروانہ ام
باجمال ذاتیش حسن دگر در کار شد	چشم اورا سر مرہ ام یا زلف اورا شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پُر شد آئینہ

تا ترا بشناختم جہاں ز خود بیگانہ ام

ایضاً

نخستیں بادہ کا نہرج مے کردند	مزا بش عکس آں گلّف مے کردند
ہویدا شد در امکان صورت حق	بآں صورت جہاں را رام کردند
جے بانست تفصیل ازاں رُوسے	مکارم را باں امت مے کردند

۱۔ تضاد و تدریس ۲۔ ۳۔ اسما و صفات

۴۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم بچلت لا تسم مکارم الاخلاق

شراب وحدت از خمندان غیب مرا صبح ازل در کام کردند
چو غلیظ دم ز مستی با بہر سو حریفان مستی از من وام کردند
حقیقت را کہ مستور از نظر بود بہا مشہود خاص و عام کردند
پس آنکہ موج دریا باز گردید با تمام فن اکرام کردند

ایں رمزے دیتے ہا تو گویم
بخود آفت ز وہم انجم کردند

اللہم صل وسلم وبارک دائماً علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ
سوارۃ بگذشتی و ماہم سوار از شوق
نہادہ زوئے بخاک ہم سمند توایم

ترجمہ تحریر مختص

چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بہت کم وادی حمراڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً
عشاء کی سُنیتیں مجھ سے رہ گئیں مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی، مدرسہ صولتیہ میں شغل تعلیم و تدریس چھوڑ کر حُسن ظن کی بنا پر
بغرض خدمت اس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے، ان رفقاء کی معیت میں میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا کیا دیکھا ہوں
کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لاکر اپنے جمالِ باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں ایسا معلوم
ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالت مراقبہ دوڑا نو بیٹھا ہوں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب تشریف لاکر ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول کو سنت
ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس حالت میں آنجناب کی ہر دو پسند لیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں
ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ و فغاں کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا شروع کیا اور عالمِ مہوشی
میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں، جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ تین بار
یہی سوال و جواب ہوتے رہے تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یا رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر
ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حُسن و جمالِ باکمال کے متعلق کیا کہوں اُس
ذوق و مستی و فیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر رنگِ البتہ بادہ خوارانِ عشق و محبت کے حلق میں ان ابیات
سے ایک جرمہ اور اُس نافہر مشک سے ایک نفوڈا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی یہ تحریر اور ابیات اُس وقت کی سعادتِ غلطی کی کیفیات سے کسی قدر نقاب کشائی کرتے
ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال کے مرتبہ علیا اور فنا و بقا کے مقاماتِ جلیلہ سے مشرف ہو چکے ہوئے تھے جو اہل اللہ کا
انتہائی مقصود ہے۔ ان کیفیات کا انعکاس آپ کی اُس مشہور پنجابی نعت میں کسی حد تک پایا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے
اور جو آپ نے اُس موقع پر وادی حمرا اور مدینہ منورہ کے درمیان یوزون فرمائی تھی۔ ان ہی کرامات و غنایات کے متعلق ذکر کرتے
ہوئے آپ اپنی کتاب فتوحاتِ صدیہ میں ضمن جواب سوالِ خبسم تحریر فرماتے ہیں: "اس گروہ پاک میں سے اب بھی وہ لوگ
ہلتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی حسب تفاوتِ مدینہ طیبہ سے رخصت ہوتے وقت یا کسی اور وقت میں اُن انعامات سے
متنازع و مشرف فرماتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت"

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طبیعت میں تواضع اور انھارے راز کا غلبہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاذ و نادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت چنانچہ اس واقعہ کا اظہار بھی غالباً اپنے امثال اور تابعین کی قلبیں کے لیے فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں اپنی ذات والاصفات پر بھی حریف گیری کا ایک پہلو نکلتا تھا۔ رزق ان انعامات بے کراں کا جو اس دربار گوہر بار سے مرحمت ہوئے یا ان نوازشات بے پایاں کا جو خاندان خلاق جہاں میں ہوئیں ایک شمر نہ تک بھی کیسں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور یہاں پر آپ ہی کا وہ قول پیش نظر آتا ہے کہ میں فقیر اُسے کہتا ہوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے۔

مست ذکرہ بالانعت شریف کی عالم گیر اثر انگیزی اب محتاج بیان نہیں رہی۔ پنجابی کلام سے لطف اندوز ہونے والی ہزاروں محنتوں میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے۔ اور لوگوں کی فرمائش کے پیش نظر بار بار ریڈیو پر بھی آتی رہتی ہے جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدت شوق و فراق سے ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے۔ اور کیفیات کا نور و سرور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علامہ اقبال میکوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دھند لکوں میں کوئی شخص اس نعت کا پہلا شعر

اُج سبک مہراں دی ودھیری اے کیوں مڑی اُداس گھیری اے

لوں لوں چ شوق چگیری اے اُج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

ترجم سے کہتا جا رہا تھا۔ علامہ نے اپنے ملازم کو دوڑا کر اس گزرنے والے کو بلوا کر ساری نعت سنی جب قطع سے

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا أَجْمَلْتَ مَا أَحْسَنْتَ مَا أَكْمَلْتَ

کتنے مہر علی کتنے تیری شاہستان اھیں کتنے جاڑیاں

میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا نام سنا تو کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اس کلام میں اتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے نعت شریف باب نہم آپ کے منظوم کلام میں، کتاب ہذا میں درج ہے۔

اس کٹھن سفر میں شانِ استغفار و ایثار و کرم

جناب مولیٰ نام محمد غازی فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ میری استدعا پر ازراہ عنایت میرے مکان پر تشریف فرما ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس فقط ایک قمیص ہے جو اس طویل سفر میں مسلسل زیر استعمال رہنے کی وجہ سے عرق آلود ہو چکی ہے چنانچہ ایک دن میں نے عرض کی کہ غسل فرما کر میری نئی قمیص پہن لیں تاکہ میں وہ قمیص دھو ڈالوں۔ آپ نے فرمایا اچھا مگر غسل کے بعد دیکھا تو وہی پرانی اور بغیر دھلی قمیص زیب تن فرمائے ہوئے ہیں۔ مجھے سخت صدمہ ہوا اور زیر لب اظہار شکوہ کرتا ہوا چل پڑا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا۔ مولوی صاحب، واپس آؤ، واپس آؤ۔ میں واپس گیا تو فرمانے لگے کہ مولوی صاحب، اگرچہ میرے مذہب میں دوئی شرک ہے مگر میں نے یہ خیال کیا تھا کہ یہ قمیص مولوی صاحب کی ہے۔ اچھا اب آپ کی قمیص پہن لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے میری قمیص پہن لی اور اپنی قمیص مجھے مرحمت فرمائی۔ حضرت کی یہ قمیص مولیٰ محمد غازی نے تبرکاً اپنے پاس رکھ لی تھی جو ان کی وفات کے بعد ان کے ورثاء سے حاصل کر کے حضرت کے تبرکات میں رکھ دی گئی ہے۔

مولیٰ مہجوم جو مدینہ عالیہ کے سفر میں حضرت کے شریک تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قافلے میں پیدل سفر کرنے والی ایک خاتون نے تھکاوٹ سے تنگ آکر بوجہ کم مہمتی و بے صبری کچھ غیر شرعی الفاظ استعمال کرنے شروع کیے حضرت نے اُس کی حالت دیکھ کر فرمایا۔ اس بے چاری کا ایمان خطرے میں ہے میری سواری پر اسے سوار کرادو میں پیدل چلوں گا تاکہ اُس کی تکلیف و پریشانی رفع ہو جائے مولیٰ فرماتے تھے کہ قافلہ کے لوگ عموماً بدوؤں اور لٹیروں سے خطرہ کے وقت آپ کے قریب جمع ہو جاتے اور کہتے کہ ہیں اس شخص کے قُرب میں اطمینان اور تسکین قلب محسوس ہوتی ہے چنانچہ آپ بھی اُن کی پریشانی کے پیش نظر اپنے اوراد و اشغال میں ہمہ وقت مصروفیت کے باوجود اُن کی دلجوئی کو مقدم رکھتے۔

عرب شریف سے واپسی پر آپ کا استقرار

عرب شریف سے واپسی پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مفت مہمیں پر ایسے ممکن ہوئے کہ پھر بہت کم سفر اختیار فرمایا پہلے سیال شریف کے عرس پر اور پھر کچھ عرصہ بعد پاک پن شریف کے عرس پر سفر فرماتے کسی خاص دینی مقصد کے پیش نظر کوئی اور سفر بھی اختیار فرمالتے تھے مثلاً پیران کلیہ علی گڑھ اور مرزائے قادیان کے ساتھ مناظرے کیلئے لاہور کے سفروں کا تذکرہ آئندہ مناسب مقامات پر آئے گا۔

ریاست بھوپال کا سفر

۱۹۰۴ء میں حضرت نے ریاست بھوپال کا سفر فرمایا جس کا ذکر جناب بابو جی مدظلہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرت کسی سفر کا ارادہ تو رکھتے ہیں مگر ہمیں ساتھ لے جانا نہیں چاہتے۔ کئی طریقوں سے ہم کابی کی استدعا کی مگر نامنظور ہوئی۔ آخر میں نے عرض کی کہ آپ سفر تو زمین پر ہی فرمائیں گے۔ اور سوار بھی ریل گاڑی میں ہی ہونگے اس لیے جب بھی آپ تشریف لے جانے لگیں گے ہم بھی ساتھ ہو لیں گے۔ یہ سن کر آپ نے مبتم فرمایا اور ہماری اجازت بخشی اور بالآخر تیساریں ہو گئی مولوی محبوب عالم منشی عبد الجبار کرم الہی برادر سیٹھی فضل الہی پشاوروی۔ قائم علی المعرف فاضل لاہوری وغیرہ ہمراہ تھے اسٹیشن پر مولوی محبوب عالم کو علیحدگی میں بھوپال کے متعلق فرمایا۔ راستہ میں ایک یوم لاہور کی ایک سرائے میں قیام فرمایا اور کسی کو اطلاع نہ کی۔ شام کو وہاں سے سوار ہو کر دوسرے روز نونہ بجے رات بھوپال پہنچے۔ شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب رہائش کا ارادہ فرمایا۔ تانگے والوں نے اُس جگہ سے تقریباً تین فرلانگ کے فاصلہ پر آثار دنیا چاہا لیکن ایک گونگے شخص کے آمو جو دہونے اور اشاروں اشاروں میں تانگہ والوں کو مجبور کرنے پر بالآخر انہوں نے ہمیں اصل جگہ تک پہنچا دیا۔ وہ گونگا شخص ایک غیبی امداد کی صورت میں آخر تک بازار سے سودا سلف تک لانے میں ہمارا اُمد و معاون رہا۔

حضرت نے کسی مکان کے کرارے پر لینے کا فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید فرمائی کہ کسی کو نہ بتلایا جائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں چنانچہ تالاب کے قریب والی ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں سامان رکھ کر مکان کی تلاش میں نکلے۔ قریب ہی ایک مکان نظر آیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ اگر یہ مکان مل جاتا تو کیا ہی اچھا رہتا۔ اسی خیال میں تھا کہ مالک مکان جو کوئی فوجی افسر معلوم ہوتا تھا آگیا اور ہمیں دیکھ کر پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں۔ پہلے تو ساتھیوں نے حضرت کے

حسب ارشاد کچھ نہ بتلایا لیکن آخر لاکرم الہی نے کچھ مبہان کر ہی دیا جس پر وہ بہت خوش ہوا اور مکان کی گیمیاں حوالے کر کے کہنے لگی۔ میں ایک رسالہ میں ملازم ہوں اور رخصت پر آیا تھا۔ اب واپس جا رہا ہوں۔ یہ میرا ملازم ہے اور مکان آپ کے حوالے ہے۔ جتنے روز چاہیں بغیر کسی کرایہ کے قیام فرمائیں ہم بہت خوش ہوئے۔ حضرت نے نچے حصہ میں رہائش رکھی اور میں اوپر والے حصہ میں ٹھہرنے کو فرمایا۔

آپ علی الصبح تالاب کے قریب والے جنگل میں تشریف لے جاتے اور دیر سے واپس لوٹتے۔ پھر فاضل کو اور مجھے سبق پڑھاتے۔ ہم اُن دنوں مسائلِ نحو پڑھتے تھے۔ اُس مسجد میں بھی ایک سفید ریشم عمر عالم چڑھ گیا۔ کو پڑھاتے تھے ایک روز انہوں نے حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہما کے متعلق کوئی ذکر کیا تو آپ نے اُس کا صحیح مطلب اُن کو سمجھایا جس پر وہ عمر عالم بہت خوش ہوئے۔

ہر روز جنگل سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے آپ ایک حکیم صاحب کے پاس تشریف رکھتے۔ اُن سے تعارف کی صورت ایک مولوی صاحب کے ذریعہ ہوتی تھی جو گولڑہ آیا کرتے اور حضرت سے حکیم صاحب کا اور حکیم صاحب کے پاس حضرت کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ نیز وہ اس جنگل کے متعلق کہا کرتے کہ عجیب خلوت کا مقام ہے۔ اتفاقاً مسجد والے عالم بھی ان ہی حکیم صاحب کے کرایہ دار تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت کو حکیم صاحب کے پاس بیٹھا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پائے لاکر پیش کی اور کہا کہ مجھے عرصہ سے ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے اور اشکال لاحق ہے کہی حضرت سے دریافت بھی کیا مگر اطمینان نہیں ہو سکا۔ آپ کو دیکھ کر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ اُسے ضرور حل فرمادیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ اکثر ایسے بزرگانِ دین گزرے ہیں جن کے باخدا ہونے میں تو قطعاً کلام نہیں مگر انہوں نے تمام عمر کلمہ طیبہ کی بجائے فقط اہم ذات ہی کو ذکر کے لیے اختیار کیا۔ اور مکمل کلمہ تشریف کو جو افضل الذکر ہے معمول نہ بنایا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میرے ناقص خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات ایسے عہد میں پر فائز تھے کہ اس قدر فراق کو گوارا نہ کر سکتے تھے جو محبوب کے نام سے پہلے تین چار الفاظ ادا کرنے تک صبر میں لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے اول ہی اُس کے نام کو وردِ زبان بنایا۔ آپ نے اس پر مزید چست و عرفان کے اقوال پیش فرمائے جس سے مولوی صاحب پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور باصرہ تمام بیعت ہوئے۔ پھر عرض کی کہ مجھ سے وعدہ فرمائیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں گے۔ آپ نے فرمایا خدا جانے کسے پہلے جانا ہوگا۔ فاصلہ بھی کافی ہے میں دُعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بخیر فرمائے۔ اس کے شدید اصرار پر فرمایا۔ مشیت الہی میں ہوگا تو دیکھا جائے گا۔

اس عرصہ میں رفتہ رفتہ شہرت ہو گئی۔ نواب صاحب بھوپال کے ایک رشتہ دار نواب حاضر خدمت ہو کر متمسک ہوئے کہ میرا لڑکا بیمار ہے آپ غریب خانہ پر چل کر دم فرمائیں۔ آپ نے وہاں جانے سے معذرت چاہی اور وہیں دُعا کے تحت فرمائی مگر نواب صاحب بدستور آپ کے تشریف لے چلنے پر مضرب رہے۔ بالآخر آپ نے فرمایا کہ فقط اس کام کے لیے جانا تو مشکل ہے البتہ یہاں سے روانگی کے وقت آپ کے ہاں سے ہوتا جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد مولوی محبوب عالم سے فرمایا کہ اب یہاں لوگوں نے بے ذوقی پیدا کر دی ہے رخصت ہونا چاہیے تیاری ہونے پر حسب وعدہ آپ نواب صاحب متذکرہ بالا کے ہاں تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے بچے کو دم فرمایا بیگمات نے چاندنی سے بھرا ہوا ایک طشت نذر گزارا۔ اُس میں کوئی خاص قسم کی خوشبو یا ت بھی رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اسے میرے قریب نہ لانا خوشبو یا ت کی تیزی سے مجھے نزلہ ہو

جائے گا اور وہ قبول بھی نہ فرمایا اور رخصت ہو گئے۔ اُن نواب صاحب نے بہت المالح کی کہ اپنا پتہ تو بتادیں مگر آپ نے مانے جب تانگہ پر سوار ہو کر روانہ ہو پڑے تو وہ نواب صاحب پیچھے دوڑنے لگے۔ آخر آپ نے مولوی محبوب عالم کو فرمایا کہ کاغذ کے پُرزہ پر لکھ کر دے دو ورنہ یہ نہیں چھوڑیں گے۔ لہذا ایسا ہی کیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر براستہ دہلی واپس ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ محمود صاحبؒ تو نسوی کے ایک خط سے جو حضرت کو بھوپال میں ملا اور جو جناب بابو جی مدظلہ کی لائبریری میں موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا قیام مولوی خیر اللہ کے مکان میں نزد مسجد مدار المہام، ہری گھاٹ بھوپال ہوا تھا۔

اس سفر کے چند دن بعد خادم تعویذات مولوی شیر دل نے عرض کی کہ ایک لڑکے پر جن کا اثر ہے اور وہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ فرمایا اے آؤ۔ وہ آکر کہنے لگا کہ آپ نے بھوپال کے جنگل میں جو وعدہ فرمایا تھا اُسے پورا فرمائیں۔ آپ نے کہا صبر کرو تمہارا کام ہو جائے گا۔ کافی دیر تک اُس کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور پھر وہ رخصت ہو گیا۔

پانچم

مسند ارشاد

۱۳۰۷ھ تا ۱۳۵۶ھ

۱۸۸۹ء تا ۱۹۳۷ء

پہلی فصل مجددِ انہ شواہد

مسند اکابر

سابقہ چار ابواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مقبول اور منفرد تخلیق اور کُلّیوہِ ہُو فی شان کے یہ مظہرِ صادق کس طرح علم و فکر کی تربیت میں کامل و مکمل ہو کر بیت اللہ شریف اور دربارِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہوئے وہاں فیوض و برکات سے دامن فرما دھڑے اور قبلہ عالم اور قطب ارشاد کی خلعت فاخرہ سے سرفراز ہو کر اپنے پیرانِ عظام اور اجدادِ کرام کی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔

اس بلند مرتبت مسندِ شریف پر زمانہ ماضی میں جہاں تک بھی نگاہ دوڑائیں اکابرِ اولیاء اللہ اور اپنے اپنے وقت کے قبلہ گاہ عالم ہی جلوہ فرما دکھائی دیں گے شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی۔ غوثِ زمانہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی۔ فخرِ جہاں حضرت مولانا فخر الدین دہلوی۔ قطبِ دوران حضرت خواجہ نطف م الدین اور رنگ آبادی اور فانی فی اللہ، باقی باللہ حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی بلکہ اور اوپر حضرت چراغِ دہلوی سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی سلطان الزاہدین حضرت گنج شکر، برہانِ حقیقیہ و شہیدِ محبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور خواجہ خواجگان سلطان احمد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سپہ اسلام کے وہ درخشندہ ستارے تھے جن کی ضیاء پاشی سے کروڑوں گمراہانِ باویہ ضلالت نے ہدایت پائی قبیحہ کے قبیحہ اور علاقے ظلمت کفر سے نکل کر نورِ اسلام سے منور ہوئے۔ (حضرت کے مشائخ کرام سلسلہ حقیقیہ و قادریہ کے شجراتِ کتاب ہذا کے باب نمبر ارشادات میں درج ہیں) ان حضرات نے اپنی تمام عمریں تدریسِ علومِ دینیہ اور تزکیۂ نفوسِ بشریہ میں بسر فرمادیں۔ جہاں لوگوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو واصل باللہ کیا۔ اربابِ سیف نے ان سے عدالت کا سبق لیا اور اصحابِ قلم نے زورِ قلم حاصل کیا چور اور راہزن ولی اللہ بنے۔ کسانِ ہل چلاتے تبیح پڑھنے لگا۔ اور مزدور و حوریں چکی پیتے، آٹا گوندھتے ذکرِ جہ کرنے لگیں۔ ان نفوسِ قدسیہ نے اس برصغیر میں عرفانِ الہی اور عشقِ رسول اللہ کے دریا بہا دیے۔ اور ایک عالم کو صبغۃ اللہ میں رنگ دیا۔

دہلی، بہاول پور، سنگھنہ اور کھنٹی بار کے بعد ارشاد و تبلیغ کا یہ سجادہ جو تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں کے آغاز میں کوہستانِ پٹوہاء کے دامن میں آراستہ ہوا اپنی نصف صدی کی نمایاں اور بعض صورتوں میں عظیم المثال و لاثانی خدمات کی بدولت تاریخِ اسلام میں بلا خوفِ تردید مسندِ تجدید سے موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ جیسے کتاب ہذا کے باب دوم کی اہستہ میں عرض کی جا چکی ہے حضرت کی ذاتِ گرامی میں وہ جملہ شہانہ و صفات جو ایک مجددِ وقت میں ہونا چاہئیں کاملاً موجود تھیں تعلیمِ اسلام کے جو موضوعات حضرت کے تجدیدِ مذہب سے منظرِ حق پر تازہ ہوئے انھیں ان کی تفصیل کے تحت باب آئی گی۔

تردید مزائیت

آنجناب نے ایک لادینی حکومت کی الحاد پر و فضا میں ایک مدعی نبوت کے خلاف کامیاب تسلی اور لسانی جہاد کیا جس کی اس محاذ پر مسلمانوں کے تمام فرقوں کی جانب سے متفقہ طور پر آپ ہی قائد تسلیم کیے گئے اور آپ کی تصانیف تردید مزائیت میں بے نظیر شاہکار قرار دی گئیں۔ ان تصانیف کو مشعل راہ بن کر تقریر و تحریروں کے مجاہدین کا ایک جم غفیر کمر بستہ ہو کر میدان میں اتر آیا۔ اور ان کی مساعی فی سبیل اللہ کی بدولت آج دنیا سے اسلام کا ایک عام انسان بھی خیر رسالت کی قادیانی تاویل کو کفر سمجھتا ہے اور قادیانیت اس ملک میں ایک علیحدہ بے اثر اور لاتعلق اقلیت بن کر رہ گئی ہے۔

انسدادِ چکر الویت

حضرت کے زمانہ میں قادیانیت کے علاوہ افراط و تفریط کی شکار اور بھی کئی مذہبی اور سیاسی تحریکیں ابھرنے لگیں مگر آپ کے وجود مسعود کے باعث پروان نہ چڑھ سکیں مولوی عبداللہ حکمرانی نے حدیث کی محبت سے انکار کرتے ہوئے ایک نیا فرقہ اہل قرآن کھڑا کر دیا۔ اس کے مقابلہ میں آپ نے علم حدیث کی تدریس پر زور دے کر جابجا دورہ حدیث کے درس جاری کرائے چنانچہ ضلع ہزارہ کی مشہور درس گاہ بھٹی میں آپ کے مخلص شاگرد مولانا عثمان نے اُس نواح میں پہلی مرتبہ درس حدیث شروع کیا۔ ان کے علاوہ سکون میں آپ کے استاد مولانا سلطان محمود خود حضرت سے سند لے کر درس حدیث پر کمر بستہ ہو گئے۔ اسی طرح مولانا حافظ مہر محمد شیخ الحدیث جامعہ فتنیہ اچھرہ لاہور اور مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور بھی حضرت کے حسب فرمان تدریس حدیث پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

ردِ نیچریت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے نیچریت کی تردید میں بھی جو ملک میں انگریزی تعلیم و تربیت کے باعث فروغ پا رہی تھی۔ مولوی محترم علی چشتی لاہوری اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے مخلصین کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری توسل سے تعلیمی مضامین شائع کرائے۔ تاہم سرسید احمد خاں کے مخالف علماء کے ان نظریات کو بھی نا واجب قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ اور برطانوی ہند دارالحرب ہے جہاں مجمعہ کی نماز جائز نہیں حضرت نے شہروں میں نماز مجمعہ کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صوبہ سرحد میں از سر نو مجمعہ کی نماز جاری کرائی۔ البتہ برطانیہ کی ایسی ملازمت کو جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اقدام لازم آتا ہو، ناجائز قرار دیا۔ اور اس امر کا اعلان آپ اُس زمانہ میں فرماتے رہے جب کہ پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی اور انگریزوں کا ستارہ عروج پر تھا۔

انگریزی تعلیم پر حضرت کا مسلک اور دینی مدارس میں لچپی

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو دینی مدارس کی بہت اور قیام کا ہمیشہ خیال رہا۔ انگریزی سکولوں کے مروجہ نصاب کے

عیوب کے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ بعض مکتوبات سے ملتا ہے۔ انگریزی کو بطور زبان پڑھنے اور سیکھنے پر آپ کو اعتراض نہ تھا بلکہ حکومت برطانیہ کے عہد میں دنیوی کاروبار اور صنعت کے لیے اسے ضروری سمجھتے تھے مگر نظر مبارک اس خطبہ سے بھی بیگانہ نہ تھی کہ انگریزی ادب میں ایسا مواد بھرا ہوا ہے جو مذہب اور قومی یکجہتی کے لیے باعث نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے کوشش فرماتے تھے کہ اسلامی علوم بھی ساتھ ساتھ ضرور پڑھائے جائیں تاکہ اسلامی شعور اور کردار میں متزلزل نہ آنے پائے۔ ایسی مغربی لادینی تہذیب کی آپ نے شدید مذمت فرمائی جو اسلام سے بیگانہ کر دے اور عقل محض کی کورانہ تقلید کا پابند بنادے۔ اور اس مسلک کے پیش نظر اپنے خاندان میں بچوں کو انگریزی تعلیم نہ دلوائی۔

مغربی علوم کی نسبت صاحبزادہ سر عبد القیوم کے ایک فقرے کا جواب اور پیشین گوئی

۱۸۹۶ء میں جب راولپنڈی صدر میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی اور چندہ کی کمی کے باعث کام رک گیا تو قاضی سرانج دین اور سیٹھ ماموں جی آدم جی صاحبان کی درخواست پر آپ جلسہ میں شریک ہوئے اور تقریر فرمائی جس پر روپیہ کی اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ضروریات پوری ہو گئیں لیکن سب اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر اور ترقی کے لیے صاحبزادہ عبد القیوم نے رجوع بھی نہ نہیں ہوئے تھے، آپ کو لے جانا چاہا تو آپ نے پسند نہ فرمایا۔ اور جب وہ بذریعہ عرض مقرر ہوئے تو لکھا کہ میں یہیں سے واپس آتا ہوں۔ اس پر صاحبزادہ عبد القیوم نے پھر لکھا کہ دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرہ ور ہو چکی ہیں مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا:-

آپ کے اس فقرہ پر تعجب ہوا۔ محمد و ما اللہ اور رسول کے نزدیک علم معتد بہ علوم شریعہ و ادیان ہیں یعنی علوم الہیہ اور وہ بفضلہ تعالیٰ اپنے خدام سمیت محفوظ و مصون ہیں ہمارے نزدیک اعمال و دیگر اقوام ان علوم سے بے بہرہ ہیں پس آپ کے اس فقرہ بالاکلی صحت بالکل ضرورت پذیر نہیں ہوتی۔ البتہ ہمارے ہاتھ سے ان علوم پاک کا نکل جانا اس شہرت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب محسب کلمہ خیر اریئد بہکاشتر "ترقی اسلام کے نام سے کام لیا جائے" فائدہ خیر حافظاً و هو ارحم الراحمین اس کے لیے صحیح عنوان ترقی اسلام نہیں ترقی اسباب معیشت ہے اور وہ بھی شرعی اسباب سے حج برعکس نہند نام رکھی کا فوہ اس کے بعد ہا شمس جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اس طرز تعلیم کا اثر احکام شرعیہ، صوم و صلوٰۃ وغیرہ کو پس پشت ڈالنے اور ظاہری اعزاز و شکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہو گا مگر جسے اللہ محفوظ رکھے۔ (ترجمہ)

دینی مدارس کی ترقی میں آپ کی دل چسپی اور خوشنودی کا اندازہ ان خطبات اور بیانات سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے بعض اوقات ان اداروں کے افتتاحی اور ہنگامی اجلاس میں تشریف لے جا کر دیے یا لکھ کر بھجوائے۔ اس ضمن میں زیارت شریف ضلع پشاور کے درس تنفیہ کے افتتاحی اجلاس اور انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ جلسہ (دسمبر ۱۹۱۲ء) کے خطبات خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ لاہور کے جلسہ میں حضرت کی شرکت کی اطلاع پا کر لوگ دور دور سے آئے تھے تقریر کے بعد اس قدر چندہ جمع ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ روپوں اور اشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔

یوں تو حضرت کا براہِ ارشاد مقتدرین کے لیے اہم ہوتا تھا اور اکثر قلب بند کر لیا جاتا تھا مگر انجمن نعمانیہ لاہور کا یہ خطبہ اس قدر بیخ تھا کہ انجمن کے متمم مولوی محرم علی صاحب شہستی اور دیگر علماء نے حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر اس کی تفصیلات کو از سر نو قلب بند کیا۔ یہ خطبہ فہرہ شہستی اور محفوظات طبقات دونوں میں درج ہے۔ اور کتاب ہذا کے باب محفوظات میں بھی اس کی نقل کر

دی گئی ہے۔

بریلوی اور دیوبندی

دیوبندی، بریلوی اور دیگر اسلامی مکاتب فکر کے اختلافی مسائل پر آپ اپنا مسلک تحریر و تقریر اور تالیفات کے ذریعہ برابر واضح فرماتے رہے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ان کی باہمی کشمکش آپ کو ناپسند رہی۔ تاہم فریقین کی حق بات کو ہمیشہ سراہا۔ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے متعلق فرماتے تھے کہ ان کے متبع عالم اور خادم اسلام ہونے میں کلام نہیں، مگر بعض اجماعی مسائل میں رعایت توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے مسلک توحید و جود کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بڑی مثال قائم کی ہے۔ گویا اگر ہزار میں سے ایک پہلو بھی موافق موجود ہوتا تو مخالف کی نیت پر شبہ کرنے سے منع فرماتے۔ حضرت نے امکان کذب باری تعالیٰ کو محال، علم غیب عطائی اور سلام موتی کو برحق اور ندائے یارسول اللہ زیارت قبور، توسل و استمداد انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ایصال ثواب کو جائز قرار دیا۔ معبودان باطلہ اور اصنام کے متعلق نازل شدہ آیات کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام پر منطبق کرنے کو تحریف و تحریب سے تعبیر نہ ماکر مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے استدلال کی تردید فرمائی۔

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ کی صحیح تفسیر

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ کے معانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے عالم کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ نیاز میں ذبح ہونے والے جانور پر اگر کسی وقت بھی اصحاب نیاز یعنی انبیاء و اولیاء کا نام لے لیا گیا۔ تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ مگر حضرت نے اعلیٰ کلمۃ اللہ تصنیف فرما کر قرآن و حدیث اور فقہ و لغت سے ثابت فرمادیا کہ اس آیت شریف کی مراد صرف اسی ذبیحہ سے ہوگی جس پر چھری چلاتے وقت بِسْمِ اللَّهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کی بجائے غیر اللہ کا نام پکارا جائے گا یا غرض ایصال ثواب اور کھانے کھلانے کی بجائے محض غیر اللہ کے لیے خون گرانے کی ہوگی، جیسے کہ بعض ممالک میں بادشاہوں کی تعظیم کے سلسلہ میں رسوم ہیں یا اہل ہنود میں بھوک کا طریقہ رائج ہے۔

غیر متقلدین

طاغون زدہ آبادی سے دوسری آبادی کی طرف موت سے فرار کی نیت سے نقل مکانی کو حضرت نے گناہ کہا۔ لیکن علّٰج کے لیے کھٹے میدانوں اور باغوں میں چلے جانے کو مباح فرمایا۔ اس پر غیر متقلدین کے ساتھ تحریری مناظرات چل نکلے مگر میدان بفضلہ آپ کے ہاتھ رہا۔ اور تمام اُمت میں آپ ہی کا فتویٰ جاری ہوا۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی اس فتویٰ میں آپ کی تائید کی۔

علم الکلام کے اختلافی مسائل میں آپ کا مسلک

صفات باری تعالیٰ اور علم کلام کے بعض دیگر اہم مسائل میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلاف پر حضرت نے موصوفیائے

تسلیں عظیم الرضوان کے مسلک کی روشنی میں تشدد اور تعصب کی بیک وقت لطیف سے کام لیتے ہوئے وہی راہ اختیار فرمائی جو کتاب و سنت سے زیادہ اقرب ہے۔ چنانچہ مسئلہ کلام باری تعالیٰ اور غلبہ و حیدر اور امکان الخیر و غیرہ کے متعلق اہمیت التسمیہ اور مجالس تفصیل موجود ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرت نے رباب وحدت الشہود اور وحدت الوجود کے درمیان یہ کمر کر رکھا اور تعلق پیدا فرمایا کہ وحدت الشہود ابتدائے سلوک و نفس ایمان ہے اور وحدت الوجود انتہائے مقام اور کمال ایمان ہے۔ اس مقام کے لیے نہ تو اہمیت ہے ہی تکلف تھیں اور نہ مجہور اُقت منور مجاہد ہی ہیں۔ یہ انھیں خواص کا مشاہدہ اور حال ہے، قال نہیں۔ مولانا مٹو فی عبد الرحمن صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب کلمۃ الحق میں مجہور کو بھی عقیدہ وحدت الوجود کے لیے کھٹکا پابند کر دیا تھا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اپنی ایک ناہر تصنیف تحقیق الحق فی کلمۃ الحق میں مٹھا مذہب بحث فرما کر اس حققت کی تردید کی اور مٹو فی صاحب کو غلبہ حال کی وجہ سے معذور قرار دیا۔

مسئلہ خلافت و فضیلت

خلافت صفائے اربعہ کی حیثیت کو آپ نے دلائل قاطعہ سے ثابت فرمایا لیکن فضائل صحابہ کرام اور اہلبیت معلوم میں تشدد اور تعصب ناگوار رہا خصوصاً ایک شخصیت کی ایسی فضیلت جس سے دوسرے کی توہین لازم آئے آپ کو سخت ناپسند رہی۔

لعن زید

زید اور اُس کے حواریوں پر لعنت بھیجنے کو ناجائز قرار نہیں دیا مگر فرمایا بے سود امر ہے اس کی بجائے آل رسول پر درود پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت کو اپنے مشائخ عظام کی طرح اہل بیت کرام سے کمال محبت تھی۔ آپ کے منطوق کلام میں ایک مرثیہ بھی ملتا ہے۔

تشہد میں رفع سبابہ کی سنت کا اجماع

آپ نے بعض مکاتیب فکر کے خلاف تشہد میں رفع سبابہ کو سنت زائدہ قرار دیا جس کے عمل سے تو ثواب ہوتا ہے مگر ترک پر گناہ نہیں۔ اس بارہ میں علامہ سیال شریف میں اختلاف تھا۔ حضرت ثانی سیالوی نے آپ کو حکم قرار دیا اور آپ نے فریقین کے دلائل سماعت فرما کر یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

اوقات مسنونہ نماز کی پابندی اور وظائف کی تصحیح و ترتیب

بعض حضرات چشتیہ نماز فجر میں تاخیر کے قائل تھے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اہل خانہ ان چشتیہ کی ترتیب

کی بنا پر ثابت فرمایا کہ متقدمین سلسلہ اس نماز کو اول وقت میں ادا فرماتے تھے اسی طرح آپ نے قادریہ اور چشتیہ سلاسل کے وظائف میں بعض مندرجات کی اصلاح اور تصحیح فرما کر چل کاغذ وغیرہ معمولات مشائخ میں بھی بعض بین العوامی اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ مجموعہ وظائف میں چل کاغذ کا ترجمہ آپ ہی کے قلمیہ فکر کامرئوں سے بالکلین کے لیے ترتیب اور ادو اشغال میں بھی آپ ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔

تحریک خلافت

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور کانگریسی جمیعت العلماء ہند کی برپا کردہ تحریک خلافت و ہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے اُن کی تردید فرمائی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ خلافت راشدہ حقہ صرف میں رہی۔ بعد میں سلطنت اور ملوکیت کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ اگر خلافت اسلامیہ کو جاریہ قرار دیا جائے تو یزید علیہ مایستحقہ کو بھی خلیفہ برحق ماننا پڑے گا۔ البتہ ترکوں کے محاربات طرابلس و بلقان میں گھر کے زیورات اور لنگر کے گھوڑے تک چندہ میں دے دیئے تھے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کے گٹھ جوڑ کے ایام میں جن مسلمان کانگریسی اور خلافتی اخبارات نے آپ کے خلاف لکھا وہ آخر کار ایک ایک کر کے کانگریس کے مخالف محاذ پر آ گئے۔

شاہی دربار دہلی میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے برطانوی شاہی دربار میں شمولیت کی دعوت سے انکار پر انگریز حکومت نے آپ کو اپنا مخالف سمجھ کر ایذا رسانی کی جانب میلان کیا مگر کچھ بگاڑ نہ سکی۔ بعد ازاں حکومت نے سینکڑوں مرتبہ اراضی بطور جاگیر دینا چاہی مگر حضرت نے قبول نہ فرمائی۔

سیاست سے پرہیز

آپ نے کبھی سیاست میں حصہ نہ لیا۔ بعض مخلصین نے اسمبلیوں کے انتخاب میں امداد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ اس وقت ان چیزوں کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہذا میں ان کاموں میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ البتہ جس وقت جسٹس دیپ سنگھ نے ملعون راجپال شاتم رسول کو اپیل پر ہائیکورٹ میں بری کیا اور مسلمانوں میں مہمان پیدائش ہو تو آپ نے والٹر اسٹوہنڈرٹ کو بذریعہ تارشید احتجاج فرماتے ہوئے لکھا کہ مسلمان قوم ہزار اختلافات کے باوجود ناموس رسول کے محاذ پر یک جان ہو کر لڑے گی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔

۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کی بازیابی کے لیے حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری کی صدارت میں تحریک چلی اور راولپنڈی میں جلسہ منعقد ہوا تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو بھی دعوت شرکت دی گئی۔ حضرت کے زمانہ استغراق کے بہت ہی ایام تھے۔ حضرت بابو جی نے متوجہ کر کے حضرت علی پوری کا پیغام سنایا تو فرمایا زمانہ بہت نازک ہے ایمان کوئی سلامت لے جائے گا۔ پنجابی محاورہ میں لفظ کوئی کو دراز کر کے ادا فرمایا یعنی شاذ اور کوئی کوئی۔ پھر فرمایا

کوئی قسم ایسا نہ اٹھانا جو واپس لینا پڑے۔ نہ تو لوگوں سے اس قدر علیحدگی اختیار کرنا کہ نشانہ بنالیں اور نہ ایسا اختلاط کرنا کہ اپنا شغل بھی ترک ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابو جحیٰ شریک جلد نہ ہوئے۔

قبول عام کی خلعت

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو قبول عام اور محبوبیت کی جو خلعت عطا فرمائی تھی اُس کی مثالیں دیکھنے میں کم آتی ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہاں کہیں بھی آپ تشریف فرما ہوتے آپ کے وجود سے بڑھ کر دلکش اور جاذب نظر کوئی اور چیز وہاں معلوم نہ ہوتی تھی۔ سفر میں جب لوگ دست بوسی اور مصافحہ کے لیے اڑھام کرتے تو مخلصین کو آپ کے گرد ہاتھ پکڑ کر حلقہ بنا کر چڑھتا کہ جو جم غفیل سے تکلیف نہ ہو۔ جو مصافحہ نہ کر پاتے وہ ان پاک ہی کو چھو لینے میں سعادت سمجھتے۔ قبل از وقت اطلاع ہونے کی صورت میں ریلوے اسٹیشنوں اور سڑکوں پر لوگ کئی کئی گھنٹے پہلے جمع ہو جاتے۔ سفر میں آپ کی ریل گاڑی ان ہی وجوہات کے باعث اکثر لیٹ ہو جاتی۔ جب ۲۲ اگست ۱۹۰۹ء کو قادیانی مناظرہ کے لیے آپ لاہور تشریف لے گئے تو معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر استقبال کے لیے نکل کھڑا ہوا ہے۔ اس خدا داد مقبولیت کے احاطہ میں اگر اختیار اور مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے قرآن مجید فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا وَسِعًا (مریم - ۹۶)

کے لیے ضرور اللہ الرحمن (لوگوں کے دلوں میں) محبت اُلفت پیدا کر دیں گے۔

حضرت کی ذات گرامی اس آیت شریف کا صحیح مصداق تھی اللہ جل شانہ اپنی حکمت بالغہ کی رُو سے اولیائے مشورین کو اپنے ظل عاطفت اور سر جمیل میں پوشیدہ و پنہاں رکھتے ہیں اور اولیائے مشورین کو مرجع خلافت بنا دیتے ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان و شہرت کا انداز مجددین اور مجتہدین امت کی طرح تھا کہ عوام و خواص، فضلاء و فہرہ اور اُمراء سے زمانہ کے علاوہ اپنے پیروگان کے بھی آپ مرجع ہوئے جن میں سے بعض نے بیعت کی۔ اور اکثر نے ویسے ہی استفادہ کیا جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

دوسری فصل

تعمیر گز اور طالبین حق کا اجتماع

طبع عالی میں مہمان کی رعایت کا بہت زیادہ خیال رہتا تھا۔ ملفوظات شریف میں آیا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے اس امر یعنی یقین سلوک پر مامور فرمایا گیا تو میں نے بارگاہ رب العزت میں التجا کی تھی کہ الہی تو اپنے جن بندوں کو میری طرف راہنمائی فرمائے، اُن کے آرام اور جمعیت کی کفالت بھی خود ہی فرما، کیونکہ میرے پاس نہ تو فرصت ہے اور نہ مقادیر۔

بعض سابقوں الاولوں

چنانچہ جب حج سے واپس آکر دعوت حق شروع کی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر بات کا انصرام اپنی قدرت کا طے سے خود ہی فرمادیا۔ باکمال لوگ مختلف اطراف سے کھینچے چلے آئے اور عمر بھر کے لیے وابستہ دامن ہو گئے۔ مولینا محمد غازی مدرسہ صولتیہ مکہ شریف سے مستعفی ہو کر آگئے اور جامعہ خوشیہ گولڑہ کے شیخ الجامعہ کا منصب سنبھال لیا۔ تفسیر وحدیث اور کتب تصوف کی تعلیم حضرت خود دیتے تھے۔ اور بعض اساتذہ کو بڑی کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے جناب قاری عبدالرحمن جوئیہ ہندوستان سے آکر فتویٰ نویسی، امامت نماز، درس تجوید اور خط و کتابت پر مامور ہوئے۔ فن قرأت کی تعلیم اس علاقہ میں سب سے پہلے ان ہی اُستاد مکرم کے ذریعہ جاری ہوئی۔ مولوی ولی احمد (باندھی)، مولوی میر عبداللہ (مکھن) سید چائن شاہ (جایہ)، مولوی محبوب عالم (بزارہ)۔ اُن سابقوں الاولوں میں سے ہیں جو اس دربار علم و فقر میں سب سے پہلے حاضر ہوئے اور مسجد، مدرسہ اور لنگر کے کاروبار میں لگ گئے۔ ان حضرات نے شاگردوں سمیت پتھر اور مٹی گارہ اٹھا اٹھا کر مسجد اور مکانات کی تعمیر کردانی اور سخت پتھریلی زمین میں ایک کانی گہرا مدور کنواں کھودنے میں بھی ہاتھ بٹایا۔

ابست دار میں ایک کوٹھڑی حضرت کی رہائش کے لیے، ایک لنگر شریف کے سامان رکھنے کے لیے، اور دو بڑے کمرے درویشوں اور مہمانوں کے لیے تعمیر ہوئے۔ پھر کچھ اور کوٹھڑیاں طالب علموں اور اُن کے اُستادوں کے لیے بنائی گئیں۔ اور اس طرح یہ پتھر اور مٹی گارے کا فقیر خانہ، بڑے پیر صاحب یعنی حضرت فیصل دین کے لنگر شریف اور خانقاہ محلے سے کچھ فاصلہ پر ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ۱۸۹۶-۹۷ء میں پختہ اور شاندار مسجد تیار ہوئی جس کی تعمیر میں عزم سرائے کے پردہ نشینوں تک نے رات کی تاریکیوں میں پانی بھر بھر کر حصہ لیا۔ جناب بالو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ میری عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی۔ اور میں بھی پانی کا ایک چھوٹا سا برتن بھر بھر کر لایا کرتا تھا۔ یہ مسجد حال ہی میں دو منزلہ تعمیر کرائی گئی ہے جس کے بائیں جانب ایک بلند مینار عجیب شان کا منظر ہے۔ بعد میں ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۶ء کے درمیان پشاور کے دو مخلص سٹھی برادران حاجی میاں کریم بخش اور حاجی میاں عبدالرحیم کے زیر اہتمام ایک شاندار مہمان سرائے



مسجد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف جو حضرت کی زندگی میں تعمیر ہوئی۔



مسجد آستانہ عالیہ گولڑہ شریف ، بعد از تعمیر نو



نئی مسجد کے دو اندرونی مناظر (محراب و جائے نماز قیام)



اور مدرسہ اور کتب خانہ کی خوش غنائختہ عمارات تعمیر ہوئیں۔ مہمان خانہ میں چالیس کے قریب ہوا دار اور بلند و بالا کمرے ہال، کیمبریاں، برآمدے اور بالاخانے اور ایک کشادہ مجلس خانہ بنایا گیا مگر مورایام میں یہ وسیع عمارت بھی زائرین کی روزافزون کثرت کے پیش نظر ناکافی ثابت ہوئی چنانچہ آب تک جناب بابو جی مدظلہ تین اور مہمان خانے اور کئی دو منزلی عمارتیں بنوائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا مجلس خانہ سال ہی میں تعمیر ہوا ہے جس کا طویل ایک سو بیس فٹ اور عرض اتنی فٹ ہے اور ابھی سلسلہ تعمیر بدستور جاری ہے۔ اخبارات کے اندازہ کے مطابق اس وقت حضرت غوث الاعظم کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر گورنر شریف میں ایک لاکھ کے قریب زائرین کا اجتماع ہوتا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو بچپن میں ایک مجذوب نے بڑے پیر صاحب کی جائے رہائش میں کھڑے ہو کر بعض درختوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ایک روز اس جگہ تک آپ کا محلہ ہوگا۔ چنانچہ آب تعمیرات کا سلسلہ اس مستام کے قریب پہنچ گیا ہے۔

بعض مشہور خطیب اور ایب رشتہ اخلاص میں منسلک

انہی ابتدائی آیام میں ملک کے بعض مشہور خطیب اور نامور ادیب حضرت کے رشتہ اخلاص میں منسلک ہوئے اور آپ کی تلقین اور تربیت سے مہذب ہو کر منسلک اہل سنت کی اشاعت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان میں سے حضرت مولانا محمد چراغ سکسٹھ چوڑی شریف، جناب مفتی غلام مرتضیٰ سکسٹھ میانی ضلع سرگودھا صدر مدرس انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی احمدین سکسٹھ درانی تحصیل جکوال، خان بہادر مولوی محمد علی چشتی مدیر اخبار رفیق ہند لاہور، خان بہادر قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ مدیر چودھویں صدی راولپنڈی اور جناب قاضی قدرت اللہ سکسٹھ قاضی خیل پشاور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے برصغیر ہند میں اور دوسرے ممالک میں بھی دہائیوں، چکڑالویوں، مرزائیوں، رافضیوں اور اس عصر کے مغرب زدہ نچریوں اور دہریوں کی کئی جدید تحریکوں اور اہل حق پران کے کتابی اور خطابی حملوں کا کامیاب مقابلہ کیا آگے چل کر اس فہرست میں بے شمار اہل علم، اہل قلم اور اہل بیان حضرات کا اضافہ ہوا جن میں سے بعض کے کارہائے نمایاں کا کچھ ذکر اس کتاب میں مناسب مقامات پر آئے گا۔

اہل سلوک میں دوسرے کئی پرزادہ صاحبان کے علاوہ حضرت کے اپنے مشایخ کرام کے کئی صاحبزادے آپ کے سلسلہ بیعت یا صلۃ تلمذ میں داخل ہوئے جن میں سے حضرت دیوان غیاث الدین اجمیری، حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف اور حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے اسماء گرامی خاص طور پر مشہور ہیں حضرت خواجہ حسن نظامی مدیر اور مصنف بھی تھے اور ان کے افادات کا سلسلہ ہندوستان سے باہر بھی یعنی برما اور ملائیا تک پھیلا ہوا تھا۔

حضرت کی ابتدائی نشست گاہ

اس ابتدائی زمانہ میں حضرت کی نشست چتر کی ایک صلہ مناسل پر ہو کر تھی جو اس پُرانی عمارت کے سامنے درختوں کے سایہ میں رکھی ہوئی تھی۔ ناز فہر اور حفاظت سے فارغ ہو کر مسجد سے آکر آپ اسی پر تشریف رکھتے اور گرد و چٹائیوں کا فرش چھپایا کرتا تھا، درویش اور مہمان حسب حاجت استفادہ کرتے، کوئی تعویذ لے رہا ہے اور کوئی دم کر رہا ہے کوئی دعا

کا طلب گار ہے اور کوئی وظیفہ پوچھ رہا ہے۔ اور کوئی آپ کے ملفوظات قلم بند کر رہا ہے یہیں محبس ذکر منعقد ہوتی یا کبھی کبھی قوالی ہو جاتی یہیں آپ نے مناظرہ کرنے والوں کو مسائل زیر بحث پر تقریریں لکھوائیں۔ اسی مقام پر ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں آپ کی پہلی مہتمم بالشان تصنیف تحقیق الحق قلم بند ہوئی اور قادیانی مذہب پر ۱۹۰۲ء میں شمس الہدایت اور ۱۹۰۶ء میں سیفِ چشتیانی منصفہ شہود پر آئیں۔ اسی جگہ مشائخ طریقت اور اساتذہ مدارس نے آنجناب سے مثنوی مولیانے روم اور حضرت شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ اور خصوصاً الحکم کا درس لیا۔ آج اسی مقام کے گرد و پیش اپنی پرانی درس گاہ اور شیخ کریم کے انفاس قدسی کی گذرگاہ میں ان تلامیذ کرام میں سے کئی حضرات مدفون ہو کر ابدی نیند سو رہے ہیں۔

تاز میخانہ دے نام و نشان خواہد بود سرما خاک رہ پیر معنیاں خواہد بود
برزینے کہ نشان کعب پائے تو بود سالہا بحد صاحب نظران خواہد بود

مراقبہ ذکر و فکر کی کیفیت

راتیں اسی پتھر کی سل پر مراقبہ میں گذر جاتیں۔ جناب مولوی محبوب عالم بیان کرتے تھے کہ حضرت جس پہلو پر بیٹھ جاتے صبح صادق تک اُسی پہلو بیٹھے رہتے۔ ذرہ برابر حرکت نہ کرتے۔ موسم سرما کی طویل اور برفانی راتیں صرف ایک کبل میں گزار دیتے۔ صبح کے وقت کبل پر برف جمی ہوتی جسے اٹھ کر جھاڑ دیتے۔

بہت عرصہ بعد ایک روز درویشوں سے فرمایا کہ تم لوگ مراقبہ و ذکر میں بار بار پہلو بدلتے ہو۔ ہم اپنے زمانہ میں دوزالو بیٹھتے تھے تو عشاء سے تہجد اور فجر سے ظہر اُسی حالت میں کرتے۔ اس پر کسی نے اعترافِ عجز کے طور پر عرض کی قطب مدار کی استقامت بے چارے سیاروں کو کہاں نصیب؟

عشق الہی کی حرارت وحدت اس قدر تھی کہ رات کو وادی کے منجد تالاب میں غسل فرماتے اور برف بٹا بٹا کر غوطہ لگاتے تھے۔ گویا یہ

قطرہ خون دل جاتی بہ دریا انگنبد سینہ بریاں، دل تپاں، ماہی ز آب آید بڑوں
ان ایام میں غموما غما کے دشو سے صبح کی نماز ادا فرماتے۔ کثرت مراقبہ اور مسلسل دوزالو نشست کے باعث ایک موقع پر رانیں بے سکت ہو گئی تھیں اور چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا۔ طبیب نے مالش اور عصر کی نماز کے بعد گھوڑے کی سواری تجویز کی جس سے بالآخر افاقہ ہوا۔

شان تربیت

اس زمانہ میں عرفان کی پیاسی رُو میں دُور دُور سے آکر اس چشمہ فیضان الہی سے سیراب ہوئیں۔ اُن دنوں تلاش حق میں آنے والوں کی مُرادیں عجیب شان و انداز سے پوری ہوئیں۔ کوئی در ماندہ راہ خدا پہلی نظر ہی میں منزل سے ہم کنار ہوا اور کسی کی عرصہ دراز کی منزل دو یوم میں طے ہو گئی۔

وادی عشق جسے دُور و دراز است و لے طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گلے
طی منازل میں طالب کی اپنی استعداد کے ساتھ ساتھ شیخ کی ہمت و حوصلہ پر بہت کچھ منحصر ہوتا ہے۔ اگر شیخ کامل و اکمل

ہو اور چاہے تو طالب کاسانوں کا راستہ لھوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے دو واقعات مختصر اجنباب مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور کے مسودات میں سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

فقیر محمد امیر کوٹ اٹل

حضرت محمد امیر کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ایک باکمال درویش تھے۔ آپ اصل ضلع جہلم کے رہنے والے تھے مگر علم حاصل کرنے کے لیے ڈیرہ اسماعیل خان گئے اور وہیں موسیٰ زئی شریفیت میں عمدۃ الواصلین خواجہ محمد عثمان نقشبندی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اس قدر روحانی ترقی کی کہ سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے شیخ کے خلیفہ ہو کر حلقہ ارشاد کو دور دور تک پھیلانے میں کامیاب ہوئے۔ آخر ایک ایسے مقام پر پہنچے جو ان کے شیخ کے مسلک کے خلاف تھا۔ یعنی مقام وحدت الوجود کے انواران کے قلب پر وارد ہونے لگے۔ شیخ نے پہلے تو تلقین اور دعا سے اصلاح کی کوشش کی اور پھر بالآخر انہیں گمراہ قرار دے دیا۔ یہ غریب اپنی قلبی کیفیت سے بے حد مجبور تھے۔ اور کوئی صورت اس مقام کو طے کرنے کی نہ پا کر تلاش مقصود میں نکل کھڑے ہوئے۔ بہت دور دور تک جستجو کی مگر کہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی شیخ الجامعہ لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ فقیر صاحب نے کہیں سے حضرت قبلۃ عالم قدس سرفہ کا چرچا سنا اور گولڑہ شریف جا پہنچے۔ ہاں ان دنوں بڑے پیر صاحب یعنی حضرت پیر فضل دین رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت تھی۔ لہذا پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر حرف مدعا پیش نہ کیا۔ وہاں سے سیدھے حضرت قبلۃ عالم قدس سرفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت حضرت قبلۃ عالم قدس سرفہ وحشت کے نیچے بیٹھے حضرت اجمی صاحب کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کتاب کشکول کھمبی تھی جو آپ نے ان کی طرف بڑھادی اُسے کھول کر پڑھتے ہی ان کا عقدہ حل ہو گیا وہ نہایت محظوظ ہو کر آپ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور بیعت کی استدعا کی حضرت نے فرمایا تمہارا کام ہو گیا اب بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ آخر اصرار در اصرار پر حضرت نے بیعت فرمایا۔ اوراد و اشغال کی تلقین فرمائی اور تاکید کی کہ اپنے مرشد کے حق میں کبھی بے ادبی سرزد نہ ہو۔ سال میں ایک مرتبہ ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیا کرو اور ان کے وصال کے بعد ان کے عرس پر حاضری کو لازم سمجھو۔

فقیر صاحب نے نصحت ہو کر گھر چلے گئے۔ کچھ آزمائش اور ابتلا کا شرکار بھی ہونا پڑا۔ عقیدت مند سب بے اعتقاد ہو گئے اور پہلے پیر صاحب بھی سخت ناراض ہوئے۔ کامل ایک سال کے بعد حضرت قبلۃ عالم قدس سرفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے بیعت اور ارشاد کی اجازت بخشی اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ ان کا حلقہ ارشاد پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ وسیع ہو گیا۔ حضرت قبلۃ عالم قدس سرفہ کی معیت میں پاک پتن شریف جایا کرتے تھے جہاں فقیر صاحب اور ان کے مہتر شہیدین بہت رات رے جاگ جاتے اور ایسی لطیف آوازیں ذکر جہر کرتے کہ سننے والوں پر وہ انی کیفیت طاری ہو جاتی۔ فقیر صاحب کے دو عزیزے اور حضرت قبلۃ عالم قدس سرفہ کے جوانی گرامی نامے جو فقیر صاحب کے علوم مرتبت کی کچھ پردہ کشائی کرتے ہیں مکتوبات طہیات سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ترجمہ عریضۃ منجانب فقیر صاحب

عرض بلب ادب ایک سالک تجلی آفاقی اور تجلی انفسی سے عبور کر گیا ہے۔ اب اس کے بعد تشبیہ اور تزیین

کے درمیان جمع ہے یعنی وجود سالک ہے اور صفات اُس کے وجود سے ظاہر ہو رہی ہیں لیکن انہیں قرار نہیں۔ اگر وجود کو مد نظر رکھتا ہے تو صفات کا لحاظ نہیں رہتا۔ اگر صفات پر نظر رکھے تو وجود کا لحاظ ہاتھ سے جاتا ہے اب سالک وجود پر نظر رکھے یا صفات پر؟ جیسے ارشاد ہو قبیل کی جائے۔
راقم فقیر از کوٹ اٹل

حضرت قبلہ عالم قدس بسرہ کا جواب

رو نظر دیکھ کن جو را میں

تا کہ باشی عارف سربین

طالب حق مخلصی فی اللہ فقیر صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

بجواب سوال ارقام ہے کہ اس مشاہدہ میں نظر وجود پر رکھنی چاہیے نہ کہ صفات پر۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آل

طالب حق کو مشہود ذاتی و دائمی عطا فرمائیں۔
البدد دعا گو و دعا جو

مہر علی شاہ بقلم خود

عرضہ ۵ فقیر صاحب زبان اردو

طالب صادق نے عالم امر سے عروج کیا۔ اُس جگہ تک کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ جس مقام پر میں آیا ہوں۔ اُس پر کوئی نہیں آیا پھر نزول اُس کا ہوا اس قدر کہ بت نیچے آیا اور محض عبدیت میں آ رہا اُس وقت خالی ہو گیا پھر اُس وقت حال اور مواجید اُس کے شرع شریف کے خادم ہوئے اس میں آل غریب نواز تحریر سے مشرف فرمائیں جو مناسب نصیحت طالب کے ہو۔

حضرت کا جوابی مکتوب گرامی

حالت مسطورہ مُرسلہ الحمد للہ والمنة مستوجب حمد و شکر باری عز اسمہ ہے۔ صرف یہ خیال کہ جس عروج پر میں پہنچا ہوں کوئی نہیں پہنچا زعمی ہے واقعی نہیں گو اس قسم کے خیالات پہلے بھی اہل اللہ سے سرزد ہوئے ہیں مثلاً ع۔ آنجا کہ من رسیدم امکان نیست کس را۔ اور اس خیال کے لیے وجہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر ایک مخلوق کے لیے ایک وجہ اور تعلق خاص بجناب باری عز اسمہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے لیے نہیں۔ لکھا قال الشیخ الاکبر فی مواضع عدیدہ من الفتوحات وغیرہ من العارفین۔ اس بنا پر آپ کا خیال مذکورہ بالا صحیح ہو سکتا ہے۔

بابا غلام فرید ٹالوی

کچھ انہی قسم کا واقعہ ایک اور درویش کامل بابا غلام فرید ٹالوی کا بھی ہے۔ یہ عمار تھے اور پہلی بیعت تلونڈی شریف کے ایک بزرگ حضرت مولوی محمد عبداللہ چشتی سے کی تھی۔ لیکن وسعت استعداد و بلند پروازی کے باعث جب پہلے

آسمان تربیت کی پہنائیاں ختم ہوئے تو آپ نے اپنے شیخ سے تحریری اجازت نامہ لے کر، دیگر فضائل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے تجلی دائمی ابدی کے حصول کی درخواست کی۔ یہ وہ عالی مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے محدود چاند خواص کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق صفات و تشبیہ سے بالاتر ہے اور ذات سے ہے۔ اس کے متعلق حضرت شیخ اکبر تحریر فرماتے ہیں کہ جس کو تجلی ذاتی حاصل ہوئی وہ اور کمالات کے مستغنی ہو گیا کیونکہ وہی اصل ہے۔ مگر یہ درجہ محض فضل الہی سے محض ہے، کسی نہیں بلکہ اس کے سب مقامات اختصاصی اور وہی ہیں۔ یہیں وجہ حضرت مولوی عبداللہ نے فرمایا کہ اسے عزیز، یہ چیز تو ہمیں خود بھی حاصل نہیں۔ بابا غلام فرید نے عرض کی کہ کسی اور بزرگ کی طرف رجوع کی اجازت دے کر سفارش لکھ دیجئے تاکہ پہلی بیعت کے خیال سے انکار نہ کر دیں۔ چنانچہ اُس شیخ کریم نے اجازت نامہ لکھ دیا اور نہائی فرمایا کہ بابا، اگر یہ نعمت کہیں سے ہاتھ آئے تو ہمیں بھی بتانا تاکہ ہم بھی محروم نہ رہیں۔

فقر حقیقی کی بے نفسی و بے غرضی

اس واقعہ میں فقر حقیقی کی بے نفسی اور طلب صادق کی کتنی اچھی مثال موجود ہے۔ حضرت سائیں توکل علی شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر مرید کی استعداد پیر کی دسترس سے بڑھ جائے تو پیر کو اُسے آزاد کر دینا چاہیے تاکہ جہاں سے فیض مل سکے حاصل کر لے کیونکہ مقصد اور اصل غرض تو قرب مولیٰ ہی ہے خواہ کہیں سے حاصل ہو۔ یاں اگر پیر کا دست تصرف دراز ہو تو مرید کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کا مجاز نہیں ہے۔

شیخ الجامعہ بہاولپوری لکھتے ہیں :-

بابا غلام فرید کے پیر حضرت مولوی عبداللہ میرے استاد تھے اور خود اس پائے کے بزرگ تھے کہ ان کی پیدائش سے قبل غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق اپنے خلیفہ حضرت مولانا سید حسین علی شاہ لکھنوی کو وصیت فرمائی کہ تمہارے پاس محمد عبداللہ نامی ایک طالب علم آئے گا۔ اُس کی تربیت میں ہی تبلیغ سے کام لینا کہ عالم ارواح میں وہ ہمارا مرید ہے مگر اس جہان سے ہم اُس کی ولادت سے قبل رخصت ہو جائیں گے۔ آگے لکھتے ہیں کہ :-

مولانا سید حسین علی کی بیعت حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے اس طرح ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت تونسوی کے خلیفہ اول حضرت سید محمد علی شاہ خیر آبادی لکھنؤ گئے تو کسی نے مولانا سید حسین علی سے کہا کہ شاہ صاحب فصوص الحکم کا درس دیتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ وہ تو جاہل ہیں فصوص کو کیا جانتے ہوں گے۔ نیز تو آلی کے متعلق بھی اعتراض کیا۔ اور تحقیقات صحیح تھی کہ سید محمد علی شاہ باوجود ظاہری علوم کی تکمیل نہ فرمانے کے فصوص الحکم جیسی ادق کتب تصوف کی تدریس فرماتے تھے۔ جب یہ باتیں حضرت سید محمد علی شاہ خیر آبادی کے گوش گزار ہوئیں تو انہوں نے فرمایا کہ آج عصر کی ناز سید حسین علی شاہ کی مسجد میں ادا کریں گے۔ سید حسین علی شاہ ان دنوں حدیث شریف کا درس دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے پیچھے عصر کی نماز پڑھ کر حضرت سید محمد علی شاہ نے ان سے مصافحہ کیا اور فرمایا۔ آپ جیسے عالم باعمل کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آگیا ہے اب مغفرت کی امید ہو گئی ہے۔ یہ الفاظ کہہ کر سید صاحب تو تشریف لے گئے مگر سید حسین علی شاہ پر رقت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد سید اور سید محمد علی شاہ خیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی استدعا کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی برات تو نہ شریف میں ہے۔

تو نہ شریف کا نام سُنتے ہی اس قدر شوق کا غلبہ ہوا کہ اُسی روز روانہ ہو گئے۔

اگر خدا سے ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ

بابا غلام فرید کے متعلق آگے چل کر شیخ الجامعہ لکھتے ہیں :-

غرض بابا غلام فرید بہت پھرے اور عمر کا ایک حصہ تلاش حق کے لیے جہاں نور دی میں گزار دیا، مگر مقصود نہ ملا۔
 یائوس ہو کر خود کشی کے خیالات کا غلبہ ہوا۔ ایک تولد سم الفاریعی سلک کا خرید کر کچھ ترہ و پیدائش اور پھر تلاش شروع کر دی۔
 بابا موصوف کہتے تھے کہ سفر کے دوران ایک شہر کی مسجد میں رات کو سونے کا قصد کر رہا تھا کہ ایک دوسرا مسافر بھی وہیں آ
 نکلا طلب موتی کی باتیں شروع ہو گئیں۔ کہنے لگا، اگر خدا کو ملنا ہے تو گولڑہ جاؤ۔ گولڑہ کا نام میرے لیے مقناطیس بن گیا رات بھر
 اسی فکر میں سینہ بھی نہ آئی اور صبح اُٹھتے ہی پتہ پوچھ کر روانہ ہو گیا۔ جب گاڑی سے اتر کر چلا تو ایک جگہ بارش کے پانی کی وجہ
 سے کچھ مہر ہو رہا تھا۔ وہاں سے کچھ مُنہ پر ملا اور اس میت کذائی سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں مسجد میں جا حاضر
 ہوا۔ کئی مہینے پہلے لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جلد کے خاتمہ پر خواب میں دیکھا تھا کہ میرے مقدمہ
 کی مہل داتا صاحب نے ایک سیاہ گیسوؤں والے خوش پوش بزرگ کے سپرد کر دی ہے جو کہ اُن کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔
 اسی خواب کے باعث زہر خوری سے رُک گیا تھا۔ اب دیکھا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات شریف میں وہی بزرگ
 میرے سامنے موجود ہیں! اور ویسا ہی لباس زیب تن ہے۔ حضرت نے حال پوچھا تو میں نے پیر کا اجازت نامہ اور سکھیا کی ڈلی
 دونوں نکال کر سامنے رکھ دیے۔ اور عرض کی کہ آپ پر سب حال روشن ہے۔ خدا سے ملا دیجیے۔ حضرت نے فرمایا اب
 آرام کرو، ظہر کے بعد بات کریں گے۔ چنانچہ بعد نماز ظہر شہوت کے درخت کے نیچے بٹو کر تخلیہ میں وظائف ارشاد فرمائے
 اور ایک بھر پور نظر کے ساتھ مجھ سے آنکھیں ملائیں۔ نظر کا پڑنا تھا کہ آتش شوق کا شعلہ بھڑک اُٹھا اور میں رات بھر حنجیت
 اور چلاتا رہا۔

چالیس روز کی بجائے دو یوم میں تکمیل کار

شیخ الجامعہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز بابا غلام فرید پیش ہوا تو حضرت کی خدمت میں عرض کی گئی کہ اس درویش کا بُرا
 حال ہے۔ آپ نے فرمایا: بابا، میں نے کہا تھا کہ چند روز صبر اور تحمل سے وظائف کا ورد کرو، اگر ایسے ہی بے تاب ہو تو
 کیا چالیس دن کا روزہ رکھ لو گے۔

بابا کہتا تھا کہ میں نے سوچا مگر تو ویسے ہی رہا ہوں۔ اس طرح جلد چھپکارا ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسی رات چالیس روز کا
 روزہ رکھ لیا۔ دو دن رات گزر گئے لیکن مجھے نہ بھوک معلوم ہوتی تھی نہ پیاس۔ آتش شوق نے کسی چیز کا ہوش ہی باقی
 نہ رہنے دیا تھا۔ قیسے روز حضرت نے بٹو ابھیجا اور فرمایا: بابا، مبارک ہو۔ تمہارا کام ہو گیا۔ اب اس چیز کی حفاظت کرنا
 یہ کہہ کر اپنے سامنے میرا روزہ افطار کروادیا۔ اگرچہ میری خواہش یہی تھی کہ میں چالیس روز ہی کا روزہ پورا کروں۔
 اس کے بعد بابا غلام فرید پر ایک عرصہ تک اللہ تعالیٰ کا بہت فضل و کرم رہا۔ وہ سڑک پر چلتے ہوئے بھی سر اور
 منہ پر چادر ڈالے رہتے اور آنکھیں بند کیے ذکر جاری رکھتے۔ گویا انہیں راستہ دیکھنے اور نشیب و فراز سے بچنے کے

لیے ظاہری بصارت کی ضرورت نہ رہی تھی حضرت کی مجلس میں جوتیوں والی جگہ پر کمال عجز و نیاز چادر اوڑھے مراقب بیٹھے رہتے۔ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے مثنوی شریف مولیاناروم کے درس کے دوران تجد و امثال پر تقریر فرماتے ہوئے بابا غلام فرید کی طرف اشارہ کر کے باقی طلباء کو فرمایا کہ اس مضمون کی سمجھ تو کچھ اس شخص کو آئے گی جو تمہارے پیچھے منہ سر پیٹے بیٹھا ہے۔ مگر تم بھی غور سے سُنو۔

حضرت بابو جی مدظلہ جو اُس درس میں موجود تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے تقریر بابا صاحب نے بے ساختہ اور والہانہ انداز میں اُٹھے ہوئے کچھ عجیب طور پر دیکھا۔ مگر حضرت کا اشارہ پا کر بیٹھ گئے اور خاموش رہے۔ بعد میں جناب بابو جی کے اصرار پر صرف اس قدر ظاہر کیا کہ انہوں نے اثنائے درس حضرت کی مجلس میں دودھ تقسیم ہوتے دیکھا۔ نیز مشاہدہ کیا کہ ایک صورت سے متعدد صورتیں بن کر نکل رہی ہیں۔ جناب بابو جی مدظلہ نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ دودھ علم و عرفان کی مثالی شکل ہے اور ایک صورت سے متعدد صورتوں کا ظاہر ہونا وحدت سے کثرت کے ظہور کا مشاہدہ ہے۔

سفر حج کے مکاشفات

حضرت سے اجازت لے کر بابا غلام فرید حج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک وظیفہ ملتین فرمایا کہ کعبہ شریف اور روضہ اطہر کے سامنے بیٹھ کر پڑھنا۔ واپسی حج پر سیدھے گولڑہ شریف پہنچے اور مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہی اپنی بڑی سی گورداسپوری گکڑی اُتار کر حضرت کے قدموں میں پھینکی اور دھاڑیں مار کر روتے ہوئے عرض کی کہ جب ہر جگہ آپ ہی آپ ہیں۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ تو مجھ بوڑھے مسکین کو اپنی شانیں دکھلانے کے لیے اس قدر طول و طویل سفر کرنا کیوں ہلاک کرتے ہیں۔ بعد میں بعض مخاصمین کے دریافت کرنے پر بیان کیا کہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے مگر میرا دل چاہتا تھا کہ کعبہ والا نظر آئے تو اُس کا طواف کروں۔ ناگہاں ایک ہاتھ کعبہ شریف سے نمودار ہوا جسے دیکھتے ہی دل پر ایک دالہا نہ اور جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میں بخود و متوالا ہو کر طواف کرنے لگ گیا۔ پھر مدینہ منورہ میں روضہ اطہر کے سامنے مراقب بیٹھا تھا کہ اچانک حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سامنے آمو بخود ہوئے اور اسلام علیکم کہہ کر دریافت فرمایا کہ کوئی تکلیف تو نہیں؟

شیخ کی غیرت

بابا غلام فرید دلوں کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے تھے اور واقعات کو نیہ کی خبریں بھی دیتے تھے لیکن سلوک کے ان ادنیٰ و ابتدائی امور پر زبان اُس وقت کھلی جب اصل نعمت اور امت میں تنزل واقع ہو گیا۔ وجہ یہ ہوتی کہ چند روز کے لیے ایک مکار صوفی کی صحبت میں رہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں حضرت غوث الاعظم کا حضور می ہوں۔ یہ اپنے پہلے شیخ حضرت مولوی عبداللہ کی اجازت عامہ کے عادی تھے مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طبیعت اپنی عالی مقامی اور وسیع تصرف کے باعث سید غیور واقع ہوتی تھی۔ آپ کا تربیت یافتہ اگر ذرہ بھر بھی کسی دوسری جانب متوجہ ہوتا تو کفران نعمت کے مصداق فوراً رحمت پڑتی تھی اور سب کچھ کھو بیٹھتا تھا۔ چنانچہ ان کا اُھسہ توجہ کرنا تھا کہ وہ نعمت عالیہ سلب ہو گئی۔ بابا کرتے پڑتے۔ روتے دھوتے گولڑہ شریف پہنچے۔ بہت کچھ عاجزی کی اور سفارشیں بھی کر دائیں مگر حضرت نے

توجہ نہ فرمائی۔ بالآخر حضرت بابو جی مدظلہ کی مسلسل گزارشات پر اتنا سہرہ ہوا کہ صرف گولڑہ شریف کی حدود میں وہ پرانی کیفیت عود کر آتی۔ حضرت فرماتے تھے کہ اب تسلی و دلاسا دے کر اس کے ساتھ وقت گزاری کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس نعمت سے نوازا تھا جو سلطان العارفین حضرت بابزید بٹھامی جیسے اولیائے کبار کو چالیس چالیس سال ال کے دروازہ پر پہرہ دینے کے بعد نصیب ہوئی تھی لیکن اس نے اس کی قدر نہیں کی۔ آخر فرمایا کہ اسے کہہ دو منظر رہتے ہوئے اُمید میں وقت گزارے کیونکہ اب اس مقام پر کوئی وظیفہ یا مجاہدہ کام نہیں آتا۔ ویسے دیگر کم تر مقامات یعنی صحبت اُرح و ملائکہ کی قسم کی نوازشات سے بابا سرفراز رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت

حضرت بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسم گرما میں عین دوپہر کے وقت بابا غلام فریدی میری بھیک پر آئے اور کہا کہ حضرت نے مجھے اسی وقت پیدل راولپنڈی جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا ٹھنڈے وقت چلے جانا۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ابھی جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں نے کہا میں گھوڑا منگوا دیتا ہوں اس پر چلے جانا۔ مگر وہ نہ مانے۔ میں نے کرایہ دینا چاہا کہ ریل گاڑی پر چلے جائے تو وہ بھی نہ لیا کہ پیدل جانے کا حکم ہے۔ چنانچہ میرے اصرار کے باوجود اُسی وقت چلے گئے۔ بعد میں جب ملاقات ہوئی تو بتایا کہ موضع میرا باد میں ہیں نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھیتوں میں کھڑا مجھے اپنی طرف بٹار رہا ہے۔ میں نے اُن کے پاس پہنچ کر سلام کیا۔ انہوں نے کچھ دیر میرے ساتھ باتیں کیں مثنوی مولانا روم کے کچھ اشعار فرما کر اُن کے مطابق عمل کرنے کو کہا۔ پھر اچانک غائب ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ خضر تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کئے سال پر بابا غلام فریدی تیسرے روز گولڑہ شریف پہنچے اور اس دریافت پر کہ اُن کو بٹالہ میں کیسے اطلاع ہوئی کہا کہ پہلے تو کچھ یہ نہیں چلا کل عصر کے وقت میں نے نظر اٹھائی تو اس میدان میں بے شمار لوگ کھڑے پائے اور فضا آسمانی میں اس سے بھی زیادہ مخلوق نظر آئی جو سب منتظر دکھائی دیتے تھے چنانچہ میں اُسی وقت چل پڑا یہ حضرت کی نماز جنازہ کا وقت تھا جس کا نظارہ بابائے بٹالہ میں کیا۔

قاضی فیض عالم

حضرت کے ایک اور دیرینہ خادم و شاگرد قاضی فیض عالم بھی کسی اور طرف سے حصول فیض کے خیال سے نعمت سلب کروا بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب کے گاؤں میں ان کے ایک استاد جو ان کے رشتہ دار بھی تھے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مجاز تھے۔ انہوں نے قاضی فیض عالم کو گولڑہ شریف سے جہاں تحصیل علم کے ساتھ ساتھ حصول فقر میں بھی مشغول تھے بلوایا اور کہا کہ میں اولاد سے محروم ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہوں تم میری گدی سنبھال لو۔ تمہارے شیخ تو وہی رہیں گے مگر میرے بتلائے ہوئے وظائف بھی پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ پہلے وظیفہ پر ہی رجعت پڑی اور سب کچھ گنوا بیٹھے۔ پھر مدت تک حاضری کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ جاتے وقت حضرت نے اشارہ فرمایا تھا کہ وطن میں زیادہ جی نہ لگانا اور جلد واپس آ جانا۔ قاضی فیض عالم دو برس بعد واپس آئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کئے فرمایا۔ سنا ہے تمہاری طرف بہت بارش ہوئی ہے اور بڑی بہار ہے۔ قاضی صاحب نے جی اشارے کی زبان میں جواباً عرض کی کہ بہار آئی ہوگی۔ ہمارا تو چمن اجڑ گیا۔ حضرت نے فرمایا اب مشکل سے ہی ہر اہو گا۔ بعد میں یہ رویشیں عیبیہ کر دیا کرتا تھا کہ مجھے یہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ راہ چلتے میں زیر زمین حشرات الارض کی تسبیح تک سُنا کرتا تھا۔ اور وحوش و طیور، غرض ہر جاندار کے اشغال اور ارادات پر آگاہی ہو جاتی تھی۔

تیسری فصل

سماع اور غنا پر حضرت کا مسلک اور آپ کی زندگی کے چند واقعات

سماع اور غنا کا مطلب اور ارباب حال کا مسلک

خوش الحانی اور سُہری آواز میں گانے کو غنا کہتے ہیں اور سماع سے مراد اُس کلام کو سُنانا ہے جو خوش الحانی سے گایا جائے۔ غنا کی دو قسمیں ہیں، ایک بالمرامیر یعنی آلات موسیقی کے ہمراہ گانا، دوسرا بلا مرامیر یعنی بغیر اُن آلات کی رفاقت کے گانا۔ موسیقی کا جو اثر انسانی فطرت پر ہوتا ہے وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس کے زیر اثر جہاں ایک طرف انسان و جہان کی ارفع منازل تک جا پہنچتا ہے وہاں دوسری جانب گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی ڈوب سکتا ہے۔ اس لیے سماع کی حرمت یا حجاز مختلف مکاتب فکر اسلام میں ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ اور اس پر معتقد و اکابر علمائے کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں اظہارِ خیال فرمایا ہے مثلاً احیاء العلوم و کیمیائے سعادت از امام غزالی، کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش، قرع الاسماع و مدارج النبوة از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصباح الہدایۃ از مولانا محمود گامشانی، ایضاً الدلالات فی سماع الآلات از علامہ عبد الغنی نابلسی وغیرہ وغیرہ ان تصانیف میں صوفیائے کرام کے آداب سماع پر طویل بحث موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا و مرامیر فی نفسہ حرام نہیں بلکہ خواصاتِ محمدی کی جستِ حرام اور اُن سے مُبرا ہونے کی صورت میں مباح ہیں۔ مزید بتایا گیا ہے کہ سماع کے چار اقسام ہیں، اور ہر قسم کے لیے علیحدہ حکم ہے۔

اول۔ کفار کی بغض، صغیر اور دستک زنی، یہ کچھ آیات قرآنیہ و صین الداس من یشترئ لہو الحدیث۔ اور ما کان صلوتہم عند البیت الا کافراً و تصدیقہ جو حق سے اعراض و انکار کی وجہ سے کفر ہے۔ دوم۔ فساد کی غنائے شہوت پرستی اور شراب نوشی فسق اور حرام ہے۔

سوم۔ عامۃ المسلمین کے گانے اور سرود جو شادی، میلہ، عید یا ایسی دیگر تقریبات پر بجائے جائیں وہ تفریحِ مباح کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ اُن میں فحش اور دلازارانہ عنصر نہ ہو اور عورتوں مردوں کا اختلاط اور غیر شرعی امور نہ ہوں۔ چہارم۔ اللہ والوں کی مجالس سماع و غنا، جو مستحسن ہیں کیونکہ موجب ترقی ذوق و شوقِ الہی ہیں۔

حضراتِ چشتیہ کا مسلک

حضرت چشت اہل بہشت نے بھی قریباً ایک دہائی صحیح احادیث کی بناء پر قرونِ مبارکہ ثلاثہ کے سماع کو ثابت کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے بھی سماع کو اپنی چار اقسام پر تقسیم فرمایا ہے۔

اقتباس الانوار میں ہے کہ جناب خواجہ طریب نواز ضیاء الدین احمدیؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی طور پر سماع بالمرزا میر کی اجازت حاصل کی تھی کیونکہ اہل ہند بہ لحاظ طبع و تہذیب کی طرف اہم تھے۔ چنانچہ ان کے سامنے اسلام کی پیش کش انہی کے انداز میں کرنے سے بہت سرعت سے کامیابی ہوئی۔

حضرت کا مسلک

حضرت کا تعلق چونکہ سلسلہ چشتیہ سے تھا اس لیے آپ غنا اور سماع کو جائز اور مباح سمجھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ابواب میں بیان ہو چکا ہے آپ کو بچپن ہی سے قوالی مرغوب تھی۔ ابتدائی تعلیم کے دوران آپ جنگل میں جا کر خود بھی پُر سوز اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ابتدائی ایام میں مزامیر کے ساتھ اور آخری ایام میں بلا مزامیر قوالی سنی ہے۔ بلا مزامیر سماع کے متعلق یہ توجیہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اولیاء اللہ جب فائے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ مقامات پر سرفراز ہو جاتے ہیں تو انہیں ان فروعات کی حاجت نہیں رہتی۔ وہاں تو حسنات الابرار بھی نیات المقرین بن کر رہ جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض مشائخ اپنے ارادت مندوں کے استفادہ اور تربیت کے لیے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔

حضرت نے سماع کے متعلق اپنا مسلک ایک مکتوب میں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے ان اشعار میں بیان فرمایا ہے :-

سماع اے برادر بگویم کہ چسپیت مگر مستمع را بدنام کہ کیست

گرا از برج معنی بود طیب و فرشتہ فرد ماند از سیر او

وگر مرد ہو است و بازی و لاغ قوی تر شود لوش اندر دماغ

یعنی صاحب ذوق کے لیے تو سماع مفید ہے۔ وہ اُسے عشق کی اُن بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے کہ فرشتے بھی اُس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مگر صاحب ہو و لعب کے لیے مُضر ہے اور شہوت پرستی کو اُس کے دل و دماغ میں قوی تر کرتا ہے۔ اب حضرت کی زندگی سے چند ایسے واقعات جن کا تعلق سماع اور قوالی سے ہے، ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

انیکلو انڈین ریلوے گارڈ پر سماع کا اثر

رات کا وقت تھا۔ ریل گاڑی جنڈ بسال لائن پر ویران پہاڑیوں میں سے گزر رہی تھی حضرت کا قوال بخت جمال حضرت کی فرمائش پر پنجابی کے یہ اشعار چیتی گوری ڈاگنی میں گارہا تھا :-

دیکھو نی کی کر گیا ماہی دڑی نئے کے ہو گیا راہی

راے سہیلو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا، وہ میرا دل لے کر چلتا بنا

ماہی دے سینہڑے میسکوں کوکاں، کوک سنداواں کیسوں

میں اپنے پی کو اپنا پیغام کیسے پہنچاؤں اور اپنی فریاد کے سنداؤں،

ہس دیاں گل وچ پے گئی پھاہی دیکھو نی کی کر گیا ماہی

وہ مجھ جیستی کھیتی کے گھے میں پھنڈا ڈال گیا۔ اے سکھو دیکھو میرے پی نے میرے ساتھ کیا کیا

گاڑی کا انیکلو انڈین گارڈ اجازت لے کر آپ کے ڈبے میں بیٹھ گیا تھا۔ قوالی سناتا رہا۔ پنجابی کلام کا مطلب تو نہ سمجھ سکا مگر حضرت کی کیفیت کے روحانی اثر سے بخود ہو کر روتا رہا اور کہنے لگا جی چاہتا ہے انسان سب کچھ چھوڑ کر میرا صاحب

کے قدموں میں زندگی گزار دے۔

اجمیر شریف کے قوال کا واقعہ

اجمیر شریف کے ایک قوال نے ایک موقع پر مشہور عربی نعت

الصَّبِيحُ بَدَا مِنْ طُلُوعِهِ وَاللَّيْلُ دَخَى مِنْ وَفَرَتِهِ

سنائی تو حضرت نے اُسے قیمتی چمچے کھل اور قالین بخش دیئے اور جب کمرہ میں ان سے بہتر کوئی چیز باقی نہ رہی تو اسٹبل کے گھوڑوں تک نوبت جا پہنچی۔ کہتے ہیں کہ اُس روز آپ پر ایسی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو کر بالکل سُکر کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی۔

ہندو جوگی کا قبولِ اسلام

موضع پنڈی سید پور، تھانہ جلال پور شریف ضلع جہلم کا ایک ہندو جوگی، لدھارام نامی، سید پور کے مفت مہ پر حاضر خدمت ہوا اور قوالی سُنا رہا۔ پھر سوال کیا کہ یہ سب تو رنگ سے، بے رنگ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم نے عقلندی کی بات کہی ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ رنگ بے رنگ کیا ہے۔ پھر آپ نے ہندی زبان کا یہ کبیت پڑھا۔

حدِ طے تے اولیاء، بے حدِ طے تو پیر

حد، بے حد وہیں لنگھے، اُس کا نام فقیر

جوگی یہ پُر اسرار کلام سُن کر پہلے رو پڑا۔ پھر کہنے لگا، حد، سجدہ دونوں پھلانگ جائے تو حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا غلام ہو جائے۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنے کئی چیلوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ حضرت نے اُسے قبولِ اسلام کے بعد رُود شریف کا وظیفہ بتلایا۔

اپ کی وجدانی کیفیات کے بعض واقعات

حضرت قبلہ عالم قدس سرف کی وجدانی کیفیات بالعموم سجدہ عبودیت کی معراج المؤمنین پر منتج ہوتی تھیں۔ اور یہ سجدے اکثر اوقات اپنی طوالت میں سحر تک جا پہنچتے تھے۔ اعراض اور دیگر مجالس کی قوالی میں رقت، حالت سُکر اور قیام کی بھی روایتیں ملتی ہیں۔ لیکن جوں جوں فائے کامل اور مشاہدہ کے اعلیٰ ترین مقامات قریب سے قریب تر ہوتے گئے۔ وجد کی کیفیت میں سکون پیدا ہوتا گیا۔ آخری ایام میں وجد کی علامت یہ رہ گئی تھی کہ داینے ہاتھ کو حرکت میں لا کر ایک دو بار جھٹک دیا کرتے اور اُس روز اکثر ایسا ہوتا کہ جو شخص مصافحہ کرتا یا بیعت سے مشرف ہوتا اُس پر رقت طاری ہو جاتی۔ ایک بار پاک پن شریف میں وجدانی کیفیت طاری ہو کر کئی روز تک قائم رہی جتنی کہ واپسی کے دوران لاہور میں بھی جس کسی نے مصافحہ کر کے ہاتھ چھوا بے اختیار روتا رہا۔ اس وجد کے چشم دید حالات یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ آپ کی جائے قیام موقی محل میں صبح کے وقت مجلس قوالی منعقد ہوتی۔ حلقہ کے مندرجہ ذیل شعر پر وجد کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔

شب تاریک نیم ہوج و گردابے خمیں حائل کجا دانند حال مائیک ساران ساہلہا

قوال صاحبان نے اس شعر کی تکرار کے ساتھ ساتھ اس کا یہ پنجابی ترجمہ بھی دہرایا۔

رات اندھیری گھٹن گھیری دریا ٹھاٹھاں مارے

اوہ کی جان سار اسٹا جیڑھے رہن کنارے

حضرت بحالت وجد اٹھ کھڑے ہوئے اور مجلس میں ایک کمرام برپا ہو گیا۔ اس عمارت کے دوسرے کمروں اور گیلریوں میں جو حضرات مقیم تھے وہ بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے لگ گئے۔ قاری عبد الرحمن جو پوری مولوی محبوب عالم نے حضرت کی مکرّم رکھی تھی، اور خود بھی نالہ و فریاد کُناں تھے۔ پشاور کے حاجی عبد الکریم سیٹھی جتنے چلاتے ہال کمرے کے کبھی اس سرے پر جاتے اور کبھی اُس سرے پر، ان کے بعض پشاور دی ساتھی، ساتھ والے کمرے میں بستروں کے ڈھیر پر پڑے تھے وہ وہیں ٹوٹنے لگے۔ پھر یہ لہر بہرعت تمام محلے کی دیگر عمارات تک جا پہنچی۔ جو بھی شور سن کر موتی محل کی طرف رخ کرتا بے اختیار گریہ و زاری کرنے لگ جاتا حضرت دیوان سید محمد تجاودہ نشین پاک پتن شریف اپنے کمرہ سے باہر نکل آئے اور دریافت حال کے لیے ایک خادم کو بھیجا لیکن وہ بھی وجد کرنے لگ گیا۔ دیوان صاحب فرماتے تھے کہ اُس روز واقعی پاک پتن کے درود یوار کے حرکت میں معلوم ہوتے تھے جس سے مجھے اُن کتابی روایات کا خیال آیا کہ قطب وقت کے وجد میں آنے پر ہر شے پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب غوث الاعظم کے متعلق اقتباس الانوار وغیرہ کتب میں تحریر ہے کہ جس رات آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کی میسزبانی میں مجلس سماع منعقد کرائی اور حضرت غریب نواز پر وجد طاری ہوا تو سیدنا غوث الاعظم نے محض مبارک زمین میں گاڑ کر مضبوطی سے تھام لیا کہ قطب وقت وجد میں ہے مبادا زمین میں زلزلہ آجائے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو ایک مرتبہ پاک پتن شریف میں چکی کا دورہ ہوا۔ اور باوجود علاج کے کوئی افادہ نہ ہوا۔ تقریباً ایک ماہ تک یہی کیفیت رہی۔ آخر دیوان صاحب سے مشکل اجازت لے کر واپس روانہ ہوئے۔ اُٹانے سفر کو آب دکان قصور کے اصرار پر اُن کے ہاں قیام فرمایا۔ جہاں انہوں نے جناب بابو جی مدظلہ کے ایما پر حضرت بابا جی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قوالوں کو بلوا کر بدیں خیال قوالی شروع کرادی کہ شاید حضرت کی طبع مبارک ادھر متوجہ ہو کر قدرے سنبھل جائے اُن ایام میں آپ نے سماع ترک کیا ہوا تھا جب قوال حاضر ہوئے تو فرمایا، یہ کیا ہے۔ نواب زادہ فتح باز خان نے عرض کی کہ غریب نواز لوگ کیسے جانیں گے کہ یہاں کوئی چشتی بزرگ بھی تشریف لاتے ہیں۔ اور قوالوں کو اشارہ کیا کہ اپنا کام شروع کریں۔ میاں دھنا طبیبی خود ایک صاحبِ دل انسان تھا جو قوالی کرتے ہوئے وجد میں آجاتا تھا۔ نواب زادہ فتح باز خان نے روپوں کی ایک تھیلی حضرت کے چنگ پر لٹ دی اور آپ روپے اٹھا کر قوالوں کو دیتے رہے جب بابا جی شاہ کی یہ کافی شروع ہوئی۔

میں ناہمہ مڑوا عشق دیوانہ شوہ نال پتیاں لائیاں نی

تو آپ پر وجدانی آثار نمایاں ہوئے اور چکی بند ہو گئی۔ کوئی دو بجے رات تک قوالی ہوتی رہی۔ میاں دھنا طبیبی کی انگلیوں سے خون بننے لگ گیا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں نے قوالی سننا ترک کر رکھا تھا۔ مگر آج رات اس سے مجھے دو فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ میری بیماری دھواں بن کر میری ناک کی راہ سے خارج ہو گئی اور دوسرے فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد حضرت نے شاہ اور اُن کے شیخ حضرت شاہ عنایت سفید لباس میں تشریف لائے اور زیارت سے ممنون فرمایا۔ اُس روز آپ قصور میں بابا جی شاہ کے مزار پر اور لاہور آکر حضرت شاہ عنایت کے مزار پر زیارت و فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے۔ بعد ازاں جب اس بیماری کے متعلق حضرت صاحبزادہ محمود تونسوی کا یہاں ات آیا تو جواب میں حضرت نے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

آنا یہ چکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھوے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

حضرت قبلہ عالم قدس ترہ کا ہے گاہے تخیل میں شغل سماع کر لیا کرتے تھے۔ روزنامہ طور پر وظائف و اشغال کی کثرت اور زائرین کے ارشاد و افادہ کی مصروفیت کے باعث اس کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ ان اشغال میں روزانہ پندرہ سے اٹھارہ ہزار تک اسم ذات کا ورد اور اکثر اوقات کتابوں کی درس و تدریس بھی شامل ہوتے تھے۔ ذوق عالی کا انداز فقط رسمی سماع حسن صوت اور رنگ سخن ہی کا پابند نہ تھا، بلکہ اکثر روزمرہ کی باتوں میں سے محض کوئی نکتہ یا لفظ ہی عشقِ سرمدی کے سار کو چھٹینے کے لیے مضرب کا کام کر جاتا اور آپ کی طبیعت پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، جس کا مظاہرہ مختلف صورتوں میں ہوتا۔

جب آپ کے اکلوتے صاحبزادہ کی پیدائش پر ایک خادم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اچانک عرض کی حضرت مبارک ہو تو آپ نے اپنے دائمی شغل سے لفظ مبارک کی کیفیت میں چونک کر فرمایا: خیر مبارک۔ کیا بوا: خادم نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزندِ ارجمند عطا فرمایا ہے۔ آپ نے الحمد للہ کہہ کر آہِ سرمد کے ساتھ فرمایا کہ تمہارے اس مبارک کے لفظ سے میں سمجھا تھا کہ مجھے خدا مل گیا ہے۔

۱۹۲۰ء کا ذکر ہے ایک روز عصر کے بعد مسجد سے مہمان رخصت ہو رہے تھے کہ کسی نے موت کا ذکر کیا۔ آپ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک بسی ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا: ابھی یہ نعمت کہاں۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قصبہ گولڑہ میں ایک رات شادی کے موقع پر لڑکیوں نے پنجابی زبان میں گیت گاتے ہوئے یہ شعر پڑھا ہے

اچھی ڈھلکی گھر سامنے میری ڈاٹھے نال پریت

نال توڑی، نال توڑساں، نال توڑن دی ریت

گرمیوں کا موسم تھا۔ آپ بالاخانہ کی چھت پر شغل و ذکر الہی میں محو تھے کہ یہ شعر سن کر وجد ہو گیا۔ شادی والے گھر میں خبر پہنچی تو لڑکیاں رات گئے تک اسی شعر کی تکرار کرتی رہیں۔ جب آپ نے دُعا دے کر منع فرما بھیجا تو انہوں نے گناہ بند کیا۔

جناب بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کا سماع کوئی باقاعدہ اور معتاد طریق پر نہ تھا کبھی اتفاق سے کہیں کوئی شعر سننے میں آ جاتا اور جب انی کیفیت پیدا ہو جاتی تو حافظہ نور محمد وغیرہ قوالان حاضر کو ارشاد فرما کر اُس شعر کی تکرار کراتے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ سلسلہ کئی کئی روز تک جاری رہتا۔ ایک مرتبہ مندرجہ ذیل شعر پر آپ کو متواتر تین دن تک کیفیت رہی ہے

نہ محل گفت گو ہے نہ ممت ام جستجو ہے

دل بے نوا نے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھانی

ایک دفعہ رحمانی باغ علاقہ سرگودھا میں بارش کے لیے دُعا کی اس دعا پر قوالوں کو ایک خاص انداز میں غزل سنانے کو فرمایا۔ مطلع یہ تھا ہے

ترک من اے مہ عسلام رُوئے تو

جملہ ترکان جہاں ہندوئے تو

مقطع تک پہنچتے پہنچتے بادل آنے شروع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بارش ہو گئی۔ اس غزل کے دوران آپ

نے یہ شعر بھی پڑھنے کو فرمایا تھا۔

لیے پھرتی مجھے بس چونچ میں گل
شیدنا کی تربت کہاں ہے

ایک اور مرتبہ کا ذکر ہے کہ حافظ نور محمد قوال اجازت لے کر اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ آپ بالائے خانے کی چھت پر تشریف فرما تھے۔ فرمایا، جاتے ہوئے اُس ڈھوک کے پاس بکندی پر کھڑے ہو کر فلاں دو بڑا لاپتے جانا۔ وہ تو دو چار مرتبہ وہی دو بڑا لاپ کر چلتا بنا مگر یہاں آپ کو پہلے ہی بول پر وجہ ہو گیا تھا اور اس حالت میں سخن پسندیہ و مطلوبہ کا تکرار نہ پا کر طبیعت میں ایسا انقباض ہوا کہ غشی کے قریب تک نوبت جا پہنچی۔ جب قدر سے افادہ ہوا تو خدام میں سے کسی نے کہہ دیا کہ حافظ بے مزہ کر گیا ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا کہ وہ بھی بے مزہ ہو گا۔ حافظ جب گاؤں پہنچا تو اُس کی بیوی اچانک مرض جنوں میں مبتلا ہو گئی۔ حاضر ہو کر کئی مرتبہ دعا کروانا رہا مگر کوئی افادہ نہ ہوا۔ آخر مریضہ کو بوجہ غلبہ مرض رستوں سے باندھ کر گولڑہ شریف لے آیا۔ دو خورد سال بچے بھی روتے ہوئے ساتھ تھے۔ آپ کو دیکھ کر بے حد رحم آیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مریضہ اُسی وقت ہوش میں آ کر اپنے منگے سر کو ہاتھوں سے ڈھانپنے اور اوڑھنی مانگنے لگ گئی۔ اس کے بعد عمر بھر اُسے وہ تکلیف نہ ہوئی۔

یہی حافظ قوال بیان کرتا تھا کہ میرے ساتھ ستار بجانے والے ہمراہی کی بصارت بعارضہ موتیسا بند جاتی رہی میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کر کے دعا کی است دعا کی۔ آپ نے فرمایا اسے کہو کہ آج رات عشاء کی نماز کے بعد ستار پر کونسیہ بجا کر سنائے۔ سردی کا موسم تھا۔ عشاء کے بعد ہم دونوں، حضرت کے برابر والے کمرہ میں جا بیٹھے۔ اور رات کونسیہ کا نہرا بجانا شروع کیا۔ آپ اپنے پنگ پر تشریف فرما تھے اور حجرہ شریف کے دروازوں کے کواڑ بند کر د رکھے تھے۔ جب اس سرد و غمگین اور فراق آمیز کاناہ شب گیر عروج پر پہنچا تو اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی چپہ نہ نیچے گری ہو۔ اور ساتھ ہی میرے ہمراہی کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اُس کے ہاتھوں میں مارے خوشی کے رعشہ آگیا اور آہستہ سے بولا۔ حافظ مجھے دکھائی دینے لگ گیا ہے۔ میں نے تاکید کی کہ ساز کو بے سُر نہ ہونے دینا اور خود کواڑ کی دراز سے جھانک کر اندر دیکھا تو آپ پنگ کے برابر جائے نماز پر سجدہ میں پڑے تھے اور جیسے کہ اکثر وجد کے عالم میں آپ کو دیکھتے تھے، آپ کے گیسو مبارک بکھر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اندر سے ہی فرمایا کہ اب تم جاؤ۔

جناب دیوان غیاث الدین اجمیری کا واقعہ

ایک سال جناب دیوان غیاث الدین سجادہ نشین حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری مشائخ چشت کی گدیوں کے دور پر نکلے اور نوبت بہ نوبت تونہ شریف سے سیال شریف اور پھر گولڑہ شریف آئے حضرت ثانی سیالوی نے ان کی تشریف آوری سے قبل حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو مطلع فرما دیا تھا۔ ریل گاڑی، گولڑہ شریف اسٹیشن پر علی الصباح پہنچتی تھی۔ اور یہی وقت حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے وارد و اشغال کا ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے علمائے آستانہ غوثیہ گولڑہ شریف کو استقبال کے لیے روانہ فرمایا جو بعد ازاں واکرام دیوان صاحب کو ریلوے اسٹیشن سے لے آئے۔ دیوان صاحب جو اس سال اور نازک طبع تھے حضرت کے خود پیشوائی کے لیے نہ آنے کو محسوس کیا لیکن جب حضرت ظاہر سے فارغ ہو کر ملاقات کے لیے اُن کے کمرہ میں گئے تو آپ کو دیکھتے ہی دیوان صاحب کی شکر بھی ادب و احترام میں

بدل گئی نیز آپ نے کچھ ایسے انداز میں خیر مقدم کے الفاظ ادا فرمائے اور دیرینہ تعلقات اور حضرت خواجہ غریب نواز کی عالم گیر نسبت کا ذکر کیا کہ دیوان صاحب کہنے لگے، مجھے آپ سے مل کر سب سے زیادہ خوشی ہوئی ہے الحمد للہ کہ اس سلسلہ عالیہ میں آپ جیسی بستیاں بھی موجود ہیں۔

علمائے سرحد کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ

دیوان صاحب گولڑہ شریف سے روانہ ہو کر گڑھی افغاناں علاقہ حسن ابدال میں چشتیہ سلیمانہ سلسلہ کے سجادہ نشین میاں عبداللہ کے ہاں سے ہو کر پشاور تشریف لے گئے۔ پشاور میں بالعموم مشائخ و علماء کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا اور گرد و نواح میں بڑے بڑے فقہاء کے مراکز تھے۔ ان حضرات نے دیوان صاحب کو قوالی کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیا اور جواب نہ ملنے پر تشدد کی دھمکیاں دینے لگے۔ اُس زمانہ میں سرحدی علاقہ صحیح معنوں میں یاغستان و سرزمین بے آئین کا حکم رکھتا تھا۔ حضرت نے دیوان صاحب کے گولڑہ شریف سے روانگی کے وقت اُن کے عزم پشاور کا معسوم ہونے پر اشارہ و کنایہ یہ کہہ کر اُدھر جانے سے روکنے کی بھی کوشش کی تھی کہ چٹان لوگ سادہ لوح ہوتے ہیں اور مشائخ کے ادب و احترام کی تفصیل سے آگاہ نہیں ہوتے لیکن دیوان صاحب کو جانے پر اصرار رہا۔ چنانچہ اب ان حالات میں جب دیوان صاحب نے حضرت کو اپنی امداد کے لیے بلوایا تو پہلے تو آپ جانے کو تیار نہ ہوئے مگر جب انہوں نے یہ دیکھ بھجھا کہ آپ کو ہندالوی کا واسطہ ضرور تشریف لائے۔ میں تین روز سے علمائے سرحد کے ترغے میں گھرا ہوا ہوں تو آپ تشریف لے گئے۔

کفر و ایمان کی بحث

حضرت شیخ الجامعہ کی تحریر کے مطابق کوئی پچاس بڑے بڑے علمائے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ہمراہ کتابیں اٹھائے دس بجے صبح دیوان صاحب کی قیام گاہ پر آ جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ وسیع دالان میں بھیڑ لگ گئی۔ علمائے نے کہا۔ غنا یعنی سماع حرام ہے۔ آپ اس کی اباحت یعنی جواز ثابت کیجئے۔ اور اپنے مسلک کی تائید میں فتویٰ تاآثر خانیہ اور فتاویٰ حمادیہ وغیرہ کی عبارات پیش کیں۔ جن سے غنا کی حرمت اور سُنے والوں کا کفر ثابت ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہاں کفر و ایمان کی بحث ہے تو پہلے توحید پر جو اصل الاصول ہے۔ اپنا ایمان ثابت کیجئے۔ لیکن قرآن سے باہر نہ جائیے گا۔ البتہ احادیث سے دلائل دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بھی قرآن کریم کی تفسیر میں پیش کی جائیں۔ علمائے کرام نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا۔ حضرت نے تئسن میں اشاعرہ، ماتریدیہ جتفیہ اور تشیع میں امامیہ، زیدیہ و معتزلہ کے عقائد کو باری باری بیان فرما کر ہر ایک کی تردید فرمائی۔ جب آپ پہلے ایک مذہب کو اپنا کر اُس کی تائید میں دلائل دیتے تو سب کہتے یہی حق ہے لیکن جب اُس کی تردید فرماتے تو بول اُٹھتے کہ واقعی یہ باطل ہے تین روز مسلسل یہی کیفیت رہی۔ چاشت سے ظہر تک مجلس رہتی اور آپ تقریر فرماتے رہتے۔ علوم ربانی کا ایک بحر تواج و بکراں تھا جس میں خصم یعنی مخالف و متحضر کی کشتی بے بس ہو کر ڈانوا ڈول رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے علمائے راسخین کی خطابت کا اس قدر عظیم مظاہرہ پہلے کبھی نہ دیکھا اور نہ سنا تھا اس لیے مبہوت و حیرت زدہ ہو گئے۔ تیسرے روز آپ نے علمائے سرحد سے سوال

کیا کہ اب فرمائیے آپ کا مذہب کیا ہے؟ محلہ قاضی خیل کے حبیب عالم مولوی قدرت اللہ بولے کہ اگر سچ پوچھیں تو ہمارا مذہب وہی ہوگا جو آپ اختیار فرمائیں گے حضرت ان کی بے بسی پر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ اب جو مذہب اپنا کریں بیان کروں گا اُس کی تردید ناممکن ہوگی پھر قرآن حکیم کی روشنی میں علمائے راسخین و اولیائے کاملین اہل سنت کے عقیدہ توحید کی وضاحت فرمائی۔ اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنفی عقائد کے جزوی اختلافات کی توجہات پیش کیں۔ اور حق کو ان کے بین بین قرار دیا۔ اس ضمن میں وحی، رسالت، اجماع، اجتہاد اور تقلید پر بھی بحث فرمائی۔ اور جب آخر میں غنا اور قوالی کے مسئلہ پر کچھ فرمانے لگے تو حاضرین میں سے ایک بہت بڑے فقیہ نے عرض کی کہ اس موضوع پر اب کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آپ جیسا عالم ربانی اس کی اباحت اور جواز کا قائل ہے۔ اگرچہ اُس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی یہ معرکہ الآراء تقاریر محفوظ نہ کی جاسکیں مگر آپ کی تصنیف لطیف تحقیق الحق میں مسئلہ توحید کے وہ تمام پہلو واضح کر دیتے گئے ہیں جو وہاں زیر بحث آتے تھے۔ یہ کتاب اس معرکہ کے کچھ عرصہ بعد جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے صوفی عبدالرحمن لکھنوی کے رسالہ کلمۃ الحق کے جواب میں منصفہ شہود پر آتی تھی۔ اس کا سن تالیف ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷-۹۸ء عیسوی ہے۔

علماء کا سکوت اور دیوان صاحب کی رقت اور بیعت

مولانا محبوب عالم ہزاروی اور مولانا میر عبداللہ ساکن کٹن جو اس معرکہ میں حضرت کے ہمراہ تھے بیان کرتے تھے کہ حضرت کی مفصل و مدلل تقاریر اور علمائے سرحد کے سکوت و عجز کی کیفیت دیکھ کر دیوان صاحب اجمیری پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور وہ بے ساختہ بار بار پکار اٹھتے تھے سُبْحَانَ اللہ حضرت خواجہ غریب نواز کا نور میری امداد کے لیے آگیا ہے جب حضرت کی آخری تقریر ختم ہوئی تو علماء اٹھ اٹھ کر مصافحہ کرنے لگے۔ ایک صاحب نے بیعت کی استدعا کی تو دیوان صاحب نے فرمایا کہ سب سے پہلے میرا حق ہے کہ میں بیعت ہوں۔ اور بعد اصرار بر مجلس بیعت ہوئے جب مولانا قاضی قدرت اللہ نے بیعت کی تو حضرت نے فرمایا۔ قاضی صاحب، آج آپ مجھے ایک بڑا عالم سمجھ کر مجھ سے بیعت کر رہے ہیں۔ کل کوئی مجھ سے بھی بڑا عالم نظر آیا تو اُن سے بیعت کی خواہش تو نہ ہوگی؟ اُنہوں نے عرض کی کہ آج تک کہیں بیعت نہیں کی تھی نہ اپنے سے کسی بڑے عالم پر کبھی نظریٰ مکی۔ میں افغانستان سے خراسان تک پھر اُنوں مگر یہ کمال کہیں دکھائی نہیں دیا آپ کا علم لدنی ہے کسی نہیں۔ قاضی صاحب بہت بڑے مفتی اور داعط تھے سرحد و افغانستان کے علاقوں میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی بار امیر عبدالرحمن خان کی دعوت پر کابل بھی جا کر وعظ کیا۔ اُس نواح میں قاضی قدر کے نام سے مشہور تھے۔

اس کے بعد بیعت اور ارشاد کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ بخارا اور چینی ترکستان کے ساتھ تجارت کرنے والے مشہور پشاور سیٹھی اور اُن کا سب خاندان اسی موقع پر حضرت سے بیعت ہوئے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب خود ایک عالم دین تھے۔ اور اس منظرہ کے وقت حاضرین مجلس سے تھے حضرت کے ایک مشہور نیازمند مولوی گل فقیر پشاور کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ وہ بھی ان مجالس میں موجود تھے۔ اور یہیں اُنہوں نے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ یہی وہ معرکہ تھا جس نے سب سے پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو سرحد اور آزاد قبائل میں روشناس و متعارف کرایا۔ جہاں آج تک سینکڑوں علماء و اصفیاء اور ہزاروں عوام آپ کے دامن سے وابستہ چلے آتے ہیں۔

پہنچتی فصل

قادیانیت پر ایک مختصر تبصرہ

مذہب اسلام کے دو بنیادی اصول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتقاد رکھنا ہیں۔ اسلام نے اگر بنی آدم کو بتایا کہ اصل مستحق عبادت کون و مکان کا پروردگار اور مالک و حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ اور جو ضابطہ حیات آپ نے دُنیا کے سامنے کتاب و وحی الہی کے ذریعہ پیش کیا وہی صحیح اور درست ہے اور انسانوں پر لازم ہے کہ اپنی فلاح کے لیے اُس پر عمل کریں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج ظاہری و باطنی کا راز ان دو بنیادی اصولوں پر عمل کرنے ہی میں مضمر تھا۔ مخالفین اسلام اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لیے اُنہوں نے جو قدم اٹھائے اُن میں سب سے پہلا انہی دو اصولوں کو بدلتا تھا۔ پہلے اصول کی مخالفت میں تو انہیں چنداں کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ اس اصول کے متعلق تبلیغ اسلام کا اثر ہمہ گیر ہو چکا تھا اور انسانی ذہن اس حد تک نشو و نما پا چکا تھا کہ معبودان باطلہ اور معبود حقیقی میں تمیز کر سکے۔ اُسے معبود حقیقی پر ایمان رکھنے سے ہٹا کر معبودان باطلہ کی طرف لانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اندریں حالات مخالفین نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ اسلامی ایمان کے دوسرے ستون یعنی رسالت آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متزلزل کیا جائے اور جو دالہانہ محبت اور عقیدت مسلمانوں کو آپ کی ذات مبارک سے تھی اُس میں جس طرح بھی جو سکے کمی کی جائے۔ اُن کا یہ خیال بھی تھا کہ اس محاذ پر کامیابی سے اُنہیں اول الذکر اصول پر خود بخود کامرانی حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ دُنیا کو اُس اصول سے متعارف آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے ہی کر دیا تھا۔ اور آپ کی رسالت کے اصول سے متزلزل ہونا اور توحید کے اصول سے ہٹ جانا گویا لازم و ملزوم تھے۔ اس لیے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد کاذب نبیوں کی ایک کثیر جماعت نے جزیرہ عرب میں سر اٹھایا۔ مگر خلیفہ اول کے بروقت اور سخت اقدامات کی وجہ سے اُن سب کی سرکوبی ہوئی اور کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کے بعد اگرچہ انفرادی طور پر بدعیان نبوت پیدا ہوتے رہے مگر زمانہ پر کوئی معتدبہ اثر ڈالنے بغیر دُنیا سے اُٹھ جاتے رہے منظم طریقہ سے اس اصول پر محاذ آرائی قریباً مفقود رہی تا آنکہ تیرھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا ظاہری و باطنی تنزل تیزی سے شروع ہوا۔ اور اُس کے برعکس دوسرے عقائد والی قویں مادی لحاظ سے ابھرنا شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ تمام دُنیا پر چھا گئیں۔ اپنے اس ارتقاء کی وجہ سے اُنہیں اسلام کے اصولوں پر کاری ضرب لگانے کے مواقع میسر آ گئے کیونکہ مادی انحطاط کے ساتھ ساتھ مسلمان ذہنی انحطاط کا بھی شکار ہو چکے تھے اور مخالفین کو اپنے عہد ائمہ میں کامیاب ہونے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔

مسلمانوں کے اس دور ابتلا میں سر زمین ہند میں حکومت برطانیہ کے زیر اثر اُس فتنہ نے سر اٹھایا جس کے سد باب کے سلسلہ میں حضرت امداد اللہ مہاجر گئی نے حضرت قبلہ عالم کو عرب شریف کی سکونت اختیار کرنے سے منع فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ اپنے وطن میں غماوش بھی بیٹھے رہے تو بھی اُٹھائے اُمت مسلمہ اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا ذکر باب چہارم میں

گزر چکا ہے)

یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس فتنہ کے متعلق جو بعد میں قادیانیت اور مرزائیت کے نام سے مشہور ہوا، مختصر مابصرہ ہدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ اس بات کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ اس فتنہ سے دنیائے اسلام کس درجہ کے ذہنی انتشار اور دینی تفرقہ کے خطرہ عظیم سے دوچار ہوئی، علمائے وقت نے اس فتنہ کو فرو کرنے میں کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، اور اس میں حضرت کا کردار کتنا اہم اور عظیم الشان تھا۔

یہ تحریک قادیانیت حکومتِ برطانیہ کی سرپرستی میں شروع ہوئی اور اس کا اصل مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نشانہ بنا کر مسلمانوں کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت کو نکالنا اور دینِ اسلام کے ارشادات اور ان کے مطالب میں اس طرح کا رد و بدل کرنا تھا کہ مخالفین کو اپنے عزائم کی تکمیل میں امداد مل سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے بعد رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا آپ مسئلہ طور پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی تھے اور آپ کی شریعت اس دُنیا کے لیے خدا کی آخری شریعت تھی۔ اس شریعت میں اتنی وسعت رکھی گئی تھی کہ قیامت تک کے لیے پیش آنے والے انسانی مسائل کا حل اُس میں موجود تھا۔ آپ کے آخری نبی ہونے کی خبر قرآن کریم میں نہایت وضاحت اور غیر مبہم الفاظ میں دی گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب - ۴۰)

اور متعدد احادیث مبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً صحیح مسلم میں بروایت سعد حدیث طویل کے ضمن میں مذکور ہے :-

فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا تَرْضَىٰ
أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ الْإِسْرَافِي لَا نَبُوَّةَ بَعْدِي

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باب نہیں لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

میرے بعد نبوت نہیں۔

مسلمانوں کے سارے مکاتیب فکر ختم نبوت کے مسئلہ پر اُس وقت تک کاملاً متفق تھے جب تک بانی قادیانیت نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کی ابتدا بھی انہوں نے عجیب انداز میں کی۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے سلسلہ میں یہ ذکر ہے کہ اُن کو یہودیوں نے سولی پر چڑھا دیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ وفات پا گئے مگر وہ غلطی پر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ یہ تذکرہ سورۃ النسا میں ان الفاظ میں ہے :-

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ
وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ
الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ
مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝

اور وہ کہتے ہیں ہم نے مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا مگر اُس کی شبیہ کو۔ اور جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، وہ بھی بے خبر ہیں۔ اُن کے پاس سوائے ظن کے اور کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے ہرگز اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُسے اپنے پاس اٹھالیا اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

صحیح مسلم کی احادیث مقدسہ میں آثار قیامت کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے دنیا میں شرور و فسادات بے انتہا ہوں گے اور دجال نامی ایک شخص کا ظہور ہوگا جو اپنے جاؤ اور شیطانی قوتوں کی امداد سے ایک وسیع قطعہ زمین پر قبضہ کرے گا اور ایمان رکھنے والوں پر ذرۂ حیات تنگ کر دے گا۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے قریب آسمان سے اتریں گے اس حال میں کہ آپ کے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے۔ آپ آکر دجال کو قتل کریں گے اور دنیا میں اسلام و ایمان اور امن کا بول بالا کریں گے۔ اور پھر سات سال یہاں زندہ رہنے کے بعد وفات پا کر مدینہ شریف میں حرم پاک میں دفن ہوں گے۔ آپ کے ظہور سے پہلے بنی فاطمہؑ میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا اور لقب مہدی۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت اُن کا استقبال کرے گا اور پہلی نمازیہ دونوں حضرات مل کر پڑھیں گے۔ اُس میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں دنیا کو کفر و الحاد کے اثرات سے پاک کرنے میں امداد دے گا۔

چونکہ ان احادیث مبارکہ میں صحیح سال کا تعین نہیں ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر قبل اس کے کہ وہ کسی عیسیٰ کا استقبال کرتے وہ خود اس دنیا سے اٹھ جاتے رہے۔ بانی قادیانیت نے ان مدعیان سے ذرا مختلف طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے علمائے سلف کے اس عقیدہ کو غلط بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہی پھر زمین پر واپس آئیں گے۔ اُن کے نظریہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں ہی انتقال فرما گئے تھے اور قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والا شخص محض مثیل مسیح ہوگا۔ اس نظریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی اُسی مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر کے خود کو مسیح موعود قرار دے دیا۔ اس ابتداء سے وہ عقلی نبوت کی طرف بڑھے اور بالآخر اپنے اصلی نبی ہونے کا اعلان کر کے اُمتِ مسلمہ کے اس اعتقاد پر ضرب لگائی جس سے وہ تیرہ سو سال سے مکلف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اب مرزا صاحب کے اس ارتقائے روحانی اور اُن کی تعلیمات کی تفصیل اجمالاً دی جاتی ہے۔

بانی قادیانیت اور اُن کی ابتدائی زندگی

تحریر قادیانیت کے بانی کا نام مرزا غلام احمد تھا۔ وہ برٹش انڈیا میں صوبہ پنجاب کے ضلع گورداسپور کے موضع قادیان میں ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام غلام مرتضیٰ تھا جو سمرقندی محل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا پیشہ طبابت اور زیندار تھا۔ مرزا غلام احمد علوم مرثویہ عربی، فارسی اور طب کی تحصیل سے فارغ ہو کر ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں بطور اہل مد قریب چار سال ملازمت کرتے رہے۔ بعد ملازمت چھوڑ کر اپنے والد محترم کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور مذہبی مناظرات وغیرہ میں حصہ لیتے رہے۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آبا و اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے ۱۸۷۹ء میں اُنہوں نے ایک اشتہار شائع کیا کہ میں ایک کتاب براہین احمدیہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو پچاس جلدوں پر مشتمل ہوگی اور میں اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب کی تردید میں قوی اور محکم عقلی دلائل پیش کیے جائیں گے مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے کثیر تعداد میں پیشگی قیمت بیع کر معاونت کی لیکن ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۲ء تک مرزا صاحب نے اس کتاب کی صرف چار جلدیں شائع کر کے دعوے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں

اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔۔۔۔۔

اُس دور کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بالادستی کھودینے کی وجہ سے مسلمان سخت ذہنی پریشانی اور مایوسی کا شکار ہو چکے تھے اور اپنے اس اضحوال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہر طرف منظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کب کوئی مرد خدا آئے گا کہ انہیں اس ابتلا سے نجات دلائے۔ اُس دور کے مسلمان دانشور بھی اچھے قوم کے درد سے بے چین و بے قرار تھے مگر انہیں دوہری دشواری کا سامنا تھا۔ ایک طرف تو انقلاب زمانہ نے اُن سے دنیوی حکومت اور جاہ و جلال چھین لیا تھا۔ دوسری طرف یورپ کا مادی انقلاب جو انگریزوں کی وساطت سے ہندوستان پہنچ چکا تھا، اُن کی دینی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُن کے خیال میں مادی انقلاب کو اپنانے کے بغیر ان دونوں محاذوں پر مخالفت طاقتوں سے ہر آرزو ناممکن نہیں تھا۔ اسی خیال کے زیر اثر سرسید احمد خان نے ایک نئی تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں کو مغربیت کی نئی اقدار سے آشنا کرانا اور انگریزی تعلیم و فنون میں مہارت حاصل کرانا تھا۔ اُن کی اس تحریک کا مدار ملک کے نئے انگریز حاکم کو اپنانے کے خیال سے مصلحتاً یا ارادۃً، زیادہ تر سچریت پر تھا۔

مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ

اس تذبذب اور اضطراب کے زمانہ میں مسلمانوں کے ذہن پر جو نفسیاتی کیفیت طاری تھی مرزا صاحب کو اُن کے رفیق حکیم نور دین نے اُس سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ خود کو مثیل مسیح کا لبادہ اوڑھ کر قوم کے سامنے پیش کریں تو ساری قوم دل و جان سے اُن کا خیر مقدم کرے گی اور وہ اچھے ملت کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں گے۔ مرزا صاحب نے اپنے مکتوب محررہ ۲۴ - جنوری ۱۸۹۱ء (مکتوبات احمدیہ) میں حکیم نور دین کو ان الفاظ میں جواب دیا۔

”جو کچھ آل مخدوم نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر دمشق حدیث کے مصداق کو علیحدہ چھوڑ کر الگ مثیل مسیح کا دعویٰ کیا جائے تو اس میں کیا ہرج ہے۔ درحقیقت اس عاجز کو مثیل مسیح بننے کی کچھ حاجت نہیں۔ یہ بندہ چاہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے عاجز اور مطیع بندوں میں داخل کرے ہم ابتلا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ترقیات کا ذریعہ صرف ابتلا کو ہی رکھا ہے۔“

اس جواب کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مرزا صاحب نے حکیم نور دین کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ اُن کے اشتهار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ”مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی سے ظاہر ہے۔

”مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔“

اسی طرح ازالۃ الادہام میں تحریر فرماتے ہیں:-

”اس عاجز نے جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔ میں

نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں۔۔۔۔ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات و اخلاق وغیرہ خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔

مثیل مسیح سے مسیح موعود

مرزا صاحب اپنے اس دعوے مثیل مسیح پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اُس سے ایک قدم آگے بڑھے اور سب سے پہلے اپنی تین تصنیفات فتح الاسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں حیات مسیح کے عقیدہ کو غلط بتا کر وفات مسیح کا اعلان کیا اور پھر اپنے مسیح موعود اور مہدی مہمود ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:-

”مسلمانوں اور عیسائیوں کا کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اسی عصری موعود سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔ میں اس خیال کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔“ (توضیح مرام)

اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدے بجالاؤ کہ وہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے آبا گزر گئے۔ اور بے شمار رُوحیں اُس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں۔ وہ وقت تم نے پایا۔۔۔ میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے رُک نہیں سکتا کہ میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا تادم کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اُسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی رُوح بیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان پر اٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جس کے حق میں ہے۔ اِنَّا ارْسَلْنَا الْيٰسٰىءَ رَسُوْلًا شَٰهِيْدًا عَلٰیكُمْ كَمَا ارْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا)۔ تو اُس کو بھی جو اپنی کاروائیوں میں کلیم اول کا مثیل مکرر رہے ہیں اُس سے بزرگ تر تھا ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پا کر اُسی زمانہ کی مانند اور اُسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اُترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا موعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے۔ اور سب باتوں میں اُسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابن مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو۔ (فتح الاسلام)

”اور یہی جیسی ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اُس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اور یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافیہی ہے۔“ (کشتی نوح)

مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افرار کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اُس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔ (اٹھارہ ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم)

”میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔“ (تحفہ گولڈویہ)

مشابہت مسیح کے لائل

مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے اپنی مشابہت تاتر کے جو ثبوت پیش کیے ہیں ذرا ان کی شانِ دلالت بھی ملاحظہ ہو۔

”یہ عاجز جو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے رنگ میں بھیجا گیا ہے، بہت سے امور میں حضرت عیسیٰ سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسے عیسیٰ کی پیدائش میں ایک نڈرت تھی، اس عاجز کی پیدائش میں بھی ایک نڈرت ہے اور وہ یہ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ امر انسانی پیدائش میں نادرات سے ہے کیونکہ اکثر ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔“ (تحفہ گولڈویہ)

اس اُمت کے مسیح موعود کے لیے ایک اور مشابہت حضرت عیسیٰ سے ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ پورے طور پر بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ایسا ہی اس عاجز کی بعض دایاں سادات میں سے تھیں۔ اور حضرت عیسیٰ کے لیے خدائے جو یہ پسند کیا کہ کوئی حضرت مسیح کا باپ نہ تھا۔ اس میں یہ بھید تھا کہ خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل کی کثرت گناہوں کی وجہ سے ان پر سخت ناراض تھا۔

(مرزا صاحب کا لکچر مقام سیالکوٹ)

سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریمؑ ہے جس نے عیسیٰ بن مریمؑ کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ کو والدِ روحانی نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کبار میں لے لیا اور اپنے بندے کا نام ابن مریمؑ رکھا۔ پس مثالی طور پر بھی عیسیٰ ابن مریمؑ ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والدِ روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسلِ اربع میں سے کسی سلسلے میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابن مریمؑ نہیں تو کون ہے؟ (ازالہ اوہام)

چودھویں خصوصیت یہ مسیحؑ میں یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا مگر باپ کے موسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا جو موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ہوا۔ ایسا ہی میں بھی خاندانِ قریش میں سے نہیں ہوں اور چودھویں صدی میں مبعوث ہوا ہوں اور سب سے آخری ہوں۔ (تذکرۃ الشہداء میں مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

احادیث نزول مسیح کی تاویل

ان اعلانات کے بعد احادیثِ نزول مسیح کے مختلف پہلوؤں کو اپنی ذات پر درست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے استعارہ اور تاویل سے کام لیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مسلم کی احادیث کے مطابق مسیح موعود کی تشریف آوری ان حالات میں ہونی تھی۔

۱۔ شَرُّوْا لَدُنَّكَ اِلَیْہِمْ بِسْمِیْہِمْ
حضرت عیسیٰ کا نزول ملکِ شام یعنی دمشق میں شرقی

منارہ پر ہوگا۔

عِنْدَ الْمَنَارَةِ الشَّرْقِيَّةِ

۲۔ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُصَرَّانِ

نزل کے وقت دوزر دنگ کی چادریں پہن رکھی ہوں گی۔

۳۔ مسلمانوں کا امام اُن سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو فرمائیں گے اِمَامُكُمْ هُنَا (تمہارا امام نماز تم

میں سے ہے) اور صحیح اور متواتر احادیث سے واضح ہے کہ یہ امام حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے، جو

بنی فاطمہ میں سے ہوں گے۔

مرزا صاحب نے ان شرائط کی تکمیل اپنی ذات کے متعلق ان الفاظ میں کی :-

۱۔ دمشق کے لفظ کی تاویل میں مجھ پر منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبہ کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں

ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں۔ اور اپنے نفسِ آمارہ کے

عکسوں کے ایسے مطیع ہیں کہ مقدسوں اور پاکوں کا خون بھی اُن کی نظر میں سہل اور آسان ہے۔۔۔۔ اور کیونکہ طیبوں

کو بیماریوں کی طرف آنا چاہیے۔ اس لیے ضرور تھا کہ مسیح ایسے ہی لوگوں میں نازل ہو پس مسیح کا دمشق میں اُترنا

صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی مثیلِ مسیح جو حسینؑ سے بھی بوجہ مشابہت ان دونوں بزرگوں کے مماثلت رکھتا ہو،

یزیدیوں کی تنبیہ اور طرمز کرنے کے لیے جو مثیلِ یہودی ہیں اُترے گا۔“ (ازالۃ اوہام)

”دمشق اور قادیان ایک ہی عرض بلد میں واقع ہیں اور منارۃ الشریقیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادیان جو دمشق کے شرق

میں واقع ہے، منارۃ المشرق وہاں واقع ہوگا“ مرزا صاحب نے ایک منارہ کی بنیاد بھی رکھی مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت

ہو گئے۔ البتہ شام اور پنجاب کا اختلاف رفع نہ کر سکے کسی جگہ بھی اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ قادیان کے باشندگان نے

کبھی کسی مقدس اور پاکباز مثیلِ حسینؑ ہستی کے قتل کا ارتکاب کیا ہو یا خود مرزا صاحب ہی پر قاتلانہ حملہ کیا ہو)

آگے چل کر مرزا صاحب اپنی مسجد کو مسجدِ اقصیٰ کا اور اپنی ذات کو جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدیں الفاظ مثیل

ظاہر کرتے ہیں :-

جیسا کہ سیرِ مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک

پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیرِ زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا زمانہ تھا، برکاتِ اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رُو سے

اسلام کے انتہائی زمانہ تک جو آنحضرتؐ کا سیرِ کشفی ہے مسجدِ اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے، جو

قادیان میں واقع ہے۔“ (تذکرہ مجموعہ وحی مقدس)

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوزر و چادروں کے متعلق فرماتے ہیں :-

میں ایک دائم المریض آدمی ہوں۔ اور وہ دو چادریں جن کے متعلق حدیثوں میں ذکر آیا ہے کہ ان دو چادریں

میں مسیح نازل ہو گا وہ دوزر و چادریں میرے شامل حال ہیں جن کی تعبیر علم تعبیر الروایہ کی رُو سے دو بیماریاں

ہیں۔ سو ایک چادر میرے اوپر کے حصے میں ہے کہ ہمیشہ سرد درد اور دورانِ سر اور کئی خواب اور تشخّصِ دل

کی بیماری دوزرہ کر آتی ہے۔ اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس ہے

کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے۔ اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یادِ دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس قدر

کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارضِ ضحّت وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال ہیں۔ (ضمیمہ ربعین نمبر ۳ و ۴)

۳۔ قیسری شرط کے متعلق مرزا صاحب نے اپنی کتاب آیام الصلح میں حضرت شیخ محمد اکرم چشتی صابری کی کتاب اقتباس النور میں سے لَامَهْدِيَّ إِلَّا عَلَيْنَا کی ایک روایت لی جسے نہ صرف امام زرقانیؒ نے مردود روایت کیا ہے بلکہ خود کتابِ تذکرہ کے مصنف بھی اس روایت کو تحریر کر کے فرماتے ہیں:-

”واین روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیحہ متواترہ از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم درود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواهد بود و عیسیٰ بر او اقامت را کردہ نماز خواهد گزارد و جمیع عارفان صاحب تمکین بر این متفق اند۔“

مرزا صاحب نے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی تاویل یہ کی کہ حضرت عیسیٰ مسلمانوں میں ہی اپنا پروزی مشیل اختیار کر کے خود ہی امام بنیں گے اور حدیث کے اس مفہوم کی کوئی توجیہ پیش نہ کی کہ مسلمانوں کا امام صلح حضرت عیسیٰ سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو آپ یہ کہہ کر انکار فرمائیں گے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (تمہارا امام تم میں سے ہے) اسی طرح حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق ان احادیث کی بقیہ مقتضیات یعنی قتل و جال، غلبہ اسلام، باطل دینوں کا خاتمہ، امام مہدی کا بنی فاطمہ سے ہونا اور کثرتِ مال کے جواب میں مرزا صاحب نے کہا کہ و جال سے عیسائی پادریوں کا کردہ مراد ہے جنہیں میں نے اپنی کتابوں میں بذریعہ دلائل قتل کر دیا ہے اور میری تعلیم سے میرے وقت میں یا آئندہ میری جماعت کے ذریعہ ایک روز وہ عالم گیر غلبہ اسلام ضرور نمودار ہوگا جس کا ان احادیث میں بطور پیش گوئی ذکر کیا گیا ہے۔ اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ تم میری اہمیت سے ہو۔ کیونکہ میرے خاندان میں ہماری ایک وادی سادات بنی فاطمہ سے تھی۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا اَدْعَا تھا کہ اگر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح ابن مریمؑ کے نزول اور حضرت امام مہدیؑ کی جداگانہ شخصیت اور و جال کے ایک شخص ہونے اور بذریعہ توار حضرت مسیح کے ہاتھ سے قتل ہونے کا ذکر فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کشف کی تعبیر میں غلطی لگ گئی ہو۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ مستقبل کے واقعات کو بنی کا علم پوری طرح احاطہ کر لے چپا پنچہ ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں:-

”اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آل حضرت پر ابن مریمؑ اور و جال کی حقیقت کا ملکہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے نمونہ منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ و جال کے گدھے کی اصلی کیفیت کھلی ہو اور نہ یا جوج یا جوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ ذَابَةُ الْأَرْضِ کی مابیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی ہو۔“

مسیح موعود سے نبوت تک

مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے پر قریباً دس سال قائم رہے اور پھر ختم نبوت کے معروف اسلامی نظریہ کو جس کے وہ خود بھی معتقد رہے تھے، غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اگست ۱۹۰۱ء میں ایک روز مرزا صاحب کے خطیب مولوی عبد الکریم نے مجمع کے خطبہ میں انہیں نبی رسول کہا۔ نماز کے بعد سید محمد احسن امروہی قادیانی، خطیب صاحب سے جھگڑتے رہے۔ انہوں نے اگلے جمعہ میں پھر یہی الفاظ

دہرائے اور امر دہی صاحب کے تیور پہچان کر نماز کے بعد مرزا صاحب کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کو نبی و رسول مانتا ہوں، اگر میں غلطی پر ہوں تو حضور مجھے درست فرمائیں۔ اس پر مرزا صاحب مڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: مولوی صاحب ہمارا بھی یہی مذہب اور دعویٰ ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔ یہ سن کر سید محمد احسن غصہ میں بھرے ہوئے واپس آگئے اور مسجد کے اوپر ٹہلنے لگ گئے جب مولوی عبد الکریم وہاں پہنچے تو سید صاحب اُن سے لڑنے لگے۔ آوازیں بلند ہوئیں تو مرزا صاحب مکان سے نکل آئے اور یہ آیت پڑھی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ** (مسلمانو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ (الفضل قادیان ۴ جنوری ۱۹۲۲ء و رسالہ فرقان قادیان بابت اکتوبر ۱۹۲۲ء)

مرزا صاحب ۱۸۹۱ء سے نبی کا لقب اختیار کرنے میں مذہب تھے۔ چنانچہ ”انجامِ آتم“ ۱۸۹۶ء میں لکھا تھا:۔
 ”الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے اُس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“
 یعنی اس سے قبل ”خدا کا فرستادہ“، ”مامور“، ”امین“، ”مثیلِ مسیح“، ”مہدی معبود“، ”مسیح موعود“ کے القاب استعمال ہو رہے تھے مگر نبی و رسول کہلانے میں مرزا صاحب کو تردد تھا۔ اُس روز خطیب صاحب کی عقیدت نے ختم نبوت کی فولادی دیوار کو بھی رستہ سے ہٹا دیا اور مرزا صاحب نے زبان و قلم سے بصراحت نبوت کا اعلان کرنا شروع کر دیا:۔
 ”میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ اور جب کہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا کیوں کر اُس کے سوا کسی سے ڈروں۔“
 (ایک غلطی کا ازالہ، نومبر ۱۹۲۲ء)

”خدا نے میرے ہزار ہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گذرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی۔۔۔ اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اُسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اُسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔“

(تمتہ حقیقت الوحی ۱۹۰۷ء)

ختم نبوت کے خلاف انوکھے استدلال

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ چہارم اور ازالہ اوہام اور حماۃ البشري وغیرہ کتابوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو محال اور وعدہ الہی کے خلاف بتایا تھا۔ مگر جب اپنی نبوت کے اثبات کی ضرورت پیدا ہوئی تو اپنے سابقہ اقوال کی تردید میں ایسے استدلال لانے لگے جن سے اسلامی ذہن کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں:۔

”ایسا نبی کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات اور مخاطبات سے اُن کی آنکھیں نہ

کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے اور آئندہ قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ ہیں جتنے ہیں۔ اور کوئی اگر اُس کی راہ میں جان بھی فدا کرے۔ اُس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے۔ اور ہر ایک چیز پر اُس کو اختیار کرے تب بھی وہ اُس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اُس کو مشرف نہیں کرتا۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

ظلی نبی

اپنے اس دعوے کے بعد مرزا صاحب کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو ظلی نبی ظاہر کرتے رہے۔ اُن کے کہنے کے مطابق اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا مگر نبوت صرف آپ کے فیضان سے ہی مل سکتی تھی نہ کہ براہ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ اور خاتم النبیین کے معنی یہ تھے کہ آپ نبیوں کی مہر ہیں اور آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی آپ کے بعد ایسے انبیاء پیدا ہوں گے جن کی نبوت کی تصدیق آپ اپنی مہر سے فرمائیں گے۔ ان انبیاء کی نبوت کا معیار آپ کے نقش قدم پر چلنا اور آپ کی شریعت کو قائم کرنا ہو گا۔

مرزا صاحب کے صاحب زادے بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف "کلمۃ الفضل" میں مرزا صاحب کی اس نبوت کو یوں بیان کیا ہے :-

"یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظلی نبوت گھٹیا قسم کی نبوت ہے، یہ محض نفس کا ایک دھوکا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں بعض لوگ آپ کی (مرزا صاحب کی) نبوت کو ناقص نبوت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ (یعنی مرزا صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوت کا پایہ بہت بلند ہے۔"

ظلی نبوت سے مستقل اور صاحب شریعت نبی

کچھ عرصہ اسی طرح ظل رہنے کے بعد مرزا صاحب آخر اُس منزل پر پہنچ گئے جس کے تصور سے کالمین بھی کانپتے تھے یعنی انہوں نے اپنے مستقل صاحب شریعت نبی اور خاتم النبیین ہونے کا دعوے کر دیا اور اُن کے شدید قلم نے اُس ادب کا دھوکہ بھی پھلانگ جانے کی جسارت کی جس کے نزدیک پھٹکنے سے نہ صرف جبرئیل علیہ السلام کے پُر جلتے تھے بلکہ مشائخ عظام کو آزادی سے سانس تک لینے کی جرأت نہ تھی۔

ادب کا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنسید و بازید آں جا

اپنی کتاب ایک غلطی کا ازالہ میں مرزا صاحب نے لکھا:-

"میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت "وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ" بروزی طور پر ہی

خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا ہی وجود قرار دیا ہے۔۔۔ پس جب کہ خدا نے تعالیٰ کے نزدیک حضرت مسیح موعود کا وجود خاص آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے یعنی خدا کے دفتر میں حضرت مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دُوتی یا معارف

نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی شان، ایک ہی مرتبہ، ایک ہی منصب اور ایک ہی نام رکھتے ہیں۔ گویا افظوں میں باوجود

دو ہونے کے ایک ہی ہیں تو یہ کس قدر حق سے غرغج ہو گا کہ حضرت مسیح موعود کے عین محمد ہونے سے انکار کریں۔" الفضل ۱۶۹

اپنی تصنیف تحقیق الوحی میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات جو آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں

انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنی ذات کو اُن کا مصداق ظاہر کیا:-

۱۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

يُحِبِّكُمْ اللَّهُ (آل عمران - ۳۱)

۲۔ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبَدَأَ الْإِنْسَانُ وَأَنَا

أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الانعام ۱۶۴)

۳۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ-

(الأنفال - ۱۷)

۴۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى-

(بنی اسرائیل - ۱)

۵۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ-

(انبیاء - ۱۰۷)

۶۔ لَيْسَ هُوَ الْقُرْآنُ الْحَكِيمُ إِنَّكَ لَمِنَ

الْمُرْسَلِينَ هُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (سین ۴)

۷۔ إِنْ أَفْتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ

مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (فتح ۲۱)

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ

اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (فتح ۱۰)

۹۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ

وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ-

(فتح - ۲۸)

کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی

کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔

اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھ کو اُسی کا حکم ہوا ہے اور

میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی مگر وہ اللہ تعالیٰ

نے پھینکی۔

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات میں مسجد

حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لیے

رحمت بنا کر۔

یسین۔ قسم ہے قرآن باحکمت کی کہ آپ پیغمبروں میں سے

ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔

بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ تاکہ

اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں۔

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ

خدا سے کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین

حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں

پر غلبہ عطا فرمائے۔

۱۰۔ فَخَرَدْنَا قَتَدِي فَكَانَ قَاتِبَ قَوْمَيْنِ
أَوْ أَدْنَىٰ - (النجم - ۸-۹)

پھر نزدیک ہوا پھر اتر آیا۔ پس بقدر دو کمان کے یا زیادہ
نزدیک تھا۔

۱۱۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنَ بَعْدِ
اسْمِهِ أَحْمَدٌ - (الصافات - ۶)

میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے
والا ہے۔ اُس کا نام احمد ہوگا۔

۱۲۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا
عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا -
(الزمر - ۱۵)

بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم
پر گواہی دے گا۔ جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول
بھیجا تھا۔

۱۳۔ إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَىٰ الْكَوْثَرِ - (کوثر - ۱)

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

ان غیر مانوس اور بعید از حقائق اقوال کی غمی کو اسلامی فکر و نظر کے لحاظ سے کم کرنے کے لیے یہ تفسیر پیش کیا جاتا
ہے کہ مرزا صاحب خود محمد و احمد ہیں۔ کوئی نئی اور علیحدہ شخصیت نہیں ہیں۔ اس انداز خیال کے چند نئے
درج ذیل ہیں :-

”وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے سرچشمے سے لیتا ہے اور زاپنے لیے بلکہ اُسی کے جلال
کے لیے۔ اسی لیے اُس کا نام آسمان پر محمد اور اُسمد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمد
ہی کوئی مگر بروہی طور پر مگر نہ کسی اور کوثر۔“ (ایک نسخی کا ازالہ)

”اور جان لو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے۔ ایسا ہی مسیح موعود
کی بروہی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے۔ پس جس نے ان کا انکار کیا، اُس
نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے
آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت اُن سالوں کے اقرب اور اکمل اور اشد ہے بلکہ چودھویں رات کے
چاند کی طرح ہے۔“ (خطبہ الہامیہ)

”جیسے کہ مومن کے لیے دوسرے احکام الہی پر ایمان لانا فرض ہے۔ ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان لانا
فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعثت ہیں۔“ (تفسیر کوثر)

”مَنْ فَرَّقَ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمُصْطَفَىٰ وَلَمْ يَفْعَلْ
کَیَا اور دونوں کو الگ الگ سمجھا، اُس نے مجھے
وَمَا رَأَىٰ۔“

شناخت کیا اور نہ پہچانا اور نہ ہی دیکھا نہ سمجھا۔“ (خطبہ الہامیہ)

”پھر اسی کتاب (ابراہیم احمدی) میں اس کلام کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ
وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا
گیا ہے اور رسول بھی۔“ (ایک نسخی کا ازالہ)

”فل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور جو مکہ میں تھے وہی محمد بنوں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس طور سے
خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی نہ حال محمد

صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا اور نہ کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ ہمدی موعود خلق اور خلق میں ہر رنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا اور اس کا اسم آنجناب کے اسم کے مطابق ہوگا یعنی اُس کا نام محمد اور احمد ہوگا اور اُس کی اہل بیت میں ہوگا۔

حاشیہ۔ یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی۔ اس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی اور خواب میں مجھے فرمایا کہ سَلَمَانٌ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ عَلَى مَشْرَبِ الْحَسَنِ میرا نام سلطان رکھا یعنی ذو سلم، اور سلم عربی میں صلح کو کہتے ہیں یعنی مقدر ہے کہ دو صلح میرے ہاتھ پر ہوں گی۔ ایک اندرونی کہ جو اندرونی بغض اور شخنا کو دور کرے گی۔ دوسری بیرونی کہ جو بیرونی عدوت کے وجود کو پامال کر کے اور اسلام کی عظمت دکھا کر، غیر مذہب والوں کو اسلام کی طرف جھکا دے گی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جو سلمان آیا ہے۔ اُس سے بھی مراد ہوں ورنہ اُس سلمان پر ذو صلح کی پیش گوئی صادق نہیں آتی اور میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں۔ اور حضرت فاطمہؑ نے کشفی حالت میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔ چنانچہ یہ کشف براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

مرزا صاحب کی وحی

مستقل نبوت کا لبادہ اوڑھنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ اُس کے دیگر لوازمات بھی سامنے لائے جاتے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ”دُرّ ثمن“ جو مرزا صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، کے صفحہ ۲۸ پر اُن کی یہ نظم درج ہے:-

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا بخدا پاک دامنش ز خطا
(میں جو کچھ خدا کی وحی سے سُناتا ہوں۔ بخدا اُسے خطا سے پاک جانتا ہوں)
ہمچوں قرآن مُنزّہ اش دامن از خطا ہا ہمیں ست ایسا نم
(میں اُسے قرآن کی طرح خطا سے پاک سمجھتا ہوں اور یہی میرا ایمان ہے)
بخدا ہست ایں قرآن مجید از دہان خدائے پاک و جید
(بخدا یہ پاک کلام اللہ تعالیٰ کی پاک زبان سے نکلا ہوا ہے)

مرزا صاحب نے اپنی ایک اور کتاب ”ربعین نمبر ۴“ میں لکھا:-

”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن پر۔“

ایک دوسری کتاب ”حقیقۃ الوحی“ میں لکھا:-

”میرے پاس انجیل آیا اس جگہ اہل خدا کے تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار

رجوع کرتا ہے۔ حاشیہ) اور اُس نے مجھے چن لیا اور اپنی آنکھ کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا پس مبارک وہ جو اُس کو پاوے اور دیکھے (ترجمہ)۔۔۔ اور خدا کا کلام اس قدر عجیب و غریب ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جڑو سے کم نہیں ہوگا۔ (مرزا صاحب کے مجموعہ وحی و الہامات کو ان کے پیروں کے کتاب البیّن کے نام سے یاد کرتے ہیں)

مرزا صاحب کے الہامات

وحی سے کہیں زیادہ الہامات تھے جو مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیے۔ الہامات کی اقسام اور الہامات پانے والوں کی کیفیات کے متعلق ازالہ اوہام میں لکھا ہے۔

الہام رحمانی بھی ہوتا ہے شیطانی بھی۔ اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے انکشاف کے لیے بطور استعارہ و استخبار وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اُس کے دل میں یہ توجہ فحش ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اُس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف نکالا جاتا ہے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو انہیں آجائے الہام ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لضعفاتِ اعلام ہی ہوتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں انہیں سُنانی دیتی ہیں وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں، ان کو آوازیں آتی ہوں گی۔ مگر ہم ہر آواز کو خدا سے تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے۔ جب تک اُس کے ساتھ وہ آواز و برکت نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔۔۔ جب تک اندرونی نجاست اور گندگی دور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اُس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جائے جو دُنیا ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آنے لگے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر فعل اور قول میں مقصود ہو۔ اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان اپنے اللہ کی آواز سُنتا ہے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی کا ارشاد مندرجہ اخبار الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

اور حقیقتہ الوحی میں لکھا ہے۔

”آسمانی نشانوں سے جتنے لینے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ اول وہ جو کوئی بُنرا اپنے اندر نہیں رکھتے اور کوئی تعلق خدا تعالیٰ سے ان کا نہیں ہوتا۔ صرف دماغی مناسبت کی وجہ سے ان کو بعض سچی خوابیں آجاتی ہیں اور سچے کشف ظاہر ہوتے ہیں۔

پھر دوسرے قسم کے خواب بین یا مَلُوم وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ سے کسی قدر تعلق ہے مگر کامل تعلق نہیں۔ پھر تیسری قسم کے مَلُوم و خواب بین وہ لوگ ہیں جو شہواتِ نفسانیہ کا چلا آتش محبتِ الہیہ میں جلا دیتے ہیں اور خدا سے تعالیٰ کے لیے تلخی کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے مجھے اس قبیلے سے درجے میں داخل کر کے وہ نعمت بخشی ہے کہ میری کوشش سے

نہیں بلکہ شکم مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے :-

مرزا صاحب کے الہامات اور عرفان الہی کے نمونے

آج یہاں مرزا صاحب کے چند الہامات پیش گوئیاں، روایا اور کشف بیان کیے جاتے ہیں :-
مرزا صاحب نے اپنی کتاب توضیح مرام میں اُس ذات پاک کے لیے جو کسے کعبہ شریف سے تین روزے اور
اُس کی تمثیل پیش کی ہے۔ دافع البلاء میں اپنا ایک کشف بیان کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے میرے رب سے میرے ساتھ
بیعت کی)

آپ کا ایک الہام ہے :- **يَا شَمْسُ يَا قَمَرُ أَنْتَ هُنِي وَأَنَا مِنْكَ** (اے سورج، اے چاند، تو مجھ سے
ہے اور میں تجھ سے ہوں)

ایک دوسرا الہام ہے :- **أَنْتَ هُنِي بِمَنْزِلَةِ وَلَدِي** (تو میرے لیے بیٹے کی طرح ہے)
ایک اور الہام ہے :- **إِنِّي مَعَ الرَّسُولِ أَجِيبُ أَخْطَى وَأُصِيبُ** (میں رسول کے ساتھ ہوں جواب دیتا ہوں
خطا بھی کرتا ہوں اور صواب بھی)

حقیقت الوحی میں اس پنج کے اور الہام بھی درج ہیں :-

۱۔ **يُتِمُّ اسْمُكَ وَلَا يُتِمُّ اسْمِي** اس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ تیرا نام کامل ہو گا میرا نہیں۔
۲۔ **إِنَّمَا امْرُؤُكَ إِذَا ارْتَدَّتْ شَيْئَانِ تَقُولُ** تیری وہ شان ہے کہ اگر کسی چیز کا تو ارادہ کرے اور اُسے
کہے تو وہ ہوجا تو وہ ہوجائے گی۔

۳۔ **أَنْتَ مِنْ مَّاءٍ نَارٍ وَهَرَمٍ فَنَشَلُ** تو مجھے پانی سے ہے اور وہ خشکی سے ہیں۔
۴۔ **الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِي** زمین و آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا وہ میرے ساتھ ہے

اس میں عربی دالی کا کمال بھی اظہار من الشمس ہے۔ مگر مرزا صاحب کے ماننے والے تو یہی کہیں گے کہ یہ مرزا صاحب
کی غلطیاں نہیں بلکہ اُن کے ملہم کی غلطیاں ہیں جس کی یہ زبان ہے کیونکہ اخطی و اُصیب یعنی خطا بھی کرتا ہوں اور صواب بھی
تو ملہم پہلے فرما ہی چکے ہیں۔

۵۔ **إِسْمِعْ وَلَدِي** اے میرے بیٹے بات سن (البشری جلد اول)
۶۔ **يَعْبُدُكَ اللَّهُ مِنْ عَرْشِهِ وَيَمْسِي إِلَيْكَ** اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے تیری تعریف بیان کرتا ہے اور
تیری طرف آتا ہے۔

۷۔ اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسا میں ہی ظاہر ہو گیا یعنی تیرا ظہور بعینہ میرا ظہور ہے۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس)
۸۔ **إِنَّا بَشَرُكَ بِعَلَامٍ مظهر الحق والعلی** ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو حق اور بلند
کا مظهر ہو گا۔ گویا خدا ہی آسمان سے اتر آیا۔

(استفتاء مصنف مرزا غلام احمد دینی)

حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی ہے کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح

عمری ہوئی کہ کو آپ دوست میں اور اللہ تعالیٰ نے روحیت کی قوت کا انہماک فرمایا۔
 شریعت نبویہ میں اس قدر قوی قوت کا انہماک فرمایا۔
 مرزا صاحب اور بھی فرماتے ہیں۔

مریم کی روح عیسیٰ کی روح میں نفع کی گہنی اور استعداد کے رنگ میں مجھے حاطہ صفا ہو گیا۔ اور
 آخر کوئی عیسے کے بعد جو اس عیسے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس ہمام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔
 پس اس صورت میں ابن مریم ختم ہوا۔

الشیخ لؤح المستفید مرزا صاحب قادیانی

انہی کلمات میں کہتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا عین ہوں اور یقین کر لیا کہ میں واقعی اللہ
 ہوں اور پھر میں نے آسمان بنایا اور زمین بنائی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا جاتا ہوں اور سوتا ہوں۔ (البشری جلد دوم)

۲۔ خدا نے فرمایا میں بھی روزہ رکھوں گا اور نماز بھی کروں گا۔ (تبلیغ رسالت جلد دوم)

۳۔ الہام ہوا، خدا قادیان میں نازل ہوگا۔ (البشری جلد اول)

۴۔ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دفع البلاء)

۵۔ الہام ہوا: تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے ہو الذی ارسل رسولہ بالحق

و دین الحق لیظهرہ علی الدین ککذہ واعجاز احمدی

۶۔ اربعین غریبہ میں بابو الہی بخش کئے متعلق یہ الہام درج ہے۔

بابو الہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا عیض دیکھے یا کسی پیری الہیہ کی پیر الہیہ سے مراد تعالیٰ تھے اپنے

الہامات دیکھنے کے گاہ تو تیرے میں گئے تھے میں وہ عیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا، ایسا بچہ جو منزل اللہ

کے ہے۔

۷۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک جبل میں ہوں اور میرے ارد گرد بہت سے درخت ہیں۔ ہندو اور سکھ وغیرہ ہیں اور اس سے

استدلال یہ کیا کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں۔

(بحوالہ قادیانی اخبار پیغام صلح لاہور۔ اپریل ۱۹۳۳ء)

۸۔ مرزا صاحب نے اپنا ایک دعویٰ بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک بتی ہے اور گویا ایک کہو تر ہمارے پاس ہے۔ وہ اس پر

معد کرتی ہے بار بار مٹانے سے باز نہیں آتی تو میں نے اس کی ناک کٹ دی ہے اور خون بہا رہا ہے پھر بھی باز نہیں آتی

تو میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اس کا منہ زمین پر گرنا شروع کیا۔ بار بار کراتا تھا۔ پھر بھی نہ اٹھاتی تھی تو آخر میں نے

کہا کہ آؤ اسے پھانسی دیں۔ (مکاشفات نوکنہ بابو منظور الہی قادیانی)

۹۔ روایا میں دیکھا جم ایک جگہ ہمارے ہیں ایک ہاتھی دیکھا اس سے بھاگے وہ ایک کوچہ میں چلے گئے۔ لوگ بھی بھاگے

جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ہاتھی کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کسی اور کوچہ میں چلا گیا ہے، ہمارے نزدیک نہیں آیا

پھر نظارہ بدل گیا۔ گویا گھر بیٹھے ہیں۔ قوم پر میں نے دو لوگ لکے ہیں جو وحی سے آئے ہیں پھر میں کہتا ہوں یہ بھی

نامرہی نکلا۔ اس کے بعد الہام ہوا۔ اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ ذُو النِّقَامِ۔ (تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات مرزا غلام احمد قادیانی ص ۳۳)
۱۰۔ مرزا صاحب کو دوسری شادی کے لیے اخراجات کی ضرورت ہوئی۔ الہام ہوا۔

”ہرچہ باید نو عروسی را ہمہ سماں کنم و آنچه در کار شما باشد عطاے آں کنم“
چنانچہ ایک جگہ سے پانچ صد اور دوسری جگہ سے تین صد روپے قرض مل گئے۔ (حقیقۃ الوحی)

۱۱۔ مرزا صاحب نے مواہب الرحمن میں مولوی کرم دین سکندر ضلع جلم کو لیسیم اور کذاب لکھا تھا حقیقۃ الوحی میں اس کی نسبت لکھتے ہیں۔

”مولوی کرم دین کے مقدمے میں جو گورداسپور میں ہوئے۔ کرم دین لیسیم اور کذاب کے معنی سنگین بیان کرتا تھا اور ہم خفیف۔ اُن دنوں الہام ہوا ہے معنی دیگر نہ پسندیم ما

۱۲۔ روایہ دیکھا کہ گویا ملک معظمہ قیصرہ ہند سلمہا اللہ تعالیٰ ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں۔۔۔ اور دو روز قیام فرمایا ہے۔
(مکاشفات ”مولفہ بابو منظور الہی قادیانی“)

۱۳۔ تذکرہ یعنی وحی مقدس مجموعہ الہامات میں آپ کا روایہ درج ہے کہ میں نے دیکھا کہ زار روس کا سونامیر سے ہاتھ میں آگیا ہے۔۔۔ غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے یا سونٹا۔۔۔ اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا اس کی تیرکمان میر سے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا میر سے پاس کھڑا ہے اور اس تیرکمان سے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔

(پروفیسر محمد الیاس برنی اپنی کتاب قادیانی مذہب میں یہ روایہ درج کر کے لکھتے ہیں کہ یہ تاریخ مرزا صاحب کی کشفی ہے ورنہ تاریخی لحاظ سے شیخ بوعلی سینا ۴۲۸ھ میں انتقال فرما چکے تھے اور خوارزم شاہی حکومت کے ساتوں کے ساتوں سلاطین کی حکمرانی کی کل مدت ۴۹۰ھ سے ۶۲۸ھ تک ہے یعنی بوعلی سینا خوارزم شاہی دور سے ۶۲ سال قبل ہی اس جہان فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔)

مرزا صاحب کی پیش گوئیاں

مرزا صاحب کے بہت سے الہامات پیش گوئیوں کی شکل میں ہیں جنہیں وہ اپنی صداقت کا معیار اور نشان قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض پیش گوئیاں مرزا صاحب کی تاویلات اور اصل واقعات کے ساتھ بلا کم و کاست درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ بذریعہ الہام الہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے یہ نام بذریعہ الہام الہی معلوم ہوئے: بشیر الدولہ، عالم کیاب، شادی خان، کلمۃ اللہ خان (البشری جلد دوم)

نوٹ: بجانب مولف البشری۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیش گوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہوگی۔

گو حضرت اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعے سے فرمایا تھا۔ مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہیں اس لیے

اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہر صورت یہ پیش گوئی مشابہات میں سے ہے۔ (البشری جلد دوم۔ مجموعہ

الہامات مرزا صاحب مولفہ بابو منظور الہی قادیانی لاہوری)

اس کے متعلق مرزا صاحب نے خود حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ اس لڑکے کا نام بشیر الدولہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے

ہماری ترقی سلسلہ کے لیے بشارت ہونا تھا۔ اور عالم کباب اس وجہ سے کہ اگر لوگ توبہ نہیں کریں گے تو بڑی بڑی آفتیں دُنیا میں آئیں گی۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا قیامت خیز زلزلہ کا پیش خیمہ تھا۔ مگر میں نے دعا کی اور اس زلزلہ میں تاخیر ڈال دی گئی چنانچہ آج کل کی سلسلہ کو لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جو بشارت ہے کہ زلزلہ میں تاخیر ڈال دی ہے۔

۲۔ اپنی تفسیر اعجاز المسیح کی نسبت مرزا صاحب نے الہام شائع کیا۔

مَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَزَّ فَسَوْفَ يَمُرُّ إِنَّهُ تَنْدَمَ وَتَدَّ مَرَّ (جو شخص اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو گا وہ شرمندہ ہو گا اور ہلاک ہو گا)

لیکن جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کتاب سیفِ چشتیائی میں اس تفسیر پر ایک سو سے زیادہ اعتراضات نظر سے گزرے تو ایک شخص شہاب الدین نامی کے خط کا حوالہ دے کر لکھ دیا کہ یہ اعتراضات مولوی محمد حسین فیضی مدرس النجف نھانیہ لاہور نے قلم بند کیے تھے جو بڑی موت مر گیا۔ اور میری الہامی پیش گوئی پوری ہوئی۔

مگر مقدمہ فضل الدین بنام کرم الدین میں مرزا صاحب نے بطور گواہ جو حلفی بیان دیا یہ تھا:-

”الہام اتی مہین من اراد اہانتک (جو تیری اہانت کرے گا میں اُس کی اہانت کروں گا) کئی سال پہلے مجھ کو ہوا تھا یعنی مقدمات سے کئی سال پہلے۔ یہ پیش گوئی من قَامَ لِلْجَوَابِ تَنَزَّ فَسَوْفَ يَمُرُّ کی نسبت نہیں ہے۔

سوال۔ یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوئے کہ نہیں یعنی متعلق مولوی محمد حسین فیضی اور پیر مہر علی شاہ؟
جواب۔ پہلے میں نے قبل سراج الاخبار شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔

۳۔ جب مرزا صاحب کا لڑکا مبارک احمد فوت ہوا تو ساتھ ہی خدائے تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔ اَنَا فَبَشِّرْكَ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ يَنْزِلُ مِنْزِلَ الْمُبَارَكِ یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہو گا (اشہار مرزا صاحب ۵۔ نومبر ۱۸۹۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم) لیکن اس کے بعد مرزا صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۴۔ ایک عمر رسیدہ عیسائی مناظر عبداللہ آتھم کے ساتھ مرزا صاحب نے مناظرہ کیا تھا۔ بعد مناظرہ ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کو آپ نے اپنا ایک الہام شائع کر کے اعلان کیا کہ آتھم پندرہ ماہ کے اندر بسزائے موت پاویں گے گرایا جائے گا بشرطیکہ اُس نے اسلام قبول نہ کر لیا اور لکھا کہ اگر یہ پیشین گوئی بھولی نکلی تو میں ہر ایک سزا کے لیے تیار ہوں۔

”مجھ کو ذلیل کیا جائے۔ رُو سیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رستہ ڈال دیا جائے مجھ کو پھانسی دی جائے۔“

لیکن وہ ضعیف آدمی پیش گوئی کی مدت الاختتام یعنی ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے بعد بھی کئی سال تک زندہ رہا۔ اس لیے ابتداً مرزا صاحب نے یہ پوزیشن اختیار کی کہ وہ دل میں مسلمان ہو گیا ہے۔ مگر جب اُس نے امرتسر وغیرہ میں جلسے کر کے اپنے دل میں مسلمان ہونے کی تردید کی تو مرزا صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ پیش گوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہاویہ سے مراد ذلت تھی جو اُسے کفر میں مبتلا ہونے کے باعث نصیب ہو رہی ہے۔

۵۔ مرزا صاحب نے ۱۸۸۶ء میں اپنے مائوں زاد بھائی مرزا احمد بیگ کی لڑکی محمدی بیگم کے ساتھ اپنے نکاح کی خواستگاری کی تھی۔ اُن کی عمر اُس وقت ۴۶ برس کی تھی۔ اور وہ لڑکی مشکل ۱۲ سال کی تھی ۱۸۸۸ء میں اُنہوں نے اپنا الہام

شارع فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے **لَوْ جُنَّا كُفَّاهُنَّ** میں نے اسے تیری زوجہ بنا دیا ہے۔ باکرہ یا بویہ جو کہ بہر حال تیری نجات میں آئے گی۔ اگر کہیں اور اس کا نکاح کیا گیا تو اس کا خاوند از حدانی سال اور والدین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ محمدی بیگم کے والد تو اس میعاد کے اندر فوت ہو گئے مگر وہ خود اور اس کا خاوند مرزا سلطان محمد خود مرزا صاحب کے بعد بھی بہت عرصہ تک زندہ رہے۔ مرزا صاحب اس پیش گوئی کے سلسلہ میں اس قدر آگے چلے گئے تھے کہ کوئی واپسی کا دروازہ یا راہ گریز نہ رہا تھا۔ اپنی کتاب **انجام آختم** ۱۸۹۷ء میں لکھتے ہیں:-

”میں اس پیش گوئی کو اپنے صدق اور کذب کا معیار ٹھہراتا ہوں۔ اور میں نے اس وقت تک یہ بات نہیں کہی جب تک مجھ کو اپنے رب کی طرف سے اس بات کی اطلاع نہیں دی گئی۔۔۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی موت تقدیر مبرم ہے۔ اس کا انتظار کرو۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔“

مرزا صاحب نے ستم بالائے ستم یہ کیا کہ اس نکاح کی پیش گوئی حدیث شریف سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس پیش گوئی کی تصدیق کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے پیش گوئی فرمائی تھی کہ **يَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهَا** یعنی وہ مسیح کو خود بخوبی کرے گا اور صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں۔ کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں۔ بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا۔ اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔“

(مرزا صاحب کا اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۸ء)

مرزا صاحب البتہ یہ بھول گئے کہ تزوج اور اولاد کے اس حدیث شریف میں ذکر کا خاص مقصود یہ تھا کہ حضرت مسیح ابن مریم نے رفع آسمانی سے قبل نکاح نہیں کیا تھا۔ اس لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیاہ کریں گے اور آپ کی اولاد بھی ہوگی۔

حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کے انتقال کے بعد ریلوے آفٹ یہ طبع ۱۰ ماہ جون۔ جولائی ۱۹۰۵ء میں اس پیش گوئی کی یہ تاویل کی کہ مرزا صاحب کی اولاد میں سے کوئی شخص محمدی بیگم کی اولاد میں سے کسی لڑکی سے نکاح کرے گا۔

۶۔ مرزا صاحب نے البرہیہ میں اپنی پیدائش ۱۳۹۱ھ یا ۱۸۴۰ء کی تحریر کی ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۱ء کو گورداسپور کی عدالت میں صغی بیان دیتے ہوئے بھی اپنی عمر ساٹھ سال کے قریب بتلائی۔ اور آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کو فوت ہوئے۔ اس طرح آپ کی عمر ۶۸ یا ۶۹ برس ہوئی۔ لیکن **مواہب الرحمن** ”تذکرہ“ اربعین فربر ۱۳۲۴ھ کو لکھتے ہیں آپ کے اہامات کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

”تیری عمر اتنی برس ہوگی یا اس کے قریب یا چند برس زیادہ۔ اور تو اس قدر عمر پائے گا کہ ایک

دور کی نسل کو دیکھ لے گا۔“

مرزا صاحب نے ایک سابق ارادت مند ڈاکٹر عبدالحکیم اسٹنٹ سرجن ٹپالہ نے جو ۲۰ برس بعد مخالفت محاذ میں

چلے گئے تھے یہ پیش گوئی اشتہر کی کہ:-

نِزَاہِ ذُمَرۃ ابدال بابت ترمید علی الخصوص اگر آہ میسر نہ باشد

اگرچہ ان سب پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کی جماعت کے پاس کوئی نہ کوئی تاویل موجود ہے۔ مگر بعض پیش گوئیاں ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے پر انہیں اصرار ہے۔ آریہ سماجی لیکچر ام کی ہلاکت کی پیش گوئی مرزا صاحب نے کی تھی کسی غیور مسلمان نے اس ملعون شاتم رسول کو قتل کر دیا۔ پولیس کی تفتیش میں مرزا صاحب پر قتل کی تحریک اور اعانت کا شبہ ہوا۔ اور آپ کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ ممکن ہے ان کا اس میں ہاتھ نہ ہو۔ اور کسی راسخ العقیدہ مسلمان نے ہی غازی علم دین کی طرح وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیْوۃٌ یَّا اُولِی الْاَلْبَابِ (اور اے عقل مندو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے) کے منہ مان پر عمل کیا ہو۔

کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کے نشان کی صورت میں ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگا۔ لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نظر سے نہیں گزرا کہ مرزا صاحب نے اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی۔ ویسے اگر کوئی کی بھی ہوتی تو اُس میں کوئی خصوصیت نہ تھی۔ کیونکہ ان امور کا علم سالہا سال قبل عام نجومی اور ہیت دان بھی علم اور حساب سے حاصل کر لیتے ہیں اور جہتوں میں قبل از وقت شائع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس سے مقصود اُس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت امام مہدیؑ کے زمانہ میں چاند گرہن کا ذکر ہے تو یہ امر صریح پر واضح ہے کہ اُس میں رمضان شریف کی پہلی رات کو چاند گرہن کا ذکر ہے جسے لفظ ہلال سے بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ اور ایسا گرہن واقعی نادرات میں سے ہے اور وہ مرزا صاحب کے وقت میں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے زلزلوں اور طاعون کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں اور وہ درست نکلیں۔ لیکن اس قسم کی پیش گوئیوں کے متعلق مرزا صاحب کا اپنا ارشاد ملاحظہ فرمائیے گا۔

”اس در ماندہ انسان (مسح) کی پیش گوئیاں کیا تھیں صرف یہی کہ زلزلے آئیں گے۔ قحط پڑے گا۔ لڑائیاں ہوں گی۔ پس اُن دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیش گوئیاں اُس کی خدائی پر دلیل ٹھہرائیں۔ اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا۔ کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے، کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے۔ کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ شروع نہیں رہتا۔ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیش گوئی کیوں نام رکھا؟“
(ضمیمہ انجامِ اتھم۔ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

الہامات کے متعلق حضرت قبلہ عالم کا فرمان

یہاں پر ضمناً حضرت قبلہ عالم کا وہ بیان بھی درج کیا جاتا ہے جو آپؑ نے اپنی تصنیف ”سیفِ چشتیانی“ میں مرزا صاحب کے الہامات کے متعلق تحریر فرمایا ہے :-

- ۱۔ الہاماتِ کاذبہ۔ جن کے جھوٹے ہونے پر وہ خود ہی شاہد ہیں۔
- ۲۔ الہاماتِ کاذبہ۔ جن کو پورا نہ ہونے پر کاذب قرار دیا گیا۔
- ۳۔ الہاماتِ صیادیہ :- جن کا ابنِ صیاد کے الہام کی طرح اگر سر ہے تو پاؤں نہیں اور اگر پاؤں ہے تو سر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ دُخان کا خیال دل میں رکھ کر ابنِ صیاد سے فرمایا تھا میں نے اپنے دل میں کوئی چیز چھپا رکھی ہے بتاؤ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ دُخ۔ فرمایا: خوار ہو، تو اپنی قدر سے ہرگز تجاؤ نہ کرے گا۔

۴۔ الہاماتِ شیطانیہ۔ جن کو کسی پڑھے ہوئے آدمی نے اس کے قلب میں ڈال دیا ہے۔

۵۔ الہاماتِ شیطانیہِ جلیہ، اور

۶۔ الہاماتِ شیطانیہِ معنویہ۔ ان کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فتوحاتِ مکّیہ کی عبارت بدیں خلاصہ درج فرمائی ہے

کہ شیطان جتنی اور انسی کے درمیان قیصر شیطان معنوی پیدا ہو جاتا ہے کبھی شیطان انسان کے دل میں ایک خاص شخصی مضمون ڈال دیتا ہے مثلاً کہ تو مسیح موعود ہے۔ اور کبھی ایک امر عام قاعدہ کے مطابق ڈال کر وجوہ فاسدہ اور استدلالات

کاسدہ کا دروازہ کھول دیتا ہے جن کو شیطان معنوی کہا جاتا ہے مثلاً یہ استدلال کہ جس پر انور غیبیہ منکشف ہوں۔ وہ

بصدق آیت فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا أَمِنَ الرَّحْمَنُ مِنْ سُؤْلِ (اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع

نہیں فرماتا) بجز اپنے رسول کے جس کو چاہے نبی و رسول ہے چاہے جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے الہاماتِ صیادیہ کا نام استدراج اور مکر الہی رکھا

ہے۔ اور اس منزل میں لغزش سے بچنے کا یہ طریق فرمایا ہے کہ اگر اس منزل کا صاحب سارے تصرفات میں خدا کی جناب

سے اطلاع نہ پاسکے تو اتنا اہتمام اُس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنے پیغمبر کی شرع کو جو اُس کے لیے بطور میزان

مقرر کی گئی ہے ہرگز نہ چھوڑے تاکہ وہ میزان اُسے مکر الہی سے محفوظ رکھے۔ اور شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن

مدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ شبہ واقع ہوا تھا اور اس الہام نے دھوکا دیا تھا کہ تو عیسیٰ بن مریم ہے۔ اور شیطان کے بہکانے

کے متعلق حضرت شیخ اکبر کی کتاب فتوحاتِ مکّیہ کی عبارت درج کر کے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بطور خلاصہ فرماتے ہیں

کہ جس شخص کو شیطان جتنی بہکانا چاہے تو کبھی ایک مضمون خاص شخصی اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مضمون عام

پھر وہ شخص طرح طرح کے استنباط اور استدلالات اور تفقہ اور برہان زعمیہ نکالتا ہے جن میں مشاقی کی وجہ سے شیطان بھی

اُس کی شاگردی پر نازاں ہوتا ہے مضمون خاص مثلاً تو مسیح موعود ہے قادیانی صاحب سے پہلے بھی کسی ایک لوگوں پر اتنا

ہو چکا ہے مگر ان لوگوں کو اپنے مشائخ کی ہدایت اور میزان شرعی کے التزام سے اللہ جل شانہ نے محفوظ فرمایا۔ کما قال

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ، فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْفِي الشَّيْطَانَ۔

مرزا صاحب اور قرآن و حدیث

قطعی نبی بننے اور صاحبِ وحی و الہام ہونے کے دعوے کے بعد مرزا صاحب نے اپنی توجہ قرآن و حدیث کی

طرف بڑھائی تاکہ اُن میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے ضروری رد و بدل کیا جاسکے۔ بقول اُن کے خدا نے مجھے مسیح موعود

بنا کر بھیجا ہے اور مجھے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں جھوٹی اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی

ہے۔ (زاربعین نمبر ۴) اور

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اُس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے

اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔ (تحفہ گوگردیہ)

اُن کے فرزند میاں محمود احمد صاحب اپنے ایک خطبہ میں اس موضوع پر یوں بیان فرماتے ہیں:-

”اب کوئی قرآن نہیں سوائے اُس قرآن کے جو مسیح موعود نے پیش کیا۔ اور کوئی حدیث نہیں سوائے

اُس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اُس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے۔۔۔ اگر کوئی چاہے کہ آپ سے (یعنی مرزا صاحب سے) علیحدہ ہو کر کچھ دیکھ سکے تو اُسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر قرآن کو بھی دیکھے گا تو اُس کے لیے یٰھٰدِی مَنِ یَّشَاءُ والا قرآن نہ ہوگا بلکہ یٰضِیِّ مَنِ یَّشَاءُ والا قرآن ہوگا۔۔۔ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے، حدیث کی کتابوں کی مثال تو مداری کے چارے کی ہے جس طرح مداری چاہتا ہے اُس میں سے نکال لیتا ہے اُسی طرح اُن سے جو چاہو نکال لو۔ (الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء)

مسلمانوں سے اسلام کے ہر اصول پر اختلاف

قرآن و حدیث کے مطالب کو بدل ڈالنے کے اس خود ساختہ اختیار کو مرزا صاحب نے مسلمانوں سے ہر مسئلہ پر اختلاف کھڑا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ وہ نہ صرف اُمت محمدیہ کے مذہبی عقائد اور دینی نظریات ہی سے الگ ہوئے بلکہ اُس کی اکثر و بیشتر قومی اقدار اور ملی تقاضوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ اُن کے صاحبزادے مرزا محمود احمد نے اس کے متعلق اپنے ایک نوے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مژدے سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا چند اور مسائل میں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں اُن سے اختلاف ہے۔ (الفضل ۳ جولائی ۱۹۳۱ء)

اگر وہ تمام مسائل یہاں بیان کیے جائیں جن میں مرزا صاحب نے اُمتِ مسلمہ سے اختلاف کیا تو اُس کے لیے کہنی جلدیں درکار ہوں گی۔ یہاں اُن میں سے صرف چند ایک بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی مختصر امرزا صاحب کے دلائل کے متعلق تشریح بھی دی جاتی ہے۔

نزولِ ملائکہ

مرزا صاحب نے فرشتوں کو ارواح کو اکب قرار دیا ہے۔ ایامِ الصبح میں تحقیق فرمایا کہ فرشتے اگر زمین پر نازل ہوں تو آسمان سے ستارے گر جائیں۔ اس کا استدلال ان آیات سے کرتے ہیں:-

۱۔ وَكُلُّوا نَزَّلْنَا مَلَكًا لِّقَضَى الْأَمْرِ شَحْرًا لَا يُنْظَرُونَ۔ (الانعام ۸)

۲۔ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا۔ (بنی اسرائیل ۹۵)

حالانکہ ان آیات کا نفسِ مضمون مطلق نزولِ فرشتگان کے متعلق نہیں ہے بلکہ کفار کے محض اس اعتراض کا جواب ہے کہ

کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا۔ بفضل پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہی آیت کا مضمون یہ ہے :-

وَلَوْ أَنَّا أَهْلُ الْكِتَابِ كُنَّا فِي قُرْطَابٍ خُلِقَ سُبُوحًا يُرْسِلُ
لَقَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّشْتَبِهٌ ۚ وَلَوْ
لَوْ لَا أَنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۚ وَلَوْ أَنزَلْنَا هَكَذَا لَقُلْنَا لَآئِمٌّ
شَرٌّ لَا يُنْظَرُونَ ۚ (الزَّعَامِر - ۱۰)

اور اگر ہم تم پر کوئی کوفہ پر لکھی ہوئی کتاب بھی اتار دیتے اور
لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی
کافر یہی کہتے کہ یہ تو سحر جادو ہے اور کہتے ہیں اس پر
کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو اب
تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ پھر انہیں ہمت نہ دی جاتی۔

اسی طرح دوسری آیت مضمون ذیل ہے :-

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى
إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۚ قُلْ لَّوْكَانَ
فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّتَمَشَّوْنَ مَطْمَئِيتِينَ لَنُنَزِّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ۚ

اور لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ
گئی صرف اسی چیز نے روکا ہے کہ کہنے لگے کیا اللہ
نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ وہ اگر زمین میں فرشتے
اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے ان پر
فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

(یعنی اسرائیل ۹۳-۹۵)

چنانچہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال قرآن کے نفس مضمون سے بہت دور اور غیر صحیح ہے۔ اس کے باوجود
”ازالہ اوہام“ میں سورہ قدر - ۴

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ
كُلِّ أَمْرٍ ۚ

اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے
حکم سے ہر کام پر۔

کی تفسیر کرتے ہوئے نزول ملائکہ کو تسلیم کرتے ہیں نیز میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی ڈائری ”مذہب اخبار الفضل“ ۱۰ اپریل
۱۹۲۲ء میں تحریر ہے :-

میری عمر نو یا دس برس کی تھی۔ میں اور ایک اور طالب علم ہمارے گھر میں کھیل رہے تھے۔ وہیں ایک لماری
میں ایک کتاب پڑھی تھی۔ وہ ہمارے دادا صاحب کے وقت کی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ اب جبریل نازل
نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ میرے آباؤ تو نازل ہوتا ہے۔ ہم میں بحث ہو گئی۔ آخر ہم دونوں مرزا صاحب
کے پاس گئے۔ اور اپنا اپنا بیان پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کتاب میں غلط لکھا ہے۔ جبریل نازل اب بھی
آتا ہے۔

”مواعظ الرحمن“ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

آمد نزد من جبریل علیہ السلام و مرارۃ گزیدہ گردش واد انگشت خود را و اشارہ کرد حشا اثر از دشمنان
نکاح خواہ داشت۔

گویا وقت وقت کی بات ہے جس وقت جو دلیل مقصد کے مطابق نظر آتی استعمال کر لی۔ الزام تضاد و تبدیل اعتقاد

کی پرواہ نہیں۔

رُوحِ انسانی

بُروئے قرآن رُوحِ عالمِ امر سے ہے اور عالمِ امر اُن موجودات کا نام ہے جو جس اور خیال اور جہت اور مکان سے ماورئی ہیں۔ پھر حدیث شریف میں آیا ہے کہ:-

الرُّوحُ أَحْجُوذٌ مُّجَنَّدَةٌ كَمَا تَعَارَفَتْ مِنْهَا الْمُتَلَفَاتُ
مَا تَنَافَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔
اُروحِ حقِ تعالیٰ کے مجتمع لشکر ہیں۔ اُس عالم میں جن کا باہم پیار تھا وہ یہاں بھی باہم پیار کرتے ہیں۔ اور جن کی باہم مخالفت تھی یہاں بھی مخالفت ہے۔

لیکن مرزا صاحب نے اپنی تقریر طبع مذہب لاہور مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۱ء میں انسانی رُوح کے متعلق تحریر کیا ہے:-
”ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں سو یہی بات صحیح ہے کہ رُوح ایک لطیف اور بے جو اس جرم کے اندر ہی پیدا ہو جاتا ہے جو جرم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتدا سے لطف میں موجود ہوتا ہے۔“

”یوم الدین“

وَسَيُحْيِي زَمَانَ الْمَسِيحِ الْمَوْعُودِ يَوْمَ الدِّينِ لَا تَنَافَرُ
يُحْيِي فِيهِ الدِّينُ۔
اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے زمانہ کا نام یوم الدین رکھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں دین کو زندہ کیا جائے گا۔

حالانکہ قرآن حکیم میں جا بجا یوم الدین کے معنی روزِ قیامت کے لیے گئے ہیں۔
وَإِنَّ الْفَجَارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ
(الانفطار ۱۴-۱۵)

۲۔ وَمَا آذُرَكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ شَرُّ مَا آذُرَكَ
مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا
وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝ (الانفطار ۱۷ تا ۱۹)

جہاد بالسيف

مرزا صاحب نے اُس زمانہ میں جب کہ عیسائی حکومتیں خصوصاً انگلستان، فرانس اور روس، اسلامی سلطنتوں کو ترو بالا کر رہی تھیں، جہاد بالسيف کو تمام مسلمانوں پر حرام قرار دیا اور اہل اسلام، احادیث کے حوالہ سے جس مہدی اور مسیح کے منظر تھے انہیں غوثی مہدی اور غوثی مسیح کہا۔ اس کے بعد مسلمانانِ عالم پر یہودی اور عیسائی حکومتوں کی طرف سے جو کچھ گُزرا اور گُزر رہا ہے اُسے نہ نظر رکھتے ہوئے آج مرزا صاحب کی اپنی جماعت بھی اُن کے مندرجہ ذیل اشعار کو چنداں درخور اعتناء نہیں سمجھتی ہے۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
اب آگیا مسیح جو دیں گا امام ہے
اب آسمان سے نورِ حُجُود کا نزول ہے
اب آگیا مسیح جو دیں گے اب جگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دیں گے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آگیا مسیح جو دیں گے اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد

منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے احمق (اعلان مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نم)

۱۹۲۹ء میں جب غازی علم دین نے راج پال شاتم رسول کو قتل کیا تو مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ قادیان نے اپنی تقریر میں اس فعل کی سخت مذمت کی اور کہا کہ کسی نبی کی توہین کے سلسلہ میں قتل جائز نہیں ہے لیکن دو سال بعد ہی مئی ۱۹۳۱ء میں جب ان کا اپنا ایک مرید قاضی محمد علی نوشہروی، ایک مسلمان حاجی محمد حسین کے قتل کے باعث پھانسی کی سزا پا گیا، کیونکہ مقتول حاجی محمد حسین نے مرزا بشیر الدین کی توہین کرنے والے ایک شخص کی محض ضمانت دی تھی تو مرزا بشیر الدین محمود اور ان کے اخبار "الفضل" نے قاضی محمد علی کے اس فعل یعنی ارتکاب قتل کو ایمانی غیرت قرار دیتے ہوئے اُس کی بہت تعریف کی اور روایا اور مکاشفات کے ذریعہ اُس کی اُخروی بشارات کا ذکر کیا۔

معراجِ جسمانی

مرزا غلام احمد ازالہ ادھام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ معراج (معاذ اللہ) اس جسمِ کثیف سے نہ تھی بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کاشف تھا۔ اور اس قسم کے کشفوں میں موتلف (یعنی مرزا صاحب) خود صاحب تجربہ ہے۔

احترامِ انبیاء

عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کئی طرح کے نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں اور مسلمانوں سے کہا ہے کہ میں عیسائی مناظرین کے مقابلے میں اُن کے یسوع مسیح کے متعلق بات کر رہا ہوں جو ایک معبودِ باطل اور فرضی شخصیت ہے لیکن جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نبی کے متعلق بات کرتے ہیں تو بھی اندازِ گفتگو کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا چنانچہ اپنی کتاب دافع البلاء میں لکھتے ہیں :-

"مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی، بلکہ کبھی نبی کو اُس پر ایک فضیلت تھی کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی یہ نہیں سُنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں یا سر کے بالوں سے اُس کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اُس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں بھی علیہ السلام کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔"

اور ضمیرِ نزولِ المسیح میں لکھا ہے :-

"اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور اُن کی پیشین گوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی اُن کے جواب دینے سے حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور حضرت عیسیٰ نبی ہیں کیونکہ قرآن نے اُن کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اُن کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشین گوئیاں صاف طور پر چھوٹی نکلیں۔"

انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں چھوٹی نکلیں عصمتِ انبیاء اور مقصدِ نبوت کے منافی ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو کوئی پیشین گوئی چھوٹی نہیں نکلی، البتہ مرزا صاحب کو کیا خبر تھی کہ اُن کے بعد اُن کی امت کو اسی قبیل کا ماتم کرنا پڑے گا اگر ان کو یہ معلوم ہوتا تو ایسی بے سود بات ہرگز تحریر نہ کرتے۔

چونکہ مرزا صاحب اپنی کتابوں میں حضرت مسیح اور اُن کی والدہ علیہا السلام کی شان پاک میں بہت سے نازیبا کلمات استعمال

کر چکے تھے۔ اس لیے بدیں احتمال کہ مبادا برطانوی ہند کی عیسائی حکومت اپنی مقدس ہستیوں کی توہین سے ناراض ہو کر مؤاخذہ پر آمادہ نہ ہو جائے، حسب ذیل اقتدار بعنوان حضور کو رنٹ عالیہ کی خدمت میں ایک عاجزانہ درخواست تحریر کر کے پیش کیا۔

میں اس بات کا بھی اقرار ہی ہوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی... اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کیے... تو مجھے ان کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں میں جو ایک جوش رکھنے والی دم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سمجھتی سے جواب دیا جائے تا سرریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بے امنی پیدا نہ ہو۔

اس درخواست کی نقل ضمیر تریاق القلوب میں درج ہے۔

آل نبی کا احترام

مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات اور اشتہارات میں جا بجا اپنے آپ کو آل نبی، وارث رسول اللہ، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی جہاں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سعی میں آل محمد کے صلی اور خونی رشتہ کو جس طرح مقابلہ کم مرتبہ و کم پایہ دکھانا چاہا ہے اُس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

تریاق القلوب صفحہ ۹۹ پر آل محمد کے عنوان میں لکھتے ہیں:-

”سو اس قرینہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی دنیوی رشتہ مراد نہیں ہے بلکہ آل سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرزندان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ بلکہ ہر جگہ آل کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مراد ہے نہ دنیوی رشتہ جو ایک سفلی اور فانی امر ہے جو موت کے ساتھ ہی لا انساب بیدنہم کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ نبی کا نفس کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ آل کے لفظ سے محض اس کی یہ غرض ہے کہ عام دنیا داروں کی طرح ایک سفلی اور فانی رشتہ کا لوگوں کو پیرو بنانا چاہیے۔۔۔۔۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ یہ دنیوی رشتہ اسی دنیا تک ختم ہو جاتے ہیں اور قیامت میں انساب نہیں رہیں گے اور اس کا نبی ایک ادنیٰ سے رشتہ پر ہی زور دیتا رہے جو لڑکی کی اولاد ہے۔۔۔۔۔ اس قسم کی آل جو فیک جیسے نام کے باغ اور چند درختوں کے لیے لڑتے پھریں اور مشتعل ہو کر کبھی ابو بکر کو برا کہیں اور کبھی عمر کو۔“

لیکن جہاں مرزا صاحب کی اپنی اہل بیت اور فرزندان کا سوال آجائے تو یہ اصول کارفرما نہیں رہتا۔ چنانچہ اپنے ایک الہام میں آیت تطہیر تلاوت فرما کر اپنے گھر والوں کو طاہر اور مطہر بنائے جانے اور اذہاب جس کی بشارت دیتے ہیں اور جس ملازمہ لڑکی نے آپ کے عصوم بچہ کو اٹھا رکھا تھا اسے شعار اللہ میں شمار کرنے کی روایت آپ کی جماعت کے مفتی صاحب کی زبانی بطریق ذیل ہے:-

”بہشت میں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہم مسیح موعود کی روحانی اولاد ہیں اور ہمیں مسیح موعود کی اولاد کی کیا پرواہ ہے۔ اگر وہ مسیح موعود کی روحانی اولاد ہو سکتے ہیں تو کیوں یہ بات مسیح موعود کی جسمانی اولاد کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے دو باتیں جمع ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک خادمہ کو جس نے صاحبزادہ بشیر احمد کو اٹھایا ہوا تھا، کسی شخص نے کوئی کام کرنے کو کہا، اُس نے کہا میں ابھی یہ کام نہیں کر سکتی۔ اس پر اُس نے اُس کے منہ پر تھپڑ مارا حضرت مسیح موعود کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا میری یہ اولاد شعائر اللہ میں داخل ہے۔ اُس عورت کو جس نے بچہ اٹھایا ہوا تھا جس نے مارا ہے اُس نے شعائر اللہ کی ہتک کی ہے۔ پس جو خدا کے تعالیٰ کے نشانات ہوں اُن کی تعظیم کرنی چاہیے۔“

(تقریر مفتی محمد صادق قادریانی بر موقعہ جلسہ لائڈ، مندرجہ اخبار الفضل)

(مورخہ ۸ جنوری ۱۹۲۲ء)

مرزا صاحب ”نزول المسیح“ میں لکھتے ہیں :-

”افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو امام حسینؑ کو اہلبیت کا حق بھی نہیں دیا بلکہ نام تک مذکور نہیں۔ ان سے تو زید ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا قرآن شریف کی نص صریح کے برخلاف ہے جو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ سے سمجھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ رجال میں سے تھے، عورتوں میں سے تو نہیں تھے۔ حق تو یہ ہے کہ اس آیت نے اُس تعلق کو جو امام حسینؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ پسہ دختر ہونے کے تھا نہایت ہی ناچیز کر دیا ہے۔“

معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ لکھتے وقت آل عمران - ۶۱ آیت مبالغہ میں :-

قُلْ تَعَالَوْاْ اِنْدُءِ اَبْنَاءَكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ وَاَبْنَاءُكُمْ
وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ
اللّٰهِ عَلٰى الْكَٰذِبِيْنَ ۝

تو کہہ دے اؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں
اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں
پھر سب التجا کریں اور اللہ کی لعنت اُن پر جو جھوٹے ہوں۔

اَبْنَاءَنَا کا مصداق، سورہ طور ۲۱ میں :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَتَّبَعْتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَمَّا اَللّٰهُمَّ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۝ كُلُّ
اٰمِرٍ ۝ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی
پیروی کی۔ ہم اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی (جنت میں) ملا
دیں گے اور اُن کے عمل میں سے بھی کچھ کم نہ کریں گے۔ ہر
شخص اپنے عمل کے ساتھ وابستہ ہے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ کا مفہوم، اور سورہ شوریٰ ۲۳ میں :-

كُلٌّ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی ۝
کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری
کی محبت کے۔

مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی کے معانی اور جن صحیح حدیثوں میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؑ کو اپنا بیٹا کہا ہے
مرزا صاحب کے ذہن میں نہیں تھے ورنہ ایسی زبان درازی نہ کرتے۔

دُرّ ثَمین "مجموعہ کلام مرزا صاحب میں تحریر ہے :-

اُسے قوم شیعہ، اس پر امر امت کرو کہ خُصینؑ تمہارا مُنہجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک شخص ہے (یعنی مرزا صاحب) کہ اس حسینؑ سے بڑھ کر ہے ۔

کربلا نیت سیر ہر دم آم صد حسینؑ است در گریبانم

مرزا صاحب کے صاحبزادہ نے خطبہ جمعہ میں اس شعر کی تشریح میں یہ الفاظ کہے :-

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :-

کربلا نیت سیر ہر دم آم صد حسینؑ است در گریبانم

یعنی میرے گریبان میں سو حسینؑ ہیں۔ لوگ اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: میں سو حسینؑ کے برابر ہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں اس سے بڑھ کر اس کا مفہوم یہ ہے کہ سو حسینؑ کی قربانی کے برابر میری ہر گھڑی کی قربانی ہے۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل "قادیان ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں جو ایک طویل عربی قصیدہ پر مشتمل ہے شیعہ مجتہد علامہ حائری کی کتاب کا جواب دیتے ہوئے شاید صرف شیعہ صاحبان کا دل دکھانے کی نیت سے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شان میں بہت زبان درازی کی ہے۔ اور اس امر کا مطلق خیال نہیں کیا کہ یہ صرف شیعہ حضرات کی ہی نہیں بلکہ درحقیقت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کی دل آزاری ہے۔ بادل ناخواستہ چند اشعار بطور نمونہ تحریر کیے جاتے ہیں :-

۱۔ وَشَتَّانَ مَا بَيْنِي وَبَيْنَ حُسَيْنِكَ فَإِنِّي أَعْيَذُكَ كُلَّ إِنِّ وَأُنْصَرُّ

(اور میرے اور تمہارے حسینؑ کے درمیان بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر آن خدا کی تائید اور نصرت حاصل ہو رہی ہے)

۲۔ وَإِنِّي بِفَضْلِ اللَّهِ فِي حَجْرِ خَالِقِي أَرْبَى وَأَعْصَمُ مِنْ لِيَامٍ تَنْمَدُ

(اور میں تو اللہ کے فضل سے اپنے خالق کی کنارِ عاطفت میں ہوں جو دشمنِ لیم سے میری حفاظت فرماتا ہے)

۳۔ وَأَمَّا حُسَيْنٌ فَإِذَا كُرُوا دَشَتْ كَرْبَلَا إِلَى هَذِهِ الْأَيَّامِ تَبْكُونَ فَالْظُّرُ

(اور رہا حسینؑ تو ذرا دشتِ کربلا کا واقعہ یاد کر لو جس پر آج تک آنسو بہا رہے ہیں پس خود ہی سوچو کتنا فرق ہے)

۴۔ طَلَبْتُمْ فَلَا حَاقِينَ قَتِيلٍ بِخَيْبَةٍ فَحَيْتُكُمْ رَبِّ غَيُورٌ مُبَرِّءٌ

(تم نے اُس کشتہ نامردی سے (معاذ اللہ) فلاح طلب کی پس ہلاک کرنے والے رب غیور نے تمہیں خرابِ خاسر کر ڈالا)

۵۔ فَإِنِّي قَتِيلُ الْحَقِّ لَا كُنْ حُسَيْنُكُمْ قَتِيلُ الْعَدَا قَالَتْ قَتِيلٌ أَجَلِي وَأَظْهَرُ

(اور میں تو خدا کے حق کی محبت کا کشتہ ہوں۔ لیکن تمہارا حسینؑ کشتہ اعداء ہے پس فرق ظاہر ہے)

اس کتاب کے اردو دیباچہ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ میرے نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ کوئی شخص حضرت علیؑ

اور امام حسینؑ جیسے پاکبازوں کی شان میں بے ادبی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن مبارک ہے وہ جو اس امر میں

غور کرتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت متی کہ اُس نے یہ الفاظ میری زبان پر جاری کر دیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے متعلق قادیانیوں کی زبان درازی

مرزا صاحب کی برادری کے ایک رکن حکیم محمد حسین قادیانی اپنی کتاب الہدی میں۔ اور ڈاکٹر شاہ نواز خان قادیانی ریویو آف ریلیجز مئی ۱۹۲۱ء میں اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں:-

”مجھے اہل بیت مسیح موعود علیہ السلام سے خاص محبت اور عاشقانہ تعلق تھا۔ مجھے اس وقت بھی تمام خاندان مسیح موعود کے ساتھ دلی ارادت ہے اور میں ان سب کی کفش برادری اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ میرے ایک محبت تھے جو اس وقت مولوی فاضل بھی ہیں اور اہل بیت مسیح موعود کے خاص رکن رکین بھی ہیں انہوں نے مجھے ایک دفعہ فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اتنی پیش گوئیاں نہیں جتنی کہ مسیح موعود کی ہیں پھر انہوں نے اور بھی ایک ایسا ہی ذکر دینے والا فقرہ بولا کہ البکر و عمر کیا تھے۔ وہ تو حضرت غلام احمد کی جڑیوں کے تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہ تھے ان فقرہوں نے مجھے ایسا دکھ دیا اور ان کے سُسنے سے مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ میری نظر میں جو توقیر اور عزت اہل بیت مسیح موعود میں سے ہونے کی ان کی نسبت تھی وہ سب جاتی رہی۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہبی ارتقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھا۔۔۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ تجربہ وی فضیلت ہے جو مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہے۔ نبی کریم کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا، ورنہ قابلیت تھی۔“

مرزا صاحب کے اپنے ارشادات و بار بار ائمہ اہل بیت اور صحابہ کرام اس قدر ثقیل ہیں کہ انہیں مصیبتاں یہاں درج نہیں کیا جاتا۔

تمام اُمت محمدیہ پر کفر کا فتوے

مرزا صاحب کے بد مذہب ارتقاء نے نبوت کی داستان مختصر اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ احادیث مقدسہ کے مطابق مسیح موعود کے ظہور کے بعد تمام دنیا کے انسانوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنا تھا جن میں عیسائی، یہودی اور تمام دیگر عقائد رکھنے والے انسان بھی شامل ہوں گے مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو انہوں نے اپنے تمام زمانے والوں کو کافر قرار دے دیا۔ فرمایا:-

”خدا نے تعالیٰ نے میرے اوپر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔“ (ارشاد مرزا صاحب مندرجہ رسالہ الذکر الحکیم نمبر ۴)

جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (الہام مرزا صاحب تبلیغ رسالت بعد نمبر)

پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی شخص اور مکتذب یا مرتد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام جو جو تم میں سے ہو۔ (الہام مرزا صاحب نمبر ۳)

اس موضوع پر اُن کے صاحبزادے میاں محمود احمد صاحب کا بیان بھی قابل ملاحظہ ہے :-
 ”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام
 بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرۃ اسلام سے خارج ہیں۔“ (آئینہ صداقت)

اُن کے دوسرے صاحبزادے مرزا بشیر احمد کی خامہ فرسائی بھی ملاحظہ ہو :-
 ”ہر ایک شخص جو... محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ لٹکا کافر اور دائرۃ اسلام
 سے خارج ہے۔“ (ریویو آف ریلیجز نمبر ۳ جلد ۱۴ ص ۱۱)

”حضرت (مرزا) صاحب نے اپنے بیٹے (فضل احمد) کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی
 تھا۔“ (اخبار الفضل ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء)

قادیانیت کے پس پردہ کارفرما قوتیں

یہ اندازہ لگانا کہ مرزا صاحب کی تحریک کے پس پردہ کون سی اسلام دشمن طاقتیں کارفرما تھیں، مشکل نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء
 کی جنگ آزادی کے بعد انگریز حکومت ہندوستانی مسلمانوں سے بدظن ہو چکی تھی، مگر مرزا صاحب اور اُن کی جماعت پر اُن کی
 خاص نظر عنایت تھی۔ مرزا صاحب نے دیگر مسلمان زعماء اور علماء کے خلاف مندرجہ ذیل قسم کی درخواستیں اور محضر نامے حکومت
 کو ارسال کیے جن سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے خاص حاشیہ بردار تھے۔

”چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے نا فہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات
 میں درج کیے جاتیں جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دار الحرب قرار دیتے ہیں... لہذا یہ نقشہ اس غرض
 کے لیے تجویز کیا گیا ہے کہ تا اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی
 ہیں... جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں... لیکن ہم گورنمنٹ میں بادب گذارش
 کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اُس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں جب تک گورنمنٹ
 ہم سے طلب کرے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری حکیم مزاج گورنمنٹ بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی
 طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی۔ ایسے لوگوں کے نام معر پتہ و نشان یہ ہیں :-“

(مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر بعنوان قابل توجہ گورنمنٹ، مندرجہ تبلیغ رسالت جلد پنجم)

اُدرب دیکھا کہ آزادی ملک اور حصول اقتدار کی دُور میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، تو اپنی جماعت کے
 حق میں ہندوؤں کو ہموار کرنے کے لیے اُن کی پشتکون اور ریشی مٹیوں کی تعریف میں لکھنا اور لکچر دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ نومبر
 ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے مقام پر ایک لکچر میں ہندو پسند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

”اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پرچار کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس
 کی نظیر ہندوؤں کے کسی ریشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف
 سے رُوح القدس اُترتا تھا... خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے
 ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اوتار ہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ

”ہے کرشن رو در گوپال تیری مہا گیتا میں لکھی گئی ہے۔“

برطانیہ کی اطاعت نصف الاسلام

اپنی کتاب شہادت القرآن میں حکومت برطانیہ کی اطاعت کو نصف الاسلام قرار دیتے ہوئے مرزا صاحب تریاق القلوب میں لکھتے ہیں :-

”میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ ایکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ان کتابوں کو تمام ممالک عرب، مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری یہ کوشش یہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔ اور مہدی ثونی اور مسیح ثونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں۔ ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔“

گویا اسلامی جہاد، دینی عصیت، قومی غیرت، محبت الوطنی اور اخوت اسلامی کی تفسیر مرزا صاحب یہ الفاظ بالابیان فرما رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں جب مصر انگریزوں کے زیر نگیں آچکا تھا اور بقیہ اسلامی ممالک اس قوم کے دندان آڑ کا شکار ہو رہے تھے۔ اگر کوئی شخص مرزا صاحب کی اس تعلیم کو عیسائی حکومتوں کے لیے عالم اسلام میں کمزوری و انتشار پیدا کر کے اُن کے لیے فضا سازگار کرنے سے تعبیر کرے تو کیا غلط ہوگا؟ اس چیز کو امام منتظر کے اسلامی پس منظر سے بھی ملاحظہ فرماتے ہوئے غور فرمائیے کہ کیا مہدی آخر الزمان کے تشریف لانے کا یہی مقصد تھا جو مرزا صاحب مہدی و مسیح بن کر پورا کر رہے تھے۔ یعنی تمام اسلامی دُنیا برطانیہ کے زیرِ اقتدار آجائے اور تمام رُوسے زمین پر کہیں بھی کوئی اسلامی حکومت قائم نہ رہے؟

قادیانیوں سے ہندوؤں کی توقعات

روح اسلامی کے خلاف ایسے ہی بیانات اور عنایات کی بناء پر ہندوؤں کو ہندوستان میں مسلمانوں کے انفرادی وجود اور علیحدہ قومیت سے انکار کرتے ہوئے، ایک مشترکہ قومیت کا دعویٰ کر کے، انگریز حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے سلسلہ میں قادیانیوں سے جو توقعات وابستہ ہو گئی تھیں، اُن کی ایک جھلک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اخبار بند سے ماہِ مَرم ”مورخہ ۲۲۔ اپریل ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر شکر داس مہروٹی، ایس۔ بی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس لاہور کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جسے خود قادیانی حضرات نے فخرِ طور پر ایک ٹریکٹ میں شائع کیا تھا۔ اُس کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

”سب سے اہم سوال جو ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔۔۔ ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کیے بیٹھے ہیں، اور وہ دن رات عرب کے ہی گیت گاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو بھی عرب کا نام دے دیں۔“

”اس مایوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں کو ایک ہی اُمید کی شمع دکھائی دیتی ہے اور وہ احمدیوں کی تحریک ہے جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کرنے لگیں گے۔“

اور آخر میں محبت ہند اور قوم پرست بن جانے کے مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلام ازم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔۔۔ ایک مرزائی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ :-

- ۱۔ خُدا سے سے پرلوگوں کی رہبری کے لیے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اُس وقت کا نبی ہوتا ہے۔
- ۲۔ خُدا نے عرب کے لوگوں میں اُن کی اخلاقی گراوٹ کے زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا۔

۳۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خُدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس لیے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی راہنمائی کریں۔

”جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہو جانے پر اُس کی شریعت اور عقیدت رام، کرشن، وید اور گیتا سے اٹھ کر قرآن اور عرب کی بھومی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اُس کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اُس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاؤ دین جہاں اُس کی خلافت عرب اور ترکستان میں تھی اب وہ خلافت قادیان میں آجاتی ہے اور مکہ، مدینہ اُس کے لیے روایتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں۔

”کوئی بھی احمدی چاہے عرب، ترکستان، ایران یا دُنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو، وہ دُعا کی ٹھکتی کے لیے قادیان کی طرف مُنہ کرتا ہے۔ قادیان کی سرزمین اُس کے لیے پنیہ بھومی (سرزمین نجات) ہے۔ ادا اسی میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے۔ ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لیے پریم ہو گا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے۔ مرزا جی بھی ہندوستانی۔ حقے اور حقے خلیفے اس کی رہبری کر رہے ہیں وہ سب ہندوستانی ہیں۔

”وہ زمانہ دور نہیں جب کہ احمدی برطانیہ کہیں گے کہ صاحب ہم محمدی مسلمان نہیں ہم تو احمدی مسلمان ہیں۔ کوئی ان سے سوال کرے گا، کیا تم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کو مانتے ہو تو وہ جواب دیں گے ہم حضرت محمد، عیسیٰ، رام، کرشن، سب کو اپنے اپنے وقت کا نبی تصور کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہندو، عیسائی یا محمدی ہو گئے۔

”یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدیہ تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ہی عربی تہذیب اور اسلام کی دشمن ہے۔ خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لیے جو ہر وقت پان اسلام یا پان عربی سنگٹھن کے خواب دیکھتے ہیں کتنی ہی مایوس کن ہو گا کہ ایک قوم پرست کے لیے باعث مسرت ہے۔“

(مضمون ڈاکٹر شکر داس اخبار ہند سے مارچ ۲۲۔ اپریل ۱۹۳۲ء)

چنانچہ ہندوؤں اور قادیانیوں میں باہم سلام و پیام کا سلسلہ جاری رہا اور مئی ۱۹۳۶ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو صدر آل انڈیا نیشنل (ہندو) کانگریس کی لاہور میں آمد پر قادیانیوں اور اُن کی والدہ النیر کو رنے شاندار استقبال کیا۔ اور اس سلسلہ میں

علامہ اقبال کے مسلمانوں کو متنبہ کرنے پر پخت نہ و اور جناب علامہ کے درمیان اخباری اور کتابی مناظرے بھی ہوئے۔

مرزا صاحب کے عاوی کا اُمتِ مسلمہ پر ردِ عمل

مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ وہ ایک انبی ابدی عالمگیر ملت بنیاد کارکن ہے جس میں بے شمار انبیائے کرام مبعوث ہوئے اور جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اُن کے دین میں چار چیزیں محبت ہیں۔ کتاب اللہ، حدیث نبوی، اجتہادِ سلف اور اجماعِ اُمت۔ جو بات ان چاروں کے میزان پر حق ثابت ہو اُن کے لیے وہی حق ہے اور جو باطل ہو وہ باطل۔ مرزا صاحب کی نبوت اس میزان پر حق ثابت نہیں ہوتی تھی اس لیے اسے ماننا مسلمان کے لیے ممکن نہیں تھا۔

مسلمان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبوت ایک بہت ہی ارفع و اعلیٰ چیز ہے اور محض چند پیشین گوئیوں کی صداقت میزانِ ایمان نہیں ہو سکتی۔ نبوت کا دعوے کر دینا آسان ہے مگر اُس کے معیار پر پورا اُترنا آسان نہیں خصوصاً جب دعوے اُس فخرانیہ کے بروز ہونے کا ہو جس کی تعریف میں خدا خود در طبُّ اللسان ہے اور جس کے زُبد و آلاء، اشیاء و سخا، عبادات و مجاہدات، اہل خانہ اور عوام الناس کے ساتھ حسنِ سلوک اور زندگی کے دیگر حسین پہلوؤں کا بیان ۴۱ سو سال سے بھی مکمل نہیں ہو سکا۔ اُس ذاتِ عالی کے ساتھ مرزا صاحب کی زندگی کا موازنہ کرنا ہی گستاخی ہے۔

اس کے برعکس مرزا صاحب کا فرمان تھا کہ وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور وہ خود خدا کے رسول اور نبی ہیں۔ کتاب اللہ کے ہی معنی درست ہیں جنہیں وہ درست کہیں۔ حدیث نبوی کے جس حصہ کو وہ چاہیں لے لیں اور جسے چاہیں رد کر دیں۔ اجتہادِ سلف و خلف ختم ہے کیونکہ نبی (یعنی وہ خود) آگئے ہیں اور اجماعِ اُمت کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں رہی کیونکہ خدا تعالیٰ اُن سے کلام فرماتا ہے۔ اور انہیں اپنی کتاب کے صحیح مفہوم اور حدیث کے صحیح یا سناوٹی ہونے پر مطلع کرتا ہے۔ اس حقیقت کے وہ خود شاہد ہیں۔ اور جو شخص اُن کی شہادت پر ایمان نہیں رکھتا اور اُن سے بیعت نہیں کرتا وہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا صاحب کے ان فرمانوں کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُمتِ خیر الرسل کا اپنا ایمان، اپنی ہستی اور اپنا وجود بالکل ختم ہو جاتا۔ اُس کے علوم و قوانین، تہذیب و تمدن، تاریخی شخصیتیں، ثقافت اور اُس کا نظام و معاشرہ سب مٹ جاتے۔ اُس کی عقیدت اور فکر کا مرکز یکسر بدل جاتا۔ جناب ختمی مرتبت تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و قیادت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی۔ قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تاویل، فقہ اور اجماع کا استدلال اور استنباط اُس نہج پر چل نکلتے جو اسلامی روایت اور درایت اور اُمت کے احساسِ عمومی کے خلاف ہی نہیں بلکہ انسانیت کے احساسِ عمومی کے بھی برعکس ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُمتِ اسلامیہ اس تحریکِ قادیانیت کی محسنِ برطانوی حکومت کے ہمدردانہ کی پھیر بن کے رہ جاتی۔

مرزا صاحب کا دعوے اس نوعیت کا تھا کہ اُس کا ساری اُمتِ مسلمہ پر ایک شدید ردِ عمل ہونا لازمی تھا۔ تمام مہملائے اسلام اور اہل دانش اُس کی مخالفت میں متفق ہو گئے اور قادیانیت کے مقابلہ میں یکجان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی تصانیف اور مواظپ کے ذریعے عامۃ المسلمین کو اس قدر باخبر کر دیا کہ قادیانیت کی تبلیغ اس ملک میں بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سرکارِ برطانیہ کی حفاظت اور سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو اُن کا حشر بھی وہی ہوتا جو اُن سے قبل آنے والے ایسے ہی

مدعیان کا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُن کی جماعت احرار، مولوی شہار اللہ صاحب امرتسری، مولوی ظفر علی خان مدیر اخبار زمیندار، جناب علامہ اقبال اور حضرت قبلہ عالم کے مخلصین مولوی محرم علی چشتی مدیر اخبار رفیق ہند لاہور اور دست ارضی سراج الدین مدیر اخبار چودھویں صدی راولپنڈی نے خاص طور پر قابل ذکر کام کیا۔ خود حضرت قبلہ عالم کی ذات پاک سے قدرت نے جو کام لیا اُس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

مرزا صاحب کے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ اولاً تو اُن کے کلام میں جس کے نمونے اوپر بدیہ ناظرین کیے جا چکے ہیں، ابہام اور الجھاؤ اس قدر تھا کہ نہ تو اُس سے وہ خود عہدہ برآ ہو سکے اور نہ اُن کے مخاطب اپنے دعوے نبوت سے پہلے اُنہوں نے اپنی متعدد تحریروں میں اپنی طرح کے مدعیان کی تکذیب کی ہوتی تھی جب وہ خود مدعی بنے تو اپنی پہلی تحریروں کا جواز ڈھونڈنے میں اُنہوں نے ایسی ایسی قلابازیاں کھائیں جنہیں دیکھ کر کوئی صحیح الرائے انسان اُن کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ ثانیاً مرزا صاحب کی اپنی جماعت میں اُن کی زندگی ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اُن کے کئی پیروؤں نے خود پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر دیا اور بعض نے اُن کی نبوت کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مخالفین نے اُن کی زندگی کے ایسے ایسے گھناؤنے پہلو اُجاگر کیے جو اُن کے نبی ہونے کے دعوے کو باطل کرنے کے لیے کافی تھے اُن کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک پوری کتاب چاہیے۔ ریاست حیدر آباد کے پروفیسر محمد الیاس برنی نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" میں مرزا صاحب اور اُن کے پیروؤں کی اپنی تحریروں سے ایسے اقتباسات شائع کیے ہیں جن سے مرزا صاحب کی زندگی کے تمام پہلو روز روشن کی طرح سامنے آ جاتے ہیں اور اُن کی اصل حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب حال ہی میں پاکستان میں بھی شائع ہو چکی ہے تبصرہ ہذا میں مرزائی کتب کے حوالہ جات اور اقتباسات کے لیے اسی کتاب کے پانچویں ایڈیشن شائع کردہ عمدۃ المطابع لکھنؤ ۱۳۵۵ھ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قادیانی اور لاہوری پارٹی

افغانستان میں دو قادیانیوں پر حذر تدا جاری ہونے کے بعد عرصہ دراز تک ان لوگوں کو اسلامی ممالک کا رخ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اب بعض یورپین اور افریقی ممالک میں اُن کے مبلغ کام کر رہے ہیں مگر وہاں بھی یہ اپنے آپ کو دین اسلام کا پیرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ظاہر کرتے ہیں۔ خود اپنے وطن میں یہ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے جن میں سے ایک لاہوری پارٹی کہلاتی ہے اور دوسری قادیانی۔ لاہوری جماعت مرزا صاحب کو مجدد اعظم مانتے ہوئے دینی زبان میں اُن کے ظلی نبی ہونے کا بھی اقرار کرتی ہے مگر مرزا صاحب کے زمانے والوں کو صرف گناہگار قرار دیتی ہے، کافر نہیں کہتی۔ اس کے برعکس قادیانی جماعت مرزا صاحب کو کامل اور مستقل صاحب شریعت و وحی نبی مانتی ہے اور اُن کے نزدیک مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے والا شخص کافر اور خارج از اسلام ہے۔ ان دونوں پارٹیوں میں کثرت سے باہمی قلبی مباحث ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کا ایک چھوٹا سا نمونہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے دیا جاتا ہے۔

حقیقۃ النبوت میں مرزا صاحب کے فرزند میاں محمود احمد صاحب یوں رقمطراز ہوئے :-

۱۹۰۱ء سے پہلے آپ (مرزا صاحب) نبی کی اور تعریف کرتے تھے اور بعد میں آپ نے جب اللہ تعالیٰ کی متواتر وحی پر غور کیا اور قرآن کریم کو دیکھا تو اُس سے نبی کی تعریف اور معلوم ہوئی۔ بار بار کی وحی نے آپ کی

توجہ کو اس طرف پھیر دیا کہ ۲۳ سال سے جو مجھ کو نبی کہا جا رہا ہے تو یہ محدث کا دوسرا نام نہیں بلکہ اس سے
نبی ہی مراد ہے اور یہ زمانہ تریاق القلوب کے بعد کا زمانہ ہے۔

(حقیقۃ النبوة، مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

اس کے جواب میں لاہوری پارٹی کی طرف سے پیغام الصلح میں مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا :-
مگر افسوس ہے جناب میاں صاحب کے اس اعلان کے مطابق حضرت مسیح موعود کی یہ کم علمی اور نادانی
ایسی نادانی کے ذیل میں آتی ہے، جسے تو بہ تو بہ، نقل کفر، کفر نسب شد نعوذ باللہ جہل مرتکب کہتے ہیں، کہ
بادخود اس بات کے کہ نبی کی تعریف تو نہ جانتے تھے مگر حالت یہ تھی کہ جہاں کسی نے آپ (مرزا صاحب) کی طرف
دعاوی نبوت منسوب کیا اور آپ لگے مدعی نبوت پر لعنتیں کرنے جو شخص ایک بات کو نہیں جانتا اور پھر اس
کے علم پر اس قدر اصرار کرے کہ لعنتوں اور مبالغوں پر اتر آئے تو اس سے بڑھ کر جہل مرتکب کا وارث کون ہو
سکتا ہے؟ خود نبی ہیں اور خیر سے پتہ نہیں کہ میں نبی ہوں اور بادخود اس لاعلمی اور جہل مرتکب کے مدعی نبوت
پر یا دوسرے لفظوں میں خود اپنے آپ پر لعنتیں بھیجنے میں ذرا تاثر نہیں کرتے۔ یہ بھونڈی اور قابل شرم
تصویر جو جناب میاں (محمود احمد) صاحب نے حضرت مسیح موعود کی کھینچی ہے، کیا اس قابل ہے کہ کسی عقل مند
آدمی کے سامنے پیش کی جاسکے؟

(قادیانی جماعت کی لاہوری پارٹی کا اخبار پیغام صلح، ۲۷ اپریل ۱۹۲۲ء)

قادیانی فرقہ والوں نے تو آیہ ميثاق النبيين کو بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے مرزا صاحب
سے منسوب کیا ہے۔ آیت تفصیل ذیل ہے :-

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ
مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقًا
لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ
وَآخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا
قَالَ فَاشْهَدُوا أَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

(آل عمران - ۸۱)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ البتہ جو کچھ میں تمہیں
کتاب اور علم سے دوں، پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو
اُس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے البتہ
اُس پر ایمان لے آنا اور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار
کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے
اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو۔ میں بھی
تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

چنانچہ الفضل قادیان مورخہ ۲۶ - فروری ۱۹۲۲ء میں مندرجہ ذیل نظم درج ہے :-

مُحَمَّدُ نَبِيٌّ لِيَا عَهْدُ سُبَّانِيَا سَے
پھر آئے تمہارا مُصَدِّق پیغمبر
کہا کیا یہ امت ار کرتے ہو محکم
کہا حق تعالیٰ نے بیشک رہو تم
جو اس عہد کے بعد کوئی پھر نہ کا
کہ جب تم کو دوں میں کتاب و حکمت
تم ایمان لاؤ، کرو اُس کی نصرت
وہ بولے مُقَرَّر ہے ہماری جماعت
یہی نہیں بھی دیتا رہوں گا شہادت
بنے گا وہ فاسق اٹھائے گا ذلت

لیا تھا جو میثاق سب انبیاء سے وہی عہد حق نے لیا مُصطفیٰ سے
وہ نوح و خلیل و کلیم و مسیح سبھی سے یہ پیمان محکم لیا تھا
مبارک وہ اُمت کا موعود آیا وہ ہمیشہ شاق ملت کا مقصود آیا

کریں اہل اسلام اب عہد پورا
بنے آج ہر ایک عہد آشکورا

لاہوری جماعت والے اس ضمن میں قادیانی جماعت کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”بے شک حضرت مرزا صاحب کی نبوت قرآن کی ایک ایک آیت سے نکالو، خواہ وہ کیسے ہی
بھونڈے اور لچر طریق سے نکالی جائے یا خواہ وہ خود حضرت مرزا صاحب کی تفاسیر سے کتنی ہی مختلف کیوں
نہ ہو یہ قوم خوشی سے بغلیں بجاتی رہے گی۔ نعرہ تحسین و آفرین بلند کرتی رہے گی۔ اُن تمام پیش گوئیوں کو جن کے
مصدق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ بے شک مرزا صاحب پر چپاں کرتے جائیں، یہ غالی قوم خوشی
سے تالیاں بجاتی اور ناچتی رہے گی۔ لیکن اگر آپ کسی پیشگوئی کے متعلق یہ کہہ دیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لیے ہے اور حضرت مرزا صاحب اس کے مصداق حقیقی نہیں بلکہ بوجہ اُمتی اور خلیفہ ہونے کے
صرف ظنی یا بروزی رنگ میں اس کے ماتحت آتے ہیں تو ان کے سینے میں یوں لگے گا جیسے تیر لگتا ہے۔
محمد رسول اللہ کی چیزیں چھین چھین کر حضرت مرزا صاحب کو دی جاتی ہے آپ اِس
محمد رسول اللہ کو دیں تو یہ بلبل بلبل کر اور چلا چلا کر حشر برپا کر دیں گے۔۔۔ مثلاً جب تک مُبَشِّرُ الْاٰیٰتِ
یَآئِیْ مِنْ بَعْدِی السَّمَاءُ اُحْمَدُ کا مصداق حضرت مرزا صاحب کو کہتے رہو بہت خوش رہیں گے
لیکن جہاں اس کا مصداق حقیقی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور تمام محمودی ٹولے سے صدائے وادِیلا
بلند ہوئی کہ ہائے ہائے حضرت مسیح موعود کی توہین کی گئی۔“

(لاہوری جماعت کا اخبار پیغامِ صلح ۳۰ مئی ۱۹۳۲ء)

اعتبار

اس داستانِ عبرت کے پہلے مخاطب تو وہ عالم اور درویش ہیں جو کسی کامل اُستاد یا شیخ کی تربیت اور اپنے مجاہدہ نفس کے
بغیر یا تمام تربیت اور برائے نام مجاہدہ کے بل بوتہ پر علم و فقر میں دم مارنے لگ جاتے ہیں جس پر اُن کا خام و ناچختہ تحت الشعور
انہیں اُوہام اور خواب و خیال اور وسوس کے ایسے گڑھوں میں لے گرتا ہے جہاں سے نکل آنا الا ماشاء اللہ ناممکن و محال ہو جاتا
ہے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی ضمن میں فرماتے ہیں :-

پیر را بجزیں کہ بے پیر ایں سحر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

اور اکبر الہ آبادی کا ارشاد ہے :-
تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے غنصر پر بنیاد نہ رکھو تعمیر نہ کر

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے فقر کے کسی سلسلہ سے رشتہ نہیں جو ان کا کوئی روحانی باپ نہیں اور خدا
تعالیٰ ہی ان کا روحانی اُستاد اور مُرشد ہے۔ وہ اس چیز کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مماثلت کا ایک نشان قرار دیتے ہیں
اور تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کر رہے ہیں لیکن اس کو خیال میں نہیں آتے کہ یہی چیز حقیقت ان کی زندگی کا المیہ بن کر رہ
گئی ہے۔ کیونکہ اس عالم اسباب میں سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ آپن گری کا فنی حاصل کرنے کے لیے کسی آپن گراور
پیری کے حصول کے لیے کسی کامل پیر کے پاس تربیت کے لیے جانا ہی پڑتا ہے جیسا کہ مولیناروم کا ارشاد اور پردیج جو چکا ہے
ہے پیر را بگریں کہ بے پسید این سفر بست بس پُر آفت و خوف و خطر

سلوک میں ان آفات و خطرات کا سامنا سب سے زیادہ کشف و رؤیا کے مقام میں ہوتا ہے۔ اولیائے کبار کے نزدیک
کشف حقائق کو چست دامنیت نہیں کیونکہ ان کا مقصود مشاہدہ جمال الہی ہوتا ہے اور ان کی زیادہ توجہ اسی امر پر مرکوز رہتی ہے
مگر اس راہ کے کم حوصلہ مسافر نفس اور شیطان کی عیارانہ چالوں سے بہک جاتے ہیں۔ حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم
میں فرمایا ہے کہ کشف اُس وقت تک اعتبار کے لائق نہیں جب تک استقامت نفس سے پیدا نہ ہو۔ جیسے آئینہ شہید حیا و حذر
ہو تو اُس میں صورت بھی ٹیڑھی ترچھی اور دھندلی نظر آتی ہے۔ اور استقامت نفس بغیر مجاہدہ، عالی ظرفی اور شیخ کامل کی تربیت
کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس سے علمائے راسخین کے تلمذ اور اولیائے کاملین سے ذہنی و روحانی تربیت کی ضرورت و اہمیت
کی وضاحت ہوتی ہے۔ ورنہ اکتسابِ کامل اور مجاہدہ نفس کے بغیر خودی و نفسانیت کا نبوت کے دعووں میں مبتلا ہو جانا اور
دوسری جانب اُٹھنے کا جذبہ میر پرستی کے لیے براثر بہک کر ایسے مدعیانِ کوفوق البشر گردانتے ہوئے، ان کی تعلیمات و ترغیبات کی پیروی
پر بے دل و جان آمادہ ہو جانا معمولی بات ہے۔ چنانچہ اس آخری دور میں عراق میں باب، ایران میں بہار اللہ اور ہندوستان میں
مرزا غلام احمد جیسے حضرات اسی نوع کے مدعی بن کر اُٹھے اور عوام کے جذبہ میر پرستی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک گونہ مقام
حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اُسے سمجھتا ہوں جو فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے اور
حضرت پیر فضل دین عرف بڑے پیر صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

گر خبہ داری زحیٰ لایموت بردیان خود بن مہر سکوت

تعجب ہے کہ مرزا صاحب قادیانی اپنے ارادت مندوں میں سے مدعیانِ نبوت و امامت کو تو بار بار ان کی خام خیالیوں
پر متنبہ کرتے رہے مگر اپنی ذات کے سلسلہ میں ان خامیوں کی طرف خیال تک نہیں کیا۔ چنانچہ اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں خود
اس سلسلہ میں سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُس مشہور کشف کو تحریر کرتے ہیں جس کا ذکر اسی کتاب کے باب اول میں آچکا ہے کہ آنجناب ایک جنگل
میں رات کے وقت یادِ الہی میں مشغول تھے کہ شیطان نے آپ تک چنڈھیا دیئے والی روشنی میں سے آواز دے کر کہا کہ اے عبد الفت اور
میں تیرا رب، تجھ سے راضی ہوں اور تجھے عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ
العظیمی العظیم پڑھا اور منہ مایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمے عبادت الہی کے مکلف رہے تو عبد القادر کیا چیز ہے
جس سے یہ تکلیف اٹھالی جائے شیطان نے سامنے آکر ایک اُردو سدا دھوکا دینے کی کوشش میں کہا کہ اے عبد القادر تم اپنے
علم کے باعث بچ گئے ورنہ کئی اولیاء اللہ یہاں آکر رہ گئے۔ آپ نے فرمایا اور تو مردود، میں اپنے علم سے نہیں بلکہ محض
تائیدِ الہی سے محفوظ رہا ہوں۔ چنانچہ شیطان نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ آج سے میں تم سے مایوس ہوا ہوں۔

غور کا مستام ہے کہ راہ سلوک کے ایک نہایت ہی زبردست مگر باریک خطہ میں اللہ کے رسولؐ سے نیاز مندی کا صحیح تعلق کس طرح اشراق نوری بن کر بچا رہا ہے۔ مگر مرزا صاحب قادیانی کے بلند بانگ دعاوی منہم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشتہ کس طرح اُن کو گرا رہے ہیں اور اَنْتَ هِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ وَاَنْتَ هِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کے الہامات و اعلانات کس طرح اللہ الصَّمَد اور لَحْرِیْلِد و لَحْرِیُوْلَد کی قرآنی تعلیم کو تہ و بالا کر رہے ہیں یعنی قرآن تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ خود کسی کا بیٹا ہے اور نہ اُس کا کوئی بیٹا ہے۔ مگر مرزا صاحب کے الہامات میں اللہ تعالیٰ اُن کو کہہ رہے ہیں کہ تو میرا بیٹا ہے لیکن اس تضاد قرآنی کے باوجود مرزا صاحب کو سورۃ اخلاص یاد نہیں آتی اور نہ ہی لاجول زبان پر آتا ہے بلکہ لذتِ انامیں سرشار ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ دیکھو میرا رب مجھ سے کیا فرما رہا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کے دعووں اور الہامات پر غور کرنے سے قرآنی تعلیم سے اُن کا تضاد اور خدا پر افترا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت قبلہ عالم نے اپنی کتاب "سیفِ چشتیانی" میں تصریح فرمائی ہے اور جس کا ذکر باب تصانیف کتاب ہدایں درج ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِيَ الْاَبْصَارِ (اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو)

پانچویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا قادیانیت کے خلاف معرکہ

باطنی ارشادات

قادیانیت کے خلاف حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے مناظرات کی علمی بحث کی وضاحت تو تصانیف کے باب میں آئے گی البتہ اس کے متعلق چند واقعات اور بعض لغت صیل یہاں بھی عرض کرنا ضروری ہیں۔ پہلے ذکر آپ کا ہے کہ سن ۱۲۸۷ھ یعنی ۱۸۷۰ء میں حج کے موقع پر جب آپ نے حجاز مقدس ہی میں سکونت پذیر ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت حاجی ابراہیم اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بنا بر کشف آگاہ ہو کر فرمایا تھا کہ عنقریب سرزمین بہشت میں ایک بہت بڑا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جس کا سد باب آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ اپنے وطن میں بالفرض خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی ملک کے علماء اس فتنہ کی زد سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ بعد ازاں وطن لوٹنے پر مکاشفات و مشاہدات کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوا کہ اُس فتنہ سے مراد فتنہ قادیانیت تھا کیونکہ حضرت حاجی صاحب کی پیش گوئی کے مطابق اگلے ہی سال یعنی ۱۲۸۹ء میں مرزا صاحب نے مناظر اسلام، مامور اور مجدد کے دعووں سے آگے قدم بڑھا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور نزول سے انکار کر کے اُن کی موت اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا۔

”ملفوظات طبقات“ میں درج ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ عالم رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرزا نے قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی چٹخی سے گتراہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔

ایک کشف کے متعلق حضرت کی قلمی تحریر

ایک اور کشف کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ایک خود نوشتہ یادداشت آپ کے قدیم مسودات میں موجود پائی گئی ہے جس کا متعلق جتنے درجہ ذیل کیا جاتا ہے :-

”در ایام ارادۂ اجابت دعوت مرزا غلام احمد قادیانی کہ ظاہر بغرض تحقیق حق بذریعہ اشتہارات نمودہ بود، بایں نعمت عظمیٰ مشرف شدم درحالی کہ چشمان خود بند نمودہ بحالت بیداری در حجرہ تنہا نشستم بودم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دیدم کہ برہیت قدمہ جلوس فرماہستند و بفاصلہ چہار باشت اس آثم نیز بہماں بہیت بالمقابل بمحاذاتہ مثل جلوس فرمودہ بخدمت شیخ حاضر است و غلام احمد بعید تر ازین مکان کہ در مشرق و پشت کردہ بجانب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشستم است۔ بعد ازین رویت بہ لاہور بعد اجاب رسیدم حسب وعدہ نمودہ خود (مثل لعنة الله على من تخلف وادب) تخلف و در زید و بہ لاہور نیامد“

ترجمہ۔ "جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، مجھے اس نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا میں اپنے مجس میں بحالت بیداری آنکھیں بند کیے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما رہے اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں بادب تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح بالمقابل بیٹھا ہے اور غلام احمد اُس جگہ سے دُور مشرق کی طرف مُنہ کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے بیٹھا ہے۔ اس رویت کے بعد میں بعد احباب لاہور پہنچا۔ لیکن مرزا اپنے تائیدی وعدہ سے (مثلاً انکار کرنے اور پھر جانے والے پر خدا کی لعنت ہو) پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔"

ان نکاشفات و مشاہدات کے علاوہ حضرت نے سیفِ چشتیائی میں "دجال" کے متعلق اپنے بچپن کا ایک خواب بھی بیان فرمایا ہے جو بدیہ مضمون ہے۔۔

"اس نیاز مند نے بوعنت سے قبل جب کہ احادیث و جہال کا نام تک بھی نہ سنا تھا، دجال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اُس کی چھوٹی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ کوحنہ ایک نہیں۔ میں نے سخت غصے سے جواب دیا کہ مردود، خدا ایک ہی ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اُس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر مجھ پر تلوار کا وار کیا مگر اُس کا وار خطا ہو کر تلوار اُس کی میرے سر سے گزرتی ہوئی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح اُنہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا اور پھر وہی کلمہ اُس نے کہا اور جواب اُس کے میں نے بھی وہی کلمہ جو پہلے کہا تھا۔ پھر اُس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وہ خطا ہو کر، تلوار زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ اس دفعہ تو قبضہ اُس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ تینوں دفعہ بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اُس کی میرے سر کے اوپر سے گزرتی رہی۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی، خواجہ غلام فرید چاچڑاں اور سر سید احمد خان کی ابتدائی خوش فہمیاں

بہر حال یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے میدانِ مناظرہ میں قدم رکھا۔ جب ۱۸۹۰ء میں آپ حج سے واپس تشریف لائے تو اُس وقت مرزا صاحب کا دعویٰ مجدد اور مأمورِ مین اللہ ہونے کا تھا۔ وہ گزشتہ دس برس سے عیسائیوں اور آریوں کے ساتھ مباحثات اور اپنی مناظرہ تصانیف اور اشتہار بازی کی بدولت خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے اور پیری مریدی بھی چل رہی تھی بعض علماء اور مشائخ بھی بے خبری میں ان کی اس مقبولیت کے لیے میدان ہموار کر چکے تھے۔ چنانچہ اہل حدیث کے ایک نامور عالم مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ اشاعتِ اثنیۃ کے چھ فیروں میں براہین احمدیہ پر ایک طویل تقریر شائع کر کے اس کتاب کو اس صدی کا شاہکار اور مرزا صاحب کو ایک بے نظیر عالمِ دین اور صاحبِ کشف و کرامت دلی اللہ قرار دے چکے تھے۔ اسی طرح سر سید احمد خان بھی ابتداً مرزا صاحب کی تحریروں سے متاثر بیان کیے جاتے تھے۔ گو فی الاخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرزا صاحب کی تصانیف اسی قسم کی ہیں جیسا ان کا اہام یعنی نہ دین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی (خطوط سر سید مرتبہ سید اس مسعود ط ۲۵۶) ادھر چاچڑاں (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخ طریقت اور صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید چشتی بھی ابتداً مرزا صاحب

کے متعلق بہت حُسن ظن رکھتے تھے۔ خواجہ صاحب سنہ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے قادیانی معرکہ لاہور کے قریب ایک سال بعد سنہ ۱۸۴۹ء میں انتقال فرما گئے۔ مرزا صاحب نے انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا کہ بڑے الہام الہی میں تبلیغ دین کے کام پر مامور ہوں آپ میری اعانت فرمائیں۔ اس پر خواجہ صاحب نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ آپ کے ملفوظات اشارات فریدی میں مذکور ہے کہ جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا یہ شخص حمایت دین پر کمر بستہ ہے۔ علماء تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب کی نئی کتابیں خواجہ صاحب کے پاس پہنچیں جن میں ان کے منفرد عقائد اور مسیح موعود اور برہمنی نبوت کے دعادی درج تھے تو آپ نے بھی مولوی محمد حسین بنالوی کی طرح علانیہ اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ مرزا صاحب جو اپنے اخبارات اور اشتہارات میں پہلے خواجہ صاحب کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے اور ان کے نام کو اپنے موافق پر اپنی کلام کا ذریعہ بنایا کرتے تھے۔ اپنی کتاب انجام آتھم مطبوعہ ۱۸۹۶ء میں میاں غلام فرید چشتی چاچر ان علاقہ بہاولپور کا نام اپنے مکتبہ میں اور مکتبہ کی فہرست میں درج کرنے پر اتر آئے۔

شیخ الجامعہ کا بیان

تاج قادیانی مبلغین عوام کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر سنہ ۱۸۹۰ء سے کئی سال بعد تک بھی عوام کے روبرو خواجہ صاحب کے ساتھ مکتوب کی مطبوعہ نقول پیش کر کے کہتے رہے کہ دیکھئے ملک کے اتنے بڑے نامور پیر بھی مرزا صاحب کی تحسیری بیعت میں شامل ہیں۔ چونکہ اس ملک کے لوگ عام طور پر مشائخ طریقت کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا بہت اثر ہوا۔ اور قادیانی جماعت کا یہ حربہ بہت حد تک کامیاب رہا۔ یہاں تک کہ علمائے اسلام کو جا بجا جلے کر کے اس کا تدارک کرنا پڑا۔ جناب مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے کئی سال بعد میری تحریک پر ان کی خانقاہ شریف پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے ملک کے طول و عرض کے بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے قادیانیت کی تردید میں تفت ریکس جن میں میں بھی شامل تھا علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جلسے میں شمولیت کی غرض سے سفر کرتے ہوئے ریلوے اسٹیشن خانپور جکشن پر ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک اظہار خوشنودی کے طور پر موجود ہے کہ ہم ان کی ذات پر سے ایک بہتان عظیم کے دور کرنے کی مساعی کر کے اچھا اقدام کر رہے ہیں۔ یہ کیفیت واپسی سفر میں بھی خانپور ریلوے اسٹیشن تک قائم رہی۔

مشائخ کے ساتھ فرضی بیانات منسوب کرنا

ابستانی آیام میں قادیانی صاحبان نے اس ملک کے کئی دیگر مشہور مشائخ کی طرف بھی اس قسم کے بیانات منسوب کیے تھے۔ چنانچہ مولوی عبد اللہ غزنوی اور ان کے پیر صاحب کے ساتھ مرزا صاحب نے ایسی پیش گوئیاں منسوب کی ہیں جن میں ان حضرات کا مرزا صاحب کے مبعوث ہونے کے متعلق پیش گوئی کرنا ظاہر کیا ہے جو تحقیق پر سب کی سب فرضی اور غلط ثابت ہو چکی ہیں۔ اسی قسم کی ایک خود ساختہ داستان ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی لاہوری نے اپنی کتاب "مجدد اعظم"

جلد دوم میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف بھی منسوب کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے حضرت (مرزا صاحب) کے ایک مرید نے قادیان پہنچ کر بیان کیا کہ پر صاحب گولڑہ شریف نے قادیان کی طرف منہ کر کے اپنی قبا کے بند کھول دیئے۔ اور فرمایا کہ مجھے قادیان کی طرف سے عشق الہی کی ٹھنڈی ہوا آرہی ہے (فلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم)

قادیانی دعوت نامہ اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا جواب

مرزا صاحب کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ ان کے پیرو مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ دعوت نامہ کا مضمون یہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے احمیائے دین اور عروج اسلام کے لیے مامور کیا گیا ہوں۔ آپ اس مشن میں میری اعانت کریں حضرت نے جواب میں لکھوایا کہ میں آپ کو مسیح موعود اور مامور من اللہ نہیں مانتا۔ آپ اپنی توجہ حسب سابق غیر مسلموں کے ساتھ مناظرات اور تبلیغ اسلام پر مرکوز رکھیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

مشائخ طریقت کو پہنچ

مرزا صاحب عوام الناس پر مشائخ طریقت اور سجادہ نشینوں کے ہمہ گیر اثر سے بخوبی واقف تھے اس لیے ان کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح کوئی درویش صفت اور سادہ لوح گدی نشین، ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو جائے اور ان کے مشن کو تقویت پہنچے لیکن اس میں ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں تک ایمان و عقائد کا تعلق ہے بزرگان دین کی کم علم اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتی ہے۔ اس لیے جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ایام اصلاح میں مرزا صاحب نے مشائخ پر یہ طریق ذیل اپنا غبار نکالا:-

”اس وقت زیرِ سقف نیلگوں بیج متنفس قدرت ندارد کہ لاف برابری بامن زند۔ من آشکارے گویم و ہرگز باک ندارم اے اہالیان اسلام، درمیان شما جماعتی می باشد کہ گردن بدعویٰ محدثیت و مفسریت برے فرزند و طائفہ اند کہ از نازش ادب پا بر زمین نگذارند و گروہے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زند و خود را حشتی و قادری و نقشبندی و سہروردی و چہا چہا مے گویند۔ اس جملہ طوائف را نزد من بیارید“

یعنی اس وقت آسمان کے نیچے کسی کی مجال نہیں جو میری برابری کی لاف مار سکے۔ میں اعلانیہ اور بالکسی خوف کے کہتا ہوں کہ اے مسلمانو! تم میں بعض لوگ محدثیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض ازراہ ناز زمین پر پاؤں بھی نہیں رکھتے اور کئی خدا شناسی کا دم مارتے ہیں۔ اور حشتی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ذرا ان سب کو میرے سامنے تولاؤ۔

شمس الہدایت کا طلوع

جب مرزا صاحب اور ان کے نئے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہرین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی ارشادات کی تعمیل میں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۹۰۰-۸۹۹ھ ماہ شعبان و رمضان المبارک میں اوراد و اشغال روزمرہ سے کچھ وقت بچا کر، ایک رسالہ بعنوان ”شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح“ منشی عبدالجبار کاتب اخبار

چودھویں صدی زولہند کی کو قبلہ کر آیا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور ایک کاپی بذریعہ ریشتی مرزا صاحب کو بھی قادیان میں ارسال کر دی گئی۔

اس کتاب میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھانے پر قیامت کے قریب مجسمہ غصہ ہی زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت فرماتے ہوئے امت اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ نیز ثابت کیا ہے کہ ان کی موت اور ان کے مشیل کے دنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ شمس الہدایت کے آغاز میں آپ نے مرزا صاحب کی آیام الضلع والی تعلی کے مقابلہ میں ان سے کلمہ حنیفہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی دریافت کیے ہیں۔ اس موضوع کی تفصیل اس کتاب کے باب تصانیف میں صفحہ ۵۲۵ پر حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔

قادیان میں تسک

شمس الہدایت کے مندرجات، منقولات اور معقولات اور اس کے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد علمی و عارفانہ شہرت اور عوامی عقیدت ایسی چیزیں نہ تھیں جس سے قادیان میں تہلکہ نہ مچ جاتا۔ مرزا صاحب کے حواریوں نے خود لکھا ہے کہ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں ایک شور مچا ہو گیا۔ خصوصاً کھڑکھٹہ کے معانی کے سوال پر علماء نے اسلام بھی دنگ رہ گئے۔ طبقہ علماء میں شمس الہدایت کی قدر وانی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اہل حدیث کے پیشوا مولوی عبدالحسب رغرغوی نے اس کے مطالعہ کے بعد حضرت کو مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔

مولوی عبدالحسب رغرغوی کا خط

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مجمع خیرات و برکات، منبع حسنات و فیوضات، حضرت پیر
مہر شاہ صاحب، الازال للذین والاسلام ناصر اولیٰ الاحاد والزندقة کاسر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ۔ بعد از سلام مسنون و ادعیا اجابت مقرون، معروض خاطر انوار مظاہر آنکہ ہر چند لغائے جسمانی و ملاقات
ظاہری بحکم الامور مرتبہ باوقاتہما بالفعل در زاویہ تعطیل و ناسیہ تاویل است، مگر تعارف روحانی یوم میشتاق
بحکم الارواح جتود جتدک ۱۰ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اَتَتْلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اُخْتَلَفَ ۝ موجب الفت
مور و محبت است۔ کتاب شمس الہدایت در درجہ ملاحظہ و ہر روز نادقہ عصر خذ لہم اللہ از نظر احقر گذشت از
مطالعہ اش خط وافر و خیر ظاہر برداشتہم۔ کثر اللہ تعالیٰ امثالکم و نور بانکم و جعل الی کل خیر صالحکم۔
رسالہ فارسی آل مکرّم رافغان و تشذ بانم (ترجمہ)۔ ہر چند ظاہری ملاقات نہیں ہوئی مگر روز میشتاق
کار و حانی تعارف بصدق حدیث شریف ۱۰ موجب محبت ہے۔ کتاب شمس الہدایت کے مطالعہ سے
میں نے حظ وافر و خیر ظاہر حاصل کیا ہے۔ آپ کے فارسی رسالہ کے مطالعہ کا اشتیاق ہے۔

یہاں فارسی رسالہ سے مراد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کتاب تحقیق الحق ہے۔

حکیم نور الدین کے بارہ سوالات

۲۰۔ فروری ۱۹۰۰ء کو حکیم نور الدین نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو ایک خط بھیجا جس میں بارہ سوالات درج تھے اور لکھا تھا کہ مجھے جناب کے ساتھ بڑا حسن ظن تھا۔ اور قریب تھا کہ میں خود حاضر ہوتا لیکن اس اثنا میں جناب کی کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں جناب بالکل مولویوں اور منطقوں کے رنگ میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور صوفیوں کے مشرب کی ذرہ بھر بھی جھلک نہیں دی۔ سبحان اللہ! میں نے بارہا سنا کہ جناب فتوحات مکیہ کے خواص ہیں مگر کتاب میں صفحہ ۴۰ تک صرف ایک جگہ شیخ اکبر کا ذکر ہے۔ حکیم صاحب کے کچھ سوالات تو تفسیر ابن جریر اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالہ جات کی نسبت تھے کہ آیا اس زمانہ میں یہ ناپسندیدہ کتابیں آپ کے کتب خانہ میں ہیں؟ اور تفسیر ابن جریر کی مثل پانچ چھ تفسیروں کے نام دریافت کیے تھے۔ باقی سوالات کا خلاصہ یہ ہے۔

سوال ۳۔ کلی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں تشخص متشخص کا عین ہے یا غیر؟

سوال ۴۔ تجدد امثال کا مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

سوال ۵۔ زید، عمرو یا نور دین جزیات انسانیہ اس محسوس مبصر بسم عنصری کا محد و نام ہے یا وہ کوئی اور چیز ہے جس کے لیے یہ جسم بطور لباس ہے؟

سوال ۶۔ انبیاء و اولیاء، انواع ذنوب و خطایا سے محفوظ نہیں یا ہیں۔ کتاب یا سنت سے کوئی قومی دلیل چاہیے۔

سوال ۷۔ الہام و کشف و رویائے صالحہ کیا چیز ہیں۔ ان سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۸۔ عقل، قانون قدرت، فطرت کہاں تک مفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ تعارض عقل و نقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے؟

سوال ۹۔ تصحیح احادیث روایت کو دیکھ کر آج کل ہم اور آپ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۰۔ تفسیر بالرائے اور مشابہات کے کیا معنی ہیں؟

اور ایک سوال بعض احادیث مندرجہ شمس الہدایت کے استخراج کے متعلق تھا۔

حضرت کے جوابات

خط کے پہنچتے ہی حضرت نے جواب تو لکھوا دیا مگر اپنے علماء کے اس مشورہ کے تحت روانہ نہ کیا کہ مبادا ان کی اشاعت سے شمس الہدایت میں مندرجہ سوالات کے جواب سے ہی جواب مل جائے۔ مگر جب ۲۴ اپریل کے اخبار الحکم قادیان میں عدم جواب کا شکوہ شائع ہوا تو آپ نے وہ جواب بھیجا دیا حکیم صاحب کے خط اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے جواب کی نقول، آپ کی کتاب سیف چشتیانی میں شائع ہو چکی ہیں۔ جوابات کی شان دلالت اور فروع مخالف کے متغیر از سکوت کا لطف تو کچھ ان کے مطالعہ ہی سے آسکتا ہے۔ البتہ دہیپی کے لیے ان میں سے چند جوابات کا اختصار یہاں بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت نے تفسیر ابن جریر کی مثل پچھ کی بجائے سوال تفسیروں کے نام تحریر فرمائے اور لکھا کہ تفسیر ابن جریر مولوی محمد غازی آپ کو بالمشافہ دکھلا سکتے ہیں اور چونکہ تفسیر کبیر بخاری کا ذکر در مشور کے حوالہ میں آیا ہے۔ لہذا اس کی دستیابی کا سوال اس کے مصنف عالمہ سیوطی سے ہونا چاہیے۔

جواب نمبر ۳۔ کلی طبی کے متعلق فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا منشا موجود فی الخارج ہے۔ اور تشخص عین شخص ہے مگر عودیش بھی لزوم فی التحق سے بہرہ یاب ہیں۔

جواب نمبر ۴۔ تجدید امثال کا مسئلہ میرے نزدیک صحیح ہے مگر تجدید شہودی وحدۃ سیالہ کو منافی نہیں جو مدائسے ترتیب احکام عرفیہ کے لیے۔

جواب نمبر ۵۔ جزئیات انسانیہ، مابہیت معروضہ کا نام ہے۔ وجودات خاصہ ہوں یا عدمات خاصہ یا دونوں سے مغایر اجسام مل عینی، یا برزخی یا حشری، زید کے مسٹی میں نہایت ہی دخل ہے۔ فقط روح مجرد کے لیے بمنزلہ لباس ہیں۔ ہاں بطریق مجاز مرسل کبھی مابہیت کی جز پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہاں پر لحاظ قرآن میں قتل و صلب نہایت ضروری ہے۔

جواب نمبر ۶۔ انبیاء و رسل ان النواع ذنوب خطایا سے جو شان نبوت کے منافی ہوں محسوم و مامون ہیں۔ ورنہ امر بالاتباع کیسے مقصور ہو سکتا ہے۔ آیات قرانیہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور لقد کان لکھ فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ان عبادی لیکن لک علیہم سلطان اور فیکسب اللہ ما یلقی الشیطان اس چیز پر دلالت کر رہی ہیں۔ اولیائے کرام بعد فنائے اتم، بشارت مذکورہ میں داخل ہیں اصالت اور تجریت کا فرق ہے۔

جواب نمبر ۷۔ الہام و کشف و رؤیا صالِحہ منجملہ شعب ایمانیہ سے ہیں اور ان کا معیار صحت و فساد، کتاب و سنت سے مطابقت ہے۔ جواب نمبر ۸۔ عقل اور قانون قدرت جو استقرائہ ناقص سے عبارت ہے، ان کا اعتبار محدّد و دہے تا وقتیکہ نفس مخالف قطعاً فی الالات شارع سے وارور ہو معلوم ہوا کہ اسی نتیجے نے آپ کو مرزا صاحب کے قدموں میں ٹھکایا ہے۔ مگر پھر بھی عقدہ کشائی نہ ہوئی۔

جواب نمبر ۹۔ تصحیح احادیث روایت کو دیکھ کر آج کل آپ اور ہم بغیر جرح و تعدیل من السلف نہیں کر سکتے۔

اس سوال کا اور اگلے سوال یعنی تفسیر بالرائے کا جواب ذرا طویل ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جواب کی ترسیل میں توقف کے متعلق فرماتے ہیں :-

جواب کی اشاعت میں حضرت سائل کی کسر شان کا بھی نہایت ہی خیال تھا اور ہے۔ یہاں تو پہلے ہی سے کچھ نہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ لہذا میں نے آپ کے مکاتیبہ شریفہ اشاعت شریہ کے جواب میں اپنے مایہ قصور اور لاعلمی کو پیش کیا تھا مگر پڑھ کر آپ نے جو آج میری نظر سے گزر رہا ہے اس کی نامنظوری بیان فرمائی۔ اب اگر فضلاء عصر و علمائے دہر کلام جانیں کے ملاحظہ کے بعد داد و انصاف فرمائیں تو یہ تیار مستند علماء و فقہاء معذور سمجھا جائے گا۔

نیز فتوحات مکیہ کے طنز کے جواب میں فرماتے ہیں :-

تغریب نواز، فیوضات مدنیہ نے اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جو نشانیں فتوحات مکیہ کے لیے، آپ کے سامنے کیا وقت اور مدت درپائی کہ میں قول شیخ اکبر قدس سترہ کو پیش کرتا۔ کیا سینکڑوں احادیث صحیحہ کافی نہیں گئیں۔ کیا اس قطع و برید کی شہادت مرزا صاحب کا الہام، جو ازالہ ادھام کے صفحہ ۶ پر باریک قلم سے تحریر ہے، نہیں دے رہا ہے۔

حکیم نور الدین پر صرف ایک سوال جو تشنہ جواب ہی رہا

خاتمہ جواب پر حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

مجھے بہ خیال شان آپ کے بہت افسوس ہے کہ جناب سے ایسے سوالات سرزد ہوں عصمتِ انبیاء اور عدم وقوع خطائی الامر البتلیغی میں تو رد و ہو مگر مرزا صاحب کی عصمت اور عدم امکان خطائی التبعیہ تک بھی متیقن بہ سبحان اللہ مولانا، آپ کے اخلاق کریمانہ سے اُمید کرتا ہوں کہ تشریح حقیقتِ معجزہ سے ذرا آپ بھی ممنون فرماویں گے۔ والسلام خیر ختام۔

اس خط و کتابت کو جناب مولیٰ سنا حافظ محمد غازی نے بصورتِ اشتہار شائع کر دیا اور جب حضرت کے جوابات نے ٹکاک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر علماء و فضلاء سے تحریری و تقریری خراج تحسین حاصل کیا اور عوام کی طرف سے شمس الہدایت کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو مرزا صاحب نے جوش میں آ کر حضرت کو مناظرہ کی دعوت دی مگر اُس میں یہ نہیں کہا کہ آئیے، میرے جن عقائد اور دعاوی سے آپ کو اور تمام عالمِ اسلام کو اختلاف ہے یعنی وفاتِ مسیح، میرا مثیل مسیح اور مسیح موعود ہونا، لامہدی الاعمسی میری ظنی بروزی بلکہ مستقبل نبوت، میرے متعلق انکارِ پرستمانوں کا خارج از اسلام ہونا اور دجال شخصی اور جہادِ سیفی کی تردید وغیرہ کے متعلق میرے ساتھ مباحثہ کر لیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور میرے مشن کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہو جائیں۔ بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لو۔

مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت

پُچنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۲ جولائی ۱۹۰۱ء کو مندرجہ ذیل اشتہار جاری کر کے حضرت قبلہ عالمِ قدس سترہ کو عربی میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج دیا۔

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی، جو سخت مکذب ہیں اُن کے ساتھ ایک طریق فیصلہ مع اُن علماء کے جن کے نام ضمیرِ اشتہار ہذا میں درج ہیں۔

یہ صاحب جن کا نام عنوان میں درج ہے یعنی مہر علی شاہ صاحب ضلع راولپنڈی کے سجادہ نشینوں میں سے ایک بزرگ ہیں۔ وہ اپنی رسمی مشنیت کے غرور سے اس خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اس سلسلہ آسمانی کو مٹادیں۔ چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جو اس بات پر کافی دلیل ہیں کہ وہ علمِ قرآن اور حدیث سے کیسے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ اور چونکہ ان لوگوں کے خیالات بالکل پست اور محدود ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے تمام ذخیرہ لغویات میں ایک بھی ایسی بات پیش نہیں کر سکے جس کے اندر کچھ روشنی ہو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مسیح موعود

حاشیہ اشتہار لے۔ پنجاب اور ہندوستان کے سجادہ نشین یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم تو جابل اور علمِ قرآن اور علمِ عربیت سے بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ پھر تفسیرِ قرآن مجید اور بلاغتِ عربیت میں کیا مقابلہ کریں کیونکہ اگر وہ جابل ہیں تو لوگوں سے بیعت لیتے کیوں ہیں اور مراتبِ سلوک میں مرتبہ کشف القرآن کیوں رکھا ہوا ہے۔ ماسوا اس کے کہ جب یہ مقابلہ خوارقِ عادات کے طور پر ہے تو علم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کشف اور الہام سے کام لیں جس کا دعویٰ ہے۔ (منہ)

آسمان سے نازل ہوگا۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہوں گے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے اُسے معنی کرتے ہیں۔ خدا کی کتابوں کا یہ مستقیم محاورہ ہے کہ جو خدا کی طرف سے اُس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوا دیکھو انجیل یوحنا باب آیت ۳۸۔ اور اسی راز کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ ذِكْرِكَ الْقَدْرِ میں اور نیز آیت ذِکْرُ اَرْسُوْلَیْنِ لیکن عوام جو جسمانی خیال کے ہوتے ہیں وہ ہر ایک بات کو جسمانی طور پر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ جیسے حضرت مسیح ان کے زعم میں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُتریں گے۔ ایسا ہی ان کا یہ بھی تو عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرشتوں کے ساتھ آسمان پر گئے تھے بلکہ اس جگہ تو ایک براق بھی ساتھ تھا۔ مگر کس نے آنحضرت کا چڑھنا اُترنا دیکھا اور نیز فرشتوں اور براق کو دیکھا؟ ظاہر ہے کہ منکر لوگ معراج کی رات میں نہ دیکھ سکے کہ فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے گئے اور نہ اُترتے دیکھ سکے۔ اس لیے انہوں نے شور مچا دیا کہ معراج مجھوٹ ہے۔ اب یہ لوگ جو ایسے مسیح کے منتظر ہیں جو آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اُترتا نظر آئے گا یہ کس قدر خلاف سنت اللہ ہے۔ سید المرسل تو آسمان پر چڑھتا یا اُترتا نظر نہ آیا تو کیا مسیح اُترتا نظر آجائے گا لعنة اللہ علی الکذابی۔ کیا ابوبکر صدیقؓ نے سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع فرشتوں کے معراج کی رات میں آسمان پر چڑھتے یا اُترتے دیکھا؟ یا عمر فاروقؓ نے اس مشاہدہ کا فخر حاصل کیا؟ یا علی المرتضیٰؓ نے اس نظارہ سے کچھ حصہ لیا؟ پھر تم کون اور تمہاری حیثیت کیا کہ مسیح موعود کو آسمان سے مع فرشتوں کے اُترتا دیکھو گے؟ خود قرآن ایسی روایت کا مکتذب ہے۔

سوائے مسلمانوں کی نسل ان خیالات سے باز آجاؤ۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوئے اور کسوف و خسوف تم نے رمضان میں دیکھ لیا اور صدی میں سے بھی سترہ برس گذر گئے۔ کیا اب تک مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لیے مجدد پیدا نہ ہوا۔ خدا سے ڈرو اور خدا اور حسد سے باز آجاؤ۔ اُس غیور سے ڈرو جس کا غضب کھانے والی آگ ہے۔ اور اگر مہر علی شاہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے تو میں فیصلہ کے لیے ایک حل طریقہ پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے راست باز بندے ہیں اُن کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اُن میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق یعنی مابہ الامتیاز رکھا جاتا ہے۔ اس لیے مقابلہ کے وقت بعض امور خارق عادت اُن سے صادر ہوتے ہیں جو حریف مقابل سے صادر نہیں ہو سکتے جیسا کہ آیت وَیَجْعَلُ لَّکُمْ

نمایاں شہادت اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اس علامت کا منتظر رہنا کہ جب مسیح موعود کا دعویٰ کرنے والا آسمان سے اُترتا نظر آئے گا تبھی ہم اُس کو قبول کریں گے سخت حماقت ہے۔ بلاشبہ ایسا مشاہدہ محال ہے اور اگر بائبل یسوعا تو ضرور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں چڑھتے اور اُترتے دکھائی دیتے۔ پس جو امر محال سے متعلق ہے وہ بھی محال اور باطل ہے۔ (منہ)

فَرَقَانَا اس کی شاہد ہے۔

۲۔ ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا جیسا کہ آیت لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اس کی شاہد ہے۔

۳۔ ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ اس کی گواہ ہے۔ سو مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے، صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اول تو یہ دعا کریں کہ یا الہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اُس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اس کی مدد کر۔ اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اُس سے یہ توفیق چھین لے اور اُس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک تاکہ لوگ معلوم کر لیں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور تیری روح القدس کی تابعدار ہے۔ پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں۔ اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چھپکے چھپکے بغیر آواز مٹانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تاکہ اس کی فصیح عبارت کے سُنے سے دوسرے فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرقت نہ کر سکے۔ اور اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے مہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کے لیے فریق ثانی کی تلاشی کر لے۔ اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لیے فریقین کو سات گھنٹہ کی مہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے

حاشیہ: پیر مہر علی شاہ اپنی کتاب شمس الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں یہ لاف زنی کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی لیکن اب تو وہ ان دونوں کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں۔

نذار دے کہے باتو نا گفستہ کار

ولیکن چوں گفستی دلیلش بیار (منہ)

۴۔ یاد رہے کہ ہر ایک نبی یا رسول یا محدث جو نشان اتمام حجت کے لیے پیش کرتا ہے وہی نشان خدا تعالیٰ کے نزدیک معیار صدق و کذب ہوتا ہے۔ اور منکرین کی اپنی درخواست کے نشان معیار نہیں ٹھہر سکتے۔ گو ممکن ہے کہ کبھی شاذ و نادر کے طور پر ان میں سے بھی کوئی بات قبول کی جائے کیونکہ خدا تعالیٰ ان ہی نشانوں کے ساتھ حجت پوری کرتا ہے جو خود بغرض تحدی پیش کرتا ہے یہی سنت اللہ ہے۔ (منہ)

زور دینا کہ ہوا کا اور جب ذیقین لکھ چکیں تو وہ دونوں تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب
پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہو گا سنانی جائیں گی۔ اور ان ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہو گا کہ وہ حلفاً یہ رائے
ظاہر کریں کہ ان دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت تائید روح القدس سے
سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہو گا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو، اور نہ
مہر علی شاہ کا مرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی
عبدالجبار مرغٹوئی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں، جو ان کے مرید اور پیرو
نہ ہوں۔ مگر ضروری ہو گا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجہ
پر اور تائید الہی سے ہے۔ لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہیے جس کا ذکر قرآن میں قذف عیسات کے
باب میں ہے جس میں تین دفعہ قسم کھانی ضروری ہے اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہو گا کہ ایسی تفسیر جس
کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں سبیل ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ورق
ہو گا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صد ہا قرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پس اس
طرز کے مباحثہ اور اس طرز کے تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور
عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے بھی میرے
مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر علی شاہ کے ساتھ ہے اور اس صورت
میں میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں جلاؤں گا اور اپنے تئیں محذول اور
مردود سمجھ لوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبوت شہادت بیس گواہوں کے اس وقت
لکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی۔ نہ وہ
فیض عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ محتاق و معارف سورۃ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے، یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں
نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہو گا کہ یہ اقرار
صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔

میں مکرر لکھتا ہوں کہ میرا غالب رہنا اسی صورت میں مقصور ہو گا جب کہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذیل
اور قابل شرم اور در یک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی لکھ نہ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرت
کریں، کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور اگر مہر علی
شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وہ مومن اور مستجاب الدعوات ہیں تو وہ بھی ایسی دعا کریں اور یاد رہے کہ
خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ خدا کے مامور اور مرسل کے دشمن ہیں۔ اس لیے آسمان
پر ان کی عزت نہیں۔

عاشق شاہ۔ یہ اس شرط سے کہ مولوی محمد حسین و غیرہ اس دعوت سے گریز نہ کریں جو ضمیر اشتہار ہذا میں درج ہے۔ (منہ)

۶۔ کافی ہو گا جو بیس ورق کا اندازہ اس شد آں کے ساتھ کیا جائے جو حال میں مولوی نذیر احمد خان صاحب

دہلوی نے چھپوایا ہے۔ (منہ)

غرض یہ طریق فیصلہ ہے جس سے تینوں علامتیں مستزکرہ بالا جو صادق کے لیے قرآن میں ہیں ثابت ہو جائیں گی۔ یعنی فی البدیہہ عربی نویسی سے جس کے لیے بحر ایک گھنٹہ کے سوچنے کے لیے موقع نہیں دیا جائے گا۔ فریق غالب کا وہ ماہ الامتیاز ثابت ہوگا جس کا نام فرقان ہے اور قرآنی معارف کے لکھنے سے وہ علامت مستحق ہو جائے گی جو آیت لَا یَعْمَدُونَ إِلَّا الْمُنَظَّرُونَ کا منشا ہے۔ اور دعا کے قبول ہونے سے جو پیش از مقابلہ فریقین کریں گے، فریق غالب کا حسب آیت اذْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، مومن مخلص ہونا پائے ثبوت پہنچے گا۔ اور اس طرح پر یہ اُمت تفرقہ سے نجات پا جائے گی چاہیے کہ اس اشتہار کے وصول کے بعد جس کو میں رجسٹری کر اگر بھیجوں گا۔ مہر علی شاہ صاحب دس دن تک اپنی منظوری سے مجھے اطلاع دیں لیکن ضروری ہوگا کہ یہ اطلاع ایک پچھپے ثبوت سے اشتہار کے ذریعہ سے ہو، جس پر میرے اشتہار کی طرح بیس معزز لوگوں کی گواہی ہو اور بحالت مغلویت اپنی بیعت کا اقرار بھی درج ہو۔

یاد رہے کہ مقام بحث بحر لاہور کے کہ جو مرکز پنجاب ہے اور کوئی نہ ہوگا اور ایک ہفتہ پہلے مجھے بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے اطلاع دینا ہوگا تا اُسی جگہ حاضر ہو جاؤں۔ اگر میں حاضر نہ ہوا تو اُس صورت میں بھی میں کاذب سمجھا جاؤں گا۔ انتظام مکان جلسہ پر صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر ضرورت ہوگی تو بعض پولیس کے افسر بلا لیے جائیں گے۔ ہذا اما ارا فی بقی رب السموات العلی۔ فادعواک یا قرتنی علی بصیرۃ من ربی ولعنة الله علی من تخلف منا اوائی۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ تعالوا الی کلمۃ سواہ بیننا و بینکم واتقوا الله الذی یسمع ویبصری۔

المستتر خالسا مہرزا غلام احمد از قادیان۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء

گواہ شہد

مولوی حکیم نور الدین صاحب مولوی محمد احسن صاحب امروہی مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مولوی محمد علی رضا ایم اے ایل ایل بی۔ مولوی حکیم فضل الدین صاحب بھڑی۔ میرزا خدابخش صاحب مصاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹہ حکیم شاہ نواز صاحب راولپنڈی۔ ماسٹر مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے مڈل ماسٹر ہائی سکول تعلیم الاسلام قادیان۔ صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی۔ صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی سرساوی اولاد چار قطب۔ میر ناصر نواب صاحب گورنمنٹ پشاور ملوی حال قادیان۔ ماسٹر عبدالرحمن صاحب ایف اے سیکنڈ ماسٹر ہائی سکول قادیان سید فضل شاہ صاحب ٹھیکیدار مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع جہلم مولوی قطب دین صاحب کمونڈر شفا خانہ قادیان مولوی محمد فضل صاحب چنگوی مولوی عبداللہ صاحب کشمیری مولوی حافظ احمد اللہ خان صاحب مدرس ہائی سکول قادیان مولوی قاضی سید امیر حسین صاحب مدرس۔ شیخ عبدالرحیم صاحب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ قادیان

اشتہار۔ دس دن تک پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اشتہار کا شائع ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن یہ لحاظ نہیں اس اشتہار کے تمام عامہ کی اطلاع کے لیے مقابلہ اشاعت اشتہار سے ٹھیک ٹھیک ایک مہینہ بعد ہوگا۔ (منہ)
۸۔ اگر پیر صاحب تجویز مکان سے دشمن ہوں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی۔ (منہ)

نقل ضمیمہ اشتہار دعوت

اشتہار دعوت کے ساتھ ضمیمہ اشتہار منقول ذیل شامل تھا۔

ضمیمہ اشتہار دعوت

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑی

پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہزار ہا مريد یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم میں اور حقائق و معارف دین میں اور علوم ادبیہ میں اس ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اس امتحان کے لیے پیر صاحب موصوف کو اختیار کیا ہے تاکہ ان کے مقابلہ سے خدا تعالیٰ کا وہ نشان ظاہر ہو جائے جو اس کے مريدین اور مأمورین کی ایک خاص علامت ہے لیکن ممکن ہے کہ اس ملک کے بعض علماء ناحق کی شیخی سے یہ خیال کریں کہ ہم قرآن شریف کے جاننے اور زبان عربی کے علم ادب میں پیر صاحب موصوف پر فوقیت رکھتے ہیں۔ یا کسی آسمانی نشان کے ظاہر ہونے کے وقت یہ غدر پیش کر دیں کہ پیر صاحب موصوف کا مغلوب ہونا ہم پر نکتہ نہیں ہے۔ اور اگر ہمیں اس مفت بلہ کے لیے بایا جاتا تو ضرور ہم غالب آتے۔ اس لیے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ ان تمام بزرگوں کو بھی اس مقابلہ سے باہر نہ رکھا جائے اور خود ظاہر ہے کہ جس قدر مقابلہ کرنے والے کثرت سے میدان میں آئیں گے اسی قدر الہی نشان کی عظمت بڑی قوت اور سطوت سے ظہور میں آئے گی اور یہ ایک ایسا زبردست نشان ہوگا کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہو نظر آئے گا اور ممکن ہے کہ اس سے بعض نیک دل مولویوں کو ہدایت ہو جائے اور وہ اس الہی طاقت کو دیکھ لیں جو اس عاجز کے شامل حال ہے۔ لہذا اس ضمیمہ کے ذریعہ سے پنجاب اور ہندوستان کے تمام ان مولویوں کو مدعو کیا جاتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ علم تفسیر قرآن اور عربی کے علم ادب اور بلاغت فصاحت میں سرآمد روزگار ہیں مگر شرائط ذیل کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱۔ اس مقابلہ کے لیے پیر مہر علی صاحب کی بہر حال شمولیت ضروری ہوگی کیونکہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ علم عربی اور قرآنی میں ان تمام مولویوں سے بزرگ اور افضل ہیں۔ لہذا کسی دوسرے مولوی کو صرف اس حالت میں قبول کیا جائے گا کہ جب پیر مہر علی شاہ صاحب اس دعوت کو قبول کر کے بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے شائع کر دیں کہ میں مقابلہ کے لیے تیار ہوں۔ یا مقابلہ کرنے والے علماء کی ایک ایسی جماعت پیش کریں جو چالیس سے کم نہ ہو۔ ہاں ضروری ہوگا کہ دوسرے مولوی صاحبوں کے لیے وقت اور گنجائش نکالنے کے لیے پیر صاحب موصوف مباحثہ کے لیے ایک مہینہ سے کم تاریخ مقرر نہ کریں۔ تا اس مدت تک باور کرنے کی وجہ پیدا ہو جائے کہ ان تمام مولویوں

حاشیہ ضمیمہ اشتہار :-

پیر مہر علی شاہ صاحب پر یہ فرض ہوگا کہ اگر وہ اپنے تئیں مرد میدان سمجھیں تو اشتہار مذکور کی اشاعت کی تاریخ سے یعنی اس روز سے جو بذریعہ رجسٹری اشتہار ہوا ان کو پہنچے، دس روز کے اندر اپنی تیاری مقابلہ اور قبول شرائط سے ہمیں اور پبلک کو اطلاع دیں۔ (منہ)

کو پیر مہر علی شاہ صاحب کے اشتہار سے اطلاع ہو گئی ہے۔ پہلے میں نے ایک ہفتہ مقرر کیا تھا مگر اب اس لحاظ سے اس قدر تھوڑی میعاد عام اطلاع کے لیے کافی نہیں۔ ہاں ضروری ہوگا کہ اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد پیر صاحب موصوف دس دن کے اندر اس دعوت کے قبول کے بارے میں ایک عام اشتہار شائع کر دیں۔ اور بہتر ہوگا کہ پانچ ہزار کاپی چھپوا کر بذریعہ چند نامی مولوی صاحبان پنجاب و ہندوستان میں اس معرکہ مباحثہ کی عام شہرت دے دیں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ مقام مباحثہ لاہور ہوگا جو صدر مقام پنجاب ہے اور تجویز مکان پیر صاحب کے ذمہ ہوگی لیکن اگر وہ اپنے اس اشتہار میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تجویز مکان اپنے ذمہ نہ لیں تو پھر یہ تجویز میرے ذمہ ہوگی اور کچھ حرج نہیں تمام کرایہ مکان مباحثہ کا میں ہی دوں گا۔

۳۔ تیسری یہ شرط ہے کہ یہ بحث صرف دن میں ہی ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص مقابل کو سات گھنٹے تک لکھنے کی مہلت ملے گی۔

۴۔ چوتھی یہ شرط ہے کہ جس قدر اس مقابلہ کے لیے مولوی صاحبان حاضر ہوں گے اُن کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگا۔ کہ ایک دوسرے کو کسی قسم کی بددکریں، نہ تحریر سے نہ اشارات سے۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب ایک مناسب فاصلہ پر ایک دوسرے سے دور ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی تحریر کو نہ دیکھ سکیں اور جو شخص ایسی حرکت کرے وہ کمرہ مقابلہ سے فی الفور نکال دیا جائے گا اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب اپنے ہاتھ سے ہی لکھے۔ ہرگز جائز نہ ہوگا کہ آپ بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے، کیونکہ اس صورت میں اقتباس اور استراق کا اندیشہ ہے۔

۵۔ ضروری ہوگا کہ ہر ایک صاحب جب اپنے مضمون کو تمام کر لیں جو کم سے کم حسبِ ہدایت اشتہار مذکور میں ورق کا ہوگا جس میں کوئی عبارت اُر دو کی نہیں ہوگی بلکہ خالص عربی ہوگی تو اس کے نیچے اپنے پورے دستخط کریں اور اسی وقت ایک ایک نقل اس کی مع دستخط اور نیز مع ایک تصدیقی عبارت جو بدیں مضمون ہو کہ نقل ہذا مطابق اصل ہے اس عاجز کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی بعد اخذ تمام نقول کے ایک نقل اپنی تحریر کی بعد ثبت دستخط پیر مہر علی صاحب کو دے دوں۔ یہ میرے ذمہ نہیں ہوگا کہ ہر ایک صاحب کو ایک ایک نقل دوں۔ کیونکہ اس تھوڑے وقت میں ایسا ہونا غیر ممکن ہے کہ میں مثلاً پچاس مولویوں کے لیے پچاس نقلیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں۔ ہاں ہر ایک مولوی صاحب کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے لیے ایک ایک نقل میرے مضمون کی پیر مہر علی شاہ صاحب سے لے کر خود لکھ لیں۔ مگر یہ اُس وقت ہوگا جب اپنے مضمون کی نقل مجھے دے چکیں۔

۶۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا مضمون بعد لکھنے کے آپ سنائے گا یا اشتہار ہوگا کہ جس کو وہ پسند کرے وہ سناوے۔

۷۔ اگر سنانے کے لیے وقت کافی نہیں ہوگا تو جائز ہوگا کہ وہ مضمون دوسرے دن سنا دیا جائے۔ مگر یہ ضروری شرط

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

۱۔ یہ میرا بھی فرض ہوگا کہ میں بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دوں اور جائز ہوگا کہ میں اپنا فرض پورا ادا کر کے دوسروں کی نگرانی کے لیے کسی دوسرے کو مقرر کر دوں اور یہی اختیار مخالفین کو ہوگا۔ (منہ)

ہوگی کہ سنانے سے پہلے اُسی دن اور اُسی وقت جب کہ وہ بالمقابل تحریر ختم کر چکے ہوں ایک نقل بعد ثبت و نسخہ مجھ کو دے دیں اور جائز نہ ہوگا کہ نقل دینے کے بعد اُس مضمون پر کچھ زیادہ کریں یا اصلاح کریں۔ اور سہوہ نسبان کا کوئی عذر سنا نہیں جائے گا اور اس شرط کا ہم میں سے ہر ایک پابند ہوگا۔

۸۔ تمام مضامین سنانے کے بعد تین مولوی صاحبان جن کو پیر مہر علی شاہ صاحب تجویز کریں گے۔ اُس قسم کے تین مرتبہ حلف کے ساتھ جو قدف محسنات کے بارے میں قرآن شریف میں مندرج ہے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔ کہ کیا یہ تمام مولوی صاحبان مقابل میں غالب رہے یا مغلوب رہے اور وہ رائے منطبع ہو کر وہی آخری فیصلہ ہمارا اور ہمارے اندر رونی مخالفوں کا قطعی طور پر قرار دیا جائے گا۔

۹۔ نویں شرط یہ ہے کہ اگر الہی رُعب کے نیچے آکر پیر مہر علی شاہ صاحب اس مقابلہ سے ڈر جائیں اور دل میں ایسے تئیں کاذب اور ناحق پر سمجھ کر گریز اختیار کر لیں تو اُس صورت میں یہ جائز نہیں ہوگا کہ دوسرے مولویوں میں سے صرف ایک یا دو شخص مقابلہ کا اشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ بے فائدہ اور محض تبذیر اوقات ہے۔ وجہ یہ کہ بعد میں دوسرے مولویوں کے لیے یہ عذر بنا رہتا ہے کہ مقابلہ کرنے والے کیا چیز اور کیا حقیقت تھے یا جاہل اور بے علم تھے۔ لہذا یہ ضروری شرط ہوگی کہ اس حالت میں جب کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے مُریدوں کو دریائے مذمت میں ڈال کر بھاگ جائیں اور اپنے لیے کناہ کشتی کا داغ قبول کر لیں تو کم سے کم چالیس نامی مولویوں کا ہونا ضروری ہے جو میدان میں آنے کی درخواست کریں۔ اور یہیں منظور ہے کہ وہ اُن میں سے ہوں جن کے نام ذیل میں لکھے جائیں گے یا اس درجہ کے اور مولوی صاحبان باہم مل کر اشتہار دیں کہ جو چالیس سے کم نہ ہوں اور اس صورت میں اُن سے ہر پابندی شرائط مذکورہ بالا مقابلہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ اگر اشتہار ہذا کے شائع ہونے کی تاریخ سے جو ۲۲ جولائی سن ۱۹۰۰ء ہے۔ ایک ماہ تک نہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف سے اس میدان میں حاضر ہونے کے لیے کوئی اشتہار نکلا اور نہ دوسرے مولویوں کے چالیس کے مجمع نے کوئی اشتہار دیا تو اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے اُن سب کے دلوں میں رُعب ڈال کر ایک آسمانی نشان ظاہر کیا۔ کیونکہ سب پر رُعب ڈال کر سب کی زبان بند کر دینا اور اُن کی تمام شیخیوں کو کھل ڈالنا، یہ کام بجز الہی طاقت کے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ و ثلاث عشرة کاہلۃ من الاشراط التي اذنا ذکرھا۔

اب میں ذیل میں اُن حضرات مولوی صاحبان کے نام لکھتا ہوں جو اس مقابلہ کے لیے بشرطِ شمولیت پیر مہر علی شاہ صاحب یا بشرطِ مجمع چالیس بلائے گئے ہیں اور اکران کے سوا اہل پنجاب اور ہندوستان میں سے یا اُن عربوں میں سے جو تشریف لائے ہوں۔ اس ملک کے کسی گوشہ میں اور مولوی صاحبان موجود ہوں

حاشیہ ضمیمہ اشتہار

۱۔ اگر بعض مولوی صاحبان جو لاہور سے کسی قدر فاصلہ پر رہتے ہیں۔ یہ عذر پیش کریں کہ ہم بوجہ ناداری لاہور پہنچ نہیں سکتے تو مناسب ہے کہ وہ بطور قرضہ انتظام کرایہ سفر کر کے لاہور پہنچ جائیں۔ اگر فقیاب ہو گئے تو میں کُل کرایہ آمد و رفت اُن کا دے دوں گا۔ (منہ)

جو کتب ہوں تو وہ بھی اس اشتهار میں ایسے ہی مدعو ہیں جیسے یہ لوگ ہیں۔ اور حضرات موصوفین کے نام یہ ہیں :-
چھپاسی علماء کے اسماء کی فہرست

مولوی محمد صاحب لدھیانہ، مولوی عبدالعزیز صاحب برادر مولوی محمد لدھیانہ، مولوی محمد حسین رئیس لدھیانہ، مولوی
مشتاق احمد انیسوی مدرس لدھیانہ، مولوی شاہ دین مفتی لدھیانہ، مولوی معظم دین مرولہ والا۔ ڈاک خانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور،
مولوی عبداللہ حکیم الوی معرفت میاں محمد چٹو لاہور، مولوی غلام حسین سیالکوٹ، مولوی محمد خلیل احمد انیسویہ ضلع سہارن پور،
مولوی شاہ محمد حسین صابری محبت الہی سنبھل مراد آباد، مولوی نذیر احمد خان دہلوی سابق ڈپٹی کلکٹر سرکار نظام حیدر آباد، مولوی
عبد اللطیف امروہی مدرس اودے پور، بیواڑ۔ راجپوتانہ، مولوی ولی محمد جالندھری ساکن تیارہ، قاضی عبدالقدوس چھاؤنی بنگلور،
مولوی شیخ عبداللہ ساکن پاک عمر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات، مولوی محمد حسین مفسر ساکن امروہہ، محلہ ملانا۔ ضلع مراد آباد، یو۔ پی،
مولوی عبدالغفار مفتی ریاست گوالیار، مولوی عبداللہ محلہ کھڑہ کراچی، مولوی احمد حسن مدرس پانواڑی، امروہہ ضلع مراد آباد، مولوی
قاسم شاہ سیفی مجتہد لاہور، مجتہد صاحب لکھنؤ، مولوی عنایت علی شیعہ سامانہ، ریاست پٹیالہ، مولوی سکندر صاحب شہر
میسور، مولوی لطیف اللہ قاضی القضاۃ حیدر آباد، مولوی نذیر حسین انیسویہ، سہارن پور، مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھانان،
ضلع راولپنڈی، مولوی محمد حسین موضع بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم، مولوی شہزاد اللہ امرتسری، مولوی کلیم اللہ مچھیانہ، گجرات،
مولوی محمد اسحاق اجرا در پٹیالہ، مولوی نذیر حسین دہلوی یاجس کوڈہ اپنا دیکن بنائیں، مولوی تھطف حسین دہلوی، مولوی کرامت اللہ
محلہ باڑہ، صدر بازار۔ دہلی، مولوی فضل دین گجرات، پنجاب، مولوی عبدالوہاب امام مسجد صدر دہلی، علماء ندوہ لکھنؤ، جس عالم کو اپنا
دیکل بنائیں، مولوی منشی سلیمان ملازم ریاست پٹیالہ مؤلف غایت المرام، مولوی مسیح الزمان شاہجہان پور یاد پال کا جو عالم بھی ہو، مولوی
محمد صدیق دیوبندی حال مدرس پھر ایوں مراد آباد، مولوی محمد شفیع قصبہ رام پور ضلع سہارن پور، مولوی محمد شبلی نعمانی سابق پروفیسر علی گڑھ
کالج، مولوی دیدار علی مسجد دائرہ ریاست الور، شیخ خلیل الرحمن سرسواہ سہارن پور سجادہ نشین چار قطب ہانسوی، مولوی نظام الدین
قاضی مالیر کوٹہ، شیخ اللہ بخش تونسوی سنگھ مرچ جماعت علماء، مولوی عبداللہ ٹوکی پروفیسر، قاضی ظفر الدین پروفیسر، مولوی عبدالحکیم پروفیسر
مولوی عبداللہ ساکن جلو خلیفہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑ دی، مولوی غلام محمد چکوال ضلع جہلم، مولوی ابراہیم آرہ، مولوی محمد حسین پٹالوی،
مولوی شیخ حسین عرب میانی بھوپال، مولوی اصغر علی پروفیسر حمایت اسلام لاہور، مولوی محمد بشیر بھوپال، مولوی عبدالجبار امرتسر،
مولوی احمد اللہ امرتسر، مولوی رسل بابا امرتسر، مولوی عبدالحق مفسر تفسیر حقانی دہلی، مولوی عبدالحق امرتسر، مولوی عبدالواحد امرتسر،
مولوی منہاج الدین کوٹ، منشی الہی بخش ملکم بذریعہ الہام تفسیر لکھیں، مولوی احمد ساکن سکندر پور ہزارہ، مولوی رشید احمد گنگوہی
ضلع سہارن پور، قاضی امیر عالم ساکن سکندر پور ہزارہ، مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی، مولوی ابوالخیر نقشبندی خانقاہ شریف حضرت
مرزا جانجاناں خاص دہلی، مولوی احمد علی واعظ سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارن پور حال مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ملا مانکی نوشہرہ پشاور،
مولوی عبدالمتان وزیر آبادی جس عالم دنیا کو منتخب کریں، قاضی سلطان محمود آئی اوان گجرات، مولوی غلام محمد بگہ والا سہی مسجد لاہور،
مولوی محمد زکریا انجمن حمایت اسلام لاہور، مولوی غلام محمد ملازم انجمن نعمانیہ لاہور، مولوی غازی خان گولڑہ۔ راولپنڈی، مولوی غلام رسول
قلبال۔ گوجر خاں، مولوی مفتی غلام محی الدین۔ گڑھا۔ ڈاک خانہ ڈویسی، مولوی عبدالسمیع رام پوری حال ملازم شیخ الہی بخش رئیس میرٹھ،
مولوی محمود حسن مدرس اول مدرسہ دیوبند، مولوی احمد حسن کنج پوری صابری۔ جامعہ مسجد دہلی، مولوی احمد حسن ایڈیٹر اخبار شحہ ہند
میرٹھ، مولوی عبدالخالق جہان خیلان ضلع پشاور، مولوی عبدالرحمن چھوہروی ضلع ہزارہ، مولوی فقیر محمد عزیز ترنواہ ضلع ہزارہ،

شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی۔

المشتہد خاکسار

مرزا غلام احمد از قادیان ۲۰ جولائی ۱۹۰۸ء

مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان (یہ اشتہار ۲۰ × ۲۶ کے ۱۴ صفحات پر ہے)
(مؤلف :- مسند درجہ بالا فہرست میں برصغیر پاک و ہند کے اُس وقت کے قریب تمام مشہور بزرگان دین اور علمائے کرام کے اسما گرامی آگئے ہیں جو بقیہ حیات تھے۔ اور جب یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین برحق کی مدافعت اور خدمت کے لیے ان تمام بزرگان و اکابرین اسلام میں سے صرف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ ہی کو منتخب فرما کر سب کی طرف سے شرفِ نمائندگی بخشا تو بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے :-
ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نقلِ اشتہار جواب دعوت

گوڑہ شریف میں مرزا صاحب کا یہ اشتہار دعوت ۲۵ جولائی ۱۹۰۸ء کو موصول ہوا۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اُسی روز منقولہ ذیل اشتہار جواب دعوت مع ضمیمہ مطبع اخبار چودھویں صدی تراولپنڈی میں بھیجا کر اگلے ہی روز ملک میں شائع کروادیا۔ مرزا صاحب کی خواہش کے مطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوانی گئیں ان میں سے مرزا صاحب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ اور علمائے کرام مندرجہ اشتہار دعوت کو اور پنجاب و ہندوستان، صوبہ سرحد اور افغانستان کے بہت سے دیگر علماء و فضلاء کو بھی، دستی اور بذریعہ ڈاک روانہ کر دی گئیں۔ تمام ملک کے اخبارات میں بھی اس دعوت منظرہ اور جواب دعوت کی اطلاعات نشر کر دی گئیں۔ جس سے ہر جگہ خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔

حضرت مولینا پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سترہ کا جواب دعوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وحدہ والصلوة والسلام علی من لا نبی بعدہ وآلہ و عترتہ۔

آما بعد۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۸ء آج اس نیاز مند علمائے کرام و مشائخ عظام کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوتِ حاضری جلیلہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب سبرو شیم منظور ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گزارش کو بے سلبک شرائط مجوزہ مسلک فرما دیں گے۔ وہ یہ ہے کہ مذہبی مسیحیت و مہدویت و رسالتِ انسانی تقریر سے بشاذِ حضارِ جلیلہ اپنے دعویٰ کو بے ثبوت پنچا دیں۔ بحجواب اُس کے نیاز مند کی معروضاتِ عدیدہ کو حضراتِ حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادتِ درائے عینوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب ٹالوی

و مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی و مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر لاہوری کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ازاں اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو یہ پائے ثبوت نہیں پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بیعت تو بہ کرنی ہوگی۔

بعد اس کے عقائد محدوده مرزا صاحب میں جن میں جناب ساری اُمت میں منفرد ہیں بحث تحریری اظہار رائے ہو کر، مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیق حق کے لیے عند العقلاء مقتضی بالطلع ہے۔

ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد اعلان مضامین کے کچھ بھی وقت اور عظمت نہیں۔ حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیاران صداقت کے لیے نہایت مہتمم بالشان ہے۔ اظہار حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارف قرآنیہ سے تو ان کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔ اور وہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیقت کی وجہ سے دھبہ لگا رہے ہیں۔ علمائے کرام کی تحریرات اور اہل دیانت و فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں تیز نویسی چونکہ بروز عیسوی و بروز محمدی سے بالکل اجنبی اور برطرف ہے لہذا اُس کو مؤخر رکھا جائے گا۔ اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمادیں۔ نہایت ممنون ہو کر حاضر ہو جاؤں گا۔ قانون فطرت اور کرات و مرآت کا تجربہ مع شہادت (وَلَكِنْ نَجِدُ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا) کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقت بحث میں الہام سکونتی ہو جاوے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں اس الہام ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے۔ کہ ایسے الہامات عندیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ در صورت منجانب اللہ ہونے کے کیونکر زیر لحاظ نہ ہوں اور مستثنیٰ نہ کیے جاویں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھر ان پر تعمیل واجب ہوگی۔ مشائخ عظام اور علمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از تصنیع اوقات و تکلیف بحث کیا حاصل ہوگا۔ لہذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک ان بزرگواروں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیاز مند ان کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرط معروض الصدر نامنظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کے کاذب ہونے پر آپ فرماتے ہیں کہ شمس الہدایت کے صفحہ ۸۱ میں نیاز مند نے علم اور فقر میں لاف زنی کی ہے ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہذیب ہے بمقابلہ محاورات مثلاً اجماع کورانہ "ضرب نادان"۔ "بے شرم"۔ "بے حیا"۔ "علمائے ہود" وغیرہ جو آپ نے اپنی کتب "ازالہ"۔ "ایام الصلح" میں دربارہ علماء سلف و خلف شکر اللہ سعیم کے دیانت اور تہذیب سے لکھا ہے اور تقریظ فی فہم القرآن کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ اس اشتہار کے صفحہ ۳ کے آخر میں باریک قلم سے لکھتے ہیں اگر وہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی الخ۔

لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکورہ سے معلوم ہو جائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب

آپ اپنی دعوت میں مأمور من اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اس دعوت کی ہمت نہ کرنا چاہیے۔

مرزا صاحب: نیاز مند کو مع علمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باعث انکار ہے۔ انصاف فرمادیں مثیل مشہور کا مصداق نہ بنیں۔ (نالے چورتے نالے پتر)۔ ظاہر تو عشق محمدی اور مسترآن کریم سے دم مارنا اور درپردہ کیا بلکہ علانیہ تحریف کتاب و سنت کرنی اور پھر اس کمال پر مکتفی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر علمائے خاموش بیٹھے رہیں۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور و شور سے ارشاد فرما چکے ہیں۔ اگر یہ لحاظ اس کے کچھ لکھا بھی جاوے تو داخل گستاخی اور مورد عتاب اہل تہذیب نہیں ہو سکتا مگر تاہم لوگوں کی تنبیہ سے شرم آتی ہے۔ اس سے زیادہ آپ کے اوقات گرامی کی تضييع نہیں کرتا ہوں۔ والسلام علی من اتبع الهدی وامن بخاتمۃ افضل الاولین والآخرین سیدنا ابی القاسم محمد المصطفیٰ وصدق بما جاء به من عند رب الارضین والسموات العلوی ربنا لا تؤاخذنا ان لم نلینا اذ اخطانا واصل وسلم وبارک وادیم علی من اریتہ الایات الکبریٰ صلوة تستجیب بہا دعائنا وتزکی بہا نفوسنا وتحیی بہا قلوبنا وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

العبد الملتجئ الی اللہ

مہر علی شاہ از گولڑہ

۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء

نوٹ: حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ جیٹری ایلغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت ۱۵ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔

گواہ شاہد

محمد غازی۔ مولوی حضرت میر محمد صاحبزادگان خان ملا خان صاحب رئیس کابل۔ قاضی محمد زمان ساکن پٹی
مولوی محمد۔ مولوی عبد اللہ ساکن جٹو۔ مولوی ہدایت اللہ۔ مولوی احمد دین ساکن بھوئی۔ مولوی محمد یوسف
ساکن بھوئی۔ مولوی غلام ربانی ساکن بھوئی۔ مولوی سید حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ پٹی۔ مولوی
محمد اشماہیل گولڑہ۔ مولوی عبد اللہ شاہ ساکن گرمی افغاناں۔ مولوی میر محمد ساکن بھوئی۔ مولوی محمد عثمان
ساکن گولڑہ۔ مولوی فضل محمد ساکن سوان۔ مولوی منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی عبد المجید ساکن
کوٹ نجیب اللہ۔ مولوی محبوب عالم ساکن گولڑہ۔ قاضی نواب ساکن کوٹ۔ مولوی بدر دین پوٹھواری

نقل ضمیمہ اشتہار جواب دعوت

ضمیمہ اشتہار جواب دعوت

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء مشعرہ ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سترہ کے پاس بذریعہ رجسٹری آج پہنچا ہے۔ اور جس میں وہ پیر صاحب کو مدعو کرتے ہیں کہ پیر صاحب اُن سے بشرائط ذیل (جن کو وہ خود ہی تجویز کرتے ہیں) اور جن کو میں مختصر اذیل میں لغرض سہولیت منہم درج کرتا ہوں) مباحثہ کریں مضمون مباحثہ قرآن کریم کی کوئی سورت یا کسی سورت کی چالیس آیتوں کی تفسیر ہوگا اور سورت بذریعہ فال یا قرعہ اندازی انتخاب کی جائے گی۔

۱۔ (۱) پیر صاحب دس روز کے اندر تاریخ رسیدگی اشتہار دعوت مرزا صاحب سے بذریعہ اشتہار مطبوعہ جس کی پانچ ہزار کاپیاں ہوں کل علمائے ہندوستان کو جن کے نام وہ آخر درخواست میں درج کرتے ہیں مطلع کر دیں۔ جلسہ میں پیر صاحب کی شمولیت ضروری ہوگی۔ اگر پیر صاحب بذریعہ اشتہار قبول دعوت کریں، یا چالیس اور علماء کی جماعت درخواست بذریعہ اشتہار کرے تو مرزا صاحب مباحثہ کریں گے۔

۲۔ (۲) مباحثہ بمقام لاہور ہوگا۔ مکان کی تجویز اور اہتمام پیر صاحب کے ذمہ ہوگا۔ بصورت انکار پیر صاحب، مرزا صاحب خود انتظام کریں گے۔

(۳) بحث ایک ہی روز میں ختم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک شخص کو بالمقابل لکھنے کے لیے سات گھنٹہ تک

حاشیہ ضمیمہ اشتہار :-

۱۔ اصل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا منشاء یہ ہے کہ اشتہار دعوت بھی مشتمل ہو جائے اور معاملہ بھی وقوع میں نہ آوے۔ اس لیے ایسے ایسے علماء اور سجادہ نشین درج فہرست کر دیئے ہیں جو بعض تو بوجہ علاقہ متحدہ اپنا مکان نہیں چھوڑ سکتے اور بعض ملازم ہیں۔ بعض اس قدر بُعد مسافت اور کثرت اخراجات کی وجہ سے سخت متامل ہوں گے۔ مگر بہر حال جو سو ہو فہرست میں تو تعداد علماء صرف ۸۶ کس ہے، معلوم نہیں پانچ ہزار کاپی کیوں مطلوب ہوئی۔ بہر حال اُن صاحبان کو کاپیاں پہنچانی جاویں گی۔ علاوہ برآں پبلک کو بھی بذریعہ اشتہار مطلع کیا جائے گا۔ مہربانی کر کے آپ بھی اپنے اشتہار مطبوعہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کی نقول اُن صاحبان کو پہنچادیں تاکہ اس بالمقابل درخواست کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۔ حضرت آپ خود ہی انتظام کریں، آپ کے لیے لاہور میں اہتمام کرنا بڑا آسان ہوگا۔ آپ لاہور سے قریب ہیں۔ آپ کے معتقدین بھی وہاں بہت ہیں۔ کرایہ ہم ادا کر دیں گے۔

تہ فہمات ہونگی۔

۴) اس معاملہ کے لیے مولوی صاحبان جو حاضر ہوں گے ان کو ہائیز ہو گا کہ وہ ایک دوسرے سے ہمارے کوشش سے یا تحریر و تقریر سے کسی طرح کی اعلا و دیوانی بصورت اخراج شدہ اور حکومت کمال فہم ہوں گے۔
۵) ضروری ہو گا کہ ہر ایک شخص کم از کم میں ورق لکھنے اور اس میں فی عبارت عربی ہو، اور وہ اصل و سہا و بعد اختتام مضمون ایک ایک نقل مطابق اصل پشت و دستخط کامل ذریعہ تحریر کنندہ کے دوسرے ذریعہ کو اپنی جگہ لے گی۔
۶) بعد از تحریر ہر ایک شخص اپنا مضمون خواہ خود خواہ ہوتا آجستہ نام میں منسلک ہو گا۔
۷) بعد ازاں کسی شخص کو اختیار ہو گا کہ اس مضمون میں کوئی ترمیم، اصلاح یا کمی بیشی کرے۔ نسیان کا لحاظ بھی مضموع نہ ہو گا۔

۸) بعد ازاں مولوی صاحبان کو جن کو پیر صاحب تجویز کریں گے (مگر اب تو اس کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ مولوی صاحب نے خود تین عالم یعنی مولوی محمد حسین شاہی، مولوی عبدالحق، اور مولوی عبدالحق پر وقیر و مولوی تجویز کر دیئے ہیں، ان تجویزات پر اسے زنی کریں گے اور ان کو تین مرتبہ کی حلف قذف محتاج کے ساتھ لے کر

حاشیہ ضمیمہ لشکر

۱) مگر حضرت نقل مطابق اصل کا نام بھی محسوس کریں کم از کم چھ گھنٹے اس میں ہی صرف ہوں گے آپ تو اس روز کی نماز بخشش الیں گے یا ایک ہی وقت جمع کریں گے پیر صاحب تو انت قہر ہی کے ایک فرد ہیں۔ ان پر اور باقی علماء پر نماز موقوف فرض ہے اور دیگر حوائج ضروریہ بھی ہیں۔ ان کے واسطے وقت نکال لیجئے گا۔

۲) یہ کیا آپ تو فرماتے ہیں کہ آپ الہی طاقت سے یہ مقابلہ یا باجہا جو کچھ نام آپ رکھیں کرتے ہیں یہ ایسی قید آپ کیوں لگاتے ہیں الہی زور تو دنیاوی لوگوں سے مغلوب نہیں ہو کرتا، غولوتنی ہی تعداد مقابلہ میں آجائے۔ *وَاذْعُو لَشْرِكِ آخِ كُفْرٍ مِّنْ ذُؤِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ دِيْنََ*۔ جہاں یہ تو فرمادیجئے گا کہ اس قدر کثیر جماعت علماء کی جمع ہو کر کیا کرے گی صبح سے شام تک بے آب واذ بیٹھ کر دُشمنوں کو یہ دیکھتی رہے گی کہ کس کا قلم زور سے پھٹتا ہے اور وہ کون سی ایسی ہے جس کے واسطے اور کون سا اور اہم علم ہے جس کی شہادت کے لیے آپ اس قدر علماء کو بصورت ماضی پیر صاحب طلب کرتے ہیں اور ایسی ہی بندش بکار ہے تو وہ پولیس کنسٹیبل ہو لیجئے گا۔ وہ آپ دونوں کے سروں پر پہن دیں گے اور بعد میں جب مضامین طبع ہو کر علماء کو فی جہاں میں تو وہ فیصلہ کریں گے بھلتے تین چھوڑ دے لینا۔

۳) اس میں تشکک نہیں کہ آپ ضرور کہیں ورق پور سے کریں گے مگر نفس مضمون نصت اور ورق پر غم ہو جائے گا تو باقی ورق آپ علماء، انبیاء اور ذریعہ نجات کو لایاں دے کر بھی پورے کریں گے مگر حضرت ایک چوک تو ہو گئی کہ ورق کی تصحیح اور قہر کی مٹائی اور دنا اور دلی اور کشادگی خط کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

دریافت کیا جائے گا کہ کون سا مضمون تائید روح القدس سے لکھا گیا ہے اور وہ رائے قطعی ہوگی جو طبع کر اگر تقسیم بھی کی جائے گی۔

(۹) اگر الٰہی رعب کے نیچے آکر پیر صاحب اس مقابلہ سے ڈرجاویں اور گریز اختیار کریں یا دس روز تک بذریعہ اشتہار طبع دعوت کی منظوری کا اعلان نہ کریں تو اس صورت میں جائز نہ ہوگا کہ دوسرے مولوی صاحبان میں سے ایک یا دو شخص مقابلہ کا اشتہار دیں۔ کیونکہ ایسا مقابلہ تضییع اوقات ہے۔ کیونکہ کم از کم چالیس نامی علماء اس فہرست میں سے جو مرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں دی ہے یا اور علماء کی ایسی جماعت جو مرزا صاحب کی مکتب ہے اور مرزا صاحب اُن سے بے علم ہیں، درخواست کریں تو مرزا صاحب بحث کریں گے۔

(۱۰) اگر مرزا صاحب کے اشتہار کی تاریخ شروع سے جو ۲۳ جولائی سنہ ۱۲۹۰ء ہے ایک ماہ تک بغرض مقابلہ مرزا صاحب مذکور، پیر صاحب کی طرف سے اشتہار نہ نکلے اور نہ دوسرے مولوی صاحبان کے چالیس اشخاص کے مجمع سے تو اس صورت میں سمجھا جائے گا کہ آسمانی نشان نے اُن کی شیخیوں کو کھل ڈالا۔ یہ کام بجز الٰہی طاقت کے کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا ہے۔ وذلک عشرۃً کاملہ۔ اس میں اُن علماء کو جنہیں مدعو کیا گیا ہے یہ وعدہ بھی دیا گیا ہے کہ جو صاحب بوجہ ناداری نہ آسکیں وہ قرضہ لے کر آجائیں اور اگر اُن کا فرق کامیاب ہو گیا۔ تو مرزا صاحب اُن کے مصارف ادا کر دیں گے۔ اس مباحثہ میں تین طور پر حسد اُن کی تائید کرے گا۔

(i) بطور خرق عادت ایک یا چند امور مابہ الامتیاز جو مرزا صاحب میں پیدا ہو جائیں گے اور اُن کے مقابل میں نہیں ہوں گے۔

(ii) مرزا صاحب کو خاص طور پر اُن آیات قرآنی کے معارف و حقائق و دقائق کا علم دیا جائے گا مگر غیر کو نہیں۔

(iii) اُس کی دعائیں وقت قبول ہوگی اور اُس کے غیر کی نہیں۔

حضرت مرزا صاحب، یہ اشتہار تو کجا بوجہ اشتہار کجا تاختم کا مضمون ہے۔ کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ بڑے کاتب، منشی اور بڑے فصیح و بلیغ عربی نویس ہیں یا آنکہ مجدد و مہدی و مسیح و مثیل محمد۔

آپ اپنا دعویٰ ثابت کریں۔ یہ لت کیا سوچھ گئی ہے۔ آپ ذہور دین ہیں، ایک نصف جسم آپ کا تو مثیل مسیح ہے، دوسرا نصف مثیل محمد۔ وہ ہر دو دنیا علیہما السلام اُمّی تھے، لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، الامقرّہ تھے۔ آپ مباحثہ تقریری کریں اور اُن کی سُنت پر چلیں۔ ہم نے مانا کہ آپ چھاپہ خانہ کی مشین ہیں۔ پر اس سے کیا ہوتا ہے۔ خاک پتھر۔ باقی رہی معارف و حقائق قرآنی کی تفسیر، تو وہ حضرت سلامت ۱۸-۱۹ سال سے سننے سننے سمائے کلیجے و کان پک گئے۔ جن حقائق و معارف کو اب آپ بذریعہ الہام تفسیر فرمائیں گے وہ تو یہی یا اسی طرح کے ہی ہوں گے۔ یعنی

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ الزلزال کے معنی غلط سمجھے (ازالہ صفحہ ۱۲۸) پر مرزا صاحب لکھتے

ہیں کہ ہمارے علمائے جو ظاہری اس سورۃ کی تفسیر کی ہے کہ زمین کو آخری ایام میں سخت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اُس سے زیر و زبر ہو جائے گی۔ اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی۔ اور انسان یعنی کافر لوگ زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا ہے تو وہ اُس روز باتیں کرتے ہوئے اپنا حال بتائے گی۔ یہ معنی اور تفسیر سر اسر غلط ہے۔ حالانکہ یہ معنی وہ ہیں جو افقہ الناس ابن عباسؓ نے آنحضرتؐ سے کہے ہیں اور ابن کثیرؒ درمنثور وغیرہ تصنیفات علامہ سیوطیؒ میں بھی درج ہیں)

(۲) قرآن خدا کی کتاب اور میرے مٹنے کی باتیں ہیں (دیکھئے لیکھرام کی موت کی نسبت ایشہارہ امارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ سطر ۳۳-۳۴)

(۳) فرشتے نفوس فکیہ و ارواح کو اکب کا نام ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سیارات کی تاثیر سے ہوتا ہے (توضیح مرام صفحہ ۳۳-۳۴ تا ۴۰ و ۶۷)

(۴) جبرائیلؑ کبھی زمین پر نہیں آئے نہ آتے ہیں (توضیح مرام ملخصاً صفحہ ۶۸-۷۰-۸۵)

(۵) انبیاء علیہم السلام چھوٹے ہوتے ہیں (ازالۃ الاولیام صفحہ ۶۲۸-۶۲۹)

(۶) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وحی غلط تھی (ازالۃ الاولیام صفحہ ۶۸۸-۶۸۹)

(۷) حضرت رسول اکرمؐ کو ابن مریمؑ، دجال، خردجال اور یاجوج و ماجوج اور دابۃ الارض کی وحی نے خبر نہیں دی (ازالۃ الاولیام صفحہ ۶۹۱)

(۸) خردجال ریل گاڑی ہے۔ دابۃ الارض علماء ہوں گے اور دجال پادری صاحبان وغیرہ وغیرہ (ازالۃ الاولیام صفحہ ۴۹۵-۴۹۶، و رسالہ انجام آتھم)

(۹) حضرت مسیح علیہ السلام سمرنیم میں شق کرتے اور کمال رکھتے تھے (ازالۃ الاولیام صفحہ ۳۰۸)

(۱۰) حضرت مسیح علیہ السلام یوسف بخار کے بیٹے تھے (ازالۃ الاولیام صفحہ ۳۰۳)

(۱۱) "براہین احمدیہ" خدا کا کلام ہے (ازالۃ الاولیام صفحہ ۵۳۳)

(۱۲) قرآن شریف میں جو مہجڑے ہیں وہ سمرنیم ہیں (ازالۃ الاولیام صفحہ ۴۸ تا ۵۳)

(۱۳) قرآن شریف میں انا انزلناہ قریباً من القادیان موجود ہے (ازالۃ الاولیام صفحہ ۷۶-۷۷)

(۱۴) مکہ، مدینہ، قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (ازالۃ الاولیام صفحہ ۷۶ و ۷۷)

(۱۵) بیت المنکر واقع قادیان (وہ جو بارہ جس میں بیٹھ کر مرزا صاحب کتابت کرتے ہیں) مثل حرم کعبہ ہے۔ ومن دخلہ کان امناً (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

(۱۶) آیت شہیدان الذین اشریٰ بعبدہ کیللاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بناہ کنا حاکمہ کا معنی اور اصلی طور پر صداق دوسجد ہے جو مرزا صاحب کے والد نے بنائی اور مرزا صاحب نے اُس میں توسیع کی۔ (اشہاد منارۃ المسیح)

(۱۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں آویں گے۔ (حاجت حوالہ نہیں)
 (۱۸) حضرت رسول اکرمؐ، خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں (ازالۃ الاولیاء صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ و اشتہار معیار الاخیار)

(۱۹) قیامت نہیں ہوگی یقتدیر کوئی چیز نہیں ہے (صفحہ دوم ٹائٹل پیج ازالۃ الاولیاء)
 (۲۰) حضرت مہدیؑ نہیں آویں گے۔ (ازالۃ الاولیاء ص ۵۱۸ و اشتہارات حال جن کالامہدی
 الاعدیسی کی حدیث پر استدلال ہے)

(۲۱) آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا۔ (ازالۃ الاولیاء صفحہ ۵۱۵)

(۲۲) عذاب قبر نہیں ہے۔ (ازالۃ الاولیاء صفحہ ۴۱۵)

(۲۳) تنازع صحیح ہے۔ (ست پکن صفحہ ۸۴)

(۲۴) قرآن مجید میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الاولیاء صفحہ ۲۵-۲۶)

(شاید اسی عقیدہ پر عمل کر کے مرزا صاحب بھی ہر ایک شخص مخالف کو اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کو ہزار ہزار بے نقط سناتے ہیں۔ مگر حضرت، آیت شریف۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور دیگر آیات قرآنی اور آپ کے اپنے الہامات ذاتی وَتَلَطَّفْ بِالنَّاسِ وَتَرْحَمْ عَلَيْهِمْ يَادَا وَدَّ عَامِلِ بِالنَّاسِ رِفْقًا وَاحْسَانًا وغیرہ اُردو الہامات ہم مضمون کو شاید بھول جاتے ہیں۔ آپ کی بد زبانی تو توار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ شاید ان گالیوں میں بھی فصاحت پیدا کی گئی ہے) مگر ان تمام امور سے قطع نظر کر کے بدیں خیال کہ آپ بیٹھے بٹھائے گھر میں سے اشتہار لکھ ماریں گے اور فضول ڈینگ مانگیں گے اور عوام بھی سمجھیں گے کہ دعوت مباحثہ کو قبول نہ کرنا ظاہر آپ صاحب کے خلاف ہے۔ پیر صاحب حاضر ہیں اور آپ کی سب شرائط جن کے آپ خود ہی مجوز ہیں اور خود ہی مُنصف منظور کرتے ہیں۔ اشتہار دینا اور شہر کرنا ہمارا کام ہے۔ مگر یہ ذمہ نہیں ہے کہ وہ لوگ جمع بھی ہو جائیں گے الا اس حالت میں کہ آپ ان کی دستگیری کریں۔ البتہ لاہور امرت سر اور بعض دیگر مقامات کے علماء کو ہم بھی ضرور جمع کر لیں گے مگر شرط یہ ہے کہ

قبل از بحث تحریری مذکورہ مجوزہ مرزا صاحب ایک بحث تقریری دعویٰ مسیحیت و مہدویت وغیرہ عقائد مرزا صاحب پر جو تعداد میں تخمیناً ۱۳۶ کے قریب ہیں۔ اور ان کی الہامی کتب میں مستند رج ہیں بلندی امور ذیل ہو جائے:-

(الف) تعیین و تقریر سوالات حضرت پیر صاحب کا منصب ہوگا۔ کیونکہ ہم لوگ آپ کے دعاوی کے منکر ہیں اور آپ مدعی۔ اور ان دعاوی کا اثبات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مرزا صاحب کریں گے۔ مگر واضح رہے کہ اناجیل اربعہ جو مخالف مضامین قرآن شریف ہوں گے، بحث میں قبول نہ ہوں گے۔
 (ب) یہ بحث تقریری اُس بحث تحریری سے اول ہوگی۔ اگر ایک روز میں ختم نہ ہوگی تو دوسرے اور تیسرے روز تک جاری رہے گی۔ زیادہ تکلیف آپ کو نہ دی جائے گی۔

(۳) جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا اس کو بیعت تو بہ کرنا لازمی ہوگا۔ وہ بیعت بحاضری جمیع علماء کرکے ہوگی۔ اور اس بحث کے حکم خواہ وہی ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں۔ یا اور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے۔ مگر رعایت یہ ہوگی کہ وہ مولوی صاحبان جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو ان کے معتقدین ہیں سے ہوں اور نہ پیر صاحب کے بننے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ ان کو جس طرح سے اور جو جو حلف قبل از اظہار رائے دینا مناسب سمجھیں دے دیوں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔

(۵) چونکہ احتمال ہے کہ ایک شخص مغلوب بھی ہو جائے اور پھر بھی تو بہ نہ کرے۔ اس لیے فریقین ایک ایک معتبر ضمانت پانچ پانچ ہزار روپیہ کی دے دیں کہ وہ روپیہ ان علماء کے اظہار رائے پر فریق غالب کا حق ہوگا۔

(۵) مرزا صاحب یہ بھی لکھ دیں کہ اس بحث کے وقت یا دوران زمانہ بحث میں اگر کوئی الہام اس قسم کا ان کو ہو جائے جو متبدل یا نسخ شرائط بحث مباحثہ کا ہو یا مرزا صاحب کو کوئی آثار اس مضمون کا آجائے کہ گھر میں کوئی بیمار ہے یا اور کوئی بچہ قسم خط یا پیام وغیرہ آجائے تو مرزا صاحب بحث و مباحثہ کو حسب شرائط مقررہ حال پورا کریں گے اور اس الہام، آثار، خط یا پیام وغیرہ پر کاربند نہ ہوں گے پہلے سوچ سمجھ لو بابا، اور الہام کے ذریعہ ان تمام امور کی احتیاط کر لو بعد میں کوئی عذر مستوع نہ ہوگا۔ اگر مرزا صاحب اب میدان میں تشریف نہ لائے اور اس مباحثہ سے منہ پھیر کر اس میں کوئی حجت و حیلہ کریں گے یا اب شرائط میں کسی قسم کی کوئی دقت یا چھپیدگی پیدا کر دیں گے جس سے اس معاملہ کا وقوع غیر اغلب ہو جاوے تو پھر سمجھا جائے گا۔ اور اس کا نتیجہ فطرتی طور پر یہی ہوگا کہ مرزا صاحب کی الہی طاقت (وہی خدائی عاجی والی) مغلوب ہو گئی اور خدا سے رب العلین کی الہی طاقت نے ان کے غرور اور شخصیت کو توڑ کر کھل ڈالا اور ان کے تمام دعاوی بیودہ پر خاک پڑ گئی۔ ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ آپ میدان میں آئیں۔ بلکہ آپ نے ان شرائط کو منظور کیا تو لوگ کھی کے چراغ جلا دیں گے۔ مگر پھر کہہ دیتے ہیں کہ آپ کبھی میدان میں نہیں آئیں گے۔ ہم الہام سے نہیں کہتے مگر سابق تجارب اس خیال کے مؤید ہیں۔

بینیم تا کردگار جہاں دریں آشکارا چہ دارد نہاں

العارض محمد غازی ۲۵ جولائی ۱۹۰۷ء

نوٹ: پیر صاحب اس مباحثہ کے لیے ۲۵ اگست ۱۹۰۷ء مقرر کرتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب خیال رہے کہ آپ اشتہار ہذا کے موصول ہونے پر منظوری یا نا منظوری سے اطلاع دیں ورنہ یاد رہے کہ اگر پیر صاحب لاہور تشریف لے گئے اور آپ تاریخ مقررہ پر نہ آئے تو آپ اس صورت میں کتنی ذمہ داریوں کے ذمہ دار بھی ہوں گے۔ فقط

(مطبوعہ چودھویں صدی پریس راولپنڈی)

جماعت علماء کی طرف سے جواب دعوت کا اشتہار

اس کے بعد پنجاب، سرحد اور ہندوستان کے ساتھ علماء و مشائخ کے دستخطوں سے ایک اشتہار مرزا صاحب کی دعوت کے جواب میں جاری ہوا جس میں درج تھا کہ ہمیں حضرت پیر صاحب کا اشتہار جواب دعوت مل گیا ہے اور ہم ۲۵ اگست ۱۹۰۷ء کو پیر صاحب کے ہمراہ جلسہ مباحثہ لاہور میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم حضرت پیر صاحب کی شرط برائے مسند نظر تقریری کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت و ہندویت و نبوت ہی اہل اسلام کے درمیان مابہ النزاع ہے اور وہ بقول خود مسلمانوں پر اس دعویٰ کے اثبات کے لیے مامور بھی ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کے لیے بہت اچھا موقع ہے کہ اس مناظرہ میں اپنا دعویٰ ثابت کر کے اہل اسلام پر اتمام حجت کریں۔ علم تفسیر اور عربیت میں آپ کا کمال ایک ثانوی چیز ہے۔ اگر آپ کی امامت کو تسلیم کر لیا گیا تو آپ کے دیگر کمالات لامحالہ تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اپنے دعویٰ مسیح موعود اور ہمدی موعود کو منوانے کا اس سے بہتر موقع مرزا صاحب کو کبھی نہیں ملے گا۔ یہ چیز کسی پہلو سے معقول نظر نہیں آتی کہ مرزا صاحب علمائے برصغیر ہندوستان کی ایک کثیر جماعت کو محض اس لیے بلارہے ہوں کہ وہ جلسہ لاہور میں دن بھر خاموش بیٹھ کر دہشتوں کی تفسیر نویسی کا مظاہرہ دیکھتے رہیں۔ پیر صاحب تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لیے بھی تیار ہیں لیکن اگر تقریری مباحثہ نہ ہوا تو تفسیر نویسی کے مقابلہ کے بعد بھی متنازعہ فیہ مسئلوں کا ٹول رہ جائے گا۔

حضرت کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت کا رد عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت نے اس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیت اور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں دو فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر کے بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے مگر حضرت قبلہ عالم قدس کی دعوت نے قادیانیت اور اسلام اور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اور قول فیصل کے مستم پر لا کھڑا کیا۔

فریقین کی توقعات کا جائزہ

فریقین اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی الہامی بشارات شائع کر رکھی تھیں کہ اس مباحثہ میں احمدیت کو عظیم الشان فتح حاصل ہوگی جس کی خوشی میں خدائے تعالیٰ کے حکم سے اُس روز کئی اندھے بنیا ہو جائیں گے اور اپانج چلنے پھرنے لگیں گے۔ مرزا صاحب کی جماعت کو کامل یقین تھا کہ عنقریب امت مرحومہ اس امام آخر الزمان کی بیعت میں شامل ہو جائے گی۔ اور یہ حالات محض اس نتیجہ کے ظہور کے لیے بطور اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کا انگریزی خوان طبقہ قادیانیت کو ترقی پسند عنصر اور رفتار زمانہ کا نباض سمجھنے لگ گیا تھا اور دین سے اپنی عدم واقفیت کی بنا پر اس کی مخالفت کو مولویوں کی قدامت پرستی سے تعبیر کرتا تھا۔ نیز ایک نئی جماعت کے جوش و خروش اور جذبہ خود ارادیت میں اُسے اسلام کی تعمیر نو اور حیات ثانیہ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ابھی ہوئی جہاز ایجاد نہیں ہو تھا اور نہ ہی اقطار السموات والارض کو عبور کر کے چاند اور سورج کی طرف سفر کرنے والے سینکڑوں من وزنی راکٹ کا تصور پیدا ہوا تھا۔ لہذا انگریزی اسکولوں کے مسلمان سائنس ٹیچروں کو جو اپنے علم طبیعی کو حرف آخر سمجھ بیٹھے تھے مرزا صاحب کے ان اقوال میں کافی وزن نظر آتا تھا کہ میں دوسرا پاؤں اٹھا لوں تو گر جاؤں۔ اور حضرت عیسیٰ آسمان پر کیسے چڑھ گئے، وہاں پہنچاتے کیا ہوں گے اور رفع حاجت کا کیا انتظام ہو گا۔ اور اب تو پیر فرشتے ہو چکے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ (ازالہ اوہام)

پھر قادیانی جماعت اس سے بھی بے خبر نہ تھی کہ خیمہ طاعت بھی راہ پر آگئے ہیں۔ توفی کے معنی وفات لیتے ہیں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا الرُّسُلُ میں تمام انبیائے سابقین کی موت کے قائل ہو رہے ہیں۔ وَ مَا مِنْهَا مِنْ مُّخْرَجٍ میں جنت سے واپسی کو ممکن نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ وَ مَا صَدَّبُوهُ سے اگر یہی مراد لی جائے کہ صلیب پر حضرت مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

چنانچہ مرزا صاحب کی جماعت قدر تا ۲۵۔ اگست کے لیے یوم عید کی طرح چشم براہ تھی کہ اُس روز علماء اور مشائخ کا مورچہ سر ہو کر قادیانیت جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل جائے گی۔ مگر آسے بسا آرزو کہ خاک شدہ ادھر علمائے اسلام کے کیسے ہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے تبحر علمی اور کمالات ظاہری و باطنی کی دھوم تھی۔ کیونکہ توحید و رسالت کے اسرار و رموز پر آپ کی مشہور زمانہ تصنیف تحقیق الحق تین برس قبل شائع ہو کر عرب و مصر و روم کی سرحدات عبور کر کے واٹھیں و کمال حاصل کر چکی تھی۔ علاوہ انہیں براہ راست قادیانیت پر آپ نے اپنی کتاب شمس الہدایت میں روشنی ڈالتے ہوئے دریا کو گوزہ میں بہت کر دیا تھا اور اس وقت تک مرزا صاحب سے کھڑے کے معنی اور تشریح حقیقت معجزہ کے متعلق آپ کے سوالات کوئی عرصہ چھ ماہ سے، مرزا صاحب کے بیٹے الفکر اور حکیم نور دین کے مطلب پر دستک کُنان تھے جن کا اس جماعت سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ علاوہ انہیں علمائے اسلام کو خود مرزا صاحب کے اشتہار دعوت میں بھی ضحک کے آثار نظر آ رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہونے والے اپنے کلام پاک کی مثال پیش کرنے کے لیے تو دو جہان کو چیلنج کر دیا تھا کہ وَ اذْعُوْا شَہِدَآءَ کُمْ اَوْ وَاوَدُّوْا کَانَ بَعْضُہُمْ بِبَعْضٍ ظَہِیْرًا مگر مرزا صاحب قادیانی وعدہ نصرت الہی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی مولوی نے پیر صاحب کو اشارہ یا کنایہ بھی کوئی مدد دی تو اُسے کمرہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔

قادیانی پارٹی کی طرف سے تقریری بحث کی نامنظوری کے خط پر اس شرط کی واپسی

حافظ محمد دین مالک مصطفائی پریس لاہور نے مرزا صاحب کو رجسٹرڈ خطی بھیج دی تھی اور اسے مندرجہ بھی کر دیا تھا کہ اگر وہ بحث کی شرائط میں ترمیم کرنا چاہتے ہوں تو بروقت اطلاع دیں لیکن مرزا صاحب اس وقت تک اپنی جماعت کی خوش فہمی اور اندازہ میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ قدم واپس ہٹانا از بس مشکل تھا۔ جماعت کی عقیدت نے ان کے لیے عظمت کا جو ہال پیدا کر دیا تھا اُسے وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے خود کو آخر دم تک خاموش رہے مگر ان کے ایک سوار سیّد محمد احسن امروہی نے تاریخ مباحثہ سے صرف پار یوم پہلے ایک مطلوبہ خط گورنر شریف پنجاب جس میں لکھا تھا کہ انہیں تقریری مباحثہ کی شرائط منظور نہیں اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو پیر صاحب آجائیں۔ اہل پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ

کی طرف سے آپ کے ایک مخلص حکیم سلطان محمود سکندر اوپنڈی نے ۲۱ تا ۲۲ اگست کو یہ اعلان شائع کرادیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس برہ ۲۵ اگست کو مرزا صاحب کی اپنی شرائط کے مطابق تحریری مباحثہ کے لیے لاہور تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس اعلان کی ایک کاپی بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ انہوں نے قادیان بھی بھجوا دی۔ مگر وقت کی تنگی کے باعث تمام ملک میں اس کا پوری طرح اعلان نہ ہو سکا۔

مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع

چنانچہ جب وعدہ کا دن قریب آیا تو ملک کے طول و عرض سے ہزار ہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء، مشائخ، درویش اور ہر طبقہ و فرقہ کے مذہبی افتاد طبع رکھنے والے مسلمان، شیعہ، سُنی، اہل حدیث حتیٰ کہ قادیانی جماعت کے مُرد، متفق، ہمدرد اور ناکل بھی دُور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ دہلی، سہارن پور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ، گورداسپور، امرتسر، مظفر گڑھ، ملتان اور پشاور کے ہر عقیدہ کے اسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحث میں دلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھیجے۔ بعض سرکاری ملازم بھی دُور و دراز شہروں سے رخصت لے کر پہنچ گئے۔ مسلمانانِ لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔ اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر محالوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع قبیلوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سوار یوں سے بھری ہوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُن دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقع پر تو جو جم خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلہ عالم قدس برہ جیسی مشہور زمانہ روحانی تقدس اور علمی احترام و شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں علمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدانِ مسطرہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ اور تمام موافق، متردّد یا مخالف حضرات، اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اشتہاری تحریک کا حشر دیکھنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں کے تمام فرقوں کا حضرت قبلہ عالم قدس برہ کو اس محاذ پر اپنا قائد منتخب کرنا

اس معرکہ میں تمام اسلامی فرقوں کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ سُنی، اہل حدیث اور اہل قرآن کے علاوہ لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے اپنا سربراہ و نمائندہ ہونے کا اعلان کیا۔ بالکل دُبی صورت حال پیدا ہوئی جو پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت ہندو کفر کے مقابلے میں اسلامی سیاسی پلیٹ فارم پر پیدا ہو گئی تھی اور یہی صورت آج سے تیرہ سو سال قبل قیصر روم کے اسلامی ممالک پر حملہ کے خطرہ کے وقت بھی پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت امیرِ معاویہ نے رومی سلطنت کو خبردار کیا تھا کہ اگر اندرونی اختلاف کے پیش نظر اسلامی سلطنت پر حملہ کیا گیا تو سب سے پہلا سپاہی جو علی کے لشکر سے تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا وہ معاویہ بن ابوسفیان ہوگا۔

یہ وہ اسلامی رُوح تھی جو اپنے دامن کی پہنائی اور شدید و خفیف اختلافات کے باوجود ہر بیرونی اور ناقابلِ برداشت طاقت کے خلاف تہذیب و انسانی و مہافت کے لیے اپنے فرزندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے پر ہمیشہ مجبور کر دیتی رہی ہے۔ اسلامیانِ ہند کی اس علمی اور دینی قیادت کے وقت حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی عمر تشریف صرف بیالیس سال کے قریب تھی۔

انہیں فارغ التحصیل ہوتے بائیس برس ہو چکے تھے۔ خلافتِ ارشاد کا اٹھارواں سال تھا۔ اور ہندو سیاست اور ادائیگی کے بعد مسندِ ارشاد پر صرف دس برس کا عرصہ گزرا تھا۔

لاہور میں حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کی تشریف آوری

۲۴ اگست کو گورنر شریف سے روانگی پر حضرت نے مرزا صاحب کو ایک تار کے ذریعے پہلے راہِ پٹنہ دی ریلوے اسٹیشن سے اور پھر اٹانے سفر والے ٹوٹی جگہش سے اطلاع دی کہ میں لاہور پہنچ رہا ہوں۔ جب آپ کی ٹرین لاہور پہنچی تو پہلا سوال جو آپ نے دریافت فرمایا مرزا صاحب کی آمد کے متعلق تھا۔ پچاس کے قریب نامی گرامی علماء آپ کے ہمراہ تھے جو پشاور، ہزارہ، انگلہ، چچہ، دھنی، گجہسی، پوٹھوہار، سوان اور سون وغیرہ علاقہ بات کے رہنے والے تھے۔ اصلاً جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، ستہ پور، میانوالی کے علماء اور مشائخ اٹانے راہ یا لاہور میں پہنچنے سے قبل یا بعد پہنچ کر شامل ہو گئے۔ اسی طرح بہاول پور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان کے ارباب علم پہلے پہنچ کر آپ کے استقبال کنندگان میں شامل تھے۔ آپ کے ایک صاحبِ علم ثروتِ مخلص حاجی کریم بخش سیٹھی سکڑ پشاور ساٹھ ہزار روپے کی خلائی اشرفیاں ہمراہ لائے تھے کہ اگر ارباب حکومت نے غلطی امن کے پیش نظر ضمانت طلب کی تو نقد جمع کرادی جائے گی۔

مسلمان بہت بڑی تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے اکٹھے ہو چکے تھے اور آپ کو عبوس کی صورت میں لے جانا چاہتے تھے مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور ریلوے اسٹیشن سے باہر باغ میں تشریف فرما ہو کر تقریباً دو گھنٹہ تک لوگوں سے مصافحہ فرماتے رہے اور ان کے شوقِ زیارت کی تسکین فرمائی۔

آپ کے قیام کا انتظام مرزا صاحب کے رفعت کے برکت علی محمدان ہال اور اس کی ملحقہ عمارت بیرون چچی دروازہ میں کیا گیا تھا۔ جہاں ہر شام ہی مقامی اور بیرونی علماء و زعماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی جو بہت رات گئے تک متعلقہ مسائل پر تبادلہٴ خیالات کرتے رہے۔ اس مجلس میں حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ نے قادیانیت کے موافق و مخالف پہلوؤں پر بعض ایسے دلائل اور اسناد بیان فرمائے جو اس سے قبل کسی کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیت کے موافق نقطہ نظر سے دلائل دیئے تو مولوی غلام محمد گجوی امام شاہی مسجد لاہور بول اٹھے کہ حضرت اس سے تو ہمیں بھی شہادت پیدا ہونے لگ گئے ہیں۔ مگر جب آپ نے تردید کی تو اختیار فرمایا تو مولوی عبد الباقی غزنوی نے مجمع علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت پر یہ صاحب نے ان مسائل پر جو طرزِ استدلال اختیار فرمائی ہے اس سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

علماء کا خیال تھا کہ تقریری مناظرہ کی شرط کو واپس نہیں لینا چاہیے۔ لیکن حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ نے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح مرزا صاحب ایک بار علماء و مشائخ اسلام کی اس برگزیدہ مجلس میں شامل ہو جائیں۔ کیا عجب کہ حدیثِ شریف **هَمْ قَوْمٌ لَا يَشْفَعُ جَلِيسُهُمْ** (یہ وہ قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا) کی برکات سے بہرہ ور ہو کر راہِ راست پر آجائیں اور یہی چیز اس نیاز مند علماء و مشائخ کے حق میں اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہو کر مغفرت کا سبب بن جائے۔

کہتے ہیں حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ کو اس خیال پر بہت اصرار تھا۔ ثقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مرزا صاحب نے لاہور آنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو حضرت قبلۃ عالم قدس سترہ علماء و مشائخ کی ایک چمیدہ اور مختصر جماعت کے ساتھ قادیان

جانے کو بھی تیار ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کی اکثریت کے اس اقدام سے منع فرمانے پر اسے باطنی ارشاد سمجھتے ہوئے رُک گئے۔

مرزا صاحب کی آمد کا انتظار

مباحثہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا تھا اس لیے مورخہ ۲۵ اگست کو پولیس نے وہیں حفظ امن کے انتظامات کر رکھے تھے۔ ۲۵ اور ۲۶ کو دونوں اطراف کے نمائندے اور عوام مسجد میں جمع ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے کہا جا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے مگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔

قادیانیوں کی دُور دھوپ

اس جماعت کے بعض ذمی اثر لاہوری حضرات نے مرزا صاحب کو لانے کے لیے بہت تنگ دُور کی مگر ناکام رہے۔ مرزا صاحب نے کہلا بھیجا کہ پیر صاحب خود اعلان کریں کہ تقریری بحث کی شرط کو میں واپس لیتا ہوں اور تحریری مقابلہ کے لیے اشتہار دعوت کی شرائط کے مطابق تیار ہوں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ مرزا صاحب کے حواری مولوی محمد احسن امرہی کے اسی مضمون کے اشتہار کے جواب میں ہمارے ایک رفیق حکیم مولوی سلطان محمود کا جواب شہر ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب کی اپنی شرائط پر ہی ہمیں مقابلہ منظور ہے۔ اس سے پہلے بھی مرزا صاحب کے نام ایک مطبوعہ خط شائع کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ کسی شرط میں ترمیم چاہتے ہیں تو اطلاع دیں مگر مرزا صاحب نے کوئی اطلاع نہ دی اور برابر خاموش رہے۔ اگر اب بھی وہ اپنے دستخطوں سے اعلان کر دیں کہ میں تقریری بحث نہیں کرنا چاہتا تو میں بھی اپنے دستخطوں سے اعلان کر دوں گا کہ میں تقریری بحث کی شرط اور مطالبہ واپس لے چکا ہوں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ تقریری بحث کی شرط خود مرزا صاحب کے اشتہار دعوت سے ہی پیدا ہوتی ہے جس میں انہوں نے تحریری مقابلہ سے پہلے علماء کو یہ دعوت دی ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی دلائل ہیں تو کیوں پیش نہیں کرتے مگر اس گفت و شنید کے جواب میں مرزا صاحب نے نہ صرف اپنی طرف سے یہ اعلان جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعویٰ نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے ہبانے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

قادیانی جماعت میں انتشار

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد قادیان سے مرزا صاحب کا یہ جواب لے کر ناکام لوٹا تو اس جماعت میں بہت انتشار پیدا ہو گیا بعض نے اسی وقت توبہ کا اعلان کر دیا بعض سخت مانوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لاہور کے اکثر وہ لوگ جو مرزا صاحب کے بہت قریب تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی روزانہ مجالس سے اثر پذیر ہو کر کم از کم مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کے منکر ہو گئے بعض دیگر حضرات مثلاً بابو انہی بخش اکاؤنٹنٹ وغیرہ نے جو قادیانیت کے سرگرم رکن رہ چکے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کیے۔ لیکن قادیان سے آئے ہوئے تنخواہ دار مولویوں کی قیادت میں ایک گروہ اس گرتی ہوئی عمارت کی پشتیبانی پر برابر کمر بستہ رہا۔

عام حالات میں اپنے نتائج کی دُور سے شکست اُس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دُور رس تھی جو چھ سال قبل مرزا صاحب اور اُن کے مذہب کو عبد اللہ آتھم کی موت کی پیشین گوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی تھی۔ لیکن جس طرح اُس وقت مرزا صاحب کے قلم سے فتح اسلام اور انجام آتھم جیسی فاتحانہ اور ظفر مندانہ تالیفات عالم وجود میں آئی تھیں، بالکل اُسی طرح اب بھی مرزا صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے اس شکست و فرار کو فتح عظیم بیان کیا مولوی محمد احسن امر دہی اور مولوی عبد الکرم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے ورودیوار پر اشتہارات دکھائی دینے لگے جن میں لکھا تھا کہ پیر صاحب کو لڑہ نے امام آخر الزمان کے مقابلے میں فرار اختیار کیا۔

آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کچل دیا۔
 مسیح موعود کی الہامی بشارات صحیح ثابت ہوئیں۔ حالانکہ لاہور کی پانچو ششم خود حضرت پیر صاحب کو لاہور میں موجود دیکھ رہی تھی۔ اور جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود اُن کے بار بار بلانے کے نہیں آ رہے۔

چہ دلا و راست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

کرامات اور معجزات میں مقابلہ کی پیش کش

اس جماعت کے ایک وفد نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ مقابلہ کیوں نہیں کر لیتے کہ ایک اندھے اور ایک اپاہج یعنی لنگڑے کے حق میں مرزا صاحب دُعا کرتے ہیں۔ اور اُسی طرح کے ایک دُوسرے اندھے اور اپاہج کے لیے آپ دُعا کریں جس کے نتیجہ پر حق و باطل کا فیصلہ ہو۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے جواب دیا کہ مرزا صاحب سے کہہ دیں کہ اگر مُردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آج سائیں۔ قریب ہی امر تسر کے ایک مولوی صاحب (غالباً مولوی شہار اللہ) موجود تھے جنہوں نے اُن لوگوں سے کہا کہ میری طرف سے عرض کیجئے گا کہ مولوی عبد الکرم کو ضرور ہمراہ لائیں وہ بوجہ حق النجاست اس معجزہ کے حقدار بھی ہیں۔

لاہور میں قادیانی واعطین کے حیلے بہانے

ان دنوں برائڈر تھ روڈ کی قادیانی مسجد میں، ان کے واعطین کچھ اس قسم کے دلائل دے رہے تھے۔
 ۱۔ بے شک نبی کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں پہنچ کر اتمام حجت کرے۔ پہلے چونکہ جہاد سیفی کا زمانہ تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہو کر فرماتے تھے۔
 اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ۔ مگر اب جہاد سیفی نسوخت ہو چکا ہے اور قلبی جہاد کا زمانہ ہے اس لیے حضرت مسیح موعود صرف قلم کے ذریعہ جہاد فرما رہے ہیں۔

۲۔ یہ درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا) کی بشارت مل چکی تھی لیکن انبیاء کو اس امر کا بھی حکم ہے کہ اس عالم میں جو عالم اسباب ہے، الہام الہی کی منشاء کی تکمیل کے لیے خود بھی چارہ سازی اور تدابیر اختیار کریں۔ حضرت مرزا صاحب پر یوں نے الہام واضح ہو چکا تھا کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ اپنی حفاظت کے خیال سے لاہور نہ آتے۔

۳۔ خدائے تعالیٰ کے احکام ہمیشہ شرطیہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حضرت مسیح موعود کی دعوت کو بلا جھجھکاؤ و چراغ تسلیم کر کے تحریری مناظرہ کے لیے حاضر ہو جاتے اور اپنی خانہ زاد شرائط (تحریری بحث، توبہ اور سعیت) کا اضافہ نہ کرتے تو یقیناً الہام الہی کا وہ منشا جو اشتہارات میں درج ہے پورا ہو جاتا۔ پس وہ لوگ بہت ظالم ہیں جو کہتے ہیں کہ الہامی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ قادیانی استدلال کا یہ انداز، اسلامی شعور سے جس کے نظریات اور مشاہدات سیدھے صاف انداز، صداقت اور شجاعت پر مبنی تھے کچھ اس قدر بعید اور بیگانہ تھا کہ لوگوں کے طنز اور تضحیک کا سامان بن گیا۔ چونکہ اس میں کسی بات کا مطلب بھی سیدھا اور بغیر تاویل اور بغیر مہرِ پھیری کے نہ ہوتا تھا اس لیے شعراء نے اسے مداری کی ٹپاری، آزاد خیال مصنفین اور مقررین نے سویشی نبوت کی ابلہ فریبی اور علماء کے ثقہ اور باوقار قلم نے تاویلات نامعقولہ کا نام دیا۔ اسی طرز استدلال کی بدولت قادیانیت کو کبھی بھی میدانِ بحث میں آنے کی جرات نہ ہوئی اور یہ قرآنی نظریہ عدالت و مساوات سے روگردانی کا سب سے پہلا اثر تھا۔

تحریری مناظرہ کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ایک مشہور عام بات

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اس موقع پر ایک اور بات بھی فرمائی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور مدت تک اس کا چرچا رہا۔ آپ نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور ان کی فصیح عربی اور زود نویسی کی تعلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ علمائے اسلام کا اصل مقصد تحقیق حق اور اعلا کلمۃ اللہ ہوا کرتا ہے، فخر و تعلی مقصد نہیں ہوتا۔ ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اس وقت بھی ایسے خدامِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیرِ قرآن لکھ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اپنی جانب تھا چنانچہ بعد میں اس چیلنج کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ دعویٰ از خود نہیں کیا تھا بلکہ عالم کا شفیق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ بالکمال سے میرا دل اس قدر قوی اور مضبوط ہو گیا تھا کہ مجھے یقین کامل تھا کہ اگر اس سے بھی کوئی بڑا دعویٰ کرتا تو اللہ تعالیٰ ضرور مجھے سچا ثابت کرتے۔ نیز فرمایا کہ کئی کئی دے زور تے گد دی اے یعنی بچھڑا کھوٹے کے بل پر ہی تو کوڑتا ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبطِ حال اور وقار عطا فرمایا تھا یہ الفاظ اُس مشرب کے لحاظ سے غیر معمولی تھے، کیونکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں فقیر اور درویش اُسے سمجھتا ہوں جو فقر و رُوحانیت کے ساتھ سمندر پی جاتے مگر تمہارے کو خیر تک نہ ہو۔ آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں پیش گوئی یا فقری کے فقر و اذکار رنگ جھلکتا ہو۔ لیکن اگر کبھی کوئی بات اشارۃً یا کنایۃً آپ کی زبانِ مبارک سے نکل گئی تو اللہ تعالیٰ کے کرم و احسان سے ہمیشہ پوری ہوئی۔ چنانچہ آپ کے مشرب سے واقع حضرات کو آپ کے اس ارشاد پر کامل یقین کے علاوہ حیرت بھی تھی کچھ عرصہ بعد حلقہ ارشاد میں گفتگو کے دوران آپ نے اپنے شاہی مسجد والے مندرجہ بالا قول کے متعلق فرمایا کہ وہ کسی خاص اذن کی بناء پر تھا۔

قادیانی چیلنج کے جواب میں فقر غیور کا رجز

یاد رہے کہ آیام الصلح میں قادیانی مذہب نے اہل اسلام سے مندرجہ ذیل الفاظ میں قوت آزمائی کے لیے میدانِ مبارزت طلب کیا تھا جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے :-
 "آج اس سیکڑوں آسمان کے سایہ میں کسی شخص کو یہ مجال نہیں کہ میرے ساتھ ہمسری کی لاف مار سکے۔"

میں آشکارا اور بے باک کہتا ہوں کہ اسے اپنی اسلام، تمہارے درمیان بعض لوگ ہیں جو وحدتیت اور نفستیت کا دعویٰ کر کے گردن فراموش کرتے ہیں اور بعض طاغی ہیں کہ نازش ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے اور گردہ ہیں جو خدا شناسی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں حقیقی اور قادری اور نقشبندی اور سہروردی اور کیا کیا کہلاتے ہیں۔ ان سب سے کہو ذرا میرے سامنے تو آئیں۔ (ترجمہ)

چنانچہ اس تحدی اور مبارز طلبی کے جواب میں آج فقیر غفور میدان میں نکل کر نکار رہا تھا کہ
خاکسارانِ جہاں را بختارتِ منسگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد
لیکن نبوت و امامت کے مدعیان کا ذب کو آب قدم باہر نکالنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

دین حق کے تحفظ میں یہ رجز خوانی اور ظفر بازی، کیا میدان اور کیا منبر، ہر کہیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنے مورتِ اعلیٰ بابِ علوم و شاہِ ولایت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب و جدِ امجد پیرانِ پیر حضرت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہما سے ورثہ میں ملی تھی۔ اور آپ اس کے لیے مأمور من اللہ تھے۔ چنانچہ جیسے کہ پہلے تحریر ہو چکا ہے اس مأموریت اور نصرت کے متعلق اس دورانِ کئی اہل اللہ کو از روئے کشف باطنی معلوم بھی ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ فقیر احمد میروی کا ارشاد پہلے درج ہو چکا ہے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا ارشاد گرامی بھی آچکا ہے۔ ایک اور بزرگ حضرت سید جان شاہ جابر شریف بھی اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان فرماتے تھے کہ میں نے ایک فوج کو غم لہراتے دریا کے جہلم کے پل پر سے لاہور کی جانب جاتے دیکھا۔ جن میں سے ایک صاحب نے میری دریافت پر فرمایا کہ ہم بغداد شریف سے آرہے ہیں۔ اور پیر صاحب گولڑہ شریف کی نصرت کے لیے مرزا سائے قادیانی کے مقابلہ پر لاہور جا رہے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اس قادیانی معرکہ کے کوائف ایک رسالہ موسومہ ردیاد و جلسہ لاہور مرتبہ حافظ محمد دین مالک ٹٹطنانی پریس لاہور میں شائع ہوئے تھے علاوہ ان میں ایک مجموعہ مضامین سندرجہ اخبار چودھویں صدی راولپنڈی بھی کتبانی صورت میں موجود ہے۔ اور مولوی کریم دین بھٹیاں ضلع جہلم نے بھی اپنی کتب تاب آریانہ عبرت میں اس معرکہ کے چشم دید حالات اور اپنے ایک عزیز مولوی محمد حسن فیضی مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے بعض دیگر رسائل اور اشتمالات وغیرہ بھی مختلف کتب خانوں اور اسلامی لائبریریوں میں ملتے ہیں جن میں راولپنڈی کے ایک پنجابی شاعر پیراں دتہ خادم کا نظمیہ رسالہ تحدی خادم بھی قابل ذکر ہے۔

شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ (ماخوذ از رسالہ ردیاد و جلسہ لاہور)

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو ۱۲ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے اس دعوتِ مناظرہ کی مکمل داستان بیان کر کے قادیانیت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اسلامی فرقوں کے سرکارہ علمائے منبر پر یکٹھے ہو کر ختم نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس دنیا میں آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور جو شخص بھی اس عقیدہ کا منکر ہے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

۱۔ سب سے اول مولوی محمد علی صاحب نے دوبارہ مقابلہ مرزا قادیانی و خط فرمایا کہ یہ اس کے خاتمہ میں جو سرسبز محافلِ قرآن کریم

و سنت و اجماع اُمت ہیں۔

۲۔ مولینا مولوی عبد المجیب الرحمن صاحب بن مولینا مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم و مفتی غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا، جس کا ماحصل یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال و اقوال یہ تھے۔ پس جو شخص اُن کے مطابق چلتے والا ہے وہ اُن کا پیرو ہے اور جو شخص اُن کے مخالف ہے وہ مُرتد اور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال و اقوال قطعاً مخالف سنت نبویہ و روش صحابہ کرام ہیں اس لیے اہل اسلام کو اُس سے بچنا چاہیے۔

۳۔ ابوالفیض مولینا مولوی محمد حسن صاحب مدرس دارالعلوم نعمانیہ نے دربارہ غرض العقاد جلسہ و کارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پُر زور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دُنیا میں مرزا جیسے بلکہ اُس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی، مسیح، مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر عرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد مولوی تاج الدین احمد صاحب جو بر خٹا چیت کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی۔ اور مرزا کے چند اشتہارات سے اُن کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اور شائستگی کے کچھ تصنیف کی۔

۵۔ بعد ازاں جناب حضرت مولینا ابوسعید محمد عبد الخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیل شریف نے مرزا صاحب اُن کی بیوہ کا کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے۔

۶۔ پھر ایک نابینا حافظ صاحب نے جو اپنے آپ کو ظریف متخلص کرتے تھے ایک ظریفانہ نظم پڑھی جس کی نسبت حضرت ابوسعید محمد عبد الخالق صاحب موصوف نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ ظریفانہ نظمیں پڑھنے کا موقع نہیں ہے بلکہ یہاں تو اقوال فیصل اہل الرائے علمائے کرام کے بکار ہیں۔

۷۔ اس کے بعد ابوالوفا مولوی شمار اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اُس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علمائے کرام کی جھک اور اُن کی شان سے بعید ہے۔

۸۔ مولینا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نے عقائد مرزا صاحب کے متعلق تردید اور کچھ جناب نہر علی شاہ صاحب کی تشریف آوری کی نسبت تائید انہایت عمدگی سے بیان فرمایا۔

۹۔ ازاں بعد جناب مولینا مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹوکی پروفیسر اور نیشنل کالج و پرنسپل انجمن حمایت اسلام لاہور نے چند آیات قرآن کریم و احادیث نبویہ نیز دلائل عقلیہ سے مرزا کے عقائد کی سخت تردید فرمائی۔

۱۰۔ اس کے بعد مولوی احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک موثر وعظ فرمایا۔

۱۱۔ اور آخر میں حضرت پیر صاحب نے دعائے خیر کی اور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

لے مولینا مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب و مولینا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی جنہوں نے ۱۲ پر جلسہ نہایں وعظ فرمایا ہے۔ اس مباحثہ کے واسطے حسبِ تجویز مرزا قادیانی و منظوری پیر صاحب مُنصف قرار پا چکے ہوئے تھے۔ تیسرے صاحب ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب شملہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ شریک جلسہ نہ ہو سکے ورنہ وہ بھی ضرور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔

نتیجہ یا فیصلہ جلسہ ہذا

یہ لحاظ مجملہ حالات مرزا وحسب روئید لو مندرجہ بالا مجملہ علمائے کرام و مشائخ عالی مقام دروٹھائے عظمیٰ حاضرین جلسہ اہل اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ :-

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیق حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگان دین اور عزیزین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرنا چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصود ہے۔

۲۔ اس موقع پر اس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوت مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ آنے سے عذر گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صد ہا بزرگان دین و عزیزین اہل اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے صرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا انہیں متحمل کیا۔

۳۔ اس کے عقائد بالکل خلاف قرآن کریم و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کے ہیں۔

۴۔ اس کے دعوے بالکل غلط و بے بنیاد اور لغوی ہیں۔

۵۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وہ اپنے اشتہار معیار الانبیاء میں یوں لکھتا ہے :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (ترجمہ) اے غلام احمد تو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں۔

۶۔ وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اور قادیان کو بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور مہراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہے۔

۷۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸۔ وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا و جنک آمیز تحریریں شائع کر کے ان کی دشمنی کر رہا ہے۔

۹۔ وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

۱۰۔ اس کے اور اس کے حواریوں کی تحریریں سخت بد تہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱۔ اس کی عام اسلامی مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہوئے ہیں۔

پس یہ لحاظ و جو بات مذکورہ بالا مجملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکا نداری چلانا چاہتا ہے اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور مناقضہ عاوی سے چال بازی اور جیلہ جوئی کو اپنا شعار بنالیا ہے اور شرفاء کی پگڑیاں اُتارنے اور بازاری و عامیاء حرکات سے اپنی روزی کھانے کا پانڈ بنارہا ہے اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اس لیے آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ

بالکل خلافِ اسلام ہیں۔

علماء و مشائخ ناصرین کی فہرست

جس قدر وقت نے گنجائش کی اور دستخط کرانے والے کی واقفیت ملتی ہوئی، ہمسدر جہ ذیل علمائے کرام اور مشائخ عظام کے دستخط حاصل کر لیے گئے :-

جناب ابوسعید حضرت خواجہ محمد عبدالحق صاحب سجادہ نشین جہان خیلان بن حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ
جناب مولینا مولوی عبد الجبار صاحب بن مولینا مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی، جناب مولینا مولوی مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی، جناب
مولینا مولوی حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نقشبندی، جناب صاحبزادہ سید عبد القادر صاحب سجادہ نشین باجھ خیلان
ضلع پشاور، جناب صاحبزادہ محمد چراغ صاحب سجادہ نشین چکوڑی بھیلوال ضلع گجرات، جناب صاحبزادہ عبد العزیز صاحب
سجادہ نشین چاچر شریف ضلع شاہ پور، مولینا مولوی غلام محمد صاحب بگوی نقشبندی امام شاہی مسجد لاہور، مولینا مولوی شمس اللہ
صاحب امرتسری، مولینا مولوی عبد الاحد صاحب خان پوری، مولینا حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادی، مولینا مولوی محمد علی صاحب
واعظ، مولینا مولوی احمد دین صاحب بھوٹی ضلع کیمبل پور، مولینا مولوی عبد اللہ صاحب سجادہ نشین جلو ضلع ہزارہ، مولینا حافظ نور احمد
صاحب ملتان مشیر مال مدرسہ انوار الرحمن، مولینا مولوی محمد نور الحق صاحب ضلع شاہ پور، مولینا مولوی شاہ عبد العزیز صاحب باغبان پوری،
مولینا مولوی محمد ذکر صاحب اول مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت اسلام لاہور، مولینا مولوی میر محمد عبد اللہ صاحب پشاور، مولینا
مولوی محمد یوسف صاحب سکنہ بھوٹی، مولینا حافظ احمد دین صاحب ولد مولوی سعید الدین صاحب، مولینا مولوی عبد الحق صاحب غزنوی،
مولینا مولوی محمد یار صاحب امام مسجد طلانی لاہور، مولینا مولوی محمد شریف صاحب سکنہ بھیلوال ضلع گجرات، مولینا مولوی ابو محمد صاحب
لاہوری، مولینا مولوی غلام مصطفیٰ صاحب ایم۔ او۔ ایل پروفیسر عربی، فارسی گورنمنٹ کالج لاہور، مولینا مولوی محکم الدین صاحب لاہوری،
مولینا مولوی محمود الدین صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان، مولینا مولوی غلام احمد صاحب اول مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور،
مولینا مولوی احمد دین صاحب ضلع جہلم، مولینا مولوی حافظ محمد غازی صاحب ضلع راولپنڈی، مولینا حافظ سراج الدین صاحب سکنہ گولڑہ
شریف، مولینا مولوی ابوالفیض محمد حسن صاحب فاضل مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا حافظ احمد علی صاحب بٹالوی، مولینا مولوی
نور احمد صاحب پسروری، مولینا مولوی حافظ جمال الدین صاحب لاہوری، مولینا مولوی نور الدین صاحب امرتسری، مولینا مولوی
حافظ محمد حسین صاحب امام مسجد چنیال لاہور، مولینا مولوی علی محمد صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری ناظم التعليم انجمن حمایت اسلام لاہور،
مولینا مولوی نور احمد صاحب ضلع فیروز پور، مولینا مولوی احمد علی صاحب سیالکوٹی، مولینا مولوی شفیق الرحمن صاحب لاہوری، مولینا خلیفہ
عبد الرحیم صاحب واعظ انجمن حمایت اسلام لاہور، مولینا مولوی سید حسن صاحب مدرس اسلامیہ راولپنڈی، مولینا مولوی
عبد اللہ صاحب مدرس دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور، مولینا مولوی غلام ربانی صاحب سکنہ بھوٹی، مولینا سید لعل شاہ صاحب صوفی
ضلع ہزارہ، مولینا مولوی شہاب الدین صاحب مردہ والا، مولینا مولوی فتح علی صاحب ریاست جموں، مولینا مولوی محمد عبد الکرم
صاحب مدرس مدرسہ اسلامی کالرا، مولینا مولوی امیر حمزہ صاحب ساکن بھوٹی، مولینا مولوی محمد فضل حق صاحب ضلع شاہ پور،
مولینا مولوی جمال الدین صاحب راولپنڈی، حضرتنا خلیفہ شاہ عزیز الدین صاحب پشاور، مولینا مولوی ولی احمد صاحب ضلع ہزارہ
مولینا مولوی عبد اللطیف صاحب مہنی علاقہ افغانستان، مولینا مولوی احمد دین صاحب سکنہ جواہر تحصیل چکوال، مولینا مولوی عبد العزیز

صاحب جانشین سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور، مولانا مولوی احمد علی صاحب واعظ دہلوی وغیرہ۔
 تنبیہ: مرزا غلام احمد اور اس کے حواریوں کو واجب ہے کہ وہ خواہ مخواہ گھڑیٹے بیٹے بزرگان نبی اور عزرائیل
 اسلام کے نام نامی اپنی تحریروں میں شائع کر کے انہیں مخاطب کرنے سے باز رہیں کیونکہ ایسی تحریروں
 سے بجز عام غلاطی میں بدنامی پھیلنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ جہاں کی فضول اور بچہ تحریروں کے جواب
 دینے سے حسب ہدایت جلسہ اہل اسلام لاہور مجبور ہیں اور انہیں اب اختیار ہے کہ وہ ناحق بے گناہ
 کاغذوں کو اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر کے جس قدر چاہیں زمانہ میں ذلت اور رسوائی حاصل کریں۔

بعد اختتام جلسہ

صاحبان ذیل کی رائے سے یہ تجویز ہو کہ جلسہ ہذا کی تمام کارروائی عموماً پبلک کی اور خصوصاً اہل اسلام کی اطلاع کے لیے
 شائع کر دی جائے۔

- ۱۔ عالی جناب ایفینڈنٹ کرنل راجہ محمد عطاء اللہ خان صاحب سابق سفیر کابل و حال آئری بیٹریٹ و رئیس اعظم
 وزیر آباد و پریذیڈنٹ انجمن نعمانیہ لاہور
- ۲۔ جناب چوہدری محمد سلطان خان صاحب میر سٹریٹ لاہور سابق میر منشی کابل
- ۳۔ جناب خواجہ کریم بخش صاحب سیٹھی و رئیس اعظم پشاور
- ۴۔ جناب مرزا محمد ظفر اللہ خان صاحب مجسٹریٹ درجہ اول لاہور
- ۵۔ جناب سردار بہادر سید امیر علی شاہ صاحب رسالہ امیر و آرڈر آف میرٹ درباری لاٹ صاحب
- ۶۔ جناب سید میر احمد شاہ صاحب نقشبندی طیڈ رحیف کورٹ پنجاب لاہور
- ۷۔ جناب منشی محترم علی صاحب چشتی پڑ پرائیوٹ و ایڈیٹر رفیق ہند لاہور
- ۸۔ جناب مولوی تاج الدین احمد صاحب جوہر مختار عدالت چیف کورٹ پنجاب و سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور
- ۹۔ جناب میاں سراج الدین صاحب جنرل بک مرچنٹ و رئیس لاہور
- ۱۰۔ جناب ڈاکٹر حکیم غلام نبی صاحب سابق مینسپل کمشنر لاہور
- ۱۱۔ جناب مولوی نواب دین صاحب معتبر و مختار کارسردار غلام محمد خان صاحب رئیس اعظم ضلع ہزارہ
- ۱۲۔ جناب خلیفہ عماد الدین صاحب انسپکٹر مدارس
- ۱۳۔ جناب مرزا محمد ابراہیم صاحب قزلباش لاہور
- ۱۴۔ جناب میاں تاج الدین صاحب نیشنل کوٹھیدار رئیس لاہور
- ۱۵۔ جناب حافظ چراغ دین صاحب سوداگر و امین انجمن نعمانیہ لاہور
- ۱۶۔ جناب منشی شمس الدین صاحب شائق مالک و مہتمم طبع شمس الدین لاہور
- ۱۷۔ جناب میاں الطاف حسین صاحب رئیس لاہور
- ۱۸۔ جناب حکیم سلطان محمود صاحب راولپنڈی
- ۱۹۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب ساکن گولڑہ شریف

- ۲۰۔ جناب مولانا مولوی ابوالفیض محمد حسن صاحب فیضی
۲۱۔ جناب حاجی لالہ عبد الکریم صاحب سوداگر پشاور و دیگر صاحبان

التماس بخد مت جمیع صاحبان دیگر مذاہب

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں اس لیے آپ صاحبان کی خدمت میں مؤذبانہ التماس ہے کہ آئندہ مرزا کی کسی تحریر یا تقریر یا الہام وغیرہ کو مد نظر رکھ کر اہل اسلام کو مخاطب نہ فرمائیں۔ مرزائے مذکور جیسا اہل اسلام کا مخالف ہے دیگر مذاہب کا مخالف نہیں۔ اس لیے اس کے کسی حملہ سے آپ مسلمانوں پر کوئی اعتراض نہ فرمادیں۔

صاحبان ایڈیٹر ان اخبارات و رسالہ جات !

جن کی خدمت میں یہ رویداد پہنچے۔ وہ ضرور اسے اپنے قیمتی پرچوں میں جگہ دے کر ہم خادمان اسلام کو مشکور فرمادیں نیز شائقین سے بھی امید ہے کہ وہ بعد ملاحظہ خود اس کے مشہر کرنے میں حتی الوسع دریغ نہ فرمائیں۔

المشہران

- ۱۔ ابوسعید محمد خالق سجادہ نشین جہان خیلان بن خواجہ خواجگان حضرت خواجہ قادر بخش صاحب شمس عرفانی رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۔ سردار بہادر سید امیر علی شاہ رسالہ رمیز آرڈر آف میرٹ، درباری لاٹ صاحب بہادر
- ۳۔ سید میر احمد شاہ نقشبندی پلیڈر چیف کورٹ پنجاب
- ۴۔ مفتی حکیم سلیم اللہ محافظ دفتر صاحب فنانشیل کمشنر بہادر پنجاب
- ۵۔ حاجی عبدالصمد منوچل کمشنر لاہور
- ۶۔ مولوی عبدالعزیز مسیح دفتر رجسٹر اسسٹنٹ تعلیم گورنمنٹ پنجاب و ایڈیٹر رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور
- ۷۔ حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم مصطفائی پریس لاہور

اطلاع

چونکہ مجھے بہت صاحبان کے خط اس غرض سے آرہے ہیں کہ تمام اشتہارات متعلقہ مناظرہ مرزا قادیانی و پیر صاحب اول سے آخر تک جس قدر میں روانہ کروں مگر میں بوجہ عدم موجودگی تمام اشتہارات اُن صاحبان کی تعمیل کرنے سے اکثر معذور رہتا ہوں اس لیے اب چند اجاب و شائقین کی رائے سے میں نے ایک مفصل رویداد بطور رسالہ جس میں ابتدا سے انتہا تک تمام کارروائی مکمل اشتہارات کے خلاصوں کے درج ہوگی طبع کرانے کا ارادہ کیا ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ مناسب وقت میں بہت جلد شائع ہو جائے گی اور اس کی قیمت دو آنے یا کم و بیش رکھی جائے گی پس جو صاحبان اس کے خواہاں ہوں وہ مجھے نیاز مند کے پاس درخواستیں ارسال کریں۔

المشتہر

خادم اسلام حافظ محمد دین تاجر کتب مالک و مہتمم کارخانہ
مصطفائی پریس لاہور کشمیری بازار
(نقل رویداد جلسہ ختم ہوئی)

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی لاہور سے ایسی پر مرزا صاحب کا اشتہار

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے لاہور میں ۲۴ اگست سے ۲۵ اگست تک قیام فرمایا۔ ۳۰ یا ۳۱ کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار لاہور میں دینے کا ارادہ کیا جس میں مرزا صاحب کو فصیح عربی میں قرآن شریف کی تفسیر لکھنے میں اپنے ساتھ مقابلہ کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے جو اب اشتہار دیا کہ تفسیر نویسی سے پہلے خصوصاً قرآنیہ و حدیث کی زندگی سے بہرہ ور ہونا چاہیے اور اس مباحثہ کے حکم کو ہی مولوی محمد حسین اور ان کے دو رفیق ہوں۔ اور اگر وہ قسم کھا کر کہہ دیں کہ میرا مرزا علی شاہ صاحب حیرت کے تو ایسی دقت و مہم ہو گا کہ میں ان کی بیعت کروں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کے جواب میں کسی چال بازی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ مولوی محمد حسین کے تحت یہ حضرت مسیح اور مہدی کے بارے میں بالکل پر مرزا صاحب کے مطابق ہونے کی وجہ سے مولوی صاحب کے خلاف فیصلہ کیے دے سکتے ہیں۔ اب لاہور کے گلی کوچوں میں پر مرزا صاحب کے مژدہ اور ہم مشرب اس بات کو شہرت اور دوا سے رہے ہیں کہ پر مرزا صاحب تو بالقابل تفسیر لکھنے کے لیے لاہور پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا اور نہیں آیا۔ حالانکہ یہ تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ پر مرزا صاحب خود بھاگ گئے ہیں اور بالقابل تفسیر لکھنا منظور نہیں کیا اور نہ ہی ان میں یہ مادہ اور مذاکی طرف سے تاکید ہے۔ میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا کہ پشاور کے اکثر جاہل سرمدی پر مرزا صاحب کے ساتھ ہیں۔ اور ایسے ہی لاہور کے اکثر سفار اور کینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ نیز مخالفت مولوی بڑے جوشوں سے دہلا کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ تو ایسی صورت میں لاہور جانا بے کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے اگر پر مرزا صاحب اعلان کریں کہ صرف تفسیر نویسی میں مقابلہ ہو گا اور تقریری بحث نہیں ہو گی تو میں لاہور آکر مقابلہ کے لیے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ شہر لاہور کے رکن رئیس یعنی نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب اور نواب فتح علی شاہ صاحب اور سید برکت علی خان صاحب سابق اکسرا اسسٹنٹ ایک تحریر یا اتفاق شائع کر دیں کہ ہم اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ پر مرزا علی شاہ صاحب کے مژدہ اور ہم مقید ہیں اور ہم جنس مولویوں کی طرف سے کوئی گالی یا کوئی وحشیانہ حرکت ظہور میں نہیں آئے گی۔ اس فقرہ اور اشتعال کے وقت بخیر شہر کے رئیسوں کی پوری طرح کی ذمہ داری کے لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔

مرزا صاحب نے تقریری بحث کی بہر حال معقولیت کا اندازہ کرتے ہوئے اشتہار کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر پر مرزا علی شاہ صاحب بالقابل عربی تفسیر لکھنے سے عاجز ہوں، جیسا کہ درحقیقت یہی سچا امر ہے تو ایک اور سہل طریق ہے جو وہ مرزا صاحب کی نہیں جس کے ترک کے لیے میرا وعدہ ہے اور وہ طریق یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری مذکورہ بالا کے بعد میں لاہور آؤں۔ اور مجھے اجازت دی جائے کہ جمع عام میں جس میں ہر سرمدی مولوی بھی ہوں۔ تین گھنٹے تک اپنے دعویٰ اور دلائل کو پبلک کے سامنے بیان کروں۔ پر مرزا علی شاہ صاحب کی طرف سے کوئی خطاب نہ ہو گا۔ اور جب میں تقریر ختم کر چکوں تو پھر پر مرزا علی شاہ صاحب انھیں اور وہ بھی تین گھنٹے تک پبلک کو مخاطب کر کے یہ ثبوت دیں کہ حقیقت میں قرآن اور حدیث سے یہی ثابت ہے کہ آسمان سے مسیح آئے گا۔ پھر بعد اس کے لوگ ان دونوں تقریروں کا خود موازنہ اور مقابلہ کر لیں گے۔

اس اشتہار پر ۲۵ اگست سنہ ۱۲۹۱ کی تاریخ اور مرزا صاحب کے دستخط اور ان کے چچ گواہوں کے بعد اہل درج تھے تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہار سے مرزا صاحب قادیانی میں ایک اور اشتہار مورخہ ۲۵ اگست سنہ ۱۲۹۱ منجانب مرزا صاحب درج ہے جس میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی دعوت تقریری مباحثہ کے سوال پر پہلے میرا ارادہ

تھا کہ پیر صاحب کا یہ گمان باطل بھی توڑنے کے لیے کہ گویا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے کچھ بحث کر سکتے ہیں اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج دوں۔ اور اگر حتیٰ فی اللہ فاضل جلیل القدر مولوی سید محمد احسن صاحب امر دہلی پیر صاحب کے ساتھ بحث کرنا قبول فرماتے تو ان کا فخر تھا کہ ایسے سید بزرگوار محدث اور فقیہ نے اپنے مقابلہ کے لیے ان کو قبول کیا۔ مگر افسوس کہ سید صاحب موصوف نے جب دیکھا کہ اس جماعت میں ایسے گندے لوگ موجود ہیں کہ گندی گالیاں ان کا طریق ہے تو اُس کو مشتے نمونہ از خردار سے پر قیاس کر کے ایسی مجلسوں میں حاضر ہونے سے احتراز بہتر سمجھا۔ ہاں میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام میں نے تحفہ گوڑویہ رکھا ہے جب پیر صاحب موصوف اُس کا جواب لکھیں گے تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور ان کا جواب کیا۔

مرزا صاحب کے عُذرات

- مرزا صاحب اور ان کے سیرت نگاروں نے ان باتوں پر بڑا زور دیا ہے :-
- ۱۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ اگر مرزا صاحب ہار جائیں تو مجھ سے بیعت کریں۔
- ۲۔ بیعت کے بعد اپنے پیر کے ساتھ تحریری مقابلہ کیا معنی؟ اور
- ۳۔ مباحثہ کے حکم مرزا صاحب کے مخالف تھے۔

ان عُذرات کا جواب

ان عُذرات کے جوابات یہ ہیں :-

- ۱۔ مرزا صاحب نے اشتہار دعوت میں کہا تھا کہ اگر تحریری مقابلہ میں وہ غالب رہے تو پیر صاحب پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہو گا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔ حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے اپنے اشتہار دعوت میں فرمایا تھا۔۔۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بے پایہ ثبوت نہ پہنچا سکے، مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنا ہوگی۔ گویا کسی جگہ اپنے ساتھ بیعت کا ذکر نہیں فرمایا۔
 - ۲۔ مرزا صاحب نے صرف تفسیر نویسی ہی اپنے ساتھ بیعت کی شرط رکھی تھی جس کے بعد تحقیق حق کا کوئی موقع باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ لیکن حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے تحقیق حق کے بعد صرف بیعت توبہ کا مطالبہ فرمایا اور اپنے پیر یا مرزا صاحب کے مُردہ بننے کا تقاضا نہیں فرمایا۔ مرزا صاحب کے پیش نظر فقط اپنی بڑائی اور اَنَا خَيْرٌ مِنْہُ کا خیال نظر آتا ہے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے سامنے اسلام کی حقانیت اور قادیانیت کے بطلان کا مسئلہ ہے۔
 - ۳۔ مولوی محمد حسین اور ان کے دونوں رفیقوں کے حکم بنانے کی تجویز خود مرزا صاحب کی اپنی تجویز تھی جو انہوں نے اپنے اشتہار دعوت میں پیش کی تھی۔ حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی طرف سے ضمیمہ جواب اشتہار دعوت میں مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں :-
- جو شخص بحث میں مغلوب ہو گا اُس کو بیعت توبہ کرنا لازم ہوگی وہ بیعت بجا ضری جمیع علماء کرنی ہوگی۔ اور اس بحث کے حکم خواہ وہ ہر سید مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں خواہ اور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے لیکن رعایت یہ ہوگی کہ جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو ان کے معتقدین میں سے ہوں

اور نہ پیر صاحب کے ملنے والوں میں سے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ ان سے جس طرح سے اور جو جو حلف
قبل از اظہار رائے لینا مناسب سمجھیں لے لیں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔

مسلمان دشوروں اور عوام پر مرزا صاحب کے اشتہارات و دلائل کا رد و عمل اور ان کے عواقب

علمائے اسلام نے تو شاہی مسجد لاہور کے جلسہ ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چونکہ مرزا صاحب اور ان کی اُمت پر ہر لحاظ سے
اتمامِ محبت ہو چکی ہے اس لیے آئندہ انہیں مخاطب بنانا محض تضییعِ اوقات ہوگا۔ مگر مسلمان عوام اور دانشوروں پر مرزا صاحب کے
اس معرکہ میں اشتہارات و دلائل کا صین برعکس اثر ہوا۔ وہ ایک ایسے امام کے منظر تھے جس کے ذریعے تمام رُوسے زمین پر اسلام
کا بول بالا ہوتا تھا۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب اُس امامت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر شیعہ کیفیت ہو کر اسلام کے تحفظ یا مخالفین
کے مقابلہ میں نہ تو قدم باہر نکالتے ہیں اور نہ اپنے اسلام کی تبلیغ و اشاعت دین کے لیے دلائل و بحث کے میدان میں ہی اُترنے
کی جرات کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی یہ دلیل کہ انہوں نے سنہ ۱۸۹۰ء سے پادری آتھم وغیرہ کے مباحثات سے متاثر ہو کر انجامِ آتھم
میں لکھ دیا تھا کہ آئندہ وہ تقریری مباحثے نہیں کریں گے۔ ان کی نظر میں قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی اور غیر معقول تھی۔ کیونکہ وہ
غیر مسلموں سے مقابلہ کی بات تھی مگر موجودہ صورت میں چونکہ انہوں نے یعنی مرزا صاحب نے مستقل نبوت کا دعویٰ کر کے مسلمانوں میں
ختمِ نبوت کے متفقہ عقیدہ سے انکار کر کے اُسے چیلنج کیا تھا اس لیے اس کے اثبات کے لیے اُمتِ مسلمہ کو سمجھنے سمجھانے کا
موقعہ ہم پہنچانے کی خاطر بحث و تمحیص کی ضرورت بالکل واضح تھی مسلمان یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مرزا صاحب کا علم کل تو ان کو
اس مباحثہ میں فتح و نصرت، تائیدِ رُوح القدس، اور وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی بشارات دے رہا تھا اور آج انہیں شاپو
کے سرحدی پٹھانوں سے خوفِ دِلا رہا ہے۔ کیا رُوح القدس کی تائید اب صرف عربی میں تفسیر نویسی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔
آج سے قبل تو رُوح القدس سے نصرت مأمور، شکست مخالفین اور تائید و تسخیرِ خلق کے معجزات و خوارقِ ظہور پذیر ہوتے آئے تھے
اور کسی نبی کو رُوح القدس کی تائید کے باعث مخالفین کے ساتھ زبانی بحث و تمحیص سے گریز یا انکار کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ
حقِ توہید ہے کہ کسی نبی کا منکرین کے ساتھ کبھی تحریری مناظرہ نہ ہوا جب بھی ایسی نوبت آئی زبانی بات چیت ہی ہوئی تو موجودہ صورت
میں سنت اللہ کیوں بدل گئی؟ پھر کیا حق و باطل کا مدار صرف فصیح عربی تحریر پر ہی تھا۔ اور کیا ایسی صورت میں مصر و شام اور فلسطین و
عراق کے یہودی، نصرانی اور غیر مسلم عرب اپنی مادری زبان میں یقیناً زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے، رہی تفسیر
تو قادیانی مذہب میں تفسیر نویسی کا سوال ہی کیسے پیدا ہوا تھا۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے اُس وقت تک کے بیس سالہ دور میں
قرآن مجیب کی کوئی ایسی تفسیر کی تھی جس سے مسلمانوں کے لیے عرفانِ الہی، اتباعِ سنت اور اخلاقِ فاضلہ کی منہ لیں آسان
ہو گئی ہوں۔

غرض اس قسم کے خیالات اور احساسات تھے جو مسلمان عوام نے اپنے بے شمار خطوط، اشتہارات اور اخبارات میں مضامین
کے ذریعے مرزا صاحب تک پہنچا کر ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی اس گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے مزید ہاتھ پاؤں ماریں۔

مگر بیٹے تفسیر نویسی کے مقابلہ کی دعوت

مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک اور اشتہار نکلا جس میں اپنے سابقہ اشتہارات اور لاہور میں

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مقابلہ پر نہ جانے کے واقعات کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا تھا :-

”ہر ہفتہ میں کوئی نہ کوئی ایسا اشتہار پہنچ جاتا ہے جس میں پیر مہر علی شاہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا ہوتا ہے اور میری نسبت گالیوں سے کاغذ بھرا ہوتا ہے۔ اور میری نسبت کہتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کس قدر ظلم کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے مقدس انسان بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے صعوبت سفر اٹھا کر لاہور پہنچے۔ مگر یہ شخص اپنے گھر کے کسی کو بٹھے میں چھپ گیا۔“

اسی سلسلہ میں اپنے پرانے مریضی الہی بخش اکاؤنٹنٹ کے رسالہ عھائے موسیٰ کا حوالہ دے کر لکھا :-

”اس میں بھی پیر صاحب کی جھوٹی فتح کا ذکر کر کے جو چاہا کہا ہے۔ اگر کوئی کشتی دو پہلو انوں کی مشتبہ ہو جائے تو دوسری دفعہ کشتی کرائی جاتی ہے۔“

ان چیزوں کا ذکر کر کے اصل مطلب پر آتے ہیں :-

”آج میرے دل میں ایک تجویز خدائے تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں تمام حجت کے لیے پیش کرتا ہوں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں ان متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں کہ میں اسی جگہ بجائے خود سورہ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعویٰ کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورہ مذکورہ کے بھی بیان کروں۔ اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور غوثی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں۔ یہ دونوں کتابیں دسمبر ۱۹۰۷ء کی پندرہ تاریخ سے ستر دن تک چھپ کر تیار ہو جانی چاہئیں تب اہل علم لوگ خود محنت بلد اور موازنہ کر لیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے لیے پانچ صد روپیہ کا انعام پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر مقابلہ میں تفسیر فاتحہ تحریر کریں اور تین اہل علم قسم کھا کر پیر صاحب کی تفسیر کو بہتر قرار دیں تو یہ انعام آپ کا حق ہو گا۔ نیز مندرجہ ذیل فقرات لکھ کر اپنی طرف سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو تفسیر لکھنے پر جوش دلانے کی بھی کوشش کی۔

”عقل مند لوگ ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ پیر صاحب کو علم قرآن میں کچھ دخل ہے۔ یا وہ عربی فصیح و بلیغ کی ایک سطر بھی لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ہیں ان کے خاص دوستوں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ بہت خیر ہوئی کہ پیر صاحب کو بالمقابل تفسیر عربی لکھنے کا اتفاق پیش نہیں آیا۔“

خاتمہ کلام اس فقرہ پر تھا :-

”فریقین میں سے کوئی فریق تفسیر فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے۔ اور یہ دن گذر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی۔“

جناب مرزا صاحب قادیانی کے احکام ایسے ہی نادر شاہی ہو کر لے رہے تھے :-

”جو مجھے نبی نہیں مانتا وہ جہنمی ہے۔“

جو میری کتابوں کو محبت اور پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے وہ ذریعہ البغایا ہیں۔“

جو میری شرائط پر میرے مقابلہ میں تفسیر نہیں لکھتے انہیں عربی کی ایک سطر بھی صحیح لکھنا نہیں آتا۔“

اور جو میرے کہنے پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر نہیں لکھتے گا اُس کے کاذب ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت نہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت کی ذات گرامی پر اس نئی مبارز طلبی کا ردِ عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات گرامی پر اس نئے چیلنج کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ آپ کی ذات مقدس کا اولیائے کبار کی اُس برگزیدہ جماعت سے تعلق تھا جنہیں وہ اپنی مشاہدہ ذات کے باعث اُس شغل میں معمولی سا خلل حتیٰ کہ کھلمی درس و تدریس کی طرف توجہ بھی گراں گزرتی ہے۔ آپ کے ملفوظات طیبات میں اسی انداز کا واقعہ درج ہے کہ ایک روز حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ جب انہیں فرمان الہی نے ارشاد طلبین پر مامور فرمایا تو غش کھا کر گر پڑے۔ جس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ملائکہ سے خطاب فرمایا رُدُّوْهُ عَنِ رَآئِیْ اِیَّیْ رَجَاعَے بندے کو ہماری طرف واپس لاؤ۔ اسے ہم سے ایک پل کی مُجَدائی بھی گوارا نہیں۔ ایسی صورت میں بھلا ان ذاتی تعلیموں کو جن سے نہ دین کا فائدہ متصور تھا نہ دنیا کا آپ اپنے اوقات شریف میں خلل انداز ہونے کی کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ سیفِ چشتیائی میں مرزا صاحب کے ایک اشتہار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”مجھ کو اپنے اوقات عزیز کی تضحیح پر جو ایسے جاہلانہ اشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے۔ نہایت رنج و افسوس ہوتا ہے مگر کیا کروں بعض اصحاب نے مجبور کر رکھا ہے۔“

حضرت بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف کے اصرار پر حضرت قبلہ عالم قدس نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر یہ کہہ کر دیوان صاحب سے معذرت خواہ ہوئے کہ میرے خیال تفسیر نویسی پر میرے قلب پر معانی و مضامین کی اس قدر بارش شروع ہو گئی ہے جسے ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے ایک عمر درکار ہوگی۔ اور کوئی اور کام نہ ہو سکے گا۔

”سیفِ چشتیائی“

چنانچہ مرزا صاحب نے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۷ء کے ستر دن بعد اعجازِ المسیح کے نام سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آ گئے۔ اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت سب پر روشن ہو گئی۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوئی اغلاط سے مملو اور ستر دنوں کا پورا سے پُر تھی۔ فی سبعبین یومًا من شہر الصیام پر تو طلباء نے بھی آوازے کسے کہ قادیان کا رمضان شریف ستر دنوں کا پورا ہے جسب معمول تفسیری کا نام بھی محض مفتہ کی اپنی ذات کے اشتہار تک ہی محدود تھا۔ علمی انکشاف اور عرفانی اسرار کے نامور نمونہ ہات اُر کوئی تھے تو یہ کہ یومہ الدین ”مسح موعود کے زمانہ کا نام ہے اور الحمد للہ“ سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جو ذلک الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ فرمایا ہے تو اس سے دو احمد مراد ہیں۔ احمد اول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد آخر مزا غلام احمد قادیانی بحالائکہ مرزا صاحب کی اپنی اُمت یہ کہہ رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد نہیں تھا۔

اعجازِ المسیح کی پیش گوئی کے ان ستر دنوں میں صبر کے ایک اخبار نے مرزا صاحب کے اس دعویٰ کا منہ اڑایا تھا کہ عربی

زبان میں تفسیر لکھنا ایک ایسا اعجاز ہے جس سے ایک ہندوستانی کا دعویٰ نبوت ثابت ہو جاتا ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے اُس اخبار کو بھی اپنے چیلنج میں شامل کر لیا اور مصر میں اشتہار بھجوائے کہ عربی ممالک کا کوئی شخص اگر مقابلہ میں آنا چاہتا ہے تو آجائے۔ علامہ اقبال کو مرزا صاحب کے ایسے ہی لطائف پر محمد علی باب کی یاد نے گدگدایا تھا۔ علماء نے باب کو کہا تھا کہ تم قرآن مجید کے اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔ باب بولا۔ مجھ سے پہلے قرآن اعراب کا پابند تھا۔ اب میری امامت کے انوار و برکات کے صدقہ میں قرآن کو اس پابندی سے آزاد کر دیا گیا ہے۔

جب اعجازِ المسیح کی تفسیر پر بھی خاطر خواہ نتائج مترتب نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خطوط اور اشتہارات میں یہ تقاضا مزید زور پکڑ گیا کہ مرزا صاحب ان لطائفِ اجمیل کو چھوڑ کر حضرت پیر صاحب کی کتاب شمس الہدایت کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوں تو انہوں نے مولوی محمد احسن امروہی کو جو تنخواہ میں تخفیف کے باعث ناراض ہو کر امروہہ چلے گئے تھے، واپس بلوایا اور کوئی ایک سال کے عرصہ میں اُن سے شمس بازغہ لکھوا کر شائع کرائی۔ تخفیفِ تنخواہ کے بہانے گھر بھجانے کی وجہ یہ بیان ہوتی ہے کہ مولوی صاحب دعویٰ نبوت کے معاملہ میں سو فی صد ہم نوا نہ تھے۔

”اعجازِ المسیح“ اور شمس بازغہ کے جواب میں حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب سیفِ چشتیانی تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برصغیر کے علماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ اس میں حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سورۃ فاتحہ مؤسومہ اعجازِ المسیح پر صرف و نحو، لغت، بلاغت، معانی، منطوق اور محاورہ کی غلطیاں، نیز سرقہ، تحریف اور القباس کے قریباً یکصد اعتراضات فرمائے ہیں جن میں سے بعض یہاں بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے عربی دان اور عالم حضرات ہی کچھ لطف اندوز ہو سکیں گے۔

”اعجازِ المسیح“

قال صفحہ ۲۔ وَخَلَّتْ رَاحَتَهَا مِنْ بَجَلِ الْمَزْنَةِ

اقول۔ ظاہر ہے کہ من صلہ خلعت کا خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور تعلیل یہ موعوم ہے معنی غیر مراد کی طرف، اس لیے یہاں لام کا محل تھا۔

قال صفحہ ۳۔ مِنْ كُلِّ نَوْعِ الْجَنَاحِ

اقول۔ کلمہ کل معرفہ پر احاطہ اجزا کا افادہ دیتا ہے جو یہاں پر مقصود نہیں اس لیے نوع للجناح چاہیے تھا۔

قال صفحہ ۳۔ كُلِّ امْرَئِهِمْ عَلَى التَّقْوَىٰ

اقول۔ یہاں بھی کل مجموعی خلاف مراد ہے اس لیے کل امراہم چاہیے تھا۔

قال۔ وَعِنْدِي شَهَادَاتٌ مِنْ رَبِّي لِقَوْمٍ مُسْتَقَرِّينَ وَآيَاتٌ بَيِّنَاتٌ لِّلْمُبْصِرِينَ وَجْهٌ كَوَّجٌ
الصَّادِقِينَ۔

اقول۔ ووجہ عطف ہے شہادات پر گویا وہی وجہ ہوا اور یہ خلاف محاورہ ہے کیونکہ خبر پر عند نہیں آتا۔

۱۔ قال کے معنی میں اُس نے کہا اور اقول کے معنی میں میں کہتا ہوں۔

قال - این الخفافا فتحوالین ایہا العقل

اقول - فافتحوالین پر فافا کا لانا بے محل ہے کیونکہ فافا کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہوتا ہے اور اس جگہ برعکس ہے۔
عدم الخفاء سبب فتح العین کے لیے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفاء کے لیے۔

قال صفحہ ۸ - حتی اتخذ الخفافیش وکثر الجنانہم

اقول - ترجمہ یہ ہے :- یہاں تک کہ چمکا ڈروں نے مخالفین کے دل کو آشیانہ بنالیا۔ جنانہم پہلا مفعول ہوا اتخذ کے لیے اور وکثر اور مفعول۔ اتخذ چونکہ بنفسہ تعذی الی المفعولین ہے۔ لہذا لام کا لانا مفعول ہے۔ دوسرا تصحیم مفعول ثانی کی بے وجہ ہے اور تیسرا جنان اور وکثر کا یہ لحاظ ماقبل یعنی قولہم وفضلہم و اعیانہم جمع ہونا چاہیے۔

قال صفحہ ۹ - واكفر وہ مع مرید یہ واعوانہ وانزل اللہ کثیرا من الاسماء فما قبلوا

اقول - وانزل اللہ کثیرا فصل کا محل ہے کوئی کلمہ والعلی الفصل چاہیے۔

قال صفحہ ۳۰ - وجعل قلبي وكلبي منبع المعارف

اقول - منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیے۔

قال صفحہ ۴۱ - فقد الغد علمه كشلج ينعدم بالذوبان -

اقول - الغد علم کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اس کے غد م چاہیے۔ دیکھو قانوس۔

قال صفحہ ۸۱ - وهذا الرجيم هو الذي ورد فيه الوعيد اعني الدجال

اقول عجیب مسئلہ ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم میں جو شیطان ہے اس سے مراد تو ابلیس ہے اور رجیم جو اس کی صفت ہے اس سے مراد وہ جال ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ آج تک یہی سنا تھا کہ موصوف اور صفت کا بمصداق ایک ہی ہوا کرتا ہے مگر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے مراد صاحب نے کیسے ثابت کر دیا کہ ان کا بمصداق مغایر بھی ہوتا ہے سبحان اللہ۔

قال صفحہ ۱۲۵ - قد استنبطت هذا النکته من قوله الحمد لله رب العلمین -

اقول - مرزا جی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ولہ الحمد فی الاولی والاخرۃ دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک اسی احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دوسرا آخرۃ احمد بن غلام مرتضیٰ سبحان اللہ عجیب استنباط ہے۔

قال - الزمر الله كافة اهل الملة

اقول - كافة کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قال - الاعلى النفس التي سعى سعيها

اقول - سعی کی جگہ سعت مؤنث چاہیے۔

قال صفحہ ۱۴۰ - وذلك وقت المسيح الموعود وهو زمان هذا المسكين واليه اشار في آية يوم الدين -

اقول - لعنة الله على الكاذبين المحرفين -

قال صفحہ ۱۴۳ - وسعي زمان المسيح الموعود يوم الدين

اقول - ثانيا لعنة الله على الكاذبين المحرفين

قال صفحہ ۱۵۹۔ الاقلیل الذی ہو کالمعدوم

اقول۔ فصیح، بلیغ، طبع صاحب موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ۔ مرزا صاحب نے ابتدائے کلام میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پر اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے ایک جگہ لکھ دیا تھا۔

قال۔ ومع ذالک کان یخاف الناس

چنانچہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے ہیں۔

اقول۔ "خائف وہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں سامنے آنا موت نظر آتا ہے۔ مع آنکہ تحریک مقابلہ بھی پہلے خود ہی کی ہو۔ مأمور من اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضروری تھا تا کہ خلق اللہ مأمور کی غیر حاضری کے باعث اُس کو مقتدری علی اللہ سمجھ کر صراطِ مستقیم نہ چھوڑ دیں۔ مخالفین کو لکار کر بلانا اور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں دین کی بیخ کنی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بحسب وعدہ اِنَّا نَحْنُ الَّذِیْنَ کَرَّمْنَا لِحَافِظُوْنَ ۝ قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظور تھا۔ اور اُمتِ مرحومہ کو یہ سمجھانا کہ غلام احمد قادیانی کتاب اور سنت اور اجماع کا محرف ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھ سے اشتہار دعوت باں کر دفر کہ ضرور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا، رُوئے زمین پر دلوایا جس میں خود ہی اُس نے ان تین علماء جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری، جناب مولوی عبد الجبار صاحب امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بنالوی کو حکم قرار دیا اور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا۔ اور پہلے اس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ وَاللّٰهُ یُعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نِیرَافِیْ مُہِیْنٌ مِّنْ اَہْلَانِکَ اور تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا (دیکھو کتاب البریہ) اور اسی اشتہار میں اخیر پر لکھ دیا کہ لعنة اللہ علی من تخلف و ابیٰ مسلما نو، غور سے سوچو یہ ایک مکر الہی تھا بمقابلہ مکر قادیانی صاحب کے جو انہوں نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرورت جو اجابت دعوت کرے گا اور ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح حاصل ہو جائے گی۔ مگر چونکہ بحکم وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَکْرِیْنِ، الہی مکر غالب رہتا ہے۔ اس لیے قادیانی صاحب کی اُس کر دفر کے بعد ایام جلسہ لاہور میں قلمی اور کلمی طاقتیں سلب کر لی گئیں یعنی عدم حاضری کا عذر تک بھی قلم اور منہ سے نہ نکلا۔ باوجود اس کے کہ معتقدین و مخالفین دونوں کی جانب سے سخت اصرار و کشمکش بھی ہوئی۔ نتیجتاً پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر بید لرزاں کی طرح قلم پلٹنے لگا۔ اور اعذار بارودہ اوھن من بیت العنکبوت شروع ہوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اس لیے نہیں آئے۔ اس عذر پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اُن الہامات کو بھول گئے ہیں جن میں آپ کو ملہم کی جانب سے پوری تسلی اور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی یا آپ کے ملہم سے بھی ایفاء وعدہ کی قدرت سلب کی گئی۔

"ہماری طرف سے تقریری شرط کی ترمیم اس لیے تھی کہ تقریر بھی معیار صداقت ہونے میں تحریر سے کم نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کروں، تو اُس کے غلبہ کو معیار صداقت ٹھہرانے کے بعد ضرور ہی اُس کو غالب کرتا ہے۔ اور اُس سچے مأمور کو فرض منصبی کی رُو سے حریف مقابل کے دُوبدو ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ قادیانی صاحب چونکہ بزورِ وفاء محمدی و عیسوی کے مدعی ہیں تو تقریری ہمت بلکہ کی تسلیم اُن پر ضروری تھی۔ کیونکہ اُن کے بارزین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تبلیغ حق و تقویٰ کی صورت پر کی تھی۔

"دوسری وجہ ترمیم کی یہ ہے کہ صرف تحریر میں احتیاق حق اچھی طرح نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسہ لاہور میں بھی تفسیر

لکھتے تو کیا ان کی اصولی مہارت ہے تیزی کی وجہ سے اپنی خدمات میں کمی ہو گیا ہو یا وہ اپنی ذہنی طاقت اس قدر
کمزور تھی کہ اس تفسیر کے مضامین و ابواب اور فقرہ فراموشی کے سوا کچھ یاد نہ رکھ سکے۔ وہ تو صرف عربی مہارت مراد
دیجئے کہ زیادہ مکرر ہو جاتے۔

”مرزا یحییٰ کی اس کم قوتی پر قنایت ہی انہوں نے آتا ہے کہ انہوں نے نبوت اور قرآن و احادیث و کتب پر ان کی کوئی مہارت
اور پھر انشاپورہ زنی جس کے عقلی اور معنوی کمال کی قسمی کھل رہی ہے۔ جیسا مثلاً اگر کوئی عربی زبان میں بیٹنوں کو دے کہ انہیں عبارت
صرف قوتی ہی لکھتے ہیں اور اوضاع معنویہ اہل اسلام کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے دھوکے کی دلیل اس میں کوئی حقیقت ہی ملے
کوئی شخص عربی نہیں سمجھتا اور فی الواقع ایسا بھی ہو تو کیا کوئی عاقل ایسی دلیل سے اس کے دلوں کو ہلکا کر سکتا ہے
ہرگز نہیں۔“

مرزا صاحب نے اپنی اس تفسیر کو کلام اللہ کا مشیل اور مجازیں قرآن مجید کا فعل بتایا ہے۔ پتا چلے گا کہ
”ان کلامی هذا قد جعل من المعجزات (اس کلام میں عجوبہ و معجزہ شہ) و انی معجزۃ
العظم من المعجزات و شانہ کلامی فی کونہ احد من حقائق الالہیہ
و کہ ام معجزہ ازان معجزہ بزرگ تر خواہد بود کہ قرآن را ہم چوں فعل واقع شدہ و کلام الہی را در خارق مہارت
بودن مماثل گشتہ۔“

حسرت قبلہ عالم قدس بترغیب نے مرزا صاحب کے اس مجازانہ کلام میں صرف مقامات حریری سے ہی اس قدر قہرات کی
نشانہ دی کہ وہاں مرزا صاحب نے حریری کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ان کے سیرت نگار ڈاکٹر ضحرت احمد صاحب نے اپنی کتاب
”تجدد و اعظم“ میں اسے توار و قرار دیا ہے یعنی جس اعجازی اور الہامی کلام کا صدور اور درود و انسانی طاقت سے ہوا اور بعد قرار دیا
ہو یا ہے اس میں صرف مقامات حریری سے اس قدر قہرات پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ یہ صاحب حضرت قدس مرزا صاحب کے مقابلہ پر لکھتے بھی تو کیا لکھ سکتے تھے یا قہری پر چڑھا
کے کسی مبتدی شاگرد سے بھی ایسا غلط کلام و تجویز نہیں آسکتا تھا یہ آپ کے حضرت قدس کے علم سے صادر ہوا کرتا ہے
مثلاً لَوْ اَنَّ اَصْلَ الشَّيْءِ اَمْعَدْتَ لَمَّا هُوَ مُعَيَّنٌ۔ جہاں دشمنی کی خبر ہے نہ آئیت کی۔

”شمس بازغہ“

حضرت قبلہ عالم قدس مرزا نے سیمت چشتیانی میں کتاب شمس بازغہ کے صفحہ صفحہ راہبات کے علی الترتیب ایسے نمونے لکھ
اور مسکت جو راہبات دینے کے واسطے وقت میں، امر وہی صاحب کے علمی افلاس کا ڈھنڈو وار پٹ گیا۔ آپ نے شمس الہدیہ میں
مرزا صاحب سے ماوردہ قرآنی کے تحت کلمہ حنیف لَوْلَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ کے معنی دریافت فرمائے تھے۔ مرزا صاحب نے اس کا اپنے
ان بڑے مولوی صاحب یعنی امر وہی صاحب کو مانور کیا تھا۔ کئی سال قبل حضرت نے اپنی کتاب تحقیقی الحق میں اس سوال کے
اکثر پہلوؤں پر بحث فرمائی تھی۔ امر وہی صاحب نے اس کتاب کو کسی استاد سے پڑھے اور سمجھے بغیر مذکورہ بالا جواب دینے کے
نہیں میں اس طرح استعمال کیا کہ ان کی کم فہمی کے باعث وہ مشرور و مضنون مہمل اور بے رابطہ ہو کر رہ گیا۔ اور یہ صاحب ایک
فعال طالب علم کی طرح بغیر سمجھے کئی صفحہات سیاہ کرتے چلے گئے اور جب دیکھا کہ سوال کسی طرح بھی حل نہیں ہوا اور زمان کے

پتے ہی کچھ پڑا ہے تو رفعِ مذمت کے لیے لکھا۔

”واضح خاطر خاطر ناظرین ہو کہ ہم نے اس جواب میں مؤلف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جہر کو مؤلف گیا ہے، اُدھر ہی کو ہم بھی اُس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں۔“

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ اس مقام کے متعلق فرماتے ہیں:-

”ہاں بے شک یہ کہنا آپ کا بجا اور سچ ہے۔ ناظم طالب علم کا یہی وظیفہ ہوتا ہے کہ معلم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظ بعینہا کہتا چلا جاتا ہے۔“

اس دلچسپ مضمون کا پورا لطف تو ”سیفِ چشتیائی“ میں مفصل سوال و جواب پڑھنے سے ہی آسکتا ہے۔

حضرت کی تصنیف یعنی ”سیفِ چشتیائی“ اپنے نادرا استدلال، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیر بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی ہے۔ بلند پایہ علماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی درحقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ سورة نساء۔ آیت ۱۵۷ کے ذیل لکھتے ہیں:- ”اور حیات و موت عیسوی کی بحث میں کتاب ”سیفِ چشتیائی“ قابل مطالعہ ہے۔“ اسی طرح دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے دیباچہ میں ”سیفِ چشتیائی“ کو مسئلہ حیاتِ مسیح پر ایک بہترین اور کافی دانی تحریر قرار دیا ہے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ قادیانیت کی تمام کائنات ”سیفِ چشتیائی“ کے ان دو فقروں سے واضح ہو جاتی ہے:-

اول تو یہ کہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت پیر صاحب کی نسبت لکھا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ خبیث ہے اور خبیث ہے وہ جو اُس کے مُنہ سے نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب آپ مجھے تو بے شک مُنہ بھر کر گالیاں دے لیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے مُنہ سے اکثر کلامِ ربانی اور تسبیح و تہلیل کے پاک کلمات بھی نکلتے رہتے ہیں اس لیے اُنہیں گالی دے کر مستوجبِ سزا نہ ہوں۔

دوم، مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ معراجِ نبوی ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور میں خود اس قسم کے کشف میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے کلامِ طیبہ کے معنی والے سوال کے متعلق مولانا عبد اللہ سندھوی اپنے ایک رسالہ ”موسومہ امروہی“ کے شمس کا سفہ کا دامنِ کسوف ”مطبوعہ کشمیری پریس لاہور میں“ لکھتے ہیں:- ”کافر علماء نے اسلام پر واضح ہو کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رزق اللہ موجباتِ رضا نے بہت بدلاف زنی مرزا غلام احمد دینی دربارہ عیدِ المثل ہونے اپنے کے خدا شناسی اور تفسیر دانی میں امتحاناً اور محض اس کے اتنے بڑے دعویٰ کو توڑنے کے لیے کلامِ طیبہ کے معنی ظاہری طور پر اپنی کتاب ”شمس الہدایت“ کے ابتدا میں استفسار فرمائے تھے۔ جس کے جواب پر قادیانی صاحب باوجود لاتعداد اصراروں معتقدین وغیرہ معتقدین کے قادر نہ ہو سکے۔“

وسلم کے معراج شریف کے منہج میں تو پانچ وقتہ نماز ابدالدہر کے لیے ثابت ہوئی لیکن آپ کا کشف
مخدی حکیم کے نکاح کو اس دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی وجود میں نہ لایا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس ضمن میں ایک پیش گوئی

سیف چشتیانی میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ابن عساکر کی حدیث نزول ابن مریم روایت کردہ حضرت ابوہریرہ
درج فرما کر لکھا تھا کہ۔

”اسی حدیث کے آخر میں حاجاً اور معتمراً ولیقفن علی قبری ویسلمن علی ولادت
علیہ موجود ہے۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً میں حاضر ہو کر سلام عرض
کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو بھی نصیب نہ ہوگی۔“

چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور مرزا صاحب کو نہ تو حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی جو اس حدیث کی رو
سے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام یعنی مسیح موعود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشان ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام
آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھی عرض
کریں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبر مبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔

ہندوستان کے مشہور مفتی اور عالم، اور ریاست رام پور میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا فضل حق رام پوری نے ایک سال اجمیر
شریف میں عرس کے موقع پر حضرت بابو جی مدظلہ العالی سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔
”یوں تو حضرت کے کمالات بہت بیان ہوتے ہیں، لیکن میں تو اس دماغ کا شیدائی ہوں جس سے
سیف چشتیانی ظہور میں آئی ہے۔“

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مکتوبات شریف سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی اس نادر تصنیف نے علمائے عصر سے بے حد
خارج تحسین حاصل کیا۔ آپ حضرت صاحبزادہ مولوی محمد چراغ تنجاہ نشین چکڑی شریف کو ایک جوابی مکتوب مہر چشتیہ صفحہ ۶۳
میں تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی اس تحریر کے پانچ چھ سال بعد مرزا صاحب بغیر اس نکل کے ہی رحلت کر گئے اور ان کا کشف معراج شریف
کے مقابلہ میں جو وقت حاصل کر سکا وہ تمام عالم پر واضح ہے۔“

یہ بہت سی اہم حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا موصوف نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں بیعت کے لیے مدینہ منورہ
جس کے جواب میں آپ نے ایک احوال روانہ فرما کر اور اوہ وظایف کی اجازت بخشی اور ارشاد فرمایا کہ آپ کی یہ بیعت کافی ہے زیادہ سفر
کی حقیقت نہ لائیں مولانا موصوف پکے و مدت الوجود ہی تھے اور حضرت کی تصنیف تحقیق الحق سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے اپنے استاد
مولانا محمد امجد الحق علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار مولانا فضل حق علیہ الرحمہ کے ساتھ مسند و مدت الوجود کی طرف اپنے شاگرد مولانا غلام محمد گھوٹوی،
شیخ ابو سعید بدول پوری کی دعوتی فرمائی تھی۔ اس رسالہ کو مولانا غلام محمد نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے طالع کے
بعد فرمایا کہ جس چیز کو شوقیائے وجودیہ نے ریاضات و کاشفات سے حاصل کیا مولانا نے اسے مقبول اور برابری سے پایا ہے۔

آپ نے وجہ اشاعت کتاب خوب پیدا کی ہے۔ ہر ملک سے مخالف اہل حق کی رسوائی کے متعلق روزانہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ علمائے اسلام اس کتاب کی اشاعت سے بہت خوش ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ اور یہ امر کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ تہذیب اور غیر مقلدین موقوفائے کرام بھی اظہارِ خوشنودی فرما رہے ہیں۔ (ترجمہ)

ایک اور مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۷۶ میں ازراہ انکسار فرماتے ہیں:-

”یہی فقرے روزمرہ کتاب کے حق میں بذریعہ خطوط پہنچ رہے ہیں۔ غلصہ میں تو میری ناتمامی اور شوقِ تحصیل سے بے خبر نہیں مگر ناواقف حضرات اپنے زعم میں اس بے بیج کو ذمہ علمائے تصور کر کے ایسے ایسے القاب لکھ رہے ہیں کہ ندامت ہوتی ہے۔ خیر مرزا صاحب عیسیٰ وقت ہو گئے تو میں عالمِ عصر ہو گیا۔ بڑے میاں سبحان اللہ اور چھوٹے میاں واہ وا! (ترجمہ)

”سیفِ چشتیائی پر بہتانِ سرقہ کی حقیقت“

سیفِ چشتیائی کی اشاعت کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں مرزا صاحب کے اخبارِ الحکم قادیان میں مولوی کریم الدین سکندریہ جہلم اور ان کے شاگرد شہاب الدین قادیانی کے خطوط کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مولوی صاحب مذکور کے سہ ماہی مولوی محمد حسن فیضی، مرزا صاحب کی تفسیرِ اعجازِ المسیح کا جواب لکھ رہے تھے کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دردناک موت کا شکار ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے مضامین پر صاحب نے سیفِ چشتیائی میں شامل کر لیے ہیں۔ ساتھ ہی مرزا صاحب نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ دیکھ لو، میری الہامی پیش گوئی من قامہ للجواب و تنصیر منوفا یرى انہ تندم و تنصیر یعنی جو مخالف اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نادم ہوگا اور ہلاکت اٹھائے گا، پوری ہو گئی۔ فیضی بڑی موت مرا اور پر صاحب خود سرقہ مضامین کے ملزم بن گئے۔

یہ اعلان تحفہ ندوہ مطبوعہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا اور واقعات کی پوری تفصیل مرزا صاحب کی کتاب نزولِ المسیح میں درج ہوئی۔ بعد ازاں کشتی نوح، مواہب الرحمن اور حقیقۃ الوحی اور کئی دیگر رسالوں اور اشتہاروں میں بھی بطور نشان درج ہوتی رہی۔ مرزا صاحب نے نزولِ المسیح میں ان خطوط کی نقول درج کر کے یہ بھی لکھا کہ ان کے مرید شہاب الدین کی کوشش سے یہ سرقہ مضامین برآمد ہو رہا ہے۔ مولوی کریم الدین نے پر صاحب کا ایک کارڈ بھی بھیج دیا ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ فیضی کے نوٹ استعمال ہوئے ہیں۔ اور مولوی صاحب موضوعات نے اعجازِ المسیح کا وہ نسخہ بھی پیش کر دیا ہے جس کے حاشیہ پر فیضی کے نوٹ درج ہیں۔ اور جو پڑتال پر سیفِ چشتیائی کے متعلقہ مضامین سے حرفِ بحرف مطابقت رکھتے ہیں۔

پھر مولوی کریم الدین اور ان کے شاگرد کی طرف سے ۶- اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار جہلم میں ایک تحریر شائع ہوئی۔ جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ محور بالا خطوط جعلی ہیں۔ فیضی مرحوم کی بڑی موت مرنے اور سیفِ چشتیائی میں ان کے مضامین استعمال کرنے کے الزامات میں کوئی حقیقت نہیں۔ اور اعجازِ المسیح کے حاشیہ پر ایک نیم خواندہ طالب علم کے ہاتھ سے سیفِ چشتیائی کے بعض مطبوعات محض اس غرض سے نقل کرائے گئے تھے کہ مرزا صاحب کے مریدوں، خاص کر شہاب الدین پر ان کے مسیح موعود کی مہیت کی قلعی کھل جائے۔ یہ میاں شہاب الدین بوالہ الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۲ء مرزا صاحب کی بیعت میں تازہ ہی داخل ہوئے

تھے کہ اسی اخبار میں مولوی کرم دین کے زیر تبلیغ آگئے۔ اب مولوی کرم دین چاہتے تھے کہ کسی طرح میاں شہاب الدین کو مرزا صاحب کی حقیقت سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے اپنے ایک بھائی کے اخبار نمبر ۱۳ جون ۱۹۰۲ء میں مندرجہ بالا نیم خوانہ طالب علم کو نام نویس کے الفاظ سے خطاب کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :-

یہ خطوط مجھے ایسے وقت ملے جب کہ میں کتاب نزول المسیح لکھ رہا تھا۔ سو وہ خطوط میں نے نزول المسیح میں درج کیے۔ ایسا ہی ایڈیٹر الحکم اخبار نے بھی ان خطوط کی بنیاد پر ایک مضمون اپنے اخبار میں مع نقل خطوط درج کیا۔ اخبار الحکم کے جواب میں ایک مضمون مولوی کرم دین کے نام سے سراج الاخبار جہلم نمبر ۹۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء اور ایک قصیدہ مولوی صاحب مذکور کی طرف سے سراج الاخبار نمبر ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع کیا جس میں اُس نے یہ ظاہر کیا کہ یہ خطوط جعلی اور جھوٹے ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ مرزا غلام احمد یعنی راقم کی معیت کی آزمائش کے لیے میں نے اُسے دھوکا دیا اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے اور ایک نام نویس طفل کے ہاتھ سے نوٹ لکھا کہ اُن کو محمد حسن فیضی کے نوٹ ظاہر کیے پھر اُسی دھوکے کے ذریعہ تھوڑے روپے بھی حاصل کیے اور راقم مضمون نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ سراج الاخبار کے ان مضامین میں میری نسبت سخت الزام لگائے اور یہ شائع کیا کہ گویا میں جو حیثیت ایک مامور من اللہ اور مُصلح ہونے کے ایک کام کر رہا ہوں یہ تمام کام میرا مکرو فریب ہے۔

(تبلیغ رسالت جلد دہم)

بہر حال یہ بات ہر محاذ پر تسلیم کر لی گئی کہ یہ غلط سلط نوٹ کسی عربی دان عالم کے قلمی نہیں ہو سکتے مولوی کرم دین مذکور اس سے کچھ عرصہ ہی پہلے یعنی ۲۶ اگست ۱۹۰۲ء کو صدر جہلم میں قادیانی مبلغ مولوی مبارک علی کے ساتھ ایک پبلک مناظرہ کر چکے تھے۔ اور تعجب ہے کہ قادیانی حضرات نے اُن پر اعتبار کیسے کر لیا اور اُن کے جہال میں کوئی ٹکر پھنس گئے۔ دراصل حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات شریف سے قادیانیت کو جوڑک پہنچی تھی اور جو لکھا و آپ کی سیفِ چشتیائی نے لگائے تھے اس مذہب کی تاریخ میں اُن کی مثال نہیں ملتی۔ لہذا مولوی صاحب کے زیر خیرِ دلخ نے اس دام کے نیچے سیفِ چشتیائی کے سر قہ مضامین کا جو دانہ ڈالا اُس کی کشش سے بچ نہ سکا۔ چنانچہ فریقین میں مقدمہ بازی چل نکلی۔ اور گورد اسپتور کی عدالتوں میں پورے دو برس تک چلتی رہی۔ قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے جن میں سے ایک مقدمہ ازالہ حیثیت میں مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا اور باقی دو مقدمات میں اُنہیں بری کر دیا گیا۔

مولوی کرم دین نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع و ناشر الحکم و کتاب مواہب الرحمن پر فیضی مجرم کے ازالہ حیثیت عرنی کا استغاثہ کیا جو اس بناء پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عمر زاد بھائی کو ایسے استغاثہ کا حق نہیں پہنچتا۔ دوسرا استغاثہ مولوی صاحب نے ان ہر دو صاحبان کے خلاف ازالہ حیثیت عرنی ذاتی کا کیا کیونکہ پہلے استغاثہ کے اخراج کی تاریخ کو ہی احاطہ پکھری میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب مواہب الرحمن لوگوں میں مفت تقسیم کی جس میں مولوی کرم دین کو مذکورہ بالا دھوکہ دہی کے رنج و غصہ میں لہجہ اور کذاب الہیہ کے خطابات سے موصوم کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ صد روپے جرمانہ یا بعد مہماؤں کی جرمانہ چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم ہوا۔ مگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے اُن کو اس لیے بری کر دیا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیث یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو ان خطابات

کا مستحق بنایا تھا۔

مرزا صاحب نے سرقہ مضامین کا الزام واپس لے لیا

مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم دین مجرم ۱۴۲۶ھ تقریرات ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بطور گواہ صفائی طلب کیا گیا انہوں نے مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء کو عدالت رائے چند ولال مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور میں شہادت دیتے ہوئے بیان کیا :-
 پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ دونوں اہمام (معلق مولوی محمد حسن فضلی و پیر مہر علی شاہ) سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی۔
 کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے سے متعلق ہے نہیں۔
 پیش گوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

الفاظ بالا سے روشن ہے کہ سرقہ مضامین کا وہ الزام جو نزول المسیح میں مرزا صاحب نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات گرامی پر لگایا تھا، بزبان خود اسے غلط تسلیم کر کے واپس لے لیا۔

گورداسپور کے مقدمات میں حضرت کو بطور گواہ طلب کرنے کی قادیانیوں کی طرف سے کوشش ناکام

مندرجہ بالا مقدمات میں مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے بار بار کوشش کی کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو کسی طرح بطور گواہ عدالت میں طلب کیا جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ قرآن سے تو حضرت کی شہادت عدالت میں لازمی دکھائی دیتی تھی کیونکہ آپ کا مبتدئہ دستخطی کارڈ مسل مقدمہ پر آچکا تھا۔ اب اس کی تصدیق یا تردید آپ کی زبانی ضروری تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تکلیف سے محفوظ رکھا۔ بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی تھی کہ عدالت کی رائے میں یا تو یہ پوسٹ کارڈ جعلی ثابت ہو چکا تھا اور یا ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ اسے غیر متعلق اور غیر موثر قرار دے دیا گیا۔ بہر حال فریق مخالف کی کوشش بسیار کے باوجود عدالت آپ کو طلب کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک مکتوب گرامی صفحہ ۹۷ مہرِ حقیقیہ پر بدین مضمون موجود ہے :-

”میری شہادت اس دعویٰ میں ہے جو حکیم فضل دین بھیروی شتم الکادیانی نے مولوی کرم دین صاحب پر گورداسپور میں کیا تھا جس کی ایک تاریخ پر (جو ۱۶- دسمبر ۱۹۰۳ء تھی) میں نہیں گیا۔ اور نہ آئندہ جانے کا ارادہ ہے۔ اِلَّا ان لیشاء اللہ“

جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ولی کے ارادہ کو پورا فرمایا اور عدالت نے قادیانیوں کی چوتھی اور آخری درخواست بھی مسترد کرتے ہوئے حضرت کی شہادت کو غیر ضروری قرار دیا تو آپ اس کا ذکر اور شکرا اپنے ایک مکتوب گرامی مندرجہ صفحہ ۷۳ مہرِ حقیقیہ میں اس طرح فرماتے ہیں :-

”پہلے اہمام سے من قام للجواب و تتمہ فسوف یرى انہ تشذم و قد مر (جو مخالف اس تفسیر کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوگا، نام ہوگا اور بلاکت اٹھائے گا) کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے رانی مہین من اراد اھانتک (جو تیری اہانت کرے گا، اس کی میں اہانت کروں گا) مراد ہے اور ان دونوں اہمامات کو علی الترتیب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسن فضلی اور حضرت پیر صاحب سے منسوب کیا تھا۔

”اللہ تعالیٰ مشغولی کما حقہ فرمائے۔ مولوی صاحب کو بھی تکلیف سے رہائی ہو۔ چنانچہ اس نیازمند درویش کو بھی اُس مستدیم الاحسان نے گورداسپور کی شہادت سے باوجود نہایت اصرار و مسامحہ مخالفین بحال کیا۔ اور وہ اصلاً مائوس ہوئے۔“

عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا مُرد لکھا ہے۔ یہ مُرد تو نہیں تھے مگر حضرت کے عقیدت مند ضرور تھے اور آپ کے وصال پر ایک مرتبہ بھی تحریر فرمایا جو صفحہ ۳۴ پر شائع شدہ ہے اپنی کتاب تازیانہ غیر میں بھی حضرت کے ساتھ بے حد عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا ہے اور گورداسپور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور با اثر جماعت کے مقابلہ میں تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرت کی خاص توجہ اور دُعا سے منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں۔ اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کی تہ میں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کا فرما نہ سکتی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طلب لائقوں سے بھی سمجھ سکتا تھا۔ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عم زاد بھائی کی موت پر آواز سے کسے گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جیسی شخصیت گرامی کی تصنیف لطیف پرشہادتِ آخرتاً کیے گئے۔ اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی کس حد تک دانش مندانہ تھا۔

مولوی محمد حسن فیضی

اس جواں مرگ عالم و فاضل کا ذکر خیر اس کتاب میں رُویند و جیلہ لاہور کے اُس ایڈریس سے چلا آ رہا ہے جو اُس نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ صاحب مدرسہ انجمن نعمانیہ میں نائب مدرس تھے اور اپنے پرنسپل اور غالباً استاد جناب مولانا غلام احمد کے ہمراہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ بے نقط نظم و نشر لکھنے کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک طویل بے نقط قصیدہ لکھ کر، مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سیالکوٹ جا پہنچے مگر مرزا صاحب اور اُن کے حاشیہ نشین تو اس کی اِطاعت پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے اُن کی علیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پر صاحب کی ذات گرامی تو بہت ہی بلند ہے۔ پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجئے۔ اس اشتہار میں اُنہوں نے بعض باتیں بہت پتے کی لکھیں۔

۱۔ کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے اندر فصاحت کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا، آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا ہی خاصہ تھا۔

۲۔ بے شمار غیر مسلم عرب فضلاء کی تصانیف، فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ پایہ کی تسلیم کی جا چکی ہوئی ہیں کتنی غیر مسلم بھی قرآن مجید کے مُفسر اور حافظ ہو گزرے ہیں۔ اس لیے عربی نویسی رسالت اور مجددیت کا معیار نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کے مقابلہ میں اس ملک کے علماء عربی نویسی میں ہار بھی گئے، تو بھی دنیا کے علماء آپ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اور

۳۔ آپ نے حضرت پر صاحب کو دعوت کے اشتہار میں لکھا ہے کہ کوئی غلطی سہو یا نسیان پر محمول نہیں کی جائے گی۔ حالانکہ خود اسی اشتہار میں محضات کو آپ نے دو دفعہ محضات لکھ دیا ہے۔

مخالفین کا حضرت کی تصانیف کو غیروں سے منسوب کرنے کا رجحان

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تصانیف کو اغیار سے منسوب کرنے کی کوشش کوئی نئی چیز نہیں۔ اس سے پہلے بھی مرزا شیونے شمس الہدایت کو جناب مولانا محمد غازی کی تالیف قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی نے اپنی کتاب "مسند اعظم" مطبوعہ ۱۹۴۴ء میں اس کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ اور اسی طرح ایک اور قادیانی سیرت نگار دوست محمد شاہد نے بھی تاریخ احمدیت حصہ سوئم میں فرضی روایات کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت پیر صاحب پہلے تو مرزا صاحب کے مداح تھے مگر مولویوں کے کہنے میں آکر مخالفت پر اتر آئے۔ لیکن ارباب فہم و درایت پر قادیانیوں کی یہ دیرینہ چالیں ٹوٹ شبن ہیں۔ افسوس ان لوگوں نے حضرت کی تصانیف کو آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کے ساتھ منسوب کرتے وقت یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس منطق کا نتیجہ تو خود ان کے خلاف جاتا ہے یعنی جب حضرت کے بحر علم و عرفان سے پیاس بجھانے والوں کی تحریرات نے علم مرزائیت میں اس قدر تھلکہ مچا دیا تو اگر آپ بنفس نفیس قلم اٹھاتے تو کیا حشر برپا ہوتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

قادیانیوں کے علاوہ غیر مقلدین بھی "الفطوحات القدیہ" کو کبھی جناب مفتی غلام مرتضیٰ اور کبھی جناب مولانا محمد غازی کی طرف منسوب کرتے رہے نیز مولوی عبد الاحد خان پوری دو افروز راولپنڈی نے بھی جھوٹ موٹ لکھ مارا کہ مولوی محمد غازی نے ایک جگہ ذکر کیا کہ حضرت کی فلاں کتاب میں نے لکھی ہے۔ اس پر مولانا مرحوم کو اپنا حلف نامہ شائع کرنا پڑا کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور یہ بیان میری طرف غلط منسوب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر بشارت احمد کہتے ہیں کہ شمس الہدایت کی اردو بے محاورہ ہے اور اسے پڑھتے ہوئے آدمی ٹیڑھی سے اتر جاتا ہے۔ وہ درست کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک اردو دان طیب یا انگریزی دان فلاسفر، قرآن و حدیث اور مفسرین و محدثین کے محاورات کی ٹیڑھی پر واقعی نہیں چل سکتا۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا یہ واقعی ایسی دُشوار گزار ٹیڑھی ہے کہ اُن کی جماعت کے سب سے بڑے فاضل مولوی محمد احسن امر وہی بھی محض کلمہ طیبہ کے معنی سمجھنے میں اور خود مرزا صاحب اور حکیم نو دین حقیقتہً معجزہ کے سوال پر ہی اس سے اتر جاتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مخطوطات، محاورات اور انداز تحریر سلف صالحین کے رنگ میں ہیں۔ آپ سوچتے ہی عربی میں ہیں۔ اور یہی آپ کا اصل اور حقیقی فضل و کمال ہے۔ پھر اپنی عربی کی سوچ کو حسب ضرورت اردو یا فارسی کے ترجمہ کا لباس پہناتے ہیں۔ شمس الہدایت کے ابتدائی حصے میں ہی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ڈاکٹر صاحب کے ارباب یورپ و تعلیم یافتگان لندن اور اردو خوان زعمی مولوی فاضل حضرت کو مخاطب کر کے اپنے محاوروں سے آگاہ فرمادیا ہے۔ قادیان کی سودیشی نبوت تو عربی نویسی کو ہی اپنا کمال سمجھ رہی ہے۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تو ماشاء اللہ یہ اپنے گھر کی چیز ہے جس کی کیفیت کوئی سمجھنا چاہے تو حضرت حاجی ابداد اللہ علیہ الرحمۃ اور مولانا حاجی رحمت اللہ مہاجر مکی سے پوچھے۔ جناب مولانا طیف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد علی سہارن پوری، استاد النمل مولانا احمد حسن کانپوری، علمائے دیوبند کے مقتدر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، فاضل اجل مولانا فضل حق رام پوری، مولانا مولوی عبد اللہ ٹوکی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مناظرِ زمان مولوی نذیر احمد انیسٹروی سے دریافت کرے جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام علوم حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے جلو میں دست بستہ حاضر اور تصرف کے منتظر معلوم ہوتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

الحیثہ بالحدیث

حضرت میں تم ہونے والے قادیانی عقائد کے بعد، مسئلہ میں یہ ایک متوجہ قادیانیت کی طرف سے حضرت کے متعلق ایک گورانی کا پتہ چلتا ہے۔ شامہ اس سال مناصب نے پورولی آبادی و قوری مشین کوئی، افلی ہوئی جسے شیخ کو پتہ کہ غائب محمد حیات قریشی سکا طبع کر کے دیا کہ وہیں محمد شریف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ہیں حوالی اور ایک صدوقی تھے پریشانی کے عالم میں گورانی شریف پہنچے اور غرض کی کہ مذاق دینی کتاب ہے اس آئے والے بیٹھ کے میں میں پیدا ہو کر وہ کا منتقل ہو جائے گا۔ ہذا آپ اپنی عزت کا نام سب نظام رکھیں مبادا کوئی عداوت سے حضرت نے انہیں تسلی سے کہ دیا کہ یہاں محمد موت تو برحق ہے اور اس سے نہ انہیں مگر تسلی دھو شامہ اس بیٹھ میں تو ہیں نہیں مگر وہاں ہب لکھ بیٹھ کا بیٹھ آیا تو مناصب کا انتقال ہو گیا۔ اس سال جب سیل شریف کے غرض پہنچا تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے بیٹھ میں تھا سے فرمایا۔ الحیثہ بالحدیث یعنی بیٹھ بیٹھ سے بل گیا۔

قادیانیت کے خلاف حضرت کا معرکہ آپ کی اسلامی مذہبات میں سنگبیل کی حیثیت رکھتا ہے جس کا جو یہ تصویر نہایت محل کریم اسلامی ممالک تک بھی پہنچا اس وقت سے تمام مسلمان قدس اور عشق اپنی کتابوں اور تحریروں میں تسلیم کرتے چکے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم کو دوسری قدس بیٹھ ملی مٹی اور دوسری قیامت اس ترکیب کی شکست میں ایک کو اگر حجت ثابت ہوئی اس مسئلہ میں جناب ہدایت ہم رفیق دوری جو ایک شہور شاعر اور عشق ہیں کی تصنیف غزلیہ میں قابل اہم ہے۔

معرکہ قادیانیت کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ایک اہم بیان

زلی میں تیرہ کا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک ہم پیر ہیں پیرس ہونے کا نام کرہاں سب معلوم ہوتا ہے جس سے اہمال اور پر اس تمام معرکہ کا پس نظر سامنے آتا ہے۔ یہ بیان سیف پشتیبانی کی اشاعت کے موقع پر شائع ہوا تھا۔

قابل اقبال اسلام

اس یہ بیان خوشی میں ٹھکانے کریم کو خطاب قول اللہ تعالیٰ فی الوحده کا گوشہ نشین پسند رہی ہے۔ تصنیف و تصنیف کا شوق نہیں کیونکہ یہ امور یہ تو بغرض شہرت و نام آوری، یہ بعض اصول و اہل کیے ہاتھ میں سو اس خاکسار کو ان دونوں امور سے نفرت ہے آج کل کے زمانے میں ان کا ہوت کو پسند کرتے ہیں جو بھوک تعلیمات یورپ کے ہیں اور جس سے یہ عاجز ناواقف ہے، اس طرزت یم سے جس پر زمانہ صفت کے بزرگان دین تصنیف و تصنیف کہتے آئے ہیں اور جس سے اس کو چھان کو قدر سے موانعت ہے نفرت رکھتے ہیں۔

یاد ہو ان موافقات کے چند اجاب کے سر پر رسالہ شمس الہدایت لکھا گیا تھا جس سے مراد تو صاحب شہرت و اصول دولت تھی بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ علماء ملت حق میں کو تاہی نہ ہو اور قیامت میں باذن پر جس سے بچی ہوں اور اگر ان آفاق کی تصنیف سے کم کر دو اور دو باہر آجائیں یا مگر نزل الامت و اگر وہ ہونے سے بچی جائیں۔ تو عذرا مستحق ثواب خدا ہوں۔

اس رسالہ کے شائع ہونے سے کچھ وقت بعد مناصب قادیانی و ان کے غریبوں کی طرف سے کہا جاتا

کسی جواب کے مباحثہ کے لیے اشتہار شائع ہونے شروع ہوئے۔ ہر چند مباحثہ کے لیے کل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہوئی اور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی اور یہ خادم الفقراء معہ علمائے کرام اور مشائخ عظام تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمدن ہال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرض انتظار مرزا صاحب قادیانی ٹھہرا رہا مگر مرزائے قادیانی، قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اس تمام اقعہ کی عوام نے بلامیری اطلاع کے تشہیر کر دی تھی۔ اس لیے اب اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔

بہت دیر بعد شمس الہدایت کے جواب میں مرزا قادیانی کے امروہی مرید نے شمس بازقہ لکھی اور مرزائے "تفسیر فاتحہ" چھپوائی تو دوبارہ اہل اسلام اور میرے احباب نے مجھے مجبور کیا کہ اس کے جواب میں قلم فرمائی کروں گو بہت کچھ انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ

آں کس کہ زشت آن و خبر زو نہ دہی

آن ست جوابش کہ جوابش نہ دہی

لیکن پھر بھی سوال پیش آیا کہ مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے کیا غرض ہے عوام مسلمانان ہند و پنجاب کے فائدے کے لیے ہی سہی لہذا یہ چند اوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرض طبع کر دیئے کہ وہ اسے کتاب کی صورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں تاکہ یہ علمائے کرام اور معززین اسلام میں بدستور سابق مہنت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اس کی اشاعت سے مقصود نفع اہل اسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وَصَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

مُحِبُّ الْفُقَرَاءِ مہر علی شاہ عفی عنہ

تحریکِ ہابیت کا مقابلہ

اُس زمانہ میں مملکت ہند میں وہابیت نے زور پکڑنا شروع کر دیا تھا اور تصوف و اہل تصوف کو بدعت بنا رکھا تھا اس تحریک کو مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی عبد اللہ غزنوی ثم الامر قسری کی تعلیمات سے، غیر متدین کے وجود اور خود اہل سنت میں سے کئی سرگرم داعی مل جانے کے باعث تقویت ہوئی۔ یہ لوگ تلواریوں کے جال پھیلانے والے بڑے بزرگانِ دین کے اعراس پر جا پہنچتے اور زائرین کو قبر پرستی اور حدیثِ شذرحال جس کا ذکر نیچے آئے گا، کے طعنے دے کر پھنسانے کی کوشش کرتے جس کی وجہ سے اکثر سادہ لوح عقیدت مند ان کی باتوں میں آکر جھٹک جاتے۔

پاک پتی شریف میں حضرت گنج شکر کا سالانہ عرس اس گروہ کی معاندانہ اور مخالفانہ کوششوں کا خصوصی مرکز بنا ہوا تھا۔ لہذا حضرت ثانی سیالوی کے ایثار حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کئی سال تک اس تقریب میں شمولیت فرماتے رہے۔ اور امیر تصوف و ریاست بہاولپور کے غیر متدین علماء کے ساتھ توحید، شرک، سنت، بدعت، زیارتِ قبور، ہستی، دروازہ، نذر و نیاز اور پیری، مریدی وغیرہ مسائل پر کئی اہم مذاکرات میں شرکت فرمائی۔ جن کی تفصیل اس کتاب کے مناظرات و تصانیف کے ابواب میں دی گئی ہے نتیجہ کئی مناظرین نے اپنے مسلک سے توہین کی اور تعذاب سے بیعت بھی ہوئے۔

حدیثِ شذرحال

حدیث بخاری: لَا تَشُدُّ رِحَالُكَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (سفر کا اہتمام تین مساجد مسجد الحرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے سوا اور طرف نہ کیا کرو) کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا تھا کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کسی طرف بھی حصولِ ثواب کی خاطر سفر متوجع ہے ہمیشہ یہی معنی لیے جاتے رہے کہ ان مقدس مساجد میں عبادت کا ثواب علی فرق مراتب زیادہ ملتا ہے اور دنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں چنانچہ اس مفہوم کی تائید مُسنَدِ امام احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو یہ الفاظ ذیل ہے:-

لَا يَنْبَغِي لِلْمُصَلِّي أَنْ يَشُدَّ رِحَالَهُ إِلَى مَسْجِدٍ يَنْبَغِي فِيهِ الصَّلَاةُ غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَالْمَسْجِدِ نَبِيِّ (یعنی کسی نمازی کو مناسب نہیں کہ کسی مسجد کی طرف اداۓ نماز کی نیت سے سفر کرے سوائے مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ اور میری مسجد کے) تفصیل کے لیے فتح الباری اور معنی شروح بخاری، کتاب التہجد باب فضل الصلوة فی مسجد مکہ و مدینہ ملاحظہ ہوں۔

اس حدیث کے امتناعی احکام کو سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہ نے زیارتِ روضہ رسول کے خلاف استعمال کیا بعد کے دور میں عبد الوہاب نجدی اور ان کے ہم مسلک اس نرالی استدلال سے کام لیتے رہے۔ ان کے علاوہ تمام ائمہ نے

خیر القرون سے آج تک اس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں لیا۔

تجزیہ بالا کے بعد زیارت روضہ رسول سے منع کرنے والوں کے پاس اس مسئلہ کے متعلق فقہیہ دلیل باقی رہ جاتی ہے کہ حج عرفات، جہاد، تحصیل علم، خدمت خلق، سیاست، تجارت یا دیگر شرعی ضروریات کے لیے سفر کا جواز تو اپنی اپنی جگہ واضح ہے لیکن نبی کریم کی قبر شریف کی زیارت کے لیے سفر کا جواز کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ ارشادات قرآنی :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (سُورۃ نساء آیت ۶۴)

اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش مانگتے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پاتے۔

اور

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ تُعْتَدُ لَهُ الْمُوتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (سُورۃ نساء آیت ۱۰۰)

اور جو کوئی راہ خدا میں وطن چھوڑ جائے وہ زمین میں کُشادگی اور وسعت پائے گا اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی طرف مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے پھر اُسے موت آجائے تو بے شک اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

کے احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد منقطع ہو چکے ہیں۔ اب نہ مستغفرین اُمت کے لیے (معاذ اللہ) یہ سہارا باقی رہ گیا ہے اور نہ دارالحرب کے مسلمان مثلاً غدر کے زمانہ کے علمائے ہند یا اس کے بعد اشرکیت اور مشرکین بھارت کے ستم زدہ ترکستانی یا کشمیری مسلمان اپنی جانیں اور ایمان مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں سلامت لے جا کر مہاجر الی اللہ و رسولہ کمولانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی نمازوں میں مسلسل و متواتر اَسْلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہتے چلے آ رہے ہیں جس سے مہاجر الی اللہ و رسولہ مندرجہ آیت بالا کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائیدی احادیث

مندرجہ ذیل احادیث سے زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز ظاہر ہے۔ مخالف حضرات ان سب احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جہاں تک ضعیف روایت کا تعلق ہے لَا تُشَدُّ وَالْيَحَالُ والی حدیث کے بعض راویوں کو بھی غیر معتبر اور عبد اللہ بن مافع کو مجروح کہا گیا ہے۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت جائز ہو گئی۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۳۔ مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي

۴۔ مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَحِقَ زُرِّي فَقَدْ جَفَانِي۔

جس نے بیت اللہ کی حج کی اور میری زیارت کے لیے نہ آیا تو بے شک اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۵۔ مَنْ جَاعَ نِي زَائِرًا لِحِمْلِهِ حَاجَةً أَرْضِيَارِي كَانَ حَقًّا عَلَى أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو کوئی میری زیارت کے لیے آیا۔ اور اُس میں میری زیارت کے علاوہ اور کوئی حاجت نہیں رکھتا تو مجھ پر واجب ہے کہ روز قیامت اُس کی شفاعت کروں۔

احادیث مستدرجہ بالا میں نمبر ۲ کے متعلق امام ابن حجر مکی نے صحیحہ جماعۃ من آیاتہ الحدیث کے الفاظ اور نمبر ۳ کے متعلق امام سبکی نے آجود الاسناد کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علاوہ ان میں شیخ محقق دہلوی نے بھی اپنی مشہور کتاب جذب المستوب میں احادیث مذکورہ سے استحباب موقوف ثابت فرمایا ہے۔

زیارت قبور

علاوہ ان میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے عمل شریف سے بھی ان احادیث کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا شہداء کے اُحد اور جنت البقیع میں مدفون حضرات کی قبروں کی زیارت فرمائی والدہ ماجدہ کی مزار پر امتام ابو التشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کو اہل قبور کی زیارت کی اجازت بخشی اور وہاں کے آداب مقرر فرمائے۔ اولیاء اللہ اور صالحین اُمت، سلف سے خلف تک، زیارت روضۃ الرسول کے لیے سفر کرتے رہے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کی تعلیم کی روشنی میں تو اُمتِ مہمومہ کا تیرہ صد سالہ عمل غیر شرعی ہو جاتا ہے۔ اور لفظ فی الدین اور استنباط مسائل کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اجماع اُمت صرف ٹوہی رہ جاتا ہے جس میں مستدرجہ بالا دو حضرات کو اختلاف نہ ہو۔

غیر مقلدین کے ساتھ مناظرات

اکابر علماء اہل سنت کی طرح حضرت نے بھی نجد کے شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بعض متشددانہ نظریات کو اپنی تصنیف سیفِ چشتیائی میں مسکابل کے خلاف قرار دیا تھا جس کی وجہ سے بعض غیر مقلد و بابیوں کی طرف سے مناظرانہ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء اہل سنت اپنی اپنی تصانیف میں فرقہ واریت کو گمراہ اور خارجی قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ علامہ زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ کی کتاب الدرر السنیۃ اس پر شاہد ہے۔ اور فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ ابن عابدین شامی نے بھی حاشیہ درمختار باب النوازع میں فرقہ واریت کو خوارج میں شمار کیا ہے اور اُس وقت کے اکثر علماء جند بھی محمد بن عبد الوہاب کی تردید میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حیدر اللہ خان دہلوی المجددی المتنبی اپنی کتاب دوقۃ الدرائی میں لکھتے ہیں کہ نورخ مطہرون نے اپنی کتاب جغرافیہ عمومیہ مطبوعہ مصر کی تیسری جلد میں رد و دفاع بک مناظرہ درمستالاس میں لکھا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نے لوگوں کے سامنے یہ فتویٰ پیش کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر چند اہل کفر و بدعت کے رسول اور دہشت ہیں مگر اُن کی طرح اور تعلیم از قبیل شرک ہے اور چونکہ لوگوں کا بیشتر اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا لہذا اُس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کروں۔

پس جو کوئی مجھے قبول کرے گا وہ دوستوں میں سے ہے اور جو میرا حکم نہ مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہے۔ اور اُس کا قتل بلاشبہ واجب ہے۔

علمائے مکہ کی طرف ابن عبد الوہاب نجدی کا رسالہ دعوت

محمد بن عبد الوہاب کا جو رسالہ علمائے مکہ کی طرف بطور دعوت و حجت بھیجا گیا تھا اُس میں تحریر تھا کہ جو شخص نبی کو اپنا ولی اور شفیع سمجھتا ہے وہ اور ابو جہل شرک میں برابر ہیں جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا محمد کہتا ہے اگرچہ اُن کے متعلق سب باتوں میں بندہ عاجز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی مُشرک ہو جاتا ہے۔ اور تجھے ان باتوں میں ہمارا شیخ ابن تیمیہ پس ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد کی قبر اور مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف سفر کر کے جانا شرک اکبر ہے۔

اسی رسالہ میں مزید یہ تحریر تھا۔

أَمَّا السَّابِقُونَ فَاَللَّاتُ وَالسَّوَامُ وَالْعُرَى وَأَمَّا
اللاحِقُونَ مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ وَعَبْدُ الْقَادِرِ (معاذ اللہ)
پہلے بُت لات اور سواع اور عزیٰ تھے۔ اور پچھلے بُت محمد
اور علی اور عبد القادر ہیں۔ (معاذ اللہ)
حالانکہ قرآن فرماتا ہے :-

وَتَعَزَّوْهُ وَتَقَرُّوْهُ (سورہ فتح ۹)

اور فرماتا ہے :-

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ
(سورہ حج آیت ۳۲)

اور شعائر اللہ کیا ہیں۔ قربانی کے اونٹ کو خدا شعائر اللہ میں شمار فرماتا ہے۔ وَالْبُيُوتَ جَعَلْنَاهَا لَكَ مَذَاجًا مِنْ شَعَائِرِ

اللہ۔ پھر قرآن فرماتا ہے :-

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ
رَاكِعُونَ (المائدہ - آیت ۵۵)

اسی طرح نبی کریم کو اپنا شفیع سمجھنے کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
الرَّحِيمًا (النساء ۶۴)

ماگتے تو یہ لوگ یقیناً اللہ کو توباب اور رحیم پاتے۔

اور لا تشد والرحال الا الى ثلثة مساجد والی حدیث کی رو سے مسجد نبوی کی طرف سفر کے استحباب سے

تو آج وہابیوں کو بھی انکار نہیں لیکن اس کے باوجود ابن عبد الوہاب آنجناب کی مساجد اور آثار کی طرف سفر کو بدستور شرک اکبر کہہ رہا ہے۔

پس عرب معاصرین نے کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ ابن عبد الوہاب نے علم کی کسی صنف میں بھی تکمیل نہیں کی تھی۔ اور طالب علمی کے ایام

میں محض سید کذاب اور اسود عیسیٰ کے سوانحات ہی پڑھتا رہتا تھا۔ نیز عظم و ادراک کی طرح قوت اظہار اور اسلوب کلام میں بھی ناقص تھا۔ البتہ جوش غضب اور اشتعال طبع میں منفرد تھا۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی عمدگی عقاید کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گوی کا فتویٰ

تعب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کے عقائد کو عمدہ تحریر کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک ایک عقیدہ کی براہ راست زد خود مولوی صاحب کے اپنے شیخ اور پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی تحریرات علیہ کی ذات گرامی پر پڑتی ہے۔ جن کا ارشاد ہے۔

شَفِيعُ عَصِيَاں ہُوْثُمَّ وَ سَيِّدُ بَے کَں ہُوْثُمَّ
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ
کرم منداؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم
ہمارے جبرم و عصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ

نیز فرماتے ہیں ۔

کہے ہے شوقِ نبی یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا میر چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکتِ امداد اب تو آئی جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو آے برادر چلو مدینے چلو مدینے

اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے برادرِ طریقت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب شیم الجیب شیم الطیب میں فرماتے ہیں۔

يَا شَفِيعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِيْ	اَنْتَ رَفِی الْضُّطْرَّارِ مُعْتَمِدِيْ
دستگیری کیجئے میری نبی	کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لَيْسَ لِيْ مَلْجَاؤُ سِوَاكَ اَرْغَثْ	مَسْنِي الضُّرِّ مَسِيْدِيْ سَنَدِيْ
مجز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
لَيْسَتْ لِيْ كُنْتُ تُرْبٌ طَيِّبَتْكُمْ	فَالْتَمَمْتُ النِّعَالَ ذَاكَ فَتَدِيْ
کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک	نعل بوسی ہوتی کافی آپ کی

بعض اہل طریقت رجعت کی زد میں

ابن عبد الوہاب پر کچھ گلہ نہیں وہ تو اس کو سچے سے محض نابالغ تھے۔ البتہ جب اس ملک کے بعض مدعیان طریقت بھی ان کے تشدد از عقائد کو اپنا کر عشقِ رسول کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند کرتے نظر آتے ہیں تو حیرانی کی حد نہیں رہتی اور اس طریق پر سوائے رجعت کے اور کسی لفظ کا اطلاق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولوی عبد اللہ غزنوی اور ان کے صاحبزادے مولوی عبد الجبار اہل حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ اہل طریقت بھی کہلاتے تھے۔ مولوی عبد اللہ اسلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت کوثر دلاور خان

علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اور یہی حال مولوی حسین علی صاحب ساکن واں بھیراں کا تھا جن کے شیخ طریقت نے اپنے تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہی کیا ان کی تو بہت ہی بڑی شان ہے بعض اوقات آنجناب کے غلاموں پر بھی علم غیب عطائی کی کیفیات اس طرح طاری ہوتی ہیں کہ تمام دوسرے زمین پر کوئی چیز بھی ان کے مشاہدہ سے باہر نہیں رہتی مگر مولوی حسین علی بول اٹھے کہ میرے نزدیک تو ایسا عقیدہ کفر ہے۔

حضرت کے فتویٰ کے خلاف مخالفین کا اشتہار

حضرت سے غیر مقلد و ہابیوں کی مخالفت کی اصل وجہ تو وہی تھی جو قبل انہیں ذکر ہو چکی ہے لیکن مولوی عبداللہ غزنوی کے ایک مرنید مولوی عبدالاحد خان پوری نے طاعون زدہ مقام سے خروج کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک فتویٰ کو سامنے لاتے ہوئے بحث و مباحثہ کی ابتدا کی مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تھا کہ

”طاعون زدہ علاقہ میں بلا ضرورت جانا گناہ ہے اور طاعون زدہ جگہ سے بخوف طاعون بھاگنا حرام ہے البتہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں اور اسی شہر کے آس پاس جنگلوں اور باغوں میں چلے جانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر سبستی والے چھوڑ کر چلے جائیں اور ایک شخص بھی وہاں نہ رہے تو یہ درست ہے۔“

اس مضمون کا ایک فتویٰ مولوی عبدالغفار مدرس مدرسہ انوار العلوم نوانگر ضلع بلیانے بھی دیا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک استفتاء پر ان فتوؤں کی تائید فرمائی تھی اور مزید تفصیلی بحث کر کے دلائل و براہین دیئے تھے۔ آپ کا مفصل فتویٰ ”قادی مہر“ میں درج ہے۔

مولوی عبدالاحد خان پوری کی تحریک پر حضرت کے اس فتویٰ کی تردید میں ایک اشتہار جاری کیا گیا جس میں طاعون زدہ مقام سے خروج کو، خواہ بقصد علاج اور حصول صحت ہی کیوں نہ ہو مطلق حرام اور اس کے جائز قرار دینے والے کو کافر کہا گیا اور دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ - (البقرہ آیہ ۲۴۳)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے۔

اس پر گورنہ شریف کے ایک طالب علم مولوی قائم علی چشتی فاضل لاہوری نے اس آیت کے متعلق مولوی صاحب غاپوری پر بذریعہ اشتہار چٹ طالب علمانہ سوالات کیے اور لکھا کہ اگر مولوی صاحب بالمشافہ اصدت باللہ کے معنی پوری طرح سمجھائیں تو انہیں مبلغ یک صد روپے بطور انعام دیئے جائیں گے۔

الفتوحات الصمدیہ

اس کے جواب میں مولوی عبدالاحد نے ایک رسالہ مسمیٰ البیان والافاشہ تالیف کیا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو مخاطب کر کے دس علمی سوالات تحریر کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ اگر یہ صاحب نے ان سوالات کے جوابات تحریر فرمائے تو انہیں بھی مؤلف پر سوالات کرنے کا حق حاصل ہوگا حضرت کے ایک عقیدت مند مفتی غلام مرتضیٰ مدرس اعلیٰ دارالعلوم نعمانیہ لاہور ان سوالات کے جواب شائع کرنا چاہتے تھے مگر ایک مخلص کے مشورہ پر حضرت نے خود جوابات لکھوائے۔ اور ساتھ ہی بارہ سوالات بھی تحریر

فرمائے جو آپ کی کتاب الفتوحات الصمدیہ میں شائع ہوئے مولوی عبدالاحد کی کتاب البیان والافاشہ کے جواب میں مفتی صاحب موصوف نے "التبسیان والحجاسہ" شائع فرمائی۔

یہ مولوی عبدالاحد خان پور ضلع ہزارہ کے باشندے تھے طبابت کرتے تھے اور وہابیت کے الزام میں ترک وطن پر مجبور ہو کر اولہند ہی آگئے تھے۔ جہاں گذر اوقات کی معقول سبیل نہ پا کر مولوی عبدالاحد خان مولوی امرتسری کی سفارش پر دوبارہ گولڑہ شریف میں چند سے بطور مہمان اور طالب علم قیام پذیر رہے تھے۔ قادیانی معرکہ میں حضرت کے ہمراہ لاہور بھی گئے تھے اور بعض کتابوں کا سبق لینے کے لیے آپ کے درس میں بھی شامل ہوتے رہے۔ ان کی اپنی علمیت تو ایسی نہ تھی کہ وہ دس سوالات تجویز کرتے اس لیے شروع سے ہی سب پر روشن ہو چکا تھا کہ امرتسری کی جماعت اہل حدیث اس مناظرانہ چھیڑ چھاڑ کی پشت پر ہے علیٰ ہذا القیاس حضرت کے سوالات کی مخاطب بھی یہی جماعت تھی۔ حضرت نے اپنے سوالات کے خاتمہ پر تحریر فرمایا تھا کہ "گو ہمارے سوالات قریب ایک سو کے لکھے ہوئے ہیں مگر خیال اس کے کہ جواب سے جواب ہی ہو گا پھر کیوں تبصیح اوقات کریں۔ لہذا انہی پر اختتام کیا جاتا ہے۔"

عجلہ بردو سالہ

جب ان سوالات کو کیے ہوئے دو سال گذر گئے اور فریق مخالفت کی طرف سے کوئی جواب شائع نہ ہوا تو جناب مولانا محمد عازی صدر الاساتذہ گولڑہ شریف نے ایک رسالہ عجائب بردو سالہ کے نام سے شائع کیا جس میں بعض مضامین حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے افادات سے تھے۔ اس دوران جماعت اہل حدیث کے بعض ارکان یہ بیان دیتے رہے کہ پیر صاحب کے سوالات کے جوابات عنقریب بڑی شان سے شائع کیے جا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جماعت نے اس موضوع پر اپنے ہم خیال علمائے نجد اور مصر سے بھی استفادہ کیا۔ اور پوری کوشش کی۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی پیش گوئی کے مطابق ان سے قطعاً کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور بالآخر مولوی عبدالاحد نے ایک ٹریکٹ شائع کیا جس میں اپنے سوالات کے بعض جوابات پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ ہمارے سوالات کے جوابات پیر صاحب نے تسلی بخش نہیں دیئے ہیں اس لیے پیر صاحب کے سوالات کے جواب دینے کی ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

حضرت شیخ اکبر کی تائید میں انعامی دعوت مناظرہ اور علمائے اہل حدیث کا سکوت

مولوی صاحب خان پوری نے اپنے رسالہ بات میں حضرت شیخ اکبر مٹھی الدین ابن عربی قدس سترہ العزیز کی شان میں تشبیح و تحفیر سے کام لیا تھا جس پر حضرت کے کچھ عقیدتمندوں کی طرف سے ایک اشتہار شائع کر کے اہل حدیث کے علماء کو انعامی دعوت مناظرہ دی گئی مگر ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ البتہ ان کی جماعت کے ایک فاضل عالم مولوی ابوالوفاء شمار اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۱۳ء میں مولوی صاحب خان پوری کے طرز تحریر کی مذمت کی۔ اور لکھا:-

کچھ شک نہیں کہ قاضی عبدالاحد صاحب ہماری جماعت اہل حدیث کے بڑے سرگرم ممبر ہیں۔ ایسے سرگرم ہیں کہ بڑے بڑے نامور علماء اور محدث بھی آپ کے خیال میں اہل حدیث نہیں! اس لیے ان کی نسبت زیادہ وزن دینے دینے کا ہم کو بہت زیادہ حق ہے۔ لہذا ہم خدا لکھتی کہنے کو برادری کے حقوق سے محنت دم جان کر مخالفت کرتے

ہیں کہ ہمارے بھائی سراسر قصور وار ہیں۔ کیونکہ ان کا لہجہ اور ادائے مطلب کا رنگ اور طرزِ تحریر مکروہ ہے اور نہایت مکروہ ہے ہم سمجھتے ہیں کوئی شریف آدمی نہ اس قسم کی تحریر کر سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ قاضی صاحب چونکہ اہل حدیث اور ہمارے شہرِ امرتسر کے مقتدر عالم مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کے شاگرد اور مرید ہیں اس لیے ان کے وطیرہ سے ہم بہت نادم ہیں اور کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہماری ساری جماعت اگر بدنام ہو تو بے جا نہیں۔ یہ ایسے صاحبِ کمال ہیں کہ جو ان کے سامنے آیا، گالیوں کی بوجھاڑ سے ایسا کر دیتے ہیں کہ اٹھ نہ سکے خواہ شرفار کی نگاہ میں خود ہی ذلیل ہوں۔“

حضرت قبلۂ عالم قدس سترۃ کی تصنیف اعلیٰ کلمۃ اللہ

ان ہی ایام میں اعلیٰ کلمۃ اللہ کے نام نامی سے حضرت قبلۂ عالم قدس سترۃ کی ایک تصنیف فارسی زبان میں شائع ہوئی جس میں وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ کی تفسیر کے علاوہ سماعِ موتی، مسئلہ حرمتِ ذبیحہ فوق العقدہ، استدلالِ قبورِ صالحین وغیرہ پر تحقیق کے ساتھ ساتھ جماعتِ غیر مقلدین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ ان میں بعض مسائل از قسم استدلالِ سجدۂ تعظمیٰ علیٰ غیبِ حاضر ناظر وغیرہ پر خود مقلدین میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور بریلوی اور دیوبندی ناموں سے دو گروہ بن گئے تھے۔ ان مسائل پر حضرت قبلۂ عالم قدس سترۃ کے مسلک کے متعلق تفصیلی بحث تصانیف کے باب میں آئے گی۔ ملفوظات اور مکتوبات کے باب میں آپ کے ارشادات سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مقلدین کے ان فرقوں کے درمیان رفعِ اختلاف کا آپ کو کس قدر خیال تھا۔

۱۔ شمس الہدایت کی توصیف میں مولوی عبدالجبار صاحب کا ایک مکتوب پہلے درج ہو چکا ہے۔ اب حضرت قبلۂ عالم قدس سترۃ کی ایک اور مشہور کتاب تحقیق الحق کی تعریف میں مولوی صاحب ممدوح کے صاحبزادے مولوی داؤد غزنوی کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ مفتی محمد حسن صاحب جامعہ خیر الدین ثم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور سے یہ کتاب عاریۃ برائے مطالعہ لے گئے۔ اور واپس طلب کیے جانے پر کہہ دیا کہ مولیٰ سنا ایسی کتابیں ہاتھ آجائیں تو واپس دینے کے لیے نہیں ہوتیں مفتی صاحب فرماتے تھے کہ میں خود یہ نادر کتاب عاریۃ ایٹ آباد کے ایک دوست سے لایا تھا۔ (حسب روایت حاجی ملک محمد قدس بخش ٹوانہ)

ساتویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور تحریک خلافت

انڈین نیشنل کانگریس نے انیسویں صدی عیسوی سے ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلا رکھی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک انقلابی پارٹی بنگال میں بھی پیدا ہو گئی۔ لیکن شمالی ہند اور پنجاب میں ان تحریکات کا کوئی خاص نمایاں اثر نہ تھا۔ کانگریسی تحریک تمام تر ہندوانہ تھی جس کا قومی ترانہ "ہند سے ماترم" تھا۔ یہ ترانہ کسی زمانہ میں بنگالہ کی اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے لیے مؤذوں کیا گیا تھا۔ نیشنلسٹ یعنی کانگریسی مسلمانوں کا وجود آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھا۔ کانگریس اپنے پورے زوروں پر اس وقت آئی جب پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے اتحادی فاتحین نے ترکی کے جھٹے بھرے کرنے شروع کیے اور مسلمان تحریک خلافت شروع کر کے دھڑا دھڑکا کر اس میں شامل ہونے لگ گئے۔ دوران جنگ کانگریس کے بڑے بڑے نیتاؤں نے ہندوستان اور افریقہ سے برطانیہ کی بھرپور امداد کی تھی مگر اس کے باوجود اگر خلافتی مسلمان کانگریس میں شامل ہو کر اس کو تقویت نہ پہنچاتے تو ہندوؤں کا مطالبہ غالباً ڈومنینیشنس (داخل خود مختاری) سے آگے نہ بڑھ سکتا۔ یہ ہندو مسلم اجتماعی طاقت ہی تھی جس نے بالآخر حکومت برطانیہ کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور ملکی سیاست

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا منصب چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی ہیبت کا تھا۔ اس لیے آپ کا واسطہ ملکی سیاست سے اسی حد تک پڑتا تھا جس حد تک وہ آپ کے اس منصب جلیلہ پر براہ راست اثر انداز ہوتی تھی۔ جنگ کے ایام میں ایک زیادہ مستعد ریکروٹنگ آفیسر نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ضوبہ سرحد اور پنجاب کی اکثر مارشل قویمیں آپ کی امداد مند ہیں۔ اگر آپ انہیں ملک اور بادشاہ کی خدمت کے لیے فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیں تو نہ صرف میرے محکمہ کی مشکلات بہت حد تک آسان ہو جائیں گی بلکہ گورنمنٹ بھی بے حد مشکور ہوگی۔ حضرت نے فرمایا، علمائے اسلام موجودہ حالات میں انگریزوں کی فوجی ملازمت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے فوجی ملازمت کے متعلق دریافت کرتا ہے تو میں اسے اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ آپ لوگ کسی مسلمان اہل علم سے توقع نہ رکھیں کہ وہ لوگوں کو خلافت شرع کام کا مشورہ دے گا۔ چنانچہ جب کیشنر صاحب راولپنڈی نے آپ کو ایسی قسم کا ایک پیغام بھیجا جس میں آپ سے بعض مسلمان سیاست دانوں کو امتناعی ہدایات دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا جو مکتوبات شریف میں طبع ہو چکا ہے۔

”از مہر علی شاہ۔ بجواب پیغام کیشنر صاحب

آپ کا پیغام دربارہ امتناعی ہدایت بعض مخالفین دولت برطانیہ پہنچا اگر مجھے غیر اسلام اور غیر اہل اسلام کا طردار سمجھ کر مخاطب بنایا گیا ہے تو یہ خیال بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اگر اس وجہ سے مخاطب بنایا

گیا ہوں کہ گروہ مخالفین دولتِ برطانیہ سے متفق نہیں ہوں تو میرا مخالف بوجہ اصولِ اسلامیہ تجاویزِ بریتانیہ میں ہے نہ مطلقاً اور نہ اصل مدعی اور غایت و نتیجہ میں۔ مجھ سے مطلوبہ ہدایت اُسی صورت میں مقصور ہو سکتی ہے کہ مقاماتِ مقدسہ مکہ و مدینہ و بغداد و بیت المقدس پر قبضہ چھوڑا جائے۔ ورنہ معاہدۃ اللہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو کر آپ کے پیغام کی تعمیل بالکل ناممکن ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔
العبد المشتکی الی اللہ المدعو بہ مہر علی شاہ قلم خود۔ از گولڑہ۔

تحریکِ خلافت کے اسباب

اسلامی دنیا میں سلطانِ ترکی کو مقاماتِ مقدسہ کے خادم اور ایک بڑی اسلامی مرکزی سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے خلیفۃ المسلمین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جب یورپ اور امریکہ کا بزعم خود اس مردِ بھار کو عملاً ختم کر دینے کا منصوبہ مکمل ہو گیا تو برطانوی ہند کے مسلمانوں کو جو اپنی حکومت تو کھو چکے تھے مگر سلطنتِ عثمانیہ کو اسلامی شوکت کی آخری یادگار سمجھتے تھے انتہائی صدمہ ہوا۔ چنانچہ عوام اور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل، ندوہ، دیوبند، تونسہ شریف اور سیال شریف وغیرہ کے دینی اور روحانی مراکز کے علماء اور مشائخ بھی خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ پر کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے بعض اصحاب مثلاً حضرت مولینا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاول پور، مولینا برکت علی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور، حکیم شمس الدین زریابادی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسری وغیرہ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اسلامی خلافت کے متعلق علمائے راسخین کا مسلک

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً حضرت سید دیدار علی شاہ الوری، جناب مولوی محمد علی نوگھری صوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی صاحب فاضل جوہر سہلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی مکمل ہمدردی اُس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک اُن کی انقلاب پسند عجات نے برسرِ اقتدار اگر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔ مثلاً جنگِ طرابلس اور جنگِ بلقان میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے گھر کے زیورات اور اصطبل کے گھوڑے تک بیچ کر ترکوں کی امداد کے لیے چنہ دیا تھا طرابلس کی جنگ کے زمانے میں کئی بار غازی النور پاشا جو اُن دنوں النور بے کہلاتے تھے کا ذکر عزت اور محبت کے لہجہ میں فرمایا اور اُن کے حق میں دُعا خیر فرمائی۔ حتیٰ کہ تحریکِ خلافت کے دنوں میں بھی آپ نے اُن مخلصین کو جو اس میں عملی حصہ لے رہے تھے منع نہیں فرمایا۔

اپنے مسلک کے باوجود حضرت نے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں حصہ لینے سے منع نہیں فرمایا

جیسے کہ اوپر ذکر ہو رہا تھا اپنے شرعی مسلک کے باوجود آپ نے اپنے مخلصین کو تحریکِ خلافت میں کام کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولینا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور لکھتے ہیں:-
تحریکِ خلافت کی ابتداء تھی۔ اور میں اس تحریک کا بہت بڑا علم بردار تھا۔ حکومت نے میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے۔ مجھے کسی ذریعہ سے پہلے پتہ چل گیا۔ لہذا میں بھاگ نکلا اور سیدھا گولڑہ شریف جا پہنچا

حضرت قبلہ عالم فخر کی نماز کے بعد مہمانوں کو رخصت کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، غلام محمد کیا بات ہے میں نے عرض کی کہ تنہائی میں عرض کروں گا۔ عادت مبارک تھی کہ تنہائی اور خلوت کے وقت لوگوں کو اٹھا دیتے تھے، مگر اُس روز خلافِ عادت، مسجد کے جنوب مشرقی منارہ کے پاس تشریف لا کر میری عرض کو استماع فرمایا اور ارشاد کیا کہ کل دس بجے جواب دوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن دس بجے بلا کر ایک تعویذ عطا فرمایا اور زبان مبارک سے فرمایا بِحَوْلِ اللَّهِ وَقُوَّتِهِ لَا يَفْتِنُ رَاحِدٌ عَلَيْكَ نَا۔ (اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور قوت سے ہم پر کوئی ایک بھی قدرت نہ پاسکے گا۔ حزب البحر) واپس چلے جاؤ کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا میں نے عرض کی تقریریں کرتا رہوں یا چھوڑ دوں تو فرمایا جو میرا کام تھا میں نے کر دیا ہے۔ تقریریں کرنا یا نہ کرنا تمہاری اپنی رائے پر منحصر ہے۔ گویا یہ آپ کے اُس اسلامی نظریہ کا ثبوت ہے کہ فروعی معاملات میں اور مسائل میں اپنے اپنے دلائل کے پیش نظر ہر فرق آزاد ہے۔ البتہ تشدد، تعصب اور ایک دوسرے کے خلاف کچھ اچھا نا تفریق فی الدین کے مترادف اور سخت ممنوع ہے۔

۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید خان جب تختِ ترکیہ سے معزول کیے گئے تو حضرت قبلہ عالم قدس متردّد نے بہت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا تھا کیونکہ جیسے کہ بعد میں سب پر روشن ہو گیا یہ معزولی دراصل سلطنتِ ترکیہ کے زوال و انتشار کا پیش خیمہ تھی۔ اس کے بعد سب سے پہلے تو بلغاریہ ہاتھ سے گیا۔ پھر آسٹریا نے مختلف ترکی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں وادی مغرب کے اشاروں پر طرابلس میں جنگ چھیڑ دی جس میں کافی علاقہ ترکوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ پھر ۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہونے پر شومنی قسمت سے ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دے کر اپنی رہی سہی طاقت بھی کھو دی۔ اتحادیوں نے عرب ممالک میں بغاوتیں کرا کر بتدریج ۱۹۱۶ء تک شام، حجاز، فلسطین و عراق سب علیحدہ کر لیے۔ اور وہ عظیم ترکی سلطنت جو سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ تک بلغاریہ سے بحیرہ عرب اور طرابلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ فقط ایک مختصر علاقہ پر محدود ہو کر رہ گئی۔ سلطان عبدالحمید خان کے بعد ترکوں نے سلطان محمد خامس اور پھر سلطان عبدالحمید خان کو خلیفہ بنایا۔ لیکن آخر کار ترکی میں نئی جمہوریت کے شوق نے خلافت کی بساط ہی اُٹھ کر رکھ دی جس سے نہ صرف تمام عالم اسلام میں صفت ماتم بچھ گئی بلکہ خود ترکوں کی اسلامی مرکزی حیثیت ختم ہو جانے کے باعث یہ صورت اُن کے لیے بے حد ضعیف کا باعث بنی۔

یہ درست ہے کہ سلطان موصوف میں کچھ خامیاں ضرور ہوں گی۔ مگر جہاں تک دینداری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت کا تعلق ہے سلطان ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا۔ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب پیرس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک تھیٹر بیکل ڈرامہ اسٹیج کرنے کا منصوبہ زیرِ تجویز تھا تو سلطان عبدالحمید خان کس قدر غضبناک ہوا تھا اور تلوارِ نیا سے نکال کر اعلان فرمایا تھا کہ جب تک عیسائی دنیا باقی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس ناپاک عزم سے باز نہیں آئے گی یہ تلوار باہر ہی رہے گی اور اس مضمون کا ایک تار فرانسسیسی حکومت کو بھی روانہ کیا تھا جس سے نہ صرف فرانس بلکہ تمام یورپ ہراساں ہوا تھا۔ اور معذرت خواہی کے ساتھ اُس پر دو گرام کو ختم کر دیا گیا تھا۔ یونانیوں کے ساتھ سلطان موصوف کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے بیسویں صدی کے مشہور مصری ادیب و شاعر احمد شوقی اپنی نظم صدی الحرب میں سلطان سے خطاب کرتے ہیں :-

بسیفک یعلو الحق والحق اعلیٰ و ینصر دین اللہ ایان تضرب

رتیر تلوار کے ذریعہ حق کو بلند ہی ملتی ہے اور حق ہمیشہ ظلمہ پانے والا ہے۔ اور جہاں جہاں تو شمشیر کے

جوہر دکھاتا ہے۔ دین کو مدد ملتی ہے۔

علاوہ ازیں مولینا رحمت اللہ مہاجر مکی کو جن کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے خاص عقیدت کا ذکر پہلے آچکا ہے، سلطان موصوف نے مشہور عیسائی مناظر پادری فنڈر سے مناظرہ کے لیے بعد اغراض طلب فرمایا تھا جس کے قرار کے بعد مولینا کو بڑے تڑک اہتمام کے ساتھ بڑا یاد تھافت دے کر واپس مکہ معظمہ روانہ کیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے فرزند ارجمند جناب بابو جی مدظلہ العالی آج تک سلطان عبدالحمید خان کا نام بہت احترام سے لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلطان کے عشق رسولؐ کے باعث مجھے اُن سے غائبانہ انس ہے چنانچہ جب آپ حضرت مولیناؒ نے روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے ترکی تشریف لے گئے تو خاص طور پر سلطان عبدالحمید خان کے مدفن پر جا کر فاتحہ پڑھی۔

تحریک خلافت میں ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کا مسئلہ

جب خلافت کا مسئلہ اپنے دیگر متعلقہ مسائل کے ساتھ بطور استفاء ان علمائے انجمن کی خدمت میں پیش ہوا تو ان بزرگان نے اپنا مافی الضمیر نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا اور اسے عامہ کی شدت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کی اب مسائل نے اس ترتیب سے صورت اختیار کی۔

- ۱۔ کیا حکومت ترکیہ خلافت اسلامیہ نبویہ کا حکم رکھتی ہے؟
 - ۲۔ آیا خلافت کے استحکام کے لیے ہندو کانگریس کا تعاون اور ان صورت حالات کے تحت مسلمانوں کے لیے مشرکانہ وحی کی قیادت جائز ہے؟
 - ۳۔ آیا ہندوؤں کی معاونت حاصل کرنے کے لیے گونگشی کو بند کیا جائے؟ اور
 - ۴۔ کیا انگریزوں کی اسلام دشمن حکومت کی وجہ سے ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے اور مسلمانوں کے لیے اس ملک سے ہجرت واجب اور جائز ہو گئی ہے؟
- پہلے مسئلہ پر کارکنان تحریک خلافت کا فتویٰ یہ تھا کہ سلطان روم کی ترکی حکومت اسلام کی رو سے خلافت جاریہ ضروریہ کا حکم رکھتی ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ارشاد تھا کہ صحیح حدیث کی رو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہو گئی تھی جس کے لیے حدیث شریف میں عضو ضعیف اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ اگر مذہب اسلام ایسی سلطنت کو خلافت جاریہ ضروریہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یہ یابن معاویہ اور منصور عباسی بھی، سلاطین جابرہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے اور حضرت امام حسین اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما جو ان کے حکم سے شہید کیے گئے معاذ اللہ باغی کہلا جائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم کے باب الفتن میں بخاری شریف کی حدیث کی رو سے یزید کو دعاتہ الضلال یعنی گمراہی کی طرف بلانے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ لہذا جو شخص ضلالت اور گمراہی کا داعی ہو اسے کوئی بھی صاحب انصاف، خلیفۃ المسیحین کے مقدس منصب کا مستحق نہیں سمجھ سکتا۔

ہندوؤں کے ساتھ تعاون

کانگریس کے ساتھ تعاون اور مسائل ۲ تا ۴ مندرجہ بالا کے متعلق جناب شیخ الجامعہ حضرت کے مسلک کو یوں بیان کرتے ہیں۔

”خلافت کمیشنی کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جو اگست ۱۹۱۴ء کو شروع ہوئی تھی خلافت عثمانیہ نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا جس میں بالآخر ترکوں کو شکست ہوئی اور بہت سے صوبے یعنی شام، فلسطین، عراق و عرب وغیرہ اُن سے چھین گئے اور ترکی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانانِ ہند اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے اور مولانا محمد علی مرحوم و مغفور نے تجویز کی کہ مسلمان اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔ مولانا محمد علی مسلمانوں کے مختص لیڈر تھے اور بہت پر جوش مسلمان تھے۔ مولیس ناتاج محمود سندھی نے اس تحریک کو عملی جامہ پہنایا اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو بے کراختانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اسی راہ اصلاح ہزارہ و پشتاور کے ہزاروں مسلمان بھی اُن کے ساتھ ہو لیے۔

حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب و سنت اور دیگر دلائل شرعیہ سے نہیں ملتی۔ نہ اس قسم کی ہجرت صحابہؓ نے کی ہے۔ وہ ہجرت تو اس واسطے تھی کہ مسلمانوں کو اقامتِ دین سے مُشرک منع کرتے تھے تا آنکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد جمیع بنی ہاشم و بنی عبد المطلب شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا۔ مگر یہاں ایسے اسباب موجود نہیں۔ نیز ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی ملک اتنی بڑی عجمت کو بسا نہیں سکتا۔ پس بوجہ فقدان استطاعت یہ فرض ساقط ہے۔ اور اگر سب پر فرض نہیں بعض پر فرض ہے تو اس طرح بلامرجح کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

نیز آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کو اپنی اصلاح کرنا چاہیے ہجرت کرنے والوں میں بہت فقور سے مازی ہیں جب نمازیں ضروری امر کا التزام نہیں تو الہم فالہم کے اصل کے ماتحت پہلے اس فرض کو قائم کرنا چاہیے۔

یہ بھی فرمایا کہ عنقریب اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک ہفتہ کے بعد مسلمانوں نے واپس آنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ جو اصل میں جاسوس تھے اور ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو واپسی کی رغبت دلائی شروع کی۔ افغانستان کے تخت پر اگرچہ امان اللہ متکھن تھا جو انگریزوں کے خلاف تھا مگر وہ اتنے کثیر تعداد لوگوں کی مستقل میزبانی و ضیافت سے کیسے بردا ر ہو سکتا تھا۔ مہاجرین میں اکثریت فلسطین و شام کی تھی چنانچہ جب واپس ہوئے تو بہت ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑا جاتے وقت اپنی زمینیں اور مکانات نہایت سستے داموں بیچ گئے تھے۔ واپس آئے تو رہنے کو ٹھکانہ بھی نہ تھا اور نہ گذران کے لیے کوئی ذریعہ معاش۔ جائیدادیں زیادہ تر جہد و قول نے خرید کر لی تھیں حتیٰ کہ پشاور کی تحصیل صوابی سب کی سب ہندوؤں کے ہاتھ بک گئی تھی۔ آخر انگریزوں کے پاس جا کر منت سماجت کی تو انہوں نے ایک قانون پاس کیا کہ مہاجرین کی زمینیں اور مکانات اُن ہی قیمتوں پر واپس کیے جائیں جن پر خریدے گئے تھے۔ چنانچہ اس دور کے ایک مشہور سیاسی کارکن ظفر حسن ایبک اپنی کتاب ”آپ جیتی“ حصار اول میں تحریر ہے کہ ”تعلقہ رقبہ راجی“ نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر پانی بوجھ پڑا ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندوستانی مسلمانوں سے کبھی غلط

ہوئے اگر کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا تو وہ صرف انگریز تھے، ایک اور مقام پر موصوف لکھتے ہیں کہ ان کارروائیوں سے ترکوں کو مدد و ضرورت ملی لیکن اس سے ہندوستان کی آزادی کا راستہ نہ نکلا۔ صرف انگریزوں کے لیے ہندوستان میں قدرے پریشانی بڑھ گئی مگر ان کو کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچا۔

دوسرا مسئلہ اعانت کا تھا۔ خلافت کمیٹی کے ممبروں نے طے کیا کہ ہندوؤں اور سکھوں اور دیگر ہندوستانی قوموں سے امداد حاصل کرنی چاہیے اور مسٹر کرم چند گاندھی جو بعد میں مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہوئے، جو خود مسلمانوں سے مل گئے اور ان کے اتباع میں باقی ہندو لیڈر بھی مسلمانوں کی ہمدی کا دم بھرنے لگے جی کہ ہندو مسلم اتحاد کا بہت بڑا پرچار شروع ہو گیا۔ اور بڑے بڑے جو شیخ مسلمان جن کی زبانیں شعلے برساتی تھیں کانگریس میں شامل ہو گئے جو ایک بہت بڑی قومی جماعت متصور ہونے لگ گئی۔ کانگریس کی اس قوت اور ترقی کا اصل باعث اس میں مسلمانوں کی شمولیت تھی جس نے اسے ہندو کانگریس کی فرقہ دارانہ پوزیشن سے انڈین نیشنل کانگریس کی عمومی نمائندگی کی پوزیشن پر لا کھڑا کیا۔ اس کی طرف مسلمانوں کے رجوع کا ایک اور باعث بھی ہوا اور وہ یہ تھا کہ مولینا محمد الحسن دیوبندی جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے ان ایام میں جبریزہ مالٹا سے رہا ہو کر واپس ہندوستان تشریف لے آئے تھے اور اس تحریک کے بڑے حامی ہو چکے تھے۔ ان کی معیت میں بلکہ ان کے اتباع میں تمام دیوبندی علماء استثنیٰ جناب مولوی اشرف علی تھانوی اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔ اس وقت دوسرے شرعی پیدا ہو گئے۔ ایک یہ کہ دین کے کام یعنی احیائے خلافت اسلامی

۱۔ جناب مولوی اشرف علی تھانوی کے عزیز مولوی احتشام الحق تھانوی صاحب کا ایک بیان اخبار روزنامہ کوہستان مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء میں آیا ہے جسے یہ دیکھنے کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے کہ دین میں گہری نظر رکھنے والے علماء مسٹر گاندھی کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔

”چند روز ہوئے ایک محفل میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے گاندھی جی کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ تحریک خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا اور مسلمان ابھی پوری طرح میدان میں نہیں اترے تھے۔ تحریک میں گاندھی جی کی دلچسپی بعض ڈرامائش مسلمانوں کے لیے حیرت کا موجب بنی ہوئی تھی۔ اور آپس میں یہ پوچھا جا رہا تھا کہ گاندھی جی کس مقصد کے تحت تحریک پر اتنے مہربان ہیں۔ انہی ایام میں گاندھی جی نے حکیم اجل خان مرحوم کو مشورہ دیا کہ تحریک کے لیڈروں کو چاہیے کہ مولویوں اور مذہبی دیوانوں کو اپنے ساتھ ملائیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان کے ملائے بغیر تحریک قوت نہیں کڑھ سکتی اور عوامی تحریک نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اس مشورے کے مطابق خلافت کے زعماء کا ایک وفد جس میں حکیم اجل خان، مولینا محمد علی، مولینا شوکت علی اور دوسرے لیڈر شامل تھے بہار کے ضلع مونگیر میں مولینا محمد علی مونگیری سے ملنے گئے۔ مولینا صرف اپنے علاقے میں ہی نہیں بلکہ اس سے باہر بھی بڑی موثر شخصیت تھے۔

مولینا محمد علی مونگیری اور مسٹر گاندھی کا مکالمہ

وفد کے ہمراہ جب گاندھی جی بھی مولینا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گاندھی جی نے مولینا سے بہت ادب کے ساتھ کہا کہ مولینا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ آپ دنیا کے عظیم ترین انسان تھے۔ اس کے علاوہ میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے۔ عظیم کتاب ہے اور اس (قرآن حکیم)

میں کافر کی امداد یعنی جائز ہے یا نہیں۔ دوسرے دم تعاون یعنی گورنمنٹ انگلشیہ سے ترک موالات و ترک تعاون۔ کیونکہ جو حضرات کانگریس میں شامل ہو گئے تھے وہ ہندوؤں کے ساتھ تعاون اور موالات کے بے حد حامی تھے اور انگریز کے ساتھ تعاون و اشتراک عمل کے سنت مخالف۔ ہندوؤں کے لیے گنجائش یا قابلِ برداشت تھی اس لیے اکثر بڑے بڑے کانگریسی مسلمانوں نے زور شور سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں موقوف ہونا چاہیے۔ حکیم حافظ محمد اہمل خان مرحوم و مغفور نے تو اس کے متعلق علناً سے ایک فتویٰ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اور امرتسر کے مولوی عبدالحق ایڈیٹر رسالہ اہلسنت والجماعت نے ایک رسالہ گائے کے گوشت کی کراہت میں بھی لکھ ڈالا تھا۔ کہتے ہیں مہاتما جی سے جب ہندو سوال کرتے کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ اس قدر کیوں مل گئے ہیں تو وہ فرماتے تھے کہ میں گائے کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا رہا ہوں۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ کی رسمی ممنوعیت کا بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ غرض مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں یعنی خلافت کمیشی اور جمعیتہ العلماء ہند اپنے لائحہ عمل کو کانگریس کے پروگرام کے مطابق تیار کرتی تھیں۔ اور کانگریس کی کمرتا دھرتا چوگرہ صرف مہاتما گاندھی کی ذات تھی۔ اس لیے گویا مہاتما جی تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ اور واحد لیڈر تھے جو بھی فرماتے اس کی تعمیل ہوتی۔ ان کی خوشنودی کی خاطر مسلمان مقرر جلسوں میں ابتدا ہی ذبیحہ گائے کی ممانعت کے مسئلہ سے کرتے مہاتما جی نے عدم تعاون، لکھنؤ کے پرچار اور چرخہ کاٹنے کی تحریک چلائی اور کانگریسی مسلمانوں نے ان سب پر صاف کیا۔ غرضیکہ ایک مہاتما کی ذات محور تھی اور تمام ہندوستان ان کے گرد گردش کُناں تھا۔

حضرت سے جب سوال کیا گیا کہ مہاتما جی جو ساتن دھرمی ہندو ہیں اور جن کا ارشاد ہے کہ میں بُت پرست ہوں اور بُت پرستی پر فخر کرتا ہوں۔ کیا مسلمانوں کے لیے اُن کے احکام کے تحت چلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ تو آپ نے ناجائز فرمایا اور کہا کہ مسلمان کے لیے چار امور پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع الامة (۴) قول مجتہد۔ مہاتما گاندھی (قسم کے لوگوں) کے قول کا اتباع کہیں نہیں آیا۔ بلکہ لات قدیٰ ذرا اھمما کا حکم تو حدیث میں ہے یعنی مسلمانوں اور مشرکین کی آگ بھی ایک دوسرے

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ)

نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔

مولینا مونگیر می گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے اور جب گاندھی جی اپنی بات کہ چکے تو مولینا نے پوچھا۔ مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اُس کمزور پہلو سے آگاہ کیجئے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا۔ گاندھی جی اس سوال کے لیے تیار نہ تھے۔ کچھ چونکے اور فوراً بولے۔ ایسا تو کوئی پہلو میری نظر میں نہیں آیا۔ اس پر مولینا مونگیر می نے سوال کیا۔ تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ گاندھی جی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مولینا خفا ہو گئے اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف یہ سننا چاہتے ہیں۔ حسیاد بھی پرندوں کو کچھڑنے کے لیے انہی کی بولیاں بولتا ہے۔ (مستر احسان بی سہے کی ڈائری)

حضرت مولینا محمد علی مونگیر می ہمارے ایک مشہور شیخ طریقت اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے استاد بھائی تھے۔ بہارن پور میں حضرت مولینا احمد علی محدث کے شاگردان مقام سے تھے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔)

کو نہ دیکھے گی۔

علمائے تحریک خلافت نے زمانِ منافق کا قصہ پیش کیا اور ان اللہ کیوں ہذا الدین بالرجل الفاجر (بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایک فاسق فاجر سے بھی کرا لیتا ہے) والی حدیث پیش کی تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ لا اُسْتَعِينُ بِمُشْرِكٍ (میں مُشرک سے مدد نہیں لیتا) کا بھی جنگ بدر کے موقع پر صراحتہً وارد ہے اور منافق پر اسلام کے ظاہری احکام نافذ ہوتے ہیں۔ تاہم ایک وقت اُن کے جنازے بھی پڑھے جاتے تھے اور وہ نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ ہاں کافر مجاہد سے کہیں اعانت طلب فرمائی ہو تو کھلائیے اور ان اللہ کیوں ہذا الدین والی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تئیں فرمانے کا ذکر ہے تو اللہ تعالیٰ تو ہر طرح اپنے دین کی تائید فرماتے ہیں۔ وہ کوئی مکلف نہیں ہیں کہ یہ کریں وہ نہ کریں مگر مسلمان مکلف ہے۔ اس کو وَلَا تَزْكُؤْ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ سورہ ہود - ۱۱۳) مت مجھ کو ظالموں کی طرف پس لگے گی تم کو آگ) کا حکم ملا ہوا ہے۔ وہ کیسے مُشرک سے اعانت طلب کر سکتا ہے۔ این الثريا من السها۔

بعض لوگ اس آیت سے ہندوؤں کی موالات پر دلیل لاتے تھے :-

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَفِیْكَاتٌ لُّوْكُمْ
فِي الدِّیْنِ وَ لَفِیْخِرٌ جُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ
اَنْ تَبْرُوْهُمْ وَ تَقْضِیُوْا اِلَیْهِمْ۔
اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا اُن لوگوں سے کہ
تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے
نہیں نکالے۔ یہ کہ تم اُن سے انصاف اور
احسان کرو۔

سورہ الممتحنہ - ۸

مگر یہ غور نہ کرتے تھے کہ اس آیت کا حکم کیا ہے۔

الغرض حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ہندوؤں سے موالات کے جواز کا انکار فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ یہود اور مُشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتہً مذکور ہے پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجع ٹھیک نہیں۔ نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ فقہ اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں۔ اور ذبح کاؤ کی قیامت کو آپ نے رد کیا۔ فرمایا ذبح کاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے اس طرح آپ نے مہاتما جی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا۔ جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔

تعب ہے کہ بعض لیڈر عین جنگ کے زمانہ میں گورنمنٹ کی اعانت کرتے رہے اور رنکروٹ بھی بھرتی کراتے رہے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جنگ کے دوران میں بھی حکومت کی برابر مخالفت کرتے رہے۔ فوجی بھرتی کو بھی ناجائز قرار دیا اور رنکروٹنگ آفیسر کو بھی واضح الفاظ میں بتا دیا کہ میں فوجی بھرتی کا مخالفت ہوں۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھیں کہ میں غلصہ میں فوج میں بھرتی ہونے کا مشورہ دوں گا۔ مگر جب بعض لیڈروں کو حسبِ خواہش مرتبہ بات اراضی نہ ملے تو وہ مخالفت پُر مل گئے اور حضرت کو سرکار کا خیر خواہ ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

انگریز حکومت کی طرف سے جاگیر کی پیش کش

یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر حکومت برطانیہ نے چار سو مربع نہری زمین کی جاگیر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس ضمن میں گورنمنٹ کا جو افسر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے اس جاگیر کے لیے ضرر بلکہ قانوناً اور اخلاقاً جائز ہونے کے یہ دلائل پیش کیے کہ حکومت پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کی تعلیمی بہبود کے لیے مالی امداد دیتی رہے۔ چنانچہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کو گرانٹ دی جا رہی ہے۔ یہ خاندانہ بھی ایک تعلیمی ادارے کا حکم رکھتی ہے جہاں رعیت کا ایک بڑا حصہ دینی تعلیم اور روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے حاضر رہتا ہے۔ پس یہ گرانٹ انہی لوگوں کی امداد کے لیے ہے۔ ہم سے پہلے مغل اور پٹھان حکومتیں بھی رعایا کے ہندو، مسلم، جینی اور سکھ طبقوں کو ایسی جاگیریں دیتی چلی آتی ہیں جو ہم نے بدستور قائم رکھی ہوئی ہیں۔ بہرہ نئی حکومت کو ایسی چیزیں ورثے میں ملتی ہیں اور وہ ان کے قیام کے لیے بین الاقوامی دستور کے ماتحت ذمہ دار ہوتی ہے۔

اس افسر نے یہ بھی کہا کہ آپ کو اس اراضی کے انتظام میں کسی قسم کی تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑے گی بلکہ آپ چاہیں تو ضلع کا کلکٹر بطور کورٹ آف وارڈز اس کا انتظام کرانے کا اور ہر فصل پر اس کی آمدنی نقدی کی صورت میں خافتہ میں داخل کرادی جایا کرے گی۔

حضرت نے یہ تقریریں کر فرمایا کہ جو حکومت ہم پر اتنا بڑا احسان روا رکھتے تو بطور انسان ہم پر بھی یہ فرض عائد ہونا چاہیے کہ کسی نہ کسی رنگ میں اس احسان کا معاوضہ ادا کریں۔ اور اگر عملاً اور کچھ نہ کر سکیں تو ازراہ شکر گزاری کبھی کبھار اس حکومت کے بڑے بڑے کارپردازوں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام ہی کر آیا کریں۔ لیکن میں تو اتنا کرنے سے بھی معذور ہوں جو لوگ یہاں آتے ہیں یا کچھ عرصہ یہاں رہ کر دینی تعلیم یا روحانی تربیت حاصل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اخراجات اور ضروریات کی کسی نہ کسی صورت میں بہتر کفالت فرمادیتے ہیں۔

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد شیخ الجامعہ تعجب کا اظہار فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے متعلق قسم قسم کے الزامات تراشے گئے اور اجانب تو اجانب بعض اپنے بھی اس میں شریک ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے مقبول بندے کی رائے کو سچا ثابت کر دیا۔ مہاتما گاندھی نے انھیں پھر یہی مسلمانوں کے خلاف شدت کی تحریک شروع کر دی گئی۔ خلافت کمیٹی نے ایک مرتبہ سوامی شردھانند دشن اسلام کو دہلی کی جامع مسجد میں منبر پر بٹھا کر تقریر کروائی تھی جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یوپی کے طول عرض میں پھیل گئے اور وہ افادہ ملاقوں میں جا کر ہزاروں مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد کے منبر پر اس لیے بیٹھے ہیں کہ تمام مسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے مسلمان اسلام سے نفرت ہو گئے۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ خود ہندو بھی محارب فی الدین تھا غرض حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اسلام کی اصلی روش پر قائم رہے اور کوہ وقار ثابت ہوئے۔ اور دوسرے اکثر لوگ عداوت پر ترقی پزیر ہو کر بالآخر کٹ افسوس ہوتے ہوئے حضرت کی روش کے قابل ہوئے۔ ان موحضہ الذکر قسم کے حضرات میں خود شیخ الجامعہ کی ذات گرامی بھی تھی جو حسب تحریر خود کسی زمانہ میں ملتان اور نواحی اضلاع کے علماء سے دین میں تحریک خلافت کے رواج رواں تھے۔

کانگریس کے تعاون سے مولینا عبدالباری کا رجوع

حضرت مولینا عبدالباری فرنگی علی کو اس تحریک اور جمعیتہ العلماء ہند کے ارکان میں صدر الصدور کی حیثیت حاصل تھی۔ اُن دنوں کانگریسی مسلمانوں میں گاندھی جی کے بعد علی برادران اور مولینا ابوالکلام آزاد کا مقام تھا اور مولینا عبدالباری مولینا محمد علی جوہر کے پیروں میں اور ابوالکلام کے اُستاد تھے۔ آپ مولینا سید عین القضاۃ لکھنؤی کے شاگردوں میں سے تھے آپ کے برادر حقیقی مولینا عبدالباقی کو خواب میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تھا کہ وہاں یعنی حجاز مقدس میں سکونت اختیار کریں۔ چنانچہ آپ نے وہاں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ مولینا عبدالباری آخر کار ان تحریکوں اور ہندو مسلم اتحاد سے ایسے دل بولستہ ہوئے کہ جب آ رہے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو آپ نے کانگریسی لیڈروں کو متنبہ کیا کہ اگر ہندو باز نہ آئے تو میں ان کے خلاف عام جہاد کا فتویٰ جاری کر دوں گا۔

مولینا عبدالباری نے خلافت اور ہجرت کی تحریکوں پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے مسلک سے آگاہ ہو کر آپ کی خدمت میں خط لکھ کر چند سوالات کی وضاحت طلب کی تھی۔ یہ مکتوب اور اس کا جواب مکتوبات طہیات، مہرِ حقیقیہ میں شائع ہو چکے ہیں جن کی نقل اس کتاب کے باب ملفوظات و مکتوبات میں دی جا رہی ہے۔

مولوی محمد اسحق مانسہروی کا چیلنج

تحریک خلافت کو علاوہ دیگر علمائے کرام کے حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی بھی بڑی زور تانیہ حاصل تھی جمعیتہ العلماء ہند نے ان سے بھی ایک فتویٰ دلوا دیا تھا کہ اب انگریز کی ملازمت حرام ہے۔ اور ان پر زائدہ صاحب کے ذریعہ حضرت قبلہ عالم قدس برہ پر بھی اثر ڈالنے کی کوشش کی تھی حضرت خواجہ صاحب موصوف سنہ ۱۳۰۹ھ میں سیال شریف کی گدی پر فائز ہوئے تھے اور خدمت قوم کے لیے ایک خاص جذبہ اور درد مند دل رکھتے تھے۔ ان کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد دین المعروف حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت قبلہ عالم قدس برہ سے دلی محبت و شفقت رکھتے تھے ابتداء میں حضرت خواجہ ضیاء الدین کے مراسم بھی حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ساتھ اُسی نہج پر تھے مگر بعد میں مسئلہ مندرجہ بالا پر اس حد تک شک و رنجی بڑھ گئی کہ اُن کے ایماء سے سیال شریف کے ایک عرس کے موقع پر مولوی محمد اسحق مانسہروی حضرت قبلہ عالم قدس برہ سے بحث مباحثہ و مناظرہ کے لیے پہنچ گئے مولوی صاحب دراصل ایک سیاسی کارکن تھے اور وہابیت کی طرف مائل۔ پیروں اور گدی نشینوں کے بھی خلاف تھے چنانچہ اپنے مبلغِ علم کے باعث حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے سامنے آنے کی توجہات نہ بنوئی البتہ مسجد سیال شریف میں ایک دھواں دھار تقریر کے دوران یہ کہہ دیا کہ کہاں ہیں خلافتِ اسلامیہ کے منکر۔ انہیں میرے سامنے لاؤ کہ یہاں مسجد میں میرے ساتھ مناظرہ کریں۔ چونکہ اشارہ واضح طور پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی ذات گرامی کی طرف تھا اس لیے حاضرین میں ایک شور مچا ہوا گیا۔ سیال شریف کے عرس پر لوگ دور دور سے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی زیارت کو آتے تھے جن میں ارادت مند اور غیر ارادت مند سب شامل ہوتے تھے۔ اُن میں سے بعض اہل علم نے اُسی وقت مولوی محمد اسحق کے چیلنج کو قبول کر کے کہا کہ ہمارے ساتھ مناظرہ کر لو جو حضرت پیر صاحب کے شاگردوں کی سی حیثیت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ بات یہاں تک بڑھی کہ پولیس کو حفظ امن کے خیال سے مولوی صاحب کو فوراً وہاں سے رخصت کرنا پڑا۔

مولوی ظفر علی خان کی حاضری

پنجاب کے سیاسی لیڈر اور روزنامہ زمیندار کے فاضل مدیر مولوی ظفر علی خان، ۱۹۲۰ء میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کے لیے گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ صبح کا وقت تھا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ جناب حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر موجود تھے۔ مولوی ظفر علی خان خلافت، ہجرت، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت، شریف مکہ کا انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کی جنگامی ضرورت وغیرہ مسائل پر بولتے رہے۔ مگر جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے شرع شریف کی روشنی میں ان معاملات پر اپنا مسلک بیان فرمایا تو خاموش رہ گئے۔ اور کوئی مزید بات نہ کر سکے۔

اسلامیان ہند کی آزادی کے لیے دعا

مولوی ظفر علی خان اہل دل ہونے کی کئی خصوصیات رکھتے تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی صحبت کا اثر لے کر جاتے ہوئے ایک پتے کی بات عرض کر گئے کہ جناب میں تو اہل اللہ کے اس دربار میں مسلمانان ہند کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں۔ حضرت نے کچھ توقف کے بعد فرمایا میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا کریں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس ملک کے مسلمانوں کو آزادی نصیب فرمائیں اور ایسی حکومت بخشیں جو ان کے دین کی خدمت کر سکے۔ چنانچہ حضرت کے وصال کے دس سال بعد ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی دعا کا اثر ظاہر فرمایا اور پاکستان عالم وجود میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھیں اور اس کے باشندوں کو خدمت دین کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

علی بصیرۃ انا و من اتبعنی میں بصیرت کے معرہ اور نکرہ ہونے کا سوال

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی دنوں مولوی ابوالکلام آزاد کا ایک مضمون شائع ہوا اور حضرت کی نظر سے گذرا۔ میں اس آیت کریمہ ذیل کی تشریح میں لکھا تھا کہ میں خلافت کی تحریک اور ہندو مسلم اتحاد کے معاملہ میں بصیرت پر ہوں۔

فَلْهَذَا سَبِيْلِي اَدْعُو اِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنْ اتَّبَعَنِي (سورۃ یوسف ۱۰۸)

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے مولوی ظفر علی خان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجلس میں اپنے موجودہ متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ وہ ان معاملات میں بصیرت پر ہیں۔ لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بصیرۃ کو نکرہ کیوں کہا ہے اور معرہ (البصیرۃ) کیوں نہیں فرمایا تو اس کی وجہ بیان نہیں کر سکیں گے۔ حضرت کے ایک مخلص مولانا عبد الغفور ہزاروی مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں کچھ عرصہ تک بعض قومی تحریکیوں میں مولوی ظفر علی خان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں انہوں نے ایک دن مجھے بتایا تھا کہ جب میں گولڑہ شریف سے راولپنڈی واپس پہنچا تو وہاں مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی خلافت و ہجرت کے موضوعات پر گفتگو کی غرض سے گولڑہ شریف جانے کے لیے تیار پایا میں نے حضرت پر صاحب کے مندرجہ بالا ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر بصیرۃ کے نکرہ یا معرہ ہونے کا جواب معلوم ہے تو بے شک مجھے بتائیے۔ چنانچہ آزاد صاحب

نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

دربار گولڑہ شریف کے علماء مولانا مولوی محمد غازی اور قاری عبدالرحمن جو پوری کے ساتھ چائے پیتے ہوئے مولوی ظفر علی خان نے اثنائے گفتگو قاری صاحب کے حیرت کے متعلق شرعی وجہ کے سوال پر بتاتے ہوئے دیا کہ شرعی وجہ تو قطعاً کوئی نہیں صرف اتنی بات ہے کہ ہم انگریز حکومت پر اپنی ناراضگی واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر قاری صاحب جو پہلے اس تحریک کی طرف مائل تھے، بے حد نادام ہوئے۔ اور جب یہ بات حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ وجہ تو عقلاً بھی درست نہیں کیونکہ جب کمزور قوی سے روٹھے گا تو قوی جو خوف خدا نہیں رکھتا یہی کہے گا کہ روٹھتا ہے تو بے شک روٹھے میرا کیا بگاڑ لے گا۔

ظفر علی خان کے خلاف شہادت دینے سے انکار

اسی اثناء میں حکومت نے مولوی ظفر علی خان کی حضور ضلع کمپل پور میں ایک تقریر کی بنا پر ان پر حکومت کے خلاف بغاوت کے الزام میں ایک مقدمہ چلانا چاہا۔ ان دنوں چونکہ علاقہ چھپچھ ہزارہ میں تحریک خلافت کا زور تھا اس لیے حکومت کی طرف سے استغاثہ کی شہادت دینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ بامجبوری ملک سر محمد امین آفریدی جسٹس شمس آباد اور ایک ذیلدار کی شہادت رکھی گئی مگر ان کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں۔ بنوں کے سید لعل شاہ ان دنوں کمپل پور میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے ان کے سیاسی دماغ نے یہ چال چلی کہ مولوی ظفر علی خان کی گولڑہ شریف والی گفتگو کی بنا پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا اسم گرامی بھی گواہان استغاثہ میں درج کر دیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے تو خیر مولوی ظفر علی خان کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب لوگوں نے آپ کا نام نامی فرست گواہان میں دیکھا تو گواہان مندرجہ بالا کے خلاف ان کا جوش و خروش قطعاً جاتا رہا اور اپنے گھروں میں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

مولوی ظفر علی خان کا مسٹر گاندھی سے بگاڑ

کچھ عرصہ بعد مولوی ظفر علی خان کانگریس سے الگ ہو گئے اور مسٹر گاندھی سے ایسا بگاڑ ہوا کہ ان کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ڈالے۔ اس اختلاف کی ابتدا کراچی میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ہوئی جب کہ مولوی ظفر علی خان جلسہ کی کارروائی نماز کے لیے بند کرنا چاہتے تھے کہ نماز کے بعد پھر شروع کی جائے۔ گاندھی جی نے اس سے انکار کر دیا جس پر یہ واک آؤٹ کر گئے۔ گیٹ میں سے نکل رہے تھے کہ ایک ہندو خاتون رضا کار نے آوازہ کسا "مولانا، کیا آپ عرب سے تشریف لائے ہیں؟"

اے سامری دقت کہ گاندھی ہے تیرا نام
کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندہ بے دام
ہندو کو مسلمان سے لڑانا ہے تیرا کام
ہم کو نظر آتا ہے جو ہو گا تیرا انجام
اے دشمن اسلام

تقدیر وطن کی اُسی دن سے ہوئی کھوٹی
جب شیخ کے تہمد سے ملی تیری لنگوٹی
اور چار تہذیب عرب ہو گئی چھوٹی
ہم قابلِ اسلام ہیں تو مائلِ اودھام
اے دشمن اسلام

تحریک خلافت اور ہندو مسلم تعاون کے خلاف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مسلک کی صحت کا اس سے بڑھ کر
 اور کیا ثبوت ہو گا کہ خود مولوی خضر علی خان کے قلم سے اُس کی تصدیق ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ اکبر نے ایک حکم لکھا ہے کہ
 جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقت کے ولی سے کام لے کر اُمت میں اپنی پاک مشابہائی فرماتے ہیں یعنی ولی کی اُمت
 نور نبوت سے توجہات اور اشارات حاصل کر کے اسے عام میں منشاۓ الہی کے مطابق انقلاب پیدا کرتی ہے گویا یہاں الہی
 پروگرام کچھ اور ہی تھا یعنی ہندو کے ساتھ اتحاد میں نہیں بلکہ مخالفت میں پاکستان کی داغ بیل پڑنا تھی۔

تحریک ہجرت میں رائے عامہ کا طوفان

تحریک خلافت کے ایام میں رائے عامہ کا طوفان اس ٹھکانے یعنی ہندوستان میں صرف آستانہ عالیہ کوڑہ کی بنیاد سے
 نکل آیا۔ اخبارات نے مخالفانہ ادائیگے لکھے شعراء نے مجبوراً اشعار کہے۔ پریس اور پیٹ فارم سے جو متواتر حملے ہوتے رہے اُن
 میں ٹھکانہ و مشائخ کے طبقہ نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ بلکہ بعض اپنا کھلانے والوں نے بھی مخالفت کی
 حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک ارادت مند مولوی صاحب نے ہزارہ سے لکھا کہ حضرت اہم تو اللہ کی راہ میں ہجرت کر رہے
 ہیں۔ آپ پیری مریدی منہجاًل کر بیٹھے رہیں۔ یہ صاحب اگلے مہینے ہی اشکِ نہامت بہاتے ہوئے واپس لوٹ آئے اور کہتے
 تھے کہ اگر کابل کی طرف قبلہ ہوتا تو ادائیگی نماز کے لیے بھی اُس طرف رخ کرنے کو بھی نہ چاہتا۔

حکیم شمس الدین وزیر آبادی — حضرت کے ایک سرگرم خلافتی مرید

وزیر آباد کے حکیم شمس الدین حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک روشن دماغ مگر تنگ مزاج مرید تھے۔ طالب علمی کے زمانہ
 میں حضرت کے ہم درس بھی رہ چکے تھے۔ طلبِ یونانی میں بہت شہرت کے مالک تھے۔ اکثر علمی اور دینی کے اُمراء کا شرعیہ علاج
 کیا کرتے۔ انہیں سیاسی سوجھ بوجھ کا بھی بڑا دعویٰ تھا۔ تحریک خلافت کے ایام میں شکووں کے طومار لکھ لکھ کر حضرت کی خدمت
 میں بھیجے جن کے مختصر جوابات مکتوباتِ عیبات میں درج ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت بابو جی قبلہ غلط کسی سفر کے دوران حکیم صاحب
 کے آبائی گاؤں کے قریب سے گزرے تو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب گاؤں ہی میں ہیں۔ پوچھا تو آپ نے اپنے گھر سے تشریف
 لے گئے۔ حکیم صاحب بہت مددات سے پیش آئے مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شان میں وہ بلی کٹی سٹنائیں کہ جناب بابو
 جی کے ہمراہی دل برداشتہ ہو کر لا حول پڑھتے ہوئے باہر نکل گئے۔ خلافت کے انکار، ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت اور انگریزوں کی
 خاطر داری کے علاوہ حکیم صاحب نے حضرت پر یہ الزام بھی لگایا کہ آپ مجھے ایک ہندو عورت کے بال تک سے نہ چھڑا سکے،
 کیسے یہ بوجھ ہے؟ حکیم صاحب ہندو مسلم اتحاد کی رو میں ایک ہندو عورت پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ کہنے لگے ہم طبیبوں کے پاس جب
 کوئی مریض آتا ہے۔ اگر وہ لا علاج ہو تو ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ اس کا ہمارے پاس علاج نہیں اور علاج سے انکار کر دیتے ہیں۔
 اگر میں رُوحانی طور پر لا علاج ہی تھا تو حضرت نے مجھے صاف کیوں نہ کہہ دیا۔ اور کیوں بیعت کر کے مجھے دھوکا دیا۔

حضرت بابو جی قبلہ اس بے تکلف ارادت مند کی باتیں سن سن کر مسکراتے رہے۔ آپ حکیم صاحب کو حضرت کے اُستاد بھائی
 ہونے کی نسبت سے چچا کہا کرتے تھے جب حکیم صاحب اپنے دل کا غبار نکال چکے تو بابو جی نے فرمایا اچھا اب میری بات بھی سنیں
 اور جو سوال میں پوچھوں اُن کے جواب دیجئے۔ پھر بابو جی نے پوچھا کیا آپ نے علمِ طب پڑھا ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا۔

ہاں پڑھا ہے۔ بالوبھی نے پوچھا کہاں پڑھا ہے تو حکیم صاحب نے اپنے کئی اساتذہ کے نام گنوائے پھر پوچھا۔ ان استادوں نے اس علم کے متعلق جو ہدایات آپ کو دی ہوں گی، آپ نے یقیناً ان کی پوری پوری تعمیل کی ہوگی۔ اس فن کے مطالعہ اور حصول پر اپنا وقت اور اپنا دماغ خرچ کیا ہوگا۔ اور کافی محنت کے بعد آپ کو ایک ایسے کامیاب طبیب کا مقام حاصل ہوا ہوگا جس سے مخلوق خدا زندگی اور موت کے درمیان پر مشورہ اور ہدایت حاصل کر کے شفا پاتی ہے۔

حکیم صاحب کہنے لگے، بالکل درست ہے۔ بالوبھی نے دریافت فرمایا، اگر کوئی مریض آپ کے پاس آئے اور آپ اُسے علاج کے لیے قبول کر لیں مگر وہ نہ تو آپ کی تجویز کردہ دوا استعمال کرے نہ آپ کے بتائے ہوئے پرہیز کا خیال رکھے اور پھر بیماری کے دور نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے الزام آپ پر دھرے تو آپ اُس کے متعلق کیا کہیں گے حکیم صاحب نے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا کہ وہ مریض ایسا ہوگا اس میں میرا کیا قصور۔ بالوبھی نے فرمایا جس وقت آپ نے حضرت کو اپنا روحانی استاد بنایا تھا تو انہوں نے آپ کو دینی اور روحانی ترقی کے لیے ضرور کچھ ہدایات دی ہوں گی یعنی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کی تاکید کی ہوگی اور کچھ اور وظائف بھی بتائے ہوں گے۔ کیا آپ نے ان ہدایات پر عمل کیا؟ حکیم صاحب نے جواب دیا، نہیں بالوبھی نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اُس گالی کا مصداق کیا آپ خود نہ بنوئے۔ اس میں حضرت کا کیا قصور ہوا۔

بعد میں جب ہم اسیوں نے حضرت بالوبھی سے شکایت کی کہ آپ ہیں کیسے شخص کے پاس لے آئے جو حضرت قبلہ عالم قدس کا اس قدر مخالف ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں پیری مریدی سے الگ ہو کر اس شخص کو محض ایک آشنا کی حیثیت سے ملتا ہوں۔ پیر جانے اور ان کا مرید جانے۔ پھر فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے اہل اللہ مرید کے دل پر نظر رکھتے ہیں اور اخلاص کے معنی یہی ہیں کہ جو دل میں ہو وہی زبان پر آئے اور یہ بھی فرمایا کہ ان اللہ والوں کو اکثر ہاتھ پکڑنے کی لاج ہوتی ہے۔ مرید چھوڑنا بھی چاہے تو یہ نہیں چھوڑتے اور آخری دم تک اُس کے حسن عاقبت کے لیے متوجہ رہتے ہیں۔

حکیم صاحب سے خلافت کے متعلق خط و کتابت

جناب بالوبھی مدظلہ العالی کے مندرجہ بالا خیال کی تائید حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے خطوط سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے حکیم صاحب کو جواباً تحریر فرمائے تھے۔ ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں :-

”مہربان جن حکیم شمس الدین صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ عنایت نامہ کاشف مایہا ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ خدا سے دعا کریں کہ فیصلہ ترکوں کے حق میں ہو۔ پہلے عنایت نامہ جات میں دعا کو بے معنی اور لاشے قرار دیا گیا تھا اور آخری عنایت نامہ میں دعا سے آویزش موجب تعجب ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کو کرنا چاہیے تھا اور نہایت آسان تھا اُس کا وقت گزر چکا ہے۔ الخ

ایسے فقرات کے متعلق گفتگو ملاقات پر رہنے دیجئے۔ آپ خواہ کچھ سمجھیں اور خواہ ہم اس قابل نہیں۔ مگر ہم بہ لحاظ اخوت اسلامی و حق صحبت سالہا گذشتہ آپ کی یہی خواہی میں قاصر نہ ہوں گے اور ہمیں کب یہ دعویٰ تھا کہ ہم ایسے ہیں اور ایسے، اور ہم نے کب آپ کو پنجاب میں بلانے کی تکلیف دی تھی۔ وہی لایا جس کے ہاتھ میں ملکوت کل شئی ہے۔ وہی صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گوئیں ایک ایسا ہوں مگر سب بزرگان دین میں آپ کا ایسا زعم بالکل غلط ہے۔ آپ کے سچ کے مقابلے میں سچ کہنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ آپ میں مادہ سورِ غلّی کا غالب ہے۔ ہمارے متعلق آپ کے خیال (خیر جو اسی برطانیہ وغیرہ وغیرہ) بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہیں۔ شخص کو اپنے قلبی عقائد اور ادراکات پر علم ہوتا ہے و کفیٰ باللہ شہیداً پھر کیونکر نہ کہوں کہ آپ میں مادہ سورِ غلّی اور کج فہمی غالب ہے۔ آپ کے ہدایت نامہ جات میں کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے اصلاً کام نہیں لیا گیا آج کل کے لوگوں کی طرح صرف خیالی امور مبنی علیہا قرار دی گئی ہیں۔ آپ جیسے تحصیل یافتہ انسان سے ایسے معلومات کا ظہور مقام حیرت ہے۔ آپ ناراض تو ضرور ہوں گے مگر ہماری اس پیشین گوئی کو یاد رکھنا کہ آپ کے حق میں ہم ویسے ہی ہیں اور ہوں گے جو پہلے تھے۔ ہم کو آپ سے مدح یا ذم یا لوگوں کے مطاعن سے بچنا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں محفوظ نہیں۔ اُس خلیفہ اور لطیف قبل کل لطیف نے محض اپنے فضل و کرم سے امور مذکورہ کو مُتَقَفَّت ایسا نہیں چھوڑا (وَأَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ) آپ کا ویسا ہی دُعا گو جیسا کہ تھا۔ از گولڑہ بقلم خود۔

آپ حکیم صاحب کے نام ایک اور خط میں امورِ معتبرہ پر اپنا مسلک واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 (الف) مدتِ مدیدہ سے ہمارا خیال دربارہ عدم جوازِ فوجی ملازمتیں و مجسٹریٹ خاص و عام پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اور بفضلِ تعالیٰ بحسبِ ہدایاتِ ہمارے بہت لوگوں نے ترک بھی کر دیں۔

(ب) ہمارا فقر و جمعیتِ آراء سے اُصولِ شرعیہ پر پختہ ہے۔ وہ بھی بعض امور میں نہ مُطْلَقاً اور نہ اس بنا پر کہ معاذاً اللہ ہمیں کفار کی طرفدار ہی منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے ہمارے قول سے (کہ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے) استنباط کیا ہے اور شکوکِ اربع میں سے اول ہی تحریر فرمایا (اول میرے خیال میں آپ کو رمنٹ کے طرفدار تو ہیں مگر من جہت الکفر نہیں) انجہ حضرت صاحب۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی جو آپ کو رمنٹ کے اُن احسانات کو تحریر فرمائیں گے جن کے باعث آپ طرفدار ہیں)

جواباً گزارش ہے کہ آپ نے پہلے عنایتِ نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ (راقم) کو لوگ کو رمنٹ کا طرفدار کہتے ہیں۔ ان کی تردید میں جملہ ذیل میں نے لکھا تھا۔ کافر کا طرفدار من جہت الکفر کافر ہوتا ہے جس سے مطلب یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ اسلام اور کفر کا مقابلہ ہو، کافر کا طرفدار مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہی ہو گا جس کو کفر مرغوب و محبوب ہو اور من جہت الکفر اُس کی طرفدار ہی کرے اور بحمد اللہ احسانہ میں مسلمان ہوں۔ گویا اثبات المدعی باطلالِ نقیضہ و رزنامہ قیاس استثنائی ٹھہرا۔ قید (من جہت الکفر) بوجہ اس کے کہ اس کو صحتِ قضیہ میں دخل ہے ضروری الذکر ٹھہری۔ اور قضیہ مذکورہ بالا میں بعد ملاحظہ مقابلہ اسلام و کفر اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں جس کو آپ نے لے کر استفسار فرمایا ہے کہ حضرت صاحب۔ انجہ۔ تعجب اس پر ہے کہ باوجود مانعین ایک ملاحظہ مقابلہ دوسرا ہمارا معاملہ و روش مذکور الصد جس سے آپ بخوبی واقف ہیں و علوم نقیض قید یعنی لا من جہت الکفر اسی احتمال کو لیا اور اس میں انحصار سمجھا اور استفسار فرمایا۔ الزام و دفع الزام میں جانیں کو ملاحظہ وقت و مقابلہ منظور ہے نہ اطلاق تاکہ منوطیت حکم بالقیہ الذکور نفیاً و اثباتاً مقصود ہو کہ فی العقائد۔ ہاں اس پہلو کو بھی ہم عند الملاقات بیان کریں گے جس پر الزام عائد نہ ہوگا۔

حکیم صاحب کے اشکِ ندامت

جب ترکوں نے خلافت کا قصبہ خود ہی بنادیا، جب ہندو مسلم اشتراک و اتحاد کی کشتی مدینِ مومن مالویہ موتی لال نہر اور شہرِ ہند نے گنگا جمن کے سنگم میں ڈبو دی، جب ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا انجام نظر آیا اور اُس میں ہندو کی گہری سازش کے بخیے اُدھر کر سامنے آ گئے۔ اور آ رہ کے مذہبی فسادات میں فرنگی محل کے خلافتی مشائخ خود ہندو کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کو تیار ہو گئے۔ تو حکیم شمس الدین کو اپنے نظریات کا سُراب دکھائی دیا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے پُر وقار اور با عظمت مفتی ام کا پتہ چلا کہ تو انگریز کے روایتی دار و رسن سے آپ موعوب ہیں کہ عین جنگ اور اقتدار کے زمانہ میں اُس کی فوجی ملازمت کو ناجائز قرار دے رہے ہیں نہ آپ کو کسی قسم کا لالچ ہے کہ انگریز کی کتنی سو مرتبہ زمین کی جاگیر ٹھکرا رہے ہیں۔ نہ وجاہت کی طلب ہے کہ اپنے صاحبزادے کے لیے آئری می جیسٹریٹ کی پیش کش مسترد فرما رہے ہیں۔ شاہی دربار میں شمولیت سے جسے اُس زمانہ میں حکیم صاحب اور اُن کے ہم نوا عزت کا باعث سمجھتے تھے یہ کہہ کر انکار فرما رہے ہیں کہ بادشاہوں کے دربار میں درویش کا کیا کام، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر بلائیں تو جواب دیتے ہیں کہ مجھے تم سے کوئی کام نہیں اس لیے میں نہیں آ سکتا۔ تمہیں اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو یہاں آ سکتے ہو۔ الغرض نہ حکومت سے خائف، نہ لیڈروں کے طعن و تشنیع کا ڈر، نہ عوام اور اپنے ارادت مندوں کے بدظن ہونے کا اندیشہ، قدم ہے کہ عبادہ حق سے نہیں ہٹتا۔ اگر تعلق ہے تو محض اللہ اور اُس کے رسول سے اور اسی تعلق کی بنا پر اُس کی مخلوق کی خیر خواہی ہر حال میں مقصود اور پیش نظر ہے۔

اس کے بعد حکیم صاحب تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہے۔ آخری مرتبہ جب گولڑہ شریف حاضر ہوئے تو بہت دور ہی سے مانگے سے اتر کر پیادہ ہو لیے۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور کہتے تھے کہ افسوس ہم نے حضرت کو نہ جانا نہ پہچانا۔

پشاور کے خلافتی کارکنوں کا وفد

حضرت کے ایک مخلص ارادتمند اور مستفید پروفیسر برکت علی اسلامیہ کالج پشاور بیان کرتے تھے کہ جب لوگ افغانستان کی ہجرت سے واپس ہوئے تو پشاور کے بعض خلافتی کارکنوں نے مجھے آکر کہا کہ کابل کے ایک مجذوب فقیر نے بعض مہاجرین سے کہا ہے کہ حضرت داماد گنج بخش لاہوری تو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں مگر خواجہ غریب نواز اجمیری نہیں چاہتے گولڑہ والے پیر صاحب سے خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں سفارش کرو چنانچہ میں ان کارکنوں کے مجبور کرنے پر گولڑہ شریف پہنچا۔ جناب مولانا محمد غازی کو ساتھ لے کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعات عرض کیے مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ چہرہ مبارک پر کچھ تکدر کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس پر جناب مولانا صاحب نے پہلو بدل کر عرض کی کہ حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ کوہِ البقیس (مکہ معظمہ) پر ہر جمعہ کے روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص دربار منعقد ہوتا ہے جس میں دنیا کی سلطنتوں کے معاملات طے کیے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برسلطنت کا کوئی نہ کوئی وکیل اس دربار میں حاضر ہو کر معاملات پیش کرتا ہوگا۔ لہذا انگریزی سلطنت کا بھی ضرور کوئی وکیل ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے صرف حافظہ کا یہ شعر پڑھ دیا۔

حدیث مطرب دے گو درازِ دہم کم تر جو کہ کس نکشود وز کُشاید بحکمت ایں معمارا

آٹھویں فصل

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور حکومت برطانیہ

قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے دور مبارک میں برطانیہ کا ستارہ اقبال عروج کمال پر تھا خصوصاً ہندوستان میں برطانوی سطوت پورے زوروں پر تھی۔ امراء اور والیان ریاست انگریز کا دم بھرتے تھے بلکہ اکابرین اُمت بھی اس کے دربار میں باریابی کو مسلمانوں کے لیے معاشی بہبودی اور سیاسی اقتدار کا باعث سمجھتے تھے۔ باریں جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے کبھی بھی اس غیر مسلم حکومت وقت کی طرف داری اور مقلق سے اپنے دامن تقدس کو آلودہ نہ ہونے دیا۔ اور ساتھ ہی ایسی تحریکات میں بھی شرکت سے احتراز فرمایا جن کا منشور کتاب و سنت کے خلاف تھا۔

انگریز شہنشاہ کے دربار میں شمولیت سے انکار

۱۹۱۱ء میں ہارج خیم کے دہلی دربار میں شمولیت کے لیے مذہبی پیشواؤں کی سلک میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو بھی دعوت نامہ موصول ہوا تو آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے۔ کیونکہ آپ صرف ہندو پنجاب کے ہی مذہبی پیشوا نہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیروم و مرشد تھے۔ کشنر راولپنڈی نے پہلے ایک پٹھان ٹیشریٹ ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکھ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کو سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کے لیے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کر دیا جائے گا۔ اور صرف ایک دن کے لیے جب کہ شہنشاہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے آپ کو دربار میں جا کر اس کے حق میں دُعا کرنا ہوگی مگر حضرت رضامند نہ ہوئے اور کشنر کی رو بکار پر تحریر فرمایا کہ میں ایک درویش ہوں اور درویشوں کی حاضری شاہی درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ تاہم اس حکومت میں ہمارے سچے مذہب اسلام کے ارکان پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے میں بادشاہ کے حق میں یہیں سے دُعا کرتا ہوں۔

دربار کے منعقد ہو جانے کے بعد اُس سال جب آپ حسب معمول پاک پتن شریف کے عرس پر گئے تو ایک روز سر مجلس دیوان سید محمد تبادہ نشین پاک پتن شریف سے فرمایا کہ آپ کا دہلی دربار میں شامل ہونا اس وجہ سے درست تھا کہ آپ کی ایک حیثیت جاگیر دار ہونے کی بھی تھی جو اسلامی حکومتوں کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ دہلی اور علی گڑھ کے بعض دوستوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ ضرور آئیں کیونکہ اس میں اسلام کی عزت ہے مگر میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک ذلت ہے۔ اس پر جناب دیوان صاحب نے اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی آپ کا ہر شاہ بجا ہے کیونکہ بڑے ادب سے بھجاکر بادشاہ کو نذرانہ پیش کرنے کا منظر ایک باعزت مسلمان کے لیے حقیقتاً ناقابل برداشت تھا۔

اس انکار پر حکومتِ برطانیہ کا ردِ عمل

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے منصرم خط و کتابت ملک سلطان محمود خان بیان کرتے تھے کہ جب دہلی دربار کے کوآلفٹ مائنز آف لندن میں شائع ہوئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے انکارِ شمولیت کے ساتھ تحریر تھا کہ آپ سرحدی پٹانوں اور قبائلیوں کے پیر ہیں۔ اور اس انکار کے وجوہ ان لوگوں کی حکومت سے سرکشی کی بنا پر سیاسی قسم کے ہیں جن پر حکومت کو نظر رکھنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر ٹونی ڈیسن نے اپنی کونسل کے اجلاس بمقام شملہ میں کہا کہ میری گورنمنٹ پیر آف گولڑہ کے اس انکار کی اصلی وجہ معلوم کرے گی اور تحقیقات کے بعد مناسب اقدام کرے گی۔ چنانچہ راولپنڈی کے کمشنر نے ڈپٹی مظفر خان ٹبرٹھ کے ذریعہ آپ کو بلوا بھیجا۔ خان صاحب نے حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کی ملاقات سے یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا اور بذریعہ ریل گاڑی آمد و رفت پر صرف تین گھنٹے صرف ہوں گے۔ اور اگر عصر کے بعد حسب معمول سواری کے دوران ٹوپی رکھ جاتے ہوئے کمشنر صاحب سے مل لیں تو اور بھی کم وقت لگے گا حضرت نے فرمایا کہ میں تین منٹ کے لیے بھی اس مسجد کو چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں کمشنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ وہ یہاں آجائیں۔

سرحد اور پنجاب میں اس خبر سے ایک عجیب انی کیفیت پیدا ہو گئی بعض ذمی اثر لوگ لیفٹیننٹ گورنر سے بھی ملے۔ اور انتظامیہ کی طرف سے بھی اس بے اطمینانی و مہیاں کی خفیہ اطلاعات گورنمنٹ کو پہنچیں۔ اُدھر گورنمنٹ کے قانونی مشیر (ریگل ریمبرنسر) نے رائے دی کہ جو شخص گورنمنٹ کا ملازم یا وظیفہ خوار نہیں اُس کی طرف سے دہلی دربار میں شمولیت یا کمشنر کی تحقیقات میں حاضری سے انکار کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ آخر کار لیفٹیننٹ گورنر نے کمشنر راولپنڈی سے کہا کہ کسی روز خود جا کر پیر صاحب سے ملیں تاکہ اُن کے وسیع حلقہ اثر میں بے چینی اور کشیدگی ختم ہو۔ چنانچہ ایک روز کمشنر صاحب خود ڈپٹی مظفر خان اور پشاور کے میاں کریم بخش سیٹھی کی معیت میں گولڑہ شریف پہنچے۔ اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے مل کر اس کشیدگی کو رفع کیا۔

ڈاکو کا جنازہ پڑھنے پر ڈپٹی کمشنر کی رو بکار کا جواب

سال ۱۹۱۱ء کے دہلی دربار میں شمولیت سے انکار کے ایام میں بعض حاسدین کو حق عداوت ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ اور اُن کی غلط شکایات پر انگریز افسران بھی جذبہ انتقام کی تسکین کے لیے بار بار آمادہ ہوتے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ آپ پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ مواضعات میرا باد یہ میرا کو اور مصافات گولڑہ کے چوروں اور ڈاکوؤں کے پیر ہیں۔ اور مفور ڈاکوؤں کے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اُن ہی دنوں جہان نداد نامی ڈاکو کو پھانسی کی سزا ملی۔ اور جامع مسجد راولپنڈی میں اُس کا جنازہ پڑھا گیا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اتفاقاً جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں موجود تھے۔ اور نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ مخالفین نے اس واقعہ کو اس رنگ میں پیش کیا کہ اس ڈاکو کا جنازہ پڑھنے سے علماء نے انکار کر دیا تھا مگر آپ نے جنازہ پڑھوایا۔ ڈپٹی کمشنر نے اس کے متعلق ایک رو بکار کے ذریعہ حضرت سے جواب مانگا۔ آپ کے جواب کے بعض فقرات یہاں بعینہ درج کیے جاتے ہیں:-

"۱۔ اگر آپ بحیثیت منصب ڈپٹی کمشنر کے چوری یا ڈاکہ یا قتل بے گناہ کو برامانے ہیں تو ہم بہ لحاظِ ہدایت کتاب آسمانی و عقل امور مذکورہ بالا کو حرام و ناجائز سمجھتے ہیں۔

۲۔ جرائم مذکورہ کا مرتکب یا مجرموں کا معاون وہی شخص ہو سکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا جاہل ہو یا لالچی ہو۔
 ۳۔ پیر کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کو آسمانی کتاب کے مطابق ہدایت کرے۔ اور مُرید کہلانے کا مستحق وہی شخص ہے جو بحسب ہدایت پیر کے عمل کرے بفضلہ تعالیٰ آبا و اجداد سے آج تک ہمارا پیشہ ہی چلا آتا ہے کہ مُریدوں کو اچھے کاموں کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں جس نے تعمیل نہ کی وہ ہمارا مُرید نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسے لوگ نام کے مُرید ہوتے ہیں نہ کام کے۔

۴۔ ہم کو ہمارا خدائے تعالیٰ بغیر مجرموں کے چونکہ اچھی طرح رزق پہنچاتا ہے اس لیے ہمیں مجرموں کی اعانت اور اُن سے لالچ رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ کیا ہم بھی پرلے درجے کے جاہل ہیں یا لالچی؟

۵۔ آپ کو اپنا منصب اور اپنے اعلیٰ حاکم کبشتر صاحب بہادر یا لال صاحب بہادر کا ثبوت اُمور بالاک کی اجازت نہیں دیتا تو ہم کو اپنا منصب یا اپنے حاکم حقیقی جل شانہ کا ثبوت کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ اگر ہم ایسے ہی ہیں تو سب ازراہ یا خبر با علم اور ہادیانت لوگ ہم سے علیحدہ کیوں نہیں ہوتے؟ اگر گنہگار ہیں تو ذاتی گناہ کے مرتکب ہوں گے نہ کہ مخلوق حسد اکا کلا کا شئے والوں کے خیر خواہ۔

۶۔ اس میں شک نہیں کہ مجرموں کے بال بچے یا بویگان بحالت بے کسی روٹی کھانے کو بھی آجاتے ہیں جب سرکارِ عالی ان پر رحم فرما کر ان کو اپنے ملک سے خارج نہیں کرتی تو سرکار کی رعایا سے اگر کسی آسودہ حال کے دروازہ سے روٹی مانگ لیں تو کیا قباحت ہے؟ یہ بھی یعنی ایسی حالت میں آنے کا کبھی ساہا گزرنے پر اتفاق ہوتا ہوگا۔

۷۔ یہ بھی واقعی بات ہے کہ مجرموں کے پس ماندگان اپنے خیال کے مطابق آکر دُعا کرتے ہیں جس پر ان کے لیے یہ دُعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت کرے اور نیک اعمال کی توفیق بخشے نہ یہ کہ وہ ایسے کام کرتے رہیں اور سزا یاب نہ ہوں۔

۸۔ عیسائی لوگ اگر اپنے اعتقاد کے مطابق اپنے مجرموں کے واسطے اپنے پیر پادری سے دُعا کرائیں اور وہ دُعا کریں اور دُعا بھی یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو راہِ راست پر لائے تو کیا پادری صاحبان کو بوجہ اس دُعا کرنے کے مجرموں کی تعزیر میں شریک کیا جائے گا؟ عقل و انصاف اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔

۹۔ رہا یہ کہ پھر مختلف زبانوں سے جناب کی خدمت میں شکایتیں کیوں نہیں جواہر معروض ہے کہ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ واقعی مُرید کون ہوتے ہیں اور نام کے کون۔ دوسرے یہ کہ اُن کے اطفال یا پس ماندگان کے آنے جانے کی نسبت سوچتے ہیں کہ یہ اعانت نہیں تو کیا ہے وغیرہ وغیرہ وجوہات جن کا منشا بغیر کم فہمی یا حسد کے عاقل کے نزدیک اور کچھ نہیں۔

۱۰۔ ہمارا بھاری عیب یہ ہے کہ تعلق اور خوشامد مزاج میں نہیں جس کی وجہ سے خوشامد طلب ناخوش ہو سکتے ہیں اور ناخوش ہو کر خلافت و اوقاتِ گوش گزار کرتے ہیں۔

۱۱۔ جمعہ کے روز بغرض نماز مسجد جامعہ میں ہمارا حاضر ہونا ہوا۔ بعد فراغت از نماز حسبِ عادت مروجہ ملک کہ آؤ جنازہ پڑھ لیا جائے۔ سب لوگ جنازہ پڑھنے لگے ہم بھی شامل ہوئے۔ کیا اس جنازہ پڑھنے سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ مردہ ہم سب کے نزدیک نیک چلن تھا اور اس کی بد اعمالیوں پر راضی ہیں؟ البتہ یہاں پر یہ دیکھنا منظور ہے کہ ہمارا مذہب اسلام ایسے

شخص پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دیتا ہے یا نہ دوسری (یعنی اجازت نہ دینے کی صورت میں بیشک جنازہ پڑھنے والے خلاف مذہب کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ اس الزام کے کہ یہ لوگ اس میت کے اعمال پر غور و خوض تھے اور اس کے معادن۔ آج تک ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھنے والوں پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا گیا اور نہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسی زمانہ میں ایک مسلمان افسر نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ گو مجھے پہلے سے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہے مگر میں عرصہ سے آپ کا غائبانہ معتمد ہوں اور آج یہ بتانے کو حاضر ہوا ہوں کہ گورنمنٹ کے پاس رپورٹ کی گئی ہے کہ آپ کو اس ملک سے جلا وطن کر دیا جائے حضرت یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا کہ جو گورنمنٹ مجھے جلا وطن کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اُسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خود اس کے متعلق کیا ارادے ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد برطانوی حکومت، جرمنی کے ساتھ موت و حیات کی جنگ یعنی جنگ عظیم اول ۱۹۱۴-۱۸ء میں مبتلا ہو گئی اور جلا وطنی کی مہل دھری کی دھری رہ گئی۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں استغاثہ

ان ہی ایام میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے بجنور جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ پنجابی زبان کے مسند درجہ ذیل اشعار میں استغاثہ پیش کیا تھا۔

رور و لکھئے چٹھے درداں بھریئے، پتھر پچھیں بغداد دے واسیاں دا
دیہویں جاسینہڑا دکھاں بھریا انہاں اکھیاں درس پیا سیال دا
آہیں سولاں بھریاں سینے مٹرے وچوں نکلن حال ایہہ سدا واسیاں دا
تیرے مڈھ قدیم دے بردیاں نوں لوک دس دے خوف چٹرا سیال دا
دشگیر کر مہرتوں مہر علی تے کون باجھ تیرے اللہ واسیاں دا

انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے مفروضوں کے متعلق گفتگو

اسی دوران ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع راولپنڈی گولڑہ شریف آیا اور حضرت سے کہنے لگا کہ موضع میر آباد یہ وغیرہ کے بعض اشخاص ڈاکہ زنی اور قتل کے مقدمات میں مفروض ہیں اور میں اطلاع ملی ہے کہ وہ آپ کے مرید ہونے کی حیثیت سے آپ کی خانقاہ میں پناہ لیتے ہیں۔ اور اسلحہ وغیرہ یہاں رکھتے ہیں۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے جواب دیا۔ میرے پاس لوگ دعا اور دینی ہدایت کے لیے آتے ہیں میں انہیں نیکی کا امر کرتا ہوں اور گناہ کے کاموں سے منع کرتا ہوں۔ جو یہاں ٹھہر جاتے ہیں بحیثیت مہمان اُن کی تواضع کی جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں کسی شخص کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ اگر کوئی مفروض یہاں آجائے یا اسلحہ لے آئے تو پکڑ لیا کیجئے۔ نیز فرمایا۔ ایک بات اور سن لیں اور اپنی سرکار کو پہنچا دیں کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری امت میرے متعلق کیا ہے لیکن یاد رکھنا یہ عزت جو مجھے ملی ہوئی ہے اس کے دینے والے تم نہیں ہو، کوئی اور ہے۔ اور اگر اس عزت کے دینے والے تم نہیں تو اس کے لینے والے بھی تم نہیں ہو سکتے۔ اگر لے گا تو وہی لے گا جس نے دے رکھی ہے۔ اس سے پہلے رائے صاحب دیوی دیال انسپکٹر پولیس راولپنڈی کی ایک چٹھی پہنچی تھی جس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی طرف لکھا گیا تھا کہ آپ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۱۳ء کو سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کی کوٹھی پر انہیں ملیں۔ اور حضرت نے یہ جواب لکھوا دیا تھا کہ میں

بوجہ مصروفیت اپنے کام کے صرف نماز عصر کے بعد فارغ ہوتا ہوں لہذا معذور ہوں۔ صاحب بہادر منجھ سے جس امر کی دریافت کرنا چاہیں خود تشریف لاکر یا بوساطت عملہ ماتحت دریافت فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ جواب موصول ہونے پر سپرنٹنڈنٹ پولیس آئے اور متذکرہ بالا گفت و شنید ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد دولت ایکٹ کے خلاف جنگاموں کے دوران جلیانوالہ بلاغ امرتسر کی فائرنگ کے سیر و بدنام زمانہ سرٹیکل اوڈائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کی یہاں سے روانگی کے وقت طبقہ اُمراء اور بعض سجادہ نشینوں نے الوداعی پارٹی کے دوران لاہور میں ایک سپانسامپش کیا جس میں انگریزی راج کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ اس موقع پر کیشنر راولپنڈی اور دیگر متعدد اُمراء و حکام کے شدید اصرار کے باوجود حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے اس اجتماع میں شرکت سے قطعاً انکار فرمایا بلکہ ملک سرٹحیات خان ٹوانہ کے بے حد تعاضد و اصرار پر بالآخر اپنے صاحبزادہ جناب بابو جی مدظلہ العالی کو شمولیت کے لیے یہ فرماتے ہوئے بھیج دیا کہ ملک سرٹحیات خان غربائے کام کرتا ہے اور اس وجہ سے مجھے اُس کا خیال ہے۔ لہذا جناب بابو جی مدظلہ العالی طوعاً و کرہاً لاہور تشریف لائے۔ ملک سرٹحیات خان نے کہا کہ آپ خود کو کوئی بات نہ کیجئے گا جو کچھ ہم کہیں آپ صرف ہاں میں ہاں ملا دیں جناب بابو جی نے دریافت فرمایا آپ لوگ کیا کہیں گے تو ملک صاحب نے انگریزوں کے لیے مدحیہ الفاظ کہے۔ بابو جی نے فرمایا میں اس کی تائید نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس پر ملک صاحب نے بابو جی کی شمولیت کو مناسب نہ سمجھا چنانچہ آپ اُن سے فارغ ہو کر واپسی سے قبل جب جناب دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پتن تشریف سے ملے تو انہوں نے باصرار رک لیا اور اپنے ہمراہ پارٹی میں لے گئے۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ ایسے اجتماعات کے طور طریقے اور آداب کیا ہوتے ہیں۔ ایک کاغذ پر سب کے دستخط کرائے گئے ہیں نے بھی اس خیال سے کہ حاضرین کی فہرست ہے دستخط کر دیئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دستخط سپانسامر کے سلسلہ میں تھے سخت افسوس ہوا مگر اُس وقت مجبوری تھی اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

تعب ہے کہ مولوی ظفر علی خان مرحوم مدیر اخبار زمیندار نے اُن شایخ و سجادہ نشینوں کے خلاف جو نظم شائع کی اُس میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کا ذکر کیسے کر دیا۔ حالانکہ سب پر روشن تھا کہ آپ اس اجلاس میں قطعاً شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی اسے پسند فرمایا تھا۔

ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کی حاضری اور عقیدت

حضرت شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں ایک ڈپٹی کمشنر کا واقعہ بدیں انداز تحریر کیا ہے۔ ایک انگریز افسر جو پہلے فوج میں بچا تھا راولپنڈی میں بطور ڈپٹی کمشنر تعینات ہوا اور اُس نے دیہاتی دورہ کے سلسلہ میں گورنر شریف کے قریب کمپ لگوایا اسے موقع ملے کہ پیر صاحب سلام کے لیے آئیں گے مگر آپ نہ گئے۔ آخر اُس نے دربار شریف کے بالکل قریب کمپ لگوایا اور مقیم ہوا۔ ملک گلاب خان سکس حسن ابدال اور دیگر نیازمندان نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ مقامی افسر بے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج عصر کے بعد جب آپ واری کی غرض سے تشریف لے جائیں تو چنڈ منٹ کے لیے توقف فرما کر ڈپٹی کمشنر سنا سے ملتے جائیں مگر آپ نے اُس روز سواری کے وقت کمپ کا راستہ ہی چھوڑ دیا۔ اس سے کچھ پہلے ارباب حکومت نے سری علاقہ کی ایک مهم کو مشکل تمام سر کیا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے اُس علاقہ میں پیری ٹریدی کے وسیع اثر سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ایک قادیانی مسلمان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حالات کو

کچھ اس انداز میں اُن کے پیش کیا کہ اُسے یقین ہو گیا کہ حضرت واقعی انگریزوں کے مخالف ہیں شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں بعض مقامی مسالین کا بھی ہاتھ تھا جو بظاہر ایسے نیاز کا اظہار کرتے تھے کہ آتے جاتے دربار شریف کے قریب استراٹا سواری پر سے اتر پڑتے تھے۔

چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے واپس راولپنڈی پہنچ کر حضرت کی طرف ایک روبکار بھیجی کہ آپ بروز سوموار تین بجے میری کوٹھی پر آکر مجھے ملیں۔ حضرت نے اس روبکار کی پشت پر لکھا کہ ملنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے آپ کے ساتھ کوئی کام ہو، سو مجھے تو آپ کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ آپ کو میرے ساتھ کوئی کام ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ کو یہاں میرے پاس آنا چاہیے کیونکہ ہمیشہ ضرورت مند کو ہی جانا پڑتا ہے۔ ایک غیر ضرورت مند کو حاضری کا حکم دینا نظر ثانی کا مستلزم ہے۔

قاضی سراج الدین بیرٹ اُس زمانہ میں سرکاری وکیل تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے انہیں مشورہ کے لیے بلایا۔ قاضی صاحب نے سمجایا کہ آپ ایسے شخص سے ابھٹنا چاہتے ہیں جو دونوں جہان پر لات مارے ہوئے ہے۔ اور خدا کے سوا دُنيا اور مافہم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نیز ایک جنگ کو مشکل ختم کیا ہے اور دوسری بلا وجہ شروع کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی صاحب کا پہلی جنگ سے اشارہ سرحدی علاقہ کی مہم سے تھا۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی سمجھ میں بات آگئی اور انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اطلاع بھجوائی کہ میں خود ملاقات کے لیے آؤں گا چنانچہ تیسرے چوتھے روز اپنی میم صاحبہ و لڑکی سمیت آیا۔ حضرت بابو بی مغلظہ اور ملک گلاب خان نے دربار شریف سے کچھ آگے جا کر اُن کا استقبال کیا تو انہیں دیکھ کر کہنے لگا۔ ہم اگر بادشاہ ہیں تو پھر صاحب بھی شہنشاہ ہیں۔ اگر وہ ہیں ملنے نہیں آئے تو ہم اُن سے ملنے کے لیے آگئے ہیں۔ ملاقات پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے تو ہاتھ ملایا۔ مگر جب میم صاحبہ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس نے اپنے خاوند سے کہا کہ شاید میں بہت گنگنا رہوں اس لیے پھر صاحب نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملانا چاہا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان الفاظ کی ترجمانی حضرت سے کی تو آپ کی طبیعت پر اس انگریز عورت کی بے نفسی اور انکساری کا اثر ہوا اور فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ بلکہ مذہب اسلام میں غیر عورتوں سے ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں۔ اُن کی لڑکی نے کہا بے شک بیسبل مقدس میں بھی یہی حکم ہے۔

دوران گفتگو ڈپٹی کمشنر صاحب نے سوال کیا کہ آیا آپ کے پاس کوئی جاگیر ہے تو حضرت نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک حضرت غوث پاک کی جاگیر ہے جو ہمارے جد امجد ہیں۔ اور یہ سارا ملک ہم کو جاگیر میں ملا ہوا ہے۔ لڑکی نے حضرت کے ہاتھ والی تسبیح کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ فرمایا اس پر میں اپنے مالک کا نام لیتا ہوں۔ اُس نے پوچھا آپ کا مالک آپ کو تنخواہ کیا دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آپ لوگوں کی طرح تنخواہ مقرر نہیں بلکہ میرا مالک میری تمام ضروریات کے مطابق عطا کرتا ہے اور بے حد حساب دیتا ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگی کہ کیا آپ جو کچھ اپنے خدا سے مانگیں وہ آپ کو دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ چیز ہمارے لیے بہتر ہو تو عطا فرماتا ہے اور اگر اُس میں ہمارا نقصان ہو تو نہیں دیتا۔ جیسے معصوم بچہ روٹی کو ہاتھ مارتا ہے۔ مگر ماں اُسے دودھ دیتی ہے کیونکہ بچے کا معدہ روٹی کو ہضم نہیں کر سکتا۔

گرمی کا موسم تھا۔ اور بارش کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لڑکی نے کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بارش کے لیے دعا کریں۔ کیونکہ آج کل بارش ہمارے لیے مفید معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اُس کی اس دانائی کی بات پر مسکرائے اور فرمایا ہم دعا

کرتے ہیں۔ اگر بارش مفید ہے تو ہو جائے گی۔ پھر تمام حاضرین کو مخاطب کر کے بارش کے لیے دعا کرائی۔ اور ساتھ ہی خود بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ چنانچہ اُسی روز بارش ہو گئی حضرت بابو بھی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر ایسا متاثر ہوا کہ جاتے ہوئے کہا پیر صاحب ہم آپ کی چائے پینے کل پھر آئیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہو کر دعا کا طلب گزار ہوا۔ اسی طرح ایک اور انگریز افسر نے آپ سے زینہ اولاد کے لیے درخواست کی تھی۔ شہر سے باہر کسپ میں اُس کا قیام تھا حضرت نے اُس کو کھانا پانچنے کا حکم فرمایا چنانچہ پرتکلف کھانا دیا گیا مگر اُس کی میم صاحبہ نے ٹکڑے والے منگو کر کھائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے لڑکا عطا کیا پھر وہ سا بیواں منگلوی سیشن جج مقرر ہوا ایک قتل کے ملزم کو جس کا مقدمہ اُس کی عدالت میں زیرِ سماعت تھا اُس کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے عقیدت کا علم تھا۔ اُس نے اپنی صفائی کے گواہوں کی فرست میں حضرت کا نام تحریر کر دیا۔ مسل پیش ہونے پر اُس نے ملزم سے پوچھا کہ کیا پیر صاحب تمہاری صفائی کی شہادتیں لے گئے ملزم نے ویسے ہی کہہ دیا کہ جی ہاں دیں گے۔ اُس نے یہ بات یاد کرتے ہوئے اُسے فوراً بری کر دیا۔

کئی سال بعد ایک انگریز، انگلستان سے آکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں علاقہ کھوڑ میں تیل و پٹرول کی تلاش میں آیا ہوں۔ فلاں صاحب نے جو یہاں ڈپٹی کمشنر رہ گئے ہیں اور بعد میں کمشنر ہو کر ریٹائر ہوئے تھے، انگلستان میں مجھے کہا کہ تیل کے کنویں کھودانے سے پہلے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرنا حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فرمایا کہ ہاں وہ صاحب میرے آشنا تھے اور پھر دعا فرمائی۔

نویں فصل

حضرت دیوان صاحب اک پتن شریف کی عقیدت

حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین درگاہ سلطان الزاہدین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاک پتن شریف کی استدعا پر حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے انہیں سلسلہ شریف چشتیہ صابریہ کے اوراد و وظائف اور ارشاد کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ سلسلہ شریف چشتیہ نطف امیہ میں وہ پہلے سے ہی اپنے نانا بزرگوار حضرت دیوان اللہ جوایا سے بیعت تھے۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ساتھ ان کے روابط کی تقریب یہ ہوئی کہ دیوان اللہ جوایا لا ولد تھے لہذا اپنے وصال سے پہلے انہوں نے اپنے نو عمر نواسے اور متبشی دیوان سید محمد کو بذریعہ وصیت اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے بار شوخ بھتیجے میاں فتح محمد زبردستی گدی پر قابض ہو گئے۔ دیوان سید محمد کی طرف سے دیوانی دعویٰ ہوا مگر خارج ہو گیا۔ انہوں نے اپیل کی تو فریق مخالف نے انہیں قتل کی دھمکی دی اور جان لینے کے دیرپے ہو گئے۔ لہذا دیوان سید محمد کو جان بچانے کے لیے ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں میں جا کر پناہ لینا پڑی۔ اس دوران میاں فتح محمد نے خاندان چشتیہ کے تمام مشہور سجادہ نشینوں سے اس مضمون کے ایک مضمرا نامے پر دستخط کروا لیے کہ میاں سید محمد کم عمر ہیں اور پاک پتن شریف جیسی گدی کے لیے میاں فتح محمد ہی موزوں و مستحق ہیں جب یہ مضمرا نامہ دستخطوں کے لیے گولڑہ شریف پہنچا تو حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے دستخط کرنے سے انکار فرما دیا۔ میاں فتح محمد کے حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ کوشش و اصرار کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ آپ کا فرمان بجا مگر میرا دل اس طرف راغب نہیں ہوتا۔

اس روحانی بشارت کی اطلاع کسی طرح حضرت دیوان سید محمد کی والدہ صاحبہ کو ہو گئی۔ لہذا جب چیف کورٹ تک ان کی اپیلیں نامعلوم ہو گئیں تو مانی صاحبہ نے اپنے ایک لاہور کے عزیز میاں خدابخش نامی کے ذریعے حضرت قبلہ عالم قدس برہ کی خدمت میں توسل اور استدعا کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی کہ آئندہ اپیل کے لیے بہت رقم کی ضرورت ہوگی اگر آپ اجازت بخشیں تو کوشش کی جائے حضرت نے فرمایا کہ اگر گنجائش ہے تو بہت کریں۔ چنانچہ آپ کی دعا کے بعد دسہ پر مانی صاحبہ نے اٹھارہ ہزار روپیہ قرض لے کر پریوی کونسل لندن میں اپیل دائر کرادی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیوان سید محمد کے حق میں فیصلہ ہوا اور وہ بالآخر گدی پر متمکن ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے پاک پتن شریف کی حاضری کا ارادہ فرمایا۔ اور مولوی محبوب عالم صاحب آپ کی رہائش کا انتظام کرنے کی خاطر وہاں پہنچے۔ عرس شریف کا موقع تھا اس لیے جب انہوں نے دیوان صاحب سے حضرت کے ارادہ کا ذکر کر کے جائے قیام کی درخواست کی تو وہ خاموش رہے۔ اُس وقت تک دیوان صاحب کے ساتھ حضرت قبلہ عالم قدس برہ کا یا آپ کے خادم کا براہ راست کوئی تعارف یا تعلق نہیں تھا۔ اور نہ باہم خط و کتابت کی نوبت ہی آئی تھی۔ اس لیے مولوی صاحب نے دیوان صاحب کی خاموشی کو انکار پر محمول کر کے جب بدیں خیال اٹھنا چاہا کہ شہر میں کسی کرائے کے مکان کا انتظام کرنا چاہیے، تو

دیوان صاحب نے انہیں روک کر فرمایا کہ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایسے خصوصی مہمان بزرگ کے لیے جنہوں نے ایک نازک وقت پر بغیر کسی تعارف کے میری امداد فرمائی کو کتنی جگہ مناسب ہوگی۔ میری خواہش تھی کہ آپ کا قیام موتی محل میں ہو لیکن چونکہ وہاں عرس کے موقع پر بعض دیگر حضرات قیام فرماتے ہیں۔ اس لیے مجھے اندیشہ تھا کہ بہادادہ حضرت محسوس کریں۔ مگر آپ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کی جائے قیام موتی محل ہی ہوگی۔ دوسروں کے متعلق حضرت باوصاحب جانیں اور وہ صاحبان جانیں۔

پہلی ملاقات پر دیوان صاحب کا تاثر

جب حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پتن شریف پہنچے اور دیوان صاحب سے ملاقات کی تو دیوان صاحب بیان فرماتے تھے کہ آپ کو دیکھ کر میں تعظیماً اٹھ کر تو ملا مگر میرے دل میں آپ کے متعلق جو حسن ظن تھا وہ جاتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت کے سر پر روئی کی ٹوپی ہوگی۔ کمر میں نیلے یا جو گیارنگ کا تھم ہوگا۔ اور گلے میں قدرے نیلا اور مستعملہ لباس کڑتا ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت تک ایک فقیر اور دلی اللہ کی ہمت اور لباس کا یہی نقشہ ہمارے ذہن میں تھا۔ مگر دیکھا تو ماشاء اللہ نہایت خوبصورت گھنگھریالی زلفیں نفیس کلاہ پر سفید عمامہ، پارچات مصطفیٰ اور سفید رنگ جن پر پچھہ ہیں رکھا تھا۔ میں نے سمجھا کہ دنیا دار ہیں۔ اور اٹھ کر بیٹنے پر دل ہی دل میں افسوس بھی ہوا لیکن حضرت نے میرے خطبہ دل پر طع ہو کر مجلس میں اپنے ایک ارادت مند افسر سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ جب آپ لوگ اپنے کسی افسر سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو کیا اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں یا میل کچلا اور پٹا پرانا؟ اُس نے عرض کیا کہ اگر ہم اچھا لباس پہن کر نہ جائیں تو افسران بُرمانیں گے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب دنیاوی افسروں کی حاضری کے یہ آداب ہیں تو جو دینی پیشوا اور صاحب سجادہ ہو اُس کے دربار میں حاضری کے آداب کا خود خیال کر لیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

دیوان صاحب کہتے تھے کہ یہ سن کر میں اپنے خطرہ دل پر تادم اور پشیمان ہوا۔ اور پھر عمر بھر میرے دل میں حضرت کے متعلق کبھی کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہوا۔

لباس اور سواری کے متعلق ایک انگریز افسر کا اعتراض اور اُس کا جواب

اس خوش پوشی کے متعلق ایک اور واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ بالوکریم بخش بھڈکلرک دفتر پولیس راولپنڈی جو گوجر خاں کے رہنے والے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ارادت مند تھے۔ ایک عرس کے موقع پر کوڑھ شریف حاضری کے لیے اپنے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ایک دن کی رخصت لینے کے لیے اُن کے سامنے پیش ہوئے۔ کپتان صاحب نے کہا: یہ آپ کا پیر صاحب کیسا پیر ہے؟ ہم سے زیادہ اچھے گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور رہیوں کا لباس پہنتا ہے۔ پیر فقیر تو وہ ہوتا ہے جو کوئی مکان اور سامان نہیں رکھتا۔ جہاں رات آجاتی ہے روٹی مانگ کر کھا لیتا ہے اور مسجد وغیرہ میں پڑ کر سوتا ہے۔ پھر کہنے لگا: اچھا جاؤ اور ہماری طرف سے پیر صاحب سے یہ بھی پوچھنا کہ آپ کے پاس اسلحہ کتنا ہے؟ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کے دربار دہلی میں شمولیت سے انکار پر حضرت سے انگریز افسران بہت ناراض تھے جب بالوکریم بخش نے یہ باتیں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں عرض کیں تو آپ نے فرمایا: اچھا مگر تم اُسے جواب نہ دے سکو گے۔ میں خود ہی جواب دوں گا۔ چنانچہ اسی سال جب آپ سیال شریف کے عرس سے واپسی پر حسب معمول کچھ وقت کے لیے راولپنڈی میں قیام پذیر تھے۔ اور عصر کے وقت ایک مخلص کی فٹن میں ٹوپی رکھ کر طرف

بارہ تھے تو راستہ میں وہی سپرنٹنڈنٹ پولیس گھوڑے پر سوار آتا نظر آیا۔ آپ نے خدام سے پوچھا۔ کیا یہ انگریز یہاں کا پولیس کپتان ہے؟ جواب اثبات میں ملنے پر آپ نے اس کے قریب پہنچ کر فٹن رکوئی اس نے آپ کو سلام کیا۔ جس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا آپ کا پیغام پہنچا تھا۔ اب جواب سن لیں۔ آپ نے کہا تھا کہ فقیر اچھے گھوڑے پر کیوں سواری کرتا ہے اور اچھا لباس کیوں پہنتا ہے۔ آپ اپنے افسروں کو خوش کرنے کے لیے اچھے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اچھا لباس پہنتے ہیں۔ اگر فقیر اپنے افسر کی خوشی کے لیے جو سارے افسروں کا افسر اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں سارے افسروں اور بادشاہوں کی جان ہے۔ اچھے گھوڑے پر سوار ہو اور اچھا لباس پہنے تو اس میں کیا بُرائی ہے۔ اور آپ نے پوچھا تھا ہمارے پاس سبھی اچھے ہیں۔ فقیر کا ہتھیار فقط یہ ہے جو آپ کے تمام اسلحہ سے زیادہ کاری ہے۔ اس جواب سے وہ انگریز افسر نادام سا ہو کر رہ گیا۔ اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔

حضرت دیوان صاحب کے لیے اولادِ نرینہ کی دعا

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دن میاں تبا قوال نے امرتسر میں کہیں سے سنا کہ دیوان صاحب کے نرینہ اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس بارہ میں کسی جاؤ گر کا ذکر بھی ہوا۔ جب اُس نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کرو چنانچہ اُس کے عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے۔ سحر کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ اور دعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے سال ہی حضرت دیوان غلام قطب الدین تولد ہوئے اور مخالفین کے جاؤ بے اثر ہو کر رہ گئے۔

نومولود کے نام رکھنے کا واقعہ حضرت دیوان سید محمد خود اس طرح بیان فرمایا کرتے کہ میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بہت سیار کا کی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس شریف پر دہلی گیا ہوا تھا۔ اور وہاں میرے دل میں بار بار خیال آتا تھا کہ میرے بیٹے کا نام غلام قطب ہو۔ حضرت کی خدمت میں نام تجویز فرمانے کے لیے عرض لکھا ہوا تھا۔ جب دہلی سے واپسی پر پاک پتن شریف میں حضرت کا خط ملا تو اسی فکر میں کانپتے ہاتھوں سے کھول کر پڑھا تو آپ نے غلام قطب الدین ہی نام تجویز فرمایا ہوا تھا۔

جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور حضرت دیوان سید محمد کے باہم بہت ہی خاص تعلقات تھے حضرت اقدس زماۃ استغراق تک عموماً ہر سال حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک پر پاک پتن شریف جاتے رہے۔ جہاں ادائے رسومات میں دیوان صاحب کی طرف سے آپ کو ایک خصوصی امتیاز اور اختیار حاصل رہا۔ چونکہ عرس شریف کے موقع پر پاک پتن شریف میں بے حد ازدحام خلائی ہوتا تھا اس لیے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات شریف سے استفادہ کا موقع ملتا تھا۔ سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی کے خواہر زادہ جناب خواجہ حسن نظامی کی ملاقات بھی حضرت سے یہیں ہوئی اور ان کے اصرار پر حضرت نے انہیں بیعت بھی فرمایا۔ خواجہ صاحب حسن تحریر کے لیے دعا کے طالب ہوئے تو آپ نے دعا فرما کر کوئی خال طریق بھی تلقین فرمایا جس کی برکت سے خواجہ صاحب اپنے وقت کے مشہور اہل قلم ہوئے اور مصوٰف فطرت کا لقب پایا۔

حضرت نے خواجہ حسن نظامی کے لیے حسن تحریر اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی استدعا پر ان کے لیے حسن تقریر کی دعا فرمائی تھی۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے دونوں صاحبان کو متغیہ فرمادیا تھا کہ تحریر و تقریر کی فصاحت مقامِ خطر بھی ہے۔ ان کے صحیح استعمال کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

خواجہ صاحب اپنے رسالہ منادی میں ہمیشہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اپنا شیخ طریقت تسلیم فرماتے رہے۔ انجناب کے سال پر گورنہ شریف میں حاضر ہوئے۔ اور ایک خصوصی مقالہ منادی میں شائع کیا۔ خواجہ صاحب بے حد روادار طبیعت اور مرعبان نج قسم کے انسان تھے۔ ابتدائے قادیانیوں کے حق میں نرم خیالی کے باعث علماء میں معشوب تھے۔ مگر بالآخر ۱۲۳۵ھ کے پچھ میں اعلان کیا کہ میرے پیروں میں حضرت مولانا سید محمد علی شاہ ہشتی نظامی سجادہ نشین گورنہ شریف کا ایک بیان میری نظر سے گذرا جس میں حضرت اقدس نے ایک فیصلہ کن حکم صادر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قادیانی اپنے عقائد خصوصاً کے سبب مسلمان نہیں کہلاتے اس واسطے کسی مسلمان کو ان سے کسی قسم کا تعاون جائز نہیں۔

پاک پن شریف میں مولوی غلام قادر سکھ پن آباد ضلع بہاول نگر اور بعض علماء کے تصور کے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ساتھ زیارت قبور، استمداد اولیاء اللہ اور ہشتی دروازہ کے مسائل پر مناظرات، خصوصاً مولوی غلام قادر کی آپ سے بیعت کا ذکر باب ششم میں آئے گا۔ افسوس کہ ان روح پرور مجاہد کا ریکارڈ نہیں مل سکا۔ ورنہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی تھی۔

جناب بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پن شریف جاتے کو تیار ہوئے اور مجھے فرمایا کہ تم گھر پر ہی رہو بہت سگرا اور مہمانوں کا خیال رکھنا اور نماز باجماعت اور اوقات مکتب کی پابندی کرنا۔ مجھے چونکہ دیوان صاحب کے ساتھ قلبی لگاؤ اور دلی تعلق تھا اس لیے میں ساتھ جانے پر مجبور تھا مگر حضرت نہ مانتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر اپنی والدہ محترمہ یعنی میری دادی صاحبہ کے سلام کے لیے گھر حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ میں بھی ساتھ ہوا۔ اور جب گھر کے قریب والی بھاڑی کے پاس پہنچے تو میں نے پھر ساتھ چلنے کے لیے عرض کی حضرت نے فرمایا کہ کسی کے مزار پر حاضر ہونے کا مزاج ہے کہ آدمی صاحب مزار سے کم از کم گفتگو تو کر سکے۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو میرا جانا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ آپ تو حضرت بابا صاحب کے لیے جاتے ہیں اور وہ آپ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ میں تو دیوان صاحب کی محبت کی وجہ سے جاتا ہوں اور وہ مجھ سے گفتگو فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے قسم فرمایا اور اجازت دے دی۔

بظاہر مطالعہ و شغل تسبیح اور یہ باطن حضرت بابا صاحب سے گفتگو

جناب بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت پاک پن شریف میں قیام فرماتے اور صبح کے وقت فطائف سے فارغ ہو کر کتاب فتوحات مکیہ سامنے رکھے ہوئے تسبیح کا شغل فرما رہے تھے کہ دیوان صاحب ملاقات کو آئے اور دس پندرہ منٹ تک دروازہ میں کھڑے رہے مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی۔ میں سخت حیران تھا کہ دیوان صاحب کھڑے ہیں اور حضرت ان کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ ایک ہمراہی مسمی شیراز خان حضرت کو توجہ دلانے کے لیے آگے بڑھنے لگا تو دیوان صاحب نے منع کر دیا اور مجھ سے فرمایا کہ حضرت ابھی مصروف ہیں۔ میں اتنے میں بابا صاحب کو سلام کر آؤں اور کچھ اور امور بھی طے کرتا آؤں۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد دیوان صاحب دوبارہ آئے لیکن حضرت پھر متوجہ نہ ہوئے اور اپنے شغل ہی میں مصروف رہے۔ میں دل گرفتہ تھا کہ دیوان صاحب حضرت گنج شکر کے سجادہ نشین ہیں مگر حضرت متوجہ نہیں ہو رہے ہیں۔ دیوان صاحب پندرہ بیس منٹ تک منتظر رہ کر یہ کہتے ہوئے کہ حضرت ابھی مشغول ہیں۔ میں جاتا ہوں۔ جب آپ فارغ ہوں مجھے اطلاع کرا دیں۔ تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ مگر

لے اس قسم کے کسی فتویٰ کی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے نسبت کی ذمہ داری جناب خواجہ صاحب پر ہے۔

کبیدہ خاطر تھا۔ اور بار بار سوچتا کہ حضرت نے دیوان صاحب کی طرف کیوں توجہ نہیں فرمائی۔

بہر حال کچھ وقت کے بعد اطلاع ملی کہ حضرت اب فارغ ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ دیوان صاحب اب نہ جائیں۔ اس لیے جب وہ جانے کے لیے اٹھے تو میں نے عرض کی کہ اب نہ جائیں۔ عصر کے وقت جب حضرت اس طرف آئیں گے تو اُن سے مل لیجئے گا۔ دیوان صاحب نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور فرمایا: خبردار، ایسی کوئی بات مُنہ سے نہ نکالنا۔ میں ایک مرتبہ ایسا کر چکا ہوں جس کا مجھے آج تک افسوس ہے۔ میں ابھی حضرت کے سلام کے لیے جاتا ہوں :-

قبلہ بابو جی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے جتنے بھی بیٹے والے تھے، دیوان صاحب جیسی محبت اور اخلاص اُن میں سے کسی میں بھی نہ تھا۔ بہر حال جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیوان صاحب کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا دیوان صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ تشریف لائے۔ مگر چونکہ اُس وقت میں حضرت باوا صاحب سے مصروفِ تکلم تھا اس لیے آپ کی طرف توجہ نہ ہو سکا مبادا اُن کی شان میں بے ادبی یا گستاخی ہو جائے۔

قبلہ بابو جی مدظلہ نے فرمایا گویا بات حضرت کے شرب کے خلاف تھی اور آپ اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے مگر اُس روز شاید اس لیے ایسی بات فرمائی کہ دیوان صاحب کی طبیعت پر کسی قسم کا ملال نہ رہے۔

دسویں فصل

وایمان ملک اور رسائے عظام کا آپ سے توسل

امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان

امیر حبیب اللہ خان والی کابل، آیام شہزادگی میں خفیہ طور پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ محلّاتی سازشوں اور سوتیلے رشتوں کی جانب سے اگر مادر شاہ بانو بدست کی قہم کے اعتراضات کے باعث اُن کی ولیعہدی خطرہ میں پڑی ہوئی تھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے دعا بھی فرمائی اور دو روز مہمان بھی رکھا۔ مگر کسی کو امیر حبیب اللہ خان کی آمد یا روانگی کی خبر نہ ہوئی۔ حضرت کے ایک غلام خان زادہ قتل احمد خان ہزاروی کو البتہ بہت بعد میں معلوم ہو گیا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے مجھے فرمایا کہ قتل احمد بعض مہمان اپنے مرتبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ اس لیے تم لوگ خود اُن کی قدر پہچان کر حسب مرتبہ خوراک اور تواضع کا مناسب خیال رکھا کرو۔ اس پر میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خاص مہمان آنے والا ہے۔ دوسرے یا تیسرے روز برسات شروع ہو گئی۔ اور کئی روز تک متواتر رہی۔ ایک رات تہجد سے کچھ پہلے اپنا نک میری آنکھ کھل گئی اور حضرت کے حجرہ مبارک کی طرف کشش محسوس ہوئی۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ تین اشخاص درختوں کے نیچے کھڑے ہیں۔ اور حجرہ مبارک کا دروازہ بند ہے۔ ان لوگوں نے پوستینیں پہن رکھی تھیں۔ کہتے تھے سرحد پار سے آنے میں اور آدمی ات کے بعد پشاور سے آنے والی ریل گاڑی سے اترے تھے۔ ان میں سے ایک شخص جو نسبتاً کم عمر تھا کئی بار تخلیہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ دو روز قیام کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے کچھ عرصہ بعد پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت لاہور میں قیام فرماتے تھے کہ سابق امیر کابل سردار یعقوب خان نے جو اُن دنوں بحالت نظر بندی لاہور میں رہتے تھے بذریعہ خاص آدمی حضرت سے علیحدگی میں ملاقات کی اجازت لے کر شام کے وقت چڑیا گھر کے عقب والے مزار شریف کی مسجد میں حضرت کی خدمت میں حاضری دی۔ اُس وقت حضرت کا ایک خادم باہر وضو کر رہا تھا، دوسرا کچھ دور ذکر بہر میں مصروف تھا۔ قتل احمد خان کہتے تھے کہ میں تنہا حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ سردار صاحب موصوف نے پر معنی نگاہ سے میری طرف دیکھا جس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ اپنا ہی درویش ہے جو کچھ کہنا ہو بلا خوف و خطر کہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں۔ دعا فرماویں میرا حق مجھے واپس مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تخت کابل کے لیے اس سے قبل میں سردار حبیب اللہ خان کے حق میں دعا کر چکا ہوں آپ کی حسن عاقبت کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

خان زادہ قتل احمد خان کہتے تھے کہ اس سے کچھ عرصہ بعد جب امیر حبیب اللہ خان تخت نشین ہوئے تو مجھے حضرت کے یہ الفاظ یاد آئے لیکن صبح پہ اُس وقت چلا جب شہزادہ میں امیر موصوف ہندوستان کے سرکاری دورہ پر آئے اور دہلی کے چاندنی چوک میں اُن کا بلوس دیکھ کر میں نے پہچانا کہ اس بادشاہ کو میں دو دن تک اپنے ہاتھ سے پائے تیار کر کے پلا آ رہا ہوں۔

۱۹۲۸ء میں امیر امان اللہ خان جلا وطن ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ وہ حکومت افغانستان کا اہل نہ تھا۔ اور اس کے کام شرع شریف کے مطابق نہیں تھے۔ سرحدی چٹانوں اور افغانوں کے حال پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خاص توجہ تھی جس کی وجہ سے برطانوی حکومت کے کارپردازان بھی ایک موقعہ پر آپ کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

امیر حبیب اللہ خان کے والد امیر عبد الرحمن خان وائی افغانستان کی بھی حضرت کے ساتھ خط و کتابت کا حال کسی رسالہ میں نظر سے گذر رہے تفصیل معلوم نہیں ہو سکی البتہ اتنا معلوم ہے کہ حضرت کے ایک بہت بڑے ارادت مند اور مشہور رولینڈ قاضی قدرت اللہ سکندر قاضی خیل پشاور امیر موصوف کی دعوت پر اکثر وعظ کرنے کے لیے کابل جا کر رہتے تھے۔

نواب صاحب بہاول پور

نواب صادق محمد خان سادس امیر بہاول پور کو بھی حضرت سے بہت نیاز اور عقیدت تھی۔ ان کی طرف سے اکثر مہمانت میں عرضداشتیں پہنچتی رہیں اور مقاصد حل ہوتے رہے۔ مگر ان کی بیعت کی تباہ پوری نہ ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں ریاست بہاول پور کے دو عہدے دار غلام حسن خان ناظم اور محمد امین خان سپرنٹنڈنٹ پولیس جو حضرت کے مخلصین و ارادت مندوں میں سے تھے۔ گولڑہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں عرض کی کہ نواب صاحب گولڑہ شریف آنے کو تیار تھے بلکہ اپنا ڈیڑیل گاڑی کے ساتھ لگوانے کے لیے ریلوے کو بلکہ بھی دیا تھا مگر اچانک سرکاری کام سے دہلی جانا پڑ گیا۔ اب ایسی پرہیاں کی حاضری کا پروگرام طے ہو گا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ محلات سے نواب صاحب کے صاحب اختیار ہونے کے لیے دعا کا پیغام آیا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تاج پوشی کرادی ہے۔ اس سے زیادہ ان کی آمد و رفت یا دایان ریاست کے ساتھ پیری مریدی کا تعلق مجھے پسند نہیں کیونکہ حاجت مند لوگ سفارش کی توقع رکھتے ہیں اور مجھے نہ سفارش کرنا اچھا لگتا ہے اور نہ اس سے انکار۔

نواب ولی الدولہ حیدر آباد دکن

ریاست حیدر آباد دکن کے ایک رئیس نواب ولی الدولہ کی حضرت سے بیعت تھی۔ بیماری کے سلسلہ میں ڈاکٹروں نے انہیں کبھی ہوا خوری کے لیے لندن جانے کا مشورہ دیا۔ نواب صاحب نے آپ کی خدمت میں اجازت کے لیے عرض لکھا تو آپ نے لکھ بھیجا کہ اگر بحری ہو اسی کھانا ہے تو بجائے لندن کے حج بیت اللہ اور مدینہ شریف کی زیارت کو جائیے بحری ہوا خوری کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ ان کو شراب کی عادت تھی۔ اسی سال (۱۹۳۳-۳۴ء) نواب صاحب بہاول پور اور ان کے ہمراہ جناب شیخ انجم متعصبی حج کے لیے گئے جب جدہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ نواب ولی الدولہ نے شراب کے تمام کبس جو ہمراہ تھے، سمندر میں پھینکوا دیئے اور سچے دل سے توبہ کی۔ فرضیہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ عالیہ پہنچ کر فوت ہو گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک ان کا جنازہ روضہ عالیہ کے سامنے پڑا رہا۔ دیکھنے والے رشک کرتے تھے کہ یہ کون خوش نصیب انسان ہے حضرت شیخ الجامعہ نے اٹھ کر تعارف کرایا کہ یہ میرا پر بھائی ہے حضرت پر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پوری بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا لوگو، دیکھو باخدا انسان سے تعلق و نسبت کے کیسے عمدہ نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

نواب صاحب انب در بند

ریاست انب در بند کے سابق نواب صاحب عالم نواب زادگی کے ایام سے ہی حضرت کی خاص عنایات سے مشرف و

سرافراز تھے۔ ان کی جانشینی کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا جو آپ کی دعا اور توجہ سے دور ہوا۔ ان کے صاحبزادے جو اس وقت الی ریاست میں اور جن کا اسم گرامی نواب محمد فرید خان ہے نے راقم سطور بذکو مستدرجہ ذیل خط لکھا ہے :-

”یوں تو میرے والد بزرگوار کو بھی حضور کی غلامی کا شرف حاصل رہا ہے۔ میں ۱۹۲۱ء میں جناب خان بہادر قاضی سراج دین سکندر راولپنڈی کے ہمراہ بغرض بیعت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے بڑی عنایت سے مجھے غلامی میں منسلک فرمایا۔ نماز کی پابندی کی تاکید کے ساتھ کچھ اوراد و وظائف بھی تلقین فرمائے۔ دینی تعلیمات و عبادت میں حق تعالیٰ کے بعد میں حضور کی یاد کو دل میں رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خواب میں حضور نے فرمایا کہ تو ہر وقت اپنی تحفیات میں ہیں یاد کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ہم تمہیں ایک وظیفہ بتلاتے ہیں جو ہمت رہ اوقات نماز کے بعد ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ صبح بیدار ہونے پر خواب تو مجھے یاد رہا لیکن وظیفہ بھول گیا۔ میں نے ایک چٹھی حضور کی خدمت میں ارسال کی اور سارا خواب بھی اُس میں لکھ کر عرض کی کہ وظیفہ تو بھول گیا ہوں صرف ایک لفظ غلط یاد رہ گیا ہے۔ بواپسی حضور نے وہی وظیفہ مجھے لکھ کر بھیج دیا۔ شرف غلامی کے بعد بفضل خدا میں اپنے آپ میں ایک انقلاب محسوس کرتا ہوں۔ جب مجھے نماز کی تاکید فرمائی تھی تو وہ الفاظ مبارک بندوبست کی گولی کا کام کر گئے تھے حضور کے اُس ارشاد کی برکت سے آج تک ایک نماز بھی مجھ سے قصا نہیں ہوئی :-

سردار محمد علی خان گھیبہ

علاقہ گھیبہ کے نامور رئیس سردار محمد علی خان گھیبہ کو حضرت کے ساتھ بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آخری عمر تک اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ایک روز حضرت نے بذریعہ خاص آدمی خط بھجوایا جس میں تحریر تھا کہ فوراً دوسری شادی کر لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور نکاح کے چند ماہ بعد فوت ہو گئے۔ اسی نکاح سے سردار محمد نواز خان تولد ہوئے۔ وہ بھی حضرت کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق حضرت کے کئی سال کے بعد آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کی ایک غلط روایت مشہور ہو گئی تھی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے کا شرف ان کو ضرور حاصل ہوا تھا مگر حضرت کی نماز جنازہ آستانہ عالیہ کے امام مسجد جناب قاری غلام محمد پشاوری نے پڑھائی تھی۔

نواب سر عمر حیات خان و سر خضر حیات خان ٹوانہ

کالہ اسٹیٹ ضلع سرگودھا کے نواب جنرل سر عمر حیات خان ٹوانہ کو بھی آپ سے شرف بیعت حاصل تھا جس کی بدولت نہ صرف شراب نوشی کی عادت سے بچ گئے تھے بلکہ پانچ وقتہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ اطہر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے۔ اس ضمن میں مشہور ہے کہ خواتین ہزارہ میں سے حضرت کے ایک مخلص ملک سر عمر حیات خان کے مقروض تھے۔ قرضہ کی رقم زیادہ تھی جسے وہ کیشٹ اوکر کرنے سے قاصر تھے۔ مہلت لینے اور آسان اقساط کے ذریعہ ادائیگی کی اجازت کے لیے حضرت کا سفارشی خط لے کر ملک صاحب کے پاس گئے۔ ملک صاحب اُس وقت تک حضرت سے بالکل متعارف نہ تھے لیکن اس کے باوجود حضرت کے گرامی نامہ کا اس قدر اہمیت اُم کیا کہ قرضہ معاف کر دے ہوئے رسید وصولی قرضہ لکھ کر حامل گرامی نامہ کے حوالے کر دی۔

ان کے صاحبزادے نواب ملک سر خضر حیات خان سابق وزیر اعظم پنجاب کی بھی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ساتھ عقیدت

کی بدولت آب یہ کیفیت ہے کہ اکثر با وضو رہتے ہیں اور مجالس سماع و ذکر میں اُن پر رقت و گریہ کی حالت طاری رہتی ہے۔ کسی زمانہ میں حضرت سے وزارت کی دُعا کے متمنی ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت کے وصال کے وقت وزیر اور بعد میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوئے۔

نواب میاں محمد حیات قریشی

اپنے زمانہ کے نوجوان امیر زادوں میں سے صاحبِ دال ضلع سرگودھا کے نواب میاں محمد حیات قریشی پر حضرت قبلہ عالم قدس بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ ان کے والد بزرگوار جناب میاں محمد قریشی حضرت کے پیر بھائی تھے۔ اور یہ خود یعنی نواب میاں محمد حیات حضرت ثانی سیالوی کے ارادت مند تھے لیکن روایت ہے کہ کسی نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ حضور کو اپنے اراد مندوں میں سے کون زیادہ عزیز ہے تو فرمایا کہ محمد حیات اچھا لکھا ہے۔

یہ حضرات اوسط درجہ کے مرفہ الحال زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر حضرت کی توجہ سے اب ان کا شمار ضلع بلکہ کمشنری کے چوٹی کے رؤسا میں ہوتا ہے۔ نواب صاحب مرحوم معمولی انگریز تعلیمی تسلیم کے باوجود صوبائی سروس کمیشن کے ممبر رہے۔ اور نواب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ دُنوی ترقی کے ساتھ ساتھ دینداری میں وہ ممت م حاصل کیا کہ بقول شخصہ خدائے تعالیٰ نے چاہا تو بروزِ حشر اُمراءِ زمان میں سے بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور بیان کرتے ہیں کہ میاں صاحب نے اپنی بیماری کے دوران تخلیہ میں انہیں وصیت کی تھی کہ اگرچہ میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی مگر میں نے احتیاطاً اپنے لڑکے میاں محمد ذکر سے کہہ رکھا ہے کہ میرے بعد میری تین برس کی نمازوں کی قضا کا صدقہ یعنی فدیہ ادا کر دے۔ اور آپ اُسے میری موت کے بعد فوراً یاد دہانی کرا کر ادا کرادیں۔

سرسکندر حیات خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گومانی و نواب عبداللہ خان آف خان گڑھ

حضرت کے فیضانِ نظر سے آپ کے بہت سے عقیدت مند شرفاء باوجود اوسط درجہ کی تعلیم و مالی حالت کے ترقی کے بلند ترین مراحل طے کر کے حکومتِ وقت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہوئے اور ملک کے سرکردہ سیاسی لیڈروں میں شمار کیے گئے۔ ان میں واہ ضلع کمپل پور کے سردار سرسکندر حیات خان سابق وزیر اعظم و گورنر پنجاب اور ٹھٹھہ گومانی ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گومانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے نام بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ سرسکندر پر حضرت کی اوائل سے ہی نظر عنایت تھی۔ اور وہ اپنی کامیابیوں کو بالعموم حضرت کی توجہ اور آپ کے فرمودہ و طائف کی پابندی کے ساتھ منسوب کرتے تھے اور میاں مشتاق صاحب تو نہ صرف خود آپ سے بیعت تھے بلکہ میاں صاحب کے والد صاحب بھی حضرت سے بیعت تھے۔ ان دونوں صاحبان کا تعلق حضرت کے جواں سال عقیدت مندان کے طبقہ سے ہے اور نواب عبداللہ خان سرسکندر خان گڑھ کا شمار حضرت کے متقدّمین ارادت مندوں میں ہوتا ہے۔ ان کی بیعت اور دُنوی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینداری کا کچھ ذکر باب کرامات کتاب ہذا میں بھی آئے گا۔

حاجی میاں کریم بخش میاں عبدالرحیم و میاں عبدالرشید سیٹھی پشاور و میاں امام بخش سوداگر ملتان

حضرت قبلہ عالم قدس سرفہر کے صاحبِ ثروت و مردِ ویش صفت ارادت مندان میں سے یہ چار حضرات سرفہرست ہونے کے قابل ہیں۔

ان صاحبان کا بڑا بڑا بڑا ملک افغانستان، ایران، ترکستان، چین اور روس و افغانستان وغیرہ میں کروڑوں دہائیوں کا کاروبار تھا مگر اپنے شیخ کریم کے ساتھ صحیح تعلق اور نسبت کی بدولت درویشانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سیٹھی کریم بخش و عبد الرحیم نے زائرین کی سہولت کے لیے دامن کوہ میں پہاڑی نالوں اور کھنڈوں سے مٹی بونی اس سرزمین گولڑہ شریف میں ریوے اسٹیشن سے لے کر آستانہ عالیہ تک تین میل لمبی سڑک تعمیر کرائی۔ نیز تعمیر مرکز میں بھی پیش از پیش حصہ لیا۔ یہ چاروں حضرات آپ کے ابتدائی زمانہ کے ارادت مندوں میں سے ہیں جن کی صحیح اسلامی زندگی کی برکات کا عکس ان کی اولاد میں بھی نمایاں ہے۔

بعض نوعمر امیر زادے

خانزادہ قل احمد خان جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ خوانین و رؤسا ہزارہوں میں سے تھے بچپن میں حضرت کی زیارت کو آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ گولڑہ شریف میں ہی چند درسی کتب کا مطالعہ کیا اور مسگر شریف کی خدمت کرتے رہے۔ پھر حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ عرصہ حکیم شمس الدین گجراتی کے پاس دہلی اور بمبئی میں گزار کر علم طلب حاصل کیا مگر حقیقی شغل مولانا محبوب عالم ہزاری اور ملک سلطان محمود دوان شاہ پوری وغیرہ احباب کی طرح ہمیشہ نظارہ جمال شیخ ہی رہا۔ حضرت خواجہ محمود تونسوی ایک بار اجازت لے کر ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ جتنے روز بھی وہاں رہے۔ عین فراق شیخ میں آنکھیں گریاں ہی رہیں۔ ناپاچار انہوں نے واپس گولڑہ شریف بھیج دیا۔

اولیاء اللہ بالخصوص ارباب چشت اہل بہشت کے آستانوں پر اکثر امیر خسرو صفت امیر زادے دکھائی دیتے ہیں جو لطیف مزاج، خوش پوش اور سخن سنج ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف کے لیے بھی جو دراصل روح مذہب ہے ایک والہانہ ذوق رکھتے ہیں۔ یہی ذوق انہیں زندہ خرابات ہونے سے اور بالآخر ہلاکت سے بچا لینے کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو سب سے پہلے اُس کے اُمراء کو لگن بول میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ لہذا ارباب تصوف کی نظر میں اس نوع یعنی امیر اور امیر زادوں کی اصلاح نہایت ضروری ہوتی ہے۔

حضرت امیر خسرو دہلوی نے جناب محبوب الہی قدس سرہ العزیز کی شان میں کہا تھا ہے

ہر قوم راست را ہے، دینے و قبلہ کا ہے

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلا ہے

حضرت خواجہ نفل م الدین چشتی اورنگ آبادی کے ایک رئیس زادہ غلام نے اپنے شیخ کی جناب میں یہ عرض کیا۔

آتش بہ دلم جمال رویت افروخت وز شعلہ آں فرد مستی ہمہ سوخت

زلف تو مرا بہ بست، مژگان تو کشت حُسن تو مرا حسد یہ عشق تو فروخت

اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے ایک غلام نے دام جناب خواجہ محمد اسماعیل المتخلص بے عینی امرتسری نے آپ کو

اس طرح مخاطب کیا ہے

اے کہ از سر تاج پائو بہ احد مہر علی، مہر پیر الشم

قبلہ من کعبہ من کوئے تست دین و ایم غم جمال روئے تست

سنگِ بابِ تستِ بیتِ اللہِ من
 پیچِ در پیچِ آمدہِ گیسوئے تو
 بہرِ عاشقِ یا شبِ یلداستِ ایں
 یا برائے مُرغِ دلِ جامِ استِ ایں
 حجِ بیتِ اللہِ جمالِ رُوئے تو
 حُسنِ سیمائے تو شرحِ واسطی
 یا کہ ایں اعجازِ ختمِ المرسلین
 یا مہِ دو ہفتِ شبِ جلوہ نما
 نقشِ پائے تستِ سجدہ گاہِ من
 ہمو سنبُلِ زلفِ عنبرِ بُوئے تو
 یا غلافِ کعبہِ یا لیلِ استِ ایں
 یا شبِ وصلِ آمدہِ شامِ استِ ایں
 آسمانِ گرمِ طوافِ کوئے تو
 یا چپناںِ ماہِ کہ روشنِ بر زمین

یا خطِ تقدیرِ حقِ آگاہِ ستِ ایں
 یا سراپا لُوحِ اِلَّا اللہِ ستِ ایں

گیا رہویں فصل آزمائش کی چست گھڑیاں

یہ قدرت کا قانون ہے کہ ہر عروج و کمال کو اپنی ارتقاءاتی منازل میں ابتدا اور آزمائش کی مشکل ترین رکاوٹوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت قبلہ عالم قدس بسترِ فنا کی شہرت کا دور دورہ ہوا تو کسی ملتے جلتے فکر میں رشک نے کر دیا لی کہیں حسد میں چہیں ہوا، اور کہیں بغض و عداوت نے تعصب و الحاد سے ہشتہ جوڑ کر سر اُجھانا شروع کیا۔

حضرت کی ذات پر بعض حاسدین کے ناکام حملے

تلوار برہنہ | ایک حاسد جان لینے کے درپے ہوا اور کئی جتن کیے مگر ع

دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست

پہلے ایک اجرتی قاتل کو خنجر دے کر بھیجا جو مو قہ پا کر پٹنگ کے نیچے چھپ گیا۔ آپ مسجد میں عشا کی نماز ادا کر کے واپس آکر پٹنگ پر لیٹ گئے لیکن اُسے حملہ کی جرات نہ ہوئی۔ اتفاقاً کروٹ بدلتے وقت آپ کا بازو نیچے ٹک کر اُسے جا لگا جس پر وہ پسینہ پسینہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا کچھ عرصہ بعد یہ شخص کسی محنت میں مانوڑ ہو کر قید ہو گیا۔ کہا کرتا تھا کہ اس معاملہ میں بے قصور ہوں۔ البتہ حضرت پر حملہ کرنے کے اقدام کا گنہگار ہوں۔ اور یہ سزا اُسی قصور کی ہے۔

ایک اور شخص برہنہ تلوار لے کر آیا۔ آپ درختوں کے نیچے چار پانی پر لیٹے تھے مگر بھاگ رہے تھے۔ یہ شیخ الجامعہ اپنے مسودہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے جب اُس شخص نے چار پانی کے برابر آکر تلوار اٹھائی تو میں نے خیال کیا بس ابھی اس دروہ سر کا قہقہہ تمام ہوتا ہے مگر وار نہ پڑا میں نے اُسے کہا کہ بھئی اپنا کام کیوں نہیں کرتے جس پر تلوار پھینک کر وہ میرے قدموں سے پیٹ گیا اور رونے لگا۔

سالن میں زہر

ایک شخص ساگ کا سالن پکا کر اور اُس میں زہر ملا کر لایا۔ آپ کو شبہ تو ہو گیا تھا مگر اُس کی دہجہ کی بے دہشہ نکتے کھا لیے جس کی وجہ سے بعد میں اُس زہر کا معمولی سا اثر بھی ہوا۔ شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ حضرت فرماتے تھے۔ مجھے شبہ تو ہو گیا تھا کہ اس میں زہر ہے لیکن اگر نہ کھاتا تو وہ لوگ شرمندہ ہوتے۔ نیز اُن کے ارادوں اور پیہم اقدامات سے زندگی بیچ معلوم ہونے لگی تھی۔ پھر خیال بھی آیا کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ اگر وقت دیر میں ابھی نہیں ہے تو اس زہر کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

آر باب دل کی کیفیتیں عقل کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے شکست کے بعد ایک ایرانی جرنیل نے گرفتاری کے وقت زہر چاکنے کی کوشش کی مگر اُسے پکڑ کر ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور معاملہ حضرت خالدؓ

کے پیش ہوا۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر وہ زہر خود کھالیا اور فرمایا کہ موت اللہ تعالیٰ کی مشاقت و قدرت میں ہے چنانچہ ان پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں بھی غالباً اسی قبیل کا کوئی تاثر مقصود تھا۔

جادو کا وار

پھر سری نگر کے ایک برہمن سے جادو کروایا گیا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ اور آپ بے حس و حرکت پڑے رہتے۔ اس حالت میں کوئی مہینہ بھر گزر گیا۔ تو وہ دشمن جان خوشی میں آکر شیخی مارنے لگا کہ کشمیری پنڈت نے سردھڑ کی بازی لگا دی ہے صرف دس دن باقی رہ گئے ہیں ان کا کام تمام ہو جائے گا۔ اگر ان کا کام تمام نہ ہوا تو وہ کہتا تھا کہ میں ختم ہو جاؤں گا۔ جب یہ بات مولیٰ نامحبوب عالم کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے حضرت کے کان میں چلا کر کہا کہ آپ پر ایک کشمیری پنڈت نے جادو کر کے معمولات دریا میں بہا دیئے ہیں۔ اور مخالفین بغلیں بجا رہے ہیں۔ مولوی محبوب عالم یہ کہہ کر بے اختیار ڈھارس مار کر رونے لگ گئے۔ وہ کہتے تھے کہ میرا اس طرح رونا تھا کہ حضرت فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مرض کا آزار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان بن کر آیا ہے۔ کافر کا جادو مجھے نہیں مار سکتا، جاؤ تسلی رکھو۔

چاہ کن راجاہ پریش

پھر معلوم ہوا کہ وہ کشمیری کافر اس اچانک شفا یابی کی اطلاع پا کر حضرت پر حیدر شاہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گڑ گڑایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترے سے معافی دلوادیں یا خود نظر کرم اور توجہ فرمائیں۔ مگر انہوں نے فرمایا تم نے ہمارے گوہر شب چراغ کو ضائع کرنا چاہا تھا۔ ہمارے پاس تمہارے لیے پھنکار کے علاوہ کچھ نہیں ہے چنانچہ وہ واپس سری نگر چلا گیا۔ جہاں پہنچ کر اپنے ہی سحر کی ناکامی کے رد عمل سے ہلاک ہو گیا۔ جادو کرانے والا بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ البتہ حضرت کے ایمان پر اس کی شخصیت ہمیشہ پردہ اخلاقی رہی۔

قرابت داروں سے حضرت کا سلوک

بڑے پیر صاحب حضرت پیر فضل دین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال کے باعث متبادل زندگی اختیار نہ فرمائی تھی۔ انہوں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترے کے علاوہ کسی دیگر عزیز کو خلافت اور ارشاد خلق کے قابل نہ سمجھا تھا۔ اور حضرت ماشاء اللہ بڑے پیر صاحب کی حیات و موجودگی میں ہی مرجع خلافت ہو چکے تھے حضرت نے اس خیال سے کہ بڑے پیر صاحب کے زیادہ قریبی امرا کو یہ امر ناگوار نہ گزرے وابستہ دار میں اپنے نخیال یعنی قصبہ حسن ابدال میں سکونت پذیر ہونے کا قصد فرمایا۔ مگر بڑے پیر صاحب نے اجازت نہ دی۔ پھر قصبہ گولڑہ شریف سے کچھ دور ایک ڈیرہ پر رہائش اختیار فرمائی۔ مگر بڑے پیر صاحب نے کہا بھیجا کہ میرے پاس آکر رہو ورنہ جہاں بھی تم رہو گے میں خود وہیں چلا آؤں گا۔ تمام عزیزوں کے ساتھ حضرت کا سلوک ہمیشہ مثالی رہا۔ آپ کے نگر سے دیگر مستحقین کی طرح ان کو بھی مالی امداد ملتی رہی مگر شریف کے ساتھ متعلقہ درس کے علماء ان کے بچوں کی تعلیم پر بھی متوجہ رہے۔ اور آپ کا دست دعا ان کی دنیوی اور اخروی صلاح و فلاح کے لیے ہمیشہ دراز رہا۔ بڑے پیر صاحب کے بعد تقریباً تمام خاندان آپ سے بیعت ہوا اور ہر قسم کے دینی و دنیوی مفادات آپ کی بدولت ان کو حاصل ہوتے رہے۔ اگر کسی سے ظاہری یا اندرونی کدورت کا اظہار

بھی ہوا تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مصداق اُس عزیز کو زیادہ سے زیادہ تر لطف و کرم سے نوازا۔ اور یہی حالت اب تک آپ کے فرزند ارجمند جناب بابو جی مدظلہ کے سلوک و شفقت کی ہے۔ صاحبین امت کو نسبت نبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی میں اس نکلانے سے گزرنی ہی پڑتا ہے۔ اور اسی سے ان کی مٹوا جائے اٹھا کی شان عظمت کردار اور قرب کردگار کی نشان دہی ہوتی ہے۔

بعض معاصرانہ چشمکیں

اس دوران میں دیگر معاصرین کے علاوہ خود راہ سلوک کی بعض محترم شخصیتوں کی جانب سے بھی بعض دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت کے علمی مناظرات کو مولویت کا طعنہ دیا گیا۔ آپ کے استغفار کو غرور سے، اور استغراق کو بے نیازی سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام غلط فہمیاں رفع ہو کر عداوتیں اور چشمکیں اخلاص و نیاز میں تبدیل ہو گئیں۔

درد و شریف کبریت احمر میں جو اوراد غوثیہ قادریہ کے معمولات میں سے ہے۔ اور خاندانِ حشت کے وظائف میں بھی شامل ہے۔ ایک جگہ **فَاغْشَوْا شَبَّ مِنْهُ الْقَفْرُ** کسی طرح **فَاغْشَوْا شَبَّ** تحریر ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیال شریف کے ٹرس پر حضرت نے اس غلطی کی طرف توجہ دلائی تو بعض حلقوں میں اعتراض کیا گیا کہ اب پر صاحب کو لڑہ شریف، اپنے مشائخ کے وظائف میں بھی علمی اصلاح کا زور شور دکھلانے لگے ہیں مگر حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے امیاد تحقیق کی گئی تو حضرت کی تصحیح درست پائی گئی جس کی وجہ سے وظائف کی کتابوں میں اس کے مطابق اصلاح کر دی گئی۔ لغات عربی (مجدد) کے مطابق **اَغْشَوْا شَبَّ** سرسبز ہونے کے معنی میں آتا ہے جس سے اس عبارت کا مطلب ہوتا ہے کہ صحراب سبزہ زار بن گئے۔ اور **غَشْب** بعض کتب میں معنی ظلم ہے مفصل عبارت درج ذیل ہے :-

وَأَنْزَلَتْ مِنَ الْمُزْنِ بَدَ غَوِيَّتِهِ فِي عَامِ الْمَحَلِّ
وَالْجَدِّبِ وَابِلِ الْغَيْثِ وَالْمَطَرِ فَاغْشَوْا شَبَّ
مِنْهُ الْقَفْرُ وَالصَّخْرُ وَالْوَعْدُ وَالسَّهْلُ وَالرَّمْلُ
وَالْحَجَرُ وَالْمَدَرُ۔
اور نازل فرمائی تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے
قحط اور خشک سالی میں موسلا دھار بارش۔ پس سرسبز ہوئی اُس
سے زمین سولہی اور پتھری اور کمری اور نرم اور ریستان
اور تھپ۔ اور اینٹیں۔

ایک مرتبہ سیال شریف کے عرس کے موقع پر بعض صاحبان نے اعتراض کیا کہ دوسروں کی طرح حضرت خود اٹھ کر قوال کو ویل کاروپہ کیوں نہیں دیتے۔ اُس وقت قوال یہ مصرع پڑھ رہا تھا۔ ع

مِنْ ذَاتِ بَحْتٍ مَطْلَعْتُمْ مِنْ نَيْتُمْ مِنْ نَيْتُمْ

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس اعتراض کے متعلق اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب مالک ایسے صرمد میں مستغرق ہو تو اُسے ویل دینے کا ہوش ہی کہاں ہوتا ہے۔ صوفی کلام کی طرف توجہ ہو یا اٹھ کر ویل دینے کی طرف۔ بعد میں فرمایا تم لوگ ایک ایسے شخص پر اعتراضات کرتے ہو جس کے نزدیک زہد و خالص اور عزت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ روپے پیسے کی سنبھال اور دیکھ بھال خدام کے ذمہ ہے۔ وہی اٹھ کر ویل دے دیتے ہیں۔

شمس الہدایت پر مولوی محمد ذاکر گوی کا اعتراض اور رجوع

جب حضرت نے قادیانیت کے خلاف شمس الہدایت کتاب شائع فرمائی تو معلوم ہوا کہ مولوی محمد ذاکر گوی نے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں چنانچہ جب آپ عرس کے موقع پر سیال شریف حاضر ہوئے تو حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد ذاکر سے فرمایا کہ میری کتاب کے سامنے اپنے اعتراضات بیان کرو۔ اور جب حضرت نے مولوی صاحب کے تمام اعتراضات کا ثانی جواب دے دیا تو نہ صرف مولوی صاحب نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا۔ بلکہ جب اگست ۱۹ء میں حضرت، مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو مولوی صاحب آپ کے علمائے ہرکاب میں شامل تھے۔

جناب مولوی عبداللہ گڑھی افغاناں کا اعتراض و اصرار

اسی طرح جناب مولوی عبداللہ سجادہ نشین گڑھی افغاناں ضلع کیمبل پور نے بھی اس کتاب پر چند اعتراضات شائع کرائے۔ چونکہ ان کے علم بزرگوار جناب مولوی محمد فاضل، خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اس لیے اس نسبت سلسلہ و خاندان کی رعایت سے حضرت نے ان اعتراضات کے جوابات تحریر فرما کر بجائے شائع کرانے کے براہ راست مولوی صاحب کو بھجوا دیئے۔ مگر جب اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی بعض مجالس میں ان اعتراضات پر اصرار کیا تو یہی خط جس میں حضرت نے جوابات تحریر فرمائے تھے، حضرت کے ایک مخلص جناب مولوی محمد چراغ چکوڑوی نے شائع کر دیا۔ ان اعتراضات و جوابات کی تفصیل حضرت کے مکتوبات بہر حقیقتہ میں موجود ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی ملاقات کے لیے سفر

حضرت کے کسی معاصر نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ میرا صاحب گولڑہ شریف دیوبند کے علمائے علم حاصل کر آئے ہیں۔ اور مولویوں کی طرح مرزا قادیانی سے اُلجھ پڑے ہیں۔ ورنہ صوفیوں کو مناظروں سے کیا واسطہ؟ نیز یہ کہا کہ دیوان صاحب اجمیری کے پیر بن کر اتر آگئے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان باتوں کا ذکر تونسہ شریف کے عرس پر حضرت ثانی سیالوی سے فرما کر غالباً یہ بھی کہا کہ آپ کے شاہ صاحب (یعنی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ) یہاں کبھی نہیں آئے۔ حضرت ثانی نے سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے یہ سارے واقعات قدس سرہ (یہاں کبھی نہیں آئے) حضرت ثانی نے سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ سے یہ سارے واقعات بیان فرما کر مشورۃً کہا کہ کبھی تونسہ شریف بھی حاضری دے آئیں۔ کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کی طبع پر کچھ بار معلوم ہوتا ہے جس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت نے کہا میں یہیں سے چلا جاتا ہوں۔ جولائی کا مہینہ تھا اور مجوزہ سفر بھی نہایت گرم علاقہ کا تھا مگر اس کے باوجود آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ حضرت ثانی نے ڈیرہ غازی خان میں اپنے ایک ارادت مند افسر نواب ملک خدا بخش ٹوانہ کو تار دیا جنہوں نے استقبال کر کے آپ کو ایک دن اور رات مہمان رکھ کر وہاں سے آگے گھوڑوں اور ساندنیوں پر تونسہ شریف روانگی کا انتظام کر دیا۔ یہ سفر اس زمانہ میں کچھ غیر منظم سا تھا پہلی منزل صدر الدین کے محنت ام پر ہوئی۔ وہاں اگرچہ ڈاک بنگلہ تھا۔ مگر قرب و جوار میں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور حضرت کے ہرکاب قریباً تیس اشخاص تھے مولوی محبوب عالم نے عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے آج فاقہ رہے گا آپ نے فرمایا اللہ کافی ہے چنانچہ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دُور کے ایک گاؤں کے کچھ لوگ پکا پکایا پرکھٹ کھانا لے کر پہنچ گئے اور

حضرت کے قافلہ نے شکم سیر ہو کر پلاؤ زردہ وغیرہ کھایا معلوم ہوا کہ ایک راہرو نے گزرتے ہوئے گاؤں والوں کو اطلاع دی تھی کہ پیر صاحب کو لڑہ شریف آئے ہوئے ہیں۔ گویا اُس زمانہ میں بھی حضرت کے نام نامی کی شہرت ان دور دراز علاقوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس جگہ بھی لوگ کثرت سے جمع ہوئے۔ اور آئندہ منہ زلوں پر بھی۔ کیونکہ آپ کی آمد کی خبر آپ کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جاتی رہی۔ اگلی رات نید شاہنواز کی دعوت پر ان کے گاؤں میں قیام فرمایا اور اس طرح تیسرے چوتھے روز تولد شریف جاپہنچے۔

ملاقات

تولد شریف میں حضرت ثانی سیالوی اور نواب ملک خدا بخش کے اطلاع نامے پہنچ چکے تھے۔ مگر کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ آپ کے پہنچنے پر تحصیل کے قریب والی سرائے میں جہاں عام لوگ ٹھہرتے تھے، آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ خواجہ اللہ بخش سے پہلی ملاقات سرسری طور پر نماز کے بعد ہوئی اور اُس میں رسمی سلام اور مزاج پرسی کے علاوہ اور کوئی بات نہ ہوئی۔ اگلے روز مجلس میں ملاقات پر حضرت خواجہ صاحب نے دریافت فرمایا: سائیں کیوں آئے دسے؟ یعنی صاحب، کیسے آتا ہوا؟ آپ نے فرمایا: از خود نہیں آیا، بھیجا گیا ہوں۔ اور اپنے پیر زادہ کے ارشاد کی تعمیل کر رہا ہوں۔ خواجہ صاحب نے تعلیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا کچھ پڑھا ہے؟ اور کہاں سے پڑھا ہے؟ جب جواب دیتے ہوئے دورۂ حدیث کے ضمن میں حضرت نے اپنے استاد مولیٰ سنا احمد علی سہارنپوری کا نام لیا تو خواجہ صاحب بولے: وہ تو بہت بڑا وہابی تھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے وہ بہت بڑے مخفی تھے۔ البتہ صوفیائے کرام کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ حضرت کے قادیانی مناظرات کے متعلق خواجہ صاحب نے اعتراض کیا تو حضرت نے فرمایا: میں اس امر میں معذور ہوں۔ کیونکہ جس طرح مرزائی دلائل دیتے ہیں۔ اگر کوئی اور صاحب علم ان کی تردید کر سکے تو مجھے مناظرات کی کیا ضرورت ہے۔ بصورت دیگر میرا سکوت نامناسب ہے۔ اگر مسلمان ہی نہیں رہیں گے تو صوفیائے کرام تصوف کی تعلیم کسے دیں گے؟

پھر مولیٰ نثار رحمت اللہ مہاجر کی اور دیوان غیاث الدین اجمیری کی بیعت کا ذکر آیا جب خواجہ صاحب نے مولیٰ سنا رحمت اللہ کے ساتھ حضرت کی ندائے یار رسول اللہ پر گفتگو کی تفصیل سنی تو ازراہ انکسار فرمایا۔ شاہ صاحب، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہمارے ساتھ تو عرب شریف میں جب کبھی مزارات پر بوسہ اور سلام کی بحث کی نوبت آتی تو ہم صرف یہ غرچہ دیتے تھے۔

از خدا جو نیم توفیق آدب بے ادب محروم ماند از لطف ب

اس پہلی مجلس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت کا سامان سرائے سے دیوان خانہ میں منتقل کیا گیا اور کئی قسم کے مشروبات اور نوکامات مہیا کیے گئے۔ نیز حشم خاص آپ کی تواضع پر مقرر ہوئے۔ آپ نے پانچ روز تولد شریف میں قیام فرمایا۔ اور ہر روز جناب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علم و عرفان کی صحبتیں رہیں۔

ایک مجلس میں حضرت غوث الاعظم کا قول شریف قد می ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ (میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے) زیر بحث آگیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: ہم تو اپنے پیران عظام پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ حضرت پیران پیر کا یہ فرمان کچھ اس قسم کا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک لاڈلا بچہ بزرگوں کی مسند پر بیٹھنے کے لیے ضد کرے اور وہ پیر کی وجہ سے اُس کے لیے اپنی کرسی خالی کر دیں۔

جناب شیخ ابجا تھہ جنوں نے اس ملاقات کی پوری تفصیل اپنے مسودات میں قلمبند کی ہے اس مقام پر لکھتے ہیں:- یہاں حضرت کو قدسے جوش سا آیا اور آپ کی رگ ہاشمی پھر ک اٹھی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت

غوث الاعظم کا یہ قول شطیحات کی قسم سے تھا جو عالم سکریں اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں۔ جیسے سلطان العارفين حضرت بایزید بسطامی نے سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی کہا تھا اور بعد میں ہوش آنے پر توبہ کر لی تھی۔ یا آنجناب نے یہ کلمات بقائمی ہوش و حواس ارشاد فرمائے اور ہمیشہ ان پر قائم رہے۔

پھر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے فتوحات مکیہ، بہجۃ الاسرار، نفحات الانس اور عربی فارسی کی دیگر کئی معتبر کتب کے حوالہ جات سے اور حضرات شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عجب الرحمن جامی رحمہم اللہ کے کلمات نظم و نثر سے ثابت فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم اس فرمان کے لیے منجانب اللہ مامور تھے۔ اور یہ چیز بھی متصور ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جملہ اولیاء اللہ پر آپ کی فضیلت واضح کرنا منظور و مطلوب ہو۔ اس فضیلت پر مقتدین و متاخرین ہر زمانہ میں متفق چلے آئے ہیں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری نے حضرت غوث الاعظم کا یہ ارشاد گرامی سُن کر کہا تھا "بَلْ عَلٰی رَأْسِی دَعِیْنِی (بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر) اور موجودہ دور میں حضرت شیخ احمد سرمدی اپنے مکتوبات شریف میں حضرت غوث الاعظم کے اس دائمی اور عالم گیر منصب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر ولی اللہ کو آپ ہی کی دسالت سے نعمت ملتی ہے۔

حضرت نے اس ضمن میں ایک ولی اللہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا جنہوں نے گردن تو جھکا دی تھی مگر خیال گزرا کہ میں حضوری خاص میں ہوں۔ اس کے باوجود شیخ عبد القادر کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر حضرت غوث الاعظم نے اُس کے خیال سے مطلع ہو کر اُسے کہلا بھیجا کہ میں حضوری خاص الخاص اور مقام مخدع میں رہتا ہوں جہاں سے میں تمہیں دیکھتا ہوں لیکن تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاں وقت پر بارگاہ الہی سے تمہیں جو خلعت عطا ہوئی تھی۔ اور جس کی کیفیت سورۃ فاتحہ پر مبنی تھی وہ میرے ہی ہاتھوں تم نے وصول کی تھی۔

اس سلسلہ پر ۳۳۱ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے کتاب انوار قادریہ پر تقریظ تحریر فرما کر مفصل بحث کی تھی جس کی نقل باب اول کتاب ہذا میں آپ کی ہے۔

حضرت شیخ الجامعہ نے حضرت خواجہ محمود تونسوی کی زبانی سید نجمی علی احمد پوری کے حوالہ سے روایت تحریر کی ہے کہ حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز فرمایا کہ غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا ارشاد ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے فرمایا ہے بر شیراں شرف وارد سگ در گاہ جلیانی "مگر میں کتابوں کے بر پیراں شرف وارد سگ در گاہ جلیانی" تونسہ شریف سے واپسی کے وقت حضرت خواجہ اللہ بخش نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی سواری کے لیے اپنا خاص گھوڑا عنایت فرمایا اور اعزاز و اکرام سے رخصت کیا۔ اس ملاقات کی کامیابی سے حضرت ثانی سیالوی اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے اراد مندوں اور خیر خواہوں کو بے حد مسرت ہوئی۔

تونسہ شریف کی ان اہم کیفیتوں کے باعث حضرت قبلہ عالم کے احباب کرام میں ایک اور پیر زادہ صاحب کا اضافہ ہوا۔ جو حضرت خواجہ اللہ بخش کے منجملے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی جن کے صوری، ذہنی اور روحانی محاسن نے دربار تونسوی میں ارشاد کی ایک الگ مسند بچا دی اور ہدایت کا ایک اور چرخ روشن کیا مکتوبات طیبات یعنی مہر حقیقیہ میں حضرت کے ساتھ ان کی خط و کتابت کے متعدد دہل افروز مرقعے نظر آتے ہیں۔

بارہویں فصل

حضرت کے مقررہ اور نہنگامی سفر

پاک پتن شریف کے سفر میں مقامات قیام

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرمایا کرتے تھے کہ سفر سے میری غرض جیشہ اعلا بکلمۃ اللہ یا اہل اللہ کی زیارت ہوا کرتی تھی یا ان کو مقاصد کے علاوہ مجھے سفر پسند نہیں تھا۔ سال بھر میں آپ کے صرف دو سفر مقرر تھے جو بجز کسی خاص عذر کے نہایت باقاعدگی سے انجام پاتے تھے۔ ماہ محرم کے پہلے ہفتہ میں آپ اپنے صابری و نظامی ہشتی مسائل کے سرخیل شیخ اکبر اور سید الطائفتین حضرت بابا سید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر پاک پتن شریف جایا کرتے اور ماہ صفر کے چوتھے ہفتہ میں اپنے مرشد طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں بقیام سیال شریف ضلع شاہ پور سرگودھا شریعت فرمایا کرتے تھے۔

جب پاک پتن شریف کو جانے والی ریلوے لائن ابھی تیار نہیں ہوئی تھی تو ساسی وال منٹگمری تک ریل میں سفر کر کے آگے ٹانگوں میں جایا کرتے تھے مگر ریلوے لائن کے تیار ہو جانے کے بعد کبھی براستہ لاہور و قصور اور کبھی براستہ گندیاں مظفر گڑھ ملتان ولودھراں تشریف لے جاتے۔

گندیاں کی طرف سے ریلوے سفر میں میاں شیخ احمد گورمانی سکند ٹھٹھہ محبوب ضلع مظفر گڑھ، نواب عبداللہ خان سکند خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، حاجی میاں امام بخش سکند ملتان، میاں محمد بخش گھوڑہ اور حضرت سید محمد دوم صدر الدین شاہ گیسوانی سجادہ نشین حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ (دربار پیران پیر ملتان) کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن شاہ عالم پر باعموم مولوی نور محمد اور محل کے دیگر مخلصین کے استفادہ کے لیے ایک دن اور رات قیام فرماتے جناب شیخ الجامعہ لکھتے ہیں کہ میاں شیخ احمد گورمانی کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ کے لیے ضلع مظفر گڑھ کا قیام ترک ہو گیا تھا مگر میاں محبوب علی اور میاں مشتاق احمد گورمانی کے پاک پتن شریف حاضر ہو کر راستہ عا کرنے پر آپ پھر وہاں تشریف لے گئے اور بہت ہی سورہ ولیل کی تفسیر فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں ایسے استدلال قائم کیے کہ حاضرین میں سے جو اراکین شیعیت کی طرف مائل تھے راہ راست پر آگئے۔

قصور کے راستہ واپسی پر وہاں کے نواب شہباز خان و فتح باز خان کی دعوت مقرر تھی اور لاہور کے مخلصین میاں محمد دین وغیرہ کے یہاں بھی ایک آدھ روز قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ علاقہ پیر محل میں مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیدر میاں کے مزار واقع موضع قاضی غالب پر تشریف لے گئے کیونکہ ان کی اولاد میں سے بعض مخلصین نے حضرت دیوان سید محمد کے ذریعہ سفارش کرائی تھی اس موقع پر جناب سید قطب شاہ سکند سترہ فرمایا انہوں نے بھی آپ کی دعوت کی تھی۔

سفر سیال شریف کے دوران مقامات قیام

سیال شریف کے سفر میں مومنا بذریعہ ریل خوشاب پہنچ کر سردار بہادر خان بلوچ کے یہاں ایک رات قیام رہا۔ اگلی صبح کشتی میں سوار ہو کر دریا کے راستے نواب میاں محمد حیات قریشی کے ہاں صابو وال تشریف لے جاتے اور ۲۲ صفر کو سیال شریف پہنچتے۔ ۲۴ کو عرس کے گزرنے پر بالعموم میاں محمد خان لاہری کوٹ چوغلہ میاں محمد و ان کے صاحبزادے نواب محمد حیات قریشی سکھ صابو وال۔ رانا شہادت خان مانگو وال سردار بنی بخش میکن چاک ۱۵ شمالی۔ مہر عبدالرحمن و مہر جہانزادہ خان لاک سکھ ڈیرہ سادہ لاک چوہدری ولی داد و زیا بخش لاک سکھ سکیسر۔ مہر صاحب داد خان، ولی داد خان، برخوردار خان بلوچ عاقل شاہ، سید علی حسین شاہ، سید محمد شاہ، مولوی فضل حق، میاں جلال قصاب (شاہ پور)، چوہدری راجے خان شاہ پور صدر، میاں سردار بخش نگیانہ کالو وال اور ملک سر محمد حیات خان، اختر حیات خان، نواز کالہ کے ہاں ایک ایک وقت یا دن رات قیام فرماتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے۔ واپسی کے لیے اکثر بھلو وال یا جیٹھ ٹیشن سے ریل گاڑی پر سوار ہوتے بعض اوقات چکوڑی شریف ضلع گجرات، وزیر آباد، گوجران و غیرہ میں قیام فرما کر مخلصین اور مخلوق خدا کو مستفید فرماتے تھے۔ اس طرح اس سفر میں کبھی ایک ایک مہینہ تک گزر جاتا سیال شریف سے واپسی پر عموماً راولپنڈی میں بھی کچھ قیام فرماتے اور عصر کے بعد ٹوپی رکھ جنگل کی طرف جایا کرتے۔ ۱۹۱۴ء میں اس سفر سے واپسی پر بھیہ بھی تشریف لے گئے اور میاں سید محمد احمد رحمۃ اللہ کے مزار کی زیارت کی۔ مزار شریف پر قدموں کی طرف ہاتھ رکھا اور مجلس میں فرمایا کہ مجھے حضرت ثالث سیالوی (خواجہ غیاث الدین) نے بتلایا ہے کہ حضرت میاں صاحب بھی وحدت الوجود کا مسلک رکھتے تھے۔ اس سفر میں ایک مرتبہ علاقہ سون کوہستان نمک میں بھی تشریف لے گئے وہاں بے شمار لوگ جمع ہوئے اور ایک عیسوی موضع نلی کا مشہور مجذوب حضرت میاں بندی جو خود مربع خلایق تھا اپنے گوشہ تنہائی سے نکل کر آپ کی پیشوائی کے لیے آگیا ایک بانس پر کپڑا باندھ کر بطور علم ہاتھ میں لے رکھا تھا اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی سواری کے جلوس سے آگے آگے نعرے لگا رہا تھا کہ "لوگو جہان واپس آیا نے" یعنی اُسے لوگو تمام عالم کا پیر آرہا ہے۔

میاں بندی مجذوب کا آپ کے نام خط

سیال شریف کے قیام کے دوران ایک مرتبہ ایک شخص ان مجذوب حضرت میاں بندی کا ایک خط حضرت کی خدمت میں لایا۔ آپ نے کھول کر دیکھا تو کاغذ پر ایک کونڈ سے چند ٹیڑھی سیدھی لکیری ڈالی ہوئی تھیں بعض خدام نے عرض کی کہ حضرت یہ تو لکیری سی پڑی ہوئی ہیں۔ فرمایا اس تحریر کو پڑھنے کے لیے نور عرفان کی ضرورت ہے۔ پھر خط لانے والے شخص سے فرمایا۔ تم لوگ فقیروں کے پاس اس لیے جاتے ہو کہ کسی خوبصورت عورت کا خاوند مر جائے یا اُسے طلاق ہو جائے اور تم اُسے اپنی بیوی بن لو۔ وہ رو پڑا اور کہنے لگا حضرت عشق نے دیوانہ کر رکھا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے اُسے ایک تعویذ دیا اور عافمانی کہ اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو اپنی طرف پھیر لیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی اور ایک صاحب مزار کی خط و کتابت

یہاں حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ چسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اُن کے کسی طالب علم نے دہلی کے قریب

ایک میلہ پر جانے کی اجازت مانگی جو کسی غیر معروف بزرگ کے مزار پر لگتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں ہوو لعل اور ناچ گانے کا سلسلہ رہتا ہے کیوں جاتے ہو۔ اُس نے اصرار کیا تو آپ نے ایک دفعہ لکھ دیا کہ اسے مزار پر رکھ دینا۔ اس طالب علم کو میلہ کی حدود سے باہر ہی ایک درخت کے نیچے ایک کھل پوش فقیر بیٹھا ہوا ملا جس نے کہا کہ لاؤ وہ کاغذ جو تمہارے مولوی صاحب نے بھیجا ہے چنانچہ وہ کاغذ لے کر اُس نے ایک ٹھیکری پر کونے سے کچھ نشان لگائے اور کہا فوراً واپس جاؤ اور یہ ٹھیکری اپنے مولوی صاحب کو دے دینا۔ چنانچہ اُس لڑکے پر سمیت سی طاری ہو گئی اور وہ میلہ دیکھے بغیر ہی وہیں سے لوٹ آیا اور ٹھیکری حضرت شاہ صاحب کے پیش کی۔ شاہ صاحب ٹھیکری پر نظر ڈال کر نہیں پڑے اور حاضرین کی دریافت پر فرمایا کہ ہم نے صاحب مزار کو لکھا تھا کہ بزرگ ہو کر اتنا تصرف نہیں رکھتے کہ لوگوں کو اُس بدعت سے روکیں جو وہ آپ کی قبر پر کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے درس کے ایک شاگرد لڑکے کو نہیں روک سکے تو میں خدا کی اتنی مخلوق کو کیسے روک سکتا ہوں۔ اور میرا کیا ہے میں تو یہاں باہر نکل کر بیٹھتا ہوں خالی قبر پر چوچا ہیں کرتے رہیں۔

بعض ہنگامی سفر

ان مقررہ سفروں کے علاوہ اس زمانہ ارشاد میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے کئی ہنگامی سفر بھی کیے۔ اپنے پیروکاروں اور بعض دیگر شیوخ کی اولاد اور بعض اوقات اپنے کسی خاص مخلص کی شادی غمی کی تقریب میں شرکت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔

اسلامیہ کالج پشاور میں تعمیر مسجد کا اشارہ

اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر کے لیے چیف کمشنر نے چندہ کی اپیل کی، تو میاں عبدالرحیم نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کالج میں طرز تعلیم انگریزی اور غیر اسلامی ہوگی۔ چندہ دینے سے دل کھیراتا ہے اور چیف کمشنر کو انکار کرنا بھی مشکل ہے آپ توجہ فرمائیے آپ نے دعا فرمائی اور لکھا کہ مطمئن رہو۔ جو کچھ پردہ غیب سے ظاہر ہوگا بہتر ہوگا۔ خط ملتے ہی سٹیجی صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ کالج میں مسجد تعمیر کرانے کی پیش کش کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اُسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ سٹیجی صاحبان نے کالج کی عالی شان مسجد تعمیر کروادی۔

پشاور میں حضرت اخوند دراز زندہ صاحب کے مزار پر

سٹیجی کریم بخش بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ سفر پشاور کے دوران حضرت اخوند دراز زندہ صاحب کے مزار پر فاتحہ کے لیے تشریف لے گئے۔ قریب پہنچ کر بہت تیز قدموں سے چل کر مزار پر پہنچے۔ بعد میں میرے اصرار پر فرمایا کہ اخوند صاحب مزار سے محل کر میری ملاقات کے لیے آرہے تھے اس لیے میں نے احترام کی غرض سے پیش قدمی کی۔

ایک ایسا ہی واقعہ علاقہ سون میں حضرت کے ایک مخلص شاگرد مولوی بیدل صاحب مرحوم کا ہے۔ جب اشنائے سفر آپ اُس کی قبر پر بغرض فاتحہ تشریف لے جانے لگے تو ایسا معلوم ہوا کہ آپ ہاتھ کے اشارے سے اُسے ہدایت کر رہے ہیں کہ اپنی جگہ پر رہے۔ بعد میں آپ نے بعض مخلصین کے اصرار پر فرمایا کہ اس کی نسبت اتنی قوی ہے کہ میں نہ روکتا تو باہر نکل کر ملاقات کرتا۔ اس قسم کے واقعات ان لوگوں کے لیے جو عالم مثال اور حیات برزخی سے خبر رکھتے ہیں بعید از قیاس نہیں۔ حضرت شیخ

احمد رفائی اور حضرت جلال الدین بخاری سے متعلقہ ایسے ہی واقعات قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب التوح مصنف علامہ ابن قیم اور شرح الصدور مصنف علامہ سیوطی ملاحظہ ہوں۔

ایک بار آپ غالباً ۱۹۲۴ء میں پاک پتن شریف کے سفر کے دوران بہاول پور بھی تشریف لے گئے۔ نواب صاحب بہاول پور جن کو اس وقت تک بوجہ کم سنی سرکار انگلشیہ کی طرف سے اختیارات تفویض نہیں کیے گئے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نماز جمعہ آپ کے ساتھ پڑھی۔ قاری غلام محمد صاحب پشاور نے خطبہ جمعہ پڑھایا۔ جس میں نواب صاحب کے لیے دعائیہ کلمات بھی پڑھے گئے۔ حیدرآباد دکن کے نواب ولی الدولہ جو بہاول پور میں مقیم تھے اسی موقع پر بیعت ہوئے اور بعد میں گولڑہ شریف بھی حاضر ہوئے۔

پیران کھیر کے سفر کے حالات باب منظرات میں منقول ہیں اور سفر بھوپال کے حالات باب سیر و سلوک میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ علی گڑھ بھی اپنے استاد مولانا لطیف اللہ صاحب کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جس کی تفصیل باب دوم میں گزر چکی ہے۔

تیرھویں فصل

تنظیم اوقات اور شمائل و خصال

شیخ الجامعہ صاحب کی قلمی یادداشت سے اقتباس

حضرت کے اوقات مشاغل اور بعض شمائل و خصال کی تفصیل جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنی قلمی یادداشت میں اس طرح بیان کی ہے۔

اشتغال :- ہمیشہ ذکر و شغل اور ارشاد مخلوق میں وقت صرف فرماتے تھے۔ فجر کی نماز کی سنتیں پڑھ کر حجرہ شریف سے مسجد میں تشریف لاتے۔ مسجد میں امام کا انتظار فرماتے جب کبھی امام صاحب بوجہ بارش یا بیماری کے نہ آ سکتے تو کسی دوسرے قابل امامت مخلص کو امام بنا لیتے۔ بعد ازاں کی نماز فرض آیت الکرسی اور سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر پڑھ کر نماز عشاء کرتے تھے۔ پھر ذکر جہر فرماتے اور تین چار بار کلمہ شریف پڑھ کر دوبارہ دعا فرماتے۔ پھر مکرر ذکر کلمہ شریف بالجہر و ماکر تیسری دفعہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اُس کے بعد عادت مبارک تھی کہ دس بجے تک اور دو وظائف میں مشغول رہتے کبھی شغل مسجد میں ہی ادا ہوتا اور کبھی حجرہ شریف میں۔ اس شغل کے دوران کسی کے ساتھ کلام نہیں فرماتے تھے۔ ویسے بھی آپ کا قدرتی رعب ایسا تھا کہ کسی کو بے تکلف ہو کر گفتگو کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ صبح کے ان اوقات کے دوران خاص طور پر کوئی بغیر اجازت آپ کے نزدیک نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ بعض وظائف کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ پاس بیٹھنے والے کے مضمون بولنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

ارشاد و تلقین :- ساڑھے دس گیارہ بجے دن حجرہ سے باہر دیوان خانہ میں تشریف لاتے۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنے عرض پیش کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس دوران ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور مخلصین سے سلسلہ تعلیم بھی۔ تعویذ اور دم بھی جاری رہتے اور بعض اوقات اسباق کا شغل بھی شروع ہو جاتا مشنوی شریف کو امانتے روم، فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، بخاری شریف، شرح چشتی، مختلف کتابیں میں نے آپ کو اس مجلس میں پڑھاتے دیکھا ہے۔ بارہ یا ساڑھے بارہ بجے حجرہ میں تشریف لے جاتے کھانا کھا کر قیلولہ فرماتے اور تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرما کر اٹھا کرتے۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کر کے اول وقت نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے ظہر کے بعد حجرہ شریف میں جا کر ذکر الہی میں مشغول رہتے مگر اُس وقت اگر کوئی آدمی کچھ عرض کرنا چاہتا تو اُسے اجازت ہوتی تھی بلکہ بعض دفعہ مخصوص لوگوں کی خدمت سے خاص مجلس بھی منعقد ہو جاتی تھی۔ پھر اُسی وضو سے نماز عصر کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ نماز عصر کے بعد اپنے سامنے ختم شریف خواجگان چشتیہ و قادریہ پڑھواتے اور ایصال ثواب کے لیے راولپنڈی کے ایک نوجوان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ ہوا۔ اُسے حضرت نے فرمایا تھا کہ وقت بے وقت دیکھ کر آیا کرو مگر وہ حضرت کا کرم دیکھ کر بے تکلف ہو گیا اور ایک رات حضرت کے قریب شغل کی حالت میں چلا گیا آپ نے ہوں ہوں کر کے دیکھا مگر وہ مذکورہ کے اندر قدم رکھتے ہی کسی تھلی کی زد میں آ کر یوں ہو گیا۔ چلے دو روز ٹیپ چاپ ہوا تا کہ کبھی اس کا تذکرہ نہ ہو۔ پھر زبان بند ہو گئی۔ حضرت سے دعا اور دم کرتے رہے مگر افاقہ نہ ہوا۔

بعد مسجد سے نکل کر کبھی حجرہ میں چلے جاتے اور کبھی سرائے سے باہر اصطبل کے سامنے والے چوڑے پر جا کر گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تین چار میل دور بستی میراباد یہ تشریف لے جاتے یا کبھی اُس سے بھی آگے۔ نماز مغرب اور نماز عشاء باہر ہی ادا کرتے اور وہیں ذکر و شغل جاری رہتا۔ کافی رات گئے واپس آ کر کھانا تناول فرما کر سو جاتے۔ تہائی رات باقی رہے پھر بیدار ہو کر تہجد کی تیاری فرماتے اور وضو کے بعد ستر چائے نوش فرماتے۔

رمضان شریف کے اوقات :- رمضان شریف میں مغرب اور عشاء کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے اور عصر کے وقت سواری کا دستور ترک ہو جاتا۔ تراویح میں ہر روز صرف سو پارہ قرآن شریف سنا کرتے بمقتدوں کی رعایت مد نظر ہوتی تھی نماز فجر کے بعد اپنے والد ماجد کے مزار پر بیٹھا کرتے اور وہیں واپس جانے والوں کو رخصت فرماتے۔ اسی طرح ظہر کی نماز کے بعد بھی وہیں پر نشست ہوتی۔

تلقین ذکر حسب استعداد فرماتے تھے بعض اشخاص کو بیعت کے بعد دس بار کلمہ شریف، دس دفعہ درود شریف اور دس دفعہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھنے کی تلقین فرماتے اور بعض کو صرف پہلے دو امور کا ارشاد فرماتے تھے تلقین نہایت نرمی اور آہستگی سے فرماتے جب دس دفعہ کلمہ شریف کا امر فرماتے تو زبان سے کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ بھی پڑھتے تھے۔ درود شریف کا ارشاد ہوتا تو درود شریف پڑھتے اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ بعض لوگ عرض کرتے کہ سید فاطمہ پڑھیں یا نہیں؟ آپ فرماتے کہ مجھے تو یہی ارشاد ہوا ہے جیسا میں نے بتایا بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور سیدنا کا ملانا لازم ہے۔ یہ درحقیقت اُن کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے حضرت کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ سیدنا کہنا ممنوع ہے۔ آپ کی غرض یہ تھی کہ مجھے اپنے بزرگوں سے اسی طرح پہنچا ہے۔ یہ سلسلہ مسلم ہے کہ اور ادیس تغیر و تبدل نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے :-

”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَيْتَ مَضْجِعَكَ فَتَوَضَّأْ وَصُودِّكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ إِلَيْكَ وَفَوَضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَالْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اللَّهُمَّ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مِتُّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ - وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَكَلَّمُ بِهِ قَالَ فَردَ دُتْهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتَ اللَّهُمَّ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ قَالَ لَا وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ“

علامہ عینی حاشیہ بخاری میں فرماتے ہیں :- ”إِنَّ الْفَاطَظَ الْأَذْكَارَ تَوْقِيفِيَّةٌ فِي تَعْيِينِ اللَّفْظِ وَتَقْدِيرِ الثَّوَابِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ“

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب کو ایک عمل ارشاد فرمایا کہ جب اپنے بستر پر لیٹے لگو تو پہلے نماز کا وضو کرو۔ پھر دائیں کروٹ لیٹ کر یہ پڑھا کرو۔ اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ الْوَجْهَ لِلصَّحَابِيِّ فَرَمَاتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا جب میں بیکتابک الَّذِي أَنْزَلْتَ پر پہنچا تو کہا وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں۔ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي پڑھو۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ وظائف اور اورواد کے الفاظ توقیفی ہوتے ہیں۔

جو لفظ رہتا ہے اسے بدلنا جائز نہیں۔ چونکہ درود شریف کی روایت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں سیدنا کا کلمہ وارد نہیں۔ اسی بناء پر حضرت سیدنا کا کلمہ نہیں پڑھاتے تھے اور یہ اتباع سنت تھا جو آپ کا اور سنا اور بچپنا تھا۔ اتباع سنت میں جو شغف حضرت کو تھا بہت کم لوگوں میں دیکھا گیا۔

جس شخص کو اہل پائے کچھ دوسرے وظائف اور شغل بھی فرمادیتے۔ ایک دفعہ قاری صاحب حضرت سے بہت سے اوراد اور وظائف کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا اور رمضان المبارک کا مہینہ میں نے از روئے مذاق کہا کہ قاری صاحب آپ نے اتنے سارے وظائف پڑھنے تو ہیں نہیں کیوں اس گرمی میں حضرت کو تکلیف دے رہے ہو۔ آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ تکلیف مجھے دے رہا ہے تمہیں تو نہیں دے رہا۔ تم کیوں دخل در معقول دیتے ہو؟

عادت مبارک تھی کہ باتیں بہت کم کرتے تھے مجلس میں بیٹھتے تو بھی ذکر میں مشغول رہتے۔ متقیین و تدریس کے دوران بھی ذکر جاری رہتا تھا۔ کسی نے کوئی عرض کرنا چاہی آپ نے اجازت فرمائی۔ وہ بیان کرتا رہتا آپ سنتے بھی رہتے اور تسبیح بھی چلتی رہتی۔ اُس نے عرض ختم کی۔ آپ نے جواب استعاذ فرمایا اور تسبیح پھر شروع ہو گئی خیر الکلام ماقبل و دل کا عجیب نمونہ تھا۔ میں آدھ آدھ گھنٹہ ایک بات عرض کرتا رہتا۔ آپ سن کر ایک دو لفظ فرمادیتے جو سب کا جواب ہوتا تھا۔

متعلقین سے وفاداری کا معاملہ

حضرت کی عادت مبارک تھی کہ اپنے متعلقین سے نہایت وفاداری کا معاملہ فرماتے تھے ہمیشہ انہیں نصیح اور خیر خواہی سے نوازتے۔ اُن کے حالات دریافت فرماتے۔ اُن پر اس قدر نوازش فرماتے کہ لوگ آپ کو محض پیر ہی نہیں بلکہ اپنا مہربان و مادی اور سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے۔ ہر غم کی کشادگی، ہر درد کی دوا، ہر تکلیف کا مداوا حضرت کی ذات تھی۔

ایک دفعہ مجھے عرق النساء کی تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ چار پانی سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ درد کی شدت کے باعث غشی طاری ہو جاتی تھی۔ کروٹ بدلنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ انہی دنوں حضرت کو پاک پتن تشریف لے جاتے ہوئے ٹھٹھ محبوب میں قیام فرمانا تھا جہاں پر طبری میری عادت مستمرہ تھی مگر تکلیف کی وجہ سے حاضری محال طلبہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں وہاں حاضر ہوئی تو حضرت نے استفسار فرمایا۔ تمہارا مولوی کہاں ہے؟ انہوں نے میری حالت بیان کی۔ آپ نے اُسی وقت میاں شیخ احمد مرحوم کو فرمایا کہ ایسے سوت کی سات تانیں لاؤ جس کے کاتنے والی عورت کا باپ اور چھ دو نو زندہ ہوں۔ وہ منگو کر اُن پر دم کر کے اور چند کانچیں لگا کر طلبہ کو دیں اور فرمایا کہ انہیں مولوی صاحب کے گلے میں باندھا جائے۔ اتفاقاً مجھے اُس شام نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھا ہوں کہ حضرت گلاس اور بوتل پاتھر میں لیے مجھے دوا پلا رہے ہیں۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ چند منٹ بعد پھر نیند آگئی۔ اور دوبارہ وہی حالت دیکھی۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ درد جاتا رہا اور جسم میں ایک گونہ طاقت بھی آگئی ہے۔ فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کو تیار ہو گیا اور دوسرے روز صبح کے وقت سناواں ریلوے اسٹیشن پر حضرت کی قدمبوسی کے لیے کھڑا تھا۔ حضرت تشریف لائے تو دُور ہی سے فرمایا۔ سنا ہے تم بیمار ہو گئے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ آپ نے بے تو جی جو فرمائی تھی بیمار کیوں نہ ہوتا۔ فرمایا۔ کیا توجہ نہیں کی؟ میں نے عرض کیا۔ تو پھر کیا میں حاضر نہیں ہو گیا؟

معاندین سے حسن سلوک

مخلصین سے زیادہ معاندین کے ساتھ حسن سلوک کی عادت کر لی تھی۔ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ایک روپیہ نذر رکھ کر مناسب وقت پر بیٹھ گئے۔ جب نذر بردار اٹھانے کے لیے آیا تو آپ نے خیانت عادت اُسے فرمایا کہ اس روپیہ کو پڑا رہنے دو۔ جب تمام لوگ اپنی حاجات پیش کر کے چلے گئے تو اُن صاحب کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے ہیں۔ اُنہوں نے عرض کی کہ فلاں تحصیلدار جو آپ کا مخلص ہے اُس کی طرف سفارش نامہ لکھوانا ہے۔ آپ نے کاغذ قلم منگوا کر اپنے ہاتھ سے اُن تحصیلدار کی طرف خط لکھ کر انہیں دیا اور ہدایت فرمائی کہ یہ خط انہیں گھر پر جا کر دیا جائے کچری میں نہیں۔ جب وہ صاحب اُنہوں نے لگے تو فرمایا یہ اپنا روپیہ بھی لیتے جائیں۔ اُنہوں نے بہت معذرت کی مگر آپ نے اصرار فرمایا چنانچہ وہ روپیہ لے کر چلے گئے۔ اُن کے چلے جانے کے بعد میں نے روپیہ کی واپسی کا سبب پوچھنے کی جرأت کی۔ فرمایا کہ یہ ہمیشہ مجھے بُرے الفاظ سے یاد کیا کرتا ہے اور معاند ہے۔ اب ضرورت کے وقت اُس نے یہ خیال کر کے روپیہ پیش کیا تھا کہ اس سے سفارش نامہ لکھوانے میں مدد ملے گی میں نے اس لیے روپیہ واپس کر دیا اور سفارش نامہ بھی خود لکھ کر دیا۔

سخاوت بہت پوشیدہ طور پر کرتے۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ملنے والے رخصت ہو کر چلے گئے۔ میں اکیلا پاس بیٹھا تھا۔ مجھے قریب بلا کر ایک کاغذ کی تھیلی سی دی کہ اُس شخص کو دے دو جو لنگر کے دروازہ پر کھڑا ہے میں جا کر دے آیا۔ میں اُسے پہچانتا نہیں تھا مگر کوئی سفید پوش حاجت مند معلوم ہوتا تھا۔

دنیا سے بے توجہی

دنیا کی طرف سے بے توجہی حضرت کی ذات مبارک کا خاصہ تھا۔ مسجد میں حضرت اجمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مختلف اوقات میں بیٹھا کرتے۔ زائرین کی طرف سے نذرانہ اور ہدایا کا سلسلہ بارش کی طرح جاری رہتا۔ لیکن جب آپ اٹھ کر تشریف لے جاتے تو اُدھر اٹکھ اٹکھ کر بھی نہ دیکھتے اور میاں محمد صاحب یا کوئی دوسرا بزرگ اُن نذرانوں کو اٹھا کر غلام محمد صاحب لانگری کو دے آتا۔ اسی طرح سفر میں بعض اسٹیشنوں پر گاڑی رکنے کے دوران یہی کیفیت ہوتی تھی آپ کی طرف سے کوئی حساب یا نگہداشت ان چیزوں کی نہیں ہوتی تھی جو کچھ اکٹھا ہوتا لانگری اپنے پاس رکھتا اور لنگر وغیرہ پر خرچ کرتا رہتا۔

دوستی اور دشمنی کے متعلق نظریہ

جناب شیخ الجامعہ صاحب نے اپنے قلمی مسودات میں حضرت کی ذات اور خاندان کے ساتھ غلط فہمی یا حسد کی بنا پر لوگوں کی مخالفت اور پر خاش کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بتانا ہے کہ دوستی اور دشمنی کے متعلق اس گھرانے کا نظریہ کچھ مختلف ہے۔ ان کی نظروں میں اصل دشمن انسان کا اپنا نفس ہے اور اصل دوست اللہ تعالیٰ کی ذات۔ یہ اپنا وقت نفس پر فتح حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوست اور دشمن سبہ از دوست ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ اس بارہ میں اپنے والدِ کریمؒ کے ارشادات کی وضاحت میں فرمایا کرتے ہیں کہ جنہیں تم لوگ ہمارے دشمن

سمجھتے ہو وہ ہمارے لیے فائدہ کا موجب بنتے ہیں۔ تمہاری قصیدہ گوئی اور مبالغہ آمیز تعریف ہمیں قہقہہ میں مبتلا کرتی ہے اس کے برعکس دشمن ہمارے نقائص اور عیب گنواتا ہے۔ اگر درست ہوں تو ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر غلط ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ دشمنوں کی ایذا رسانی پر ہم صبر کرتے ہیں اور اجر پاتے ہیں۔ باوجود اُن کی مخاصمت کے ہم انہیں اپنے خدا کی مخلوق سمجھ کر اپنی دعاؤں میں شامل رکھتے ہیں اور اس طرح بھی خدا اللہ ماجور ہوتے ہیں۔

حضرت مائی صاحبہ کی برکات کے خصوصی اثرات

حضرت قبلہ عالم قدس برفہ نے ایک مرتبہ اپنی اہلیہ محترمہ کے اوصاف حمیدہ کا اظہار فرماتے ہوئے اعتراف فرمایا تھا کہ مجھے علم و فقر میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اُس کے اسباب میں اس خاتون کے صبر و قناعت اور خدا پرستی کا بڑا حصہ ہے۔ اس نے مجھے طلب مولیٰ کی راہ میں آزاد چھوڑ دیا اور کبھی اپنے مطالبات سے میرے راہ میں حائل نہیں ہوئی۔ حضرت کے وسیع حلقہ ارادت کی مستورات میں حضرت مائی صاحبہ کی بے نفسی، خدا پرستی اور قبولیت دُعا کے تذکرے آج تک زبان زدِ مخلوق ہیں۔ وہ قبلہ عالم قدس برفہ کے وصال کے بعد تھوڑے عرصہ تک ہی زندہ رہیں مگر اُن کی تربیت کا اثر اس گھرانے میں ابھی تک جاری و ساری ہے۔

حضرت کی خوراک

شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں:-

”عادت مبارک تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک دو لقمے تناول فرما کر وضو کر کے بظاہر سو جاتے تھے۔ مگر دراصل جاگتے رہتے اور پاس انفاس میں رات گزار دیتے۔ میں نے ایک رات آپ کے گھوڑے کے قیام کے دوران دیکھا کہ عشاء کی نماز ادا کر کے وضو فرما کر بظاہر سو گئے۔ میں تمام رات دروازہ پر بیٹھا رہا۔ آخر شب قریباً چار بجے آپ نے اٹھ کر اُسی وضو سے نماز تہجد پڑھی۔ اور اکثر یہی معمول تھا۔ باوجود کم خوری کے جسمانی قوت اس قدر تھی کہ بایں دوست شاید ایک روز ایک پہلوان خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں کشتی لڑنے جا رہا ہوں میرے لیے فتح کی دُعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ذرا میرے پاؤں دالو کہ تمہاری طاقت کا اندازہ کروں۔ اُس نے پاؤں دابنے شروع کیے۔ سردی کا موسم تھا مگر دو منٹ بعد ہی اُس کا پسینہ ہنا شروع ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا: تم تو شاید بہت زور لگا رہے ہو مگر مجھے محسوس بھی نہیں ہو رہا کہ میرے پاؤں دالے جا رہے ہیں۔ قلتِ خوراک کے باوجود اتنی طاقت اور برداشت محض التفاتِ خداوندی سے تھی۔“

آخر عمر میں جب آپ صاحب فراموش ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ چھتیس سال سے میں نے غذا زیادہ ترک کر رکھی ہے میری مجموعی خوراک غالباً دو تین چھٹانک فی ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اب معدہ کو ہضم کی عادت نہیں رہی جو چیز معدہ میں جاتی ہے وہیں رکھی رہتی ہے۔

اس کے باوجود جسم مبارک اتنا مضبوط تھا کہ فلاں کا معلوم ہوتا تھا۔ پاؤں دابنے کے وقت اگر القفا تھا یا تھوڑا مبارک پڑ جاتا تو ایسے معلوم ہوتا کہ بے یا پتھر پڑا ہے۔ دابنے سے جسم مبارک دبتا نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھرتا ہے۔“

استاد زادوں کا احترام

استاذہ اور اُن کی اولاد کے احترام کے متعلق شیخ الجامعہ صاحب لکھتے ہیں :-

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جہاں جہاں حضرت نے تعلیم پائی وہاں کے تمام باشندوں کا آپ بے حد احترام فرماتے تھے۔ استاد زادگان کے احترام کی توحید ہی نہ تھی موضع بھونی کے مولوی صاحبان کے ساتھ حضرت کا سلوک ضرب المثل تھا۔ انگہ کے استاد حافظ سلطان محمود صاحب کے صاحبزادے مولوی شمس الدین صاحب کو آپ خود بخاری شریف پڑھایا کرتے اور جب اُن کا انتقال ہوا تو اُن کی تعزیت کے لیے انگہ تشریف لے جا کر وہاں اپنے خرچ سے وسیع پیمانے پر طعام پکوا کر تقسیم فرمایا۔ اُس کے بعد مدت العمر تمام گنبد کی خبر گیری فرماتے رہے۔ انگہ کا کوئی آدمی ملنے آتا تو اُس کا خاص خیال فرماتے۔ بلکہ وادی سون کا تمام علاقہ حافظ سلطان محمود صاحب کی وجہ سے حضرت کے نزدیک قابل احترام ہو گیا تھا۔

حضرت کا حلیہ مبارک

حضرت قبلہ عالم قدس برہ کا حلیہ مبارک اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

رنگ گندم گوں پیشانی بلند اور چمک دار آنکھیں غنیمت اور رعب آفرین، ناک ستواں، ابرو گھنے اور کماندار، لب متوسط، دہن منداخ، دندان روشن اور جہا جہا، ریش گھنی اور تاب سیدہ، گیسو گھنکھریا لے اور کانوں تک دراز، سیدہ کشادہ، بطن خمیدہ، رخسار کم گوشت، انگشت طاقم اور باریک، کف دست کشادہ، قدم مبارک میاں مگر مجلس میں بیٹھے ہوئے بلند و بالا معلوم ہوتے تھے۔ قدم شریف نرم اور نازک، بسم گٹھا ہوا اور متوسط۔

حضرت کے فوٹو بھی ملتے ہیں جو عقیدت مند اور عشاق حضرت آپ کی عمر کے مختلف ادوار میں لیتے رہے۔ ان میں سے ایک حضرت خواجہ محمد دین صاحب (حضرت ثانی) سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سیال شریف کے عرس کے موقع پر لیا گیا اور دوسرا آپ کے زمانہ استغراق کا ہے۔ اول الذکر فوٹو میں حضرت ثانی صاحب سیالوی اور دربار شریف کے کئی خلفائے کرام بھی موجود ہیں۔ حضرت خود تصویر کشی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور شدت سے روکتے تھے۔ چنانچہ یہ چند تصاویر بھی آپ کی اجازت یا علم کے بغیر ہی لی گئیں۔

حضرت کا لباس

آپ کو سفید لباس پسند تھا جس کی لطافت اور لطافت قابل دید ہوتی تھی۔ لٹھے کی شلوار، موسم کے لحاظ سے خاصہ یا ملل کا کھلی آستینوں والا کرتہ، اور سفید ملل کی مللی مایہ لگی ہوئی گچڑی پہنتے تھے۔ دستار مبارک بخاری قسم کی نوکدار کلاہ پر بندھی ہوتی تھی۔ کرتے کے اوپر دامنٹ اور لپا کھلے کالروالافراک کوٹ یا چغہ ہوتا تھا بعض اوقات دھوپ میں گچڑی اور دوش مبارک پر لنگی یا چادر ڈال لیتے تھے۔ پاؤں میں گھبی نمونہ کی نفیس اور نعت طلا دار پاپوش استعمال فرماتے تھے۔ ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی گھوٹے کی سواری کے وقت بھی چھڑی کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے تھے۔ شہر سے شہر گھوڑا بھی حضرت کے قریب آتے ہی رام ہو جاتا۔

سوار ہونے سے پہلے آپ اپنی تسبیح دسی زین کے اٹھے ہوئے جتنے سے پیٹ دیتے اور پھر سوار ہوتے گھوڑائیوں میں بٹھا کر کھڑا رہتا جیسے سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا أَوْ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ کے معنی سمجھتا ہے۔

حضرت کے لباس اور استعمال کی تمام دوسری چیزیں مثلاً تسبیح، گنگھی اور سواک وغیرہ آپ کے حجرہ مبارک میں بطور تبرک ہمیشہ دارالماریوں اور میزوں میں رکھی ہیں۔ آپ کا بستر اپنے اصلی مقام پر اسی طرح لگا ہے اور چھپر کھٹ اور چھروانی تکی ہوتی ہے آپ کے عرس اور عیدین کے موقع پر ارادت مندان تبرکات کی زیارت بڑے شوق اور عقیدت سے کرتے ہیں اور آپ کے ہم عصر کی آنکھوں کے سامنے وہی پُرانا نقشہ چھر جاتا ہے۔ اس کمرہ کے برابر والے مجلس خاتمہ میں لائبریری ہے جس میں ہر فن کی کافی کتب ہیں موجود ہیں۔

آواز و گفتار

آواز مبارک شیریں، پرسوز اور بادستار تھی۔ یوں قرأت سے گفتگو فرماتے کہ ایک ایک لفظ گنا جاسکے اور یاد رہ جاتے۔ اکثر لوگ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے انہیں کافی طویل اور او اور وظائف تلقین فرماتے جو ایک ہی بار سن لینے سے دماغ میں نقش ہو گئے۔ اور پھر کبھی فراموش نہیں ہوئے۔ یہ چیز حضرت کی کرامات سے شمار ہوتی تھی۔

چال اور رفتار

رفتار اور چال و حال میں اہل علم کو وقار اور سلامت روی نظر آتی تھی اور اہل دل کو ایک بانگین اور محبوبیت۔ جب آپ کسی گروہ یا جمعیت میں تشریف لاتے تو تمام فضا میں عقیدت اور محبت کی خوشبو پھیل جاتی اور دیکھنے والوں میں مسرت کی ایک ہر دھڑ جاتی۔ اکثر لوگ دست بوسی کے لیے جھوم کر کے آجاتے اور بعض لوگ دُور کھڑے ہی قربان قربان کہہ کر اپنی پیاس بجھالیتے جھوم کور وکنے کے لیے خدام کو ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر حضرت کے گرد حلقہ بنا دیتے۔ کئی اشخاص صرف حضرت کے لباس کو چھو کر ہی اپنے ہاتھ جھوم لیتے۔ پشاور کے ایک جوان الطاف الہی دیکھتے تھے ایک روز حضرت کو گھوڑے پر سوار اردو جام خلی میں گھرے ہوئے دیکھ کر یہ شعر پڑھا تھا ہے

تم شہسوار حسن ہو لگ جائے گی نظر گھوڑے سے اُتر دو آنکھ بچا کر رکاب کی
حضرت کی شان میں اسی شاعر کا کہا ہوا ایک اور مصرعہ ہے :- جان الطاف الہی صدقہ بجان شما

حضرت کی اسپ سواری

آپ اطباء کے مشورہ پر بعد نماز عصر اسپ سواری کی غرض سے نکلا کرتے تھے اور دیہات میرا بادینہ اور میرا کوٹہ بعض اوقات قصبہ راولپنڈی اور رکھ پوٹی کے مصافحات سے ہو کر عشاء کے بعد واپس تشریف لایا کرتے۔ ایک شخص سید صدیق شاہ نے آپ کی حفاظت کے خیال سے عرض کی کہ ایک خادم کو ہمراہ رکھا کریں اور اپنی اس استعداد کو تقویت دینے کے خیال سے فرمان خداوندی خذْ وَاجِدْ رُكْبَةً یعنی اپنی حفاظت کا سامان کر لیا کرو۔ کا حوالہ بھی دیا حضرت نے فرمایا، شاہ صاحب، وَاللّٰهُ يَعْصِيْكُمْ مِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ آپ کو انسانوں سے محفوظ رکھے گا، بھی تو اسی ذات

عالی کا ارشاد ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کی، حضرت یہاں لفظ یَعِصُمُکَ میں حرف کاف صیغہ واحد حاضر ہونے کی وجہ سے صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شان میں وارد ہو کر محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی حفاظت کی ضمانت کا اظہار کر رہا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا، شاہ صاحب، ہم بھی تو اسی کاف کی اوٹ میں ہیں۔ گویا جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بحیثیت مجبوری پناہ بے کساں ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے معتمد فانی الرسول کی طرف بھی ایک لطیف پیرا میں اشارہ فرمایا۔

ایک مخلص کے دلی خطرہ کا از خود جواب

یہی سید صدیق شاہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں سے گولڑہ شریف آ رہا تھا جب چکوال پہنچا تو کسی کی زبانی سنا کہ حضرت نے ایک گھوڑی خرید فرمائی ہے۔ میرے دل میں وقتی طور پر خیال گزرا کہ میرے شیخ تو ولی کامل ہیں انہیں ان دنیا داریوں سے کیا غرض۔ جب حاضر خدمت ہوا تو خود بخود فرمانے لگے۔ شاہ صاحب مجھے اطمینان دے دیجئے کہ گھوڑے کی سواری کا التزام کیا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر میں نے گھوڑی خرید کی ہے۔ چنانچہ میں اپنا وہ دلی خیال یاد کر کے بے حد نادام ہوا۔

اس کے بعد حضرت کے اصطبل میں بہترین گھوڑے آتے رہے۔ آپ کی شاہ سواری کا بھی اپنے والد محترم حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ عالم تھا کہ سرکش سے سرکش جانور بھی رام ہو جاتے تھے۔ ایک بار ملک احمد خان ٹوانہ نے ایک بیش قیمت گھوڑی جو ان سستے ایام میں بھی مبلغ چار ہزار روپے میں آئی تھی، آپ کی نذر کی۔ آپ سیال شریف سے رخصت ہو رہے تھے کہ یہ گھوڑی آپ کے سامنے لائی گئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے سوار ہو کر چھتری مانگی۔ ملک صاحب نے عرض کی کہ حضرت، گھوڑی نئی ہے چھتری کو برداشت نہیں کرے گی اور ڈرے گی۔ آپ نے فرمایا، چھتری بند کر کے مجھے دے دو۔ پھر آپ نے چھتری کھول کر گھوڑی کو دوڑایا اور موضع مانگو وال تک دوڑاتے آئے۔ گھوڑی نے بدکنے کا نام بھی نہ لیا۔ بلکہ بعد میں بسنگر شریف کا کوئی بھی خادم اس پر آسانی سواری کر لیتا تھا۔

حضور نام گھوڑے کا اظہارِ ادب

حضرت کی سواری کے ایک گھوڑے کا نام حضور می مشہور ہو گیا تھا۔ جب تک آپ اس پر وظائف پڑھتے رہتے یہ آہستہ خرام رہتا۔ مگر جب آپ فارغ ہو جاتے تو ایک سخت تیز رفتار ہو جاتا۔ ایک روز سواری کے دوران آپ کی لنگی نیچے گر گئی۔ گھوڑا اگر آگے قدم رکھتا تو اس پر پڑتا۔ اس لیے گھوڑا ایک دم رُک گیا اور ہانکنے پر بھی نہ چلا۔ حضرت نے خادم سے فرمایا کہ دیکھو گھوڑا کیوں رُک گیا ہے۔ اُس نے دیکھا تو آپ کی لنگی نیچے گری پڑی تھی اور گھوڑے نے یہ پاس ادب اپنا وہ پاؤں جو اُس پر پڑنے والا تھا اٹھا رکھا تھا۔ سبحان اللہ! مَنْ لَہُ السُّوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ (جس کا خدا ہے، اُس کا سب کچھ ہے)

پاک پن شریف میں ایک گھوڑے کی سرکشی

حضرت دیوان سید محمد سجادہ نشین پاک پن شریف نے جو حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز سے بے حد عقیدت و محبت

رکھتے تھے۔ حضرت کی سواری کے لیے ایک گھوڑا مختص کر رکھا تھا جس پر تمام سال کوئی شخص سوار نہ ہوتا۔ اور فقط آپ ہی حضرت بابا صاحب کے محض شریف کے دوران اُس پر سواری فرماتے تھے۔ سال بھر زمین نہ ڈالنے کی وجہ سے گھوڑا سرکش ہو جاتا۔ اس لیے احتیاطاً حضرت کی تشریف آوری سے کچھ روز قبل دیوان صاحب اپنے بھائی جناب میاں غلام رسول سے فرماتے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ حضرت اس کی سواری میں کوئی تکلیف محسوس نہیں فرمائیں گے۔ تاہم بہتر ہے کہ آپ اسے کچھ رواں کر لیں۔ ایک مرتبہ حضرت اس گھوڑے پر سوار تھے کہ موتی محل کے قریب کچھ ایسے انداز میں کودا کہ زمین کا تنگ نیچے سے ٹوٹ گیا اور آپ نے سمیت اوپر کو اچھلے۔ لوگوں میں شور مچ گیا کہ آپ گر گئے اور ایک شخص دوڑتا ہوا دیوان صاحب کی خدمت میں اطلاع کے لیے پہنچا لیکن دیوان صاحب فرمانے لگے تم غلط کہتے ہو حضرت نہیں گر سکتے اتنے میں آپ بھی تشریف لے آئے اور دیوان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ غلط نہیں کہتے ہیں واقعی زمین سمیت گھوڑے سے کافی اوپر اٹھ گیا تھا لیکن پھر خضر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعد زمین گھوڑے کی پشت پر آکر مستقر ہو گیا۔ دیوان صاحب عموماً سال میں ایک دو اچھے گھوڑے آستانہ عالیہ گولڑہ شریف بھجوا دیا کرتے تھے۔ چونکہ اُن ایام میں موٹر کاریں ابھی عام نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے اصطبل میں اچھی قسم کے نرمادہ گھوڑوں کی کثرت تھی مگر کبھی کسی جانور کے دوسرے کے ساتھ لڑنے کی نوبت نہ آتی اور نہ کسی قسم کا شور و شغب ہوا۔ اکثر لوگ یہ صورت حال دیکھ کر حیران ہوتے تھے اور اسے صرف آستانہ عالیہ کی خصوصیت قرار دیتے تھے۔

ڈھیری شاہان کی بارات کا واقعہ

جناب شیخ الجامعہ نے اپنے مسودات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ گولڑہ شریف سے ایک بارات مونی ڈھیری شاہان گئی۔ وہاں کے رواج کے مطابق نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ لڑکی والوں نے شرط عائد کی کہ جب تک گولڑہ شریف کے سوار میخ اکھاڑ کر باہر نہیں پھینکیں گے اُس وقت تک نکاح نہیں ہو گا۔ تین روز تک نیزہ بازی ہوتی رہی مگر گولڑہ شریف و اُس کے مضافات کا کوئی سوار میخ اکھاڑ کر باہر نہ پھینک سکا۔ آخر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ اب آپ ہی اس مشکل کو حل فرمائیں۔ چنانچہ حضرت اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں تشریف لے گئے۔ پہلے جا کر میخ کا بغور معائنہ فرمایا اور پھر نیزہ ہاتھ میں لے کر گھوڑا دوڑایا اور میخ کو اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میخ کے ساتھ عام گھوڑا آپسے والی چکی کا ایک پتھر پلاپٹ بھی نکل کر باہر آئے گا جس کے سوراخ میں میخ کو پھنسا یا گیا تھا۔

معنوی جمالیات کے علاوہ صوری محاسن پر نظر

حضرت کی نگاہ لطف اور شفقت بھری ہلکی مسکراہٹ میں ایک عجیب کیفیت اور انداز تھا۔ جسے محسوس تو کیا جاسکتا تھا مگر بیان کرنا ممکن نہ تھا۔ آپ کی پہلی نظر میں شکار ہونے والے آج بھی سینکڑوں باقی ہیں۔ شجرہ شریف کا نام ہی عشق آباد پڑ گیا تھا جو ابتداً دیوان صاحب پاک پتن نے تجویز فرمایا تھا۔

سلسلہ چشت اہل بہشت کے مجدد بزرگان کرام معنوی جمالیات کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی مالا مال ہوتے تھے اور اُن کے باہمی تعلق اور نسبت میں نظر کیا جائے گا بھی ایک غالب عنصر شامل ہوتا تھا جو حضرت کی ذات جسے ازل سے اس سلسلہ قدس کی سوار بنی ہوتی تھی اپنے شیخ پر عاشق ہو کر مرید ہوتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں جب کسی کامل شیخ طریقت

کی تلاش تھی تو دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا شخص ملے جو معنوی حُسنِ کمال کے ساتھ ظاہرہ غُبنی اور جمال سے بھی مالا مال ہو چنانچہ سیال شریف میں جب اپنے اُستاد مولوی سلطان محمود صاحب کے ہمراہ حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت خواجہ صاحب پر نظر پڑتے ہی دل فریفتہ ہو گیا۔ درحقیقت یہ نسبت اُس صفتِ خداوندی کا کرشمہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "اللَّهُ جَمِيلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ" حضرت صدیق اکبر سے سوال ہوا تھا کہ آپ کو دُنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے۔ تو فرمایا اَلنَّظَرُ اِلَى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

نہی کا مصحف پر نور ہے کلام اللہ	یہ خط یہ رُخ یہ جبین لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ
جو ایک عارضِ انور ہے واضعِ تنویر	تو دوسرا بھی ہے وَالْفَجْرُ سے جمال اللہ
ادھر کی زلفِ مغنبر ہے سورتِ خم	ادھر کی طُستہ وَاللَّيْلُ ہے کلام اللہ
حضور! عارضِ انور کا خال ہے وَالنَّجْم	جبین پاک ہے وَالشَّمْسُ خوش جمال اللہ
یہ بسمِ نور ہے واللہ اور مُطلق نور	یہ دل کلیم تو دل کی زباں کلام اللہ
اسی طرح سے چھپائے ہوئے ہے دلِ حق کو	الف کو جیسے چھپائے ہوئے ہے بسم اللہ

ادب سے درد کی جانب سے اے صبا کہہ دے
ببارگاہِ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰهُ

درد کا کوروی

باب ششم

وصال اولاد و احفاد اور متوسلین

پہلی فصل

بیماری اور ضعف

خواب و خور سے بے نیازی

یہ حقیقت ہے کہ کم خور دن کم شخص و کم گفتن ابتداء ہی سے حضرت کے معمولات سے رہے۔ دائمی ذکر اور پاسِ انفس کے شغل نے آپ کو خواب و خور سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں بھی کئی دنوں تک کچھ نہ کھاتا تھا۔ لیکن بھوک کی چنداں تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ غالباً اسی وجہ سے آخر عمر میں معدہ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور کچھ شروع ہو گئی تھی۔ یہ بے چین کر دینے والا مرض کبھی کبھی دورہ کرتا اور بعض اوقات بقیوں بھیچا نہ چھوڑتا۔

ارادت مندوں کے دکھ درد کا احساس

بایں ہمہ اکثر بہتر سال کی عمر تک حضرت کی صحت خاصی اچھی رہی مگر ۱۹۲۸-۲۹ء سے ضعف کے آثار بڑھنے لگے۔ اس کا باعث محض بیماری ہی نہ تھی۔ کثرتِ مشاغل اور لوگوں کے دکھ درد کے روز افزوں احساس کو بھی اس میں کافی دخل تھا۔ گولڑہ جنگشن پر کوئی گاڑی ایسی نہیں آتی تھی جس میں دس پندرہ زائرین دُور دراز سے نہ پہنچتے ہوں۔ اور نواحی علاقہ جات سے تو تانگوں سائیکلوں اور موٹر کاروں سے آنے والے ارادت مندوں کا تانا باندا بھارت بھارت تھا۔ ہر شخص کچھ اُمید لے کر حاضر ہوتا اور پوری توجہ حاصل کر کے واپس جاتا۔ کوئی غم دُنیا پیش کر رہا ہے تو کوئی فکر غصے۔ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں دکھ بھرے خطوط روزانہ موصول ہوتے جو من و عنین پیش کر دیے جاتے۔ وحدت الوجود کے مسلک کے باعث مخلوق کے مصائب ذاتی مصائب بن کر رہ گئے تھے۔ کسی کی بے وقت موت یا غم داندوہ کی کہانی پیش کی جاتی تو طبع مبارک بے چین ہو جاتی اور بار بار سر د آہیں بھرتے رہتے۔

مظہرِ رحمتِ عالم

حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت بہت اچھی تھی۔ آخر میں اُمت کے غم نے اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ بیٹھ کر نوافل پڑھنے لگے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں یہ آیت پڑھتے اور روتے رہتے۔

(ترجمہ) اگر تو ان کو عذاب کرے تو یہ میرے ہی بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو یہ شک تیری ذاتِ عزیز و رحیم ہے

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (سورہ مائدہ - ۱۱۸)

وَلِلّٰهِ دَرُّ الْقَائِلِ جو اس غمخواری کو مد نظر رکھ کر کہتا ہے ۔

تو غمی از ہمدرد دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
در حسابم را تو بیستی ناگزیر
از نگاہِ مُصطفیٰ پنهان بگیر
آخری عمر میں حضرت کی کیفیت قلبی حضور رحمت عالم کی محبت امت کا کامل منظر تھی۔

افزونہ مشاہدہ

حضرت کا بن شریف جوں جوں بڑھ رہا تھا مشاہدہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا ۱۹۲۵-۲۶ء میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ خلوت ہو یا جلوت ایک وجدانی کیفیت طاری رہتی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک آہ بھر کر سر اٹھا لیتے اور باطنی کیفیات کے ورود کے باعث چہرہ مبارک کا رنگ کبھی زرد، کبھی سبز اور کبھی سُرخ مائل ہو جاتا اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اپنے نظام اوقات کے تحت مجلس خانہ میں بدستور گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے تشریف لاتے مگر محفل پر خاموشی طاری رہتی۔ حاضرین میں سے بعض پر یہ کیفیت دیکھ کر گریہ طاری ہو جاتا اور بعض حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے اور سوچتے رہ جاتے کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ اُن دنوں اکثر یہ شعر فرماتے تھے ۔

نہ منت م گفتگو ہے نہ محل جستجو ہے

دل بے نوائے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

نُو وارد زائرین کے لیے حضرت چپ چاپ اپنا دست مبارک مصافحہ کے لیے بڑھا دیتے۔ البتہ سلام کا جواب دیتے۔ اور کبھی کبھی اپنا یہ پیارا دستور فقرہ فرمادیتے کہ خیر میں آئے دے۔ (آپ خیریت سے آئے ہیں؟)

بشارات

اس زمانہ میں بعض صاحب عرفان مخلصین اور مجتہدین کو خوابوں میں آپ کی اس کیفیت کے بارے میں تسلی دلائی گئی چنانچہ ملتان میں ایک سید صاحب نے استخارہ کے بعد کہا کہ انہیں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جنہوں نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک ایسا مقام طے کر رہے ہیں جہاں مشائخ کی اہلاد نہیں پہنچتی۔ مگر اس مرحلہ پر بھی ایک ایسا شخص ہے جو برابر اُن کی مدد اور رہنمائی کر رہا ہے (اس سے مراد اُن کی اپنی ذات مقدس تھی جن کا فرمان قدس تعالیٰ ہٰذِہ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما وعلیہم اجمعین)

ایک شکوہ امیر گدارش

اس زمانہ میں ملک سلطان محمود خان صاحب ثوانہ منصرم مراسلات کے چھوٹے بھائی میر ملک غلام حسین خان

نے الہ العالین اُن دنوں عالم سے بے نیازی اور میں محتاج ہوں اِوَل تو قیامت میں میرا عذر گناہ قبول فرما کر بخش دے لیکن اگر ضرور حساب ہی لینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے پوشیدہ لینا۔
(فیض)

حاضر خدمت ہوئے۔ دربار میں مختلف النوع خوابوں اور مکاشفات کے باعث یہ چرچا مچا تھا کہ آپ کی یہ حالت کسی بیماری کے باعث نہیں بلکہ آپ کے اپنے مسلسل مجاہدہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ملک صاحب نجرہ شریفیت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یہ کار نبوت تو آپ کو ملنے سے رہی۔ اُسے تو اللہ تعالیٰ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا تھا۔ اب اس سے نیچے اور کون سا ایسا بندہ مقام رہ گیا ہے جس کے لیے آپ نے اپنی جان کو اس قدر تکلیف میں ڈال رکھا ہے اور اپنے غلاموں کو دن رات رُلا رہے ہیں؟ اگر اپنے آپ پر رحم نہیں آتا تو مخلوق خدا پر ہی رحم فرمائیے؟ اس پر آپ نے مسکرا کر ملک سلطان محمد سے فرمایا: دیکھو یہ تمہارا بھائی کیسی باتیں کرتا ہے؟ اور پھر اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔

بطنی مشوروں پر ہوا خوری کا التزام

اُس زمانہ میں ضیعت جہانی کے باعث سواری ترک ہو چکی تھی مگر ڈاکٹروں کی تاکید تھی کہ تفریح اور ہوا خوری کا التزام ضروری ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے لیے نماز عصر کے بعد تھوڑی دُور پہل قدمی فرمانے لگے۔ مگر جب اس میں بھی دُشواری ہوئی تو حضرت ثانی سیّد غلام محی الدین المعروف جناب بابو جی صاحب مدظلہ العالی نے بطنی مشورہ کے تحت موٹر کار خرید لی جس میں ہوا خوری کے لیے روزانہ دس بارہ میل باہر تشریف لے جایا کرتے۔

کار کا حادثہ

ایک مرتبہ سواری کے دوران کار کو حادثہ پیش آیا۔ شاہراہِ اعظم پر سنگ جانی کی طرف سے واپس آتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ نماز مغرب کا وقت قریب ہے۔ کار کو روک کر کہیں نماز ادا کر لیں۔ ایک تمبر اسی نے عرض کیا کہ ابھی سُوُجِ غروب نہیں ہوا۔ نماز کے وقت تک گولڑہ شریف کے موٹر پر واقع خانقاہ تک پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ سفر جاری رکھا گیا۔ تھوڑی دُور آگے چل کر جھنگی سیدوں کے قریب اچانک کار شُرک سے اتر کر الٹ گئی۔ حضرت صاحب اور بابو جی تو باہر گرے مگر دیگر ہمراہی یعنی مولوی محبوب عالم صاحب اور لال خان ڈرائیور کار کے نیچے آ گئے۔ اُس وقت بابو جی صاحب نے اکیسے ہی اُن کو باہر نکالا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تکلیف نماز مغرب میں تاخیر کا خوف نہ کرنے پر غیرت الہی کے باعث پیش آئی ہے اور انشاء اللہ سُودِ مستِ ثابت ہوگی۔

لسگر غوثیہ کا بذل و سخا

مہمانوں کی جو کثرت دربار گولڑہ شریف میں دیکھنے میں آتی ہے کہیں اور کم ہی نظر آتی ہوگی۔ حضرت کے زمانے میں دو بڑے عرس منائے جاتے تھے۔ ایک حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ جیلانی کا اور دُوسرا حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کا۔ ان عرس پر اُس زمانہ میں بھی ہزاروں کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خدام اور اُن کے متعلقین اور مدد رسیدین اور طلباء جن کی تعداد اڑھائی تین سو سے کم نہ ہوگی۔ دربار شریف سے متعلق طور پر بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ لشکر کی آمدنی زیادہ تر نذر و نیاز پر منحصر تھی۔ تاہم بذل و سخا اور پاک پانی کی طرح جاری رہتی تھی۔ اس لیے آپ کبھی صاحب زکوٰۃ نہ ہوئے بلکہ طہیات طہیات میں مذکور ہے کہ حضرت بعض اوقات اس چیز پر اظہارِ شکر فرماتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر

کی بھی یہی کیفیت تھی کہ کبھی قرضدار ہو گیا اور کبھی مالدار، مگر مستوجب زکوٰۃ نہ ہوا۔ بواؤں اور تسمیوں کے وظیفے مقرر نہ رکھے تھے۔ پشاور کے بعض متمول مریدین جو کابل، بخارا اور وسط ایشیا کے ممالک میں تجارت کرتے تھے۔ جب انقلاب روس کے باعث مفلس ہو کر رہ گئے تو ساہا سال تک لنگر خوشیہ سے اُن کی پرورش ہوتی رہی۔ ایسے متعدد اور خاندانوں کے وظائف بھی مقرر تھے۔

”تصفیہ مابین سُنی و شیعہ کی تالیف“

اس زمانہ میں شیعہ سُنی مباحثات کا ایک نیا دور چلا تھا۔ فریقین کے بعض متشدّد مصنفین نے ایسی کتابیں شائع کیں جن میں تعصب زیادہ اور انصاف کی رعایت کم تھی۔ حضرت کم تھی حضرت کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو تصفیہ مابین سُنی و شیعہ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور کچھ روز تک اپنے منصرم مراسلات خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری ریٹائرڈ پولیٹیکل ایجنٹ گلگت کو چند ابواب لکھواتے بھی رہے۔ مگر بیماری اور روز افزوں کیفیتِ استغراق کے باعث قیمتی افادات کا حقہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر اُن کے کاغذات میں سے اس تالیف کے جو مضامین دستیاب ہوئے اُن میں سے چند اقتباسات انشاء اللہ باب التصفیہ میں ہدیہ ناظرین کیے جائیں گے۔

علامہ اقبال کا عریضہ

زمانہ استغراق کے اوائل میں جناب ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کا ایک عریضہ موصول ہوا جس میں زمان و مکان پر حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”فتوحات مکیہ“ کے ایک باب کی وضاحت کے لیے استدعا کی گئی تھی۔ یہ خط ملک سلطان محمود صاحب ثوانہ نے جو خان بہادر مولوی صاحب کی وفات پر مراسلات کی خدمت پر مامور ہوئے تھے، ایک خاص وقت میں حضرت کو متوجہ کر کے پیش کیا۔ آپ نے غور فرما کر سنا اور ارشاد فرمایا کہ کسی وقت جب میری طبیعت میں افادہ جو پیش کرنا تاکہ جواب لکھوادیا جائے جب کتنی روز بعد ملک صاحب نے پھر یہ خط پیش کیا تو بوجہ علالت و تکلیف فرمایا کہ لکھ دو میں بیمار ہوں اس لیے جواب سے معذوریوں۔ چنانچہ ملک سلطان محمود صاحب نے جواب میں لکھا کہ اقبال صاحب آپ اپنے ہی مشہور قول کے مصداق اس مکتب میں دیر سے پہنچے ہیں: ”علامہ اقبال کو کیمبرج یونیورسٹی میں زمان و مکان (TIME AND SPACE) کے متعلق حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ پر یکچہرہ دینا تھا لیکن انہیں بھی موت نے مہلت نہ دی۔ اُن کے عریضہ کی نقل اقبالنا“ جلد اول میں شائع ہو چکی ہے۔ تاہم یہاں بھی درج کی جاتی ہے۔

لاہور، ۱۸۔ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ۔ السلام علیکم

الرحمۃ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے، تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی طافی اس عریضہ سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے دانشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محمدی الدین ابن عربیؒ پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر باری حال چپ اندوز دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق گریبان سے بعید نہ ہوگا۔ اگر سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اول یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقت زمان کے تعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

۳۔ حضرت صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے مجھے عربی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اُس کا نام تھا درایت الزمان۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے اس لیے مجھے یہ عرضہ لکھنے میں تاہل تھا۔ لیکن مقصود چونکہ خدمت اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس قصدیہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے۔ باقی التماس دعا۔

مخلص محمد اقبال

دوسری فصل

عالمِ استغراق

دریائے ناپیدِ کنارِ توحید

محویت و استغراق کی حقیقت تو کچھ دُہی حضرات جان سکتے ہیں جو اس وادی سے گزرے ہوں البتہ بزرگانِ دین کے احوال و سیر سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ تجلیاتِ الہی کے درود سے توحید کے دریائے ناپیدِ کنار میں عشاقِ الہی پر کچھ ایسی محویت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ تمام ماسوا سے توجہ اور شعور اٹھ جاتا ہے۔

عشقِ آلِ شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوقِ باقی مجھ سے سوخت (رُومی)

استغراق میں عذرِ نماز کا استفسار

ویسے تو ہر دور کے مسانِ بادۂ توحید کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں لیکن قرونِ وسطیٰ کے بزرگانِ دین میں حضرت قدوۃ العرفان مولانا رومی قدس سرہ اور متاخرین میں سے حضرت قطبِ العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ پر وصال سے کچھ مدت پہلے کو الفِ استغراق وارد ہوئے۔ کچھ اسی قسم کے حالات حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ کی ذاتِ کرامی میں بھی زمانہ وصال سے قبل نظر آتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ حضرت عارفِ رومی قدس سرہ کے فلسفہ تصوف کو اس آخری دور میں جس حد تک آنجناب نے سمجھا اور سمجھایا مشائخِ کرام میں اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ اور حضرت قطبِ العالم گنگوہی کی ذات سے تو آنجناب کو ایک خصوصی نسبت ہے۔ آنجناب کے جدِ امجد حضرت میراں شاہ قادر قمیص قدس سرہ کی حضرت قطبِ العالم گنگوہی سے نسبت اور استفادہ کے واقعات تفصیلاً اسی کتاب کے پہلے باب میں ناظرینِ کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔

بہر حال اس عجیب و غریب کیفیت کا درود حضرت قبلہ عالم قدس سرہ پر ۱۹۳۲-۳۳ء میں ہوا۔ اور ۱۹۳۵-۳۶ء تک انتہا کو پہنچ گیا۔ پہلے نماز کے لیے مسجد کا جانا متعذر ہوا۔ پھر بستر پر نماز پڑھنے لگے۔ پھر اشاروں سے نماز ادا ہونے لگی اور آخر اشاروں سے بھی معذوری ہو گئی اور کمالِ استغراق کی کیفیت رہنے لگی۔ ایک روز صبح میں اگر علماءِ آستانہ کو بولایا اور منہ مایا۔ مجھ سے اب نماز پوری طرح ادا نہیں ہو سکتی درمیان میں ہی رہ جاتی ہے۔ آپ صاحبان میرے معاملہ میں غور کر کے فتویٰ دیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ علماء حضرات ابدیدہ ہو کر چلے گئے۔ ایک روز پھر بولایا اور فرمایا مجھے آپ کے شرعی فتویٰ کی حاجت ہے۔ اگر نماز اشارہ سے بھی پڑھنا شروع کروں تو خواص و شعور جواب دے جاتے ہیں۔

استاد العلماء جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو خاموش رہے جب آپ نے دوبارہ یہی سوال فرمایا تو انہوں

نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو جانتے ہی ہیں کہ استغراق اور سکریں نماز نہیں ہوتی کیونکہ انسان مجبوراً مضطرب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ کفرًا لا یتوبہ اللہ تعالیٰ کس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلف بھی نہیں تھا تاہم یہ سن کر فرمایا جزاکم اللہ خیر الجزا۔ یہ چیز آپ کے کمال پابندی شریعت کی دلیل ہے کہ استغراق کامل میں بھی علماء دین کا شرعی حکم حاصل کرنا ضروری سمجھا جس میں اصحابِ سلیم انھو اس تدبیران جذب کے لیے بڑا سبق ہے۔

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ أَوْ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ كَابَاطْنِي مَدْلُول

جناب مولیٰ سنا محمد غازی صاحب عالم بھی تھے اور عارف بھی۔ لاکھ بڑا اللہ وَاَنْتُمْ سُكَارَىٰ کے ساتھ ہر معانی کے علاوہ علم اعتبار کے ماتحت اس فرمانِ نبی کے باطنی مدلول پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے۔ بھلا پچاس برس اس پائے کے ایک مقبولِ خدا کی جلو میں رہ کر عالمِ شاہدہ کے سکری کی کیفیت اور ع

بخلوت کے منعم یاد دوست بے ادبی ست

کے تقاضوں سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے؟ اگرچہ ارباب تحقیق کے نزدیک شرابِ عشق و توحید کے مستوں کا مست م اور حکم اُممِ انجیبات کے نشہ اور مدہوشی کے احکام سے کہیں مختلف اور بلند و بالا ہے مگر قویٰ حسیہ کا تعطل دونوں میں قدر مشترک ہے اور اسی وجہ سے شرعاً جس طرح مجنون غیر مکلف ہے ویسے ہی مجذب صاحب سکری بھی پابندی احکام سے آزاد ہے۔ صاحب جذب و استغراق یوں بھی هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ کے باطنی مفہوم کی بنا پر بوقت نماز ہی میں ہوئے

مَلَتْ عَشَقَ از ہمہ ملت جداست

عاشقان را مذہب و ملت جداست

عرض و معروض کی کیفیات

ابتداء میں جب حالتِ صحو کے وقفے طویل ہوتے تھے۔ حاضر ہونے والوں کی معروضات سن کر ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمادیا کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ صاحب خاص جناب مولوی محبوب عالم صاحب عرض کرتے حضورِ فلاں صاحب حاضر ہیں۔ ان کے مقصد کے لیے دُعا فرمائیے۔ اور یہ کہہ کر خود دُعا مانگ کر بلند آواز سے آمین کہتے اور حضرت بھی آمین فرمادیتے۔ بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ صاحب حاجت کچھ عرض کرتا آپ اُسی محلے کو دُعا دیتے اور اُس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ چنانچہ ایک شخص کو ناف کی تکلیف تھی جسے اس علاقے میں گھن کہتے ہیں۔ اُس نے حاضر ہو کر عرض کیا: گھن والکھ دیو یک تعویذ: یعنی گھن کا ایک تعویذ لکھ دیجئے۔ آپ نے تین دفعہ یہی الفاظ دُعا کر دم فرمادیا اور وہ شخص فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اسی طرح سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) ذاتوں کے در میں مبتلا تھے۔ حاضر ہو کر عرض کیا: ڈاڈھی پیر ہے۔ یعنی سخت درد ہے۔ حضرت نے ڈاڈھی پیر ہے کے الفاظ تین دفعہ فرما کر دم کر دیا تو درد جاتا رہا۔

گَفَّتْ اَوْ كَفَّتْ اللہ بود گرچہ از خلق موم عبد اللہ بود

(اُس کا کہا ہوا اللہ کے کہنے ہوئے کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے خلق سے ادا ہوتا ہے)

مجاذیب اور اہل سکری کی کثرت حاضری

زمانہ استغراق میں ارباب سلوک اور صاحب منزل حضرات عظمیٰ مقامات کے لیے دُور دُور سے کھینچے چلے آتے تھے۔ ان میں مجاذیب اور اہل سکری کی کثرت ہوتی تھی۔ بیشتر حضرات حجرہ شریف میں جو عشق آباد کے نام سے مشہور ہو گیا تھا داخل ہو کر پنگ کی پانیتی کو بوسہ دیتے۔ کچھ دیر چپ چاپ آپ کو دیکھتے رہتے۔ اور پھر خود ہی دُعا مانگ کر رخصت ہو جاتے۔ بستر مبارک پر باریک جالی کی چھڑانی لگی ہوتی تھی۔ اور جبین مبارک سے عرفان الہی کی تجلیات کا عکس اس میں سے چھن چھن کر آ رہا ہوتا تھا۔ نہ سوال ہوتا تھا نہ جواب ہے۔

اے لقاے تو جواب ہم سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
(اے محبوب! تیرا دیدار ہی ہر سوال کا جواب ہے، تجھے دیکھ لینے سے ہی کچھ کہے نئے بغیر ہر مشکل حل ہو جاتی ہے)

گمشدگی سایہ کی اطلاع

حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاول پور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ حضرت کے ابتدائے استغراق کے زمانہ میں ایک روز میں ایک غیر معروف راستہ سے جامعہ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک سنسان گلی میں ایک مجذوب لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے اچانک سر اٹھا کر مجھے مخاطب کر کے کہا: مولوی جی، تمہارے پیر کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا حضرت کی طبع مبارک آج کل کچھ ناساز ہے۔ کہنے لگا: تمہارا پیر مگر کرتا ہے۔ دراصل اُس کا سایہ گم ہو گیا ہے۔ اور اس بات کو چھپانے کے لیے وہ چار پائی لے کر حجرہ میں پڑ گیا ہے۔ بیماری وغیرہ کچھ نہیں۔ "مقام فنا فی الرسول" پر فائز ہونے والے حضرات کے لیے ایسے آثار کا پایا جانا کچھ مستبعد نہیں ہے۔

بسیار دیدہ ام کہیکے را دو کرد تیغ

تلوار عشق ہیں کہ دو کس را یکے کند (حافظ)

(میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار ایک چیز کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ لیکن تلوار عشق کا

تماشہ دیکھو کہ دو کو ملا کر ایک کر دیتی ہے۔

"تفریح الخاطر" کے مقدمہ میں حضرت بلالؓ اور

حضرت اویسؓ قرنی کے بے سایہ ہو جانے کے متعلق بھی ثبوت ملتا ہے۔

تیسری فصل

کوائف وصال

[اس فصل میں حضرت کے استغراق، علالت اور وصال سے متعلق جو حالات بیان کیے گئے ہیں، انہیں پیشتر مولوی عبدالرحمن صاحب، بنگو ضلع کیسل پور کے تحریر کردہ ان حالات سے حاصل کیا گیا ہے جو رسالہ منادی دہلی میں وصال کے کچھ عرصہ بعد شائع ہوئے تھے۔]

مقبولانِ خدا کے وصال کی باطنی کیفیات تو صاحبِ حال لوگ ہی جان سکتے اور بیان کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف وہ واقعات درج کیے جاتے ہیں جو اس عالم اسباب میں آپ کے وصال سے کچھ عرصہ قبل ظہور میں آئے۔

ابتداءً تعمیرِ حال میں حضرت نے اپنے نفسِ زکیہ کو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ میں ڈال کر خود کو ترکِ غذا کا عادی بنا لیا تھا۔ رفتہ رفتہ معدہ غذا سے غیر مانوس ہو کر لطیف اور نازک ہو گیا۔ چنانچہ آخری عمر میں تقاضائے بشری کے تحت اور طبی نقطہ نگاہ سے جب جسمانی طاقت کے تحفظ کے لیے ادویات کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے قلیل استعمال سے ہی مستقل طور پر دورہ چھکی (فواق القلب) لاحق ہو گیا۔ اس کے بعد ایک ایسا مرض عارض ہوا جس کی تشخیص سے حکمتِ یونانی اور اکثری فن کے ماہرین عاجز ہو گئے۔ اس نامعلوم کیفیت مرض کی وجہ سے جسمِ مبارک کمزور سے کمزور ہوتا چلا گیا یوں تو تقریباً دس برس تک تکالیف رہیں لیکن چار پانچ سال تک تو حضرت مسلسل صاحبِ فراش رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرتِ حضرت کے مجاہد اور معتدین کو آنے والی بلا سے جبرِ دستِ اقبال کا ٹکڑا بننا ہی ہے چھکی کے شدید دورہ اور دیگر تکالیف کی شدت کے باوجود حاضرِ آستانہ ہونے والے تمام زائرین کو حسبِ معمول سابقہ اوقاتِ مقررہ پر باریابی کا شرف بخش کر فردا فردا تسلی بخش جوابات اور اطمینان دہ دعاؤں سے فیض یاب فرماتے رہے اور کسی کو توجہ سے کبھی محروم نہ رکھا۔ دریائے فیضانِ شدید سے شدید تکلیف میں بھی جاری رہا۔

خلقِ خدا کی ہر حال میں حضرت کے مدِ نظر رہی۔ اگرچہ حضرت بالوہی صاحب مدظلہ العالی کو عرصہ سے ارشاد و ہدایت کے لیے مجاز و مأمور فرما چکے تھے اور حضرت بالوہی بھی وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت و مجبوری متناہی اہل طلبِ خدا کو مستغیض فرماتے رہتے تھے۔ تاہم شفقتِ کاملہ اور بہت عالیہ کی بنا پر سلسلہ ارشاد کو آخر وقت تک رسوائے علالت کے ایک دو مواقع کے خود بذاتِ اقدس انجام فرماتے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت بالوہی احتراماً، اور شیخِ کامل کے مقامِ طریقت کی نگہداشت کے باعث بیعت کرنے سے حتی الوسع اجتناب فرماتے تھے۔

عالمِ استغراق میں ایک دعا کی تلقین

تقریباً دو لاکھ سال تک استغراق اور محویت کی حالت طاری رہی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ جنابِ مولوی محبوب عالم

صاحب زائرین کے معروضات کو متعدد مرتبہ پیش کرتے تب آپ کسی وظیفہ کے ارشاد یا دعا سے مستفید فرماتے۔ راقم الحروف نے حضور کی زبان فیض ترجمان سے یہ دعا سنی ہے :-

اللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ
اُمُورِنَا بِالْخَيْرِ حُضْرَتِ سَيِّدِ الْاَكْبَرَارِ
الہی ہمارا آغاز خیر پر کیجیے اور خاتمہ خیر پر کیجیے اور ہماری عاقبت
امور کو بہتر بنائیے بقصدق حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم۔
عالم استغراق میں کبھی کبھی تکلم کی طرف بھی رجوع فرماتے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی۔
البتہ صبح کی طرف رجوع فرمانے اور پھر اعادہ استغراق کے وقت نسبتاً زیادہ شدت کی تکلیف محسوس فرماتے جس کی
اصلیت صرف سیاحان منازل طریقت و ساکنان حریم حقیقت ہی جانتے ہوں گے۔ ہم مجھو بان اسافل تنزلات کو کیا معلوم
ہاں اتنا مومن سا خیال آتا ہے کہ ارواح مقدسہ کو نفقات بشریت سے تعلقات منقطع کر کے پرواز حقیقت میں نزع کی سی
کیفیت محسوس ہوتی ہوگی۔ واللہ اعلم

سُورَةُ يُوسُفَ کی تلاوت میں چار رقت انگیز مقامات

ایک دفعہ صبح کی کیفیت میں حضرت نے مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم کو یاد فرما کر سُورَةُ يُوسُفَ سنانے
کے لیے ارشاد فرمایا۔ دوران تلاوت چار مقامات پر حضرت آبدیدہ ہو گئے۔ ان میں سے پہلا مقام وَمَا اُبْرِيْ نَفْسِيْ
اور دوسرا مَمْلَا تَثْرِيبَ عَلَيَّ كَمَا الْيَوْمَ تھا۔ باقی دو مقامات راقم الحروف کو یاد نہیں رہے۔ ایک دفعہ حضرت
نے صبح کی طرف رجوع فرمایا تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے مجھ شریف (عشق آباد) کے دروازے کھلوائے تاکہ تمام حاضرین
مشاہدہ فیضان سے مستفیض ہو سکیں۔ راقم الحروف کو یاد نہیں کہ اس موقع پر سُورَةُ يُوسُفَ استماع فرمائی تھی یا سُورَةُ مَرْيَمَ۔
بعد استماع دعا کے لیے دست مبارک بارگاہ رب العالی میں اٹھائے تو حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے حاضرین۔ غائبین۔
متوسلین وغیر متوسلین غرض سب اُمت مرحومہ کے لیے دعا کی استدعا فرمائی۔

آئندہ عرس پر صبح کی طرف رجوع کا وعدہ

ایک دفعہ جب صبح ہوا تو گیارہویں شریف کا عرس غوثیہ قریب تھا حضرت بابو جی نے عرض کیا کہ عرس شریف قریب
ہے اور خلق خدا دور دور سے عرس میں شرکت اور حضور کی زیارت کے لیے حاضر ہوگی۔ براہ کرم وعدہ فرمادیں کہ ان ایام
میں صبح کی طرف رجوع فرمائے رکھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وعدہ وفا ہوگا۔ چنانچہ گیارہ ربیع الثانی
کے روز صبح سویرے آپ نے حسب وعدہ رجوع فرمایا۔

”ہمارے جیویں پھلاں تھیں حق تیویں سنسار کنوں“

اُس روز صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی حاضر ہوئے تو حضرت (احسن تقویم کے مطابق زینت ظاہری ہیں)
چنبیلی کے پھولوں کا ہار پہنے تشریف فرما تھے۔ آپ کی طبع لطیف کو پھولوں کے ساتھ خاص اُلفت تھی۔ اس موقع پر
معتد المرسلات ملک سلطان محمود صاحب کی زبانی سنا ہوا حضرت کا ایک مصرعہ یاد آ گیا ہے۔

ع "بہار ڈسے جیویں پچلاں تھیں حق تیویں سنسار کنوں"

یعنی جس طرح پھولوں سے بہار نظر آتی ہے اسی طرح جہان سے حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ہار نہیں جیت ہے

صاحب زادہ سعد اللہ صاحب سیالوی کے بھائی صاحب زادہ عبداللہ صاحب نے ازراہ انبساط عرض کیا کہ آج تو آپ ہار پہنے بیٹھے ہیں متبسم ہو کر فرمایا کہ ہار نہیں جیت ہے :

اچھا یار! میں وعدہ کرناں

قاضی نور عالم صاحب خوشنویس بیان کرتے ہیں کہ اُس روز حضرت نے عرس کے انتظام کی خوش اسلوبی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا تو بالوچی مدظلہ العالی نے شکریہ ادا کر کے عرض کیا کہ وعدہ فرمائیے کہ ہمیشہ آپ کے زیر سایہ ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بہتر انتظام رہے گا۔ فرمایا۔ جس طرح منظور خدا ہوگا۔ مگر حضرت بالوچی کے پختہ وعدہ کے اصرار پر فرمایا۔ اچھا یار! میں وعدہ کرناں (یعنی وعدہ کرتا ہوں) پھر ایک ارادت مند نے عرض کیا کہ ہم فریدوں پر بھی ہمیشہ سایہ رہے۔ فرمایا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ پھر محلِ شہر شریف کے وقت حضرت کے لیے مسند مقدس بالا خانے پر لگائی گئی۔ قوالوں نے آپ کی اپنی شہور و مقبول نعت آج سک متراں دی ودھیری اسے پڑھنی شروع کی جب اس مصرع پر پہنچے :

اوپا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن جو حمر اوادی سن کریاں

تو فطرت شوق سے آبدیدہ ہو گئے۔ عشا کے وقت راقم الحروف بھی حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت حضرت نے قصیدہ ابن الفارض کے یہ اشعار ذوقیہ زبان فیض بیان سے پڑھے :

سَائِقَ الْأَطْعَانِ يَطْوِي الْبَيْدَ هُجْنُ
مُنْعِمًا عَدِجَ عَلَى كُثْبَابِ هُجْنِ
لَسْتُ أَلْسِنِي بِالشَّنَائَا فَكُلُّهَا
كُلُّ مَنْ فِي الْحَيِّ أَسْرَى فِي يَدَيْ

پھر ان اشعار کا اپنا فرمایا تو اپنجابی ترجمہ ترجم سے پڑھتے رہے :

سار باناں مہرباناں راہیا	شالا جیویں خیمہ تھیوی ماہیا
اگھیں جاناں پاریاں دل جاناں	گوہڑے تیناں والیاں ستانیاں
بن تساڈے ہک گھڑی سو سال دی	بہہ ٹھکانے پتی تساڈے بھال دی
لاپریاں دے کے لارے اوہ گئے	اوہ گئے اوہ دل دے پیارے اوہ گئے
سارا عالم صدقے اکھاں بول توں	داراں سریں اُس نوکھڑے ڈھول توں
بُجلدے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے	بول ساناں یار روہی رولدے

اس کے بعد آپ اپنے شیخِ محترم حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر وادی حمر میں عشاقی سنتوں کے ذکر پڑھنے پر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاشاذ مخاطب کے شرف سے سرفراز فرمانے کا ذکر فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا : آل رسول کو میری سنت ترک نہیں کرنا چاہیے :

صاحبزادی کون؟ صاحبزادہ کون؟ آپ کون؟

حضرت کے عالم استغراق کا ایک واقعہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب بڑی ہمشیرہ صاحبہ بغرض زیارت حاضر ہوئیں۔ فرمایا کون ہو؟ عرض کیا غلام محمد الدین کی ہمشیرہ۔ فرمایا غلام محمد الدین کون ہے؟ عرض کیا آپ کا فرزند۔ فرمایا آپ کون ہیں؟ عرض کیا مائی صاحبہ کی ہر عرض پر اسی قسم کا جواب فرمایا۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ حضرت کے بھتیجے سید عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دانتوں کے درد میں مبتلا ہوا۔ کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دم فرمانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا۔ سید عبدالقادر۔ ارشاد ہوا کون عبدالقادر؟ عرض کیا گیا آپ کے برادر سید محمود شاہ صاحب کے فرزند۔ فرمایا۔ کون محمود شاہ؟ یہ سن کر میں واپس آ گیا۔ بعد میں ایک راجا چانک اس طرف توجہ فرمائی اور حافظ سراج دین صاحب کو بھیجا کہ جا کر سید عبدالقادر سے کہو کہ فلاں آیت سات دفعہ پڑھ کر دم کر لے۔ چنانچہ اطلاع ملنے پر صرف تین مرتبہ آیت پڑھنے کے بعد یہ پُرانی تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔

تجدید بیعت ارشاد

ایک دفعہ صبح میں ہوئے تو لوگوں میں شور برپا ہوا کہ آپ بفضلہ بالکل خیریت سے ہیں اور باتیں فرما رہے ہیں۔ خود بابو جی فرماتے ہیں کہ میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ بالکل پہلے وقتوں کی طرح علمی مباحث جاری ہیں۔ مختلف کتب علوم کی عبارتیں نوک زبان سے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے تجدید بیعت کی استدعا کی جسے قبول فرمایا اور کافی دیر تک مختلف باتوں میں گفتگو فرماتے رہے۔ (بابو جی نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شرف بیعت متعدد دفعہ حاصل کیا ہے۔) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا لیکن لحظہ بہ لحظہ حالت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا رہا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ سب کچھ ہماری تسلی کے لیے ہی نہ ہو اور یہ الوداعی ملاقات ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس کیفیت پر استقرار مشکل ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ آپ پر پھر وہی کیفیت استغراق طاری ہو گئی ہے۔

ایک مدنی شیخ کی پیشین گوئی

حضرت بابو جی حضرت کے وصال کے متعلق ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۹۲۹ء میں پہلی مرتبہ حج پر گیا تو شیخ الجامعہ صاحب مرحوم بھی وہاں تھے ایک روز مسجد نبوی میں ایک دہلا پلا شخص عربی لباس پہنے آکر مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ پھر لمبی سانس لے کر کہنے لگا کہ ۱۹۳۷ء میں ایک بہت بڑا انقلاب آئے گا۔ بابو جی فرماتے ہیں کہ اُس وقت میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ غالباً یہ حضرت کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ اُس شخص نے بہت کے لفظ کو نہایت لمبا کر کے کہا تھا۔ اس لیے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ظاہری اور باطنی انقلاب ہوگا۔ بندہ مؤلف نے عرض کیا کہ حذور فی الحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو حضرت کا انتقال ہوا۔ اور ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء کو جب کہ آپ کا جسم اظہر پُر مزار ہو رہا تھا، تو ایدور ڈشتم نے تخت و تاج چھوڑ دیا اور اُن کی جگہ جارج ششم نے لی۔ اس کے تھوڑا سا بعد دوسری جنگ عظیم اور آزادی ہند وغیرہ کے انقلابات بھی رونما ہوئے۔

کیفیت وصال کا واقعہ

مارچ ۱۹۳۷ء میں حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ نے متعدد مرتبہ سورہ یسین، سورہ یوسف، سورہ لقمان، سورہ نمل، سورہ مستغاث شریف، سلسلہ شریف مشائخ کرام، درود کبریت احمد اور دُعا کے کبیر مولینا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب جامعہ سے استماع فرما کر حاضرین، غیر حاضرین، متوسلین، غیر متوسلین اور تمام اُمت مرحوم کے لیے بارگاہ رب العزت میں دُعا فرمائی۔ سن وصال کے ماہ محرم میں زائرین کی تعداد بتدریج بڑھتی گئی، حتیٰ کہ چھ سات سو یومیہ تک پہنچ گئی۔ ماہ صفر میں حضرت کو زکام اور میعاد ہی بخار کا عارضہ لاحق ہوا جس سے بالآخر مالوس کن اثرات کا ظہور ہوا۔ آخری تین روزہ کیفیت رہی کہ بار بار دست حق پرست دُعا کے لیے اُٹھاتے۔ پھر اپنے چہرہ مبارک کے سامنے تک لے جاتے کبھی صفحہ پیشانی تک انگلیاں پہنچاتے۔ اس کے علاوہ مکمل سکوت کبھی کبھی نیاز مست۔ اس کی بار بار کی التجا پر چشم حق میں دُعا فرماتے۔

۱۵ یوم شنبہ ۲۹ صفر

یوم شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کی صبح کو نبض کی یہ حالت تھی کہ دابنے ہاتھ کی نبض رُک رُک کر چلتی تھی۔ اور بائیں طرف یعنی قلب مبارک کی طرف کی نبض سب معمول جاری تھی۔ پھر پھر پہلے ۹۵ ہو کر پھر ۹۸ ہو گیا۔ گیارہ بجے حضرت کو مسند لگا کر تھوڑی دیر کے لیے بٹھایا گیا۔ پھر ٹاکر حسب دستور سر پر لگایا گیا۔ بوقت عصر ساڑھے پانچ بجے دونوں ہاتھ اٹھا کر اشارہ فرمایا جس کی تعمیل میں آپ کو سہار دے کر اُٹھایا گیا اور آپ تکیہ پر سہارا لیے بغیر سیدھے بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت نے اپنی گردن مبارک کو ذرا سا ایک طرف جھکا کر تبسم فرمایا جس کے تاثرات اور تویات کی کچھ تفصیل حضرت کے ایک دیرینہ مرید حاجی محمد خدا بخش ٹوانہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے جو اس وقت حاضر خدمت تھے۔ اُن کا بیان درج ذیل ہے :-

مستحیا، نیاز

میں بنگ مبارک کی پائنتی کی طرف حسرت و یاس میں رُخ انور پر نظر جمائے بیٹھا تھا اور درود شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں تبسم فرمایا اور میرے قلب و نظر کی گہرائیوں میں بھی کوند گئی۔ اس دن نواز اور ایمان افروز یسینی تبسم میں مست، حیا اور نیاز کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ بے ساختہ زبان پر سبحان اللہ کا ورد جاری ہو گیا اور اُس وقت پردہ تصور پر قہر مختلف مناظر کے نقوش ابھر آئے۔ (اولاً) قرآن مجید کی وہ بشارت یاد آئی جس کی تفسیر خود حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کی زبان مبارک سے گھوٹ ضلع ملتان کی ایک مجلس میں سُنی گئی تھی۔

بے شک جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا پروردگار ہے اور اس بات پر ثابت قدم رہے اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں جو کہتے ہیں مت خوف کرو اور مت غم کھاؤ اور بشارت سنو اس جنت

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۚ خُذْ أُولَئِكَ

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَذَكَّرَ فِيهَا مَا تَشْتَهُى أَنْفُسُكُمْ وَذَكَّرَ فِيهَا مَاتَدَّ عُنُونٌ ۚ نُّزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝ (لحم السجده آیات ۳۰ تا ۳۲)

کی جس کا تم سے یاد کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور وہاں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی تمہارے جی خواہش کریں اور جو کچھ تم مانگو اللہ غفور رحیم کی مہمانی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت ملائکہ رحمت اور مشائخ عظام کی ارواح طیبہ ارغمان بشارت نچھاور کر رہے ہیں۔ آپ کو مسرت ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی مثنوی شریف کا وہ سبق یاد آ گیا جب حضرت یہ شعر پڑھتے تھے۔

أَذْكُرُ وَاللَّهِ كَارِهُرَ أَوْ بَاشِ نَيْتِ اِرْجَعِي بِرِيسَ هَرَقْلَاشِ نَيْتِ

تو ہر او باش نیت پر ایک عجیب ادا سے ہاتھ اٹھا کر جھٹک دیتے تھے

(ثانیاً) جیسا کہ ضمن میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مائیں اور سہیلیاں کسی دامن کو بنا سجا کر دُور شوق میں بلائیں لے ہی ہوں اور وہ لجا کر مسکرا رہی ہو۔

اور (ثالثاً) نیاز۔ گویا حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حضرت کو عالم ناسوت کی کامیاب زندگی پر شاباش اور مبارک باد دے رہے ہیں اور آپ اپنے عجز و نیاز کا تحفہ پیش کر کے عرض گزار ہیں کہ یہ سب حضور کا ہی صدقہ ہے۔

ساتھ ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت کا دائمی عجز و نیاز یاد آ گیا۔ عادت مبارک تھی کہ جب کسی اہل ذکر اراد مند کو سلسلہ شریف کی اجازت عطا فرماتے تو اپنے اسم گرامی کے سامنے اپنے قلم مبارک سے یہ الف ناطقہ تحریر فرمادیتے۔ الہی بعجز و نیاز مہر علی شاہ عاقبت فلاں محمود گرداں۔

اسم ذات کی برق انکیر، طویل اور عمیق گونج

تھوڑی دیر کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز کو آپ کے اشارہ پر لٹا دیا گیا۔ ملک سلطان محمود صاحب معتمد صیغہ مرسلات جو اُس وقت خدمت عالیہ میں حاضر تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے دست راست کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ رُک رُک کر جلتی تھی لیکن بائیں ہاتھ کی نبض پوری طرح جاری تھی۔ بعد ازاں شاہباز اوج روحانیت نے اسم ذات شریف اللہ ایک دفعہ ہی آہستہ مگر ایسی طویل اور عمیق آوازیں زبان شوق اور قلب عرفان سے ادا فرمایا کہ اس کی گونج آپ کے دماغ عالی سے لے کر قدم مبارک کے ناخنوں تک سارے بدن اطہر میں رگ وریشہ اور سینہ مجلی کی وسیع گھائیوں میں پھیل گئی۔ اُس وقت ایک صاحب مسمیٰ کرم شاہ قریشی سکند غوث پور قریشیاں ضلع ملتان حضور کے قدم مبارک دبا رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ قدم مبارک میں بجلی کی کرنٹ سی محسوس ہوئی اور میرے ہاتھ اٹھ گئے۔ یہ کیفیت عالم نمود کی الوداعی جھلک تھی جس میں آن مجتہد نورانیت سلطان الواصلین نے قاصد محبوب حقیقی، داعی وصال کارو حسی لبیک سے خیر مقدم فرمایا۔ ہمارا نمود نے نمود بہار سے منتقل ہو کر چمنستان برزخ اعلیٰ کی طرف توجہ منعطف کی اور مظہر نمود صحیفہ رُخ النور پر زعفرانی رنگ مشاہدہ ہوا چہرہ مبارک کیف وصال سے مجتہد نیاز نظر آیا۔ پھر دوبارہ متوسلین کو الوداعی تلقین میں اسی طرح اسم ذات شریف کا اعادہ فرما کر رُوقبلہ ہو گئے۔

صورت از بے صورتی آمد برون باز شدنا الیہ راجعون (رؤی)

جب قاری مولیٰ ناعلام محمد صاحب مرحوم خطیب نے پیشانی مبارک کو الوداعی بوسہ دیا تو خدام کی یہ حالت تھی کہ کوئی بے ہوش گم گم تھا۔ کوئی بیچ رہا تھا، کوئی نقش دیوار سکوت حیرت۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت بابو جی دامت برکاتہم کا حوصلہ اور ضبط اس وقت توفیق الہی سے عملی صورت میں نمودار نہ ہوتا تو اس صدمہ جانکاہ سے حاضرین کا وہ شہر ہوتا کہ لوازم تجہیز و تکفین بمشکل ہی سرانجام پاسکتے۔

حضرت بابو جی صاحب عین وصال کے وقت اس کمرہ میں موجود نہ تھے۔ نیچے مہمان خانہ میں ملک سلطان محمود صاحب کے کمرہ میں تشریف فرما تھے اور بار بار آدمی بھیج کر خبر منگوا رہے تھے۔ خاندان چشت اہل بہشت میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے، جیسا کہ کتب مقدسہ بہشت بہشت وغیرہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور ان سے پہلی کتابوں میں بھی کہیں اشارات ملتے ہیں شیخ کریم کے وصال کے وقت نعمت کبریٰ اور عظمت کا وارث پاس نہیں ہوتا۔ اور یسنت اس سلسلہ شریف میں سلسل علی آرہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابو جی مدظلہ کا اپنے عظیم المال اور شفیق والد قدس سرہ سے حقیقی نیاز ایک باخلاص مرید کی حیثیت سے بھی تعلق کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ چنانچہ جب کبھی حضرت کو شدت کی جسمانی تکلیف ہوتی تو وہ تاثیر احساس اور وفور الم کی بنا پر اس تکلیف کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت بابو جی نے کمال ضبط و حوصلہ سے تجہیز و تکفین کا مناسب ترین انتظام کرایا اور بجائے وصال پر پہنچ کر غمزدہ حاضرین کو اپنے تسلی بخش کلمات سے صبر کی تلقین فرمائی۔ یہ بلاشبہ توفیق ربانی سے ممکن ہوا اور نہ آپ کے حساس اور مغموم قلب سے ایسے نازک وقت پر اتنے حوصلے سے سعی عمل کی کسی کو امید نظر نہ آتی تھی۔

سجادہ نشین اور مشائخ کرام کو اور ان خلیصین کو جن سے نماز جنازہ میں شرکت کی توقع ہو سکتی تھی برقی پیغامات ارسال کیے گئے۔ یہی تعلیقیں و متوسلین خود حضور صاحب الوصال قدس سرہ کی روحانی کشش کے باعث اور بعض دوسرے سعادت مند حضرات رویائے صاد قد کے ذریعہ شرکت نماز جنازہ کی نعمت سے مستفیض ہوئے۔ چنانچہ مزار اقدس کے پہلے محبت اور صوفی غلام سرور صاحب ساکن پوٹھی تھانہ مندرہ منقطع راہ لینڈی کو حضرت نے وصال سے ایک روز پہلے خواب میں فرمایا کہ آج ہم بہت خوش ہیں کیونکہ کل بارگاہ رب العزت اور رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر رہے ہیں۔

مستورات کے اوپلا چہین مبارک پر انقباض

حضرت کے جسد اطہر کو شرعی غسل دے کر آخری زیارت جسمانی کے لیے اہل بیت شریف کے پاس پہلے حرم ہر اسے میں پہنچایا گیا بعض مستورات سے جو اس وقت حاضر تھیں سنا گیا ہے کہ باہر سے آنے والی کچھ مستورات نے حسب عادت اوپلا وغیرہ شرف کر دیا جس سے چہرہ مبارک پر ناہنگی کا تاثر پیشانی کے انقباض کی صورت میں ظاہر ہوا جب وہ اوپلا بند کر لیا گیا تو یہ انقباض مسرت میں تبدیل ہو گیا۔

آخری زیارت، جنازہ اور تدفین

دوسرے دن بروز جمعہ یکم ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء ایک بجے سے چھ بجے شام تک حضرت کی چہ پائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں ایک اونچی بلکہ تخت پر رکھا گیا تاکہ زائرین آسانی جسد مقدس کی آخری

زیارت سے مستفیض ہو سکیں۔ بعد نماز عصر ساڑھے چھ بجے شام مولانا مولوی قاری غلام محمد صاحب مرحوم خطیب آستانہ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ایک اندازے کے مطابق جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ پونے دو لاکھ افراد شریک ہوئے جن میں غیر مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں شامل ہو کر سب سے پیچھے کی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔ وہ کہتے تھے آپ جگت گرو ہیں اہل حدیث حضرات بھی کافی تعداد میں شریک نماز ہوئے۔ اس موقع پر محکمہ ریلوے کی طرف سے سپیشل ٹرینیں چلانے کا انتظام کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسری تمام گاڑیوں پر بھی جہاں کہیں ریلوے والوں کو زائرین کا ہجوم اسٹیشنوں کے درمیان پیدل سفر کرتے ہوئے نظر آتا تو گاڑی کو روک کر انہیں سوار کر لیتے اور گولڑہ اسٹیشن پر اتار دیتے۔ اس طرح زائرین کی کثیر تعداد کو نماز جنازہ میں حاضری کا موقع نصیب ہو گیا۔

آٹھ بجے شام آل قبلہ رُوحانیت، محبوب الہی، تشریف فرمائے وطن اصلی عالم قدس ہوئے حضرت کا جسم اطہر مسجد کے جنوبی باغ میں اُس جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کے لیے حضرت نے بیماری کے دوران متعدد بار اظہارِ اشتیاق فرمایا تھا۔

یعنی عالم استغراق میں جناب مولانا محبوب عالم صاحب سے فرمایا کرتے تھے ”مجھے باغ میں لے چلو“ پھر فرماتے۔

”کب لے چلو گے؟“ اور اُس وقت خُدام اور حاضرین کی سمجھ میں نہ آتا کہ یہ کیا پیغام ہے۔ فیض،

حضرت کے مجبور متوسلین اب داغ مفارقت صوری کا ناقابلِ برداشت صدمہ اٹھا رہے ہیں مگر آپ کی یاد ہر وقت تازہ

ہے۔ اور فیوضِ روحانی کی بارش روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہرگز نہیں دُعا کہ دلش زندہ شد بعشق
جس کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرنے والا
ثبت است بر جسدِ عیدۂ عالم دوام ما
دفنِ عالم پر ہماری دائمی زندگی لکھ دی گئی ہے

چوتھی فصل

ملکی اخبارات و رسائل کے تراجم

حضرت کے اصال پر قریباً تمام ہم عصر مشائخ کرام نے اظہارِ تعزیت فرمایا۔ حضرت سید احمد عطاء صاحب مدنی تجاویہ نشینان صاحبزادگان دربارِ پائے پاک پتن شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، بسال شریف، میرا شریف و دربار حضرت موسیٰ پاک شہید غوث بہاؤ الحق صاحب ملتان، حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی، پیر جماعت علی شاہ صاحب و حافظ جماعت علی شاہ صاحب علی پوری اور متعدد دیگر حضرات خود تشریف لائے اور فاتحہ پڑھی۔ تعزیت ناموں کے انبارِ لاکھ گئے اور برصغیر کے اخبارات و رسائل نے تعزیتی مقالے شائع کیے، چونکہ ان تاثرات کی طرف توجہ بہت دیر سے کی گئی۔ اس لیے صرف چند ہی رسائل اور اخباروں کے اندراجات دستیاب ہو سکے ہیں۔ ورنہ اُس وقت غالباً اس وسیع برصغیر کا کوئی بھی ایسا رسالہ اور اخبار نہ ہو گا جس نے اس موضوع پر اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ حضرت کے وصال کے حالات پر ایک طویل مضمون حضورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کے تقاضا پر یہاں سے آستانہ عالیہ کے ایک موصولِ ولیک ناچہ الزمہن صاحب بنگوی نے ارسال کیا تھا جو خواجہ صاحب موصوف نے اپنے اخبارِ مٹنادی دہلی میں نمایاں طور پر شائع فرمایا تھا۔ اس باب کی تیسری فصل اسی مقالے کے افادات پر مشتمل ہے۔ چند دیگر اخبارات و رسائل کے جدیدہ چھپے اقتباسات درج ذیل ہیں :-

الخبیر المؤمن احمد شریف ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

صَوَّبُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

... حضرت علامہ پیر سید مر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ... جیسے شیخ کامل اور عالم باعمل کی رحلت عالم اسلامی کے لیے ناقابل تلافی صدمہ ہے خصوصاً اس لیے کہ سرزمین ہند میں اب ایسی جامع برکات اور بزرگ شخصیتیں پیدا نہیں ہوتیں کہ ایک طرف علوم اسلامی میں مقبول و مجتہدانہ شان نظر آئے اور دوسری طرف فیوض و برکات باطنی، مدارج و مراتب روحانی میں غیاثت یہ احمد رضا اعلیٰ صاحب مدظلہ کے ممتاز سادات کرام میں سے تھے اپنی زندگی میں ہم نبوی مجلس نظامیہ کے نائب صدر رہے۔ آپ کے والد بزرگوار ان کو کچھ عرصے میں مرنے والے تھے تو لڑائی کے خاتمہ پر چلے جانے کے بعد آپ کچھ عرصہ حالات زمانہ کی ہمدردی کی وجہ سے ملک سے باہر بہار و سندوستان میں بھی کچھ عرصہ قیام فرمایا یہاں گولڑہ شریفینہ مانڈوئیہ تھے تو حضرت کا اُس وقت زمانہ استغراق تھا ایک روز قیام کے بعد وہیں کا ٹھیکہ دار کشمیریت مل گئے وہاں احمد آباد میں تھے کہ ایک بات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آستین مبارک اونچا کیے ہیں جیسے مشورہ ماننے والا ہے انھوں نے عرض کیا کہ حضور پانی لاؤں! شاد ہو جائیں ہیں گولڑہ میں مشورہ کرنا گا وہاں مجھے دیگر انبیاء علیہ السلام کے ساتھ سید مر علی شاہ کا جنازہ پڑھنا ہے یہ سوکر اٹھے تو پیش ہوئے خواب اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا دوسرے روز اشجانات میں حضرت کے وصال کی خبر پڑھی اور کچھ عرصہ بعد غلامی تحریر کے لیے حاضر ہوئے۔ ان کی زندگی کے چند واقعات اس کتاب میں کچھ اور جگہوں پر بھی درج ہیں۔

۲۔ روزنامہ زمیں سدا لاہور۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

.... حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ مسند آرائے گولڑا شریف (ضلع راولپنڈی) مرحوم.... کے عقیدت کیشوں کی تعداد کئی لاکھ تک ہے۔ آپ ان مشائخ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے جو صاحب بصیرت و حقیقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی فاضل بالکمال تھے۔۔۔ ہم اس حادثہ جانکاہ کو سلسلہ چشتیہ کے لیے ناقابل تلافی صدمہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ بیعت ام سرحد سہری پور ہزارہ۔ ۱۷ مئی و ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

ہندوستان کا آفتاب علم و فضیلت غروب ہو گیا

.... حضرت صاحب مرحوم صوبہ سرحد و پنجاب و ہندوستان کے بہت بلند پایہ عالم، فاضل اور خاندان چشت کے بلند ترین بزرگ ہادی و رہنما تھے۔ بلحاظ علم و عمل آپ کی نظیر اور ہمسر ہندوستان بھر میں نہ تھا۔ آپ کی روحانی برکات سے ہزار پابندگان خدا ہندوستان، مصر، شام، افغانستان میں فیضیاب ہو چکے ہیں۔ جو آپ کے حلقہ عقیدت و ارادت و بیعت میں داخل ہو انقوتیت روحانی اُس کے ہم آغوش رہی۔ آپ کے چہرہ مبارک میں لمعات فیض تاباں رستے تھے۔ آپ کے دیدار سے دل کو کیف و سرور حاصل ہوتا تھا۔ آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔ مذاکرہ علمیہ و فن مناظرہ میں بلند پایہ تھے۔ مفسر تھے۔ محدث تھے۔ فقیہ تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔

حضرت کو علم لدنی حاصل تھا۔ اجتہاد کا رتبہ رکھتے تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات و انتقال پر ملاں سے طول و عرض ہندوستان میں قائم ہو رہا ہے۔ ایسی جلیل القدر مہستی کا دنیا سے اٹھ جانا ناک، قوم اور ملت کی بد نصیبی کا موجب خیال کیا جاتا ہے۔ آپ کے نورانی چہرہ میں ایک خاص ملاحظہ تھی جو کہ میں نے آج تک کسی فرد بشر میں نہیں دیکھی۔ وہ سب خوبیاں اور نیکیاں موجزن تھیں جو صحابہ کرام میں موجود رہتی تھیں۔ حضرت دنیا سے ناپائدار سے سفر اختیار کر گئے۔ مگر آپ کی نورانی شعاعیں آپ کی محترم اولاد اور مریدوں میں ابد تک چمکتی رہیں گی۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔۔۔۔۔

۴۔ روزنامہ وحدت۔ دہلی۔ ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا

.... حضرت پیر صاحب کا انتقال نہ صرف مسلمانان پنجاب بلکہ کل مسلمانان ہند کے لیے ایک غم انگیز حادثہ ہے۔ اُن کے انتقال سے ہندوستان کے مسلمان ایک ایسے عالم ربانی اور بزرگ مہستی سے محروم ہو گئے جو علم و فضل کا آفتاب اور پابندی شریعت ریاضت، عبادت الہی اور تقدیس ذاتی میں فی زمانہ اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت مرحوم کے علم و فضل کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالکافی صاحب مفتی اعظم کانپور (مرحوم)، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم، حضرت مولانا عبدالرحمن مہاجر کی آبادی، حضرت مولانا شاہ محمد غازی مہاجر کی مدرس مدرسہ صولتیہ وغیرہ جیسے علماء کرام آپ کے حلقہ مریدین میں شامل تھے۔۔۔ آپ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کے خلاف آواز اٹھائی اور

سیفِ چشتیائی جیسی مدلل و مبسوط کتاب تحریر فرما کر مسلمانانِ ہندوستان کو قادیانی عقائد سے آگاہ کیا اور ان کا رد فرمایا۔ قرآن مجید، قصیدہ ابنِ فارس، مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کا درس بھی دیا کرتے تھے اور حاضرینِ مجالس پر سوز و گداز و عشقِ الہی کی عجیب کیفیات روحانی طاری ہو جاتی تھیں لیکن اب تقریباً دس سال سے آپ نے تمام مشاغلِ علمی کو ترک کر دیا تھا اور ریاضتِ الہی و عبادتِ الہی کے سوا کسی اور طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔

۵۔ وزنامہ وحدتِ دہلی۔ ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت مرحوم کی ذاتِ گرامی منبعِ فیوض و کرم ہونے کے سبب اس زمانہ قحط الرجال میں مسلمانوں کے لیے موجبِ خیر و برکت تھی اس لیے روہیل کھنڈ علماء پوٹھیل کانفرنس کا یہ اجلاس آپ کے انتقال پر ملال کو ایک ناقابلِ تلافی قومی و مذہبی نقصان سمجھتا ہے۔

۶۔ ترجمانِ سرحدِ پشاور۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

... حضرت پیر صاحب عرصہ سے بے حد کمزور بلکہ عملاً صاحبِ فراش تھے۔ بہت بڑے پایہ کے عالم اور متقی بزرگ تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں ہے جو پنجاب و سرحد اور دوسرے صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات پر بے حد رنج و الم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

۷۔ وزنامہ سیاست لاہور۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۷ء

مولانا بہار الحق قاسمی کا بیان

... حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ دورِ حاضر کے اکابرِ علماء اور اعظمِ صالحین سے تھے۔ یوں تو آپ کو اکثر علومِ عقلیہ و نقلیہ میں تبحر حاصل تھا لیکن علمِ تصوف کے ساتھ خاص شغف اور طبعی لگاؤ تھا۔ بڑے بڑے علماء و صوفیاء، تصوف کے قائل و خواص کو صل کرانے، بلکہ تصوف کی دقیق کتابوں کو درسا پڑھنے کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ تدبر و وقار اور حکام سے استغناء آپ کے خاص اوصاف تھے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور تکفیر سے جتنے الوسع احراز فرماتے تھے۔ البتہ مرزا غلام احمد صاحب کی تکفیر کے باب میں علماء اسلام کے ہم نوا تھے۔ بلکہ مرزا آجہانی کی زندگی میں ان کے خلاف کلمہ حق کہنے والے بزرگوں میں حضرت پیر صاحب قدس سرہ کو خاص درجہ حاصل ہے۔ ان کے خلاف بعض الاجواب فاضلانہ اور کفر شکن تصنیفات آپ کی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ غرض حضرت کا وجود گرامی اس قحط الرجال میں نعمتاتِ روزگار سے تھا۔

۸۔ وزنامہ پیپہ اخبار لاہور۔ ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء

... لاکھوں بندگانِ خدا کو آپ کی ذات سے عقیدت کا فخر حاصل تھا۔ اس زمانہ کفر و الحاد میں آپ کا وجود مختصات سے تھا کیونکہ اس چشمہ فیض سے ہزاروں لاکھوں ارادت مندوں کو فیضانِ اور جسمانی برکات حاصل ہوئیں۔ آپ کا آستانہ عالی منبعِ فیوض تھا۔ دینیات کی تعلیم کا بھی انتظام موجود تھا۔ لنگر بھی جاری تھا۔ آپ کی ذات مقدس کے طفیل گورنر صاحبہ معمولی گاؤں کو

سارے ہندوستان میں شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کی وفات حسرت آیات سے طبقہ صوفیاء اور طبقہ علماء دونوں کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا ہے۔ عالم دین کی موت ایک جہان کی موت کا حکم رکھتی ہے۔ گولڑا کی سرزمین آج ایک باعمل درویش کامل اور صوفی بزرگ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئی ہے۔ ایسے بالکمال حضرات ہمیشہ پیدا نہیں ہوتے۔ سچ ہے ے

قرن ہا باید کہ تا صاحب نے پیدا شود بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن
نہ قرن میں دوسرا اویس قرنی پیدا ہوا نہ بسطام نے آج تک دوسرا بایزید پیدا کیا۔ گولڑا کو بھی دوسرے مہر علی شاہ کی ہمیشہ
آرزو باقی رہے گی لیکن سلسلہ موت و حیات لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو بخت نہیں۔ یہ دنیا و مافیہا
سب فانی ہیں ے

ہر آن کہ زاد بناچار بایدش نوشید ز جام دہر من علیہا فان

پانچویں فصل

شعرا و اہلکار کا اظہار عقیدت مرثیہ اور قطعہ تارخ و حصال

امیر شیریں کو حصال حضرت قبلہ عالم گوروی

حضرت شیخ محمد علی مدنی رفاہی رینی غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر محمد علی شاہ قدس العزیز
شیخ محمد علی مدنی رفاہی حضرت غوث الزماں قطب الاقطاب محبوب الشیخ سید پیر محمد علی شاہ قدس العزیز کا مرثیہ کہتے ہوئے
فرماتے ہیں :-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْبَاكَ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَكُنْهُ قَرِيبٌ ۝۱۳۵۷

۵۵ - ۳۲۰ - ۹۰ - ۶۶ - ۲۹۴ - ۳۱۲

لِفَقْدِ مِثْلِكَ مَهْرٌ عَلَى شَاةٍ تَبْكِي الْعُيُونُ وَلِعَزِيَّتِكَ الشَّرِيفُ قَدْ حَضَرَ الْمُحِبُّونُ
اے خواجہ مہر علی شاہ آپ صبی ذات کے گم ہونے پر آنھیں ہمیشہ راتی ہیں اور آپ کے عرس پر آپ کے پڑنے ماننے ہیں
لَقَدْ خَانَنَا فِيكَ هَذَا الزَّمَانُ فَلَا كَانَ هَذَا الزَّمَانُ الْخَوْنُ
آپ کے معاملہ میں اس زمانے نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا اب خدا کرے یہ دھوکے باز بھی نہ رہے
فَوَا أَسْفَى كَمْ سَهَرْتَ اللَّيْلَ إِلَى وَأَخْطَرْتَ بَدْرَ الْجَمَالِ الْمُصُونُ
آپ کی وفات پر افسوس ہے آپ نے کتنی راتیں بیداری میں گزاریں یا اور باری تعالیٰ کے جمال
مستتر کا راز ظاہر فرمایا۔

وَأَوْضَعْتَ لِلطَّالِبِينَ الْهُدَى وَبَيَّنْتَ لَهُمْ مَا يَجِبُ هَلُونُ
اور ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) اور وہ ہر چیز جس سے کہ وہ جاہل مطلق تھے
آپ واضح اور بیان فرماتے رہے

وَكَمْ رَدَدْتَ عَلَى الذَّاغِبِينَ أَهْلَ الْبِدْعِ وَالطَّلَالِ وَالْفُتُونُ
اور بدعتیوں اور گمراہوں کی اور فتنہ بازوں کی کس قدر آپ نے تردیدیں فرمائی ہیں
وَذَلِكَ لِتَضَرُّةِ هَذَا الدِّينِ وَلِكَنَّهُمْ حَقُّمْ لَا يَفْقَهُونُ
مذکورہ بالا تمام کا تمام محض اس دین کی مدد کی غرض سے تھا لیکن کیا جانتے کہ وہ ساری قوم ہی بے سمجھ ہے

سے یہ مرثیہ کی تارخ و نظم ہے۔

وَلَقَدْ رَمَقْنَا الْمُنُونِ بِسَهَامِهَا فَمَا أَخْطَأْتُكَ سَهَامُ الْمُنُونِ
یقیناً موت نے اپنے تیروں سے آپ کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا۔ پس وہ موت کے تیر نشانہ پر نیٹھے
ظَنَّاكَ لِنَفْعِ الْعِبَادِ تَبَقَّى فَنَابَتْ بِمَوْتِكَ تِلْكَ الظُّنُونِ
ہمارا گمان تھا کہ آپ کی ذات کریم بندوں کے فائدہ پہنچانے کے لیے زندہ رہے گی۔ مگر آپ کی اچانک
موت نے ہمارے تمام گمان غلط ٹھہرائے۔

أَرَدْنَا بَقَاءَكَ وَلَكِنَّا أَرَدْنَا مِنَ الدَّهْرِ مَا لَا يَكُونُ
خُذْ اِسْمِہم نے آپ کا زندہ رہنا مانگا تھا لیکن ہمارا یہ ارادہ حقیقتاً اس چیز کا ارادہ تھا جو سراسر نہ ہونے والی
ہو۔ لہذا ہم کامیاب بھی نہ ہوئے۔

إِنَّمَا سِرُّنَا بِقَوْلِهِ إِلَّا أَنْ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
یقیناً ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک نے خوش کیا ہے کہ اے لوگو! معلوم کر لو کہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی
خوف ہے اور نہ کسی قسم کا غم ہے۔

وَلَقَدْ تَرَكْتُ لَنَا سِرَاجًا مُضِيئًا فَكَمْ لَكُمْ مِنْ أَسْرَارٍ وَشُؤُنِ
اور بخدا آپ نے ہمارے نفع کے لیے ایک ایسا چمکتا روشن سورج چھوڑا کہ اس کے رازوں اور بھیدوں کی
انتہا کوئی معلوم نہیں کر سکتا یعنی اپنا جان شین فرزند ارجمند مدظلہ العالی

وَأَزْكَى صَلَوةٍ عَلَى النَّبِيِّ مَا هَبَّ رِيحٌ وَمَا لَتْ غُصُونُ
اور بہترین صلوٰۃ اور سلام خدا کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے ہیں جب تک کہ ہوائیں چلتی رہیں اور ٹہنیاں جھومتی رہیں
وَاعْفِرْ يَا رَبِّ لَنَا ظِلْمَهَا عَبِيدُكَ مُحَمَّدٌ عَلِيٌّ وَأَوْصِلْهُ صِدْقَةَ الْمَيْمُونِ
اے اللہ اپنے کترین بندہ یعنی اس مرثیہ کے شاعر محمد علی کو بخش دے اور بہت جلد اسے مدینہ مبارکہ میں پہنچا دے۔

۲۔ پروصال پر پلال حضرت قبلہ عالم گولر وی قدس سرہ

از قلم ابوالفضل مولانا مولوی کرم الدین صنام حرم دبیر مصنف تصانیف کثیرہ و مبلغ و مناظر اہل سنت و اجماع۔ مکتبہ بھین۔ ضلع جہلم

آسمان را حق بود گر خوں بسارد بر زمین
بر وفات پیسہ ما شاہنشاہ دنیا و دین
شد غروب آں مہر عالم تاب شد گیتی سیاہ
بر فلک گریاں ملائک جن و انس بر زمین
رخت بستہ زین سراچوں رفت در دار السلام
گفت رضوان خیر مقدم فادخلوها خالداً دین
خورد غلمان صف کشیدہ منتظر بہر جمال
طالب دیدار ارواح عباد الصالحین
جسم شد محبوب از مایک روح پاک او
ہر زمان نگران حال طالبان صادقین

باشد از بہر مریداں حضرت اقدس در بئر

روز محشر مثل جد خود شفیع المذنبین

۱۔ اس سے مراد آنجناب کے خلف صدق قبلہ باوجودی مدظلہ العالی کی ذات گرامی ہے۔

انجاء رہبر لپاورد مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۳۷ء

نوحۃ ثنات حسرت آیات قبلۃ عالم گولڑہ شریف قدس سرہ

از جناب مائل صدیقی لپاوردی

اللہ اللہ انقلاب چرخ کیس
 واسے ویلا چھپ گیا زیر زمین
 اٹھ گیا وہ شہ نشین عارفین
 اٹھ گیا افسوس وہ فرد و حید
 اٹھ گیا ماہر کلام اللہ کا
 آہ سونا ہو گیا بندوستان
 اٹھ گیا وہ مرد میدان عمل
 انتقتال خواجہ مہر علی
 مرگ عالم ایک عالم کی ہے موت
 کر گئی پرواز جب روح حضور
 بہر استقبال آئیں دوڑ کر
 گولڑہ کل تک جو تھا رشک جنات
 صدمہ جانکاہ ہے میرے لیے
 کیا کہوں کس سے کہوں کیونکر کہوں
 چشم گریاں جسم لرزاں ہوش گم
 تھے مرے استاد کے استاد وہ
 تھے تسلیم الطبع عالی حوصلہ
 حاضر و غائب سے تھا یکسر سلوک
 عالم و فاضل بھی تھے درویش بھی
 تھے نہایت نرم دل سادہ مزاج
 التجا ہے اب ہماری اے خدا
 ڈھانپ لے مرحوم کو رحمت تری

اٹھتے جاتے ہیں جہاں سے صاحبیں
 آسمان علم کا مہر نہیں
 اٹھ گیا وہ صدر بزم ساکین
 بزم اہل علم کا کرسی نشین
 کس سے پوچھیں رمز قرآن نہیں
 اٹھ گیا ہندوستان کا فخر دین
 خواجہ مہر علی سلطان دیں
 ہے نصیب بہر قوم مسلمین
 کم نہیں یہ حادثہ اُسے مسلمین
 چل بسی جب جانب خلد بریں
 جنت الفردوس سے حوران میں
 آج ہے ماتم کدہ وہ سرزمین
 کیوں نہ ہوں میں مضطرب اندوہیں
 مجھ پہ جو گذرا ہے صدمہ ہم نشین
 دل پریشاں مضطرب جان حزیں
 پیرو مرشد راہنمائے راہ دیں
 فیض بخش و خندہ روروشن جہیں
 ظاہر و باطن میں تھے سب کے قریں
 صاحب عرفان رب العالمین
 تھے وہ اک تصویر سلف الصالحین
 رسم فرما بہر ختم المرسلین
 صبر دے ہم سب کو رب العالمین

مائل مخلص کو یار رب نصیب

عرصہ محشر میں قرب مخلصین

انجاء رہبر پشاور مورخیم جون ۱۹۳۷ء

وصال حزن مال پڑلال حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

بار شاہ حضرت مولائی اُستادی مولوی گل فقیر احمد صاحب پشاور

نتیجہ فکر جناب ماسٹر عبدالحق صاحب علوی شیخوپوری معلم مشن سکول پشاور

شب فراق تو تنہا نہ خان و مانم سوخت
یقین بدم کہ مرا روز وصل خواہد ماند
بلائے کُنہ ایں طس در آسمانم سوخت
فغان ز ابریکہ ریزد بہ دامنم خوں با
اماں ز برق تجستی کہ دیدگانم سوخت
قرار و صبر و تحمل نہ ماند در حسرت من
شرار آتش فرقت ہیں چنانم سوخت
سبک برفتی ز ما و سخن بسانہ زوی
ز رفتن تو چہاں جبر و لگوانم سوخت
ز ضبط گریہ پسندار آل کہ خاموشم
ز بس گر لیستتم درد ہاں ز بانم سوخت
عیان بسوختم و ہم نہاں نہانم سوخت
مرا نہ شیوہ ریا باشد و نہ اظہارم

شب فراق تو تنہا نہ خان و مانم سوخت

چہ روز وصل تو آمد کہ جان جانم سوخت

برفت مہر علی رُویش از جہاں پوشید
بروز سلخ صفر رخت سفر بر بستہ
جوار رحمت حق دامنًا جوارش باد
قیام منزل حضرت بے گوارش باد
فتادہ جفت بوصلش کہ ہر دو یارش باد
نشستہ برفرقش چتر تاجدارش باد
طواف کوچہ خواجہ اگر مدارش باد
بجویم نطفہ ایزد سر مزارش باد
بروج اقدس انوار چل ہزارش باد
بمید آنکہ نہ دامن تار تارش باد
ویل مغفرتش نزد حق سپارش باد
بر آنکہ نصیب فلک کو بکام او گردد
حشا بباردش انوار رحمت باری
ثواب ختم کلام و درود پیغمبر
مباد آنکہ گریبان خود نہ چاک کند
بر آنکہ معتقد خاک پائے آل باشد

شہا معاوضہ علوی ز تو نمی طلبد

غزان عقلت اور ابدل بہارش باد

ہفتہ وار رہبر پشاور جون ۱۹۳۷ء مطابق ربیع الاول ۱۳۵۶ء

نوائے غم

چشک بھنور قبلہ و کعبہ حضرت صاحبزادہ صاحب حب الارشاد اُستادی مولائی حضرت مولانا

گل فقیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد

بر فضال حضرت قبلہ عالم قطب قطاب سید السالکین زبدۃ العارفین حاجی سید مہر علی شاہ صاحب

چشتی قادری صدر نشین خانقاہ گولڑا شریف ضلع راولپنڈی پنجاب

(پیش کردہ جناب سید ضیاء جعفری قادری صدر دائرہ ادبیہ پشاور)

ساقیا امروز بے کیف است جام زندگی
مادر گیتی سیاه پوش است چوں شب تار
سر زمین گولڑا امروز ماتم حسانہ شد
مہر عالم تاب از پیش نظر مہیات رفت
حاصل کون و مکاں بکجا گم کردہ ایم
دید بے خواب است آن چشم غزالۃ اچہ شد
شد لباس فقر از خون تمسک لاله زار
آہ آہ مہر علی آہے سیکر صدق و صفا
تا نو دی پردہ از چشم ظاہرین ما
بسکہ انجم ریخت چشم اشک بار کمشان
آہے کہ ذات پاک تو سرمایہ اسرار عشق
آہے سبیل کعبہ دل آہے سحر جان ما
آستین جلوة فنکرت ید بیضا ست
از چراغ قلب تو گشتہ بے لہا چراغ
بود نطق گوہر نیت آیہ فردوس گوش
بود از ہجری ہزار و شصت و پنجہ و شش
ہست و نهم از صفر در یوم وصل مصطفیٰ
حق دہد صبر و سکون با خواجہ محی الدین سعید
آہے شہنشاہ ولایت آہے امیر روزگار
تا جدار معرفت آہے معنی سحر حیات
آہے تو شمس الدین تبریزی و مولانا آہے ما
دیدہ ہائے گل فقیر احمد ہمہ طوفاں گرفت
آن فقیر در گمت استاد مامولائے ما
آنکہ از بحر تو یک پوختہ است در گلزار عشق
آتش در سینہ غم پرور اورا گرفت

خار خمار رنج و سہماں گام گام زندگی
جز کف افسوس نبود حاصل لیل و نہار
گولڑا ویراں چہ شد علم ہمہ ویرانہ شد
چشمہ آب بہت اندر دل غلمات رفت
چشمہ ساداریم لیکن ما نظر گم کردہ ایم
نالہ بے تاب است آن روح بلالی اچہ شد
علم و عرفان و عمل با مرگ حسرت ہم کنار
از وصال شد زمین و آسمان ماتم سرا
داغ بادل آتش شد گریہ با چشم و فدا
نیلوں در ماتم تو شد قبائے آسمان
آہے کہ مہر جلوة ات شد مطلع النوار عشق
جان ما جانان ما آہے دین ما ایمان ما
سینہ بے کینہ ات ہم طور دہم سیناست
وز دماغ روشن تو شد متور صد داغ
گشت آن رنگینی گفتار تصویر خوش
روز سہ شنبہ سفر کرد از جہاں آن مہروش
در جوار رحمت حق رفت آن نور خدا
زینت سجادہ زیب مسند و خلف رشید
نور چشم غوث اعظم آہے شہ گز دل فادر
شش جہت آئینہ از جلوة ذات صفات
ما کجا بے جلوة رویت رویم آہے وائے ما
ہاں دل بے اختیارش آتش سوزاں گرفت
بے تورفت از خوشنقش آہے وائے وائے ما
گشت از مہر تو چوں آئینہ اسرار عشق
داستان خاک پاک گولڑا از سر گرفت

ذرّہ و اماندہ حیراں از غروب آفتاب
 از سروش آمد ندا کے بندہ و ہم و گمان
 گفت حق جان شہیداں را مسلم شد حیات
 کشہ تسلیم را پس کے بود خوف ممات
 مرگ بہر او یا وصل جہاں و زندگیت
 زان کہ روح شاں ہمہ تابندگی پانیدگیت
 برآمد یک نگاہ آں دو چشم شرمہ سا
 لالہ ہا بر مرقدش کارید اشک غول ضیا

برو صال پر ملاں حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سرہ

از نیازمند درگاہ مہر فیض احمد عفی عنہ (مؤلف)

دوش از مصمم قلب گو شمع کسے نواخت
 آں شاہباز قدس نشین کہ در زمین
 آں نور ذات حق کہ بیک پر تو نگاہ
 آں مرد کاٹے کہ بعد فان و عشق حق
 آں محبت خدا کہ بہر جا قدم نہاد
 مردان راہ گرد ازاں جا نیافتند
 سبط جناب حیدر و دلبند غوث پاک
 فیض از نگاہ لطف خدا کے شود جبراً
 آں کس کہ قدر مہر علی شاہ بدل شناخت

انتقال پر ملاں

قطب القطاب سیدی مولائی اعلیٰ حضرت حضور پیر سید مہر علی شاہ صاحب پتی قادری گولڑوی قدس سرہ
 از جناب شیخ ذاکر اللہ درآ صاحب طباطبائی نقشبندی گنجابی

از چہ تاریک است در چشم جہاں
 از چہ شد خوبار چشم دوستاں
 از چہ در دستم بلرز و حنا مہ
 چہیت ایں شورے کہ در عالم فتاد
 سید ما حضرت مہر علی
 منظر فیض عظیم مصطفیٰ
 پیشوائے اصفیاء و اقیان
 وز چہ می نیمزد ز قلم ایں فعال
 وز چہ شد ماتم کدہ ہند و ستاں
 وز بیانش در دہن سوزد زباں
 در نواح گولڑا آہ و فغاں
 آفتاب معرفت قطب زماں
 سید السادات بس عالی نشان
 ناقصاں را پس شمس کا طال

مهر چرخ زهد و ورع و انفت
 دور گیتی چوں مشتالش کم بزد
 از قدم پویشش مسدوم بساخت
 جفت و داویلا در یعت حسرتا
 دیدنش کفاره عصیان ما
 موت عالم موت عالم گفته اند
 بهر تاریخ و حالش این بگفت
 روز سه شنبه صفر بست و نهم
 از صدر بستم بر فتنه سی و هفت
 مرجع اسمی گفت رضواں مرجع
 زانکه سوتی حق روی آس حق مناس
 یادم آری از کرم بس عاریم
 بهمت مرد خدا گردد فنزول
 رحمت حق بر مزارست تا ابد

در علوم شرع بحسبے کراں
 چشم مهر و ماه ندیده ہم چشماں
 رفت از دار محن سوتی جمنان
 شد جسد از ناپناه بیکماں
 بود مرد حق پرست و حق نشان
 بود در علم و عمل جان جهان
 طالب از گنجباه باورد و فغان
 قبله عالم چو شد جنت رواں
 یازده از منی بحق واصلان
 مفت مش را ایستاده خوریاں
 لب کشائی چوں بحق دوستان
 زانکه لطف بیشتر بر عاصیاں
 چوں شوند از سخن بیرون مومنان
 قبر تو در وسط گلزار جمنان

دیگر

(از مولانا مولوی سلام اللہ خان صاحب بیس چاکے)

چه گویم ز بے مہر پی چرخ دُور
 نہ شاید ز دستان مکش گریخت
 ز دنیارواں گشت قطب زماں
 مسیحا دم و خضر فرخنده پے
 ز اولاد پیغمبر پاک دین
 ہم نامداران رُوسے زمین
 بتبیح و تبلیل یاد خدا
 ز ماہ صفر بود بست و نهم
 بافتاق ظلمت شدہ دُونا

ز دستش کسے شادمانی ندید
 نہ خواهد کسے از بلایش رہید
 چو معروف و ذوالنون چوں بازید
 مبارک بسیرت ہمالیوں پدید
 چہ درغ شہستان شاہ شہید
 بصدق و ارادت مطیع و مرید
 بیکر خداوند عرش مجید
 سفر کرد و دامن زیاراں بچید
 چو بہر از جہاں مہربانی کشید

بجناک مزارش خداوندگار

وہدیمن و برکت ز لطف مزید

تاریخِ وفاتِ اعلیٰ حضرت پیرِ سیدِ مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چو آن مہرِ سپہرِ آوج رفت
نہاں شد شد عیساں وقتِ زوالش
سیاہی گشت در عالمِ ہویا
جہاں بے نور شد از انتہا لش
بروہ پاک او بارانِ رحمت
الہی نیک گردانیِ مآلش
بگو نورِ ہدایت رفت بحسری
اگر خواہی ز من سال وصالش

۱۳۵۶ مسیحی سال آن قطبِ یگانہ
بگوئے بے چہرِ غِ چشتِ سالش

دیگر

جنابِ پیرِ صاحبِ فخرِ سادات
چو از دُنیا بخت رفت ناگاہ
اسیرِ قیدِ غم گردید ہر یک
جہاں تاریک شد چوں رُوئے بدخواہ
بگو فخرِ زمان و قطبِ دُوراں
بتاریخ وصالش از سرِ آہ

دیگر

(از جناب مولوی محمد فاضل صاحب صابر از ٹھیکریاں)

از ازل رسمِ قدیم آمد کہ مہرِ آسمان
لیک اے حسرت نصیب گشتہ و بختِ نگوں
خویشتن دمساز شد با غمِ گسارِ خویشتن
الغیاث از مکو ہائے آسمان حیلہ ساز
آن کہ بر اعداء چوں سیفِ چشتیائی برکشید
آن کہ در میدانِ مہیب کوسِ جنگی را نواخت
بعد ازیں ہرگز نباید داشت اُمیدِ بقا
لیک آہ آن آبِ حواں رفت در زیرِ زیں
طاباں راتِ شبِ لبِ بگذاشت ز آبِ فیضِ خویش
ہائے آن شاہِ ولایت سرِ گردہ اولیاء
چوں ازیں دُنیا برائے سفرِ رختِ خویش بست
بر دلِ مردم رسیدہ آن پُچھاں دردِ فراق
مے بود محبوب تر اندر زمستان بے گماں
مہرِ ما گردید در آغازِ تابستان نہاں
کوہِ غم انداختہ بر قلبِ ما پس ماندگاں
الاماں از بازیِ چرخِ ستم گرا اماں
سر بُبیدہ صد ہزاراں را بہ تیغِ جانستہاں
بند گردانید سخنِ مدعیِ قادیان
نیست در ایں خاکداں گنجینہ امنِ اماں
کیست آن واپس بیارہ از برائے ترشنگاں
ماکنوں از قسطِ فیضِ نکرده ترزباں
بود یکتائے زمنِ اہلِ صفِ قطبِ زماں
در ہمہ عالم پسا شد سرِ لبرِ آہ و غناں
گر نہی بر کوہِ نزار و تابِ ایں بارِ گراں

بود آں بحرِ علومِ ظہری و باطنی صاحبِ علم و عملِ صوفی و عالی خاندان
 از وجودش گولہ گلزارِ بودہ سرسبز بہر گلِ چیدن ز ہر سو خلقِ گرد آمد دران
 آہ آں گلزارِ زیب گشت پامالِ خزان باغِ چوں رونق پذیرد گر نامد باغبان
 جامہ خود چاک کردہ غنچہ از رنجِ دروں بید بر خود سے کست لرنہ میان بوستان
 ہست نیلوفتِ بلغمِ نیلِ پیرا ہن زدہ بسکہ بارِ ہجر اورا ساخت بے تاب توں

صابر از سن وصالِ شان بگو آمد ندا

بے ضیاء ماندہ جہاں چوں ہست عالم شد نہاں

۱۸۳۷ + = ۱۹۳۷ -

راقم الحروف (مؤلف) کی استخراج کردہ تاریخ وصال : تُوَفِّي وَدُّدُ اللہِ فَجَسَدٌ صَیْقَتِہ یعنی الشکادہ است
 طریقۃ الہیہ کا مجتہد فوت ہوا قبل ازیں بھی تحریر ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ رام پور، لکھنؤ، دہلی وغیرہ کے عقیدت مندوں کے
 مرثیہ جات و تاریخ ہائے وصال بخوبی طوالت درج نہیں ہو سکے۔

بعض کوائف بعد از وصال

چھٹی فصل

حجابِ بَرُخ کی کیفیت

حضرت بابو جی مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں کہ وصال کے چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مزار شریف والی جگہ پر ایک مکان میں پٹنگ پر موجود ہیں۔ اُس پٹنگ کے ایک جانب نہایت باریک سیاہ رنگ کا پردہ لٹک رہا ہے۔ میں متعجب ہوتا ہوں کہ حضرت کا تو وصال ہو چکا ہے۔ پھر دوسرے لوگوں کو بھی بلاتا ہوں کہ آؤ زیارت کر لو۔ اس پر آپ اس پردہ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ ہم ادھر سے ذرا ادھر ہو جائیں تو یہی ہمارے لیے موت کی کیفیت ہے۔ سچ ہے۔ اُولَیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ اٰخِرٰی۔ (اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ اس دار سے دارِ آخرت کو منتقل ہو جاتے ہیں)۔

ایک مہجورِ ارادت مند کا خواب

وصال مبارک کے بعد عقیدت مندوں پر جو کیفیت گزری وہ بیان سے باہر ہے۔ اس صدمے سے مہینوں روتے رہے۔ کھانے پینے کو جی نہ چاہتا۔ اور نہ کسی محفل میں جی لگتا۔ ایسے ہی ایک غمزدہ نیاز مند نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نے اسے گورہ شریف میں طلب فرمایا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ حضرت سنگ مرمر کے تخت پر تشریف فرما ہیں اور خیر و عافیت دریافت فرمانے کے بعد اُس کے رات دن آنسو بہانے کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو تمہاری حالت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پانے کے لیے یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ یہ خواب اُس نے حضرت کے وصال کے چوتھے روز اپنے شہر میں دیکھا۔ اس پر اُسے ایسا جوش گریہ طاری ہوا کہ تین چار ماہ بعد جا کر اس میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ سنگ مرمر کا روضہ اور تخت جو اُس نے خواب میں دیکھے تھے تقریباً بیس برس بعد جا کر تیار ہوئے۔ اس ناشاد کا نالہ غم اس طرح منظوم ہو گیا تھا۔

یاد آیم کبھی دہریں آباد تھے ہم	باعثِ رونقِ کاشانہِ اِیحب دتھے ہم
ہم گلزار تھی وہ یار تھا اور ابر بہار	گل و بلبل تھے کبھی شہری و شمشاد تھے ہم
جان پروانہ تھی اور سامنے وہ شمعِ جمال	نقشہ دید میں ہر سر سے آزاد تھے ہم
روحِ قربان تھی اور نذرِ دل و جاں کا خراج	جلوۂ حسن میں مسرور تھے و نشاد تھے ہم
ناگماں چھوڑ کے وہ یارِ طر حِ در گیا	ناگماں دُور تھے، مہجور تھے، برباد تھے ہم

ظلمتِ غم کی سیاہ رات ہے اُسے مہرِ منیر

تیری فرقت میں بہت روتا ہے یہ تیرا فقیر

مولوی عبد الرحیم صاحب (تختی) کا غش

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی نماز جہت زہ کے بعد ایک درہ منہ غش مولوی عبد الرحیم صاحب مکتہ تختی ضلع کبیر پور شکر پور بے ہوش پڑے پائے گئے کچھ لوگ انہیں ہوش میں لانے کے بعد ملک سلطان محمود صاحب خیر مہمات کے کمرہ میں لے آئے۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ نماز جنازہ سے واپسی کے وقت میں حضرت کے حجرہ مبارک (حشق آباد) کے بالا خانے پر نظریں جمائے رہتا ہوا آ رہا تھا کہ آپ اپنا نمبر سے پاس شکر پور آکر کھڑے ہو گئے اور مسکراتے گئے میں اس نکتہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

حضرت بابو جی کی داستان غم

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی ذات اقدس پر جو کیفیت گزر گئی اُس کی داستان طویل ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آپ نے حضرت کے وصال کے وقت حیرت انگیز ضبط اور وقار کا مظاہرہ فرمایا تھا لیکن انتظام اور تجویز و تفسیر کے فوری فرائض سے فراغت پانے کے بعد گریہ کا طوفان ایسے اُٹھ آیا جو کبھی قہر سے معلوم نہ ہوتا تھا۔ خدام اور مخلصین میں آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر نئے سرے سے کھرام ہر پابو ہوتا تھا۔ اپنے سلسلہ کے بزرگان اور ملک بھر کے ہم عصر مشائخ دستار میں ساتھ لیے تشریف لاتے رہے لیکن دستار بندی کا ذکر آتے ہی آپ پر شدید رقت طاری ہو جاتی۔ فرماتے: وہ اپنی جگہ آپ ہیں۔ میں تو صرف خدمت کے لیے ہوں۔ یہ بات سن کر ان حضرات پر بھی گریہ طاری ہو جاتا۔ چنانچہ آج تک مجلس کے مقام صدر میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے لیے مصیبت بھٹا ہے اور بابو جی مدظلہ العالی ایک جانب دوزانو بیٹھا کرتے ہیں حجرہ مبارک میں حضرت اعلیٰ کا بستر بستور سجایا ہے اور چھپر کھٹ لگی ہے۔ ارد گرد آپ کی تسبیح، جائے نماز، مسواک، رومال، کھلاہ، جتہ مختلف پارچات پوشینی، پاپوش، کھڑاؤں، شیشہ والی الماریوں میں اور میزوں پر بطور تبرکات رکھے ہوئے ہیں جن کی زیارت اعراس اور عیدین کے موقع پر کرانی جاتی ہے حضرت کی نشست گاہ کو آنجناب کی لائبریری بنادیا گیا ہے اور حضرت بابو جی نے اپنی نشست کے لیے علیحدہ ایک مختصر سی جگہ مخصوص فرمائی ہے۔ طالبین کا کثرت سے رجوع ہے اور حضرت اعلیٰ کے سب ارشاد بے شمار لوگ داخل سلاسل عالیہ ہو رہے ہیں لیکن حضرت کے مرید جب بابو جی سے تجدید بیعت کی درخواست کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تمہارے شیخ زندہ ہیں۔ وہاں حاضری دو۔ ادھر مزار شریف پر حاضر ہونے والوں کو حضرت کی طرف سے حکم ہوتا ہے بابو جی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ ضیوٹ کے ایک صاحب کشف خطیب صاحب کہتے ہیں کہ میں مزار شریف پر متوجہ ہوا تو اتفاقاً ہوا کہ بابو جی کو جا کر ملو۔ مجھے دریافت پر معلوم ہوا کہ آپ حضرت صاحب ثنائی کو اس نام سے یاد فرماتے تھے۔ تاہم حضرت کے بعض خوش نصیب مرید باصرار استدعا تجدید بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

ساتویں فصل

روضہ شریف کی تعمیر

وصال شریف کے بعد حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی نے خدام حاضرین کا یہ مشورہ پسند فرمایا کہ مدینہ منورہ کے نقشہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کامر قد پاک بھی مسجد کے متصل بائیں طرف ہو چنانچہ اس مقصد کے لیے باغ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا جو مسجد کے جنوب میں کچھ نشیب میں واقع تھا جب روضہ شریف کی تعمیر کے لیے باغ کا یہ حصہ کاٹ کر اس کی سطح مسجد کے فرش کے برابر کر دی گئی تو حضرت نے خواب میں بعض متوسلین سے فرمایا کہ مجھ پر اس قدر بوجھ کیوں ڈال دیا گیا ہے۔ اس پر انجینئر مہتمم تعمیر بابو بعل محمد صاحب چغتائی سابق اسسٹنٹ چیف آرکیٹیکٹ، گورنمنٹ پنجاب نے جنہیں حضرت سے شرف بیعت بھی حاصل تھا مشورہ دیا کہ تابوت شریف کو نکال کر نئے تعویذ میں رکھا جائے جس کی گہرائی چھ فٹ سے زیادہ نہ ہو جبکہ موجودہ صورت میں گہرائی بیس فٹ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

تابوت شریف کی برآمدگی

چنانچہ یہ مبارک تقریب وصال شریف سے تقریباً تین سال بعد اس طرح عمل میں آئی کہ ایک شام تابوت مبارک کو نکال کر حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت کے والد محترم) کے مزار مقدس کے پاس رکھ دیا گیا۔ جہاں رات بھر دوسرے روز اور آئندہ شب مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ پروگرام تو یہ تھا کہ اسی رات صبح سے پہلے یہ کام مکمل ہو جائے اور کسی باہر والے کو اس کا علم نہ ہو۔ لیکن تابوت مبارک کی برآمدگی سے فضا اس قدر مضطرب ہوئی کہ قصبہ اور نواحی آبادیوں کے مرد و زن سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اور اگلے روز تو حضرت کے جنازہ کے حجوم کی سی شان پیدا ہو گئی۔ پھر باطنی فضائیں کچھ اس طرح منور ہوئیں کہ جب اگلی صبح بساں شریف سے حضرت مولانا محمد جعفر صاحب گولڑہ شریف پہنچے اور حضرت بابو جی نے ازراہ تعجب دریافت فرمایا کہ آپ کو پچاس میل دور کیسے خبر ہو گئی تو عرض کیا میں تہجد کے لیے بیدار ہوا تو اس طرف سے ایسی خوشبودار مہک آئی کہ مجھ سے رہا نہ گیا اور چل پڑا۔

بخدا کہ رشکم آید بدو چشم روشن خود

جب تابوت شریف شام کے وقت باہر نکالا گیا تو اس میں ایک دراز نے نمایاں ہو کر حضرت بابو جی کو دعوتِ نظارہ دی۔ آپ نے جھانک کر دیکھا تو پیشانی میں سے ایک ایسا نور نکلتا نظر آیا جس کی مثال کسی دنیاوی روشنی یا چمک سے نہیں دی جاسکتی۔ بہت عرصہ پہلے آپ نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے حضرت حافظ کے اس شعر کا مفہوم دریافت کیا تھا۔



روضہ مبارک حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب مشرق



روضۂ مبارک حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب از جانب شمال



روضہ مبارک حضرت سید مرہ علی شاہ صاحب کا اندرونی منظر مرقہ مبارک جناب پیر صاحب دہالوجی

حضرت بابو جی کے سفر ہائے بغداد شریف و قونیہ شریف کی دو نادر و یادگار تصاویر۔



مزار مبارک سیدنا غوث الاعظمؒ کے اندر سلام عرض کرنے کا منظر
حضرت مدنی صاحب متولی صاحب اجیر شریف صاحبزادہ غلام فرید صاحب پاکپتن شریف کے ہمراہ
(انگریز: محمد حیات خان اسپنٹ کشن انکم ٹیکس)



قونیہ شریف مزار مبارک سیدنا مولانا روم کے باہر جمعہ اپنے افراد قافلہ۔

بخدا کہ رشک آید بدو چشم روشن خود کہ نظر دینغ باشد بچہیں لطیف رؤے
تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اس شعر کے معنی تم پر خود بخود واضح ہو جائیں گے حضرت بابو جی
فرماتے ہیں کہ اس کیفیت کو دیکھ کر اچانک یہ شعر میری زبان پر جاری ہو گیا اور حضرت کے اُس ارشاد کے انوار دل و دماغ
میں کوند گئے۔

روضہ مبارک پر کندہ آیات احادیث اور اقوال

حضرت کے حسین سنگ مرمری روضہ پاک کی تیاری میں سبیل برس لگے ہیں۔ سنگ مرمر جو دھ پور ریاست میں مکرانہ کی
مشہور عالم کان سے منگوایا گیا۔ معمار بھی وہیں سے آئے اور بالآخر گولڑہ شریف میں رہائش اختیار کر کے پاکستانی شہری بن گئے
ہیں۔ روضہ شریف کے اندر اور باہر بلندی پر سنگ سیاہ سے آیات، احادیث اور اُن کے ہم معنی اشعار اس خوبصورتی سے
کندہ کیے گئے ہیں کہ باید و شاید۔ ان کی تفصیل زائرین کے بڑھتے ہوئے اشتیاق کی بدولت اب ایک علیحدہ ٹریکٹ میں شائع
ہو چکی ہے بعض مثالیں درج ذیل ہیں :-

آیت شریف :- اَللّٰهُ يُجَنِّبُنِي الْيَتِيْمَ مَنِ يَشَاءُ وَيَهْدِيْنِي اِلَيْهِ مَنِ يَّشَاءُ

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے لیے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو اُس کی طرف رجوع کرے۔
حدیث شریف :- اِنَّ قُلُوْبَ بَنِي اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اَصْبَعَيْنِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ
يُّصِرُّهَا كَيْفَ يَشَاءُ

ترجمہ :- تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں مثل ایک دل کے (قابو و قبضہ میں) ہیں
وہ پھیرتا ہے اُن کو جیسا چاہے۔

شعر :- بیچ کے بخوشتن رہ نہ بُرد بسوئے او بلکہ پیائے او زود ہر کہ زود بسوئے او

ترجمہ :- کوئی شخص خود بخود اُن کی طرف نہیں جاسکتا بلکہ جو بھی اُن کے در تک جاتا ہے اُنہی کی مرضی سے جاتا ہے۔

شعر :- تا بُود ازو طلب طالب او کسے نہ شد ایں ہمہ جستجوئے ماہست نہ جستجوئے او

ترجمہ :- جب تک اُن کی طرف سے طلب نہ ہو کوئی اُن کا طالب نہیں ہو سکتا۔ یہ ہماری جستجو انہی کی مہربانی کی بدولت ہے

حدیث شریف :- لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَىٰ بِالنَّوْافِلِ حَتَّىٰ اَكُوْنَ مَسْمُوعًا الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ

ترجمہ :- عیشہ بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے حتیٰ کہ میں اُس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ سُنا ہے۔

شعر :- گفتہ او گفتہ اللہ بُود گرچہ از خلق موم عید اللہ بُود

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کے بندوں کا کہنا اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے اگرچہ وہ بظاہر انسان کے مُنہ و زبان سے ہو۔

شعر :- گر جہاں بینی ز حق تو خواجہ را گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

ترجمہ :- اگر تو اپنے مُرشد کو حق تعالیٰ سے جدا سمجھے گا تو متن اور دیباچہ بظاہر و باطن سب کھو بیٹھے گا۔

لے واللہ مجھے اپنی ان دو آنکھوں پر رشک آ رہا ہے کہ ایسے حسن لطیف کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا ہی غیرت کا

مقام ہے۔ (فیض)

آیت شریف :- وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

ترجمہ - اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تیرے پاس آتے اور پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے حق میں طلب معافی فرماتے تو البتہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

حدیث شریف :- سَلِّ تَعَطُّ وَاشْفَعْ تُشَفَّعَ

ترجمہ - سوال کرتے دیا جائے گا۔ شفاعت کرتی شفاعت قبول کی جائے گی۔

شعر ————— گویم ز کمال تو چہ غوث الشفقتینا محبوب خدا ابن حسن آل حسینا
ترجمہ ————— اے دونوں جہاں کے غوث آپ کے درجہ و کمال کے کیا کہنے (بہتر اور مختصر یہ ہے) کہ آپ خدا کے محبوب اور ابن حسن اور آل حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

شعر ————— ما عاجز و حیران باندیم بگرداب لا تخلص إلا بك يا الله كدنا

ترجمہ ————— ہم گرداب میں حیران و پریشان بھنسے پڑے ہیں۔ خدا کی قسم تیرے سوا ہمارا کوئی ذریعہ نجات نہیں۔
آیت شریف :- وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔
ترجمہ - اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چھانت لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔
حدیث شریف :- فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ

ترجمہ - تمام اشیاء مجھ پر ظاہر کر دی گئیں اور میں نے ان کو جان لیا (علم غیب کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے)

شعر ————— کا ملاں از دُور نامت بشنوند تا بقعر تار و پودت در روند

ترجمہ ————— کا ملاں دُور سے تیرے نام کو سُن کر تیرے حقائق و دقائق کا پتہ کر لیتے ہیں۔

شعر ————— بلکہ پیش از زادن تو سا ہما دیدہ باشندت ترا با حاسا

ترجمہ ————— صرف یہ نہیں بلکہ تیرے پیدائش سے بھی سا ہما سال پہلے تجھے تیرے احوال سمیت دیکھ چکے ہوتے ہیں۔

آیت شریف :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

ترجمہ - اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور سچوں کے ساتھ رہو۔

حدیث شریف :- أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحَبَبْتَ - الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

ترجمہ - سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اُن کے ساتھ رہے گا جن کے ساتھ تیری محبت ہے۔ آدمی اُن کے

ساتھ ہوتا ہے جن سے محبت ہو۔

شعر ————— ہر کہ با ایشاں نشیند یک دمے روز فردا او کجباد دارد غمے

ترجمہ ————— جو اُن کے پاس ایک لمحہ بھی بیٹھے گا۔ تو قیامت کے دن اُس کو کوئی فکر و غم نہ ہوگا۔

آیت شریف :- وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ هَلْ أَمْوَاتٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔

ترجمہ - اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اُنہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اور تم نہیں جانتے۔

حدیث شریف :- إِنَّ الشُّهَدَاءَ أَحْيَاءُ وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَى دَارٍ

شعر ————— مثل محبوب الہی کردہ اسی مارا مرید وقت بیعت بے تامل دست را بگرفتہ

ترجمہ ————— آپ نے حضرت خواجہ محبوب الہی کی طرح مجھ ناچیز کو مرید کیا ہے۔ اور بیعت کے وقت بے تامل میرا ہاتھ تھا لیا ہے۔
آیت شریف۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ترجمہ۔ یاد رکھو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اِن کو کوئی خوف و ہراس نہیں۔
حدیث شریف۔ هُمْ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْفِي جُلُوسُهُمْ

ترجمہ۔ وہ ایسے مجلس والے ہیں جن کا ہم مجلس کبھی بد بخت اور ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔

شعر ————— اولیاء را ہست قدرت ازالہ تیر جستہ باز گرداند ز راہ

ترجمہ ————— اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہی طاقت حاصل ہے کہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی واپس کر سکتے ہیں۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

آیت شریف۔ نَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

ترجمہ۔ ہم زیادہ قریب ہیں اُس کی شہ رگ سے بھی یعنی بہت ہی قریب اور ہر وقت ساتھ ہیں۔

حدیث شریف۔ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا

ترجمہ۔ اگر انسان ایک بالشت میرے قریب آوے تو میں ایک ہاتھ اُس کے قریب آتا ہوں۔

آیت شریف۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللّٰطِيفُ الْخَبِيرُ۔

ترجمہ۔ اُس کو آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے۔ اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

شعر ————— اے بڑوں از وہم و قال و قیل من خاک برفرق من و تمشیل من

ترجمہ ————— اے ہمارے قیل و قال اور وہم و گمان سے باہر تر کیا بیان ہو۔ ہمارے سر اور مثال دینے پر خاک پڑے۔

آیت شریف۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ۔ جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں

اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔

آیت شریف۔ مَنْ اَذَى لِّیْ وَلِیًّا فَقَدْ اَذَنْتُہُ بِالْحَرْبِ

ترجمہ۔ جو میرے دوست کو ستائے میں اُس کو اعلان جنگ کرتا ہوں۔

آیت شریف۔ سَنُزِیْنٰہُمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِہُمْ ط

ترجمہ۔ اب ہم دکھلائیں گے اُن کو اپنی نشانیاں دُنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں۔

شعر ————— حق پیدا است از میان دیگر اں ہچو ماہ اندر میان انخت اں

ترجمہ ————— حق غیروں میں ایسا ظاہر ہے جیسے چاند ستاروں میں ظاہر چمکتا ہے۔

جلوۂ حق یوں نمایاں صورتِ انساں میں ہے

نورِ خورشیدِ فلک جیسے مرتاباں میں ہے

لا اسراف فی النحر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی روضہ شریف کی تعمیر کے بارے میں متردد تھے۔ علمائے اہل سنت کی ایک کثیر تعداد نے اس کے حق میں زبانی اور تحریری فتوے دیئے۔ مگر ایک صاحب نے لکھ بھیجا کہ اگرچہ شرعاً بنا علی القیور پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تاہم تعمیر میں اس قدر خرچ ہوگا کہ اسراف کی شق میں آسکتا ہے۔ اس پر آپ نے تصوف کی ایک کتاب غالباً فوائد الفوائد کھولی تو یہ لکھت نظر آیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء سے کسی نے سوال کیا کہ اسراف کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ بڑا خرچ رکھتے تھے۔ کسی نے آپ کی خدمت میں یہ حدیث پڑھی۔ لا خیر فی الاسراف۔ شیخ ابوسعیدؒ نے جواباً فرمایا کہ لا اسراف فی الخیر۔ اس کے بعد حضرت بابو جی نے عالم رویا میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نہایت ذوق کے عالم میں تشریف لارہے ہیں۔ اور تسبیح مبارک کو ہر دو دو شش مبارک پر مارتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرما رہے ہیں :-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ
یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے جائے امن و امان بنایا۔
پھر آپ نے اس سے یہی تعبیر اخذ کی کہ تعمیر روضہ مطلوب ہے۔

آٹھویں فصل

اولاد و احسان

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے صاحبزادہ صاحب اور جانشین حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو اپنی ذات کے متعلق تعریف و توصیف کا ایک لفظ تک سنا گوارا نہیں۔ اختصائے حال اور خودی کی نفی اس قدر منظور خاطر ہے کہ ایک بار ایک شخص نے علامہ اقبال کے اس شعر کی تعریف کی ہے

میں جہی تک تھا کہ تیری جلوہ پسیرائی نہ تھی
جو نمود حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

تو فرمایا کیا کہا؟ میں جہی تک تھا ارے میں تو کبھی تھا ہی نہیں :-

چونکہ حضرت قبلہ عالم کی سیرت کا کوئی موقع آپ کی ذات اقدس کے اس مظہر اتم کے حالات کے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتا تھا۔ اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ آپ کے متوسلین کی طرف سے ان حالات کی تالیف بار خاطر کا باعث ہوگی۔ اس لیے حاجی مصباح الدین صاحب نقشبندی دہلوی (حال مقیم راولپنڈی) کا یہ مقالہ پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں۔

حاجی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے حتی الوسع قلم کو روک کر اور اپنے احساسات کو دبا دبا کر یہ شذرات قلم بند کیے ہیں۔ (فیض)

درتیم حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی

الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا فیض عام اُن کے اکلوتے صاحبزادے اور خلیفہ الصدق، سیادت پناہ، جان ایتان و کان عرفان، حضرت ثانی قبلہ شاہ غلام محی الدین المعروف بہ بابو جی، صاحب مدظلہ العالی کے دست حق پرست پر جاری و ساری ہے۔

اس درتیم حضرت بابو جی مدظلہ پر اَلْوَلَدُ سِرًّا لَکَیْہِ کی اصطلاح صحیح معنوں میں صادق آئی۔ نقاش ازل جل جلالہ نے اس نقش ثانی کی ذات بابرکات کو ایک ایسا صاف اور روشن آئینہ بنایا جس میں حضرت اعلیٰ کے فضائل و خصائل کی ہو ہو تصویر اور تمثیل نظروں کے سامنے آگئی۔ اور یہ ایک ایسا عظیم احسان الہی ہے جس کے لیے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے متوسلین اور حجت حق تعالیٰ شانہ کی جس قدر حمد و بجا الیں کم ہے۔

گر برتن من زباں شود ہر مہ
یک شکر از ہزار نواہم کرد



حضرت بابو جی

بیٹے کے حسیہ اعظم ہونے کی روایات

سوال حقیقت میں یہ پورا موقع نہیں کہ بیٹے نے باپ کی سن کو پار پانچا لگائے ہوں اور غلاف غلیظ کا استحقاق اپنے لیے ثابت کیا ہو بلکہ مسئلہ حایہ قویہ اور پشتیر میں ابتدا سے یہ شاندار روایت بھی آ رہی ہے۔ بالخصوص منشیہ ہشتیہ میں حضرت محمد بن حضرت اسماعیل حضرت قلب الدین محمد بن حضرت ابو نوبخت حضرت علم الدین ابن علی حضرت سراج الدین حضرت جمال الدین ابن ابی حضرت محمد ابن حضرت حسن محمد بن حضرت نوین نور الدین ابن حضرت قلب محمد بن اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ذوات کدیرہ اس حقیقت کی روشن مثالیں ہیں۔

اللہ اللہ کرنے والی رُوح

حضرت بابوی کی ولادت ۱۸۹۱ء فرست ۱۳۱۰ھ میں ہوئی حضرت علی کو دستور زمانہ کے مطابق اس ولادت باسعادت کی خوش خبری نہادک کے غلط سے دی گئی تو پچھلے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے نہادک کے غلط سے بھی کہ شاید مجھے غلط کیا ہوگی فرمایا کہ ہر شخص کو فریاد اللہ کے پیدا ہونے سے خوشی ہوتی ہے لیکن مجھے اس بات کی غمگینی ہے کہ ہمارے گھر میں ایک اللہ اللہ کرنے والی رُوح کا ذکر وہ ہوا ہے۔

بچا پھر سفر ہو کہ حضرت بہت ہو کہ حالات حضرت بابوی حفظہ اللہ کی کسی وقت بھی اپنے ملک کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ ان کی اس کیفیت کو خود حضرت علی نے بار بار ایک ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس برقرار رکھنے پر تشریف فرما تھے کہ دوست حضرت بابوی گھوڑے پر سوار دہلی کی طرف سے آتے ہوئے نظر آئے حضرت نے انہیں کچھ کر فرمایا غلام علی الدین ہے پھر تہمت ہو کر گھر فرقی ہوئے نہ کچھ گھوڑا اذکار ہے مگر اپنے کام یعنی یاد دہانی میں ہار مشغول رہا آ رہا ہے۔ ذکر حق میں ہمیشہ منہمک رہنے کی تھیں اور ترفیع حضرت علی کے غفلت میں اس شہر کی فکر میں بھی پاتے ہیں۔
فی گویم کہ از من علم بُدا باش بہر جائے کہ باشی با حُسنِ باش

تعلیم و تربیت

حضرت بابوی حفظہ اعلیٰ کی تعلیم و تربیت حضرت قبلہ عالم قدس ہمدرد کے زیر سایہ علم و فضل کے گواہ سے میں ہوئی حضرت نے ازل دن سے ہی بہ نور فراست جانچ لیا تھا کہ یہ نہال گلشن نبوت اس اور قیام الرجال میں کدیرہ ہدایت کا گواہ بنے گا جس لیے آپ کو ظاہری و باطنی علوم سے مزین کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ فرمایا۔ یوں تو ہر فاضل اخلاق حبیب کو ایک نمونہ ہوئے اور اسے شرح صدر بہت دہری سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا سینہ علوم کا گنجینہ ہوتا ہے۔ اس سونے پر شہا کہ یہ بوا کہ حضرت علی نے آپ کے لیے اتالیق بھی وقت کے صاحب کمال حضرت مقرر فرمائے۔

آپ کے اتالیق

حضرت بابوی نے علم و فرائد تجوید حضرت استاد الفقہ قادری مجدد الرحمن صاحب جو پورہی سے حاصل فرمایا قادیان صاحب

اپنے فن کے یگانہ روزگار تھے۔ اور ان اصلاخ میں فن تجوید کی قدیل سب سے پہلے اُن ہی کے دم قدم سے روشن ہوئی۔ دیگر علوم دنیویہ کی تحصیل حضرت بابو جی نے حضرت مولانا محمد غازی صاحب سے کی۔ حضرت مولانا کے تبحر علمی اور طریقہ تعلیم کی خوبی پر حضرت کے وہ الفاظ دال ہیں جو آپ نے بابو جی قبلہ کو ایک خط میں تحریر فرمائے تھے یعنی ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم کے زیر تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے۔ فی الحقیقت مُشفیق اور محقق اُستاد کا میسر آجانا شاگرد کی خوش نصیبی ہے۔ پھر اس شاگردِ رشید نے بھی پوری طرح منتفع ہونے اور اُستاد کی قدروانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

فیضانِ نظر

بابو جی قبلہ نے علوم اسرارِ باطنیہ حضرت اعلیٰ کی مجلس اور فیضانِ نظر سے حاصل کیے اور ذاتی استعداد و صلاحیت کے سبب قرب و کمال کی بلند و بالا منزلیں طے فرمائیں۔ حضرت اعلیٰ نے آپ کی تعلیم پر ہمیشہ کڑی نظر رکھی۔ حضر ہو یا سفر، کسی حالت میں بھی توجہ خاص میں کمی نہ آنے دی۔ اس کا کچھ اندازہ اُن خطوط سے لگتا ہے جو حضور نے بابو جی قبلہ کے نام وقتاً فوقتاً ارسال فرمائے۔ اُن میں سے کچھ خطوط کے اقتباس یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

آپ کی طرف حضرت اعلیٰ کے خطوط کے اقتباسات

خط ۱۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ بَرَخًا وَارْغَامًا مُحَمَّدٌ الدِّينُ حَفْظُ اللَّهِ وَوَقْفُ الْمَا حَبِثَ اللَّهُ وَيَرْضَى دُعَاوِ سَلَام۔ ایسے شفیق اور بے نظیر محقق عالم حفظہ اللہ کے زیر تعلیم ہونا اُس وہاب الخلاق کا کمال احسان ہے ایسے اُستاد کے حسب ہدایت کار بند ہونا موجب حصولِ مدعا ہے۔ ہر کام اور ہر حال اُسی لطیف قبل از لطیف کی طرف دھیان رکھو اور اُسی کے دستِ نگر ہو۔ در رحم اُتہات اُس کی بے عوض عنایت نے کیا کچھ کم کیا ہے جو آئندہ نہ کرے گا۔ صرف اسی ایک نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ باوجود اطلاع علی المعاصی عفو و رحم و ستاری سے معاملہ فرما رہا ہے۔ ایسے سارِ رحیم سے ہر حال کامل اُمید کامیابی کی ہو سکتی ہے۔ مکرر لکھتا ہوں کہ ہر حال اُسی کے دروازہ پر گڑ گڑانا اور اُسی سے مخلوط ہونا اصل الاصول ہے حصولِ سعادت و ارباب کے لیے۔ خالص بندہ کو حصولِ مطلب سے چنداں حط نہیں ہوتا جس قدر کہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور اظہارِ نیاز سے۔ اول لالچ ہے اور ثانی عبادت۔ عالم، فاضل، متصف باوصافِ کاملہ ہمہ شہید مگر بندہ او نشہیم کہ در بندِ خوشیم خواہ از عالم دُنیا یا از عالم عقبی۔ بندہ از بندگانِش فرمودہ ہے

غبارِ خاطرِ عشاق مدعا طلبی است
بخلو تے کہ منم یادِ دوست بے ادبی ست

۱۔ ترجمہ ہم عالم فاضل اور اوصافِ کاملہ سے متصف سب کچھ ہوئے مگر اُس کے بندے نہ ہوئے۔ کیونکہ اپنے آپ میں گرفتار ہیں۔ خواہ دُنیا کی وجہ سے یا عقبی کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کے بندگانِ کامل میں سے ایک بندہ نے فرمایا ہے کہ مدعا طلب کرنا عاشقوں کے لیے دل کا غبار ہے۔ جس خلوت میں اس وقت میں ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی یاد بھی بے ادبی کا حکم رکھتی ہے۔ (فیض)

۲۔ یہ شعر حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو آپ نے اپنے وصال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا تھا۔ (فیض)

خط ۲

اے غلامِ نبوت! غلامِ نبوت! فکر کن! فکر کن! در خلقت پس شکر کن!

ترجمہ - اے غلامِ محمدی! اللہ تعالیٰ نے تیرا پیشانی پیدا کرنا اور تیرا شکریہ جمع کرنا اور تو کو علمِ خلق و امر جمیع تو خلق است از امت بہت کم

(تیرے اندر عالمِ خلق و امر جمع ہیں۔ تیرا جسم عالمِ خلق سے ہے اور روح عالمِ امر سے)

بہت کم اور تو بلند از علمِ کبیر زین بہت شد ہم تو عالمِ صغیر

(ترجمہ میں عالمِ کبیر کی نظیر ہے۔ اس لیے تیرا نام ہی عالمِ صغیر ہے)

جستہ تو کل شد ملائک جبرئیل و زین سبب آمد خطاب السجدہ

(تیرے بعد آنکھوں کے آواز ملائک جبرئیل سے اس وجہ سے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم آیا)

خط ۳ تیسرے بیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ والسلام

برخوردار غلامِ محمدی! اللہ تعالیٰ نے حفظت اللہ مع الحق و وفقت ما یحب و یرضی

بعد دعا و سلام آنکہ تم کو چاہیے کہ امورِ ذیل کے پابند رہو :-

۱۔ شغلِ سبق میں بخیط اوقات سامی رہو۔

۲۔ رات کا سونا حسب ہدایت مکان پر میری آرام گاہ میں مع رفقا بالترام ما وجب آرام کرنا۔

۳۔ ختم نمود کو بدستور قائم رکھو۔

۴۔ بعد فراغت ہر روز ضرور گھر میں جایا کرو۔

۵۔ نماز باجماعت کو اہم المہمات سمجھو۔

۶۔ سب طلباء کے ہر طرح خبر گیر رہو۔

خط ۴

برخوردار غلامِ محمدی! اللہ تعالیٰ نے حفظت اللہ عمایک و عماق و

بعد دعا و سلام ایں کہ سب گھروں اور مہمانوں کی خبر گیری رکھنا۔ جمیع و جماعت کا التزام رہے۔ اپنے استاد حسب

کا حسب ہدایت خیال رکھنا۔ اُن کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا۔ اُن کی صحت کا خیال چاہیے نہ صرف اپنے سبق اور طلب

کا۔ ایسا ہی جناب قاری صاحب کی خبر گیری رکھو۔ یعنی کوئی وطنی نا تراشیدہ حسب عادت اہل وطن پیش آنے نہ پاوے۔ ایسا علیم

نہ ہونا چاہیے کہ ضروریات میں نقصان ہو اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بزار رہو۔

خط ۵

برخوردار غلامِ محمدی! اللہ تعالیٰ نے وفقت اللہ لموجبات رضائہ و لقاہ

دعا و سلام۔ اما بعد۔ یہاں پر بفضلہ سبحانہ من کل الوجوہ خیریت ہے

نے گویم کہ از عالم جدا باش بہر جائے کہ باشی با حُدا باش

ایوم نیز تاکید اور بارہ شراب دوشینہ یعنی محافظت نسبت وسائر امور مسطورہ قلمی نمودہ مے آید۔ (آج بھی شراب دوشینہ یعنی نسبت مع اللہ کی حفاظت اور دیگر جملہ امور مسطورہ کے متعلق تاکید کی جاتی ہے جہاں میں سخن گو ایک ہی ہے۔ پارسی، ہندی، عربی سب ایک ہیں۔ اس دار وجود میں کون بسنے والا ہے سوائے اُس حکیم و دود کے اور کوئی نہیں اُس کا جلوہ ہر شے میں نمایاں ہے اور اُس کا علم ہر شے پر محیط ہے

نوعمری سے توجہ الی الحق

حضرت بابو جی مدظلہ میں بچپن ہی سے رشد و ہدایت کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ دیکھنے والوں سے سنا گیا ہے کہ آپ نوعمری ہی سے توجہ الی الحق ہو گئے تھے۔ قیادت نظم و ضبط اور جذب کی جھلکیاں نمایاں ہونے لگی تھیں۔ ملک سلطان محمود صاحب ثوانہ سے نقل ہے کہ آپ نے صغر سنی میں ایک مبارک خواب دیکھا جسے سن کر حضرت اعلیٰ نے فرمایا تھا کہ تم کو بھی اس عمر میں ایک ایسا ہی خواب آیا تھا لیکن غلام محی الدین کا خواب ہمارے اُس خواب سے کچھ فرقت لیے ہوئے ہے۔

میری راہ اختیار کرنی ہے تو تین باتوں پر کار بند رہنا

ملک فضل قادر صاحب مرحوم راوی ہیں کہ ایک دن ضلع شاہ پور کے دو عمر بزرگ جو حضرت کے پیر بھائی تھے حضرت سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ دوران گفتگو ان بزرگوں نے فرمایا: ماشاء اللہ آپ کا یہ سنہری دور ہے۔ اپنے صاحبزادے صاحب کے حال پر خصوصی توجہ رکھیں۔ حضرت اعلیٰ نے لفظ سنہری سن کر ازراہ تواضع فرمایا کہ جس زمانہ کو سنہری کہا جاسکتا ہے وہ تو حضرت قبلہ عالم سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت کے مرشد) ہی کا تھا۔ جسے آپ حضرات نے خوب دیکھا ہے اب وہ بات کہاں؟ ان حضرات نے جواب میں کہا کہ جناب ہمیں تو آج وہی رنگ یہاں بھی نظر آ رہا ہے۔ اُس وقت حضورؐ نے اس قدر ظاہر فرمایا کہ غلام محی الدین ابھی چھوٹی عمر میں تھا کہ ایک روز یہ میرے پیچھے میرے قدموں کے نشانوں پر اپنے قدم رکھتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے کہا کہ اگر میری راہ پر چلتا ہے تو تین باتوں پر مستقل کار بند رہنا ہوگا۔

اول۔ ہر وقت با وضو رہنا

دوم۔ اپنی خودی کو مٹا کر مخلوق خدا کی خدمت میں مشغول اور اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ بن کر رہنا۔

(تیسری بات کا ذکر آپ نے اُس وقت نہیں کیا)

پھر فرمایا۔ آج تک تو یہ ان باتوں پر کار بند چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر دُنیا نے دیکھ لیا کہ اس سعادت مند بچے نے اپنے مقدس باپ کے نصاب پر عمل پیرا ہو کر ایک امتیازی شان پیدا کی اور اپنے آبا و اجداد کا نورانی علم بلند سے بلند تر رکھا۔ گولڑہ کا وہ سنہری دور آج بھی خدا کے فضل و کرم سے بدستور سنہری ہے۔

حضرت اعلیٰ کی نظر میں حضرت بابو جی کا مقام

حضرت بابو جی کے مقام کی نسبت یہ بات قابل ذکر ہے کہ جن دنوں حضرت اعلیٰ پر استغراق کا غلبہ شروع ہوا تھا۔ اُس زمانہ

میں سرسند رحیات مرحوم وزیر اعظم پنجاب نے حضرت بابو جی کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اس مضمون کا لکھ کر بھیجا تھا کہ حضرت اعلیٰ کے استغراق کی وجہ سے آپ اب باہر کا آنا جانا کم کر دیں اور آستانہ شریف پر زیادہ قیام فرمایا کریں۔ آپ کو یہ بات کچھ ناگوار گزری۔ تاہم اس کا اظہار کیسے بغیر آپ نے یہ خط حضرت اعلیٰ کے گوش گزار کر دیا۔ اسے سن کر حضور نے فرمایا۔ جو لوگ تمہیں ایسی باتیں لکھتے ہیں وہ تمہارے حال سے بے خبر ہیں۔ سچ ہے جوہر کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔ بے خبر کیا سمجھیں کہ ان حضرات کے سفروں میں کیا رٹوںز مٹتی ہوتے ہیں۔

صاحبزادگی کی فضا کا تدارک

ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ ہمارے دل میں خیال گذر کہ بر خور دار غلام محی الدین کی بیعت اپنے پر خاند سیال شریف میں کرادیں۔ لیکن اس امر نے باز رکھا کہ صاحبزادگی بڑا نازک مقام ہے۔ میا دایہ اس بار کو نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ اپنے ہی پاس رکھنا بہتر خیال کیا۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ بزرگوں کی اولاد میں ایک طرح کا عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں مریدوں کی نیاز مندی اور آؤ بھگت کو بڑا دخل ہے۔ ہر مرید شیخ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر شیخ کی اولاد کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہے۔ اس عجب کی وجہ سے اکثر صاحبزادگان کسب کمال سے محروم رہ جاتے ہیں لیکن اس طیب حاذق اور فرض شناس والد نے اپنے عزیز فرزند کے تربیتی نسخے میں ابتدا ہی سے اس متعدی بیماری کا پرہیز شامل کر دیا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ خودی کو مٹائے رکھنا۔ مشغول خدمت خلق رہنا اور احسن من الناس بن کر رہنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت بابو جی ایک طرف تو دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت سے محروم نہیں ہوتے اور دوسری طرف ادنیٰ سے ادنیٰ شخصیت کے انسان پر بھی شفقت میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے۔ اگرچہ اکلوتے بیٹے تھے، سب کی توجہ کا مرکز، ہر ایک خوشنودی حاصل کرنے کا خواہاں۔ غرض بگاڑ کے سارے سامان موجود، مگر اللہ سے استقامت کہ طبیعت ہمیشہ فقر ہی کی طرف مائل رہی۔ خود تو کیا بگڑتے بفضلہ تعالیٰ اپنے دونوں صلہ برادران رفیع اللہ قدر ہما کو بھی صاحبزادگی کی خود بوسے محفوظ رکھا۔ سچ ہے ترک دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ کمی مال و اسباب سے۔

”بے خون جگر چشیدن نتواں“

حضرت اعلیٰ نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں بڑی مشقتیں جھیلی تھیں۔ فقر کی صعوبتیں اٹھانی تھیں۔ حضرت کے اسیار کا یہ عالم تھا کہ جو رقومات ذاتی اخراجات کے لیے گھر سے وصول ہوا کرتی تھیں وہ بھی اپنے ہم سبق طلباء کی ضرورتوں پر صرف کر دیتے تھے اور خود فاقہ کش رہتے تھے۔ ادھر حضرت بابو جی کی نظر جب اپنے تعلیمی ماحول پر گئی تو معاملہ بالکل برعکس پایا۔ گھر میں رہتے تھے۔ ہر طرح کا آرام موجود۔ ہر قسم کی آسائش میسر۔ چنانچہ اس طالب علم بلکہ طالب مولیٰ نے مشقت اور جفا کشی کو الزما اپنا شعبہ بنایا۔ کم خوری کی عادت ڈالی۔ لہذا اور تن آسانیاں ترک کر دیں۔ اور سفر کی صعوبتیں اٹھانا معمول بنالیا۔

ایں شربت عاشقی ست غمروں بے خون جگر چشیدن نتواں

دینی طلباء کو عموماً جن سختیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ایک انوکھی ترکیب نکالی۔ جمعرات کی شام کو چپ ہم جویوں کو ساتھ لے کر کسی نواحی بستی میں چلے جاتے اور وہیں کسی مسجد میں شب بسر کرتے۔ ہر اس رُوح کے

سوکھے ٹکڑے طلباء کی طرح گداگری کو کے جمع کرتے اور مسجد میں لے آتے۔ آپ سب کے ہمراہ انہیں تناول فرما کر خُدا سے دُعا بجالا کر شکر ادا کرتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ دُکھے سوکھے ٹکڑے کس نورعین کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ٹکڑوں کی بجائے پُر تکلف کھانے آنے شروع ہو گئے۔ جب دیکھا کہ یہ بھید کھل گیا تو شبِ باری اور بوریائیں کایہ انداز ترک کرنا پڑا۔

فکر و نظر کی بلندی

نظر و منکر زمانہ طفلی ہی سے بلند و اعلیٰ ہو گئے تھے۔ علمی بات ہو یا فنی، کسی کام سے متعلق ہو یا کھیل سے، آپ اس کی گہرائیوں تک پہنچتے۔ اور حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس بات کا وہ نتیجہ نکالتے جو حقائق و معارف سے لبریز ہوتا۔ اور جسے سننے والے حیرت زدہ رہ جاتے۔ آپ کے فکر و ذہن میں حضرت مولانا رومؒ کا رنگ بہت غالب ہے جس کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حضرت مولانا کی ذاتِ گرامی سے آپ کو گہری نسبت اور عقیدت ہے۔ چنانچہ اُن کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے قونیہ شریف (ترکیہ) کے کئی سفر اختیار کر چکے ہیں۔

بچپن میں ریلوے انجن سے شغف

زمانہ طفولیت سے آپ کو ریلوے انجن سے خصوصی شغف ہے۔ اُس زمانہ میں انجن ڈرائیور عموماً انگریز ہوا کرتے تھے۔ جو آپ کی خوش اخلاقی اور معصومیت کی وجہ سے آپ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے۔ ان ڈرائیوروں نے آپ کا شوق پورا کرنے کے لیے آپ کو انجن چلانا سکھا دیا تھا۔ یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ اکثر راتیں گولڑہ ریلوے اسٹیشن پر گزار دیتے خالی اوقات میں گھر پر بھی اس کھیل کی طرف مائل رہتے۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹیک کی چھت پر ریلوے سگنل کی طرح کا ایک سگنل آویزاں کرادیا۔ جب کوئی ریل گاڑی رات کے وقت گولڑہ اسٹیشن سے گذرتی تو آپ کے جاننے والے ڈرائیور انجن کی سیٹی بجا دیتے۔ جس کی آواز سن کر آپ اپنی بیٹیک کا سگنل گرا دیا کرتے۔ سیٹی کی آواز سے بھی آپ کا درد مند دل متاثر ہوتا اور رقت طاری ہو جاتی۔ اسی کھیل کی وجہ سے شب بیداری کی عادت پڑ گئی تھی۔ اس خصوصی وابستگی کو دیکھتے ہوئے بہت سے مخلصین نے زینت گاہ کی زینت کے لیے انجنوں کی تصاویر اور نقشے بنانا کر پیش کیے۔ اور جناب شاہ عبدالولی صاحب گوالیار نے تو ایک ماڈل انجن جس میں کونکے کی بجائے مٹھائی اور پانی کی بجائے شربت بھرا تھا پیش کیا تو آپ بہت محفوظ ہوئے۔ آپ کی اس دلچسپی کو دیکھ کر حضرت اعلیٰؒ نے آپ کو بابو جی کا خطاب عطا فرمایا جو اس قدر مقبول و معروف ہوا کہ سب لوگ آپ کو بابو جی ہی کہنے لگے۔ وضع داری اور تعلق کا یہ حال ہے کہ بچپن کا یہ خوش نصیب دوست انجن آج تک نظر التفات کا مورد چلا آ رہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ریلوے کا سارا محکمہ ہی منظورِ نظر ہے۔

ایک مرتبہ کسی بے تکلف دوست نے آپ سے کہا کہ کیا کالے کلوٹے پر آپ کا دل آیا ہے اور کیسی بھونڈی شکل والی شے کو آپ نے محبوب بنایا ہے۔ جواب میں حضرت بابو جی نے فرمایا کہ مجھے اس کی چارادائیں بہت پسند ہیں:-
ایک تو اس کا حوصلہ کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو اتنا ہی زیادہ تیز چلتا ہے۔

دوسرے اس کی وفا کہ اس کے ساتھ خواہ فرسٹ کلاس کا ڈبہ لگا دو یا مال گاڑی کا چھکڑا۔ جہاں خود جائے گا اپنے ساتھیوں

کو بھی وہیں لے جائے گا۔

فولانجی جو گوالیار میں بھترت باجوچی صاحب مدظلہ العالی کو پیش کیا گیا (صفحہ ۶۲-۶۳)





حضرت ابو بکر صدیقؓ کی جگہ

تیسرے ایثار کہ خود جلتا ہے مگر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے یعنی منزل مقصود پر لے جاتا ہے۔ اور چوتھے استقامت کہ اپنی متعینہ راہ (لائق) پر ہی چلتا ہے۔ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا۔ غالب نے کہا ہے ۷

وفاداری بشرط استواری عین ایماں ہے
مڑے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

مُرشدِ راہ کے لیے انجن کی چار خصوصیات کا سبق

آپ کے یہ الفاظ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ ان میں جہاں ایک طرف بلند نگاہی کا مظاہرہ ہے تو دوسری طرف مُرشد کی خصوصیات کی وضاحت ہے۔ صاحبِ ارشاد کے لیے ضروری ہے کہ

۱۔ وہ بلند حوصلہ ہو۔ مئے عرفان کے خم کے خم پی جائے مگر اُس کا ظرف عالی چھلکنے نہ پائے۔

۲۔ باوقار ہو کہ اپنے بلند صاحبِ نسبت مباہلین کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں بمنزل مقصود تک پہنچا دے۔

۳۔ صاحبِ ایثار ہو کہ دوسروں کے نفع کے لیے خود ضرر تک اٹھالے۔

۴۔ استقامت (ثباتِ کرامت) پر ایسا راسخ ہو کہ کسی حالت میں جادۂ حق نہ چھوٹے۔

اس وحید العصر شخصیت نے عملی طور پر ان تمام خصوصیات کو بدرجہ اتم اپنایا۔ الحمد للہ والمِنَّة علی ذالک ۷

ہر کسے راہِ کار سے ساختہ سند میل آں اندر دِلش انداختہ سند

سکس کا رتبہ ایک اہم مسئلہ کے حل کا باعث ہوا

قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اثنائے تدریس میں مسئلہ جبر و قدر اور کسب و اختیار پر حضرت قبلہ عالمِ قدس سرفہ تقریر فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ممکن کا اختیار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ لے دے کے آخر وہی جبر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر حضرت نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بندہ کو فی الجملہ اختیار حاصل ہے۔ گو وہ اختیار میں مجبور ہے تاہم جبر کے خیال کے مطابق جبر (پتھر) کی طرح نہیں اور اسی ہو موم اختیار پر مدار تکلیف ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دن یہ مسئلہ خود ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ کافی مدت کے بعد ایک دفعہ بعض احباب کے اصرار پر یہی میں ایک سکس دیکھنے کا اتفاق ہوا اس میں ایک شخص کو بہت بھاری بوجھ اٹھاتے دیکھا گیا۔ جو عادتاً ممکن نہ تھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص اس شخص کے کسب اور ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اس وقت مجھے اچانک حضرت کا مذکورہ بالا ارشاد یاد آگیا۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ واقعی انسان میں کسب و اختیار کی نعمت موجود ہے اور اگر وہ اس کو استعمال کرے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گو یہ سب مشیتِ الہی کے ماتحت ہی ہے۔

سُبْحَانَ اللہ! حضراتِ اہل اللہ کی نظرِ بصیرت کا کیا عجیب عالم ہے، جو چیز لوگوں کے نزدیک ایک کھیلِ تماشہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان حضرات کی نگاہِ نکتہ پر اُس سے کیسے باریک نتائج اخذ کر لیتی ہے۔ سچ ہے۔ ۷

فکر ہر گز لیت در جہتِ دوست

اجازت بیعت و ارشاد

قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت بابو جی صاحب کی علمی و روحانی تکمیل سے ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ چونکہ بابو جی بطبعاً منکر المزاج واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے اپنا سلسلہ ارشاد جاری فرمانے سے ایک عرصہ تک گریز کرتے رہے۔ مگر حق تعالیٰ نے تو آپ کو اس منصب کے لیے ازل سے ہی چن لیا تھا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا جب یہ بارگراں آپ کو اٹھانا پڑا۔ حضرت اعلیٰ جن ایام میں علیل تھے قبلہ بابو جی نے پاک پتن شریف جانے کا قصد فرمایا۔ حسب دستور حضرت کی خدمت میں رخصت کے وقت سلام کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی اخلاص سے اصرار کرے تو بیعت لے لیا کرو۔ قبلہ بابو جی نے اس حکم پر عرض کی کہ اگر بیعت لینے کے لیے اہلیت ضروری ہے تو بندہ میں اس کا یکسر فقدان ہے۔ اور اگر اس سے غرض رونی کھانا ہے تو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کی جوتیوں کا صدقہ کسی کی محتاجی نہیں۔ وقت عزت و آبرو سے گزر رہا ہے۔ نیز یہ بھی تو آپ ہی کا ارشاد ہے کہ بیعت لینے کا استحقاق اس شخص کو حاصل ہے جس کی نظر اعیان ثابتہ تک ہو اور میں تو ظاہری نظر کے لیے بھی عینک کا محتاج ہوں۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا: دوسرے لوگ کون سے ولیوں کی اولاد ہیں۔ قبلہ بابو جی نے عرض کیا: جناب دوسروں کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ صرف اپنا حال عرض کر رہا ہوں۔ کچھ خاموشی کے بعد حضرت نے قیسری مرتبہ پھر اپنا حکم دہرایا تو بابو جی نے عرض کی کہ تعمیل حکم کے لیے تیار ہوں لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ جسے میں بیعت کروں گا اُس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ غالباً یہ شرط آپ نے اس وجہ سے لگائی کہ حضرت ایسا وعدہ فرمائیں گے اور نہ انہیں بیعت کا بار اٹھانا پڑے گا۔

جواب میں حضرت نے فرمایا: ذمہ داری جن کی ہے وہی ذمہ دار ہیں۔ میں بیچارہ کون ہوں ذمہ داری اٹھانے والا۔ اس پر بابو جی کو یہ عرض کرنے کا موقع مل گیا کہ اگر جناب بھی بے چارہ ہیں تو پھر میری بے چارگی کا کیا کہنا۔ مجھ میں یہ بارگراں اٹھانے کی تاب کہاں۔ بالآخر کچھ سکوت کے بعد حضرت نے فرمایا: اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اُس کا میں ذمہ دار ہوں۔

ذمہ داری کی کیفیت کا ظہور

اس ذمہ داری کی کیفیت بھی وقتاً فوقتاً علانیہ طور پر ظاہر ہوئی۔ ایک شخص محمد دین نامی سنگری زمین میں بل چلانے پر مامور تھا۔ سادہ لوح مگر بہت باادب انسان تھا۔ اس کے ادب کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ قبلہ بابو جی بابر سفر پر تشریف لے گئے۔ دیوان غلام رسول صاحب نے محمد دین سے کہا کہ بابو جی کی خالی بیٹھک میں رات کو سو رہا کرو۔ لیکن وہ بے ادبی کے خیال سے بیٹھک میں نہ سوتا اور باوجود رات جاگ کر گزار دیتا تھا۔ جب سفر سے واپسی پر حضرت بابو جی کو یہ علم ہوا تو اظہارِ ناراضگی من فرمایا کہ اس غریب کو کیوں مُفت میں مُصیبت میں ڈالا کیسی اور کوسلا دیا ہوتا۔ قصہ ایک دن حضرت اعلیٰ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد یہ شخص قبلہ بابو جی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور یہ پیغام پہنچایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا ہے: غلام محمد دین سے کہو وہ دل گرفتہ نہ رہا کرے اور کھلے دل سے بیعت لے لیا کرے۔ اُس وقت حضرت بابو جی نے حقیقت ظاہر فرمائی کہ میں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں بیعت تو لینا شروع کر دی تھی لیکن ہر وقت دل گرفتہ رہتا تھا اور رہ رہ کر خیال آیا کرتا کہ حضرت نے ذمہ داری تو اٹھائی ہے اور سلسلہ طریقت کے اکابرین کی ذیل میں مجھ نااہل کا نام بھی لگیا ہے لیکن اپنے

گناہوں کی وجہ سے یہاں اور وہاں بجز شرمساری کیا حاصل ہوگا۔ یہ ایسی بات تھی جسے کبھی زبان پر نہ لاسکا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ اس شخص کے چہنم سے حیرانی تو ہوتی ہے مگر ساتھ ساتھ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ بات سچی ہی کہہ رہا ہوگا۔ کوئی دوسرا شخص اس راز سے آگاہ نہ تھا۔ اس لیے نہ تو یہ ممکن تھا کہ اس نے اپنے پاس سے یہ بات بنائی ہوگی اور نہ یہ کہ کسی نے اسے سکھادی ہوگی۔

مے پذیرند بدان را بطفیسل نیکاں رشتہ را پس نہ دہد ہر کہ بگیہد گوہر

حضرت مدنی صاحب کی بیعت

اسی قسم کا ایک واقعہ خود میرے تجربہ اور علم میں آیا ہے میں نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت سید احمد العطار المعروف بہ مدنی صاحب سے استفسار کیا کہ جناب کے تعلقات قبلہ بانوجی صاحب سے کس طرح استوار ہوئے۔ جناب مدنی صاحب نے اس کی تفصیل یوں بتائی کہ میں ایک مرتبہ گولڑہ شہریت میں حاضر ہوا۔ میری دلی تمنا تھی کہ حضرت قبلہ عالم سید مہر علی شاہ قدس سترہ العزیز سے شرف بیعت حاصل ہو لیکن حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ ایک دن میں صبح کی نماز کے بعد کمرہ بند کیے ہوئے اپنے خاندانی اورد پڑھنے میں مشغول تھا۔ حضرت اعلیٰ کی زیارت سے محرومی کے باعث بڑا قلق تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اچانک حضرت اعلیٰ بنفس نفیس وہاں تشریف لے آئے۔ مجھے تسلی و دلاسا دیا اور ارشاد فرمایا: میں اور غلام محمد الہی دو نہیں ہیں۔ اس سے میری تشفی ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد بغداد شریف کے قیام کے دوران حضرت بانوجی صاحب سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

کیفیت فمرداری کا ایک اور واقعہ

حضرت بانوجی کے مبالغین کی حفاظت اور فمرداری کا جو وعدہ حضرت کی طرف سے فرمایا گیا تھا اس کے ظہور کا ایک اور واقعہ آپ کے ایک مخلص ملک محمد خدائش ٹوانہ کی زبانی رسالہ سلطان العارفین لکھنؤ ثابِت مئی ۱۹۵۸ء میں ضرورت شیخ کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے میں گولڑہ شہریت میں حاضر تھا۔ حضرت ثانی صاحب مدظلہ العالی صبح کے اورد پڑھ رہے تھے اور لوگ آکر سلام بھی کر رہے تھے۔ ایک نوجوان پٹیان کھڑکی کے سامنے آیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ حاضرین سے شرماتا تھا۔ بالآخر کہنے لگا کہ میں موکل حاصل کرنے کے لیے عرصہ سے وظیفہ پڑھ رہا ہوں اور بار بار ناکام رہتا ہوں وظیفہ بتانے والا کہتا ہے کہ جب کلام کی تاثیر کا وقت آتا ہے تو ہر مرتبہ غیب سے ایک ہاتھ تمہارے ہاتھ پر آکر اس اثر کو ضائع کر دیتا ہے۔ پھر میں جلال آباد افغانستان میں ایک بڑے عامل کے پاس گیا جس نے اپنے سامنے مجھ سے چلہ کر وایا اور کہا: یہ وہ ہاتھ ہے جس پر تم نے بیعت کی ہے۔ پیر کی اجازت کے بغیر عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ لہذا میں اجازت لینے آیا ہوں۔

حضرت بانوجی نے پوچھا کیا تم نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ ایف۔ اے کے دوسرے سال میں تعلیم پڑھا ہے۔ اور اس عمل کے شوق میں کئی سال سے فیل ہو رہا ہے۔ بیوہ ماں اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ اور کچھ زرعی جائیداد ہے جس پر گذر اوقات ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ طریقہ

میر اور میرے شیخ کا نہیں۔ عملیات میں عمر ضائع ہو جاتی ہے اور آخری وقت میں پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ علم پڑھو اور ماں اور بھائی کی خدمت کرو۔ مگر اُس لڑکے نے اصرار کیا۔ بالو جی صاحب نے پوچھا کیا جو کچھ میں نے بتایا تھا اُسے پڑھا کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ اکثر پڑھ لیتا ہوں کبھی نادمہ بھی ہو جاتا ہے۔ آپ عوام کو بیعت کرتے وقت بالعموم یہی بتاتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز نہ چھوڑنا اور ہر نماز کے بعد دس دفعہ کلمہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ اور دس مرتبہ دُرُود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ پڑھا کرنا۔

فرمایا: تو اچھا اس وظیفہ کو چھوڑ دو۔ لڑکے نے خوش ہو کر کہا کہ عمل کے پورا ہونے پر پھر پڑھنا شروع کروں گا۔ آپ نے فرمایا تمہاری مرضی اس دوران میں ہم حاضرین میں سے بعض نے اس لڑکے کے حال پر افسوس کر کے اسے سمجھانا چاہا جس پر آپ نے فرمایا تم میں سے خود کتنے ہیں جنہیں میں اُن کے شوق کی چیز سے روکوں تو رُک جائیں گے؟

باہر آنے پر میں نے اُس جوان سے کہا کہ اگر تم نے حضرت کے بتائے ہوئے وظیفہ کو ترک کر دیا تو پھر کبھی نہیں پڑھ سکو گے۔ اس پر وہ کچھ ناراض ہو گیا۔ سہ پہر کے وقت میں نے مجلس میں اس واقعہ کا ذکر حضرت بالو جی سے کیا تو آپ نے جلال اور ملال کے بدلے جگہ لہجے میں فرمایا: ہاں۔ پھر پڑھ لینا کوئی آسان چیز نہیں ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ کوئی بظاہر معلوم ہی نہیں کہ وہ اُس کا مُرید ہے صرف بیعت کے سلسلہ میں شامل ہو جانے کے بعد وہ کون سا دست غیب ہے جو اُس کی حفاظت کر رہا ہے جو اُسے گمراہی یا شاید کُفر اور شرک پر متوجہ ہونے والی ضلالت سے بچا رہا ہے؟ کیا یہ وہی ہاتھ تو نہیں جس کے متعلق مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-
دستِ پیر از غائبان کو تاہ نیست دستِ اوجہ تر قبضۃ اللہ نیست

اور قرآن فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ۚ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ
ترجمہ :- بے شک جن لوگوں نے (یا رسول اللہ) آپ سے بیعت کی یقیناً اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

حضرت قبلہ بالو جی کی شادی

حضرت قبلہ بالو جی کی شادی خانہ آبادی سال ۱۹۱۰ء میں وقوع پذیر ہوئی۔ اس مبارک تقریب میں ہر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔ عوام و خواص کے علاوہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام بھی کثرت سے شریک ہوئے۔ حضرت سید محمد صاحب قبلہ دیوان پاکپتن شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ سمود صاحب تونسہ شریف۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین صاحب سیال شریف۔ حضرت مولانا میاں شیر محمد صاحب شرق پور شریف۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب اور حضرت جماعت علی شاہ صاحب ثانی علی پور شریف خصوصی مہمانوں میں تھے۔

خطبہ نکاح نماز ظہر کے بعد حضرت قبلہ جی صاحب کے مزار شریف کے قریب پڑھا گیا۔ دعا کے بعد مجلس سماع منعقد ہوئی اور ایسا عجیب سماں بندھا جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کی خواہش پر کھڑے سواری کے کرتب دکھانے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ کسی سوار نے نیزہ بازی کے ہنر دکھائے تو کسی نے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اُسے دوڑایا۔ کسی

نے شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ غرض سب حاضرین بہت مخطوط ہوئے۔ حضرت اعلیٰ بھی بنفس نفیس شریک اجتماع رہے۔ اس مبارک موقع پر ایک حادثہ بھی پیش آیا۔ علاقہ پوٹھوار کے ایک سید صاحب جو ایک مرتبہ اپنے جوہر دکھا چکے تھے دوبارہ بغیر بازی اور اجازت نیزہ بازی کے لیے تیار ہو گئے۔ دوڑ میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ سید صاحب بھی دوڑ جا کر گرے۔ جب گھوڑے کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو صاحبزادہ محمود صاحب نے حضرت اعلیٰ سے فرمایا کہ اب آپ ہی اس گھوڑے کا کوئی علاج کریں۔ حضرت گھوڑے کے قریب تشریف لے گئے اور حکم فرمایا کہ گھوڑے پر ایک سفید چادر ڈال دو اور اسے یوں ہی پڑا رہنے دو کچھ دیر کے بعد گھوڑے پر سے پادراڑروانی گئی تو وہ بھلا چٹکا کھڑا ہو گیا۔

برکریاں کار ہاؤ شوار نیست

سید موصوف سے حضرت نے بس اتنا فرمایا کہ اپنی باری کے بغیر سبقت نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت اعلیٰ نے شادی کی تقریب میں کوئی کام خلاف شرع عمل میں نہیں آنے دیا اور تقریب کے بخیر و خوبی اختتام پر فرمایا کہ اولاد کی شادی کی خوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے تاہم ہمیں اس امر سے خوشی ہوتی ہے کہ اس بہانے سے اتنی ذی متدین شخصیتیں بیک وقت یہاں جمع ہو گئیں۔ اجاب سے ملاقات اور ان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ انہیں بڑے پیر صاحب (حضرت اجی) رحمۃ اللہ کی میہنیت کہ غلام محمدی الدین کی شادی بڑے اہتمام سے کرنا بھی پوری ہو گئی۔

تواضع اور انکسار

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا حضرت بابو جی کے مزاج پر تواضع اور انکسار کا بہت غلبہ ہے۔ اپنی تعریف و توصیف کسی رنگ میں بھی پسند نہیں فرماتے۔ اگر مجلس میں کوئی ایسا تذکرہ چھڑ جائے جس میں آپ کی مدح کا پہلو ہو تو آپ ایسے لطیف انداز میں گفتگو کا پہلو بدل دیتے ہیں کہ مخاطب کو احساس بھی نہیں ہوتا اور توصیف کا موضوع بھی ٹھل جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ لوگ تو جھوٹی تعریف کو قابل فخر سمجھتے ہیں مگر ہمارے نزدیک سچی تعریف بھی ضرر سے خالی نہیں ہوتی۔ اس سے غلبہ پیدا ہوتا ہے اور نفس کے قوی ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل نفس کے خلاف بات سے طبیعت میں انکسار اور تواضع الی اللہ پیدا ہوتی ہے۔

تو مباحث اصلاً کمال این است و بس روز و گم شو وصال این است و بس

ایک مرتبہ آپ مہتمم شمس الدین صاحب کے یہاں مقیم تھے۔ دوران گفتگو ایک ایسے شخص کا ذکر آ گیا جو آپ کے خاندان سے حسد و عناد رکھتا تھا۔ اُس کی گستاخی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ لوگوں میں کہتا پھرتا تھا کہ یہ سادات کا خاندان نہیں ہے حکیم صاحب نے اس شخص کی مذمت شروع کر دی۔ اس پر قید بابو جی نے حکیم صاحب کو منع فرمایا اور ساتھ ہی کہا۔ حکیم صاحب کیا خبر ہے کہ ہم اُس علیم و خیر ذات جل شانہ کے نزدیک اہل سیادت ہیں بھی یا نہیں؟ ان کلمات کو سن کر حکیم صاحب تڑپ اُٹھے ملک سلطان محمود صاحب تو انہیں کہتے تھے کہ ایک روز حکیم شمس الدین صاحب نے اس واقعہ کا ذکر کر کے کہا کہ اگر میں نے حضرت قدامت قدس سرہ سے بیعت نہ کی ہوتی تو اُس روز آپ کے اس عظیم صاحبزادے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

اخلاق فاضلہ

ان ہی حکیم صاحب کے یہاں قیام کے دوران ایک سفید ریش صاحب حضرت بابو جی سے ملنے آئے اور دعوت طعام

کی پیش کش کی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحبِ درحقیقت جو لایا ہے تھے لیکن اپنے تئیں حضرت اعلیٰ کا بھائی ظاہر کر کے پیری مریدی کا دھندلایا کرتے تھے حکیم صاحب اس شخص کے حال سے واقف تھے اس لیے اُس پر برس پڑے اور اُسے مکار، کذاب وغیرہ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت بابو جی نے حکیم صاحب کو روکا اور فرمایا: سفید داڑھی کا لحاظ کریں اور انہیں کچھ نہ کہیں۔ بلکہ اپنے آبائی جہلم سے کام لیتے ہوئے اُس کی دعوت بھی قبول فرمائی۔ اُس دعوت میں کچھ عمائدین شہر بھی شامل تھے۔ دورانِ گفتگو اس شخص نے حضرت اعلیٰ کی توصیف میں کہا کہ حضرت کی خدمت میں بہت لوگ حاضر ہوتے ہیں حکیم صاحب مرحوم بڑے تیز طبع تھے۔ بول اُٹھے لوگوں کا جمع ہونا بھی کوئی کمال کی دلیل ہے؛ بھڑ تو وہاں بھی لگی رہتی ہے جسے بازارِ حسن کہتے ہیں تو کیا یہ زنانِ بازاری ولی اللہ ہوتی ہیں؟ پھر حکیم صاحب نے حضرت کے حسب و نسب، علم و فضل، زہد و تقویٰ پر ایک بصیرت افروز تقریر کی اور شانِ ولایت کا ایسا مرقع کھینچا کہ حاضرین بے حد متاثر ہوئے۔

جود و سخا

جود و سخا خاندانِ نبوت کا فطری کمال ہے۔ ہر دور میں اس خاندانِ عالی کے مقتدر افراد اس وصف میں امتیازی شان کے مالک رہے ہیں جس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ قبلہ بابو جی مدظلہ العالی اس وصف میں بلا مبالغہ ایک خصوصی شان رکھتے ہیں جس کی تفصیل حد بیان سے باہر ہے اور خود قبلہ بابو جی کا مسلک بھی اس کے ذکر سے مانع ہے۔ پوشیدہ طور پر، اندرون اور بیرون ملک دینی مدارس، اسلامیہ اور غربا اور مستحقین کی فیاضانہ امداد فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ آستانہ عالیہ میں روزمرہ زائرین کے قیام و طعام کا انتظام آپ کے جود و سخا کی سب سے بڑی دلیل ہے جسے خواہش ہو ملاحظہ کر لے۔ درحقیقت یہی داد و دہش اور خلقِ خدا کی خدمت ہی ولایت کی روح ہے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کیا ہی خوب فرما گئے ہیں ۷

کرامتِ جواں مردی و ناں وہی ست مقالاتِ بے جودہ طبلِ تہی ست

دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کے قریب ۱۹۴۳ء میں جب برصغیر ہند اور جنوب مشرقی ایشیا بلکہ حجاز مقدس سے سمنڈ پار کے تمام ممالک کے مسلمانوں پر حج بیت اللہ شریف کا راستہ دوبارہ کھلا تو حضرت قبلہ بابو جی نے عرب میں تشریف لے جا کر ایسی بے نظیر داد و دہش فی سبیل اللہ کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال شاید دلیان ملک کے لیے بھی پیش کرنا مشکل ہو۔ کئی برس تک حج بند رہنے کی وجہ سے عرب شریف کے غرباد مساکین، طلباء، اساتذہ مدارس، مشائخ اور حُرّ ام حرمین بیرونی ممالک کی اقتصادی اعانت سے محروم رہے تھے۔ مارکیٹ کا حال مندا ہونے کے باعث بڑے بڑے تاجروں کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی حضرت نے جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے اثنائے راہ کے قریوں اور آبادیوں سمیت ہر درجے اور صنف کے مستحقین کی امداد کی اور اُن کی ضروریات کی کفالت فرمائی۔ کثیر تعداد میں پہننے کے کپڑے سلوا کر بغرض تقسیم جہرا لے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب تیار شدہ فہرستوں کے مطابق علما، مشائخ، اساتذہ اور خدامِ حرم میں زراعت تقسیم ہو چکا تو اعلان فرما کر فقرار اور مساکین کو ایک ٹی ٹوپی میں جمع کرایا اور اُن میں خیرات تقسیم فرمائی۔ بعد ازاں جب پتہ چلا کہ مقامی پولیس (شرطہ) کو سال کے بیشتر حصے میں تنخواہیں نہیں ملیں تو پولیس کے سپاہیوں کی بھی امداد فرمائی اور اُن کے افسروں کو اُن کے گھروں پر عطیات بھجوائے۔ شرفائے سادات کے ایک عمر رسیدہ بزرگ مدینہ شریف کے ایک بیرونی محلے میں رہتے تھے حضرت بابو جی خود اُن کے

پاس تشریف لے گئے۔ وہ کرایہ کے مکان میں رہائش رکھتے تھے اور کئی برس کا کرایہ اُن کے ذمہ واجب الادا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کافی مقروض بھی تھے۔ جب آپ اُن کی تمام حاجات پوری فرما کر واپس لوٹنے لگے تو انہوں نے بتایا کہ چند روز پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی مالی بے بسی کی حالت عرض کی تھی تو آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ تمہارا ایک دوست آنے والا ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔

حویلی کے اندر فقراء اور غریبوں میں تقسیم اعانت کے دوران حضرت بابو جی کے حکم سے روپوں اور ریا لوں سے بھرے ہوئے ٹوکروں کو کپڑوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ آپ نے ہدایت فرمائی کہ روپے کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالے جائیں اور کپڑے کو ٹوکروں سے اُپر سے نہ اٹھایا جائے۔ آپ کے ایک مخلص رفیق میاں غلام قادر صاحب کا بیان ہے کہ تقسیم شروع ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد اس خیال سے کہ روپے اب ختم ہونے کے قریب ہوں گے میں نے ایک ٹوکروں سے روپے کپڑا اٹھا کر جھانکا تو دیکھا کہ ابھی ایک چوتھائی روپے بھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ سمجھ گیا کہ برکت خداوندی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ فوراً کپڑا دوبارہ ٹوکروں کے مٹہ پر ڈال دیا۔ ادھر ایک تقسیم کنندہ نے غلطی سے ایک ٹوکروں سے روپے کپڑا اٹھ دیا تو دیکھا گیا کہ روپوں کی تیزی سے اُترنے لگی اور تھوڑی دیر میں ٹوکرا خالی ہو گیا۔ اس کے برعکس حویلی کے دوسرے دروازہ پر جو ٹوکرا استعمال ہو رہا تھا اور جس پر سے کپڑا نہیں اٹھایا گیا تھا اس میں سے بہت دیر تک تقسیم جاری رہی اور وہاں کے تمام متحین کے لیے وہی روپیہ کافی ثابت ہوا اس واقعہ کو سب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شمار کیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بابو جی کی واپسی کے موقع پر حضرت مدنی صاحب نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بابو جی کی اس جود و سخا پر اظہارِ خوشنودی فرماتے دیکھا۔

حضرت مدنی صاحب کا مکتوب

حضرت قبلہ سید احمد العباس صاحب مدنی دامت برکاتہ کے اقادات بعنوان "مبشرات مدنی" سے حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کے سفر حج (۱۳۶۳ھ) اور وہاں کے صدقات و خیرات کے متعلق ایک بیان ملاحظہ ہو:-

(ترجمہ) اور ۱۳۶۳ھ میں جیسا کہ مجھے یاد ہے اور اُمید ہے کہ باوجود بہت سال گزرنے کے میرا حافظہ کسی چیز کو نہیں بھولے گا۔ میرے سردار اور مُرشد سید غلام محی الدین حج اور زیارت کے ارادہ سے تشریف لارہے تھے۔ اور آپ ہمراہیوں سمیت جدہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کہ مجھے خواب میں حضور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور میں آپ کے قریب کھڑا تھا۔ آپ نے منہ مایا جا میرے فرزند کا استقبال کر اور اُسے میرا سلام پہنچا۔

اور دوسری بار میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھے میرے نام سے پکار کر فرماتے ہیں کہ میرے فرزند غلام محی الدین اور

ففي سنة ١٣٦٣ هـ على ما اذكر واصل بان ذاكرتي مانيت شيئا وقد مضت على ذلك سنون عديدة - كان قاصد الحج والزيارة سيدي ومرشدي سيد غلام محي الدين وكان قريبا ويصل الي جدّه ومن يرفقه من الاخوان رايت في المنام حضرت سيدي الرسول الاعظم صلى الله عليه وسلم واقف بالقرب منه وهو يقول لي اذهب الي ابني فقابله وبلغه السلام.

وللمرة الثانية رايتني صلى الله عليه وسلم يناديني باسمي ويقول لي بلغ سلامي لابني

غلام محی الدین والجماعة واخبره بانى راض
عنه وهو من المقبولين .

(الامر بالقضاء من المحارب)

وفي تلك السنة لما جاء سيدى سيد
غلام محی الدین الى المدينة المنورة ووزع
وقسم الكثير من الخيرات والصدقات والزكاة
كان في ذلك الوقت فصل من كثير من الناس
اوراق مكتوبة يطلبون فيها ويذكرون حاجاتهم
وكنت كل يوم اجمع ما يجي من هذه الاوراق
في جيبى حتى يجي الوقت لاسلمها واقدمها
لسيدى غلام محی الدین وكان في ذلك اليوم
من جملة الاوراق ورقة جاءت من محارب
السجن والمتهم بتهمة القتل وضعتها في جيبى
من جملة الاوراق وقد جلست على دكة
داخل البيت وكنت تعبا كثيرا جدا فمت
وانا جالس على الدكة رايت حضرت رسول الله
صلی الله علیه وسلم وهو يقول لى ابن الاوراق
فتشت في جيبى واخرجت ورقة فاذا هو الذى
جاءت من محارب فقال لى صلی الله علیه وسلم
قتل لغلام محی الدین يقضى عن هذا .

وامتثالا لامرہ صلی الله علیه وسلم
قد اجري كل مالزم من جهة الحكومة
وذوى الامر واطلق سراح محارب وبا الضمن
كل من هو في السجن وقضى عنه وعن الجميع
واطلق سراحهم من السجن جميعا و
قد علم باليقين بان محارب متهم
ظلمًا كان فرحًا عظيمًا بكل الوجه
في المدينة المنورة لذلك الامر .

اُس کی ہمراہی جماعت کو میرا سلام پہنچا اور اُس کو خبر دے کہ میں
اُس سے راضی ہوں اور وہ مقبول میں سے ہے۔
(ایک قیدی کے قرضہ اُتارنے کا حکم)

اور اسی سال جب سیدی سید غلام محی الدین مدینہ منورہ
میں تشریف لائے اور بہت خیرات و صدقات اور
مال زکوٰۃ تقسیم فرمائے تو بہت لوگوں کی طرف سے
خطوط آتے تھے جن میں وہ اپنی حاجات کا تذکرہ کرتے
تھے اور امداد مانگتے تھے اور میں روزانہ وہ خطوط جمع کر
کے جیب میں رکھتا تاکہ وقت آنے پر آپ کے پیش
کروں اور آپ کے سامنے پڑھوں۔ انہیں دنوں میں
ایک قیدی کی طرف سے خط آیا جو بوجہ تہمت قتل جیل میں
بند تھا۔ میں نے وہ رقعہ دوسرے رقعوں کے ساتھ
جیب میں رکھ لیا اور گھر کے اندر تخت پوش پر بیٹھ
گیا اور بہت تھکا ہوا تھا۔ بیٹھتے ہی نیند آگئی
دیکھتا ہوں کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ رقعے کہاں ہیں؟ میں
نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک رقعہ نکالا اور
دیکھا تو وہی قیدی والا رقعہ تھا۔ پس حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام محی الدین سے کہو کہ اس کی
طرف سے ضمانت ادا کر دے۔

چنانچہ سیدی غلام محی الدین نے اُس کی طرف سے
وہ تمام چیز ادا کر دی جو حکومت اور حکام کی طرف
سے اُس پر واجب تھی اور قیدی کو چھڑا دیا۔ اس کے
علاوہ تمام قیدی جو اُس کے ساتھ تھے اُن کی طرف
سے بھی بطور ضمانت سب کچھ ادا کر دیا اور اُن کو بھی
جیل سے رہائی دلائی۔

حالانکہ یہ یقیناً معلوم تھا کہ وہ قیدی ظلم کے ساتھ متهم
ہے اور مدینہ منورہ میں اس امر پر بڑی خوشی کا اظہار کیا

گیا۔ حتیٰ کہ بہت لوگوں کے وجہ اس امر کو دیکھ کر خیرہ ہو گئے

اختلافِ حال

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت قبلہ بابو جی اظہارِ کمال سے انتہائی اعتبار فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ گناہ بھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لاتے جس سے ان کے بے اندازہ ظاہری اور باطنی علوم کا پتہ چل سکے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو عرفان کے سمندر میں نہ گم ہو کر سب کچھ جذب کر لے۔ سچ ہے دریا سے ٹپک کی خاموشی پانی کو دھوئے سے کیا عرض ہے۔

گردابِ داریا تیرے صدقے جانیے دریا کا پھر پانیے تیرا نہ پانیے
حضرت نورجہانیاں صاحبہ تجاہدِ نشین مہارِ شریف نے ایک مرتبہ فرمایا کہ صاحبِ گولڑوی کی ذات میں دیگر کمالات کے علاوہ جو نیاز اور نفی دعوئی ہے وہ کہیں اور نہیں پائی جاتی۔
جناب رازِ رام پوری اپنے رشحاتِ قلم میں ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابو جی ایم پور تشریف لائے تو آپ کی مجالس میں وہاں کے ایک بڑے عالم بھی شریک ہوئے تھے۔ جب حضرت واپس تشریف لے گئے تو ان مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہم نے تمہارے شیخ کو ہر رنگ میں کامل پایا۔ پہلے تو ہم ان کے کمالِ درویشی سے متاثر ہوئے۔ اس کے بعد چونکہ آپ نے اُس سے اُس وقت تک کسی علمی موضوع پر گفتگو نہیں فرمائی تھی اس لیے دل میں یہ خطہ گزرا کہ معلوم نہیں انہیں علمِ ظاہری میں بھی دسترس ہے یا نہیں۔ اُس وقت نمازِ مغرب ادا ہو چکی تھی۔ ہمارے دل میں اس خطہ کے آتے ہی حضرت نے نماز کا ذکر درمیان میں لا کر عشا کی نماز کے وقت کے موضوع پر فقہاء کے اختلاف کے متعلق ایک سیرِ حاصل تبصرہ فرمادیا جس سے ثابت ہو گیا کہ آپ علومِ ظاہری سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔

اسی تواضع اور انکسار کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو اپنے زمانہ میں وہ رفعت بخشی ہے جس کی نظیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حدیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو شخص خالصِ خدا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رفعت عطا فرماتا ہے) اپنی زبانِ فیضِ ترجمان سے اظہارِ کمال کا تو حضرت کے یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب کبھی کسی عقیدت مند نے بھی آپ کی کرامت اور کمال کے متعلق بنا بر مشاہدہ اظہارِ خیال کرنا چاہا تو آپ نے اس شدت سے منع فرمایا کہ سُسنے والوں کو عبرت ہوتی۔

محبتِ فی اللہ

احادیثِ مبارکہ میں محبتِ فی اللہ کو افضلِ الاعمال قرار دیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مومن کے لیے سب سے بڑا سرمایہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ پھر جس چیز کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قدر زیادہ نسبت ہوگی محبتِ فی اللہ کا مقتضایہ ہے کہ انسان بھی اُس چیز کے ساتھ اتنی ہی زیادہ محبت رکھے۔ اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور صحابہ کرام سب سے پیش پیش ہیں۔ ان کے بعد اولیائے عظام کا کادرجہ ہے۔ حضرت قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی خدائے تعالیٰ اور اُس کے محبوب بندوں کی محبت کا پسیر ہے تقریباً بیس و تھوڑے بیٹ اللہ شریف اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل فرما چکے ہیں۔ علاوہ ازیں نجف

اشرف، کربلائے معلیٰ، کاظمین شریفین، بغداد شریف، قونیہ شریف (ترکیہ) مزار شریف و بہار (افغانستان) مصر شام، بیت المقدس وغیرہ اور دوسرے اسلامی ممالک میں مختلف مقبولانِ خدا کے مشاہد مبارک کی زیارت کے لیے متعدد بار سفر فرما چکے ہیں خصوصاً حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ اور سرکارِ عبتِ اقدس سترہ کی ذاتِ مبارکہ سے تو آپ کو انتہائی والہانہ عقیدت ہے تقسیمِ ہند سے پہلے تھریا ہر سال اجمیر شریف اور ہندوستان کے دیگر مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی اجمیر شریف کی چند مرتبہ حاضری دی۔ توحید و جود کی کا ذوق ایسا غالب ہے کہ تمام خلقِ خدا پر شفقت و رحمت عادتِ شریفہ بن چکی ہے۔ ہر فرقہ و ملت کے لوگ، حتیٰ کہ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ غیر مسلم بھی آنجناب سے عقیدت رکھتے ہیں تقسیمِ ملک سے پہلے لاہور میں مقیم ایک ہندو سستی دوار کا سنگھ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں فقط میرا تعلق خدا سے ہو جائے۔ اُس کے اس جذبہ سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب بھی وہ سماع وغیرہ کی مجلس کے انعقاد کی درخواست کرتا آنجناب عظیم الفرستی کے باوجود اُس کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے اور توحید کے موضوع پر مجالس سماع منعقد ہوتی تھیں تقسیم کے بعد بھی آپ نے ایک مرتبہ امرتسر اور دہلی میں ہندوؤں اور سکھوں کے مجمع میں مجالس سماع منعقد کرائیں رفیقانے سفر سے معلوم ہوا کہ ان مجالس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ ایک مجلس میں آپ کے قوال محبوب علی صاحب نے توحید کے متعلق مضمون بیان کرتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

تمہارے بڑے بن میں شک ہے کہ

اور ساتھ ہی اللہ اکبر کہا۔ بس پھر کیا تھا۔ تمام مجمع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا گونج اٹھی۔ اُس میں شریک سب ہندو اور سکھ بے ساختہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ دہلی کی مجلس سے پہلے کئی سرکاری اور غیر سرکاری افراد نے مشورہ دیا تھا کہ مجلس منعقد کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم آپ نے محض اس خیال سے کہ پنجاب کے ان ہندو اور سکھ تارکینِ وطن سے وعدہ ہو چکا تھا۔ اور وہ خدا کی تعریف سُننا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ مجلس ضرور ہوگی۔

الغرض خلقِ اللہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کے ساتھ حسبِ مراتب آپ کا تعلق ہے۔ خلقِ خدا کی ایذا رسانی سے اتنی شدید نفرت ہے کہ اس قسم کے واقعات کا سُننا بھی برداشت نہیں فرماتے۔ گویا مجسمِ شفقت و رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ کرامت دیر پا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

عفو و درگزر

عفو حق تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اس صفت کا حقیقی نظارہ تو میدانِ حشر ہی میں حاصل ہوگا۔ تاہم عالمِ شہود میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اس صفت کی مظہرِ اتم بن کر آئی اور نہ صرف آپ کے اہل بیت اطہار کو اس کا افرغ حصہ ملا بلکہ آج تک آپ کی ذریتِ طیبہ میں بھی اُسی شانِ عفو کا ظہور ہو رہا ہے۔

حضرت قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند شیعہ حضرات حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کیا یہ زیادہ مناسب نہیں ہے کہ یزید پر لعنت کر کے وقت ضائع کرنے کی بجائے آلِ نبی پر درود شریف پڑھا جائے؟ اس کے بعد قبلہ بابو جی نے فرمایا کہ نبوت کا گھرانہ بھی کیسا عظیم گھرانہ ہے کہ اس میں لفظ نہ کا تو جود ہی نہیں۔ جود و سخا اور رحم و کرم ہی ہے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ حضرت ابام زین العابدینؑ سے یزید نے

عرض کیا یا امام اہل بیت کے خون سے ہاتھ رنگ کریں گے اور عظیم کا استحباب کیا ہے۔ اب خدا کوئی نجات کی سہل بتائیں۔
 امام صاحب نے بتائی فرمایا کہ غریب کے بعد دو رکعت نماز داخل قریب سے پڑھ لیا کرو۔ حضرت امام زین العابدین سے
 بڑھ کر واقعہ شہادت کا رنج کسے ہو گا۔ وہ نہ صرف شہید ہو کر حضرت امام حسین کے فرزند بیکر بند تھے بلکہ اس سانحہ عظیم
 کے وقت خود وہاں موجود بھی تھے۔ علاوہ ازیں بعد میں جو مظالم اُٹھائے گئے انہوں نے وہ بھی سب دیکھے اور سنے تھے۔ ان میں
 یہ جیسے دشمن کی بھی صحیح رہنمائی فرمائی۔ مگر ذات خداوندی چونکہ بے حد غیور ہے اس لیے اُس نے یہ کو یہ توفیق ہی نہ بخشی کہ امام
 کی بتائی ہوئی دو رکعت اپنی زندگی میں ادا کر سکتا۔ پھر بابو جی نے فرمایا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر قیامت کے روز ان بزرگوں سے ریت
 کیا گیا کہ تمہارے دشمنوں سے کیسا سلوک کیا جائے تو لاریب وہ اُن کے لیے رحم اور بخشش ہی کی استدعا کریں گے۔ آخر اُسی قدر
 ہستی کے گھرانے سے میں جس نے ہر غم و غم سنے کے بعد بھی زبان مبارک سے صرف اتنا فرمایا کہ اے بار الہا میری قوم کو ہدایت
 دے۔ یہ نا سمجھ ہیں۔

حضرت قبلہ بابو جی نے بھی ہمیشہ اسی شان عفو و کرم کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ کئی مرتبہ قاتلانہ حملے ہوتے رہے لیکن باوجود علم ہونے
 کے دشمنوں سے تعرض نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کے پنگ کے نیچے چھپا ہوا دشمن پکڑا گیا۔ مگر آپ نے اُسے چھڑوا دیا۔
 حاسد دشمنوں نے آپ کی کار کا راستہ روک کر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ گولیوں کی اُس بارش کے وقت آپ کے منہ پر
 محبوب علی قوال نے جو ہمراہ تھا مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نعت پڑھنا شروع کر دی۔

بیا جانب بطحا گذر کن ز احوال محمد را خبر کن

دوستوں نے آئندہ کے لیے حفاظتی تدابیر سے متعلق کچھ تجاویز پیش کیں مگر آپ نے یہ جواب دے کر ٹال دیا، کہ
 اللہ تعالیٰ خود حافظ و ناصر ہیں۔ موت کا ایک دن متین ہے۔ اُس سے پہلے نہیں آئے گی۔ اور جب وقت آگیا تو جو بہانہ یا مقام
 مقرر ہو گا اُسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکے گی۔

وفا اور آشناپوری

وفا اور آشناپوری حضرت بابو جی مدظلہ کا امتیازی خاصہ ہے۔ ان کے یہاں قطع تعلق پر بے مہری نہیں ہے۔
 موجودہ دور میں ان کا یہ وصف اس شعر کا صحیح مصداق ہے۔

تو جنس محنت ہے، قیمت ہے گراں تیری

کم مایہ ہیں سوداگر، اس دیس میں ارزاں ہو

کوئی لاکھ تعلق توڑے یہ ہمیشہ اُسے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخلاص کی قدروں تو کم و بیش سب کو ہوتی ہے لیکن
 حضرت بابو جی کے یہاں صاف گوئی، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو اور صاف فطرت، خواہ مخالفت ہی میں ہو، بے حد پسندیدہ ہے
 چنانچہ حکیم شمس الدین صاحب مرحوم کی مذکورہ بالا خصوصیات ہی کی وجہ سے آپ کو اُن سے بہت اُنس تھا۔

ایک تبرائمی حکیم صاحب نے حضرت اعلیٰ کو خط لکھا کہ باوجود آپ سے بیعت کے میری فلاں عورت سے محبت میں کمی نہیں
 آئی۔ ایسی بیعت سے بھلا کیا فائدہ؟ میں اپنی بیعت فسخ کرتا ہوں۔ ساتھ ہی قبلہ بابو جی کو خط لکھا کہ میں آپ کے والد سے قطع تعلق
 کر رہا ہوں۔ لہذا آپ بھی مجھ سے تعلق منقطع کر لیں۔ حکیم صاحب حضرت اعلیٰ سے بیعت کے علاوہ آپ کے استاد بھائی بھی

تھے یعنی حضرت اعلیٰ کے استاد مولانا لطیف اللہ صاحب علی گڑھی کے شاگرد تھے۔ لہذا قبلہ عالم قدس سترہ نے جواب میں لکھا کہ تم شوق سے قطع تعلق کر لو مگر ہماری طرف سے آشنائی اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ ادھر بالو جی صاحب نے حکیم صاحب کے خط کا جواب یہ دیا کہ جب آپ نے حضرت سے تعلق پسند کیا تھا تو اُس وقت میں نے دکالت نہیں کی تھی۔ اب اس تعلق کا توڑنا آپ کا اور حضرت کا باہمی معاملہ ہے۔ یہ ہمارے تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

حضرت بالو جی کے بچپن کے جھولیوں میں سے جب ایک ساتھی کا انتقال ہوا تو آپ نے ابدیدہ ہو کر فرمایا دل چاہتا ہے کہ جب میرا وقت آجائے تو اس ساتھی کے پہلو میں قبر بنے۔ اُس دوست کے صاحبزادے پر بڑی عنایت اور شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔

ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک مخلص کے اچانک انتقال کی اطلاع ملی۔ صدمہ ہوا۔ جنازے میں شرکت کے لیے اُن کے یہاں تشریف لے گئے۔ متوفی لا ولد تھے۔ اور اُن کی اپنے اعزاء سے شکور بھی رہتی تھی۔ جب قبلہ بالو جی واپس تشریف لانے لگے تو مرحوم کے اُن اعزاء نے پانچ سو کے نوٹ بطور نذرانہ پیش کیے۔ مگر آپ نے اس رقم کو یہ فرما کر واپس کر دیا کہ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں اپنے آشنا کے مخالفوں کا ہدیہ قبول کروں۔ بعد میں اُن لوگوں نے وہ نوٹ پُرزے پُرزے کر کے بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں گولڑہ شریف کے پتے پر روانہ کر دیئے لیکن آپ نے انہیں نئے نوٹوں میں تبدیل کر کے واپس فرمادیا۔

ہندو ہیں بُت پرست، مسلمان خُدا پرست، ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

قبلہ بالو جی مدظلہ العالی کی حیات مبارکہ کے تفصیلی حالات کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں تبرا کا صرف چند ایک باتوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حجاز مقدس، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران وغیرہ ممالک اسلامیہ کے متعدد سفر، تعمیر پاکستان کے سلسلہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے آنجناب کی مساعی، جہاد کشمیر ۷۸-۱۹۷۷ء و ۱۹۷۵ء میں آپ کی ملی خدمات، تحریک ختم نبوت میں جمہور اہل اسلام کے ساتھ تعاون وغیرہ کے متعدد ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اچانک تصوف و روحانیت میں جو قابل قدر خدمات آپ نے انجام دی ہیں وہ ایسے نازک دور الحاد و مادہ پرستی میں آپ ہی کا خاصہ ہیں۔ اسی اخلاص اور مساعی اسیائے دین و تصوف کی برکت ہے کہ جب محکمہ اوقاف نے ۱۹۶۲ء میں دربار گولڑہ شریف کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو جناب بالو جی مدظلہ کی قانونی چارہ جوئی پر سید محمد حسن ترمذی سیشن جج راولپنڈی کے حکم سے بالآخر اسے واکدار کر دیا گیا۔ اس مدت میں کافی صلہ آؤ اور انگریزی میں شائع ہو چکا ہے جس میں خود حضرت قبلہ بالو جی کا حقیقت انداز بیان قابل مطالعہ ہے۔

(جناب حاجی مصباح الدین صاحب کا مقالہ ختم ہوا)

دینی و ملی خدمات

خدمت دین و ملت کے اہم فریضہ کی جو مستحکم بنیاد حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے رکھی تھی اس کی تعمیر و ترقی میں آپ کے

فلت الصدق قبلہ بالوجہ مدظلہ العالی نے قابل قدر خدمات انجام دیں چنانچہ آستانہ عالیہ پر قیام علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے قائم شدہ جامعہ غوثیہ میں ساٹھ ستر طلباء کے قیام و طعام اور تعلیمی ضروریات اور مدرسین کی کفالت کا مکمل انتظام ہے۔ تقریباً چھ ہزار مطبوعہ اور قلمی کتب پر مشتمل کتب خانہ دارالافتاء حضرت قبلہ عالم قدس ستر ہا کی تصانیف کی اشاعت اور اعراض مبارکہ کے عروج و محرم الحرام میلاد شریف اور معراج شریف وغیرہ کی تقریبات پر اہل سنت و الجماعت کے مسابک کی اشاعت کے لیے علماء کرام کی تعاریر اور مجالس جامع کا آپ نے باقاعدہ انتظام فرما رکھا ہے جس سے ملک بھر کے ہزاروں حاضرین مستفیض ہوتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے زمانہ میں سب سے بڑا اجتماع حضور غوث اعظم کے عرس شریف منعقدہ ۱۰۔۱۱۔۱۲ رجب الثانی کے موقع پر ہوتا تھا جس میں شمولیت کے لیے آنجناب خاص طور پر تاکید فرماتے تھے۔ اُس وقت حاضرین کی تعداد ہزاروں تک ہوتی تھی مگر اب لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس عظیم سالانہ تقریب کے علاوہ حضرت قبلہ عالم کا اپنا ختم شریف ہر سال ۲۹ صفر کو ہوتا ہے۔ اور دوسرے دن شام کو چادر چڑھائی جاتی ہے۔ ۱۲ رجب الاول کی رات کو میلاد شریف کی مجلس بڑے تزک و احتشام سے منعقد کی جاتی ہے۔ اول شب سے درود خوانی شروع کی جاتی ہے۔ آدھی رات کے بعد تقریریں اور نعت خوانی ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین وقت ولادت کے مطابق قیام و سلام ہوتا ہے اور ایک سو ایک گولوں کی سلامی دی جاتی ہے جس کا منظر عجیب روح پرور ہوتا ہے۔

قبلہ بالوجہ مدظلہ العالی کے دور میں آستانہ عالیہ پر تدریس و افتاء اور خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے والوں میں مولینا قاری نعمت اللہ صاحب آبادی مرحوم، مولینا سید محمود شاہ صاحب محقق راولپنڈی، مولینا محبت البنی صاحب بھوئی، ضلع ہزارہ، مولینا حافظ عطاء محمد صاحب پدھر اڈ علاقہ سٹون، مولینا قاری محبوب علی صاحب کھنوی، مولینا محمد عبد الرزاق صاحب گوبدو، ضلع راولپنڈی، مولینا فرید الدین صاحب بھوئی، مولینا فتح محمد صاحب مرحوم راولپنڈی، مولینا اللہ بخش اور مولینا خدا بخش صاحبان مٹھیال، ضلع کیمبل پور اور مولینا محمد فاضل صاحب گوجر خان کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ الحمد للہ کہ اپریل ۱۹۶۷ء سے بندہ راقم الحروف کو بھی اس سعادت میں شمولیت کی توفیق حاصل ہے۔

جامعہ غوثیہ میں تعلیم پانے والے طلباء کو دورہ حدیث کے بعد سند دی جاتی ہے۔ یہاں کے بعض فارغ التحصیل طلباء نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے انتہائی درجات میں داخلہ لے کر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان میں سے اکثر مختلف دینی شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ راقم الحروف کے یہاں پر قیام کے بعد سے اس وقت تک حسب ذیل طلباء کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ راقم الحروف کے برادر خور و مولوی مشتاق احمد صاحب

۲۔ مولوی محمد اشرف صاحب ضلع میانوالی

۳۔ مولوی محمد حق نواز صاحب تحصیل کھوٹہ

۴۔ مولوی عبد الحمید صاحب ساکن عبد الحکیم ضلع ملتان

۵۔ مولوی احمد نواز صاحب بھکر ضلع میانوالی

۶۔ مولوی محمد مسعود صاحب اور

۷۔ مولوی محبوب سبحانی صاحب علاقہ گوبدو ضلع راولپنڈی

۸۔ مولوی محمد سکندر شاہ صاحب ضلع ہزارہ

- ۹۔ صاحب زادہ مولوی عبدالحمید شاہ صاحب سوہا وہ شریف۔ آزاد کشمیر
- ۱۰۔ صاحب زادہ رفیع الدین صاحب اہل شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان
- ۱۱۔ مولوی ممتاز احمد خان صاحب بھکر ضلع میانوالی۔ اور
- ۱۲۔ مولوی غلام نصیر الدین صاحب ریاست دیر

حضور غوث الاعظم قدس سرہ کے عرس مبارک اور حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ختم شریف کی مجالس میں متواتر کئی سال تک پاکستان کے مشہور واعظ مولانا عبدالغفور بزاروی مرحوم اپنے مواعظ سے حاضرین کو مستفیض کرتے رہے۔ مجالس سماع میں دیگر قوالوں کے علاوہ آستانہ عالیہ کے قوال حاجی محبوب علی صاحب اپنے خاص انداز میں حاضرین کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے طرز بیان میں حیدر آباد کن کے مشہور و معروف علی بخش واعظ قوال مرحوم کا بھی خاصہ رنگ ہے۔ شوقیاء کے علاوہ علمائے کرام بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ قبلہ بابو جی کی ہمرکابی میں انہوں نے کئی مرتبہ بھارت کے شہروں میں ہندوؤں اور سکھوں سے اللہ اکبر کے نعرے لگوا دیے ہیں۔

مقامی طور پر مستزکرہ بالادینی و ملی خدمات کے علاوہ ملک اور بیرون ملک میں جہاں اور جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا جس میں دینی نقطہ نظر سے تعاون کی ضرورت تھی وہاں حضرت بابو جی سیاسی اور ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر محض رضائے الہی اور مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر حتی الوسع امداد فرماتے رہے ہیں۔ استقرار پاکستان پر آپ مسلم لیگ کی حمایت میں پیش رہے۔ ۱۹۴۸-۱۹۴۷ء میں جہاد کشمیر کے موقع پر مجاہدین اور مہاجرین کی ہر ممکن طور پر نقد و جنس سے بھرپور امداد فرمائی۔ تحریک ختم نبوت میں جمہور اہل اسلام کے ساتھ پورا تعاون فرمایا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ مابین بھارت و پاکستان میں ذاتی طور پر مجاہدین اور مہاجرین کی فہرست کی امداد کے علاوہ اپنے متوسلین کو بھی خاص طور پر اس جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب اور تاکید فرماتے رہے۔ چنانچہ خلاف معمول و مشرب اس موقع پر ایک تقریر بھی ریکارڈ کرائی جو ۱۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ریڈیو پاکستان سے نشر کی گئی۔

نویں فصل

قبلہ بابو جی مدظلہ العالی کی اولاد امجاد

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی تین صاحبزادیاں اور ایک فرزند قبلہ بابو جی مدظلہ العالی تھے۔ آنجناب کا نسب مبارک فقط حضرت بابو جی سے ہی فروغ پذیر ہوا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبزادی اور دو فرزند ارجمند عطا فرمائے۔ بڑے صاحبزادے حضرت شاہ غلام معین الدین شاہ صاحب (جن کا عرف لالہ جی صاحب مشہور ہو گیا ہے) اور چھوٹے شاہ عبدالحق صاحب مدظلہما العالی۔ دونوں صاحبزادے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی حیات مبارکہ میں بالترتیب ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو آنجناب کی خصوصی نوازشات سے بہرہ اندوز ہونے کا کافی موقعہ عطا فرمایا۔ حضرت کے وصال کے وقت جناب شاہ غلام معین الدین صاحب کی عمر سترہ برس اور جناب شاہ عبدالحق صاحب کی عمر گیارہ برس تھی۔

صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت

ہردو صاحبزادگان کو جناب مولانا محمد غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر عالم سے ابتدائی تعلیم کا شرف حاصل ہوا جب حضرت مولانا محمد غازی صاحب ۱۹۳۹ء میں انتقال فرما گئے تو انہوں نے جامعہ بہاول پور میں داخلہ لے کر کئی سال تک جناب شیخ انجم علی تربیت میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ حضرت غلام معین الدین شاہ صاحب نے مولوی فاضل کاکورس بھی پاس کیا۔ علاوہ ازیں آپ ایک نغمہ گو شاعر بھی ہیں۔ مشتاقِ تخلص فرماتے ہیں۔ کلام میں درد اور برقت کا غلبہ ہے۔ مجالس میں ان کے اشعار اکثر پڑھے جاتے ہیں۔ اور ہمیشہ کیف اور ثابت ہوتے ہیں۔ بعض اشعار درج ذیل ہیں:-

مثنوی ستر تو حید۔ نمونہ کلام حضرت لالہ جی مدظلہ العالی

ذات حق چوں قابلِ حمد و ثناست	پس محمد گفتن اور اہم رواست
یاد کن او را بصدِ عجز و نیاز	تا شوی از یاد او تو سرِ نیاز
نیست بجز ذلتش کسے در شش جہات	منظر او بہت مجملہ کائنات
ناظر او باش در مجملہ صور	در حقیقت اوست خطا ہر سیر
ہستی موہوم را معہ دوم ساز	فاس گرد و آنچه در فے بہت راز
مجملہ موجودات عکس یک وجود	بود مطلق بہت مقیت در شہود
چوں تنزل کرد آل ذات قدیم	گشت او در صورتِ انساں کلیم

سِر وحدت را نداند ہر کسے
 داند اور آں کہ قلبش پاک گشت
 تا توانی محرم این راز شو
 محرم این راز بس آنکہ شوی
 در تقیت ما و تو گفتن رواست
 چشم دل و اکُن ہیں در شش جہات
 منطقی و فلسفی در حیرت اند
 اوست خود اندر زمین و آسمان
 باش دائم در خیال یک وجود
 در تکثر گشت وحدت جسوہ گر
 مُردہ داں اورا کہ اورا ذوق نیست
 کُن تصور دم بدم من نیستم
 در حصول مدعی دیوانہ باش
 ہر چہ بینی در جہاں این عکس اوست
 نیست کثرت را بجز وحدت نشان
 فنکر کُن در بود خود اے بے خبر
 تو داناں اُورا کہ اوست از تو دور
 این وجود من وجود من کجاست
 بشنوا ز من اے برادر یک خبر
 باش مشتاقش کہ یابی زود تر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی صاحبزادہ صاحبان کی تربیت کا ہمیشہ خاص اہتمام فرماتے رہے ہیں۔ بہاول پور میں قیام کے دوران جو پُر از حکمت و نصائح مکتوبات آپ نے ان حضرات کو ارسال فرمائے وہ قابل دیدار بصیرت افزا ہیں۔ تہتر کا یہاں ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے۔

حضرت بابو جی کا مکتوب شریف

۷۸۶

آباد حیدر کھٹے مے خانہ محمد کا

ریلوے دفتر گولڑا

از گولڑا

نہ از حسرت و جاہ و مال و منال

بنی آدم از علم یابد کمال

پتے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم تو آن حشر را شناخت
غرومند باشد طلب گار علم کہ گرم است پیوستہ بازار علم
طلب کردن علم شد بر تو مندرض و گرو اجب است از پیش قطع ارض

عزیزی غلام معین الدین و شاہ عبدالحق حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد دعائے ترقی درجات کے واضح ہو کہ آل عزیزیان کا مکتوب پہنچ کر کاشف مایہا ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس ظاہری منزل مقصود پر تم کو پہنچایا۔ اسی طرح باطنی منزل مقصود پر جلد تر پہنچائے۔ عزیزی! تم بخوبی جانتے ہو کہ تمہارے اس سفر کرنے سے علاوہ کچھ کے لوگوں کے احباب بھی سخت تنگ ہیں۔ مگر چونکہ ہمیں تمہاری یہ چند روزہ زندگی ہو کہ بالکل عارضی ہے اُس کی بہت سی منظور ہے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے رنج اٹھانے سے تمہاری بہبودی کو مسترد رکھا کہ یہ فراق چند روزہ اختیاریا کر لیا۔ خدا تمہیں اپنے اس کام میں شوق دے اور خوب محنت سے کام کرو۔ اور اصل جو علم حاصل کرنے کا مقصد ہے وہ ہاتھ سے جانے نہ دو۔ عزیزی! یہ جو تم نے لکھا ہے کہ ہم غریب الوطن ہیں۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ اگر تم یہاں گولڑا میں رہو تو پھر غریب الوطن نہ ہو گے (نہیں) عزیز تمہارا اور ہمارا دراصل اصلی وطن اور ہے جس طرف ہم نے آخر ایک ایک دن ضروری جانا ہے۔ اس عالم شہادت میں جہاں بھی ہم رہیں غریب الوطن ہی ہیں۔ ہم سب مسافر ہیں۔ اصلی وطن کی طرف جانے کے لیے ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور اسی لیے تو تمہیں حصول علم کے لیے لگایا گیا۔ تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں اُس طرف کے لیے آسانی ہو جس طرح تمہارا اصلی وطن اور ہے اسی طرح تمہارا اصلی مقصد بھی اور ہے جس کا بیان کچھ تھوڑا سا میں نے اجمیر شریف داریں میں اُس رات کو کیا تھا۔ اُس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر دو۔ اُس کی مخلوق کی خدمت کرنے کی کوشش کرو جہاں بھی رہو باخدا رہو اور مسافرانہ زندگی اختیار کرو۔ اپنے آپ کو ہر ایک کا صمیم معنوں میں خادم سمجھو۔ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو سب سے مقدم سمجھو۔ چونکہ دل محنت اُسی کا ہے اُس لیے اُس میں بغیر اُس کے کسی اور کو جگہ مت دو۔ اُسے ہی اپنا حقیقی مالک و کارساز بہر حال میں سمجھو۔ اصلی تعلق اُسی اپنے مالک سے پیدا کرو اور عارضی تعلق اُس کی مخلوق سے، مگر یہ بھی اس حیثیت سے کہ یہ مخلوق اُسی کی مخلوق ہے۔ مالک الملک سے تعلق پیدا کرنے سے ہمیشہ آرام میں رہو گے۔ دائمی زندگی حاصل کرو گے۔ اصلی زندہ اُس وقت کہلانے کے مستحق ہو گے کہ جس وقت تم نے اُس زندہ سے تعلق پیدا کر لیا غرض کہ بہر حال وہ بہر کیف اُسے نہ چھوڑو۔ اُسے اپنی کسی غرض کے لیے یاد نہ کرو۔ جب یاد کرو تو اُسے اپنا مالک اور رب سمجھ کر یاد کرو۔ وہ دانائے باحکمت ہے۔ ہماری سب ضرورتیں وہ جانتا ہے جو ہمارے مناسب ہوتی ہیں وہ ہمیں دے دیتا ہے۔ عزیزی! تم اُسی کے ہو جاؤ جس نے تمہیں نابود سے بربک بُود کر کے ظاہر فرمایا۔ جو تمہاری سب ضرورتوں کا فیصل ہے۔ تم کو رات دن اُسی کے خیال میں رہنا چاہیے۔ تم زندہ رہو تو اُسی کے لیے، تم مردو تو اُسی کے لیے، تم کھاؤ تو اُسی کے لیے، تم پہنو تو اُسی کے لیے غرض کہ جو کچھ بھی کرو اُسی کے لیے۔ اُسی کی یاد سے اپنے قلب کو شاد کرو۔ اُس کے مقبول بندوں کی غلامی ہمیشہ کے لیے اپنا فرض سمجھو۔ اپنی خدا داد عقل کو قال اللہ اور قال الرسول کے مطابق کام میں لاؤ۔ سلف صالحین کے طریقہ ہی کو صراطِ مستقیم سمجھو۔ اسی پر چلنے کو فالج داریں یقین کرو۔ غرض کہ جو کچھ ہے وہی ہے۔ اُسی کے ہو کر رہو۔ اچھا میں اب تم سے رخصت ہوتا ہوں اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اُسی اپنے حقیقی مالک کے سپرد کرتا ہوں جس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں اور نہ کوئی دانائے وہی تمہیں توفیق دے تم اس کے ہی ہو جاؤ میں اس سے بڑھ کر تمہارے حق میں

کوئی مفید اور بہتر خیر خواہی نہیں تصور کر سکتا۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ اپنے کام میں برکت دے آمین زیادہ دعائے ترقی درجات۔ تمہارے استاد اور میرے مکرم و واجب الشکر شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں نیاز مندانہ نیاز۔ خدا انہیں دایرین میں خوش و مخرم رکھے۔ آمین۔ میرے حضرت کے وفادار غلام حافظ صاحب و جنرل مولوی خدا بخش کو بہت بہت سلام۔ گھر میں خیریت ہے۔ تمہاری یاد سب کو ستا رہی ہے۔ مگر خیر جو کہ تمہاری بہتری کو سب مقدم سمجھتے ہیں۔ اس لیے صبر سے کام لے رہے ہیں اور تمہیں دعائیں دیتے ہیں۔ عزیز عبدالحق کی صحت کا خیال رہے۔ جس طرح کی ضرورت ہو اطلاع دینا۔

والسلام، راقم وہی تمہارا ولی خیر خواہ از گولڑا

اسی تربیت اور فطری شرافت کا اثر ہے کہ آستانہ عالیہ کے یہ صاحبزادے بہت سی خصوصی صفات فاضلہ کے حامل ہیں، دونوں حضرات متاہل اور ذی اولاد ہیں۔ حضرت لالہ جی کا رشتہ اپنے ہی عالی گھرانہ میں ہوا ہے اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب کا حضرت بابا صاحب گنج شکر قدس سرہ کے خاندان عالی شان میں۔ حضرت لالہ جی مدظلہ العالی کے تین فرزندان ہیں غلام نصیر الدین شاہ صاحب شاہ غلام جلال الدین اور شاہ غلام حسام الدین۔ اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب مدظلہ العالی کے دو بیٹے ہیں: شاہ غلام معین الحق اور شاہ غلام قطب الحق۔ یہ سارے صاحبزادگان خود بھی ماسر اللہ صاحب اولاد ہیں جن کی تفصیل اسی فصل کے آخر میں شجرہ مہر میں دی گئی ہے۔ حضور بالو جیؒ نے اپنے دونوں بیٹوں کو سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھ کر باہمی اتفاق اور دینی و دنیوی اور روحانی تربیت فرمائی جس کے نتیجے میں اس وقت آستانہ عالیہ کے معاملات کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا رہا ہے۔ تمام متوسلین متعلقین اور مہمانان کی خدمت اور ان کے قیام و طعام کا انتظام انھوں نے حرز جان بنایا ہوا ہے۔ حضور لالہ جی مدظلہ العالی کے فرزند اکبر شاہ غلام نصیر الدین متولدہ ۱۲۹۹ھ اپنے ہی دربار عالیہ سے درس نظامی کی تکمیل کے بعد قاری مجتوب علی لکھنوی سے علم تجوید بھی حاصل کر چکے ہیں۔ فارسی عربی اردو اور پنجابی میں نہایت ہی ارفع شعر کہتے ہیں اور آپ کی رباعیات اور غزلیات کے کئی مجموعے شائع ہو کر مشاہیر سخن اور ناقدان سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اردو نشر میں بھی کئی کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ ان کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نمونہ کلام صاحبزادہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب

رباعیات

أَنْوَارُكَ فِي الدُّجَى دَلِيلُ الْخَيْرَاتِ الطَّافُكَ لِلْعَبْدِ سَحَابُ الْبَرَكَاتِ
لَوْ نَدْرِسُكَ مَوْئِدًا فِي الْبَلَوِ مَنْ غَيْرُكَ فِي الْوَرَى مُجِيبُ الدَّعَوَاتِ

نمونہ فارسی کلام

از شوق جمال در گذارم چه کنم گر جاں به رخ دوست نہ بازم چه کنم
در کلبہ مشت خاک طوفان بہار یارب بکجای زوم، چه سازم، چه کنم

از بے بصری جو بس پرستیم ہم خود را بہ فریب عقل بستیم ہم
گر چہ در ناموس کشند از بر ما شرمندہ شویم ز آنچه بستیم ہم

نمونہ اُردو کلام

ہرگز نہ چلن اپنا بدلنا سیکھا ہر گام نئے قدم میں ڈھلنا سیکھا
گل چیں نے کب آداب گلستاں سیکھے سیکھا بھی تو پھولوں کو منلنا سیکھا

افنا دُغم و درد کی ٹل جائے گی جو دل میں ٹیچن ہے وہ نکل جائے گی
دیکھو گے جو تم چشمِ کرم سے مجھ کو سچ ٹیچ مری تقدیر بدل جائے گی

رُہا د کو جنت کی فضا راس آئی رندوں کو مئے ہوش رُہا راس آئی
جنت سے غرض نہ میکدے سے مطلب ہم کو ترے کوپے کی ہوا راس آئی

حضرت بابو جی کی ایک ہی صاحب زادی تھیں جن کا اوائل عمر میں انتقال ہوا اور حسب وصیت ان کا روضہ قبلہ عالم قدس سرہ کے روضہ شریف کی پانچویں طرف مستورات کی زیارت گاہ ہے اور بفضلِ تعالیٰ اجابتِ دعا کے لیے تریاق کا محکم رکھتا ہے۔ ملک خدا بخش ٹوانہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ٹوٹی بوا سیر کا شدید مرض تھا میں نے ایک روز باہر سے آستانِ چوم کر یہ الفاظ کہے: "فاطمہ الزہراء کی بیٹی کو سلام" مجھے بوا سیر کی سخت شکایت ہے اس وقت کے بعد آج تک ایک لمحہ کے لیے بھی پھر یہ شکایت نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ میرا خاندانی اور روزوٹی مرض تھا۔

اللہ تعالیٰ بظہیر حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سرکارِ بغداد قدس سرہ اس خاندان کو متوسلین کی ہدایت و عافیت کے لیے تابد قائم رکھے اور رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے۔ (آمین!)

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

شجرہ مہرئیہ

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ ضامن کی اولاد و احاد کا نقشہ شجرہ حسب ذیل ہے

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب

حضرت سید پیر غلام محی الدین شاہ ضامن بابو جی

سید شاہ عبدالحق شاہ صاحب

سید غلام معین الدین شاہ صاحب

سید غلام معین الدین شاہ

سید غلام قطب الدین شاہ

سید مرید الدین شاہ

سید مرید الدین شاہ

سید غلام نصیر الدین شاہ

سید غلام جلال الدین شاہ

سید غلام حسام الدین شاہ

سید غلام نظام الدین شاہ

سید غلام محمد الدین شاہ

سید غلام شمس الدین شاہ

سید مرید الدین شاہ

سید مرید الدین شاہ

سید مرید الدین شاہ

دسویں فصل متوسلین

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ارشاد نہایت وسیع تھا۔ اگر سب متوسلین کا تذکرہ اختصار سے بھی کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ اس علم و فضل اور معرفت الہی کے دریائے ذخائر سے بے شمار تشنہ کام سیراب ہوئے۔ آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں افراد اُمت نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے مریدوں میں علمائے کرام اور سادات عظام کثرت سے شامل ہوئے۔ آپ کی نظر کیا اثر سے نفس کی اصلاح ہو کر عاداتِ رذیلہ کا ازالہ ہو جاتا تھا اور صفاتِ محمودہ، بالخصوص اخلاص، ایثار اور محبتِ الہیہ کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ بقول ۷

آہن کہ پارس آشناسد فی الفور صورت طراشد

حضرت کے مخصوص رنگ یعنی توحید و جود کی تاثیر سے آپ کے صحبت یافتہ حضرات کی مجالس بھی کیف افزا ہو ا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر وابستگان پر تزییہ نفس کے ساتھ ساتھ ظاہری خیر و برکت کے ابواب بھی کھول دیئے تھے تاکہ یاد حق کے لیے کیسوتی اور ماسوی اللہ سے استغنا حاصل رہے۔ حلقہ بگوش علماء اور فقہاء بحر حقیقت کے شناسا رہے اور شیخ کے فیض و توجہ سے معرفت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ اوسط درجہ کے اہل علم و ہنر نے بھی واعظ، مدرس، مدیر، ادیب، اور مصنف بن کر اپنے اقران و امثال میں خاص شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔

متوسلین کا خاص رنگ

حضرت کے دست حق پرست پر جس نے بھی اخلاص سے رضائے الہی کے لیے بیعت کی وہ اپنی استعداد کے مطابق بیعت کے آثار اور ثمرات سے بہرہ مند ہو کر رہا۔ آپ کے متوسلین میں غریب اور فقراء ہی نہیں بلکہ اکثر ارباب دولت بھی نظر آتے ہیں جنہیں دنیوی کمال عروج بھی صلاح و تقویٰ، صوم و صلوٰۃ اور شب بیداری سے غافل نہ کر سکا۔ بالعموم اخلاص و استغنا حضرت کے مباحین کا خاص رنگ شمار ہوتا ہے اور حفظ و امان خاص نعمت۔

حضرت کے بعض ممتاز مشرکین

بہت سے طالبانِ مولیٰ نے آپ کی تربیت سے روحانی مدارج طے کر کے بلند مقام حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت اُستاد العلماء مولانا محمد غازی صاحب (ضلع کیمبل پور) مولانا قاری عبد الرحمن صاحب جو پوری، مولانا قاری غلام محمد صاحب پشاور، مولانا محبوب عالم صاحب ہزاروی مقیمان آستانہ عالیہ مولانا شیر محمد صاحب لاہوری، مولانا شیخ الحامد غلام محمد صاحب گھوٹومی مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی، مولانا عبدالحق صاحب سسرالوی اور مولانا گل فقیر صاحب پشاور کے اسمائے گرامی خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤخر اللہ کردہ دونوں حضرات نے آپ کے مطبوعہ ملفوظات جمع فرماتے۔

حضرت کے باخلاص مہتر شہین میں رسمی خلافت اور اوعائے مشیخت کا وجود نہیں۔ البتہ بعض سالک اور صاحب نسبت متوسلین کو حضرت اُن کی درخواست کے بغیر اس قدر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ذکر و فکر اور شغل کا شائق ہو اُسے مناسب طریقہ بتا دیا کریں۔ ان میں مستند و جہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

حضرت سید چان شاہ صاحب (جانب ضلع کیمبل پور) حضرت سید ممتاز علی شاہ صاحب (ریاست پونچھ) حضرت مولانا فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) حضرت مولانا ولی اللہ صاحب (باندی ضلع ہزارہ) حضرت مولانا محمد چرخ صاحب اور اُن کے صاحبزادے مولانا غلام سرور صاحب (چکوڑی شریف ضلع کجرات) حضرت مولانا معز الدین صاحب (وڈ پگہ غورہ سرحد) حضرت سید صدیق شاہ صاحب (مانگوال تحصیل خوشاب) حضرت پیر ولایت شاہ صاحب (نوشہرہ تحصیل خوشاب) حضرت مولانا حافظ حمید الدین صاحب (کوٹ نجیب اللہ ضلع ہزارہ) حضرت سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) اور حضرت سید عبدالولی صاحب (گوالیار۔ ہندوستان)

حضرت کے متوسلین کی امتیازی شان

حضرت قبلہ عالم کے خصوصی مہتر شہین میں یہ امتیازی شان نظر آتی ہے کہ انہوں نے حتی الامکان اپنے متعلقین اور مستفیدین کو آستانہ عالیہ گولڑہ شریف سے منسلک کرنے اور یہاں کے صاحب سجادہ سے بیعت کرانے کو ترجیح دی اور یہ چیز اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت کی علامت ہے۔

مدعیان مشیخت

یہ عجیب واقعہ ہے کہ جتنا ہی زمانہ کی نزاکت اور منصب ارشاد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت قبلہ عالم قدس سرور نے اس معاملہ میں احتیاط سے کام لیا اتنا ہی آپ کی قبولیت عامہ اور شہرت نامہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض مدعیان مشیخت نے آپ سے خلافت ملنے بلکہ بعض لوگوں نے تو آپ کے اہل قرابت ہونے کا بھی دعویٰ کر کے عوام میں سستی اشہرت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن آخر کار اس ڈھول کا پول کھل کے رہتا ہے۔

اہل علم حضرات پر یہ عمل بخوبی روشن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی مناصب کے متعلق یہ خصوصی ہدایت فرمائی تھی کہ ایسا کوئی منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کا طلبکار اور متلاشی ہو، تو منصب ارشاد جو ایک خالص دینی چیز ہے کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا کب درست ہوگا جو خود ہی مشیخت کا لبادہ اوڑھنے اور لوگوں میں شیخ مشہور ہونے کا شوق رکھتا ہو۔ بزرگان دین کے تذکروں سے یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ انہوں نے یہ اہم ذمہ داری اپنے مشائخ کے اصرار فرمانے پر بھی بڑی مشکل سے قبول فرمائی۔ یہ رفعت اور بلندی تو اُن ہی حضرات کے حصہ میں آتی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مٹایا۔ یہاں تک کہ سوائے ذات حق جل شانہ کے اُن کا مطمح نظر اور کچھ نہ رہا۔ اور اُن ہی کی تلقین و ارشاد کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان سے صحیح نسبت رکھنے والا لا الہ الا اللہ یعنی لا معبود الا اللہ سے ترقی کر کے لا مظلوب الا اللہ پر فائز ہوتے ہوئے لا معبود الا اللہ کے اسرار و معارف کا سراغ پالیتا ہے۔ اور پھر اُس محبوب حقیقی کے مقابلے میں دنیا و آخرت ذرۃ بے وقعت اور نظر آنے لگتی ہیں۔

پانچم

معاصرین کرام

معاصرین کرام

ہم معاصرین کرام سے جن حضرات کے ساتھ حضرت قبلہ عالم قدس صرفہ کے تعلقات یا ملاقات کی اطلاع ملتی ہے ان کے مختصر کوائف پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات کا ذکر دیگر ابواب میں بھی آگیا ہے۔ حضرت کے اپنے پیشواں عظام اور اساتذہ کرام اس پر مستزاد ہیں اور ان کے اذکار عالیہ بھی متعلقہ ابواب میں گزر چکے ہیں۔

۱۔ حضرت دیوان غیاث الدین صاحب اجمیر شریف (وصال ۱۹۲۲ء)

۲۔ حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پتن شریف (وصال ۱۹۲۳ء)

۳۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب ربار حضرت سلطان المشائخ دہلی

یہ تینوں حضرات درحقیقت حضرت قبلہ عالم قدس ہترہ کے مستفیضین کی سلاک میں شامل ہیں۔ چنانچہ ان کے مختصر حالات مندرجہ بالا کے باب میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ تاہم چونکہ ان حضرات کا تعلق حضرت کے مشائخ کرام کے مبارک زمانہ اودوں سے ہے اس لیے انہیں حضرت کے معاصرین کرام میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسہ شریف (۱۸۲۳ء تا ۱۹۰۱ء)

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت کی ملاقات اور باہمی تعلقات کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ تونسہ شریف میں حضرت سے اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ہی ۱۹۰۱ء میں خواجہ صاحب وصال فرما گئے۔ اس عرصہ میں باہم خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ مہرِ چشتیہ میں خواجہ صاحب کی طرف حضرت کے ایک خط کی نقل درج ہے جس میں اسرار سلوک پر گفتگو کے علاوہ مرزا صاحب قادریانی کے اُس عدالتی اقرار نامہ کا ذکر بھی فرمایا ہے جو ۲۴۔ فروری ۱۸۹۹ء کو بدین پابندی لیا گیا تھا کہ آئندہ کسی مخالف کے حق میں ہلاکت یا عذاب کی پیشگوئی نہیں کی جائے گی۔ خط کا متن عربی اور فارسی میں ہے اُس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:-

حضرتی و مولائی۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے کیونکہ دراصل وہی مقصودِ حقیقی ہے۔ گمراہی کے صحرا اور غیرت کی رات کی تاریکی سے رہائی پانے کا اور اس مستی مہو موم کے جہنم کی پستیوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے عنایتِ ازلیہ کی رہبری اور ہدایت ہے

ولولاشنا اھما اھتدیت لھا نھا ولولامناھا ما تصورھا الوھم

(اگر اُس کی خوشنود نہ ہوتی تو اُس کے مینخانہ کی طرف راہ نہ پاتا۔ اور اگر اُس کے جوئے نہ ہوتے تو اُس کا تصور بھی وہم میں نہ آتا)

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں بھی اُسی عنایت کے ساتھ تعلق اور برزخ کے احوال کی طرف اشارہ ہے:-

ایک عالم نے فرمایا کہ انہوں نے یہ علم
 یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم
 یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم

تو انہوں نے یہ علم
 یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم

یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم
 یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم
 یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم

ایک عالم نے فرمایا کہ انہوں نے یہ علم
 یہ علم جو کہ انہوں نے یہ علم

حضرت خواجہ محمد صاحب تونسہ شریف

حضرت خواجہ محمد صاحب کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صاحب رحمہ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے
 درمیان گہرے مہمان دوستی تھی جس کی کچھ تفصیل پتے دی جا چکی ہے اور کچھ مکتوبات خطبات میں مندرجہ اس خط و کتابت کے
 مطالعے واضح ہوتی ہے جو تقریباً ایک غیر قطع مسلسل کے ساتھ مرقعہ بھاری رہی تھی کہ جو پال کے مختصر اور مختصر سفر سے بھی
 خواجہ صاحب کو باخبر کیا اور ان کا ایک خط حضرت کو دیا گیا۔ دونوں طرف سے خط و کتابت کا اتنا رشتہ تھا کہ کسی وجہ سے
 توقف ہوتا تو خواجہ صاحب شکایت فرماتے۔

یہم فی کئی دن یاد میں نے روی
 عمرت در باد فراغوش گار من
 اور حضرت نے پیش فرماتے کہ۔

ہے پابند طاعت جہدیت ہماری
 یہ باعث ہے خط کے توقف کا صاحب
 کسی حضرت خواجہ محمد صاحب عنوان میں لکھتے۔

نیز تا از در نے مناز کشادے طلیم
 اشک آلودہ ما گر چہ روان است وے
 اور ادھر سے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ عنوان خط میں یہ تاثرات ثبت فرماتے۔
 برادر دوست نشینیم و مرادے طلیم
 برسات مٹوئے آن پاک نہادے طلیم
 برید باد صبا دوشم آگئی آورد
 کہ روز محنت غم رو بکو تھی آورد

بمطربان صبحی دیم جمہ پاک بایں نوید کہ بادِ سحر گئی آورد

حضرت خواجہ محمود صاحب اپنے روحانی اور باطنی کمالات کے علاوہ اپنے علمی ادبی اور مجلسی فضائل کی وجہ سے بھی ہم عصر مشائخ میں بڑی مقبول اور دلنواز شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت بیمار تھے اور اس خبر و حشت اثر سے آپ کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب کو تحریر فرمایا کہ اس مقدم اور شریف محسن مہستی کی مفارقت نے بحرِ درد و غم میں ڈال دیا ہے۔ نیازِ مست بوجہ ناگفتہ بہ عوارضِ معدہ و دماغ و قلب قادر پور حاضر نہیں ہو سکا۔ کسی قدر افاقہ ہونے پر حاضری کا ارادہ ہے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کے جانشین صادق جناب خواجہ نظام الدین صاحب علیہ الرحمۃ کو چند روز بعد ان کی طرف سے بیمار پرستی کے جواب میں تحریر فرمایا۔

”کوہِ غم کے نیچے دبے ہوئے کی یاد فرمائی۔ جناب کے اخلاق مؤردنی اور بہت محمودی کا عکس ہے۔ مگر ماہِ حضرت مرحوم نے رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرصہ سال کا ہوا ہے کہ بذریعہ تحریر نیاز مند کو اطلاع بخشی (مجھے بتلایا گیا ہے کہ میں اس سال میں دارِ فانی سے رخصت ہو جاؤں گا)

عوارضِ معدہ و دماغ و قلب کی حالت معرضِ تحریر میں نہیں آسکتی جس نے آج تک حاضری سے محروم رکھا ہوا ہے۔ مزید براں عوارضِ استماع خبر اس حادثہ جانکاہ نے بالکل مضمحل کر دیا۔۔۔۔۔ خدا کرے کہ کسی صورت حاضری نصیب ہو۔“

چنانچہ قدرے افاقہ ہونے پر آئندہ سال یعنی ۱۹۲۹ء میں فاتحہ خوانی کے لیے حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کے پاس قادر پور ضلع ملتان (تشریف لے گئے اور یہ آپ کا گولڑہ شریف سے باہر جانے کا آخری سفر تھا۔

۶۔ حضرت خواجہ محمد دین صاحب سیال شریف (وصال ۱۹۰۹ء)

حضرت خواجہ محمد دین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا ذکر خیر اس کتاب میں حضرت ثانی صاحب سیالوی کے لقب سے بابِ آچکا ہے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے مرشد زادہ تھے اور اوائل ہی سے باہمی رابطہ محبت استوار ہو کر عشق کی نوبت کو پہنچ گیا تھا کہ حضرت اس طرف سے

آکھیں خواجہ شمس دیں دے لعل نوں

گوڑھے نیناں والے سے بچ پال نوں

قسم کے فراقِ اشعارِ موزوں فرماتے رہتے تو اس طرف حضرت ثانی صاحب قبلہ اقوال کو اس شعر سے

پیت کا وعدہ کر کے پیانے پیت نہجانا چھوڑ دیا

مہر کی اکھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

میں اصلاح دیتے کہ کوہِ

مہر نے اکھیاں پھیر لیں دم دم کا آنا چھوڑ دیا

حضرت شیخ ابجاہ صاحب کے مودات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ثانی صاحب سیالوی کے ارشاد ہی پر ہمارے حضرت تونہ شریف گئے تھے، انہی کے ایما پر ابتداً پاک پن شریف کا سالانہ سفر اختیار فرمایا اور انہی کے فرمان کی تعمیل میں

جناب دیوان غیاث الدین صاحب اجمیری کی معاونت و تائید میں مقام پشاور سرحدی علماء کے ساتھ سماع کے موضوع پر مناظرہ فرمایا حضورؐ کے ملفوظات طلیبات، مکتوبات شریف، مومنہ مہرِ چشتیہ اور منظوم کلام میں حضرت ثانی صاحبؒ کے ساتھ آپ کے اس خاص تعلق کے واضح نشانات ملتے ہیں۔

حضرت ابوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق روایت مشہور ہے کہ آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ محبوب الہی قدس سرہ سے نعمت ولایت سلب کر لی تھی۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی کے ارشاد پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے اس مسئلہ پر محققانہ بحث سے یہ ثابت فرمادیا کہ مذکورہ روایت خلاف واقعہ ہے بلکہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ مفصل بحث مکتوبات مطبوعہ میں درج ہے۔ حضرت ثانی صاحبؒ سیالوی ہمارے حضرت سے عمر میں چالیس برس بڑے تھے۔ کتاب انوار شمس میں آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ، سجادہ نشینی ۲۴ صفر ۱۲۸۳ھ اور وصال ۲۲ رجب ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۹ء) درج ہے۔ آپ کا شمار اپنے زمانہ کے کثیر الکرامات اور وسیع القیوضات اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی بیماری کے ایام میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بیمار پرسی کے لیے اکثر حاضر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۷ جمادی الاول کے خط میں سیال شریف سے حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو تحریر فرماتے ہیں:-

"شب جمعہ قریب دو بجے خوشاب اتر کر اسی وقت دریا کو عبور کر کے آرام کیا۔ علی الصبح وہاں سے نماز پڑھ کر سواری گئی فوراً چھاؤنی پہنچے۔ حضرت صاحب عم فیوضہم اس قدر خوش ہوئے کہ تحریر سے باز رہے آپ کو کئی روز کا سخت انتظار تھا۔ ہر ایک شخص اس انتظار کی عجیب کیفیت بیان کر رہا ہے۔ بالخصوص میرے اشعار متعلق فارضیہ ۷

بھلے نہیں اوہ بول مٹھڑے ڈھول دے

بول سانول یار روہی رول دے

نہایت رقت طاری کیے ہوئے تھے۔ پہنچتے ہی میں نے انتظام سیال شریف لے جانے کا کیا۔ اُس روز آپ کو لب دریا کنارہ خوشاب سے کشتی پر سوار کیا۔ علی الصبح بروز شنبہ سیال شریف پہنچنے پر سب کو از حد خوشی ہوئی اور دُعائیں دینے لگے۔ حضرت صاحب کو ضعف از حد ہے۔ غذا نہیں۔ مجھ کو ایک لحظہ آنکھوں سے غائب نہیں چاہتے۔"

پیش آنے والی جدائی کے احساس اور تصور نے جو کیفیات دل میں پیدا کر رکھی تھیں انہیں حضرت ابن فارضؒ کے دو فراقیہ اشعار کی لئے اور تضمین میں اس طرح ثبت فرمایا ہے کہ آج بھی ان کی غم انگیز نو پرورد اداسی، بے بسی اور بے چارگی دلوں میں محبان پیدا کر دیتی ہے۔

سَائِقَ الْأَطْعَانِ يَطْوِي الْبَيْدَ طَيَّ

مُنْعِمًا عَزَّجَ عَلَى كُتُبَانِ طَيَّ

ساربانان! مہربانان! راہیا!	شالاجیویں خیمہ تھیوی ماہیا!
آگئیں جا انہاں پیاریاں دلجانیان	گوڑھے نیناں والیاں ستانیان
لاپریتاں دے کے لارے اوہ گئے	اوہ گئے اوہ دل دے پیارے اوہ گئے

سارا عالم صدقے آکھاں بول توں
داراں سر میں اُس ٹوکھڑے ڈھول توں
بن تہاڈے ہک گھڑی سو سال دی
بہہ ٹھکانے پئی تہاڈے بھال دی
اک وچھوڑا دوجھے طعنے جگ دے
پیراں تھیں سر تک لمبے اک دے
بالدی ڈیوے پئی خافت ہاں تے
آوندا دیکھاں ڈھولا انہاں راہاں تے
چشماں فرس وچھاواں خاطر ڈھول دی
مرجبا یا مرجبا پئی بول دی
پہنچیں جد توں سو بنیاں دی جھوک تے
خیر ہو دی انہاں توں ذرا روک تے
جائیندے اڈیوس انہاں جانیاں
گوڑھے نیناں والیاں ستانیاں

لَسْتُ اَنْسَى بِاللَّيْلِ نَايَا قَوْلَهَا

كَلَّ مَنْ فِي الْحَيِّ اَسْرَى فِي يَدَيْهِ

بھل دے نہیں ادھ بول مٹھڑے ڈھول دے
بول سالوں یار رو ہی رو لدے
رات ساری گزری تارے گن دیاں
یاد کر کر قول میں الہندیاں

در اصل محبت ہی حضرات چشت اہل بہشت کا اصل خزانہ اور مستاع ہے اور ان کے حال کے مطالعہ کے وقت انہی کا مقولہ بار بار یاد آتا ہے کہ ہے

در غمین کائنات چوں کر دیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ گاہ

۷۔ حضرت خواجہ فضل الدین صاحب سیالوی (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت ثانی صاحب سیالوی کے برادران عزیز حضرت خواجہ فضل الدین صاحب اور حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہا بھی حسب تصریح کتاب انوار شمسیہ اپنے والدِ کریم حضرت شمس العارفین سے خلافت یافتہ اور مجاز ارشاد تھے۔ انوار شمسیہ میں مذکور ہے کہ اول الذکر صاحبزادہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے زبردست جسمانی قوت عطا فرمائی تھی۔ اور ثانی الذکر کو اُن کے نام کی رعایت سے قوت احساس کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ چنانچہ جناب خواجہ فضل الدین صاحب چوہنی میخ کو ہاتھ سے دبا کر زمین میں گاڑ دیتے۔ چھت کے شہتیر کو بازوؤں اور کندھوں کی ٹیک دے کر چوہنی ستون بدلو الیتے۔ تبیح بڑے ڈبل موٹے دانوں کی تیتار کروائی جاتی۔ مگر پھر بھی دو ایک مہینے کی گردش کو مشکل برداشت کرتی۔

۸۔ حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب سیالوی (وصال ۱۹۰۴ء)

حضرت خواجہ شعاع الدین صاحب بے حد لطیف الاحساس تھے۔ کھیتوں کی طرف سے جو اچلتی تو بعض اقسام کے پھولوں اور پودوں کی ٹوبے انہیں گھر کے اندر لے جاتے تھے بھی زکام کی شکایت ہو جاتی۔ ایک بار بیمار پڑے اور دوا کی تیاری کے لیے کچھ دوا دہاڑا تو ٹوبے جانے لگے۔ کوئی کر داکھلا تو بواپا کو وہیں سے فرما دیتے کہ کر دوا ہے، الگ کر دو۔ کوئی دس کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں شادی کی تقریب پر ہنسا رہے تھے یہیں سے بتانے لگے کہ اب فلاں گت بچ رہی ہے۔ حضرت ثانی صاحب نے سوار

دور کرتے کر دیا تو جو گتیں آپ نے بتائی تھیں نقارچوں نے اُن کی تصدیق کی۔ رات کو گھر کے اندر کانوں میں روئی ڈال کر سوتے کہ مسجد اور محروں میں درویشوں کے وظائف اور ذکر کا شور کچھ دیر سولینے دے۔

ہمارا بھتیجہ نے ایک زمانہ میں دونوں صاحبزادوں کو بلوا کر اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا تھا۔ بہت عرصہ بعد خواجہ شجاع الدین کا کسی شہر میں گذر ہوا وہاں چند لوگ ایک مریض کے لیے اس عقیدہ سے پانی دم کروانے کی غرض سے حاضر ہوئے کہ جتنی سستی کا دم آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا: شاید میں جتنی سستی کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ جب میں ہمارا بھتیجہ کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک روز اُس کے محل میں طوائف کا رہی تھی جس کی آواز مجھے سنائی دے گئی اور بھلی معلوم ہوئی تھی۔

اب ذرا اس نسبت سے حضرت ثانی صاحب کے اُن روحانی کمالات کا اندازہ لگائیے جن کی بناء پر حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنی مسند نشینی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

۹۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

حضرت ثانی صاحب موصوف کے صاحب زادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب کا ہمارے حضرت کے ساتھ تحریک خلافت کے بارہ میں اختلاف ہو گیا تھا جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے۔ یہ اختلاف جو بہر حال مسلمانوں کی سر بلندی اور نصاریٰ کی سرکوبی کے جذبات کی پیداوار تھا، دراصل طریق کار سے متعلق تھا اور بعد ازاں واقعات کی روشنی میں خود بخود رفع ہو گیا۔ ابتداء میں باہم بڑا ارتباط تھا۔ چنانچہ مکتوبات طہبات کے ایک جوابی خط مورخہ ۸۔ رمضان ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں حضرت انہیں سیدی و سندی سے خطاب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: الحمد للہ کہ اذا ولاد حضرت من دین راضیائے واللہ را عبادتے بظہور آمد لازال کذا لک آئین۔ پھر عید سے پہلے سیال شریف کی حاضری کے ارادہ کا ذکر فرما کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت دیوان صاحب پاک پن شریف عنقریب یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ اگر اُن کے انتظار کی وجہ سے عید پر حاضری نہ ہو سکی تو ہمیں جا بوجہ سپیدہاں یوسفی را در مشام یعقوبی شمیمہ از خود در خود خواہم سراسید۔

عید شد ہر کس زیارے عید سے دارو ہوس عید ما و عیدی ما دیدن رُوئے تو بس
عید مردم دیدن مر عید ما دیدار تو ایں چنیں عید سے نہ بیند درد و عالم بیچ کس
خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب مجاہد اور مصلح ہونے کے علاوہ اہل قلم بھی تھے۔ قادیانیت کے خلاف ایک سالہ معیار المسیح (مطبوعہ ۱۳۲۹ھ) آپ کی تصانیف میں قابل ذکر ہے۔ ان کے صاحبزادہ اور جانشین صادق حضرت خواجہ حافظ محمد شمس الدین صاحب دامت برکاتہ بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

۱۰۔ حضرت صاحبزادہ محمد عبد اللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ خواجہ محمد عبد اللہ صاحب نے بھی کسی زمانہ میں اشعار کے اندر باہمی اختلاف کا شکوہ کیا تھا مگر پھر حضور کے عالم استعراق کے دوران عرس پر گولڑہ شریف آئے۔ اور ایک روز جب کہ حضرت حالت سحر میں تھے اور پھولوں کا پار پہنے ہوئے تھے حضور کے گلے میں پھولوں کے پار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: واہ۔ وا آج تو ہار پہن رکھا ہے۔ حضرت اعلیٰ نے جواباً مسکرا کر فرمایا: ہار نہیں جیت ہے۔ یعنی میرے شیخ زادہ آج میرے مہمان ہیں۔ گویا

فرما رہے ہیں

شکر اللہ میسان من و تو ضلع فتاد
خواریاں رقص کنال ساعیہ و پیانہ زند

۱۱۔ حضرت صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی

۱۲۔ حضرت صاحبزادہ محمد سعد اللہ صاحب سیالوی

حضرت ثانی صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے جناب خواجہ محمد سعد اللہ صاحب سلمہ اللہ ہمارے حضرت کو نہایت عزیز تھے اور اس پیار میں دونوں جانب سے کبھی فرق نہیں آیا۔

۱۳۔ حضرات پیر حیدر شاہ صاحب جلالپور۔ ۱۴۔ خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف

۱۵۔ خواجہ معظم دین صاحب (مرولہ شریف)۔ ۱۶۔ خواجہ فضل دین صاحب (چاچڑاں شریف)

رحمۃ اللہ علیہم

حضرات پیر حیدر شاہ صاحب جلالپوری (وصال ۱۹۰۸ء)، خواجہ محمد امین صاحب چکوڑی شریف (وصال ۱۹۰۷ء)، خواجہ معظم دین صاحب مرولہ شریف (وصال ۱۹۰۷ء) اور خواجہ فضل الدین صاحب چاچڑاں شریف (وصال ۱۸۸۷ء) حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعظم خلفائے میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب جلالپوری آپ کے سب سے پہلے اور ہمارے حضرت سب سے آخری خلیفہ ہیں۔ مولوی امیر بخش صاحب خوشابی منشی دربار سیال شریف نے انوار شمس میں ہمارے حضرت کا ذکر خیر کرتے ہوئے کیا برجستہ کہا ہے۔

معدن النوار ہستہ عالمیں آخر آمد گشت فخر الاولین

جزاہ اللہ خیر الجزا۔ یہ سب حضرات علم و فقر میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے اور وسیع حلقہ ارشاد کے مالک تھے۔ سیال شریف میں اعراس کے ایام میں باہم فکر و نظر کی علمی اور روحانی صحبتیں رہتیں۔ بعض اوقات کسی مسئلہ میں باہم اختلاف رونما ہوتا تو حضرت ثانی صاحب ہمارے حضرت کو ثالث مقرر فرماتے۔ قادیانی معرکہ لاہور میں ان آستانوں کے صاحبزادے اور علماء مولوی محمد چراغ صاحب چکوڑی شریف، مولوی عبدالعزیز صاحب چاچڑاں شریف اور مولوی شہاب الدین صاحب مرولہ شریف وغیرہم حضرت قبلہ عالم قدس ہرقہ کے ناصرین اور مجاہدین میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ لاہور گئے تھے۔ اور اسی ملک میں

۱۷۔ حضرت خواجہ عبدالحق صاحب جہاں خیل

۱۸۔ حضرت خواجہ عبدالغنی صاحب باجھ خیل اور جی ملک میں۔

مفتی اعظم ہند صاحب نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے۔

سب سے بڑا مسئلہ مسلمانوں کے لیے یہ اٹھا تھا کہ ایک طرف تو حکومت کی بھاری
حق اور مذہبی حقوں کے خلاف یہ باقصدت کیا جا رہا تھا۔ دوسری طرف تو اس کی سب سے بڑا سبب بنی ہوئی
پناہ گزینوں کی پسلی لینے کے لیے جو تعجب نہ سمجھتے تھے۔ انہیں نہیں... انہیں کسی شہر میں سے اس
جگہ تک بھی تھے۔ یہ مفتی انعام اللہ خاں بہادر کے اہباب سے تھے۔ حضرت مولانا شاہ صاحب کے فیض
حضرت سے اسامہ قبول کیا اور ان کی صفت میں شاہ نام لکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک آگرہ میں
موجود ہے۔

اس منظر کے کوالت مولانا رحمت اللہ صاحب کی کتاب اخبار الحق (جلد ۳۳) میں طبع مملو یہ قہر و مصرع ہیں
بھی شائع ہوئے تھے جس کے حاشیہ پر ڈاکٹر وزیر خان صاحب کا تقریری منظر و انداز بھی طبعی زبان میں ترجمہ کر کے شامل کیا گیا
تھا۔ مولانا صاحب نے پوری فکری کوشش کی کہ تقریری دستاویز کی حق میں اس کا یہ تقریری شامل تھا کہ تندرہ مسائل پر بحث پر
تھانے اسلام سے بھی منظر و نہیں کہے۔ کئی سال بعد فتنہ رتنے ٹھکانے استنبول کو انہیں مسائل پر منظر و کی دعوت دی ہوئی
اس زمانہ میں حضرت کے کوٹھڑی میں مقیم ہو چکے تھے۔ شہنشاہ عبدالحمید خان نے پناہ میں انہیں بھیج کر آپ کو قسطنطنیہ بلایا جس
آپ کی آمد کی خبر پر فتنہ رکن پرورش ہو گیا۔

مولانا رحمت اللہ صاحب کی حجت کی سبیل یہ بنی کہ منظر و آگرہ کے تین برس بعد شہر کی جنگ آزادی میں مولانا نے
بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی جتنی سرگزشت آپ کے بھائی کے ایک ہتے مولانا محمد رحمت عثمانی صاحب نے اس طرح قریب
فرمائی ہے۔

بضلع مظفر نگر کے پرگنہ شمالی میں زمیندارہ شیوخ اور گجروں کے ہاتھ میں تھا جن میں دیرتاری کے
ساتھ جوش بھی تھا۔ چنانچہ فتنہ رکن اور کیرنل کا ایک محاذ قائم کیا گیا۔ اور مجاہدین کی جہالت و عظمت اور مقابلہ
کرتی رہی۔ شمالی کی قبیلوں پر حملہ کیا گیا اور پرگنہ کے پادشاہوں نے اس جہاد کی تحریک کا اثر عام ہو گیا۔ صحت شہنشاہ
کے درجہ مجاہدین حضرت حاجی امام داد اللہ صاحب وغیرہ کے علاوہ فوج کیرنل میں حضرت مولانا رحمت اللہ
گورہ فوج کا دستاورد کر رہے تھے۔

اس زمانہ میں مصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم اور تربیت کے لیے کیرنل جامع مسجد کی میزبانی پر فتنہ
بھایا جاتا تھا جس کی آواز سن کر وہاں کے لوگ جمع ہو جاتے اور اعلان کیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا اور حکم مولوی
رحمت اللہ کا۔ اس جگہ کے بعد ہر گچھ گنا ہوتا تھا عوام کو سنایا جاتا تھا۔

کیرنل کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا مگر بعض بنائے دہن کی زمانہ سازی اور خبروں کی سازش نے
حکومت کا اثر بدل دیا۔ کیرنل میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ مولانا کے مددگار کے سامنے توپ خانہ
نصب کیا گیا۔ اور گورہ فوج نے وہاں کا محاصرہ کر دیا۔ ہر گچھ کی کوشش لی گئی۔ اس لیے کہ کسی فتنہ نے اعلان دی
تھی کہ مولانا وہاں نہیں آئیں گے۔ کیرنل کے قریب چھوٹے مسلمان گجروں کا ایک گروں ہے۔ وہاں حضرت مولانا
اپنی باقی جہالت کے ساتھ چہلپونے لگے۔ اس گروں کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ اس دوران میں گورہ فوج

کے ایک گھوڑا سوار دستہ نے پنجٹیہ کا رخ کیا۔ کیرانہ اور تمام قرب و جوار کے حالات کی اطلاع مولینا کو ملتی رہتی تھی۔ چنانچہ پنجٹیہ کے نکھیا کو جب فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے فوراً جماعت کو منتشر کر دیا اور مولینا سے عرض کی کہ کھرپے کر کھیت میں لگاس کاٹنے چلے جائیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ گورہ فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری جہاں میں لگاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کھسکریاں اُڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں۔

انگریزوں نے قابض و متصرف ہو کر حضرت مولینا کے خلاف فوجداری مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ آپ کی گرفتاری کے لیے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا گیا۔ آپ کی تمام مزرعہ جائیداد اور املاک ضبط کر کے کوڑیوں کے مول بیلام کر دی گئی۔ حتیٰ کہ پانی پت میں جو آپ کا آبائی وطن تھا ایک مخبر کمال الدین کی اصلاح پر وہاں کی ساری موڑوٹی جائیداد بھی ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء کو بیلام ہوئی۔

مولینا اپنا نام مصلح الدین رکھ کر کچھ عرصہ ہندوستان اور راجپوتانہ کے مختلف مقامات پر مجاہدین کی از سر نو تنظیم کی کوشش میں مصروف رہے اور بالآخر مائوس ہو کر سورت کے راستے جہاز پر عرب شریف پہنچ گئے اور وہاں کچھ عرصہ بعد مدرسہ صولتیہ کی صدارت اختیار فرما کر عرب و عجم کو علوم دین سے بہرہ ور کرنے میں عمر گزار دی۔ کیرانہ کی مجاہدانہ زندگی میں دہلی شریف لے گئے تھے وہاں علمائے کرام نے بہادر شاہ ظفر کی بادشاہی اور جہاد کا جو فتویٰ مرتب کیا تھا اس پر مولینا رحمۃ اللہ صاحب کے دستخط بھی ثبت تھے۔ "ہمارے حضرت سے مولینا صاحب کے تعلقات اور باہمی علمی مذاکرات کا مفصل ذکر باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

مولینا کے دوست ڈاکٹر وزیر خان اور ایک مغل شہزادہ فیروز بخت بھی مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں میں شریک رہ کر بالآخر ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب شریف پہنچ گئے تھے۔ ڈاکٹر وزیر خان نے مکہ مکرمہ میں چودہ برس طبابت کر کے ۱۸۷۳ء میں وفات پائی۔ انگریزوں نے ترکی حکومت سے ڈاکٹر صاحب کے وارنٹ گرفتاری منتقلی حاصل کر لیے تھے مگر بدوی قبیلہ کے ایک طاقتور شیخ نے انہیں پناہ میں لے کر بالآخر حکومت ترکیہ سے یہ وارنٹ منسوخ کروا دیے۔

۲۔ حضرت باوا افضل دین صاحب کلیامی (وصال ۱۸۹۲ء)

حضرت کے معاصرین کرام میں حضرت باوا افضل دین صاحب کلیامی بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ کلیام او ان اولپنڈی سے قریب پندرہ سولہ میل دور لاہور کی شہر کے قریب واقع ہے۔ باوا صاحب کا سلسلہ چشتیہ صابریہ تھا۔ آپ کے پیڑھایت حضرت حافظ محمد شریف خان دہلوی بابر بادشاہ کی اولاد سے تھے اور ان کا مزار بھی کلیام شریف میں ہے۔ کثرت جذب و شکر کے باعث حضرت باوا صاحب سے ظاہری طور پر نماز چھوٹ گئی تھی۔ ایک دفعہ مقامی علماء نے کہا جم آپ کا جنازہ نہیں پڑھیں گے فرمایا میرا جنازہ علم شریعت کا آنا بڑا شیر اگر پڑھائے گا کہ تم لوگوں کو مجبوراً شامل ہونا پڑے گا۔ آپ نے بہت عرصہ پہلے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے گہر رکھا تھا کہ یہ مولوی لوگ میرے حال سے بے خبر ہیں اور کہتے ہیں تمہارا جنازہ نہیں پڑھائیں گے چنانچہ آپ کو آکر میرا جنازہ پڑھانا ہوگا۔ اُدھر اپنے خدام کو بھی وصیت کر دی تھی کہ میرا جنازہ پیر صاحب پڑھائیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ جس رات ان

کو متعلق ہو انہوں نے غائب میں اگر اجازت دیا تو پیر ہی میں مر گیا ہوں مگر جنازہ پڑھا ہوا۔ پھر پھر بھی شیعہ حضرت نے گھوڑا سواری کے لیے تیار کیا اور ایک نام نہاد شخص نے اس کو بڑھاتے کریمت کی شیشی کو توڑ پھینچ کر لکڑی چھوٹ جانے کے باعث سواری گھوڑا اور پستھی جا کر دین گاہی میں سواری ہوئے۔ گواہ شریف ریوت شیشی پر باوصا صاحب کے انتقال کے تعلق بتایا کہ اسی وقت پڑھتے۔ جنازے میں اس قدر اشادام نواقی تھا کہ حضرت کو گھوڑے پر سواری کرنا مشکل ہوئی۔ پھر پھر بھی سواری ہوئی۔ سواری میں ایک شیشی پر تم جہان میں شریک ہوئے۔ مگر ان میں سے بعض حضرات اس شیشی میں باوصا صاحب سے صحبت بھی کیچکے تھے۔ ویسے بھی معتقد و متطہر تھے آپ کے سلسلہ ولادت میں شامل تھے اور پندرہ ایک حضرات کے علاوہ جو اتنی منہ میں مجذوب ہو گئے آپ کے تمام ٹھکانے اور قندرم پانچ سووم و معلوۃ اور وکالت و اور پستھی صابریہ پر کار بند تھے آپ کے حضور رخصت کے اہلے گاہی میں۔

۱۔ سید حبیب علی شاہ صاحب کلیم (اصال ۱۳۸۰ھ)

۲۔ سائیں محمد حسین صاحب گھوڑی والے (اصال ۱۳۹۰ھ)

۳۔ جناب مولوی عبد الستار صاحب کلیم (اصال ۱۳۹۰ھ)

حضرت باہر افضل دین صاحب کا اصل کلمہ جنوری ۱۳۹۰ھ کو پڑھو ہوا آپ کے دربار کے نووا ۱۱ ہندو ہندیشیں جناب سائیں مولانا بخش صاحب ہیں۔

سید محمد شاہ صاحب ساکی پٹا پڑھو و اعلیٰ جھنگلی سیدیاں جو حضرت قبلہ عالم گواہی قدس بزرگ کے فریہ میں حافظ افضل دین صاحب مرحوم کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں جناب باوصا صاحب کی نماز جنازہ کے لیے حضرت قبلہ عالم قدس بزرگ کے حراکات کلیم شریف لیا تھا جب باوصا صاحب کو قبر میں رکھا گیا تو آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا توکل سادگی بھلا کر باوصا صاحب سے حضرت قبلہ عالم گواہی قدس بزرگ کو خوب و جد ہوا۔

روایت ہے کہ حضرت قبلہ عالم قدس بزرگ کو جناب باوصا صاحب بستی کلیم کے باہر مذہبی نظر آئے تھے جب آپ نے پوچھا کہ باوصا صاحب آپ تو یہاں چر رہے ہیں میں جنازہ کس کا پڑھاؤں گا؟ فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ آکل بٹول میرے گھر میں آئے اور میں اس کا استقبال نہ کروں۔

کہتے ہیں حضرت باوصا صاحب وصیت فرما گئے تھے کہ ہماری موت پر کوئی نہ روئے بجز گاؤں کی عورتیں شادی بیاہ کی طرح خوشی کے گیت گائیں۔

باوصا صاحب سے حضرت قبلہ عالم قدس بزرگ کی راہ و رسم جنازہ صاحب علی سے تھی اس زمانہ میں ان کے بعض خواہر میں مریہ حضرت سے سوال کرتے تھے کہ باوصا صاحب کی آپ پر اس قدر توجہ ہے تو آپ کی نماز بھی تک کیوں نہیں چھوٹی حضرت بول میں فرماتے تھے کہ اگر باوصا صاحب خود بھی مجھے ترک نماز کے لیے کہیں تو میں تعمیل نہ کروں گا اور نہ ان لوگوں کی بات ہی مانوں گا جو ان کی ملاقات پر اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ باوصا صاحب میں انہیں بڑے مقام حاصل تھا پھر ایک روز حضرت سے فرمایا پیر میں ویشی بھلاہ کا ہم سے کبھی برس سے غصہ پانی پانتا ہے لیکن میں اسے گرم پانی دیتا ہوں میں نہیں جانتا کہ کس محل کا واقعہ کیسا ہو تا ہے

اور میٹھا کسے کہتے ہیں۔ خوراک کے طور پر دال کے چند گھونٹ دوسرے تیسرے وقت پی لیتے تھے۔

بادا صاحب نفس کشی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ گرمیوں کی دھوپ میں پتھر کی ایک سل پر پڑے رہتے۔ اور سردی میں سقے کو چھت پر کھڑا کر کے ٹھنڈے پانی کی دھارا اپنے سر پر ڈالتے اور عشق الہی کے سوز میں ہائے کرتے رہتے۔ ایک رات کمرے میں سو رہے تھے۔ پاس ہی چار پائی پر ستار رکھی تھی۔ ایک چوہا جو اوپر سے گذرا تو تاروں سے ایک جھنکار بجی۔ تڑپ کر چار پائی سے دُور جا گرے۔ کہتے تھے: "ہائے سڑی گیاں۔ ہائے بلی گیاں۔" یعنی ہائے جل گیا۔ سماع کا شوق نہایت غالب تھا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ فرماتے تھے کہ مجھے حالت حیات بابرکات بادا فضل الدین صاحب کلیامی میں گاہے گاہے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا ہے جس قسم کی ریاضات شادہ نفسانی راحت کو توڑنے والی انہوں نے کی ہیں اہل زمانہ نے ان کی نظیر نہیں دیکھی۔ اہل ظاہر ان کے اندر دنی دردا اور شغل باطن سے بے خبری کے باعث ان پر معرض ہوتے تھے۔ ان کا کوئی نفس اسم ذات کے ذکر سے خالی نہ گزرتا تھا اور کمال استغراق حال سے اشغال ظاہری کی طرف توجہ کرنے سے معذور تھے۔

ایک دن بادا صاحب کی مجلس میں کسی شخص نے پڑھا: "قرباں جہن فریت مدید" تو آپ کی بڈیوں سے تڑاق تڑاق کی آواز آئی۔ اگر اس مجلس میں کوئی وجد کا منکر شخص ہوتا تو وہ بھی حیران ہو جاتا۔ بادا صاحب کی نظر میں ناموس ظاہری کی کچھ وقعت نہ تھی۔ لوگوں سے بے نیاز ہو کر مظاہر صوری میں جمال مطلق کا مشاہدہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے: "نیت مستقیم چاہیے۔" قوال کو وصیت فرمائی تھی کہ میری نعش قبر میں رکھ کر میرے کان کے قریب چنگ خوب زور سے بجانا اور کسی کے منع کرنے سے ہرگز نہ کنا۔ جب قوال یہ وصیت بجا لایا تو سب حاضرین میں بے حد ذوق و شوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔

حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور بادا صاحب پاک پتن شریف کے عرس پر اکٹھے گئے تھے۔ جب ہشتی دروازہ کے کھٹنے کا وقت قریب آیا تو بادا صاحب نے کہا پیر صاحب! دیکھنا جب ہشتی دروازہ کھلے گا تو حضرت گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ پر جو کلس ہے وہ گھوم جائے گا۔ چنانچہ میں نے دیکھا تو واقعی کلس گھوم گیا۔ حضرت نے ۱۳۲۶ ہجری (۱۹۰۸ء) میں دروازہ کھٹنے سے پہلے ایک مجمع کے سامنے یہ راز ظاہر فرمایا۔ چنانچہ بے شمار لوگوں نے رجن میں نواب محمد حیات صاحب قریشی اور حضرت شیخ الجامعہ صاحب بھی شامل تھے، اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس قول کی تصدیق کی۔ اُس روز حضرت نے کلس کے گھوم جانے کی حکمت یہ بیان فرمائی تھی کہ اس وقت حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار اور مشائخ عظام تشریف لاتے ہیں اور یہ سلامی ہے۔

ایک سال بادا صاحب پاک پتن شریف کے عرس پر دیوان صاحب کی حسب فرمائش ان کے لیے ایک قیمتی چیمہ تحفہ لیے جا رہے تھے۔ اثنائے سفر میں ایک سید زادہ صاحب مصر ہوئے کہ مجھے دے دیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ دیوان صاحب نے یہ چیز منگوائی ہے۔ وہ حضرت گنج شکر کی اولاد ہیں۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اگر دیوان صاحب حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے ہوں۔ یہ سن کر بادا صاحب تڑپ گئے اور وہ چیز اسی وقت ان کے حوالے کر دی۔ پاک پتن شریف پہنچے تو دیوان صاحب سخت ناراض ہوئے۔ رات کو خواب میں حضرت گنج شکر نے حکم دیا کہ بادا صاحب سے معافی مانگو۔ انہوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ بذریعہ ریل گاڑی سفر سے واپس آ رہے تھے۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ صبح سویرے جب

کلیام شریف قریب آیا تو فرمایا ادھر کی کھڑکیاں کھول دو کہ باوا افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ سے عشق الہی کی ہوائیں چلتی ہیں۔
پہنچے ضلع شاہ پور کے مشہور عالم اور قاری جناب قاضی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب میں چھاؤنی راولپنڈی میں
امام مسجد تھا تو اکثر کلیام شریف حاضر ہوا کرتا تھا۔ باوا صاحب کے ایک مرید مولوی صاحب انہی دنوں حج اور مدینہ منورہ کی زیارت کو
گئے اور واپس آکر باوا جی سے عرض کیا کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں زیارت سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا کہ
اپنے بدعتی پیرو ہمارا سلام کہنا۔ یہ سن کر باوا صاحب کو بڑی کیفیت ہوئی اور عرصہ تک اس پر وجد کرتے رہے۔

باوا صاحب پر توحید اور ربوبیت کا ایسا غلبہ تھا کہ غیر مسلموں تک سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے
لیے دعائے خیر فرماتے تھے۔ کھڑکا ایک ہندو زرگر آپ کا مرید تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر جمع اہل و عیال مسلمان ہونا چاہا کہ قیامت کے دن
بھی آپ کے دامن سے وابستہ رہیں۔ فرمایا میں نے تمہیں مسلمان کر لیا ہے۔ قیامت کے روز اگر میں کسی مُت اہل ہوا تو تمہیں
پہچان لوں گا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ امور علم ظاہر کی دسترس سے باہر ہیں اور کسی اور ہی عالم کی خبر دیتے ہیں۔ علاوہ برآں یہ شریع شریف
میں حجت بھی نہیں کہ ان کا تعاقب کیا جائے۔ تاہم جب اس قسم کی باتیں حضرت قبلہ عالم گوڑوی، حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی
یا حضرت مولانا جلال الدین دہلوی جیسے بلند پایہ بزرگان اور عالمان شریعت کی زبان اور قلم سے نکل جاتی ہیں تو دل کی دھڑکیں تیز
ہونے لگتی ہیں۔ نفحات الانس میں حضرت معشوق طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ اُن سے نماز چھوٹ گئی تھی علماء وقت
کے اصرار پر آپ نے نماز شروع کی تو آیاتِ نَعْبُدُکَ تک پہنچنے پر ہر بُن مُوسے خون جاری ہو گیا۔ فرمانے لگے اب تو مجھے معذور
سمجھو گے؟

بعض کتابوں میں ایک مجذوب کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ وہ بھاڑ جھونکتے تھے۔ ایک سالاک راہ تعمیل ارشاد باطنی
اُن سے یہ دریافت کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگوں؟ فرمایا، کل آنا۔ اگلے روز جب وہ پہنچے تو بھٹیاردن نے افسوس کے ساتھ بتایا
کہ بے چارہ جاسوسی کے الزام میں قتل کر دیا گیا ہے اور لاش کے ٹکڑے فلاں جنگل میں پھینکوا دیئے گئے ہیں کہ جانور کھالیں۔ یہ سنا
پہنچے اور کہا: واہ صاحب! خوب ایفا سے وعدہ کیا۔ آواز آئی کہ میاں! یہی تو تمہارے سوال کا جواب ہے۔ سرکار کا ہمارے حال
پر بڑا کرم تھا۔ مگر عمر بھر ہم سے بھاڑ جھونکایا۔ بھوکا پیاسا رکھا۔ نماز روزہ اور ارکانِ اسلام سے محروم رہے۔ اور اب یہ حال کیا جو دیکھ رہے
ہو پس اُس سے درد اور عشق نہ مانگنا اور جو چاہو مانگ لو۔

دی شب زمر صدق و صفائے دل من دیکھ آں روح فزائے دل من
جامے من آورد کہ پستان و بوشش گفتم نخورم۔ گفت برائے دل من

شرائع سابقہ میں اس کی نظیر حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات میں موجود ہے لیکن آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کی شریعت مطہرہ میں سلامتی عقل و حواس ایسے قطعی خلاف شرع امور کے ارتکاب کے لیے کوئی شرعی جواز نہیں۔ تاہم بعض مستان
بادۂ توحید اہل جذب و سُکر سے ایسے واقعات کا ظہور ایک امر واقع ہے جن کا ثبوت کتب سیرت میں بکثرت ملتا ہے۔ ہاں
اصلی اور بناوٹی مجذوب کے درمیان امتیاز نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے عوام کے حق میں ارباب ارشاد و اصحاب صحو و بکیں
ہی کی صحبت مفید ہو سکتی ہے ورنہ غلط فہمی اور غلط روی کا سخت اندیشہ ہے۔

۲۱ حضرت خواجہ احمد صاحب میروی (وصال ۱۹۱۲ء)

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی (وصال محرم ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء) حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے آپ کا اصلی وطن بلوچستان تھا۔ تخریج کی زندگی بسر فرمائی۔ زہد و تقویٰ میں سلف صالحین کا صحیح نمونہ اور وسیع حلقہ ارشاد کے مالک تھے۔ خلفاء کی تعداد چالیس کے قریب بتائی جاتی ہے۔ آپ کے بعد حضرت فقیر احمد صاحب ثانی سجادہ نشین ہوئے اور موجودہ جانشین جناب فقیر عبداللہ صاحب ہیں۔

حضرت خواجہ احمد صاحب میروی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے حضرت کے ساتھ ارتباط تھا۔ باہم آمد و رفت اور خط و کتابت بھی تھی۔ حضرت کے ساتھ اثنائے گفتگو میں آپ کو بڑے پیارے انداز میں لالو کہہ کر بلاتے، جو زبان پنجابی بھائی کے مترادف ہے۔ ایک دوسرے کو لڑہ شریف بھی تشریف لائے۔ قاضی عطاء الرسول صاحب سکند بدھو بیان کرتے ہیں کہ خواجہ صاحب بالوچی مدظلہ العالی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے جو اُس وقت کم سن تھے اور صرف کی اہستہ دانی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ حضرت قاری عبدالرحمن صاحب جو پوری کے درس میں بالوچی سے قرأت سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں بازو سے پکڑ کر حضرت قبلہ عالم قدس بترفہ کے پاس لے گئے اور فرمایا: لالو توجہ فرمائیے کہ یہ کچھ ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا: آپ دعا کریں کہ یہ کچھ نہ ہو۔ اس پر خواجہ صاحب ہاتھ ہلا کر منع کرنے لگے کہ نہیں لالو نہیں۔ ایسا نہ کہیے۔ دعا کیجئے کہ یہ بہت کچھ ہو۔ بہت اچھا ہو! آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر کچھ نہ ہوگا تو بہت کچھ ہوگا۔ کیونکہ اس کوچہ میں کچھ نہ ہونا ہی سب کچھ ہونا ہے۔

تو مباحث اصل کمال این است و بس رو درو گم شو وصال این است و بس
پھر دونوں حضرات نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الہی میں ان کے حق میں دعا فرمائی جس کی قبولیت کا اثر آج ایک عالم پر آشکار ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فِرْزًا!

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قادیانی معرکہ لاہور کے بعد حضرت خواجہ صاحب میروی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرزا قادیانی حضرت پر صاحب گولڑہ شریف کے روبرو آجاتا تو پیر صاحب اپنی کرامت کے زور سے اُس نخاس کو جو گوناگوں وساوس کا باعث ہو رہا ہے زمین کے اندر دھنسا دیتے۔

۲۲ حضرت مولوی اکبر علی صاحب میانوالی (وصال ۱۹۵۶ء)

حضرت مولوی اکبر علی صاحب خطیب میانوالی (وصال ۲۷ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء) حضرت خواجہ احمد صاحب میروی کے اعظم خلفاء میں سے تھے اور ہمارے حضرت کے ساتھ اُن کا گہرا روحانی رابطہ تھا۔ مستند عالم تھے۔ تصوف، کشف اور روحانیت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ چودھری اورنگ زیب صاحب ڈپٹی کمشنر سے جو حضرت قبلہ عالم قدس بترفہ کے دامن گرفتہ ہیں ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ اور اُن سے بعض اوقات خاص اسرار کی باتیں بھی بیان فرمادیتے۔ مثلاً یہ کہ آج سبق کے دوران فلاں بزرگ کی روح تشریف فرما ہوئی۔ گولڑہ شریف عرس کے موقع پر بھی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عرس کی مجلس ختم ہوئی تو چودھری صاحب سے منہ بایا کہ آج روحانی مجلس میں آواز بلند ہوئی کہ غوث کی عمر ایک برس اور بڑھادی گئی ہے۔ چنانچہ پورے ایک سال بعد حضرت قبلہ عالم قدس بترفہ کا وصال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی غلام جیلانی صاحب اب میانوالی کے

خطیب اور اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر محقق ہیں۔

۲۳۔ حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وصال ۱۳۹۹ھ)

حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی (وصال ۲۱۔ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۹ء) حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ مجاز تھے۔ کچھ عرصہ تک اُن کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمود صاحب کے پاس امامت کی خدمت پر سرفراز رہے۔ ایک مرتبہ صاحبزادہ صاحب موصوف کے ہمراہ گولڑہ شریف آئے تو حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی مجلس میں صفتِ نعال میں بیٹھ گئے۔ حضرت کی دریافت پر بتایا گیا کہ حضرت صاحبزادہ محمود صاحب کے ہمراہیوں میں سے ہیں۔ فرمایا اس شخص سے اللہ اللہ کی خوشنوازی ہے۔ بعد میں جب بسال شریف میں آکر سب ازاد پر رونق افروز ہوئے تو اکثر گولڑہ شریف آمد و رفت رہی۔ دربار عالیہ گولڑہ شریف کے موجودہ امام مسجد مولوی اللہ بخش صاحب کچھ عرصہ بسال شریف میں ان کے پاس بھی امامت اور تدریس پر قیام پذیر رہے۔ انہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے اجازت لے کر آپ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ صاحب کشف و کرامات اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ جنت کے سادات کا ایک گھرانہ ان کی تسلیم اور توجہ سے راہِ راست سے ہم کنار ہوا۔ حالانکہ ان لوگوں کی اہلسنت و اجماعت کے ساتھ دشمنی اور اصحابِ کرام کی شان میں اعلانیہ تبرا بازی اس نواح میں مشہور ہو چکی تھی۔ ان میں سے سید محبوب شاہ صاحب نے حضرت خواجہ امیر احمد صاحب بسالوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں منسلک ہو کر علم دین حاصل کیا اور اہلسنت و اجماعت کی تبلیغ کو اپنا شعار بنالیا۔

حضرت صاحب بسالوی کا صلہ ارشاد پشاور سے بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے اور ملک کے اندر متعدد خلفاء ان کے انوارِ ہدایت پھیلائے ہیں سرگرم ہیں سلیمان آباد (بسال شریف) میں ان کے جانشین جناب میاں محمد صاحب اس وقت سجادہ نشین ہیں۔ کثرتِ مراقبہ اور شغل کے باعث حضرت اعلیٰ بسالوی آخر عمر میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے وصال پر گھوڑے میں بیٹھ کر گولڑہ شریف کا سفر اختیار فرمایا اور وصال کے بعد اگلی ہی رات مزار شریف پر حاضری دی۔ مزار شریف کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتے تھے۔

۲۴۔ حضرت سلطان نور احمد صاحب دربار سلطان العارفين بابو

سلطان العارفين حضرت سلطان بابو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین حضرت سلطان نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے تعلق اور روحانی نسبت کے متعلق ایک روایت ہے کہ سلطان صاحب موصوف نے ایک سیدزادہ کو اُن کے سوال پر ایک گھوڑا عطا کرنا قبول فرمایا۔ ان شاہ صاحب نے اصطبل میں حضرت موصوف کی ذاتی سواری کے پیش قیمت گھوڑے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ اگر یہ گھوڑا اُن کا چوکنہ سلطان صاحب سید کا سوال رد فرمانا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نے یہی گھوڑا اُن کو دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد یہی سید صاحب بسال شریف کے عرس میں ہمارے حضرت کی جلو میں ارشاد ہام خلق دیکھ کر سوال کے ارادہ سے پاک کر آپ کی طرف آئے۔ آپ نے اُن کے سوال سے پہلے ہی کچھ رقم جیب سے نکال کر حوالے کی اور سلطان صاحب کے گھوڑے کا ذکر فرما کر بطور تنبیہ فرمایا کہ عبادتِ اعلیٰ شرف ہے اسے حقہ دنیا کے لیے استعمال کرنا زیب نہیں دیتا۔ سید صاحب سخت متعجب ہوئے کہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا۔

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا حضرت سلطان باہو صاحب کے ساتھ جو روحانی تعلق تھا اُس کے متعلق میرے والد مرحوم یہ چشم دید واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ غلام رسول خان کھر سیرنڈنٹ پولیس کی دعوت پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کوڑھ ضلع مظفر گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں قاضی فقیر محمد صاحب سکنہ بستی قاضیاں آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت تعظیماً کھڑے ہو گئے اور معانقہ فرمایا۔ چونکہ قاضی صاحب موصوف حکمت کا کام کرتے تھے اور اس نواح میں کبھی غریبوں کی حیثیت یا شہرت کے مالک نہیں سمجھے جاتے تھے اس لیے حاضرین کو اس بات پر تعجب ہوا چنانچہ ایک ذی وجاہت آدمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو اس علاقہ کے ایک طبیب ہیں۔ اس پر آپ نے قدرے جوش کے لہجہ میں فرمایا کہ میں طبیب وغیرہ نہیں جانتا۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ یہ حضرت سلطان العارفین (سلطان باہو) رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ قاضی صاحب کو اس سے پہلے حضرت کے ساتھ کوئی تعارف حاصل نہیں تھا۔

۲۶۔ ۲۵۔ حضرت آپر جماعت علی شاہ ضا (دصال ۱۹۵۱ء) حافظ جماعت علی شاہ ضا علی پوری (دصال ۱۹۳۹ء)

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب (وصال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۵۱ء) اور حضرت حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب
لاٹانی (وصال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء) علی پور شریف ضلع سیالکوٹ خاندان عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگانِ طریقت کی حضرت قبلہ عالم
قدس سترہ کے ساتھ راہ و رسم کی روایات موجود ہیں۔ ہمارے ایک برادرِ طریقت شیخ فضل قادر صاحب سکنہ علاقہ حضرت و بیان کرتے تھے
کہ ۱۹۱۰ء میں یہ دونوں حضرات جناب بابو جی مدظلہ العالی کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت کے وصال پر
جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب اور جناب حافظ جماعت علی شاہ صاحب یکے بعد دیگرے فاتحہ خوانی اور زیارتِ مزار
کے لیے گولڑہ شریف آئے تھے۔ اور اول الذکر نے فرمایا تھا کہ مجھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے
حضرت موصوف قادیانی مہر کہ لاہور میں ہمارے حضرت کے ناصرین و معاونین میں شامل تھے اور جلسہ شاہی مسجد میں تقریر
بھی فرمائی تھی۔

دو دنوں حضرات نے خلافت حضرت بابا جی خواجہ فقیر محمد صاحب فاروقی نقشبندی، تیراہی، پچورہ شریف خلع کیمیل پور سے پائی تھی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب حسنی شیرازی اور حضرت حافظ جماعت علی شاہ صاحب حسینی جعفری سید تھے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب برصغیر مند و پاکستان کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔ آپ نے ایک سو دس برس کی عمر پائی۔ ساٹھ حج کیے۔ ۱۹۰۸ء میں بمقام لاہور مرزا صاحب قادریانی کو مباہلہ کی دعوت دی اور انکار ہونے پر برسہا عام مرزا کی موت کی پیشین گوئی کی۔ جو ایک ہفتہ کے اندر صحیح ثابت ہوئی۔ حجاز ریلوے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، خلافت فنڈ، سمرنا فنڈ، انگورہ فنڈ میں دل کھول کر چنہ دیا۔ تحریک ہجرت کی مخالفت کی۔ اگر وہیں آریوں نے فتنہ ارتداد کھڑا کیا تو آٹھ اضلاع میں تبلیغ کروائی۔ بے شمار مساجد تعمیر کروائیں اور درس جاری کروائے۔ علمائے اہلسنت اور ان کی جمعیتوں اور کانفرنسوں کی جا بجا رہنمائی فرمائی۔

شیعہ اور غیر متدین کے ساتھ مناظرے کیے اور کروائے۔ اور کتابیں تالیف کروائیں۔ آپ خلفاء اور مریدین کا ایک بڑا سلسلہ چھوڑ گئے ہیں جو خدمتِ اسلام میں مصروف ہیں۔

حضرت قبلہ حافظ صاحب نسبت ایک گوشہ نشین بزرگ تھے جن کی زیادہ تر توجہ باطنی تزکیہ نفوس اور ذکر و اذکار پر

۲۷۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری (۱۸۶۴ء تا ۱۹۲۹ء)

کتاب خزینہ معرفت تذکرہ مشائخ نقشبندیہ میں درج ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پشاور سے واپسی پر گورنہ شریف اتر کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے ملاقات کی۔ اس کے علاوہ پاک پتن شریف میں حضرت بابا صاحب کے غرس پر باجم ملاقاتوں کی بھی روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ شیخ فضل قادر صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب شرقپوری حضرت بابا صاحب کے مزار شریف کے قریب تشریف فرما تھے، حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تو میاں صاحب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت کے فرمانے پر کہ آپ یہ تکلیف نہ کیا کریں، میاں صاحب نے فرمایا کہ میں تو یہاں حضرت بابا صاحب کی زیارت کے علاوہ آپ کی ملاقات کی غرض سے بھی حاضر ہوا ہوں۔ آپ اپنے زمانہ میں خاندان عالیشان نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے سلسلہ مجددیہ مصحومیہ کے ایک شیخ حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت پائی تھی جن کا آستانہ کوئٹہ پنجاب کے نزد چوہدری خانہ ضلع شیخوپورہ میں مرجع خلافت ہے۔

حضرت میاں صاحب طریقت کے ایک بڑے شیخ شریعت کے علمبردار اور سنت نبوی کی پیروی پر انتہائی تاکید فرمانے والے بزرگ تھے۔ آپ کی تربیت اولاد نہ تھی۔ آپ کے بھائی حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، اور ۱۹۵۷ء میں ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان جناب میاں غلام احمد اور جناب میاں جمیل احمد صاحبان سجادگان سے طریقت اور شریعت کا یہ مقدس سلسلہ سلوک شرق پور میں اور دیگر خلفائے کرام کے ذریعے پاکستان میں جاری و ساری ہے۔ آپ کے خلفائے کرام میں سے حضرت سید اسماعیل صاحب کرماں والے سابق ضلع فیروز پور حال ضلع ساہیوال اور حضرت خواجہ محمد عمر صاحب بیر بل ضلع سرگودھا کے کمالات عظم و فقر کا کافی حیرچاہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک مخلص مولوی محمد ابراہیم صاحب قصوری سے سوال کیا کہ کلام طیبہ میں لفظ لا غیر اللہ کی نفی ہے یا عین اللہ کی، عرض کیا غیر اللہ کی نفی کی جاتی ہے۔ فرمایا۔ پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے معنی کیا ہوئے کہ جب اللہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے تو کسی نے کہا لا الہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے تو لغوہ مار کر فرمایا کہ اس خوف سے کہ مبادا لا کہنے پر ہی میری زبان بند ہو جائے اور دم نکل جائے۔

ہمارے حضرت نے بھی ایک سفر میں اسی قسم کے سوال پر فرمایا تھا کہ درویش کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کا نام لینے میں لا الہ الا کے الفاظ کی تاخیر برداشت نہیں کر سکتا اور جہاں کے اس لمحہ بھر وقفہ کو بھی کھانا دینا چاہتا ہے۔

حضرت شبلی کو وصال کے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تھی جس پر فرمایا کہ جب غیر ہے ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟ اور حضرت شیخ حکیم اللہ جہاں آبادی قدس سترہ العزیز نے بھی آخری وقت میں یہ شعر کہا تھا۔

غبار خاطر مشتاقِ مدعا پسبی ست

بخلوئے کہ نعم یاد دوست بے ابلی ست

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

۲۸۔ حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحبِ ڈفرہ (وصال ۱۳۴۷ھ۔ نومبر ۱۹۵۴ء)

حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحبِ قادری المعروف حضرت صاحبِ ڈفرہ (رحمۃ اللہ علیہ) (وصال ۱۳۴۷ھ۔ نومبر ۱۹۵۴ء) جن کا مزار زراعت فارم راولپنڈی مری روڈ کے پاس ہے، ہمارے حضرت کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور آپ سے اکتساب فیض بھی فرمایا۔ عالمِ طفولیت سے ادھیڑ عمر تک ممالکِ اسلامیہ میں سیر و سیاحت کر کے اولیاء اللہ مشہورین و مستورین اور سبقتہ بزرگانِ دین سے فیض حاصل کیا۔ گولڑہ شریف میں اپنی پہلی حاضری کے متعلق ملک غلام فرید خان ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ میں بچپن میں گولڑہ شریف پیدل جا رہا تھا۔ راستہ میں کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ اور میں اس ڈر سے ایک کھڈ میں چھپ گیا کہ شاید کسی پولیس افسر کی سواری آرہی ہے لیکن ایک سوار اپنا راستہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا جس کی دریافت پر میں نے بتایا کہ پیر صاحب کی زیارت کے لیے گولڑہ شریف جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ سوار خود حضرت قبلہ عالم پیر صاحب ہی تھے۔ آپ نے بڑی مہربانی سے رات لنگر میں ٹھہرایا اور صبح کئی وظائف عطا فرمائے۔ حزب البحر پڑھنے کا طریقہ بتایا اور اس کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

ملک غلام فرید خان صاحب سے یہ روایت بھی ہے کہ فرمایا جب میں نے راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی تھی تو ایک دفعہ تریاقِ دماغ کی ایک محراب مجھ کو تیار کر رہا تھا کہ ایک رات حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے خواب میں فرمایا کہ اس محراب میں ہمارا حصہ بھی رکھیں۔ چنانچہ جب تیار ہو گئی تو میں نے کچھ حضرت کی خدمت میں پہنچا دی۔ پھر فرمایا کہ دورانِ سیاحت بعض اوقات پہاڑوں کی جڑی بوٹیاں اپنی تاثیر سے مجھے خود آگاہ کر دیتی تھیں اور میں انہیں استعمال میں لے آتا تھا۔ خواجہ صاحب مختلف امراض کے لیے شوقیہ طور پر ادویات تیار کرتے رہتے تھے جو ہمیشہ مفید اور زود اثر ثابت ہوا کرتی تھیں۔ اس چیز کو آپ نے خدمتِ خلق کا ظاہری سبب بنایا ہوا تھا۔

ان کے ایک مُردِ قاضی عتیز الرحمن صاحب سکنہ قاضیاں علاقہ گوجرانہ انسپکٹر مدارس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مولوی صاحب کے ساتھ جو کشفِ قبور کا ملکہ رکھتے تھے، ایک مرتبہ سیال شریف حاضر ہوا۔ جب روضہ شریف سے باہر آئے تو ان مولوی صاحب نے بتایا کہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری بیعت کے متعلق دریافت فرمایا تھا کہ کہاں ہے جب میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو معاً ایک بزرگ ہوا میں دوزانو بیٹھے ہوئے آگئے اور حضرت کے پاس جا بیٹھے۔ اور مولوی صاحب نے اس بزرگ کا حلیہ اور وضع قطع، لباس اور طریقہ نشست بعینہ وہی بیان کیا جو حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں کا تھا۔ ملک محمد نواز خان نوشہروی کا بیان ہے کہ کوہ مری میں ایک شخص نے ان کے سامنے حضرت خواجہ صاحب ڈفرہ والوں سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ آپ نے پوچھا۔ پہلے تو کہیں بیعت نہیں ہوئے۔ کہا پیر صاحب گولڑہ شریف سے بیعت تھی مگر ان کا وصال ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے سخت ناراضی کے عالم میں فرمایا۔ او بے نصیب تو نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو مُردہ سمجھ لیا ہے۔ اس مرتبہ و شان کے اولیاء اللہ ہمیشہ زندہ اور باقی باللہ ہوتے ہیں۔

۲۹۔ حضرت حافظ عبدالکریم صاحبِ راولپنڈی

حضرت حافظ عبدالکریم صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا جی فقیر محمد صاحب تیرابی چورہ شریف کے خلیفہ تھے۔

عزب البحر کا وظیفہ ہمارے حضرت سے حاصل کیا تھا جس کی روایت مولوی عبداللہ صاحب گنجاہی آپ کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک اجنبی بزرگ کی رہنمائی میں حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس اجنبی بزرگ نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے کہا کہ اسے عزب البحر کی اجازت دیجیئے اور اس کا طریقہ بھی سمجھا دیجیئے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ چلے گئے۔ اگلے روز حضرت نے اجازت دی اور طریقہ ورد عطا فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ بزرگ خود حضرت علیہ السلام تھے۔

۳۱۔ حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی طمان

ہمارے حضرت کے ساتھ طمان کے مشہور پیر طہریت حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب قادری گیلانی، سجادہ نشین دربار حضرت سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید (رحمۃ اللہ علیہما) کی دوستی عقیدت کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت کا پاک پن شریف کا سفر طمان کی راہ سے ہوتا اور ہر سال باہم ملاقات رہتی۔ اختلافی مسائل میں مخدوم صاحب کا مدار آپ ہی کے مساک پر ہوا کرتا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق لفظ بشر اور حاضر ناظر کے مسائل پر ان کے استفتاء کے جواب میں حضرت کا ایک مکتوب گرامی باب مکتوبات میں درج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مخدوم صاحب کو طمان اور نواحی اضلاع میں روحانی قیادت اور عظمت عطا فرمائی تھی۔ قطع نظر اس تقدس اور احترام کے جو اس آستانہ عالیہ قادریہ کو حاصل ہے اور جس کی وجہ سے اس کا نام دربار پیران پیر پڑ گیا ہے۔ اور اس کے دو قریبی شہر سپاہ کے دروازوں کو بھی لوگ صدیوں سے پاک دروازہ اور حرم دروازہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔ خود حضرت مخدوم صاحب کی ذات کے ساتھ عوامی عقیدت کا یہ حال تھا کہ جب ۱۹۲۲ء میں آپ فریضہ حج سے واپس آئے تو اس خطہ کے لوگوں نے ایسا شاندار استقبال کیا کہ طمان میں شاید کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا۔ جب ریلوے اسٹیشن کے وسیع اور طویل پلیٹ فارموں پر تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو لوگ لائن کے کنارے دونوں طرف پھلتے گئے اور یہ قطاریں مکمل کے قریب تک چلی گئیں۔ بہت پہلے جب ایک دفعہ طمان میں ہندو مسلم فساد کا خطرہ پیدا ہوا اور بازار بند ہو گئے تو یہ سن کر کہ مخدوم صاحب خود سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ دوکاندار، کیا ہندو کیا مسلمان، خود بخود دوکانیں کھول کر بیٹھ گئے۔

۳۱۔ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی طمان

حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی بھی حضرت جمال الدین موسیٰ پاک شہید کی اولاد سے ہیں۔ دربار پیران پیر طمان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت مخدوم کے بڑے صاحبزادے کی اولاد سے بیان ہوتے ہیں جن کو اپنے والد کی املاک تفویض ہوئی تھی اور چھوٹے بھائی کے حصہ میں آپ کا سجادہ طہریت آیا تھا۔ گولڑہ شریف حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فرمایا اور حضرت نے انہیں تنخیر میں بجا کر کلمہ طیبہ کی تلقین فرمائی۔

۳۲۔ حضرت سید غلام عباس شاہ صاحب سجادہ نشین مکھڑ شریف

مکھڑ شریف کے خاندان قادریہ کے مشہور سجادہ نشین حضرت غلام عباس شاہ صاحب حسنی جیلانی کے دو خطوط دربار عباسیہ گولڑہ شریف میں محفوظ ہیں۔ جو حضرت کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک پر ۱۹۱۲ء کی تاریخ ہے اس میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو شیخ متقی مناظرہ موضع جند ضلع کیمبل پور میں شرکت کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ۱۴

اساڑھ کو وہاں شیعہ اور اہل سنت جماعت کے درمیان خلافت کے موضوع پر بحث ہونے والی ہے۔ اہل سنت کی طرف سے مناظر مولوی سلطان محمود گنجوی مدرس ڈیرہ غازی خان ہیں۔ اور شیعہ صاحبان کی طرف سے مخدوم صاحب بلوٹ والے مہتمم ہیں۔ نیازمند کو بھی اہل سنت کی طرف سے مجبور کیا جا رہا ہے کہ اس بحث میں شریک ہوں۔ فقیر چاہتا ہے کہ جناب والا بھی شریک ہوں۔ اور سب اہل سنت کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن اس خط و کتابت کا علم محض فقیر تک محدود ہے۔ دوسرے خط میں جو ۱۹۱۲ء کا ہے، فرماتے ہیں :-

”نوازش نامہ نے فخر و مباہلت بخشی امید ہے کہ جناب تو تجربہ نام کو مبذول فرمائے رکھیں گے۔ فقیر نہایت ہی جناب کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہے جو کہ آپ نے اپنی خونی شفقت سے بندہ کو ان امور سے آگاہ فرمایا جو فقیر کے لیے مناسب امور تھے

یہ امر بوجہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کی جو نازک حالت ہے وہ ہرگز اس امر کے قابل نہیں کہ غارت جگیاں شروع رہیں مگر آفرینش سے انسان طینت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی عمر کا ایک حصہ انہی کاموں میں گزارنا چاہتا ہے۔ معرکہ شیعہ کے خیال حضور پر محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز کے حق میں بہت ہی بُرا اثر پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو یہ آپ کے جد کی برکت ہے کہ کسی کو اس ملک میں حضور کی نسبت گفتگو کا موقع نہیں ملتا اور انشاء اللہ نہ ملے گا۔ مگر تاہم احتیاط امر لابدی ہے۔ مولوی صاحب (سلطان محمود گنجوی) کے خط سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب سید جماعت علی شاہ صاحب بھی شریک ہوں گے۔ فقیر کا ارادہ اُس صورت میں جانے کا ہو سکتا ہے جب جناب بھی تشریف لادیں۔ مخدوم بلوٹ والوں کی طرف سے بڑی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ امر لابدی ہے کہ اگر بندہ یا حضور اس موقع پر حاضر نہ ہوئے تو دین اللہ کی کمزوری کے ماسوا دشمنان دین سے ایک محل طعنہ کا ضرور ہوگا۔ فقیر نے ابھی تک بغیر رائے جناب کوئی پختہ رائے اپنے کسی استفسار کنندہ کے آگے ظاہر نہیں کی۔ جیسے رائے ہو اُس سے آگاہ فرمایا جاوے۔ دوئم امر اگر یہ خیال بھی کیا جاوے کہ ہمارے منصب اس امر کے متقاضی ہیں کہ کسی شخص کا دل رنجیدہ نہ کریں لیکن بعض گروہ ایسے ہیں کہ وہ کسی حال میں شکر گزار نہیں رہ سکتے۔ مزید خیال فرما کر اور سارے وجوہات پر نظر ڈال کر اپنی رائے مبارک سے سرفراز فرمادیں گے کہ اُسی کے مطابق طرز عمل رہے۔

اس خط کے مضمون سے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے جواب کی منشا پر واضح اشارات ملتے ہیں کہ حضور ان فریقہ دارانہ مناظرات کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب مکھڑ شریف کے اصرار اور حالات کے تعاضول کو مد نظر رکھ کر بالآخر شمولیت پر آمادگی کا اظہار فرمادیا تھا۔ کیونکہ حسب روایات جب حکومت نے اس مناظرہ کی ممانعت کر دی تو آپ نے فرمایا: ”مرا داں من دیاں من بیچ رہیاں۔ شیعیاں ٹوں من دیاں باتاں نہ کیاں۔“

حضرت بابو جی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ انہی ایام میں جب کہ جنڈ میں مناظرہ کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں ایک سید محمد عالم شاہ نامی جو کبھی کبھی حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آئے اور عین اُس وقت جب کہ ہم سبق پڑھ رہے تھے حاضر ہو کر باتوں باتوں میں یہ سوال کیا کہ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے خلائف شیعہ علماء یہ دلیل پیش کرتے ہیں :-

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۚ قَالَ وَمِنْ

ذاتی بتی۔ قال لا ینال علیہ فی الطبعین ۵ (نظرہ ۱۲۴)

ترجمہ۔ اور جس وقت آزمائش فرمائی ابراہیمؑ کی اس کے پروردگار نے ساتھ کئی باتوں کے پس پورا کیا (ابراہیمؑ نے ان کو) فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں تجھے انسانوں کے لیے ہمام بنائے وہ انہوں پر عرض کیا اور میری اولاد سے بھی۔ فرمایا میرے اہل خانہ کو انہوں کو نہیں پہنچے گا۔

پس معلوم ہوا کہ خاتمِ رسالت کے لائق نہیں۔ اور قرآن مجید نے شریک کو ظلمِ عظیم فرمایا ہے اور لفظ عظیمہ اور اصحابِ شہداء سے مراد ہے پہلے مذہبِ نبوت پرستی پر تھے۔ حضرت یہ نبی کریمؐ کے اور ذیادہ شہید بھی ہو گئے ہیں اور پیش کرتے ہیں انہیں شاید ایسا غوی بھی نہیں آتی۔

انہیں اتنی بھی معلوم نہیں کہ یہ قسیدہ شرط عام ہے جس میں موضوع پر حکمِ تواتر و صحت ہوتا ہے لہذا جب تک وصفتِ ظلم رہے گا حکم رہے گا ورنہ خلافِ شاہ صاحب یہ سن کر حیران ہو گئے اور واپس جا کر شیوخِ علماء سے ذکر کیا اور یہ بھی جا کر کہا کہ اگر یہ شخص مناظرہ میں شریک ہو تو ہماری غیر نہیں۔ بالخصوص فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ بعض وجوہ کی بس پر موقوف ہو گیا تھا۔

تعب ہے کہ جن لوگوں نے اس مناظرہ جملہ کی تحریک کی تھی اور شیوخِ حضرات کے قائم تھے وہ اپنا شجرہ نسب حضرت میرزا محمد شاہ موج دریا بخاری (لاہوری) رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۰۱ھ تا ۱۲۴۱ھ (سجری) تک پہنچاتے تھے۔ علاوہ آفتاب کے تعلق تاجی مشایخ و ہور اور کئی دیگر معتبر کتب میں یہ واقعہ درج ہے کہ کسی شیوخ نے آفتاب کے اہلسنت والجماعت ہونے پر معنی کیا تھا کہ کاشغری گنتی نہیں اور سید سنی نہیں۔ اور آپ نے اس تہذیب کو قبول فرما کر کاشغری گنتی (لکڑی کی گنتی) بنوائی اور شیوخِ سنی کے ایک بڑے مجمع کے اندر اس میں چاروں کو اکٹھا دیئے تھے۔

۳۳ حضرت پیر قطب شاہ صاحب سندیلوی (وفات ۱۲۶۰ھ)

حضرت پیر سید قطب شاہ صاحب قادری سندیلوی شریف ضلع ڈال پور (وفات ۱۲۶۰ھ تا ۱۲۹۹ھ) بھی ہمارے حضرت کے ساتھ تعارف اور محبت رکھتے تھے جس سال حضرت نے اس علاقہ کے غلجین کی درخواست پر بغداد علاقہ قیہ اور حضرت صفوی علی حمید شاہ صاحب کے مزار قاضی غالب کا سفر فرمایا تھا تو جناب پیر قطب شاہ صاحب کی دعوت پر سندیلوالی میں بھی ان کے یہاں ایک روز قیام فرمایا تھا۔ ان کے دو شاہرہ خلفاء حضرت مولوی شیر محمد صاحب رنج پور ضلع ساہیوال اور حضرت میاں عبدالصاحب کلانہ (ضلع جھنگ) سے ان علاقہ جات کے اکثر لوگوں کی محبت وابستہ ہے۔ ایک کتاب بعنوان اسرار معرفت اور ایک رسالہ معیات النبیؐ حضرت پیر قطب شاہ صاحب کی تصانیف سے یادگار ہیں۔ شاہ صاحب قبلہ کے سلسلہ کے ایک دیش جناب سائیں غلام محمد صاحب کے ملفوظات مطبوعہ میں حضرت قبلہ عالم قدس ہرگز کا کافی تذکرہ ملتا ہے۔ اگرچہ بعض روایات کی نسبت حضرت کی طرف درست معلوم نہیں ہوتی۔

۳۴ حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ

حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب باغ درہ مالک آباد علاقہ حسن ابدال موہڑ و شریف والوں کے خلیفہ اور جناتِ اقدس نے ایسا غوی جو مطلق کے ایک ابتدائی سال کا نام ہے۔ فیض

نقشبندیہ میں ایک بڑے حلقہ کے پیشوا ہیں۔ انہیں حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ساتھ ہمیشہ بہت عقیدت رہی۔ حضرت قبلہ علم قدس برہ کے متعلق ایک سائل کی دریافت پر فرمایا: ہر شخص کو اپنے پیر کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف چاند ہیں اور باقی سارے۔

۳۵۔ حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوہرہ شریف

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب قادری (چھوہرہ شریف ضلع ہزارہ) حضرت قبلہ عالم قدس برہ کے ہم عصر تھے اور غالباً باہم ملاقات بھی تھی۔ ان کے متوسلین میں سے کسی صاحب نے ایک رسالہ مسموٰۃ صلوٰۃ الرسول شائع کیا ہے جس میں انہیں غوث الاعظم کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس برہ نے انہیں ایک وظیفہ بتایا تھا جس کا مقصد حصول مال و زر تھا مگر انہوں نے اس کے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب یہ رسالہ نظر سے گذرا تو ارقام الحروف نے موجودہ سجادہ نشین صاحب زادہ محمود صاحب کی خدمت میں مسند درجہ ذیل خط ارسال کیا جس پر انہوں نے ازراہ نوازش اپنے صاحبزادے کو حضرت بابو جی مدظلہ العالی کے پاس بھیج کر اپنی لاعلمی اور ان غیر واقعی تحریرات کی اشاعت پر معذرت کا اظہار فرمایا۔

نقل خط متعلق بعض اندراجات رسالہ صلوٰۃ الرسول

"مکرمی واجب الاحترام جناب صاحبزادہ محمود صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد از تحیات مستونہ گذارش بخد مت عالیہ انیکہ کچھ روز ہوئے کتاب مجموعہ صلوٰۃ الرسول کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ ابتدائے کتاب میں آپ کے حضرت علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات بھی کسی متوسل نے تحریر کر دیئے ہیں۔ میری ناقص رائے میں غوث اعظم ہونا تو ایک ایسا مقام ہے جسے حضور سرکار بغداد قدس برہ کے بعد کسی کے لیے ثابت کرنا سوراہی ہے۔ فقط آبخواب کا ارادت مند ہونا وہ کمال ہے جس کے سامنے بڑے بڑے مدعیان فقر و ولایت کے کمالات بیچ ہیں۔ جیسا کہ قصیدہ عالیہ غوثیہ سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے۔

سگ درگاہ جیلاں شوچوں خواہی قرب ربانی

کہ بر شیراں شرف دار و سگ درگاہ جیلائی

بہر حال کسی متوسل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے شیخ کی تعریف و توصیف ایسے انداز میں کرے جس سے کسی دوسرے خداریدہ و خداریساں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ جب فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذات بابرکات نے اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ لَا تَفْضِلُونَنِي عَلَى يُونُسَ ابْنِ مَتَّى کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ أَنَا سَيِّدُ دُنْيَا أَدْرَاكَ لَا فَخْرَ لِي فِي قَامِ أَوْلَادِ آدَمَ کاسر دار ہوں جس کی تطبیق علمائے کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے ارشاد سے آبخواب کی وہ فضیلت ہے جس سے کسی دوسرے پیغمبر کی توہین کا پہلو نکلتے تو پھر کسی اور انسان کو ایسی مدح و ثنا جس سے دوسروں کی تفضیص مترشح ہوتی ہو کہاں درست ہوگی۔

بندہ خاص طور پر آپ کی توجہ اس روایت کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہے جو کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵ پر موجود ہے جس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ حضرت اقدس گوڑوی قدس سرہ نے حضرت صاحب چھوڑوی کو ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرمایا تھا جس کا مقصد حصول مال و زر تھا جس پر حضرت موصوف نے پڑھنے سے انکار فرمادیا حالانکہ جن لوگوں کو حضرت گوڑوی علیہ الرحمۃ کے مساک سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ کسی بھی مسلمان کے لیے کلام الہی اور وظائف و اُردا کا بغرض حصول مال و زر پڑھنا نہایت ہی میوہ خیال فرماتے تھے چنانچہ آنجناب کے ملفوظات مطبوعہ کے متعدد مقامات اس امر کی بین دلیل ہیں خصوصاً صفحہ ۵۳ پر عبارت ذیل ملاحظہ ہو:-

شیوہ فقہی کفایت شعاری است و ترک تکلف. فرمودند ادا سے اوراد و خواندن وظائف و سورہ قرآنی محض برائے حصول اغراض دنیاوی کا خوب نیست. بلکہ نفاق است و انہیں سبب فائدہ حاصل نے شود و ہمہ غرضانے سے شود و کلام اللہ را محض برائے غرض ثواب و رضائے حق خواندہ شود و خود خدا سے عزوجل مستجاب ساز است. در حدیث آمدہ است مَن كَانَ لِلّٰهِ كَانَ لِلّٰهِ كَفًا. چہ طور پر سیم کردہ شود کہ بندہ ہر گاہ بندہ خدا باشد باز در ہمہ حالات مطمئن نہ باشد. حافظ علیہ الرحمۃ در دیوان سے فرماید:-

توبہ بندگی چوں گدایاں برائے مُزد مکن!

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

پس جب آنجناب کے نزدیک کسی بھی مسلمان کا اوراد و وظائف بغرض مال و زر پڑھنا نفاق ہے تو ایک ہستی کو جن کے متعلق کتاب مذکور میں غوثیت عظمیٰ کا منصب اعلیٰ تک ثابت کیا گیا ہے، کس طرح آنجناب ایسا وظیفہ پڑھنے پر اصرار فرما سکتے ہیں جس کا مقصد ہی حصول مال و زر ہو۔

امید ہے آپ اس غلط روایت کے متعلق خود ہی کوئی مناسب اقدام فرما کر ہم متوسلین درگاہ عالیہ گوڑہ شریف کو مطمئن فرمائیں گے۔ ورنہ مجبوراً ہمیں خود کسی قدم اٹھانے پر معذور تصور فرمائیں گے۔

نیز اسی کتاب میں صفحہ ۱۶ پر ایک صاحب حال سار بجانے والے شخص کا واقعہ مذکور ہے جس کے خلاف ایک مولوی صاحب نے کفر کا فتویٰ صادر کیا ہوا تھا۔ تنگ آکر صاحب حال سار نو از مذکور نے حضرت صاحب چھوڑوی اور آپ کے رفیق سفر ایک پیر صاحب سے ام مذکور کی شکایت کی جسے سن کر پیر صاحب نے سناہ بجانے والے کو اس فعل سے روکنا چاہا۔ مگر حضرت چھوڑوی نے ایسا تصرف کیا کہ خود مولوی صاحب نے سار بجانے شروع کر دی۔

بعینہ اسی واقعہ کو آپ کے متعلقین میں سے کسی شخص نے ایک اخبار میں شائع کیا۔ اور پیر صاحب سے مراد حضرت اقدس گوڑوی علیہ الرحمۃ کی ذات لی گئی۔ حالانکہ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح حضرت گوڑوی کے مساک کے خلاف ہے کیونکہ مشائخ چشت کے نزدیک سماع وغیرہ اہل حال کے لیے بالاتفاق درست ہے۔ پھر آپ کس طرح ایک صاحب ذوق کو منع فرما سکتے تھے۔ اور ظفر یہ ہے کہ روایت مذکورہ حضرت چھوڑوی کے مساک کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی قادری سلسلہ کے بزرگ کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ تصوف

کر کے کسی کو طریقہ عالیہ قادریہ کے خلاف عمل پر یعنی ساز بجانے پر پابند کرے۔
امید ہے ان شکوک کے جوابات سے مشرقِ فزا کر شکر یہ کا موقع دیں گے۔

۳۶۔ حضرت مولیٰ ناصی احمد صاحب محدث پبلی بھیت

حضرت مولیٰ ناصی احمد صاحب محدث سُورتی پبلی بھیتی ہمارے حضرت کے ہم سبق اور ہم مشرب بزرگ تھے۔ بہارِ ان پور میں حضرت مولیٰ احمد علی صاحب محدث کے درس میں حضرت کے ساتھ ان کے ہم درس ہونے کا ذکر ابتدائی ابواب میں گذر چکا ہے۔ وہاں اکثر دوسرے طلباء غیر مفت تہذیب خیالات رکھتے تھے اور باہمی عقائد کی بحث میں ان دونوں حضرات کا پلہ ہی ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے اجلاس میں حضرت کی تقریر کے بعد ان کی تقریر کا وقت مقرر تھا۔ ممبر پرچا کو صرف ایک حدیث شریف پڑھی اور یہ کہہ کر اتر آئے کہ حضرت پر صاحب کی تقریر کے بعد منہ کھولنے کی جرات نہیں ہوتی۔ لیکن تفصیل امر میں ایک حدیث شریف پڑھ دی ہے حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا مولانا موصوف سے گہرا رابطہ تھا اور انہیں الاسد یعنی اہل سنت والجماعت کا شیر فرمایا کرتے تھے۔

۳۷۔ حضرت سید لعل شاہ صاحب دندہ شاہ بلاول

حضرت سید لعل شاہ صاحب نقشبندی (دندہ شاہ بلاول، ضلع کیمیلپور) قدوة السالکین حضرت حاجی دوست محمد صاحب قدحاری کے خلیفہ مجاز اور حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب موسیٰ زئی شریف کے پیر بھائی تھے۔ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں آپ کا حضرت قبلہ عالم کے متعلق رئیس الحجاج ہونے کا کشفی مشاہدہ باب چہارم میں گذر چکا ہے۔

۳۸۔ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری

پھلواریہ شریف صوبہ بہار کے حضرت شاہ سلیمان صاحب مشاہیر بزرگان ہند سے ہوئے ہیں۔ آپ گیلانی سید اور حضرت میراں شاہ قادر فیض کے دوسرے صاحب زادہ کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے ہمارے حضرت کے یک جدی بھائی ہیں۔ حضرت قبلہ عالم گولڑوی سے آپ کا تعلق اس اعلامیہ سے واضح ہوتا ہے جو حضرت کے وصال پر جناب سجادہ نشین صاحب پھلواریہ شریف نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو ارسال کیا تھا۔ اور ان کے رسالہ منادی (جون ۱۹۳۷ء) میں شائع ہوا۔ اس کی نقل یہاں دی جاتی ہے:-

تقریریت پھلواری شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کی فاتحہ

گذشتہ جمعہ ۹ بجے صبح کو حضرت مولیٰ ناصی شاہ غلام محی الدین صاحب کا ایک تار بنام حضرت مولانا سید شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین کے پہنچا جس میں یہ نحو اس اطلاع درج تھی کہ شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر سید مہر علی شاہ صاحب نے اس جہان فانی سے بھلت فرمائی۔ اس خبر وحشت اثر کو سُن کر حضرت سجادہ نشین صاحب کے علاوہ خانقاہ شریف کا ہر شخص تصویر غم و الم بن گیا اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت قبلہ مولانا قادری سید شاہ سلیمان صاحب اور غفران مآب حضرت پیر صاحب کے درمیان باہمی گہری محبت تھی۔ اور

حضرت شاہ صاحب پھلواروی حضرت پیر صاحب کے علم و فضل، وسعت نظر، ان کے زہد و اتقا اور بالخصوص علم تصوف پر ان کے غایت عبور کو اکثر اپنی مجلسوں میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ جامع مسجد پھلواروی شریف میں نماز جمعہ سے پہلے حضرت مولانا شاہ حسین میاں صاحب سجادہ نشین مدظلہ نے پیر صاحب کے اوصاف اور ان کی اسلامی خدمتوں کو بیان فرمایا۔ لوگوں نے فاتحہ پڑھی۔ پھر بعد نماز بھی دعائے خیر کی گئی۔ پھلواروی شریف کے لوگوں کو اس حادثہ کا سرخ و الم ہوا۔ والسلام

۳۹ حضرت سید سید علی شاہ صاحب سہاواہ (وصال ۱۹۰۳ء)

حضرت سید سید علی شاہ صاحب چشتی سجادہ نشین سہاواہ تحصیل باغ ریاست پونچھ کو حضرت مولوی محمد فاضل صاحب چشتی سیلمانی (گرہمی افغاناں) سے خلافت حاصل تھی لیکن آپ حضرت قبلہ عالم گوڑوی قدس سرہ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ متعدد بار ملاقات ہوئی اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان کے پوتے اور موجودہ سجادہ نشین سید نظیر حسین شاہ صاحب کی بیعت ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ساتھ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت قبلہ عالم کے خادم خاص محمد خان برادر مولوی غلام محمد خان نذر بردار نے اپنے کاؤں دھیر کوٹ تحصیل باغ میں بیمار ہو کر وفات پائی تو حضرت نے میرے دادا صاحب کو خط لکھا کہ محمد خان کی لاش وہاں امانت ہے اُسے نکلو اگر گوڑہ بھیجی دیں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی اور یہ نامہ مبارک ہمارے یہاں بطور تیرک رکھا ہوا ہے۔ حضرت سید علی شاہ صاحب نے بحالت سجدہ وصال فرمایا۔ ان کے انتقال پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے جو تعزیت نامہ ان کے فرزندوں کو لکھا تھا اُس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

سیادت و شرافت پناہ نیاز علی شاہ صاحب و مخدوم شاہ صاحب و فیروز شاہ صاحب سلامت باشند
و علیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ اما بعد از ملاحظہ خبر انتقال جناب شاہ صاحب مرحوم و مخفوف بہر حیدر شتت و مستحق
عارض حال گردیدہ اما محمد بن محمد و مفتی کہ بحالت اقرب الاوضاع شربت وصل چشیدند۔ برائیں جنیں دفع انتقال
حق نمودن نعمتے است کہ ارباب سعادت از لیرے نمشند۔ درد فراق و حیرت قبولان حق مزید برائیں بحیثیت ابوة
و قومیت حادثہ ایست جانکاہ و واقعه ایست ہوش ربا اما بجز استرجاع و اصطبار چارہ نہ۔

باید کہ اهداء ثواب نعمات و صدقات روح مبارک اوشان را مسرور دارند و ایں کمینہ ترین عباد اللہ الصمد
را دعا گوئے و خیر خواہ خاندان تصور فرمایند۔ جمیع بر خور داران را سلام و دعا۔

الراقم الملتجی الی اللہ الصمد المدعو بہ محمد علی شاہ از گوڑہ۔ مورخہ ۲۷۔ شوال ۱۳۲۱ھ

۴۰ حضرت مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی

جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا محمد قیام الدین عبد الباری فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اپنے فو کے علماء و مشائخ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ مولانا محمد علی جوہر آپ کے ہی مرید تھے۔ تحریک خلافت کے دوران میں اس کے بعض شرعی پہلوؤں پر ہمارے حضرت کے ساتھ خط و کتابت فرمائی تھی جس کی تفصیل باب مسند ارشاد میں گذر چکی ہے۔

باب هشتم

بعض مذاکرات و مناظرات

مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت

جیسا کہ گذشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے، یام طالب علمی سے ہی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مناظرانہ کمال اور علمی فضیلت کی شہرت ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ چنانچہ برصغیر کے ہر محکمہ منکر کے اکابر علمائے کرام مثلاً مولانا فضل حق صاحب رام پوری، اُستاد العلماء مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، مولانا شاہ وحی احمد صاحب محدث پالی بھتی شمس العلماء مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولانا عبد الباقی صاحب فنی علی، مولانا محمد دیدار علی شاہ صاحب لاہوری، مولانا نظام الدین صاحب وزیر آبادی صاحب فتاویٰ سلطان الفقہ مولانا علی گوہر صاحب تونسوی، مولانا سید غلام حسین صاحب مظفر گڑھی، علمائے دیوبند میں سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الحدیث علامہ النور شاہ صاحب کشمیری اور غیر مقلدین کے پیشوا مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی شمس اللہ صاحب امرتسری اور کئی دیگر علمائے عظام نے جو آپ کے ہم درس رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں ہندو پنجاب کے کسی اور بڑے درس میں زیر تعلیم رہے تھے آپ کی اس شہرت کی اُس وقت تصدیق کی جب آپ مسند ارشاد پر بیٹھ کر مرجع خلائق ہوئے یا آپ کی تصانیف عالیہ کا شہرہ دنیائے علم میں بلند ہوا یا پھر جب قادیانی مدعی تہوت سے مقابلہ ہوا۔

بحث کے دوران حضرت کے سوالات کی بندش عجیب کو متحیر کر دیتی تھی۔ آپ کی طرف سے اعتراض کا جواب ہمیشہ فی البدیہہ اور جامع ہوا کرتا تھا۔ اگر متحیر من کے سوال ہی کا کوئی پہلو گرفت میں لے کر اس طرح ٹوٹا دیتے تھے کہ وہ لایجاب ہو جاتا۔ عام مسائل میں سوالات اور استفتاء کے جوابات اس قدر بلیغ اور تسلی بخش ہوتے کہ مسائل اور حاضرین مجلس کے دلوں میں اتر جاتے۔ مقابل پر اعتراض کی یہ تحیر خیزی اور مسائل پر جواب کی اثر پذیری گویا کہ لَمَّا سَأَلَ عَنْ قَدْرِ عَقُولِهِمْ کی تفسیر کا حکم رکھتی تھی۔ جب گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی تو تحقیق حق اور ابطال باطل کی گرمجوشی میں تسبیح ہاتھ سے رکھ دیتے اور آستین پر چڑھ لیتے۔ پھر کیا تھا، موج در موج دلائل کا ایک سمندر جاری ہو جاتا۔ بعض دفعہ ایسے موقع پر فرمادیتے: ہم نے بھی طالب علمی کی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کی فطری تواضع اور انکسار کا پہلو بھی ہاتھ سے جانے نہ پاتا۔

حضرت کی عام گفتگو نرم اور پسندیدہ ہوتی تھی۔ بلند اتنی کہ مجلس کے ہر گوشہ میں صاف سُنانی دے اور خوشگوار اتنی گویا چاندی کی گھنٹی بج رہی ہو۔ سبقت پاک کی تعمیل میں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ ایک ایک لفظ الگ الگ کیا جاسکتا تھا۔ دوران گفتگو کسی وقت قدرے مسکراہٹ اور کسی وقت آہ سرد کا سوز و ساز، تھری کی لذت کو دو بالا کر دیتا تھا۔ دلائل کلام، استفہام، استعجاب اور دیگر نکات کی ادائیگی میں کسی وقت دست مبارک بڑے لطیف اور دلکش پیرائے میں خفیف سی حرکت میں آجاتا اور یہ اشارات بے حد پیرائے اور بھلے معلوم ہوتے۔ اس چیز کو بالعموم حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے کمالات لدنیہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ کی مجلس سے ہر سائل مطمئن اور ہر مناظر سبکت آور صامت ہو کر لوٹتا تھا۔

قبل اس کے کہ آپ کے مشہور مناظرات کی کیفیت تفصیلاً تحریر کی جائے بعض سوالات کے مختصر، دلنشین اور مسکت جوابات جو ہمارے علم میں آئے ہیں یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان مسائل کے متعلق آنجناب کی مکمل تحقیقات آپ کی تصانیف

لے یعنی لوگوں کی سمجھ کی سطح پر کلام کرو۔ (فیض)

اور فتاویٰ میں ملاحظہ کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں مختلف مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ بعض مسائل پر آپ کے مکالمات اور شیعہ غیر مقلدین اور قادیانی حضرات کے ساتھ تقریری و تحریری مناظرات کا ذکر سابقہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اور اُس کے حبیب کا علم

ایک محنت فکر کا یہ مقولہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر ہے۔ صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسا کہنا بعید از صواب ہے۔ ارشاد الہی وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اِس کی نفی کر رہا ہے۔

تَصْدِيقُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ

ایک مولوی صاحب نے مناظرانہ رنگ میں سوال کیا کہ قرآن مجید فرماتا ہے میں کُتب سابقہ کا مُصدق ہوں (مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ) مگر کُتب سابقہ بھی کلام الہی ہیں اور قرآن کریم بھی جس سے تَصْدِيقُ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کا اشکال لازم آتا ہے حضرت نے فرمایا قرآن مجید اور کُتب سابقہ میں تو زمان و مکان اور لغت اور محل نزول کا اختلاف موجود ہے۔ آپ کے لیے موجب اشکال تو یہ چیز ہونی چاہیے کہ قرآن شریف کی محافظت الہیہ کی مُثبت فقط ایک ہی آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحجۃ - ۹) ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) وارد ہوئی ہے جو اپنی محافظت کی دلیل بھی آپ ہے۔ پس فرمائیے آپ کے اعتراض کی روشنی میں اس محافظۃ الشَّيْءِ لِنَفْسِهِ کے اشکال کا حل کیا ہوگا؟

دُعائِی و مجرمتِ اولیاء اللہ

ایک تہ سوال ہوا کہ صوفیائے کرام اپنے وظائف میں الہی بحق فلاں اور الہی مجرمت فلاں کے کلمات سے کیوں دُعائے گتے ہیں جب کہ خدائے تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے؟ فرمایا۔ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر از خود کسی کا کچھ حق نہیں۔ لیکن اگر وہ تبارک و تعالیٰ خود از راہ فضل و کَانَ حَقًّا عَلَیْکُمْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (مومنوں کی نصرت ہم پر حق ہے) (سورہ روم، آیت ۴۷) ارشاد فرما کر کسی کو حق عطا کر دے تو کیا اعتراض باقی رہتا ہے؟ پھر فرمایا۔ اگرچہ مشیت حق مخلوق کی آرزوؤں کی پیروی نہیں ہے لیکن مخلوق اپنے خالق کے حضور میں مُناجات اور دُعائے حاجات کے وقت ایسے الفاظ سے اپنے عجز و الحاح کا اظہار کرتی ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

نص میں سید کی تعظیم کا ثبوت

سوال کیا گیا کہ آیات کی تعظیم کے لیے نص میں کوئی ثبوت ہے؟ فرمایا۔ نسب کا شرف قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ (زخرف، آیت ۸۱) (یا رسول اللہ! جیسائیوں سے) فرمادیجئے۔ اگر اللہ کا کوئی فرزند ہوتا تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا۔

حیات النبی پر سوال

ایک غیر مقلد نے اعتراض پیش کیا کہ پیغمبر صاحب کو زندہ کیونکر مان لیا جائے جب قرآن فرما رہا ہے کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ (آپ پر بھی موت آنے والی ہے اور ان لوگوں پر بھی)۔ حضرت نے اس شخص پر سوال کیا کہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائرہ مطلقہ؟ مگر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حضرت کا مطلب یہ تھا کہ یہ عینہ مطلقہ عامہ ہے جس کے صدق کے لیے تین زمانوں میں کسی ایک زمانے کے اندر موت کا تحقق کافی ہے۔ دوام موت ضروری نہیں۔ کیونکہ مناطہ کے نزدیک دائرہ مطلقہ وہ قضیہ ہے جس کا حکم دائمی ہو۔ اور مطلقہ عامہ وہ جس کا ثبوت حکم کسی زمانہ میں ہو جائے یعنی موت کی شرط تھوڑے عرصہ کے لیے پوری ہو جائے۔

جمعہ فی القریٰ پر سوال

ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ گولڑہ شریف میں جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے جب کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ کے لیے بصر (یعنی بڑا شہر) شرط ہے؟ آپ نے فرمایا: مولینا! یہ شرط مصلحت حد دخول الفاء ہے یا نہ قبیل لولاہ لا متنع ہے؟ سائل اس ایک ہی استفہامی فقرہ سے خاموش ہو گیا۔

مصلحت حد دخول الفاء وہ شرط ہوتی ہے جس کے وجود پر مشروط کا تحقق ہو سکتا ہو لیکن اس کے عدم سے مشروط کا عدم ہونا ضروری نہ ہو۔ لولاہ لا متنع میں شرط مشروط کے لیے بمنزلہ علت ہوگی کہ جب تک شرط نہ پائی جائے مشروط کا پایا جانا غیر ممکن ہوگا۔ اس سوال کا مقصد معترض کا مبلغ علم معلوم کرنا تھا ورنہ گولڑہ شریف پر بعض اقوال کے مطابق شہر کی تعریف صادق آتی ہے۔

یا شیخ عبد الفتاح در جیلانی شیدا اللہ پر اعتراض کا جواب

ایک دفعہ اعتراض ہوا کہ یا شیخ عبد الفتاح در جیلانی شیدا اللہ کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگنا چاہیے کہ یا اللہ مجھے شیخ عبد الفتاح در جیلانی کا صدقہ کچھ عطا فرما۔ حضرت نے فرمایا: حق تعالیٰ جل شانہ سورۃ نسا میں فرماتے ہیں:-

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ دُورًا (اللہ سے جس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو) حق تعالیٰ نے یہاں اپنے نام کے واسطہ سے سوال کرنے کو اپنے احسان کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہ ہوتا تو اس پر اپنا احسان نہ جتاتے بلکہ ایسا کرنے سے منع فرمادیتے۔ لہذا جملہ مذکورہ جس کا مفاد اللہ کے نام کے واسطہ سے سوال کرنا ہے درست ہوگا۔

انسان کامل کے مقامات کی وسعت

ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس برہہ عثمان میں ایک کتاب کا درس دے رہے تھے۔ دوران درس یہ مسئلہ آیا کہ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں:- اے فرزند! انسان جب انسان کامل کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر سے بشری قیود اٹھ جاتی ہیں۔ حضرت کے ایک مخلص مصاحب اور شاگرد خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب سابق اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ

حکمت درس میں حاضر تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: مولوی خان بہادر صاحب! کیا وجہ ہے کہ آپ یہاں بیٹھے ہوئے اس سامنے والی کوٹھڑی میں موجود نہیں ہیں؟ آخر کوئی بشری قید ہی تو ہے جس نے آپ کو مجبور کر رکھا ہے کہ آپ ایک وقت میں ایک ہی جگہ موجود ہوں۔ جب آپ انسان کامل بن گئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق آپ پرست یہ بشری قید اٹھ گئی تو پھر آپ جیسے یہاں موجود ہیں ویسے ہی بیک وقت اس کوٹھڑی میں بھی ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اجمیر میں بھی اور مدینہ شریف میں بھی۔ پھر یا رسول اللہ اور یا شیخ عبد القادر جیلانی کہنے میں کیا حرج ہے؟

ایک آیت کی غلط تاویل کا جواب

سوال ہوا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل بنی آدم میں قیامت تک آتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ حضور خاتم النبیین کے بعد بھی، کیونکہ یہاں بنی آدم کے الفاظ میں تمام نوع انسانی سے قیامت تک کے لیے خطاب ہے۔
 يَا بَنِي آدَمَ اِمَّا يَنْتَظِرُكَ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
 يَقُصُّونَ عَلَيْكَ مَا اٰتٰتَنِي فَمِنْ النَّاسِ وَاصْلَعْ فَلَا
 خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (اعراف - ۳۵)
 اسے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں۔ میری آیات بیان کرتے ہوں پس جو لوگ خدا سے ڈرے اُن پر کوئی خوف نہیں نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا: یہاں دو عموم ہیں، ایک عموم افراد انسانی اور دوسرا ہر زمانہ میں انبیاء اور رسل کا ایسا ن (تشریف لانا) اور ظاہر ہے کہ پہلا عموم دوسرے عموم کو مستلزم نہیں بلکہ امکان وقوعی کی بنا پر ممکن ہو گا کہ ایک رسول قرون کثیرہ کے افراد انسانی کو کفایت کرے۔ مثلاً مشیت الہی نے اُمت عیسویہ کے تمام افراد کے لیے ایک وقت میں ایک ہی رسول کافی سمجھا۔ لہذا ممکن ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد باری خاتم النبیین اور انقطاع سلسلہ نبوت و رسالت کی رو سے قیامت تک کے افراد انسانی کے لیے کافی قرار پائیں۔

قصیدہ غوثیہ میں وَاَفْعَلْ مَا تَشَاءُ کا جواز

ایک صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ قصیدہ غوثیہ کس کی تصنیف ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ کہنے لگا: وہ عالم تھے۔ ایسا کلام اُن کی شان سے بعید ہے کیونکہ اس میں آتا ہے: وَاَفْعَلْ مَا تَشَاءُ
 قَالَ لَكُمْ عَلٰی رَاۤءِ مُرِدٌ جَوَابُہٗ سُوکَرِ میرا نام بلند ہے

حضرت نے فرمایا آپ کے اس اعتراض میں دو چیزیں مراد ہیں، ایک ثبوت تصنیف اور دوسری وجہ استبعاد۔ اب ان دونوں کا جواب سنئے۔ پہلی چیز کی دلیل ہے تو اتر کیونکہ ہر زمانہ کے اندر ہم غفیر اس چیز کے قائل چلے آئے ہیں کہ یہ قصیدہ شریف حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔ اور تواتر دلیل قطعی ہے۔ اب رہی وجہ استبعاد۔ سو آپ نے صحیح بخاری میں دیکھا ہو گا،

اِنَّ اللّٰهَ وَكَذٰلِكَ اَعْطٰہٗ عَلٰی اٰہِلِہٖ بِذٰلِکَ فَقَالَ اَعْمَلُوْا مَا یُسۡئِلُکُمۡ فَاَعْمَلُوْا مَا یُسۡئِلُکُمۡ
 اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر مطلع ہو کر فرمایا جو چاہو سو کرو ہم نے تمہیں بخش دیا۔
 پس فقرہ اَعْمَلُوا مَا یُسۡئِلُکُمۡ آیت لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی (زنا کے قریب مت جاؤ) کے ساتھ کیونکہ درست آسکتا ہے؟

یہاں وجہ استبعاد آپ بیان کر دیں وہاں میں بیان کر دوں گا۔ اس جواب پر وہ صاحب ششدر رہ گئے۔

حضرت نے پھر فرمایا: علمائے ظاہر اس حدیث کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے غایت مافی الباب یہی کہہ دیں گے کہ یہ ایک کلمہ ہے جو خوشنودی کے اظہار میں کہہ دیا جاتا ہے اور حقیقتہً مراد نہیں ہوتا لیکن دراصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب لفظ سبحانہ تعالیٰ کسی پر نظر رحمت ڈالتے ہیں تو اُسے زمرہ ان عبادی کیسے ذات علیہم سلطان (یعنی اُسے ابلیس میرے خاص بند) پر تجھے کچھ دسترس حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل (۶۵) میں داخل فرما کر خود اُس کے حافظ و ناصر بن جاتے ہیں کہ وہ اول تو از کتاب معاصی پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی حکمت کی بنا پر از کتاب گناہ جو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق نصیب فرما دیتے ہیں۔ پس لاجرم مجملہ افعَل مائشاً میں تخصیص مراد ہوگی نہ کہ تعمیم۔

حدیث مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بِرَأْسِ عَصَا

حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسوی ایک روز حدیث شریفہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا وہ جنت میں داخل ہوا) بیان فرما رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ خواہ وہ شخص فاضل کا منکر ہی کیوں نہ ہو حضرت قبلہ عالم قدس سرفراہ اس مجلس میں موجود تھے مگر یہ مولوی صاحب آپ سے متعارف نہیں تھے۔ حضرت نے صاحبزادہ صاحب سے اجازت لے کر جواب دیا کہ یہاں مَنْ قَالَ سے لا محالہ یہ مراد ہے کہ اُس شخص نے کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو حق سمجھ کر پڑھا۔ چونکہ یہ کلمہ حضور مصححہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں لائے ہیں لہذا وہ شخص اپنے اس قول سے حضور کی صداقت اور رسول برحق ہونے کا اقرار کر رہا ہے اور جس نے حضور کی صداقت کا اقرار کیا وہ حضور کے لائے ہوئے فاضل کا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟ جو منکر ہو گا وہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی منشا اور صدق میں داخل نہ ہو گا۔ مولوی صاحب تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کہنے لگے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس مجلس میں ایسا فاضل بھی موجود ہے تو یہ اعتراض کر کے شرمندہ نہ ہوتا۔

قصور میں حضرات نقشبندیہ وحدت وجود و شہود پر گفتگو

ایک دفعہ جب آپ قصور میں تھے تو جماعت نقشبندیہ کا جم غفیر جو کسی عرس کی تقریب پر جمع تھا آپ کے پاس آیا ایک صاحب نے خود بخود وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر تقریر شروع کر دی کہ وہودیہ اور شہودیہ کے درمیان نزاع لفظی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بیان کیا ہے حضرت نے فرمایا کہ آپ کے اس کلام سے حضرت مجدد صاحب کی کسر شان کا پہلو نکلتا ہے کیونکہ نزاع لفظی کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دو معنی کلام میں دو فرقی اختلاف کریں اور ہر ایک کی مراد علیحدہ علیحدہ معنی ہوں اور دونوں ایک دوسرے کی مراد سے بے خبر ہوں اور یہ چیز قلب فہم پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ نزاع لفظی تحقیق کی شان سے بعید ہے۔

پھر اُس شخص نے وحدت الشہود پر آیت کریمہ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہاں

”علیٰ“ بمعنی ”فی“ ہے۔ لہذا معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں مشہود ہے حضرت نے فرمایا: ”علیٰ“ بمعنی ”فی“ بطور شاہد
 مسترآن کریم سے پیش کیجئے جس پر وہ لاجواب ہو گئے۔ اور جب حضرت نے وحدت الوجود پر دلائل پیش کیے
 جن کا ذکر حضرت کی تصانیف تحقیق الحق و ملفوظات شریف میں مفصل موجود ہے تو انہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا
 آخر میں نہایت محظوظ اور شاکر ہو کر رخصت ہوئے۔ کچھ دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ دوسرے روز آکر
 اظہارِ افسوس کرنے لگے کہ ہم اس نعمت سے محروم رہے۔

بعد ازاں ان حضرات نے حضرت کے توسط سے اپنے چند شکوک رفع کیے۔ ایک شبہ مشنوی شریف کے
 اس شعر کے مطلب کے متعلق تھا۔

علم حق در علم صوفی گم شود ایں سخن کے باورِ مردم شود
 حضرت نے فرمایا یہاں گم بمعنی فانی نہیں بلکہ مستور ہے یعنی صوفی کے علم میں علم حق مستور ہوتا ہے اور صوفی کی ذات
 سے ظہور پاتا ہے۔ کیونکہ صوفی کی ذات، ذات حق کا مظہر اور اس کے صفات، صفات الہیہ کے مظہر ہوتے ہیں۔
 دوسرا شبہ یہ پیش کیا کہ مقولہ ذیل: **اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَكْبَرُ** کے معنی کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ علم بھی مغلجہ حجابات
 وصول سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ذمی حجاب ہمیشہ حجاب کے پیچھے ہوتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اس حجاب علمی کو اٹھاتا کہ
 حق سبحانہ کا مشاہدہ کر سکے یہ مطلب نہیں کہ علم وصول الی اللہ سے مانع ہے۔ کیونکہ علم حاجب ہے مانع نہیں اور ان دونوں
 میں بے فرق ہے۔

جنابہ سیدہ کے مطالبہ فدک کی ایک حسین توجیہ

واقعہ فدک میں جنابہ سیدہ علیہا السلام کے سوال میراث پر آپ یہ توجیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جنابہ سیدہ کے سوال
 کے بلِ اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا معاملہ واضح ہو گیا، کیونکہ اگر آپ یہ تحریم نہ فرماتیں تو صحابہ کرام کے
 مجمع عام کے سامنے حضرت صدیقؓ یہ حدیث پیش نہ فرماتے، جس میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام مال و اسباب بطور وراثت
 نہیں چھوڑتے، اُن کی وراثت علم ہے۔ اور اس حدیث کی تصدیق تمام حاضرین صحابہ کرام نے فرمائی جن میں حضرت علیؓ اور
 حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔

خلفائے اشدین کی خلافت کی ترتیب کا لطیف استخراج

حضرت فرماتے تھے کہ آیت **مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ** اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے خلفائے اربعہ علیہم السلام کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے چنانچہ **وَالَّذِينَ مَعَهُ**
خَلِيفَةُ أُولَ الْأَشِدَّاءِ عَلَى الْكُفَّارِ سے حضرت خلیفہ ثانیؓ، **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** سے حضرت خلیفہ ثالثؓ اور **شَرَاهُم**

۱۔ سورہ فتح آخری آیت حضور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو اُن کے اصحاب ہیں وہ کافروں پر شدید اور باہم
 کریم ہیں۔ آپ انہیں راجع اور ساجد اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا کا طلب گار پائیں گے۔ (فیض)

تکلفاً نہ کیا اور نہ ہی حضرت خلیفۃ المسیح کے منہ سے یہ کلام نکلا ہے بلکہ یہ حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہے۔
 صدیق اکبرؑ کا یہ کلام حضرت خلیفۃ المسیح کے منہ سے نکلا ہے اور نہ ہی حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہے۔
 خصوصاً اس لئے کہ یہ کلام حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے نکلا ہے اور نہ ہی حضرت خلیفۃ المسیح کے منہ سے ہے۔

خطائے اشدین کی خلافت کا نفی قرآنی سے ثبوت

ایک شیخ عالم نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ خلافت کا حق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ لہذا ہے اور نہ ہی کوئی اور۔
 خطیب نے فرمایا کہ خلیفۃ المسیح کے منہ سے یہ کلام نکلا ہے اور نہ ہی حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے ہے۔

وَقَدْ أَتَى الَّذِينَ أَتَوْا بِمَسْئَلَةٍ مِّنْهُنَّ الْغَيْبُ
 لَيْسَتْ خَلِيفَةُ خَلِيفَةِ الْأَوَّلِينَ (سورہ نور آیت ۵۵)
 اللہ کا وعدہ فرماتا ہے کہ تم میں سے اسے اصحاب رسول
 جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اپنے عمل کیے ہیں
 انہیں انہیں کے لئے خلافت کا وعدہ فرمایا ہے۔

لہذا اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحاب رسول کو جو اس آیت کے نزول
 کے وقت ہونے لگے انہیں کے لئے جو وہ تھے خلافت فی الارض کا مستحق قرار دیا ہے اور ان سے اس خلافت کے
 عہد کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق واقعات عمل میں آئے۔ اگر شیخ حضرت امام حسن علیہ السلام کی شش ماہ خلافت
 کو ہی شمار کریں تو ان کے مسابک کے مطابق خلافت فی الارض (جو قرآن مجید کے حوالہ میں حکومت کو شامل ہے) کا وعدہ اسی شخص
 اور اصحاب رسول تک محدود رہتا ہے یعنی حضرت علی اور حضرت حسن علیہما السلام۔ آیت میں لفظ جمع غنم کے تھانہ کو پورا
 کرنے کے لیے کم از کم ایک اور خلیفہ سب سے پہلے کس شخص کو قرار دیں گے؟

اس شخص نے کہا حضرت علیؑ کے فضائل کے باوجود ان کو آخری خلیفہ کیوں رکھا گیا؟ فرمایا تم ان کا بھائی ہو اور ایک
 فضیلت ہے جیسا کہ ہمارے حضورؐ کا نام ان پر آیا ہے۔

علمائے اہل سنت کو شائے اہلبیت کرام کی تلقین

ایک مرتبہ جنس ثمانی نے عرض کیا کہ فاضل مت پر شیخ اور شیخ امام مناظرہ کرنے والے ہیں۔ شیخ صاحبان کھنہ سے جہد
 بنا رہے ہیں۔ اہل سنت کی طرف سے آپ تشریف لے چکے ہیں۔ فرمایا آپ لوگ منبر پر جا کر شاذ و نادر ہی اہلبیت کرام کی تعریف
 بیان کرتے ہیں جس سے عوام کے اندر خیال پیدا ہو گیا ہے کہ جو عالم اہل بیت کرام کی تعریف کرے وہ باطل پر تشیع ہوتا ہے
 اگر اس بات کا تو سب سے پہلے ان حضرات کی تعریف کا حق ہو کر دے گا جس پر شیخ کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ پیر صاحب
 شیخ ہیں تصنیف کر کے سنی بنے ہوئے ہیں۔

امیر مکن پادری کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں ہر شے کا ذکر نہیں ہے

ایک امیر مکن پادری گورنر شریف آغا علی بیگس میں داخل ہوتے ہی سوال پیش کیا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن شریف
 میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے حالانکہ حضرت امام حسینؑ جن کی زندگی میں قرآن مجید برس تک نازل ہوا تاہم ان کا نام تک قرآن میں نہ آیا

نہیں حضرت امام حسینؑ نے اسلام کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ ایسے خادمِ اسلام کا ذکر تو قرآن میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔
 حضرت نے دریافت فرمایا کہ پادری صاحب کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ کہنے لگائیں نے قرآن پڑھا ہے اور اس
 وقت بھی میری جیب میں موجود ہے۔ فرمائیے کہاں سے پڑھوں؟ آپ نے اپنے علمائے کی طرف دیکھا اور فرمایا سبحان اللہ
 پادری صاحب کو بھی قرآن دانی کا دعویٰ ہے۔ یہاں عہدِ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں بگراس دعوے کی مجال
 نہیں۔ پھر پادری سے مخاطب ہو کر فرمایا: اچھا پادری صاحب! قرآن پڑھیے کہیں سے پڑھ دیجیے: وہ مودب ہو کر بیٹھ گیا اور
 عربی لہجے میں قرآن سے پڑھنے لگا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 قبلہ عالم قدس برہ نے اشارے سے روک کر فرمایا کہ بس۔ اَعُوْذُ تُو قرآن کا حصہ نہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 ہے۔ اور بقاعدۃ ابجد اس کے عدد ۷۸۶ ہیں۔ اب ذرا لکھیے:-

امام حسینؑ	=	عدد ہیں	۲۱۰
سنِ پیدائش	=	" "	۴ ہجری
سنِ شہادت	=	" "	۶۱ ہجری
کرب و بلا	=	" "	۲۶۱
امام حسنؑ	=	" "	۲۰۰
سنِ شہادت	=	" "	۵۰

میزان ۷۸۶

حضرت نے فرمایا: پادری صاحب! قرآن مجید کی جو پہلی آیت آپ نے پڑھی۔ اس میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ
 عنہ کا نام، سنِ پیدائش، سنِ شہادت، مقامِ شہادت، اُن کے بھائی صاحبِ کا نام اور سنِ شہادت اور دونوں بھائیوں
 کے امام ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ آگے چلیے تو شاید ان کی زندگی کے کئی واقعات بھی مل جائیں۔
 اس پر اس امر کی پوری نے کہا: عربوں کے علم ہندسہ اور جفر وغیرہ کا ذکر مستشرقین یورپ کی کتابوں میں میری نظر سے گذرا ہے۔
 لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں نے ان علوم کے اندر اتنی گہری ریسرچ (تحقیق) کی ہوئی ہے۔

حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے فرمایا: جب مسلمان کہتا ہے کہ قرآن شریف کے اندر ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو اس بات
 کا ایک ظاہری مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہر اس چیز کا ذکر موجود ہے جو مذہبِ حقہ اسلام کی ضروریات میں داخل ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی
 غلط نہیں کہ ہر وہ چیز جس سے اسلام کا ذرا سا اور دور کا تعلق ہے قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے ایسی چیزوں کے لیے اس یک جلد کتاب
 کے اندر اظہارِ معنی کے طریقے الاحمال متعدد متصور ہوں گے۔ آپ کو اُستاد نے بتایا ہوگا کہ حروفِ مقطعات کے اندر معانی اور
 مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اسی قسم کی کیفیت دیگر حروف و الفاظِ قرآنی کی بھی ہے۔ اگرچہ ان معانی پر انسان اپنی کوشش
 اور تحقیق سے پوری طرح مطلع نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کے باطنی رموز اور معانی پر اطلاع تحقیق اور تفتیش سے زیادہ خدا سے تعالیٰ
 کے فضل اور انسان کے نیک عمل پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے حسبِ حاجت ان اسرار پر مطلع فرمادیتا ہے۔
 سبحان اللہ! اسلام کے اسی ورثہ دار ہاتھ اور اسی زندہ جاوید شہید یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے والدِ گرامی باب
 علم سیدنا مولا سے علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تھا کہ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو کئی ضخیم جلدوں میں ایک دفتر

اللہ اللہ بے بسم اللہ پیر معنی ذبح عظیم آمد پیر

حضرت بابو جی مدظلہ العالی ایک کتابی واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بڑے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سواری سے گر پڑے اور اٹھ کر کچھ دیر اسے پختے ہوئے آجھیں بند کر کے کھڑے رہے۔ خادم نے پوچھا: حضرت! چوٹ تو نہیں آئی؟ فرمایا: نہیں چوٹ نہیں آئی۔ میں غور کر رہا تھا کہ اس وقت میرے سواری سے گرنے کا ذکر قرآن مجید میں کہاں آیا ہے۔ چنانچہ اب معلوم ہو گیا ہے کہ کہاں موجود تھا۔

ایک ہندو ساڈھو سے مسئلہ توحید پر گفتگو

حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ یہاں گولڑہ میں ہندوؤں کا ایک بڑا ساڈھو وارد ہوا۔ ہندوؤں نے اُس کی بہت تعظیم و تحکیم کی۔ میں ایک دن باغیچہ میں طلباء کو سبق پڑھا رہا تھا کہ ناگاہ وہ ساڈھو اپنے چند حواریوں کے ساتھ آیا اور شہوت کے رخت کے نیچے بہت دیر تک کھڑا رہا۔ جب میں فارغ ہوا تو میرے قریب آیا اور خود بخود توحید کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ طرفہ یہ کہ یہ لوگ اہل اسلام کو ان باتوں سے بے خبر جانتے ہیں۔ جب وہ کلام سے فارغ ہوا تو میں نے کہا: جو کچھ تم نے کہا ہے اہل اسلام بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ لیکن قابل توجہ سوال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بالاتفاق جمل اور لاعلمی سے مبرا اور مشرک ہے اور اُس کی مخلوق و ذوق ہے ایک ساڈھو اور دوسرا گرجا بستی مندوں کی اصطلاح میں صاحب تہذیب کو ساڈھو اور صاحب تعلق دنیوی کو گرجا بستی کہتے ہیں پس کیا وجہ ہے کہ ساڈھو میں تو اُس سبحانہ و تعالیٰ کا علم ہے کہ غیر نیست ہمدوست۔ اور غیر ساڈھو میں اُس کے ہمدوست ہونے کا علم نہیں ہے؟ چاہیے تھا کہ ہر دو فرقہ کو اس امر کا شعور اور وقوف ہو تا ورنہ جمل لازم آتا ہے کہ ساڈھو دریائے حیرت میں غرق ہو کر لا جواب ہو گیا۔ بعدہ حضورؐ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لاعلمی تنزل کی صفات سے ہے نہ کہ اطلاع سے جیسا کہ باقی لازم بشریہ پس جیسے باقی لازم بشریہ مثل اکل و شرب وغیرہ سے معتد ہو کر اُس سبحانہ تعالیٰ کی کوائف و احوال کو وہ نہیں جانتے ہیں یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے۔

ایک نجومی برہمن سے مکالمہ

ایک دن مجلس برہمنستان ہونے کے وقت ایک فال بن برہمن حاضر ہوا۔ اور اہل نجوم کی باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگا حضورؐ کا طالع اوج کمال پہنچے اور ستارہ قیسے پایہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے پوچھا: کیا آخر موت نہیں؟ اُس نے کہا کہ اس سے پتہ نہیں۔ فرمایا ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے اور نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے پس بعد از محسوس کے جاننے سے کیا فائدہ؟ جب آخر فنا ہے تو پھر شادی و منہم برابر ہیں۔

برہمن نے فرمایا: منظر عظیم اسے ساقی فرستے ہاں کہ زلب تابہاں اس ہمدوست
اسے ساقی اجماع فنا کے کیا ہے پر منتظر بیٹھے ہیں کہ کب پیمانہ عمر لبریز ہوتا ہے۔ اس وقت کو فرصت شمار
کر کہ یہ سب حقیر سلسلہ کوئی دم میں فنا ہوا چاہتا ہے،

پھر برہمن نے کہا کہ شمال مغرب میں غوغا اور فساد نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری یہ بات بھی قرآن کی تقریب سے درست ہے۔ کیونکہ اس طرف کے افغان لوگ ہمیشہ آمادہ فساد رہتے ہیں پوٹھوہاریوں میں ایسے کاموں کی طاقت نہیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ حضرت کے کمال اتباع شریعت کی دلیل ہے ورنہ عام طور پر لوگ ان چیسوں کو معیار کمال خیال کرتے ہیں۔

علم الحروف کے خواص

مخطوطات طیبہ میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت نے علم حروف کے خواص کا تھوڑا سا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر ان کی کچھ تفصیل بیان کروں تو تم لوگ باقی علوم کو چھوڑ کر اسی طرف متوجہ ہو جاؤ گے۔ حاضرین مجلس میں سے مولوی فضل حق صاحب شاہ پوری نے عرض کیا کہ براہ کرم کچھ تشریح فرمادی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک علم عجیب ہے کہ جس کی تحصیل کے لیے مولوی غلام جیلانی صاحب پشاور جیسے متبحر عالم نے عرب کا سفر اختیار کیا تھا۔ جب اُن کی نظر سے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف گذریں تو متاسف ہو کر کہا کرتے تھے کہ علم تو دجال ہی تھا۔ ہم نے علومِ رسمہ کی تحصیل میں بیجا عمر صرف کی۔ اُن کے ایک شاگرد مولوی عبداللہ ہزاروی بچوالہ اپنے اُستاد صاحب کے ایک مخلص برأت علی کے جو سفر حجاز میں ساتھ گیا تھا، بیان کرتے تھے کہ ایک روز بیت اللہ شریف میں مولوی غلام جیلانی صاحب کو خبر ملی کہ ایک مغربی عالم مکہ شریف میں آئے ہوئے ہیں جو علم حروف میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور مرجعِ خلائق بنے ہوئے ہیں پچانچہ مولوی صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حروف کی تعلیم کے لیے مُستدعی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا۔ مولوی صاحب نے وجہ توقف دریافت کی تو کہنے لگے یہ علم اہلبیت کرام کے خواص سے ہے۔ آج رات استخارہ کر کے اجازت طلب کروں گا کہ آپ کو پڑھاؤں یا نہ پڑھاؤں۔ اگلے روز مولوی غلام جیلانی صاحب اُس بزرگ کی خدمت میں اس خوف سے نہ گئے کہ اگر اجازت نہ ملی ہو تو عمر بھر مایوسی کا سامنا ہو گا۔ اب اُمید تو رہے گی کہ شاید کہیں سے حاصل ہو جائے۔ کیونکہ محبوب کی تمنا میں مرنا مایوسی سے بہر حال بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو علم الحروف سے حصّہ وافر عطا فرمایا تھا جس کا اظہار کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی اپنی شان تو بہت ہی بلند تھی۔ آپ کے بعض متوسلین جن کو آنجناب نے اس علم کا کچھ حصّہ عطا فرمایا تھا۔ اُن کے حالات سن کر بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ خان صاحب غلام رسول خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی دہلی جو آپ کے نہایت مخلص عقیدت مند تھے، کا بیان ہے کہ جب میں پہلی دفعہ حاضر ہوا تو عرض کیا کہ مجھے غیر ممالک کی سیر کرنے، واقعات کو نہیہ کے قبل از وقوع معلوم کرنے اور نسخہِ کیمیا کے حاصل کرنے کا شوق ہے۔ آپ نے مجھے ایک ہفتہ قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اور اس دوران میں حروفِ مقطعات کا ایک قاعدہ سمجھا دیا۔ جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے کئی واقعات پہلے سے معلوم ہو جاتے تھے۔ انہی ایام میں مجھے سنٹرل انٹیلی جنس بورڈ میں، جو ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ کی سی۔ آئی۔ ڈی شمار ہوتی تھی، لے لیا گیا۔ اس کی وجہ سے ایشیا اور یورپ کے اکثر ممالک کی سیر کا موقع ملا۔ اور نسخہِ کیمیا بھی حاصل ہو گیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس کا عمل ناپسند تھا۔ کیونکہ اس کی تکمیل میں اس قدر محنت اور اخراجات صرف ہوتے تھے کہ میں اسے استعمال میں نہ لاسکا۔ خان مذکور کا بیان تھا کہ میں نے ایک رسالہ لکھ کر ایک انگریز افسر کے حوالے کیا تھا جس میں انگریزوں کے متعلق ہندوستان

میں آئندہ ہونے والے واقعات اور ان کی حکومت کے اختتام تک کا ذکر تھا۔ اور وہ سب واقعات بعد میں اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جس طرح میں نے حروف مذکورہ کے قاعدہ سے استخراج کیے تھے۔ خان صاحب غلام رسول خان کے بعض واقعات کی تفصیل انشاء اللہ باب کرامات میں ہدیہ ناظرین کی جائے گی۔

اذا دخل السین فی الشین ظهر قبر موحی الدین

حضرت بابو جی فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ایک روز علم الحروف کا ذکر فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس علم میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی جیہاتے روزگار گذرے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابن عربی کی قبر ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد معدوم ہو گئی تھی لیکن آپ اپنی قبر کے حجوم ہو کر پھر ظاہر ہونے کے متعلق خود ہی ارشاد فرما گئے تھے کہ اذا دخل السین فی الشین ظهر قبر موحی الدین شیخ۔ جب سلطان سلیم شام میں داخل ہوا تو آپ نے اُسے خواب میں فرمایا کہ میری قبر فلاں جگہ پر ہے۔ چنانچہ سلطان نے اس کو برآمد کر کے اُس پر قبہ بنوایا۔ اور اُس وقت آپ کے اس قول کے معنی واضح ہو گئے۔

۱۹۶۲ء میں بندہ راقم الحروف نے ایک روز مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ملفوظات حسنہ اول میں اُن کا یہ ارشاد پڑھا کہ میں نے یہ دونوں واقعات یعنی ۸۴۰ ہجری کے قریب سلطنت اسلامیہ کا زربنا اور ۱۹۱۷ء میں حضرت امام مہدی عجی کا ظہور سید الکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کیے ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت قبلہ بابو جی کی خدمت میں اس امر کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام سے قبل کئے مانہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بعض اوقات آیت کریمہ ظہر الفساد فی البر والبحر پڑھ کر قہقہہ فرمایا کرتے تھے۔

بعض طنزیر اشعار کی تقلیب

راولپنڈی کے ایک پادری صاحب حضرت سے ملاقات کے لیے آئے اور واپس جا کر بائبل کا ایک نسخہ تختہ آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت نے شکریہ کے ساتھ یہ شعر لکھوا کر واپس فرمادیا۔

ہمہ شہر پڑ زخو باں منم خیال ماہے چہ کنم کہ چشم خوشگو نکند جس نگاہے
(سارا شہر جیسوں سے بھرا پڑا ہے لیکن میں کسی چاند کے خیال میں مگن ہوں۔ کیا کروں میری خوش مزاج آنکھ کسی اور طرف دیکھنے کی روادار ہی نہیں ہے)

اصل شعر میں شاعر نے چشم بد خو باندھا تھا مگر حضرت نے خوشگو لکھ کر اسے نہایت ہی حسین کر دیا ہے۔

اپنی بعض مناظرانہ تصانیف میں مخالفین کے طنزیر اشعار اور مطاعن کو نہایت خوبصورتی سے اُنہی پر منقلب فرمادیتے جس کا پورا اُطف اُن کے مطالعہ ہی سے مل سکتا ہے۔ قادیانی مولوی محمد احسن لہروی صاحب نے اپنی کتاب شمس بارقہ میں یہ شعر چیت کیا تھا۔

چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را کہ ناید کس میدان محمدؐ

(اس جوان کو کیسی ہیبت ملی ہے کہ کوئی میدان محمدؐ میں مقابلے پر نہیں آتا)

لے ترجمہ: جب سین (یعنی سلطان سلیم شہین) داخل ہوگا تو محی الدین کی (یعنی ہماری) قبر ظاہر ہوگی۔ (فیض)

حضرت سیفِ چشتیانیؒ میں جواباً جلسہ لاہور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-
 چہ ہیبت رُو نمود این میسرار را کہ نامد او بمیدان محمد
 بہ لاہور از رسیدے حسب دعوت چہ دیدے ز غلمان محمد
 (اس مہزار پر کسی ہیبت سوار ہوئی کہ وہ میدان محمد میں مقابلہ پر نہ آیا۔ اگر حسب وعدہ لاہور
 میں آتا تو غلامانِ محمد کے کمالات دیکھتا)

قادیانی مولوی صاحب حضراتِ چشتیہ کے سماع پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 فدع صاحب المزمار والد ف والغنا وما اختارہ من طاعة الله مذهبہا
 ويعلم ما قد كان فيه حياته اذا حصلت اعمالہ كلہا ہبا
 ترجمہ۔ بانسری دف اور راگ والے کی بات چھوڑ جس نے ان چیزوں کو اور دیگر طاعات کو مذہب بنا رکھا ہے
 اُسے زندگی بھر کے اعمال کا انجام اس وقت معلوم ہوگا جب کہ آخرت میں سب برباد ہو جائیں گے۔
 حضرت جواب میں فرماتے ہیں :-

فدع صاحب التحریف والطمع والہوی وما اختارہ من جمع الدراہم مذهبہا
 ويعلم ما قد كان فيه حياته اذا صيرت اعمالہ كلہا ہبا
 ترجمہ۔ اُس کی بات چھوڑ جس نے آیاتِ الہیہ کی تحریف، طمع و خواہشِ نفسانی اور فراہمی زر کو اپنا مذہب
 پسند کر لیا ہے۔ اُسے اپنی زندگی کے کرتوتوں کا اُس وقت علم ہوگا جب کہ میدانِ حشر میں اُس کے سب
 اعمال ہباءِ منشور اکر دیئے جائیں گے۔

پاک تین شریف کے ہشتی دروازہ پر اعتراضات کے جواب

حضرت تقریباً ہر سال پاک تین شریف میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر حاضر ہوتے تھے قصور اور
 ریاست بہاول پور کے غیر مقلد علماء متواتر کئی سال وہاں پہنچ کر آپ سے سوال کرتے رہے کہ کیا آپ عالم ہو کر اس بات کو درست
 مانتے ہیں کہ جو شخص بابا صاحبؒ کے روضہ کے ہشتی دروازہ سے گزر جائے وہ جنت کا سزاوار ہو جاتا ہے؟ حضرت جواب
 میں ہر سال نیا استدلال پیش فرماتے۔

مولوی غلام قادر چکو کہ تحصیل منچن آباد نے یہی سوال کیا تو فرمایا: کیا یہ حدیث صحیح نہیں کہ مومن کی قبر روضۃ من ریاض الجنۃ
 ہوتی ہے؟ اُس نے کہا: صحیح ہے۔ فرمایا: جب لفظ جنت کا اطلاق مومن کی قبر پر صحیح ٹھہرا تو اُس کے دروازے کو ہشتی دروازہ
 کہنے پر کیا اعتراض ہے؟ مولوی صاحب نے کہا: اس لفظ کا جواز تو درست ہوا مگر یہ فرمائیے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے مقبرہ
 کے اسی ایک دروازے میں کیا خصوصیت ہے کہ اسے ہشتی دروازہ کہا جائے؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ محبوبِ الہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں نے بحشمِ ہر
 عالم ظاہر میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بحجمِ اطہر معہ چہار یار کبار ۶۷۰ محرم کی درمیانی رات کو اس دروازہ سے گزر کر
 مقبرہ کے اندر تشریف لے جاتے دیکھا ہے اور حضور کا یہ ارشاد سنا ہے کہ مَنْ دَخَلَ هَذَا الْبَابَ فَقَدْ آمَنَ (جو اس دروازے

میں داخل ہوا وہ میں آگیا اور انہوں نے ہوا میں غلام کا بھی اس پر اتفاق رہا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ انہیں فریہ فریہ کیوں چاہتے ہیں، اللہ انہیں نہیں کہتے، حضرت نے فرمایا کہ انہیں کے موقع پر انہیں کا پورا غم یہ ہوتا ہے۔

اللہ - مستعد - پیار یار - عابدی - قطب - منیر

وہ غلط فریہ کو کرتا رہا کہ کہہ دیتے ہیں اور اس چیز کے جو ان میں قرآن مجید کی ایک آیت موجود ہے، مولوی صاحب نے چونک کر کہا کہ وہ کوئی آیت ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتْلُوا الْحُكْمُ فَاتْلُوا وَاتْلُوا وَلَا تَحْكُمُوا (پارہ ۲، بقول: آیت ۱۵۶) پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور کفر نہ کرو۔

اور فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دم تک اللہ کا ذکر کیا باب اللہ اپنی مخلوق کی زبان سے اپنے پیار سے بندے فریہ کا ذکر کر رہا ہے، آج سات سو سال سے اڈاکر کھڑے کا وہ پورا پورا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ یونہی جتنا ہے گا کہ ہر طرح کا بڑا حقوق یہاں جمع ہو کر فریہ فریہ کے نعرے لگاتی ہے گی اللہ تعالیٰ جہم آور مکان سے پاک ہے اور یہ اس کے ذکر کرنے کی ایک صورت ہے۔

قصور کے ایک مولوی صاحب سے بھی قبضہ حاصل کرنے سے فرمایا تھا کہ میں تو یہاں (یعنی پاک تہ شریف میں) اڈاکر کھڑا ہوں اڈاکر کھڑے کا نقشہ دیکھنے آتا ہوں، ایک اور موقع پر آپ نے اس حدیث پاک سے استدلال فرمایا جس میں ارشاد ہے کہ جمعہ ذکرین پر ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی کسی دنیوی غرض کے لیے اس جمع میں شامل ہو گیا ہو، اسے بھی ثواب اور مغفرت میں داخل کر دیا جائے کیونکہ لایسفی جہنم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والے شقی نہیں ہوتے) اس موضوع پر رسالہ مجالہ برد و سالہ میں آپ کے نظریہ کو حضرت مولانا محمد غازی صاحب نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بیعت طریقت پر اعتراض کا جواب

اس کے بعد بیعت کی بحث چلی مولوی غلام قادر نے کہا میری بیعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یہی حال ہر مسلمان کا ہونا چاہیے بزرگوں کے ساتھ ظاہری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔

حضرت نے فرمایا: اس طرح تو ساری امت کی اصل بیعت اور متابعت حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کی ذات پاک سے درست ثابت ہوتی، لیکن یہ جو تیرہ سو سال سے امت کے لاکھوں کروڑوں اولیاء، علماء اور صاحبین بیعت کرتے چلے آ رہے ہیں کیا وہ تمام غلطی پر تھے اور تم اکیلے حق پر ہو؟ اس منطوق کا یہ اثر ہوا کہ مولوی غلام قادر صاحب نے اسی وقت اصرار کر کے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

حضرت شمس تبریزی کے ایک شعر کا حل

ایک مرتبہ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کے معنی دریافت کیے گئے۔

ازہفت مادر زادہ ام از نہ پدر آفتادہ ام یک رنگ خواہم ہر دور امن عاشق دیرینہ ام

فرمایا۔ ہفت مادر سے اربعہ عناصر (آب و باد و خاک و نار) اور موائید ثلاثہ (جمادات۔ نباتات اور حیوانات) مراد ہیں۔ اور نہ پدر سے نو آسمان کیونکہ تمام علوم علوی اور سفلی انسان کے وجود کے اندر موجود ہیں۔

خلاف الزجارج کی ترکیب

حضرت شیخ الجامعہ بہاولپوری (مولانا غلام محمد سابق گھوٹوی) اپنی ایک قلمی یادداشت میں لکھتے ہیں:-
 ”اللہ۔ اللہ۔ حضرت کی ذہانت کا کیا کہنا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ ہو یا مشکل سے مشکل اشکال پہلی توجہ میں حل ہو جاتا تھا مطالعہ اور تفکر کے کیا معنی۔ محض توجہ کی دیر ہوتی تھی۔ بڑے بڑے فضلاء کو دیکھا کہ ان سے جو مقام سخت مطالعہ اور محنت سے حل نہیں ہو سکتا تھا حضرت نے ایک بار نظر ڈالتے ہی حل فرما دیا۔ حضرت کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے صاحب قوت قدسیہ بنایا تھا۔ مناظرہ میں اور اسکات خصم میں اس قدر کمال تھا کہ مناظرین کے سوال سے جواب نکالا کرتے تھے اور ان کی اپنی کلام سے انہیں الزام دیا کرتے۔
 ایک دفعہ اُستادی مولانا حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریافت فرمایا کہ خلاف الزجارج کی کیا ترکیب ہے۔ خلاف الزجارج کی ترکیب جنوبی علاقہ والے علماء کے نزدیک یہ ہے کہ خلاف مقعول مطلق ہے فعل محذوف خالف کا اور خالف کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو ہذا القول کی طرف راجع ہے۔ اور الزجارج جار مجرور متعلق کائنات کے ہے جو صفت ہے خلاف ناکی۔

حضرت نے یہ ترکیب بیان فرما کر اس پر اعتراض کیا۔ کہ ہذا القول جو جمہور کا مذہب ہے اُس کی طرف مخالفت کی صراحت نسبت کرنا دلالت کرتا ہے کہ اصل قول زجارج ہے اور جمہور کا قول اس اصل کے خلاف ہے جیسا کہ باب مفاعله کا مقتضی ہے حالانکہ اصل جمہور کا قول ہے جو مذہب اور معمول پر ہے اور مخالفت زجارج نے کی ہے لہذا مرجوح قول ہے اور اس پر عمل نہیں ہے مناسب تو یہ تھا کہ مخالفت کی صراحت نسبت زجارج کی طرف ہوتی۔ حضرت اُستاد صاحب اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے۔ آپ نے فرمایا کہ خالف محذوف کا فاعل زجارج اور لام جو زجارج پر داخل ہے وہ تقویت عمل کے لیے ہے۔ اس واسطے کہ جو فعل محذوف ہو یا مؤخر ہو تو معمول پر لام تقویت عمل کے لیے لایا جاتا ہے۔ سب علمائے جنوبی پنجاب حیران رہ گئے کہ کیا اعلیٰ ترکیب فرمائی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں کسب اور اکتساب کا فرق

میں کافیہ پڑھتا تھا کہ پشاور کی طرف سے دو بڑے فاضل آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (الایہ) میں کسبت اور اکتسبت کا فرق کیوں فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ یکساں کیوں نہیں فرمایا حضرت نے فرمایا کہ زیادہ معنی زیادہ پر دلالت کرتے ہیں۔ لام انتفاع کے لیے ہے اور علی ضرر کے لیے لے ترجمہ۔ اُس کے فائدے کے لیے ہے جو اُس نے کسب کیا۔ اور اُس کے نقصان کے لیے ہے جو اُس نے کما لیا۔

ہے یعنی عبد جو نیک کام کرے چاہے عذاکرے یا خطا یا نسیان بہر کیفیت نیک کام جس پنج سے بھی ہو وہ نافع ہے اور بد کام اُس وقت پر مضر ہے جب عذاکر یا کیا جائے پس اکتساب میں تعدد کے معنی زائد میں اور کسب میں تعدد نہیں بلکہ تعمیم ہے۔

قصہ حضرت موسیٰ میں الفاظ آیت کی تشریح

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا کہ قصہ حضرت موسیٰ علیہما السلام میں قَارَا کَرَبُّکَ اور اَرَدْنَا اور اَرَدْتُ کے فرق کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ جہاں خیر مضمون ہے وہاں نسبت جناب باری تعالیٰ کی طرف ہے جہاں شر ہے جیسے اَرَدْتُ اَنْ اَعْلِيَهَا وہاں نسبت حضرت علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ جہاں دونوں میں وہاں تمکلم مع الغیر کا صیغہ ارشاد ہوا ہے تاکہ خیر کی نسبت اُدھر ہو جائے اور شر کی نسبت اپنی طرف قَادًا مَعَ اللہ تعالیٰ در عایۃ لِحَاجَتِهِ جَلَّ جَلَالُهُ۔

الغرض حضرت اگرچہ آخر میں کتب درسیہ کی تدریس و تعمیم کا شغل نہیں رکھتے تھے مگر پھر بھی نہایت اوق سے اوق مقام یا مشکل سے مشکل عبارت کی وضاحت فوراً فرمادیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معقولی اور ریاضی دان آپ کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے تھے۔

حرمت ذبح فوق العقدہ کی تشریح

مولانا محمد تقی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک سال جب پاک پتن شریف سے واپسی پر لاہور میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو چند علمائے لاہور نے حاضر ہو کر حضرت کی تصنیف "اعلام کلمۃ اللہ" میں سمد حرمت ذبح فوق العقدہ کے متعلق تشریح چاہی۔ آپ نے حوالہ جات فقہ پیش کرنے کی بجائے لاہور کے ایک لائق حکیم کو بلوایا اور کہلا بھیجا کہ کتاب تشریح الابدان بھی لیتے آئیں حکیم صاحب کتاب لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک ذبح شدہ بکرے کا سر منٹ گویا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ لے متعلقہ آیات یہ ہیں:- اَمَّا السَّعِيَّةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَارَدْتُ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ ذَرْأَهُ هُمُ قَبْلَكَ يَأْخُذُ كُلُّ سَفِيْنَةٍ عَضْبَاهُ وَاَمَّا الْعَلُو فَكَانَ اَبُوهُ مُؤْمِنِيْنٍ فَخَشِنَا اَنْ يُّزْهِمَهُمْ اَطْعِمَانَا وَكُفْرَاهُ فَارَدْنَا اَنْ يُبَدِّلَهُمْ اَرْبَهُمَا خَيْرًا فَاَمِنَهُ زَكَوَةً وَاقْرَبَ رَحْمَاهُ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَسْلِفَا اَشَدَّهُمَا وَكُنْتُمْ خَيْرَ جَاكِدٍ هُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ اَمْرِيْ ذَلِكُمْ تَادِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (ص ۸۶ تا ۸۹)

ترجمہ۔ یہی کشتی سو مسکینوں کا مال تھا جو دریا میں غمت کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے دے ایک بادشاہ سے جو تمام کشتیوں کو زبردستی پکڑ لیتا ہے۔ اور دیوار کا جسے قتل کیا تھا تو اس کے والدین ایماندار تھے سو میں اندیشہ ہوا کہ انہیں کشتی اور کفر میں گرفتار نہ کر دے سو میں نے ارادہ کیا کہ ان کا پروردگار اس سے بہتر (مٹا) بدل دے پاکیزگی میں اور نزدیک تر مہربانی میں اور یہی دیوار جسے بلا اجرت تعمیر کر دیا تھا تو شہر کے وقیم بچوں کی ملکیت ہے اور اس کے نیچے اُن کے لیے خزانہ دفن ہے اور ان کا والد نیک بخت تھا پس میرے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ جوان جو اس خزانے کو خود نکالیں اپنے پروردگار کی رحمت باعث اوریں میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا یہ تمہی حقیقت اُس چیز کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تشریح الابدان سے بحث عروق پڑھیں چنانچہ انہوں نے سر کی رگیں دکھا کر اور کتاب پڑھ کر واضح کیا کہ دو جین (دو شہ رگیں) دماغ تک پہنچتی ہیں اور دو دیگر رگیں (حلقوم اور مری) عقدہ کے پچھلے حصہ سے متصل ہوتی ہیں۔ جب مشاہدہ کی بنا پر مری اور حلقوم کا انتہا معلوم ہو گیا کہ وہ عقدہ کے نیچے آکر ملتی ہیں تو آپ نے جماعت علماء سے فرمایا کہ اب فیصلہ آپ پر ہے کہ آیا فوق العقدہ ذبح کی صورت میں چاروں رگیں قطع ہو جاتی ہیں یا دو۔ اور علماء نے عرض کیا کہ اب ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جو آپ نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔

کلیر شریف کا مناظرہ اور اس کے متعلق ایک مکتوب

ایک مرتبہ آپ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہ العزیز کے عرس پر کلیر شریف میں حاضر ہوئے جس کے لیے دیوان صاحب کلیر شریف نے دعوت دے رکھی تھی حضرت کی تشریف آوری کی قبل از وقت اطلاع ملنے پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور اُمراء بھی خصوصیت سے آپ کی زیارت کے خیال سے کلیر شریف پہنچ گئے تھے چنانچہ عوام و خواص کے ایک بڑے اجتماع میں انیسٹھ کے ایک مشہور مناظر مولوی نذیر احمد صاحب اپنی ایک جماعت لے کر آگئے جن میں ان کے چند معتقد اُمراء بھی شامل تھے اور آتے ہی عرض کی کہ میں ایک اعتراض کا جواب چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا اعتراض ہے؟ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے "فصوص الحکم" میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خواب دیکھا تھا اُس میں مینڈھے ہی کی قربانی کا حکم تھا۔ انہیں خواب کی تعبیر میں غلطی ہوئی کہ اپنے صاحبزادے کی قربانی کا حکم سمجھا۔ پس جب نبی کو خواب کی تعبیر میں غلطی ہو سکتی ہے تو حضرت شیخ اکبر کا یہ خواب کہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کتاب "فصوص الحکم" عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اسے اولیائے امت تک پہنچاؤ اپنی تعبیر میں کیونکر لازمی طور پر صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ پھر جس کتاب کی اصلیت ہی مشکوک ہو گئی ہو وہ صوفیاء کے نزدیک کیوں کر حجت مانی جاسکتی ہے؟

مولوی صاحب نے تقریر کو خاصہ طول دیا اور اس کے احاطہ میں حضرت شیخ اکبر کے کئی نظریات، بالخصوص وحدت الوجود پر معقولی اور منقولی اعتراض کیے۔ اس طوالت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جب وہ تقریر ختم کرتے تھے تو حضرت فرمادیتے: کچھ اور؟ چنانچہ اس دوران میں آپ تبسح پڑھتے رہے اور ان کی تقریر بھی سنتے رہے جب مناظر صاحب نے فرمایا کہ بس۔ تو حضرت نے تبسح مبارک ہاتھ سے رکھ دی اور آستین چڑھا کر پہلے سوال کیا کیا آپ نے "فصوص الحکم" پڑھی ہے؟ کہا: نہیں۔ حضرت نے فرمایا: "فصوص الحکم" اس طرح شروع ہوتی ہے: الحمد للہ المنزل للکلم علی قلوب الکلم۔ اس کا معنی فرمائیے۔ انہوں نے الحمد للہ کے معنی کیے: سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ آپ نے پوچھا: سب کس لفظ کا معنی ہے؟ کہا: الف لام کا۔ حضرت نے فرمایا: تعریف تخصیص کے لیے ہوتی ہے اور لفظ سب تعمیم کے لیے ہے کہ معنی کل ہے تو جو لفظ تخصیص کے لیے موضوع ہو اُس پر تعمیم جو اُس کے مدلول کی نقیض ہے کس طرح دلالت کرے گی؟ جواب میں مولوی صاحب خاموش تھے۔

اس کے بعد حضرت نے ان کے اعتراضات کے جواب میں مفصل تقریر فرمائی جس پر مولوی صاحب نے برسر مجلس اپنے عجز کا اعتراف کیا اور استدعا پیش کی کہ اپنی شاگردی میں قبول فرما کر حضرت شیخ اکبر کے علوم سے بہرہ افروز نہ مائیں جب حضرت عصر کے وقت جناب سجادہ نشین صاحب کلیر شریف کی ملاقات کے لیے گئے تو یہ مناظر وہاں موجود تھے۔ ایک معزز نوادر نے انہیں مولوی صاحب کہہ کر علیک سلیک کیا جس پر اُس باانصاف نے کہا: صاحب! آج کے بعد کوئی شخص مجھے مولوی

نکے : اور حضرت کی ذات راشدہ و کر کے کہا : ہوائی آواز دینے میں جس کے متاد میں ہیں ہوائیت کی ہوا میں نہیں کی :
حضرت شیخ ابوالحسن صاحب نے اپنے سوانح میں لکھا ہے کہ میں اس دن ہم لوگ انیسٹ میں ہوئے حضرت فضل الحق
صاحب جو تادم علیہ سے پڑھا تھا اور اذان ہوئی تو ابوالحسن صاحب نے حضرت کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ شخص میرا منظر و فکر تھا
کہ وہ صاحب کو بات نہیں کرنے دیتا تھا اور دوست میں متبادل کو چپ کر دیتا تھا۔

حضرت قبلہ عالم قدس نے اس کے اصل و متر اصل کے بارے میں ہوائی فرم میں صاحب ہشتی صمد الہی نے فرمایا : ہوا کہ
خامی میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کے متعلق حضرت کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

جست نامہ مشعل بر اخبار ذمہ اشتیاق را کہیں الہی نمازہ صلوات اللہ علیہ علیہ و آلہ و سلم
شرف جہت حق پر پناہ یعنی قلع نظر و غیر مبالغہ کے جس میں سے ہر ایک کوئی ذاتی ہے جس کی ماضی سے
مندر جب ذیل نصب العین زیادہ تر مانع ہوا ہے۔

غالباً ایسے اجتماعوں میں مختلف مسکاک اور ذوق کے لوگ شریک ہوتے ہیں کہ جس کی موافقت اہل تشکی
تصویب اور تعلیم پر انصاف میں تائید و مدد دینا کے متعلق امتیازات کا یہ ہے کہ ان خانہ کلمات کے
استماع پر بوجہ اس ایوانگی ہائے عشق کے جو اہل کو ان حضرات شاہبازان عالم قدس کی ذات کے ساتھ ہے
سکوت شکل ہو جاتا ہے اور جذبات غفلت میں مناسب نہیں ہوتی کیونکہ اس موضوع پر بحث عالم عقل کی مہمات
مبہور کر جاتی ہے۔

ہرگز در پیش و کم نے باید زد از حد ہر دوں مقدم نے باید زد
عالم ہر برات جمال ازلی ست سے باید دید و دم نے باید زد
چنانچہ چشم دید اسباب ہے کہ اس سال پیران کھیر شریف میں جب فضلاء حضرت ایک صاحب نے
مفتی اشرفی الحق شیخ اکبر کی ذات پر جناب مولانا فضل حق مرحوم کی تحویل اور تصدیق میں امر عرض کیا۔ معنی کہ
رشتہ سخی کو معاذ اللہ تکفیر پر پہنچا دیا تو فقیہ کی یہی دیوانگی چمک اٹھی۔
ماصل و متر اصل یہ تھا کہ صاحب خصوص نے چونکہ حق تعالیٰ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی
تعلیل کی ہے اور اسے قبیل دوم سے شمار کیا ہے تو یہ خصوص خود کو غیر قابل اعتبار ہو سکتی ہے کہ وہ بھی صاحب
بیان شیخ عالم رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو ملی ہے۔

ایسے حضرات کے کلام پر اس قسم کے شکوک اور اعتراضات کی وجہ جمادات اور بے خبری کے سوائے
اور کچھ نہیں ہوتی۔ میں نے اس امر عرض کے جواب میں عرض کیا کہ اس شخص میں شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصور
خوابوں کی ترتیب اور تقسیم سے یعنی بعض خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب
میں شیر نوش فرمانا اور پیمانہ شیر کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمانا اس میں شیر کی تعبیر حضور نے علم
سے کی اور بعض خواب تعبیر طلب نہیں ہوتے بلکہ خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے بعینہ وہی چیز بیسہاری ہی
واقع ہوتی ہے مثلاً کوئی دہشت گرد کی بات کو خواب میں دیکھے کہ فاضل کو لڑو میں آیا ہے اور اس کا فاضل

یعنی خدا تعالیٰ سے قدم نہیں بڑھا رہا ہے۔ عالم کائنات حال اس کا آئینہ ہے پس دیکھتے ہو اور دم نہ دو۔

واقعی گولڑہ پہنچ جائے۔

سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا کہ اپنے فرزند حضرت اسمعیل بقول جمہور (اور بقول شیخ حضرت اسحق) کو ذبح کر رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ میں حضرت اسمعیل کو ذبح نہیں کیا گیا۔ بلکہ گوسفند کو ذبح کیا گیا۔ لہذا یہ خواب قسم اول میں سے ہے یعنی تعبیر طلب ہے کہ آپ نے خواب میں گوسفند کو فرزند کی صورت میں دیکھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غلطی اور وہم اس جگہ یہی ہے کہ انہوں نے اس خواب کو قسم ثانی یعنی عینی سے سمجھ لیا۔ لہذا فرزند کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور مفسرین اور علمائے ظاہر کی بھی یہی رائے ہے بدلیل قولہ تعالیٰ وَذَكَرْنَا لَهُ يَذَّكَّرُ عَنْهُمْ يَعْنِي اُنْ کے فرزند کے عوض اور بدل میں ہم نے گوسفند ذبح کرایا۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دُخْدُ يَنْهَاهُ كَالِاطْلَاقِ اس جگہ حضرت ابراہیم کے فہم اور شان کی رعایت سے ہے۔ محرز طور عینی عنہ کہتا ہے کہ حضرت شیخ اس قسم کی تفسیرات کی امثال میں اپنے کیف و شہود کے تابع اور پیرو ہیں اور انہی کے اظہار کے لیے مأمور و معذور ہیں۔

اور اس بے بیج کے ذہن میں حضرت شیخ کی تفسیر کی وجہ وجہ یہ ہے کہ یہ چیز مسلمات سے ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی کی قسم سے ہوتے ہیں اور وحی کے اندر خطا اور وہم کا امکان اور مجال نہیں البتہ وحی کی تعبیر میں خطا کا ہونا شان نبوت کے منافی نہیں۔ کیونکہ تعبیر وحی کی قسم اور قبیل سے نہیں ہے بلکہ تعبیر کا منشا اجتہاد ہے۔ وہو قد يخطئ وقد يصيب۔ اس میں خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی۔ چنانچہ حدیث مذہب دہلی انہا الیہ امامہ (میرا گمان گیا کہ شاید ہجرت کا مقام میامہ ہے) اور خواب میں مکہ معظمہ کے دخول سے اُسی سال داخل ہونے کی تعبیر لے کر مکہ معظمہ کو روانگی وغیرہ امثال اس کی شاہد ہیں۔

ہاں خطا پر بقا شان نبوت کے منافی ہے پس حضرت شیخ کے کشف و شہود کی بناء پر وحی میں خطا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اجتہاد میں غلطی کا سوال ہے کہ خواب کو تعبیری کی بجائے عینی خیال فرمایا اور مخالف کے زعم کے خلاف اس چیز کے درست ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ یہ ہے شیخ اکبر قدس سرہ الاظہر کا مطلب۔

اب میں اصل مطلب پر آتا ہوں اور صاحب فصوص کے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسخہ فصوص عطا فرمانے پر اعتراض کو رفع کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جیسا کہ فصوص کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ خواب عینی ہے۔ تعبیر طلب نہیں۔ کیونکہ خواب کے مطابق اس کا خارج میں وقوع ہوا اور وقوع کدائی دلیل ہے ہر شخص کے خواب کی صداقت پر لیکن جو لوگ متبعان وحی اور ارباب تقویٰ ہیں انہیں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی علامات بھی عطا فرمائی جاتی ہیں اور غلطی پر متنبہ ہونے کی بھی۔ بدلیل قولہ تعالیٰ اِنَّ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اِذَا رَاكُمُ اللّٰهُ سَ دُرٌّ كَرْتَقَوْنِیْ اِخْتِيَارًا كَرُوْا كَے تُوْہ تہیں حق و باطل میں مسرق کرنے کی تمیز عطا فرمائے گا) اور اَدْعُوْا اِلٰی اللّٰهِ عَلٰی بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِیْ (دعوت دینا ہوں اللہ کی طرف بصیرت پر میں اور میرے تابعین) بصیرۃ اور فارقا بین الحق والباطل۔ اور انہیں علامات دی جاتی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے خوابوں اور رویا کے ربانی۔ ملکوتی یا نفسی اور شیطانی ہونے میں تمیز کر لیتے ہیں۔ اور اصلیت کے اندر شبہ نہیں رہتا لیکن جو لوگ خود ان منازل عالیہ پر نہیں پہنچتے

اور ان مستفیدانِ قدس کی ان کیفیات سے انکار کرتے ہیں وہ اپنے جمل سے مجبور ہیں۔ البتہ ہر مدعی صاحب ہوا ہو اس چیز کا سزاوار نہیں کہ ان صاحبانِ دولت کی ہمسری میں لاف زنی کرے۔ اور خطابی التبعیر کو اپنے غلط مکاشفات اور پیشین گوئیوں کے لیے سپر بنائے۔ کیونکہ تبعیر میں بھی بقا علی الخطا صاحب وحی اور اُس کے متبعین سے مراحل دور اور بعید ہے۔ چنانچہ بعض متنبیانِ زمانہ حال حضور نبی کریم کے مکاشفِ نزول مسیح ابن مریم کو خطابی التبعیر کی قبیل سے گمان کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مضموم اپنی موت تک بھی خطا سے آگاہ نہ ہوا اور خطا پر قیامِ مصومیت کے منافی ہے۔۔۔۔۔ الغرض حضرت شیخ نے خوابِ ابراہیمی کو غلط اور وہم نہیں فرمایا بلکہ تبعیری کی بجائے عینی سمجھ لینے میں اجتہاد کی جنگامی غلطی کا ذکر کیا ہے۔ (جس غلطی پر وہ آگاہ کر دیئے گئے اور جو غلطی برکات کا ایک جہان اپنے جلو میں لائی)۔۔۔۔۔

داعی مہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

مولوی حسین علی صاحب (وال بھچراں) کے ساتھ مناظرہ

مولوی حسین علی صاحب وال بھچراں کے مناظرہ کی کیفیت حضرت شیخ الجامعہ صاحب بہاولپور کی مندرجہ ذیل تحریر سے بہتر نہیں مل سکتی۔ وہ خود اس موقع پر حاضر تھے۔ بلکہ اس مناظرہ کے لیے ایک فریق شمار کیے گئے تھے، لکھتے ہیں :-

”میانوالی میں ایک موضع ہے وال بھچراں، وہاں ایک مولوی صاحب گذرے ہیں جن کا نام حسین علی صاحب تھا۔ وہ مولانا سلطان احمد صاحب تلمیذی کے شاگرد تھے۔ بعد میں مولوی احمد حسن صاحب کاپٹوری کے یہاں جا کر تحصیل تمام کی اور حدیث کا دورہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے یہاں کیا۔ اور پھر وطن واپس آکر درس و تدریس شروع کی۔ حضرت عہدہ الواصلین خلیفہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے مگر اعتقادات غیر مقلدانہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور ہذا کے سخت منکر تھے اور اس کو کفر و شرک قرار دیتے تھے ایسے ہی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیدائے اللہ کی ہذا کو کفر و شرک کہتے تھے۔ اور سلسلہ چشتیہ کے سخت مخالف تھے۔

ہمارے حضرت کی عادت مبارک تھی کہ سال میں دو دفعہ سفر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے شیخ طریقت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس مبارک کی حاضری کے لیے اور دوسری دفعہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس شریف کے لیے ایک مرتبہ آپ پاک پتن شریف جانے کے لیے تیار تھے۔ کہ ملک مظفر خان فرزند ملک محمد امیر خان ساکن وال بھچراں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس دفعہ وال بھچراں میں ہماری دعوت قبول فرمائی جائے۔ آپ نے بوجہ اس کے کہ ملک محمد امیر حضرت کا پیر بھائی تھا دعوت قبول فرمائی اور جب آپ پاک پتن شریف پہنچے تو مولوی حسین علی صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک جھڑی لگا دی کہ اگر آپ وال بھچراں میں ملک صاحب کی دعوت پر تشریف لائے تو آپ کو میرے ساتھ مناظرہ کرنا ہوگا۔ اور مناظرہ علم غیب کے مسئلہ میں ہوگا۔ اور ندائے یار رسول اللہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی پر اور سماع موتی پر ہوگا۔ حضرت نے وہ خط محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا۔

جب حضرت مظفر گڑھ کے اسٹیشن پر تشریف لائے تو آپ نے مجھے فرمایا کہ غلام محمد، واں بھچراں ہیں کوئی مولوی صاحب ہیں۔ وہ مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تم بھی مولوی ہو وہ بھی مولوی ہیں۔ مناظرہ کر کے میں بھی واقف کر دینا تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔ یہاں آپ نے ایسے لفظ انکار کے فرمائے کہ جن کے لکھنے سے شرم آتی ہے۔

حضرت وہاں سے شاہ عالم تشریف لے گئے۔ شاہ عالم کے قریب حضرت کا ایک مخلص مولوی نور محمد ڈورا (بہرا) سکونت پذیر تھا۔ حضرت کو اس کے حال پر بہت توجہ تھی۔ اس کی خاطر شاہ عالم اسٹیشن پر جو پس گھنٹے قیام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ عالم سے روانہ ہو کر آپ میاںوالی کے بعض مخلصین کے عرض کرنے پر میاںوالی تشریف لے گئے۔

مولوی حسین علی صاحب یہیں آدھکے اور یہیں مناظرہ کے طالب ہوئے حضرت نے اس کے حوالوں سے فرمایا کہ میں اپنے اشغال میں مصروف ہوں اور واں بھچراں تک دو گھنٹے بچا سکوں گا۔ اگر آپ کو مناظرہ کرنا ہے تو حسب تحریر اور حسب وعدہ واں بھچراں میں اس کا انتظار کریں اور یہاں میرے وقت کو ضائع نہ کریں۔ ایک بجے کے قریب گاڑی میاںوالی سے واں بھچراں کو روانہ ہوئی حضرت وہاں تشریف فرما ہوئے۔ ملک مظفر خاں کے بنگلہ میں نزول اجلال فرمایا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مولوی حسین علی کے مریدوں نے حضرت کے رفقاء سفر کے ڈیروں پر چکر لگانا شروع کر دیا اور سماع موتی کے انکار اور عذاب قبر کے متعلق تقریریں شروع کر دیں۔ حضرت کے رفقاء نے بھانپ لیا کہ مقصود ان کا فساد کرنا ہے۔ انہوں نے نہایت حوصلہ اور علم سے کام لیا تاکہ جب رات کے بارہ بجے کا وقت ہو تو معلوم ہو کہ مولوی حسین علی صاحب منادی کر رہے ہیں کہ صبح تمام قصبہ کے لوگ میرے مناظرہ میں شریک ہوں جو میں (حضرت) پر صاحب سے کرنے والا ہوں۔ اور اپنے دنیوی کاموں کو اگلے دن پر چھوڑ رکھیں۔ حضرت کا ارادہ پہلے بذات خود مناظرہ کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ نے مجھے صراحت فرمایا تھا کہ مناظرہ تم کرنا مگر اب آپ کا ارادہ بدل گیا اور فرمایا کہ بہت متکبر ہے۔ اس کا تکبر دور کرنا ضروری ہے۔

صبح ۹ بجے مولوی حسین علی صاحب کے ایک مشہور شاگرد جواب تک زندہ ہیں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے مولوی حسین علی صاحب نے شرائط مناظرہ طے کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے کہا بسم اللہ۔ اس نے کہا کہ مناظرہ تمہاری طرف سے کون ہو گا؟ میں نے کہا کہ احقر غلام محمد گھوٹوی۔ پہلے تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ مناظرہ (حضرت) پر صاحب ہوں گے لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ مان گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا منشا شروع سے ہی یہی ہے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ مسئلہ علم غیب پر دلائل محض فقہ حنفی کی کتابیں ہوں گی قرآن شریف اور حدیث شریف کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ کیا قرآن شریف اور حدیث شریف اب منسوخ ہو گئے ہیں؟ نیز فقہائے حنفیہ، فقہ کی کتابوں میں قرآن شریف کی آیات اور حدیث شریف سے استناد کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور قرآن و حدیث کا انکار ہی مقصود نہیں۔

ہم یہ باتیں کر رہے تھے اور تقریباً دس ساڑھے دس کا وقت تھا کہ حضرت کی طرف سے پیغام آیا کہ مجھ سے کسی صاحب نے اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہو یا کوئی اور بات کرنی ہو تو ملک ظفر خان کے بنگلہ پر چلے آئیں۔ یہ سن کر تمام مجمع بنگلہ کی طرف دوڑ پڑا۔ وہاں حضرت ایک مسئلے پر تشریف فرما تھے۔ تمام حاضرین کے لیے قالینیں بھی بونی تھیں۔ حضرت کا روئے مبارک بنگلہ کے دروازہ کے محاذ جنوب کی طرف تھا۔ یہ احقر حضرت کے متقبل باتیں جانب بیٹھا تھا۔ مولوی حسین علی صاحب کا انتظار تھا۔ مولوی صاحب کا آدمی آیا کہ بنگلہ ملک صاحبان کا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو میری جہتکثت کی جائے گی۔ حضرت نے ملک محمد امیر صاحب کو فرمایا کہ تم خود جاؤ اور میری ذاتی ضمانت پیش کرو کہ اگر آپ کا بال بھی بیکانہ تو میں ذمہ دار ہوں گا۔ ملک محمد امیر خان بعد ازاں مولوی صاحب کو لے آئے۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل کریم صاحب حضرت سے جنوب مغرب کے گوشہ میں آکر بیٹھ گئے۔ حضرت نے مولوی صاحب کا اکرام فرمایا اور پھر مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری ان مولوی صاحب کے ساتھ کس بارہ میں نزاع ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب سماع موٹی کے منکر میں اور میں قافلہ ہوں۔ مولوی حسین علی صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں سماع موٹی کا منکر ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ آپ تین چار دن سے لکے گئے ہوئے تھے، وہاں سے ایک سالہ انکار سماع موٹی لکھ کر آپ نے فلاں طالب العلم کو دیا تاکہ مولوی فضل کریم صاحب کے پاس پہنچ جائے۔ وہ طالب العلم کل رات مولوی اکبر علی صاحب کے یہاں مہمان تھا۔ میں نے اس سے وہ رسالہ لے کر نقل کر لیا ہے اور نقل میرے پاس موجود ہے۔ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔

حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم مولوی حسین علی صاحب کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الارشاد ان کے پاس جا بیٹھا۔ مولوی حسین علی صاحب کے دائیں جانب مولوی فضل کریم صاحب اور بائیں جانب میں تھا۔ حضرت نے مولوی صاحب کی طرف منہ مبارک پھیر کر فرمایا: مولوی صاحب آیت مبارکہ **فَلَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ** پر آپ کا ایمان ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ایمان نام ہے تصدیق بحجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور تصدیق کی جگہ قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک مقبول ہے اور پانچ مردود۔ وہ کیا ہیں؟ اس کے بعد حضرت نے اسی موضوع پر مختصر تقریر فرمائی۔

جواب دینے کی بجائے مولوی صاحب سر نیچا کیے خاموش بیٹھے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ گزر گئے اس پر میں نے اور مولوی فضل کریم نے کہا کہ آپ خاموش ہیں اور میدان مناظرہ گرم ہے۔ کچھ منہ سے بولئے۔ چپ کا وقت نہیں۔ مولوی صاحب نے سر اٹھایا۔ حضرت نے پھر تقریر شروع فرمائی۔ مولوی صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے۔ حضرت نے تقریر ذرا سبط سے فرمائی مگر مولوی صاحب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ آخر ہم دونوں نے پھر انہیں متوجہ کرنے کی کوشش کی تو مولوی صاحب نے حضرت کی خدمت میں

عرض کیا کہ میں معمولی ملا ہوں۔ موٹے موٹے مسائل جانتا ہوں۔ ان باریکیوں کو میں نہیں جانتا۔ اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں نے اور حافظ فضل کریم نے بٹھانا چاہا۔ مگر مولوی صاحب نہ رُکے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ حضرت کے مُردین میں سے ایک مشہور اور محقق عالم مولانا غلام محمود صاحب (پلاپاں ضلع میانوالی) نے مسائل علم غیب اور مذاہنِ رسول اللہ وغیرہ پر ایک رسالہ نجم الرحمن تحریر فرمایا تھا جس میں مولوی حسین علی صاحب کے مسلک کی نہایت مدلل تردید کی تھی اس رسالہ کی ابتدا میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق تین مذاہب کا ذکر کیا ہے جن میں سے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح افضل المخلوق ہیں اسی طرح علم المخلوق بھی ہیں یعنی ساری مخلوقات سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ حضرت علم غیب ذاتی و محیط کی نفی کے ساتھ قائلین علم ماکان و مایکون کی تکفیر اور تشنیع کے سخت خلاف تھے اور مولوی حسین علی صاحب سے مناظرہ کا مقصد بھی اسی تشدد کی تردید تھی۔ چونکہ اس واقعہ کو مولوی صاحب کی پارٹی نے بعض رسائل اور کتابوں میں توڑ موڑ کر بیان کیا ہے اس لیے یہاں قدرے تفصیل کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ویسے بھی یہ واقعہ مشہور عام ہے اور اب بھی بہت سے افراد ایسے موجود ہیں جنہوں نے بحشم خود اس کا مشاہدہ کیا یا مسائل مذکورہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک آئندہ ابواب میں تفصیلاً پیش کیا جائے گا۔

تأویل قرآن پر اعتراض کا جواب

وزیر آباد کے ایک غیر مقلد مولوی صاحب نابینا تھے اور علم کا بڑا دعویٰ رکھتے تھے زیارت مولانا نظام الدین صاحب راولپنڈی پر بغرض ملاقات حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: پیر صاحب! میرے چند سوال ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جواب

۱۔ حضرت کی تقریر کا حاصل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ماکان و مایکون کے قائلین آپ کے نزدیک اگر مسلمان ہیں تو نزاع ہی نہیں اور اگر کافر ہیں تو کفر ایمان کی ضد ہے اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق چھ قسم کی ہے جن میں سے ایمان شرعی میں فقط ایک قسم مقبول ہے اور باقی مردود ہیں۔ ان اقسام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ قائلین علم ماکان و مایکون میں کونسی قسم نہیں پائی جاتی۔ اور آپ میں وہ قسم موجود ہے جس کی بناء پر آپ انہیں کافر کہتے ہیں؟ حضرت نے آیت مندرجہ بالا قُلْ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ اور اس کے معارض آیات عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ وغیرہ بھی تلاوت فرمائیں۔

جامعہ غوثیہ کے سابق صدر مدرس مولانا محمد النبی صاحب کا بیان ہے کہ تصدیق کے اقسام سترہ بعد میں بعض متوسلین کی درخواست پر آپ نے حسب ذیل بیان فرمائے تھے جن کا ماخذ حضرت شیخ اکبر کی تصنیفات فتوحات مکیہ وغیرہ ہیں:-

(۱) تصدیق بذاتہ یعنی کسی صفت یا دلیل کے بغیر مان لینا (۲) تصدیق بعبت ذاتہ: مثلاً دَلِیْلٌ سَمِعْتَهُ عَنْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ میں نعت خلق کی وجہ سے تصدیق ہوئی (۳) تصدیق بحالہ: مثلاً ایک تکلیف پیش آئی جو خدا کے نام لینے سے مل گئی۔ یہ ایک حال پیدا ہو گیا جس میں دل خود بخود اپنے اس حال کی وجہ سے تصدیق کرنے لگا۔ (۴) تصدیق برتبہ: عالم کی پرورش اور ربوبیت عامہ کو دیکھ کر تصدیق (۵) تصدیق بعبت ربہ: اُس کی ربوبیت خاصہ کو دیکھ کر تصدیق، ذاتی احسان کا خیال یا احسان کے زیر تجربہ آنے پر تصدیق (۶) تصدیق بامر ربہ: اللہ کے حکم کی وجہ سے تصدیق۔ یہی تصدیق مقبول ہے۔ پہلی پانچوں جبری ہیں فقط چھٹی اختیاری ہے اور ایمان اختیاری ہی مقبول ہے۔ (فیض)

دیئے وقت قرآن کے معانی میں تاویل سے کام نہ لیں۔ کیونکہ میں سُنتا ہوں کہ آپ آیات کی تاویل کر دیا کرتے ہیں۔
حضرتؑ نے فرمایا: مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ بھی اپنی اس شرط پر قائم رہیں: اور فرمایا: پہلے ذرا اس آیت کے معنی
بیان کر دیں:-

مَنْ كَانَ فِي هَذَا أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى
وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل ۷۲)
(ترجمہ) جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا
ہوگا اور سخت گمراہ۔

حافظ صاحب چُپ چاپ اٹھ گئے اور اُس روز سے اس فوج میں اُن کا نام ہی حافظ اعلیٰ پڑ گیا۔

باب نهم

ارشادات (ملفوظات و مکتوبات)

ملفوظات مہرِیہ و مہرِ چشتیہ

حضرت کے ملفوظات اور مکتوبات عرصہ نوادہ الگ کتابوں کی صورت میں طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب ملفوظات حیات پہلے فارسی میں شائع ہوئی تھی جس میں مولانا گل فقیر احمد صاحب پشاور اور مولانا عبدالحق صاحب سسرہوی کے جمع کردہ ملفوظات درج تھے۔ اب یہ کتاب اردو زبان میں ترجمہ ہو کر ملفوظات مہرِیہ کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ اسی طرح مکتوبات شریف بھی بہت سے جدید اضافوں کے ساتھ مہرِ چشتیہ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

سیرت کے اس اہم باب کی تکمیل کے لیے ان دنوں کتابوں سے جدیدہ جدیدہ اقتباسات تین فصلوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فصل اول مکتوبات عالیہ۔ فصل دوم ملفوظات حیات اور فصل سوم کلام منظوم پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں میں جو مضامین زیر بحث آئے ہیں وہ چونکہ علمی اور مذہبی نوعیت کے ہیں اس لیے عربی اور فارسی زبانوں کا زیادہ استعمال ہوا ہے۔ گوشش کی گئی ہے کہ حاشیہ میں ترجمہ اور مطلب درج کر کے مضامین کو عام فہم اور سہل بنایا جاسکے۔ تاہم نفس مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے اصل متن بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ علماء اور فارسی و عربی دان حضرات نہ صرف محفوظ ہو سکیں بلکہ حضرت کے تبحر علمی کا بھی قدرے اندازہ لگا سکیں۔

پہلی فصل

مکتوبات عالیہ

ایک مخلص کی بیماری پر دعا نامہ

عزیزی غلام دستگیر حفظك الله وشفاك

بعد سلام و دعا آنکہ حاملہ دعا نامہ سے منظر بانہ حالت آل عزیز من کرا خطرا سب بوان یا غیاثنا عند کل کربۃ
یا معاذنا عند کل شدۃ یا یحببنا عند کل دشوۃ یا مؤنسنا عند کل وحشۃ یا یاربنا
حين تنقطع حیلتنا صل و سلو و بارک دایماً علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و الحمد لله اولاً و آخراً سب کو ما واجب

العبد الملتقی و المتسکی الی اللہ المدعو ابہر علی شاہ تعلم خود از گولڑہ

ایک طالب و طائف کو تلقین

مہربان من جناب فخر الدین سلامت باشند ، و علیکم السلام ورحمۃ اللہ

مہربان من! سورۃ اخلاص نہ صرف دفع ہم و غم کے لیے ہے بلکہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب کی دوا ہے
دفع ہم و غم، مغفرت گناہاں، رضائے الہی، عشق الہی، اخلاص، توکل وغیرہ وغیرہ جن کو مفصل لکھنا محال ہے۔ یہ وہ
نعمت عظمیٰ ہے جس سے اعراض کر کے کشف و استخارہ کی طرف متوجہ ہونا عاشق کے لیے موت کا سامنا ہے۔

معذور دارمست کہ تو اور اندیدہ

شر دفع استغفار کی بھی اجازت ہے سورۃ اخلاص اگر ہزار دفعہ نوافل رات میں ہو تو اپنی قیمت ورنہ سو ہی سی۔ اس کا
قیمت وہ مقام ہے جس کے پہنچنے کے لیے قل بئس ملة ابراهيم حنیفاً فرمایا گیا ہے۔ اس کا ثر وہ سیری و غنا ہے
جس سے مازاع البحر و ما طغی پتہ دے رہا ہے۔ کہاں وہ استخارہ و اشکشاف اور کہاں یہ دولت شہود ہے

۱۔ اے ہر حق میں ہمارے فریاد رس، اور ہر شدت میں ہماری جائے پناہ اور ہر پکار پر دعا قبول فرماتے والے اور ہر وحشت میں ہمارے مونس اور جب سب
تدابیر ختم ہو جائیں تو ہماری آخری امید تو محمد مصطفیٰ اور آپ کے آل و اولاد اور اصحاب پر درود و سلام نازل فرما اللہ کے لیے ہی حمد ہے اول اور آخر
۲۔ فرمادیجئے میں ملت ابراہیم کا بیٹے ہوں جو بسوئے حق متوجہ تھے۔

۳۔ نہ تو آنکھ ٹیر رہی ہوئی اور نہ تجاؤز کیا یعنی ذات کی محبت اور شاہدہ میں صفات و افعال اور آثار و ظلال مطمح نظر نہ ہے۔

نہ شمع نہ شب پر تم کہ حدیث خواب گویم چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
حق، حق، حق، کج رفتہ و چہ مے نویسم۔ برادر خیر الکلام مَاقُلِّ دَدَلِّ مطلب خود را ازیں چند سطور دریاب ورنہ تو
معذوری کہ مجھری دماراست گویم کہ برویدہ خود پوئیم، از خود نہ گویم کہ ہمہ اوئیم، من بعد معذور دارند کہ بدیں ماثورم۔ والسلام
الراقم نیازمند اہل اللہ المدعو بہر شاہ عفی عنہ

طریقہ وقوف زمانی و عددی

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ

۱۔ وظیفہ وقوف زمانی اور وقوف عددی کس طرح کیا جاتا ہے اور اُس میں کون سا اسم پڑھا جاتا ہے؟

۲۔ عورت اپنے گھر میں نفی اثبات کا جہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ بعد انتقال رہنما کے دوسرے پر طریقت سے بیعت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

حضرت جواب میں تحریر فرماتے ہیں :-

حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام آنکہ

۱۔ قلب مجازی مضاعف صنوبری پر توجہ رکھ کر اللہ اللہ کہا کریں اور زبان کو بند رکھیں۔

۲۔ عورات ذکر جہر کر سکتی ہیں۔

۳۔ بعد انتقال شیخ طریقت دوسرے شیخ سے بیعت کرنی جائز لکھتے ہیں۔ فقط

دعا گو دُعَا جومہر علی شاہ بقلم خود

ایک عارفانہ رباعی کی تشریح اور تفسیر

ریاست بہاول پور کے کمشنر مال اور ملک کے مشہور ادیب علامہ عبد المالک صاحب نے مندرجہ ذیل رباعی

کی تشریح دریافت کی۔

خود را بہ نظر رہ نگارم صفت زد یک خال سیاہ بر آں رخ مٹوؤف زد

رضواں ز تعجب کہت خود بر کہت زد ابدال ز بیم۔ چنگ در مصحف زد

حضرت جواب میں فرماتے ہیں :-

مخلصی فی اللہ معظمی اللہ جناب مولوی عبد المالک صاحب دام غنائکم وحفظکم اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ کاشف مافیہا ہو کر باعث بر تعمیل ارشاد یعنی تحریر معنی و مراد ہر دو شعر

مندرجہ کے ہوا۔ میری ناقابل کے علاوہ عدم رسائی بھی مذاق شاعر کہ عارف تھا یا غیر عارف مانع از جرأت بر تحریر مراد

تھی مگر تعمیل بھی واجب جان کر عارض ہوں۔

ہر دو شعر مندرجہ عنایت نامہ مستفسرہ۔ قَالَ ۛ

جمال لم یزلی خطاً وافر و نصیب کامل برداشت کہ حیرت مے باشد۔ قال علیہ السلام۔ رَبِّ زِدْنِي فَيْتًا تَحِيْرًا۔
 قال الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کَمَالُ الْاِذْرَاكِ الْعَجْزُ عَنْ الْاِذْرَاكِ۔ عارف نے گفتہ ہے
 عشق بازی نہ ہمیں زاری و گریاں شُدن است
 حُسن معشوق عیاں دیدن و حیراں شُدن است
 و وجہ محافظ بُودن عارف کامل در بارِ کثرت را از حدیث لَا تَقُومُ السَّاعَةُ اِلٰی اٰخِرِهِ و از فِصْلِ آدمی
 فُصُولِ احکم باید حُجبت۔

قال ۛ ابدال زہیم چنگ در مصحف زد

أَقُولُ ۛ مراد از ابدال رہروان طریقت کہ از لغزش پائے دریں راہ بسلامت ماندہ اند نہ بوجہ استغراق و
 استہلاک در مشاہدہ وحدت مثل مجاذیب یا بوجہ نارسائی مغز سخن و راز وحدت وجود پر شستہ سخن را بہ سرحد الحاد و زندہ
 رسانیدہ و مثل متصوفہ از نقص و لغزش محفوظ باعث چنگ زدن بمصحف و اتباع شرعی شدہ اند۔ نہ مشاہدہ تجلی تنزیہی
 (لیس کمثلہ شیء) در حق او شان مانع از شہود تجلی تشبیہی (ہو الظاہر) گشتہ و نہ بالعکس۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ
 تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الْوَاحِدَ فَذَلِكُمْ فُضِّلُ اللّٰهُ يُوْتِيْهِ مِّنْ يَّشَاءُ۔

والحمد لله اولاً و آخراً و الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد و علی آلہ و
 صحبہ ظاہراً و باطناً۔

ایں است اجمال آنچہ مامور شدیم باظهار آں۔ و العلم عند اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور حیران رہ جانہ ہے۔ اور بارِ کثرت میں عارف کامل کے محافظ ہونے کا ثبوت حدیث پاک لَا تَقُومُ السَّاعَةُ الْاٰخِرَةُ اَوْرِ کتابِ فُصُولِ احکم
 کی فِصْلِ آدمی میں ملاحظہ کرنا چاہیے۔

ۛ ابدال سے مراد وہ رہروان طریقت ہیں جو اس راہ میں لغزش پائے محفوظ رہ گئے ہیں۔ نہ تو مجاذیب کی طرح مشاہدہ وحدت میں
 غرق ہو گئے ہیں اور نہ اُن لوگوں کی مثل ہیں جو مغز سخن اور وحدت وجود کے راز کو نہ پہنچ کر شستہ سخن کو الحاد کی سرحد پر پہنچا دیتے ہیں۔
 بلکہ صوفیائے کرام کی طرح نقص اور لغزش سے اس لیے محفوظ رہے ہیں کہ مصحفِ قرآن کریم اور اتباعِ شرع شریف کو اپنے ہاتھوں
 میں مضبوط تمام لیا ہے۔ ان کے حق میں نہ تجلی تنزیہی کا مشاہدہ (جو لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ) کا مصداق ہے (تجلی تشبیہی کے مشاہدہ کا مانع ہے اور
 نہ مشاہدہ تجلی تشبیہی (جو ہُوَ الظَّاهِرُ) کا مصداق ہے) تجلی تنزیہی کے شہود سے روکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
 فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰهُ کا نتیجہ ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

نوٹ۔ تنزیہ سے لیس کمثلہ شیء یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور تشبیہ سے ہو الظاہر یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر ہے
 (بذریعہ مظاہر صفات) مراد لیتے ہیں۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ الْوَاحِدَ یَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَا دِیْجَیْے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت
 رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ (آیت)

تحریک خلافت اور بیعت امامت کے متعلق مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی محلی کا خط اور

اُس کا جواب

حضرت کا تعلق دارالعلوم فرنگی محل سے اپنے زمانہ طالب علمی سے تھا اور مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی محلی سے آپ کے دیرینہ مراسم تھے مولانا جمعیت علمائے ہند سے بھی منسلک تھے جو مسلمانان ہند کی ایک سیاسی جماعت تھی۔ ان دنوں تحریک خلافت کا بڑا چرچا تھا مولانا نے حضرت کی خدمت میں اسی تحریک کے سلسلہ میں ایک خط تحریر کیا تھا جس میں اُس وقت کے حالات کے تحت بیعت امامت کے شرعی جو ازیادہ مجاز کے متعلق استفسار تھا مولانا کا خط من و عن درج کیا جاتا ہے تاکہ حضرت کا جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس خط کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کے اپنے خیال میں ایسی بیعت خلافت سنت تھی مگر ان کی جماعت کے لوگوں کی رائے مختلف تھی۔

دفتر جمعیت العلماء و کثوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

مورخہ ۲۶ شوال ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً و صلياً و مسلماً

مکرمی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔ چند امور استر شاذا التماس کیے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے جواب سے سرفراز کیا جائے گا۔ مقصد صرف اصلاح ہے، نہ فساد، نہ کسی منصب کی طلب، نہ کسی شخصیت سے عناد ہے۔ اس واسطے جواب صاف اطمینان بخش ہونا چاہیے۔

میں اس جگہ ان خطرات و شبہات کا بھی ذکر نہیں کرتا ہوں جو حالت مجبوری کے پیش آنے والے ہیں۔ نہ ان افعال کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں جو بعض اکابر سے اس قسم کے سرزد ہوئے نہ ان تجربات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اس تحریک میں قدر کے وقت حاصل ہوئے اور جن پر نظر کر کے یہ تحریک دینی رہی اور علماء نے اس کے احوال پر حیرت نہ کی میں صرف تین سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

سوال اول: مسلمانان ہند میں جس قدر مذہبی سیاسی انتشار ہے اُس کے رفع کرنے کے لیے کیا جمعیت علمائے ہند کافی نہیں ہے اور اُس کی اصلاح پر اور استحکام سے کیا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ عمائد و عبادات میں کسی مرکز کا قائم ہو جانا غیر متوقع ہے اور سیاست مذہبی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟

سوال دوم: بیعت امامت جب بھی کسی غیر مقلد نے کی ہے۔ اگر کامیاب ہوئے تو فتنہ برپا ہوا۔ اگر ناکامیاب ہوئے تو ایک جہد فرقہ مسلمانوں میں پیدا ہوا جس کے نمونہ ہندوستان میں بھی ہیں۔ اس لحاظ سے بلا ضرورت استدلال اس بیعت پر کیا بے موقع نہیں ہے؟

سوال سوم: مجھے جہاں تک علم ہے استدلال سے کفار کی صورت میں اس قسم کی بیعت خلافت سنت ہے بلکہ

لحدیث کے لیے ملے وہ شخص جو شرعی طریقوں کے بغیر ہی مدعی امامت ہو ملے غلبہ

دارالحرب میں بھی ایسی بیعت لینا اہل دار سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جناب کو ثبوت ملا ہو تو اس سے ضرور ایسا فرمائیے۔
میں بیعت ہجرت اور جہاد کے ثبوت پر بھی اکتفا کروں گا۔ اس واسطے کہ مقصد ان بیوع کا مشترک ہے۔ اگر اس قسم کی بیعت
ثابت ہو گئی تو بلا توقف میں قبول کروں گا۔ ورنہ خطرات اور شہادت کے ہوتے ہوئے اور تجربات اکابر پر جو رائے مبنی
ہے اُس کے خلاف کرنا میرے نزدیک دانشمندی نہیں ہے۔ باوجود اس کے جمہور کی اتباع سے گریز کرنے کا
قصد نہیں ہے۔ فقط

فقیر محمد قیام الدین عبدالباری، فرنگی محل، لکھنؤ

حضرت نے جو جواب تحریر فرمایا وہ مولانا عبدالباری صاحب کی علمی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا۔ اُس کا مختصراً
مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہندوستان میں اُس وقت انگریز کی حکومت تھی اس لیے خلافت یا امامت اسلامیہ کا وہاں تصور
نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اندریں حالات بیعت امامت یا بیعت خلافت بھی غیر متصور تھی۔ اور اگر مولانا اپنی جماعت کے اصرار
پر ایسا کر بھی لیں گے تو ثبوت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا اقدام غیر شرعی اور غیر دانشمندانہ ہوگا۔
حضرت کا جواب مندرجہ ذیل ہے :-

الجواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبی بعده

اما بعد جناب کے سوالات ثلاثہ مُرسلہ بذریعہ ڈاک موصول ہوئے تعمیلاً للارشاد ما حضر پیش خدمت ہے۔ ورنہ بوجہ
بضاعت علیہ وکم فرصتی میں اس قابل نہیں کہ جوابات کے لیے مجھے مخاطب بنایا جائے۔ جناب نے فرمایا ہے کہ میں تین
سوال کرتا ہوں جو اپنے نزدیک فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔

(یہاں مولانا صاحب کے تین سوالات درج کیے گئے ہیں)

الجواب وهو الموفق للصواب

میں جناب کے سوالات ثلاثہ کا صرف ایک ہی جواب فیصلہ کن سمجھتا ہوں۔ وہ ہذا :-

امامت یا خلافت چونکہ عبارت ہے ریاست و تسلط عام سے تصدیی میں اقامت دین کے لیے جس کے تحت میں
کئی انواع مندرج ہیں مثلاً احیاء علوم دینیہ و اقامت ارکان اسلام و قیام بالجہاد و ما يتعلق بہ پچانچہ ترتیب جیوش و فرض
للمقاتلہ یعنی فنی میں سے ان کو دینا اور قیام بالقضا اور اقامت حدود و رفع مظالم و امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیابتاً
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو صورت استیلاء کفار یا دار حرب جب امامت ہی متصور نہیں تو بیعت امامت کے کیا معنی اور
طریق چہارگانہ امامت کا کیا ذکر ریاست عامہ کے مفہوم میں بیہیم علماء مسلمین جو علوم دینیہ کی اشاعت فرماتے رہے اور قضاہ قضائہ
امتصار و تعیلات امر جیوش بعد خلافت و امامت داخل نہ تھیں تو آج کل بحالت استیلاء کفار جمیعت علماء کی کارروائی یا
نام کی مدافعت کے لیے تسلط اور ریاست کے مفہوم میں داخل ہونے کا کیا استحقاق ہے۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ زمانہ میں علماء کی

لہ متعرض ہونا ۛۛۛ لشکر ۛۛۛ وہ مال جو حکومت اسلامیہ کو بلا متقابلہ کفار سے حاصل ہو ۛۛۛ شہر

کاروائی نہ خلافت ہے نہ امامت تاکہ منجملہ طرق اربعہ انصاف بیعت کو بھی فی الجملہ ضروری سمجھا جائے اور نہ کوئی شخص در صورت
استیلاء بیعت لینے کا مستحق ہے۔ اور نہ اس کے لیے جائز۔ کیونکہ در صورت عدم مکافات بہ تصریح فقہاء کرام امام کے لیے
قتل و مقاتلہ مباح نہیں۔ مذہبی سیاسی انتشار کی مدافعت میں جمیعت العلماء کی غیر مجترانہ دُکوروکرا نہ تحریکات نے بغیر
اس کے کہ محرک و متحرک الی الکابل کو مضحکہ و محل تمسخر کفار بنایا ہو۔ کیا فائدہ بخشنا۔

معروض بذال میں تدبیر فرمانے کے بعد جناب خود ہی اپنے ارشاد مندرجہ سوال سوم میں بیعت ہجرت و جہاد کے ثبوت پر
اکتفا کر لوں گا، شرط یہ صادق الریض الا یجابی ٹھہرائیں گے نہ یہ کہ اس کو بصدق الطرفین او اھد ہا صادق مابین تجربات
اکابر بقول حافظ علیہ الرحمۃ ہے۔ بشنو کہ سپہ پیراں بیعت زیاں نہ وارد

بنی علیہ للآراء ہونے کے مستحق ہیں اور یہی دانشمندی ہے۔ ہذا ما عندی والعلوم عند اللہ ولہ الحمد
اولاً و آخراً و الصلوٰۃ والسلام منہ یاطنّاً علیہ ظاہراً و آلہ و صحبہ طراً۔

العبد الملتجئ والمشتکی الی اللہ المدعو لمہر علی شاہ عفی عنہ ربّہ بقلم خود از گولڑہ

حضرت کا مکتوب شریف بحواب حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی

حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی نے بھی اسی موضوع پر ایک خط حضرت کی خدمت میں روانہ کیا تھا جس کا
جواب مندرجہ ذیل ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکرمی و معظّمی سجادہ نشین صاحب دامت عنایتکم

تسلیمات تعمیلاً لارشاد بحواب سوالات ثلاثہ گذارش ہے۔

سوال اول جناب کے خیال میں شریعت اسلامی کی رُو سے مسلمانان ہند کو کیا کرنا چاہیے۔ اگر حمایت اسلام ان پر فرض ہے
تو بے دست و پا مسلمان جو مادی قوت نہیں رکھتے، بے دست و پا حمایت کا کیا طریقہ اختیار کریں؟

جواب اول بلحاظ مصائب دائرہ تصرف مسلمانان ہند بلکہ کل اہل اسلام کو حاکم سے محکوم تک منشاء مصائب کا ازالہ کرنا

چاہیے یعنی بدل سے بخنوع و خشوع رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا الْاَیۡہِ بِجَنَابِ بَارِی عَزَّ اَسْمَہُ عَرْضِ کریں اور اپنے نامشرور و

افعال سے تائب ہوں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡیِرُ مَا یَقُوۡمُ حَتّٰی یُغۡیِرُوۡا مَا بِاَیۡۤہِۭہِۭمُ الْاَیۡہِۭہِۭ اِذَا مَسَّتْ

بِرِمَاسَتِ ظَہَرِ الْفَسَادِ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیۡدِی النَّاسِ تاکہ یَا اَیُّہَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ

وَالْمُنَافِقِیۡنَ وَ اَعۡلَظْ عَلَیۡہِۭمُ کی تعمیل میں حسب وعدہ صادقہ کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیۡنَ کی کیانی

لے حضرت آدم و حوا اور توابعین کی دعائے مقبول قرآنیہ اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (اِنَّ لَّکَ تَعٰوۡظَ لَنَا وَ تَرْحُمًا اِنَّکَ کُوۡنَ

مِنَ الْخَیۡرِیۡنَ) اور اگر تو نے ہمیں مُعَات نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ جو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سے نبی آدم کے ہاتھوں وہ افعال سرزد ہوئے کہ بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ہے اُسے نبی اکفار اور منافقین سے بہاد کیجئے اور اُن پر پوری شدت کیجئے۔

ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم پر حق ہے کہ مؤمنین کی نصرت فرمائیں۔

ہو۔ آیہ اختلاف میں قید و عملوا الصلحات واجب اللحاظ و مدار حکم لیست خلیفہم فی الارض ہے اور ظاہر ہے کہ ارشاد جہاد کریمہ سیف کا تعلق سلاطین اسلام و اصحاب جمعیت سے ہے۔ خدا کرے کہ سلطنت مظلومہ اسلامیہ ظالموں کے پنجہ سے (خذلہم اللہ تعالیٰ) نجات پا کر بعد حصول جمعیت و استطاعت جس کی مدار قلت و کثرت نہیں بلکہ تقویٰ اور قوت ایمانیہ ہے تعمیل کریمہ مذکورہ بالا کا اعزاز حاصل کرے بغیر اس کے امام کو بھی قتال مباح نہیں مسلمانان ہند کی ہستی تو بچ ہے۔ مصریح و مسلمہ فقہاء کرام ہے ہذا اذا غلب ظنہ انہ یکافیہم و الا فلا یباح قتالہم

سوال دوم۔ حکومت برطانیہ کے ساتھ نصرت و حمایت کے تعلقات رکھنا جن پر حکومت کو قوت و شوکت حاصل ہے حرام ہیں یا نہیں؟

جواب دوم۔ ایسے تعلقات جن میں اعانت کفر و محبت ہو مسلم سے بھی حرام ہیں فضلا عن الکافر بغیر ان کے دنیوی معاملات جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو۔ بغیر مرتد کے کسی کافر سے مطلقاً تصریح فقہاء حرام نہیں۔ البتہ بلحاظ مظالم دائرہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کلی بندش ہو سکے تو کسی قدر انتقامی تدبیریں شمار کی جاسکتی ہے و ماہذا علی اللہ بعید۔ مگر اصلی طریق ازالہ منکرات دائرہ کا وہی ہے جو آیہ کریمہ بالا میں ہے۔

سوال سوم۔ دنیوی لحاظ سے جو معمولی ہستیاں تھیں لیکن ان کے دل درود اسلامی سے معمور تھے انہوں نے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دی ہے عوام کو مطلع کرنے کے لیے۔ تحریر سے تقریر سے وہ فریضہ تبلیغ انجام دینے میں سرگرم نظر آتی ہیں لیکن جو ہستیاں اسلام کے علم بردار اور مخلوق کی نظر میں باوقار اور موثر تھیں وہ ساکت ہیں کہ گویا ان میں جس ہی نہیں۔

جواب سوم۔ جناب خیال فرما سکتے ہیں کہ جب معمولی ہستیوں کا یہ حال ہے تو علم بردار ہستیاں ازالہ مظالم وارادہ میں ساکت و بے حس کیسے ہو سکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء دربارہ مدلولات آیات بینات و شریعت و نامشرعیت خصوصیات و کیفیات جلسات در صورت شمولیت بوجہ تفرقہ اصلی مدعا فوت ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حسب طرز مشائخ کرام حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی و حضرت خواجہ محمد بخش و سیدنا حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بفضلہ تعالیٰ و توفیقہ تبلیغ میں دریغ نہیں فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیق استقامت بر صراط مستقیم عنایت فرماوے زیادہ زیادہ۔

نیاز مند از گولڑہ

۱۔ سورہ نور آیت ۵۵ یعنی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے (وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ) اور اچھے کام کیے، وعدہ کیا ہے کہ (لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ) البتہ ان کو زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور البتہ ان کے واسطے ان کا دین، جو ان کے لیے پسندیدہ کر دیا ہے، ثابت کر دے گا اور ان کے دُر کو امن میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ شریک نہیں لائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کریں وہ لوگ فاسق ہیں۔

۲۔ یعنی سلطنت عثمانیہ ترکیز جس کے ساتھ اگر بزرگ جنگ تھے ۳۰۰ سال اس وقت مباح ہے جب امام کو خیال ہو کہ وہ جہاد کے لیے کفار کے مقابلہ میں کافی مقبوضات ہے ورنہ قتال مباح نہیں۔ ۳۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے

جامی علیہ الرحمۃ کی ایک رباعی کی تفسیر

حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل رباعی کو مضمون وحدت الوجود کا خلاصہ فرمایا کرتے تھے۔
 نہ بشر خواہد آسے دوست نہ نور و نہ پری ایں ہمہ بر تو حجاب اند تو چیزے دگری
 بیچ صورت تو اند کہ گند بند ترا در صورت خواہدی اما نہ اسیر صورتی
 یعنی یہ سب تعینات و اشکال گویا لباس کی طرح ہیں تیری حقیقت ان میں بند نہیں جیسے انسان کسی مخصوص لباس
 میں بند نہیں ہوتا اگرچہ ہزاروں لباس پہن لے۔ ایسے ہی ان سب تعینات جلوہ گری کے باوجود حق تعالیٰ ان سب سے
 دوری ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حقیقت اُس کے حسب ارشاد لیس کمثلہ شئی بے مثل بے مثال ہے اور کوئی شے اُسے
 احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اُس کے حسب ارشاد اَلَا تَعْلَمُ بَلْکَلْ شَیْءٌ یَّخْفِیْ عَلَیْکَ۔ وہی ہر شے کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگرچہ یہ
 احاطہ بھی ہمارے علم و ادراک سے بلند ہے اور اُس کی گند ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ حضرت مولانا روم کے شعر ذیل میں ہے۔
 در تصور ذات حق را کنج کو مادر آید در تصور ذات او
 تصور میں ذات حق کی گنجائش کہاں کہ اس کی مثل تصور میں آ سکے۔

حضرت مولانا جامی کی مذکورہ بالا رباعی سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم ظاہر کی بنا پر اس سب جوہ گری
 کے باوجود اپنے اسم باطن کے اعتبار سے ہر چیز سے دوری اور ہر فہم و وہم سے بلند ہے تاکہ تشبیہ اور تنزیہ دونوں پر ایمان
 مکمل ہو اور یہی صوفیائے کاملین کا مسلک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق استفسار کا جواب

مملتان سے دربار پیران پیر کے مشہور بزرگ اور سجادہ نشین حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
 نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق بعض علمائے وقت
 کے باہم اختلاف پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک دریافت کیا تو جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حاصلاً و مصلیاً از نیازمند اہل اللہ المدعو بہر علی شاہ الی سید المکرم جناب مخدوم صدر الدین شاہ صاحب مملتان
 حفظہ اللہ تعالیٰ دامت عنایتہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اما بعد عنایت نامہ مشتمل بر تنازع علمائے کرام در بارہ ہوا از اطلاق بشر بر آنحضرت
 علیہ الصلوٰۃ و عدم آں و حاضر ناظر بودن حضرت سید البشر و انتفائے آں ملاحظہ سے گزرا۔

میں اس قابل نہیں ہوں کہ اہل علم و فضل کے مابین محاکمہ و مداخلت کروں بلکہ امتثالاً لامر السامیٰ حاضر غرض کرنے پر مجبور ہوں۔
 مخدوم! اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لیے ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تحکیم و تعظیم واجب اور ضروری
 ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربی عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے

میں لفظ بشر مفہوم مادہ و مصدر کا متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں کھتا لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ انحصار خواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت لفظ وال بر تعظیم ناجائز۔ (توضیح) آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اُس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے (وَمَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ) چونکہ ملائکہ اس کمال آدم سے بے خبر تھے۔ ایسا ہی ابلیس بھی فقالوا ما قالوا۔ فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جلالے کے بعد سمجھ گئے اور محترف بالقصو ہوئے۔ فقالوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اور ابلیس کو علاوہ تصور جہل کے غرور بھی تھا۔ لہذا آئی د استکبر الخ ہکذا قال الشيخ الاکبر قدس سرہ الاظهر بجماله وما علیہ فی جواب سوال حکیم الترمذی۔

۲۔ بشری کو کمال استجلا کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص منظریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر و مرایا کمالات استجلائیہ سے ازگروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابوالقاسم آنحضرت اصالتہ و ازجماعت اولیائے کرام وارث مصرع و آتی علی قدم النبی بدو الکمال۔ سیدنا بعد الصلوات درو امثالارضی اللہ تعالیٰ عنہم وراثتہ مظہر اکمل و اتم لاسمہ الاعظم ٹھہرے۔ بشری کے لیے تنزل اخیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئت اجتماعیہ و ترکیبات اسمائیہ و اتصالات و اوضاع اتنی خمرت طینہ آدم سے لے کر تا طوبہ جہنم صلی اللہ علیہ وسلم و اتباعہ من الکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تاکہ مَن رَآَنِي فَقَدْ رَآَى الْحَقَّ کآ آئینہ و چہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق منسا ہو۔ قصہ مختصر بشری ہے کہ جس کو

خواہی کہ خدا بینی در چہرہ من ہنگ

من آئینہ اویم او نیست جدا از من

ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کا بشر کہنا از قبیل ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاسماء المعظمہ ہوا بخلاف غیر عارف کے کہ اس کے لیے بغیر انصاف کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد یوحنا الی اور تشہد میں عبدہ کے بعد رسول۔ اور کلام اہل عرفان میں ہے فَمُبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كِلَاهِمَا۔

میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت و الجماعت سے ہیں اور ذکر آنحضرت کو بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔ لہذا ان سے ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ معاذ اللہ فرقہ ضالہ نجدیہ و ماہر کی طرح صرف لفظ بشر کا اطلاق جائز کہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ بقصد تحقیر لفظ بشر کا استعمال ناجائز اور بغیر اس کے جائز۔ مگر میری رائے

۱۔ آیت فرمان الہی ابلیس کو: اور کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

۲۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے دے رکھا ہے۔

۳۔ شیطان نے انکار کیا اور تکبر اختیار کیا ۴۔ اور میں نبی بدر الکمال کے قدم شریف پر چوں (قصیدہ غوثیہ)

۵۔ جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا۔ (الحديث)

۶۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے (قرآن) ۷۔ بے شک حضور بشر ہیں اور بے شک اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

وہی ہے جو اوپر بیان کر چکا ہوں کہ صرف لفظ بشر کا اطلاق بغیر تمام کلمات تعظیم نہ چاہیے کہ بوجہ شیوع عرف و قصہ و فضالہ صرف بشر کہنے میں ایہام امر ناجائز کا ہے۔

۱۳۔ رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحمدہ العنصری ہر مکان و ہر زمان میں حاضر ناظر ہونا۔ تو یہ امر مختلف فیہ ہے۔ فقائیل و مؤئیدو لیکل و جہد میرے خیال میں ظہور و سر بیان حقیقت احمدیہ ہر عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند المحققین من الصوفیہ ثابت ہے۔ اس کو حقیقت الحقائق کہتے اور کہتے ہیں۔ فہو کوزد حسلی اللہ علیہ وسلم اولاً۔ جو بصورت معنویہ قلب تقی نقی اور جسد شریف عنہ سی کے ظاہر و باطن ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصورت مثالیہ شریفہ علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و ہر زمان میں احادیث صحیحہ میں ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے۔ کافی حدیث البخاری فی کتاب الایمان۔ اہل تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا کرنا مخراتاق ہوتا رہتا ہے۔ البستہ ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحمدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ سے ملتا ہے اور عجائبات واقعہ معراج شریف و تصانیص و لوازم غنیمۃ جسد شریف علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد بھی نہیں۔ ہذا ما عندی والعلم عند اللہ۔

آخری معروض۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا تھا کہ ابینی ہذا سیدنا الحسن اللہ یصلیہ بہ بین الفستین من المؤمنین۔ آپ بھی چونکہ سید حسنی ہیں فریقین کو تحریر بذات انکرا آپس میں ملا دیں۔ اور ہدایت کریں کہ ایک دوسرے کو برا نہ کہیں اور ایسا ہی عوام کو بھی۔

۱۴۔ اس کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

المبتغی والمشتکی الی اللہ المدعو ابہر علی شاہ از گولڑہ لعلم خود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کے غلط اعتقاد کی تردید

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کا اعتقاد صحیح ہے یا غلط حضرت قبلہ عالم قدس بترہ جواب میں فرماتے ہیں۔

فخاصی فی اللہ مولوی فضل احمد صاحب

بعد سلام و دعا آنکہ۔ بوجہ علالت طبع بچواب مکتوب توقف ہوا۔ مگر تا مسئلہ افضلیت میں حق بجانب آپ ہیں جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مساجد کی افضلیت کا معتقد ہے وہ سراسر لسان شریعت اور لسان حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ فقہما اور محدثین و سائر علماء اسلام کا معتقد یہ مجمع علیہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل المخلوقات ہیں حتیٰ کہ مساجد و سائر ائمہ متبرکہ کے دعوت و کرسی سے۔ اور بحسب لسان حقیقت ایمان و اسما سب ظہورات ہیں حقیقت محمدیہ کے بنائے افضلیت اس کی سائر صفات پر ظہور صفت عین ہو یا غیر اس کا۔ لہذا او اعط صاحب کو بوجہ عدم رسائی مبنی علیہ دوسرے ثبوت افضلیت علی القرآن میں بھی جاہل کہنا نامناسب نہیں۔ ہذا ما عندی والعلم عند اللہ والحمد للہ

۱۵۔ یہ میرا خیال ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جہتوں میں
شیعہ پیدا فرمائے گا۔

اَدْلًا وَاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْهُ بِاطْنًا عَلَيْهِ وَظَاهِرًا وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَصَحْبِهٖ .

دھاگو، ازگولڑہ (۲۲۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء)

سجدہ تعظیمی کی مانعت

۱۹۲۲ء میں نظام المشائخ اور خطیب دہلی کے ایڈیٹر ملا واحدی صاحب نے لکھا تھا کہ یہاں دو مشائخ کے باہم سجدہ تعظیمی کے متعلق بحث چل رہی ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ سجدہ لکھنا جائز ہے اور اس کی تمام اشاعت کرنی چاہیے اور دوسرا اس کو ناجائز کہتا ہے اور روکنا چاہتا ہے۔ دونوں نیک نیت ہیں جس کی غلطی ثابت ہو جاوے گی وہ ہرگز ہرگز ہٹ دھرمی نہیں کرے گا۔ انتخاب اگر توجہ فرماویں تو قصہ باسانی طے پا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت کے مندرجہ ذیل جواب کو واحدی صاحب نے کئی اخبارات میں شائع کروا دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُخَاصِصِی فِی اللّٰہِ اَیْڈِیْرِ خَطِیْبِ صَاحِبِ حَفْظِکَ اللّٰہِ تَعَالٰی

بعد سلام و دعا آنکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ کو عبادت محققہ بالخالق عز اسمہ ٹھہرایا گیا ہے اور اسی پر ہے تعامل صحابہ و تابعین و تبع تابعین و من بعدہم الی یومنا ہذا علیہم الرضوان۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مقبول سے جس وقت اُس کی چشم شہود میں غیب اللہ نہ ہو سجدہ مخلوق کی طرف وقوع میں آئے۔ غایت مافی الباب از رُفے نظر بجانب مستی و غلبہ کہ وہ مقبول خدا میں عند ارباب تحقیق مانو و مجرم نہ ٹھہرایا جاوے گا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم و علمہ اتم۔

المستجی والمشتکی الی اللہ المدعو بہر علی شاہ عفی عنہ ربہ یعلم خود ازگولڑہ

ایک آیت کریمہ کے متعلق تفسیر تبصیر الرحمن کی تشریح

حضرت کے ایک مخلص مولوی غلام محمد صاحب نے ایک آیت کی تفسیر دریافت کرتے ہوئے لکھا:-

سیدی و سندی و مولائی دام ظلکم

بعد سلام سنون معروض خدمت سراپا برکت انیکہ پارہ چہارم سورہ النسا تحت آیت کریمہ وَاَتَقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامِ۔ عَلٰی الْمَہَامِی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی در تفسیر تبصیر الرحمن سے فرمائیے۔ ہذا علی قرۃ الجبر بحذف المعطوف من الاصل والمعطوف علیہ من الفرع۔ فاما مطلب عبارة الشيخ المرحوم وتفسیرہ المذکور عند کرموجود۔ فقط والسلام علیکم

غلام محمد عفی عنہ ازپشاور

جواب میں حضرت فرماتے ہیں:-

اے اُس جگہ سے ڈرو جس کے نام سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے اجتناب کرو۔

قولہ: بحول المعطوف من الاصل ای: واتقوا الله والارحام والمعطوف علیہ من الطرف ای: بالکلام تقدیر الکلام۔ واتقوا الله الذی تسامون بہ والارحام۔ یہ مجملہ اصل ہے
والذی تسامون بالله والارحام۔ یہ مجملہ فرع ہے۔

پہلے مجملہ میں معطوف علیہ یعنی اللہ ذکر اور معطوف یعنی والارحام معترض۔ دوسرے مجملہ میں معطوف علیہ یعنی بالہ
مقدرا اور معطوف یعنی (والارحام) بالبحر مذکور۔

داعی و مستدعی مہر علی شاہ بقلم خود والسلام

موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بموتے

الطاف حسین صاحب اور راجہ شیر محمد خان بحیروی نے موت کے بعد روح کی منزل اور حالات اور ایصالِ ثواب بموتے کے متعلق سوالات کیے تھے جنہیں نے حسب ذیل جوابات تحریر فرمائے۔

سوال الطاف حسین صاحب۔ مرادہ کی روح وفات کے بعد کہاں جاتی ہے۔ آیا جواب دہی میں مانوہ ہو جاتی ہے یا دنیا میں اپنے جسم منصرمی کے اوپر پرواز کرتی رہتی ہے جیسا کہ بعض اہل ہنود کا خیال ہے۔

جواب۔ زمین کی روح افلاک سے اوپر علیین میں اور کفار کی اسفل استغلیل میں قیام پذیر ہوتی ہے۔ صرف جوابی کے لیے بدن منصرمی کے ساتھ تعلق دیا جاتا ہے جس کا اثر درگزر گزشتہ حیات ہے۔ ان حیات دنیوی جو مشاغل دنیوی اور چلنے پھرنے کا ہے۔ جواب دینے کے بعد یہ تعلق بھی نہیں رہتا۔

نوٹ۔۔ دنیا میں روح حقیقی کو جو قبل الذیوم من امیر کرتی اسے مراد ہے روح ہوائی کے ساتھ راكب اور مرکب کا تعلق ہے بعد الموت روح ہوائی بعنوان دیگر نجات بطیعت مع جسم منصرمی کے فنا ہو جاتے ہیں اور روح حقیقی کو بجائے روح ہوائی کے ایک اور روح برزخی سواری کے لیے ملتا ہے جو عالم مثال میں سے ہے۔ دنیا میں بھی اور بعد المات عالم مثال میں بھی یہ مرکب جسے نسف سے تعبیر کرتے ہیں روزن ہے قبول فیضان کے لیے روح حقیقی سے جو عالم قدس میں ہے تفصیل اس اجمال کی ان اوراق میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

سوال۔۔ راجہ شیر محمد خان۔ والدین یا مولود فوت ہو جائیں تو کیا فریق پس ماندہ انہیں تھنہ تحائف یا کلام اللہ یا شائے خورد و نوش یا پارچات وغیرہ پہنچا سکتا ہے؟

جواب۔ محتاج کو طعام و پوشاک دینے کا ثواب اور کلام اللہ پڑھنے والے کو کلام اللہ دینے کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ ایسا ہی درود وغیرہ و کلام الہی اور فعل خیرات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔

سوال۔۔ تقدیر و پیہ یا زیور یا کوئی خاص پارچہ جو اس اہل عدم نے حیات میں طلب کیا ہو اور میسر نہ ہوا ہو اب وہ نقد دیا جاوے تو کس طرح سے؟ اگر پارچہ ہے تو اس کی قیمت دی جائے گی یا نقد کسی کو دیا جائے یا کس طریقہ سے جو اس کو پہنچے؟

جواب۔ وہ اشیاء جن کو متوفی نے بعدینہ طلب کیا ہو۔ گوان کی قیمت کا دینا محتاج کو متوفی کے لیے مفید اور جائز ہے مگر

ان اشیائے مطلوبہ بعینہ کا دینا مناسب تر ہے۔

سوال ۳۔ اگر سپماندہ کا خیال ہو کہ قبر پر جا کر اس کو بخشے تو کس طرف بیٹھے گا اور کس کلام مبارک کا ختم شریف کر کے اس کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرے گا۔ کس تعداد تک، آیا اس کے واسطے کوئی خاص مقدار ہے یا جس دن چاہے؟

جواب۔ میت کے منہ اور سینہ کے مقابل پشت پر قبلہ ہو کر الحمد شریف مع الحمد ذالک الکتاب لا ریب فیہ۔ مفلحون تک ایک مرتبہ اور قل ھو اللہ احد آخر تک گیارہ مرتبہ پڑھے اور ثواب میت کو بخشے یا جو کچھ کلام اللہ یا کلمہ شریف یا درود شریف پڑھنا ہو سب کا ثواب بخش دے۔

سوال ۴۔ اگر پس ماندہ چاہیں کہ اُس دوست گم شدہ کا دیدار کریں یا کہ وہ مجھے دیکھے تو کس کلام شریف کے ذریعہ سے؟ ظاہری دیکھنا تو غیر ممکن ہے مگر خواب میں دیکھا جائے تو وہ کلام کون سی ہوگی؟ اور کس تعداد تک پڑھی جائے گی اور کس وقت پر؟

جواب۔ رات کو سورۃ الشمس، والیس، والضحیٰ، الم نشرح، ہر ایک سورہ سات سات مرتبہ پڑھ کر ان کا ثواب میت کو بخشے اور پھر کسی سے کلام نہ کرے، سو جائے۔

سوال ۵۔ ارواح کا آنا اپنے گھروں میں ہو سکتا ہے تو کس عرصہ تک، ہر روز یا کسی خاص دن، اگر خاص دن ہے تو کون سا ہے؟ جواب۔ ارواح کا تعلق کسی قدر بدن سے چالیس روز تک ایسا ہی ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اس تعلق خاص کو آنا سمجھئے نہ یہ کہ عالم ارواح سے نکل کر جسم کی طرف انتقال مکانی کرتے ہیں۔ البتہ ان کا دوا یم مذکورہ خاص تعلق ایسا ہی اثر رکھتا ہے جیسا کہ وہ خود آگئے ہیں یعنی بحیثیت مشیت ایزدی یا خبر موتے ہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بروز عید و عاشورہ، ماہِ رجب کا پہلا جمعہ اور ماہِ شعبان کی پندرھویں رات اور شب قدر اور ہر جمعہ کی رات میں ارواح قبروں سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اپنے سپماندگان سے سوال کرتے ہیں کہ اس مبارک رات میں ہمارے ساتھ کسی صدقہ یا طعام سے امداد کرو کہ ہم محتاج ہیں (کتاب در السبحان للسیوطی و کتاب دقائق الاخبار امام عبد الصم ص ۲) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح موتے یم مذکورہ میں اپنے گھروں کے دروازہ پر آتے ہیں۔

سوال ۶۔ اگر پس ماندہ مجبور شدہ چاہے کہ مجھے صبر حاصل ہو تو کس کلام شریف کے ذریعہ کس وقت اور کس تعداد سے ورد کرے؟ اگر از حد بے ہمت ہو تو کس قدر پڑھے گا۔

جواب۔ اسم یا خنی یا قیوم ایک ہزار مرتبہ بوقت اذان فجر پڑھے۔ اگر اس قدر نہ ہو سکے تو تین سو مرتبہ پڑھے۔ بعد ازاں دل پر دم کرے۔

سوال ۷۔ دوست مجبور شدہ کا مطلب ہو کہ دوست گم شدہ کا خانہ سکونت کی جس میں وہ مدفون ہے وہ منور ہو اور اعلیٰ قسم کی رحمتیں خداوند کریم علی شانہ سے اُس پر نازل ہوں تو کس کلام شریف کا کس قدر اور کس وقت اور کس دن میں اس کا ذکر کرے؟

جواب۔ اُس جگہ کلام اللہ شریف پڑھے اور پڑھوئے، ایسا ہی درود شریف جس قدر ہو سکے۔ سوال ۸۔ اگر دوست گم شدہ عہد حیات خود میں کسی چیز خورد و نوش کی زیادہ خواہش رکھتا تھا۔ اب اُس کو دوست مجبور شدہ

کس طرح سے پہنچا دے بہر دن یا کسی خاص دن میں اور اس کی تجویز کیا ہوگی؟

جواب۔ بہر دن یا شب جمعہ یا جس دن اور جس وقت چاہے پہنچا سکتا ہے۔ البتہ ہر شب جمعہ و ایام عید و عاشورہ وغیرہ ضرور طعام یا کلام یا کسی خیرات، کپڑا وغیرہ کا ثواب پہنچانا ضروری ہے۔

سوال ۹۔ کلمہ شریف یا کر درود شریف کا ثواب بخشا کسی کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟ سنا گیا ہے ناجائز ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب۔ جائز ہے۔

سوال ۱۰۔ اگر دوست گم شدہ کسی قسم مویشی کی خواہش رکھتا ہو از قسم عام مویشی یا کہ از قسم پرندگان۔ اب ان کا پہنچانا کس طرح سے ہوگا۔ آیا وہ چیز زندہ دی جائے یا اس کی قیمت اگر زندہ دینے کی خواہش ہو تو کس کو دی جائے اور کس طریق سے دی جائے؟

جواب۔ زندہ دینا محتاج کو بہ نسبت قیمت کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال ۱۱۔ ملا جو قبر پر پڑھائے جاتے ہیں وہ کس عرصہ تک پڑھتے رہیں؟ قرآن شریف ہی پڑھتے رہیں یا کوئی اور کلام؟

جواب۔ چالیس دن تک قرآن شریف پڑھایا جاوے مگر بلا شرط اجرت۔ کیونکہ قرآن شریف کی اجرت یعنی دینی حرام ہے ہاں اگر پڑھنے والے کو دلچ نہ ہو اور دینے والا اجرت سمجھ کر نہ دے تو جائز ہے مگر یہ مشکل ہے۔ لہذا اچھا ہے کہ دوست یا خویش و اقارب جو بلا اجرت پڑھنے والے ہوں پڑھیں۔

احترام سادات کے متعلق حضرت کی ایک قلمی تحریر

سید مرزا حسین شاہ صاحب (کوٹ فتح خان ضلع کمبل پور) قلندرانہ روش رکھتے تھے۔ ان کے پاس ان کے عقیدت مند ملنگ بھی رہتے تھے کسی نے سردار محمد علی خان صاحب گھیبہ رئیس کوٹ فتح خان سے شکایت کر دی کہ شاہ صاحب کے پاس جو ملنگ رہتے ہیں وہ بھنگ پیتے ہیں جس پر سردار صاحب نے ناراض ہو کر حکم دیا کہ وہ تکیہ جہاں یہ ملنگ رہتے تھے اٹھا دیا جائے چنانچہ اسے گرا دیا گیا اور درویش وغیرہ شاہ صاحب کے ساتھ واپس شاہ صاحب کے گھر پر آ گئے۔ شاہ صاحب تو خاموش رہے مگر ان کی برادری والوں نے کہا کہ یہ ہماری توہین کی گئی ہے لہذا آپ سردار صاحب کی اس حرکت کی شکایت ان کے پر حضرت قبلہ عالم گوڑہ شریف کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ سید مرزا حسین شاہ صاحب نے ایک دستی لفاظی اپنے ایک ملنگ کے ذریعے حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قلمی تحریر سردار صاحب کو بھجوائی اور آپ کے حکم کی تعمیل میں سردار محمد علی خان صاحب نے شاہ صاحب سے اپنی غلطی کی معذرت کی، گرایا تو امکان از سر نو تعمیر کر دیا اور جو سالانہ نذرانہ انہیں دیا کرتے تھے وہ بھی دوبارہ جاری کر دیا۔

حضرت کی یہ تحریر مبارک سید مرزا حسین شاہ کے فرزند سید حسین شاہ صاحب نے ۶ نومبر ۱۹۶۷ء کو حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کی جس کی نقل مجسمہ درج کی جاتی ہے۔ اس کا کچھ آخری حصہ کاغذ کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے نہیں پڑھا جاسکا۔ تاہم قبلہ بابو جی مدظلہ العالی نے تصدیق فرمائی ہے کہ تحریر حضرت ہی کی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط حَامِدًا وَ مَصْلٰیًا

مرتب العلماء والصلحا ولاذ الغریبا والفقراء سر دار صاحب سلمہ ربہ

از درویش دل ریش محبت الفقراء مہر علی شاہ گولڑوی۔ السلام علیکم مطالعہ نمایند۔ آمابعد۔

قادِ مُطلق و حکیم برحق جل و علا شانہ نے خلق کو زوج زوج یعنی جنت جنت پیدا کر کے خود کو فردیت اور کثرت میں وحدہ لا شریک کہا۔ پھر بعض کو بعض پر فضیلت دے کر سب کو فقرا اور اپنے کو غنی ٹھہرایا۔ کو اکب سے آفتاب اور آیام سے یوم جمعہ علی ہذا القیاس حتی کہ انبیاء سے باعث ایجاد عالم صاحب تاج لولاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز فرمایا۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا ارشاد پہنچا کر آدم و من دُونَهُ تَحْتَ لِوَائِي یَوْمَ الْقِيَامَةِ سُئِلُوا یَا پھر بواسطہ جمیلہ اُس حبیبِ انزل اور شاہدِ یزئی کے اپنے کلام پاک کو نازل فرما کر عہدِ دیرینہ یوم میثاق بجا اب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ جس کو ہم باعثِ تمادی قرونِ کثیرہ کے بحول گئے تھے یاد دلایا اور اطاعتِ اوامر و اجتنابِ نواہی کو دلیلِ استقامت اور پختگی عہدِ کور کی ٹھہرایا۔

منجملہ اُن اوامر شریفہ کے امر قُلْ لَا أَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا إِلَّا السُّوْدَةَ فِی الْقُرْبَىٰ یعنی کمال دوستی اور خلوص محبت اہلیت پاک کے ساتھ رکھو جن کے حق میں اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لَیْذْہَبَ عَنْکُمُ الرِّجْسُ اَہْلُ الْبَیْتِ وَ یُطْہِرَکُمْ تَطْہِیْرًا فرمایا۔ ذَٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ہ اس مقام میں جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے وہ تو کسی کو بالاصلاتہ اور کسی کو بالتبعیۃ معلوم ہے۔ اس واسطے اُس کا لکھنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ کچھ کلام شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر کی جو پیشوائے اہل کشف و شہود میں فتوحات کیے بابِ انتہیٰ میں ہے نقل کی جاتی ہے :-

قال قدس سرہ قد دخل الشرفاء اولاد فاطمة کلہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن ہُو من اہل البیت مثل سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی یوم القیامۃ فی حکم ہذ الایۃ من الغفران فہم المطہرون اختصاصا من اللہ وعنایتہ بہم لشرف محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعنایت اللہ بہ ولا یظہر حکم ہذ الشرف لاهل البیت الا فی الدار الآخرة فانہم یحشرون مغفورا لہم وامّا فی الدنیا فمن اتیٰ منہم حدّا اقیم علیہ کالتائب اذا بلغ الحاکم امرہ وقد زنی أو سرق أو شرب اقیم علیہ الحد مع تحقق المغفرۃ کما عز و امثالہ ولا یجوز ذمہ ویذنبی لکلّ مسلم یوم من باللہ وبما انزلہ ان یردق اللہ تعالیٰ فی قولہ لَیْذْہَبَ عَنْکُمُ الرِّجْسُ اَہْلُ الْبَیْتِ وَ یُطْہِرَکُمْ تَطْہِیْرًا ویعتقد فی جمیع ما یصدر من اہل البیت ان اللہ تعالیٰ قد عفا عنہم فیہ فلا ینبغی لمسلم ان یدحق المذمۃ بہم ولا ما یشاء اعراض من قد شهد اللہ تعالیٰ بتطہیرہ و ذهاب الرّجس عنہ لا یعمل عملہ ولا یخیر قد مودہ بل بسابق عنایتہ من اللہ تعالیٰ بہم ذَٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ہ

ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو قیامت تک ہونے والی ہے آیتِ تطہیر میں داخل ہے یعنی پاک اور مغفور ہے۔ گو بظاہر اُن سے گناہ بھی صادر ہو، تاہم بعد احرار سے حدودِ شرعیہ مغفور ہیں۔ اُن کی توہین اور

ذمت کسی اہل اسلام کو با ترقی نہیں۔ اس گروہ پاک کے پاک ہونے کی مدد کسی میں نہیں بلکہ یہ نفس نفس نرا
کاتب جس کو چاہتا ہے دیتا ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فليعلموا انهم ان ذلالت راجعاً اليه ولو ظنوا ان ذلالت الظلم هو في انفسهم
لا في نفس الامر ان حجتكم عليه ظاهر الشرع بالادلة بل حجتكم عليهم ايضاً في نفس
الامر يشبه جبري العقائد غير غيبنا وعلی من جبروت عليه في ماله ونفسه بعرفي وبعرفي
لا غير ذلالت۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس گروہ پاک کی ذمت کرنے والا خود عمل ذمت ہوتا ہے اگرچہ ان سے کون بھی صادر ہو
جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اس پاک ذوق کے غموں کو بھی بے پروا ہو جائے
قد بکھے یعنی غم کو بھی ان کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ واقعی ہو کر مستغرق کرے۔ اگر اس قدر ایمان قوی نہ لکھا
ہو تو بے شخصیت میں جو اس کو اپنے مال یا جان یا عزت میں ال بیت سے پیچھے ہٹ کرے۔ ہاں الکلام شریعت
بے شک ان پر جاری کیے جائیں گے مگر اہل اسلام کو ان کی ذمت نہ کرنی چاہیے اور اپنے حقوق کو ترک کرنا
ان کی تعلیم کے واسطے آتی ہے۔ اور ان کو ایسا نہ ہو جب کہ صیغہ کرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام سے
اپنی اہل قرابت کے واسطے آتی ہے۔ کھنے کا سوال فرماتا ہے میں ہوں جب اس آیت کریمہ کے قل لا تشكروا
عليه اجزاً الا الشؤدة في القرابي۔ پھر ان کے ساتھ بغض رکھنے کے بعد کل شر کے دن ان کے سامنے
کس طرح منہ دکھائیں گے اور شفاعت کی امید رکھیں گے۔

پھر شیخ اکبر آگے چل کر فرماتے ہیں جس کا خاصہ یہ ہے کہ تو کو حکم ہے تو صاحب حق سے حسب مفاد کی کر کہ اس بیت
سے اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر کسی طرح نہ ہو سکے تو پھر حکم شرعی کو اختیار کرے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس ذوق پاک کا قدر
مترہ جو نہ لکھا ہے اگرچہ کو معلوم ہو تو ان کے غموں کی غلامی کو بغیرت سمجھے۔ غنم عداوت کے واسطے حدیث شیعہ کی نقل و کتاب
بہ مستیاب تحریر نہیں کی جاتی جس صاحب کو تحقیق منظور ہو اسے باب انتہی سبیل فتوحات یکہ میں داخل کرے۔
سوال۔ جو کچھ حضرت شیخ نے فرمایا ہے پھر کہ وقت ذیل آیت تعبیر ہے اس کا بعد حق بجز قطعی صیغہ الغیب کے نہ ہو گا تو
پھر کیا حکم ہے مساوات اہل انہائے زمان کے لیے؟

جواب۔ قطعی صیغہ الغیب تو داخل شرع تعلیم ہے اور جو مستند ہے یعنی جن کے آباء اجداد کسی اور قوم سے ہوں اور وہ دینی
مساوات کا اثر کرے اور اس کا یہ اثر معلوم بھی ہو جائے تو وہ داخل شرع مذکور نہیں بلکہ رحمت خاصہ سے اور
ہونے کا مستحق ہے۔
ڈاکٹر گوارا گوارا

ایمان ثابتہ اصطلاح صوفیائیں ولی کی تعریف اور اسلام میں صوفیاء کی حیثیت پر سوالات کے جواب
مکمل شرع جملہ نواب گنج بدہ بکلی سے ایک صاحب سید علی نے بذریعہ خط یہ تین سوالات تحریر کیے۔

حامداً ومصلیاً ومبسملاً

بعد سلام اکرام آیتہ اِن الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ اور نیز آیت
 فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولیک الذین لعنہم اللہ
 فاصتہم واعلی ابصارہم اور نیز متفق علیہ حدیث (فاطمۃ بضعة بنتی) میرا کڑھ (یؤذونی ما اذکھا)
 اور نیز حدیث (من احب الحسن والحسین فقد احببتنی ومن ابغضہما فقد ابغضتنی) اور نیز حدیث
 (حسین قتی) وانا من حسین احب اللہ من احب حسیناً) اور نیز حدیث (ان ابنتی ہذا یحیی
 الحسین یقتل بارض من ارض العداق یقال لہا لک فممن شہد ذالک ہذا ککم فلیتضرکھا)
 سب آیات واما حدیث صحیح زید شقی اور اُس کے تابعان کے مستحق لعنت ہونے پر شاید ہیں۔ کوئی اہل ایمان اس کڑھ اشقیاء کی
 غیر ملعونیت کا قائل نہیں جن لوگوں نے حسن زید سے منع کیا ہے۔ زید کو اچھا سمجھ کر نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال سے کہ بجائے اس
 کے اللہ صلی علی محمد و آلہ و سلم و حسین و حسین و فاطمہ پڑھنا بہتر ہے شیطان کو اگر کوئی رات دن من
 کرے بجائے اس کے تلاوت، ذکر اور درود پڑھنا مفید ہے۔

آیت استخلاف (وعد اللہ الذین آمنوا الی آخرہ) کا آخری جملہ (ومن کفر بعد ذالک فاولئک ہم
 الفاسقون) اور نیز زید شقی کا بعد شہادت سید الشہداء علیہ السلام کے کمال خوشی میں آکر یہ کہنا کہ آج ہم نے آل محمد سے (وہ
 بدر کا انتقام اور بدلہ لے لیا۔) کہا قائل ہے

ولست من جندب ان لعنتکم من بنی احمد ماکان قد فعل

زید کے کفر پر دال ہے کما صرح بہ القاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ الغرض زید کے مستحق لعن ہونے میں یہ تصریح ثقات کوئی
 شک نہیں اگرچہ بے سود امر ہے مگر اہل ایمان مقتضائے (الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان) ان کڑھ اشقیاء
 پر لعنت بھیجنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بفضلہ ہم بوجہ اعتقاد حقیت خلافت خلفائے اربعہ علیہم الرضوان و محبت اہل بیت
 علیہم السلام روافض یا خوارج سے علیحدہ ہیں۔ والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوة والسلام منہ باطناً علیہ و
 ظاہراً و آلہ وصحبہ۔

۱۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں خدا نے انہیں دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ اے پس کیا تم قریب ہو کہ اگر
 اعراض کرو تو زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی کرو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور انہیں ہرا کر دیا اور انھیں اندھی کر دیں۔

۲۔ فاطمہ میرا کڑھ ہے۔ جو چیز اُسے تکلیف دیتی ہے مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔

۳۔ جس نے حسن اور حسین سے محبت کی اُس نے میرے ساتھ محبت کی جس نے اُن سے دشمنی کی اُس نے میرے ساتھ دشمنی کی۔

۴۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین کو دوست رکھے خدا اُسے دوست رکھے۔

۵۔ میرا بیٹا حسین زمین عراق یعنی کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ جو شخص اُس موقع کو پائے اُس کی مدد کرے۔

۶۔ جس نے اس کے بعد ناشکری کی وہ لوگ فاسق ہیں۔

دوسری فصل

ملفوظات طیبات

تقریر جلسہ انجمن نعمانیہ لاہور

ذیل میں حضرت قبلۃ عالم قدس سرہ کی اُس مشہور تقریر کا خلاصہ دیا جاتا ہے جو آپ نے ۱۹ محرم ۱۳۳۱ھ مطابق (دسمبر ۱۹۱۲ء) کو انجمن نعمانیہ لاہور کے چھٹیویں سالانہ جلسہ میں مشاہیر علماء و فضلاء اور مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے فرمائی تھی اور جسے تنظیمین جلسہ نے "کلام الملوک ملوک الکلام" کے عنوان سے طبع کروا کر ملک میں نشر کیا تھا اس موقع پر اہلسنت کے مشہور عالم و محدث مولانا وصی احمد صاحب سورتی نے فرمایا تھا کہ سبحان اللہ حضرت نے اہستہ اہستہ ایسی بلند پروازی فرمائی کہ اب بابِ علم کو بھی مجتہد کر دیا اور آخر میں اس قدر عام فہم مسائل فقہ پر گفتگو فرمائی کہ عوام کو بھی مضمون ذہن نشین کروا دیا۔

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - سُبْحَانَكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ - وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ أَنْزَلَ فِيهِ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَعِزَّتِهِ الْمُطَهَّرِينَ بِتَطْهِيرَةٍ وَأَصْحَابِهِ وَأَحِبَّاهُ الَّذِينَ مَعَهُ أَشَدُّاءٌ عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمَاءٌ بَيْنَهُمُ الْفَائِزَةُ مِنْهُ بِفَضْلِ جَسِيمٍ وَعِلْمٍ عَمِيمٍ - فَأَوَّلِيَّتُهُ فِي آخِرِيَّتِهِ وَآخِرِيَّتُهُ فِي أَوَّلِيَّتِهِ كَمَا أَنَّ ظَهْرَهُ فِي بَطُونِهِ وَبَطُونُهُ فِي ظَهْرِهِ - بِشَيْئَتِنَا الثَّبَوِيَّةِ فِي قَوْلِهِ إِذَا ارَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ وَهُوَ جُودِيَّتُهُ بِقَوْلِهِ فَيَكُونُ - ذَوَاتِنَا مَعَ مَكَانٍ اسْتَعْدَادَتْهَا فِي الْحَضْرَةِ الْعِلْمِيَّةِ خَزَائِنُهُ وَفِيضُهُ الْاِقْدَاسُ كَمَا أَنَّ وَجُودَاتِنَا مَعَ لَوْاحِقِنَا فِي عَرِصَةِ الْعَيْنِ الْمَكْشَى كَسَاءً وَمَا نَزَلَتْهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ - فَيُضَاهِي الْمَقْدَسُ مَا نَا عَلَيْنَا لَا مِنْهُ كَمَا أَنَّ مِنْهُ لَا مِنْهُ مَا نَا وَأَوَّلُ ظُهُورَاتِهِ حِينَ الرَّحْمَنِ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ثَانِي شَيُونَاتِهِ الْمُبَشِّرِ بِمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ كَمَا أَنَّ آخِرَ أَخْرَجَ رَحْمَاتَهُ إِذَا مَا يَشْفَعُ عِنْدَهُ الْإِبَادَةُ أَوَّلُ إِذْنَاتِهِ - فَهُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورَهُ كَمَا أَنَّ آخِرَ بِخَاتَمِ النَّبِيِّينَ ظُهُورُهُ وَمِنْ هَذَا امْتِنَعَ مِثْلُهُ وَنَظِيرُهُ - فَإِنَّ الْأَوَّلَ لَيْسَ بِثَانٍ وَكَمَا أَنَّ الثَّانِي لَيْسَ بِأَوَّلٍ - فَامْتِنَاعُ شَرِيكَ الْبَارِي عِزَّاسْمَةٍ مِنْ ذَاتِهِ كَمَا أَنَّ عَدَمَ امْكَانِ نَظِيرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ بَعْضُ صِفَاتِهِ - فَظَاهِرُ الْاِقْدَاسِ غَيْرُ مُحِيطَةٍ بِالْمَعْلُومَاتِ فَاتَّضَحَ الْأَمْرُ بِإِضْحَاحٍ الدَّلَالَاتِ بِغَيْرِ مَدْخَلٍ مُسْأَلَةِ امْكَانِ الْكُذْبِ وَامْتِنَاعِهِ اللَّهُمَّ

ارنا حقیقۃ الاشیا کما هی

حمد بے حد اُس رب کریم و رحمان و رحیم کے لیے کہ جس نے بعد الوجود ہم کو اشرف مطالب اور افضل مرغب یعنی علم کی تہنیت
اظہار فضیلت سے بقولہ تعالیٰ (قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) وقولہ تعالیٰ (وما یعلمہا
الا العلمون) وقولہ تعالیٰ (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) وقولہ تعالیٰ فی جوابہ (لایہم علیہ السلام
(حدیث قدسی) (انی علیکم احب کل علیم) ممتاز فرمایا۔ اور درود بے حد اُس رؤف و رحیم پر کہ جس نے اپنی مجتہد رحمت اور
مکملہ عنایت و شفقت سے بقولہ علیہ السلام (فضل العالِم علی العابد کفضل النبی علی ادناکم رجلاً) علما کی
فضیلت ظاہر فرمائی۔

اس میں شک نہیں کہ شرف صفت بحسب شرف موصوف ہوا کرتا ہے اور علم مقابل جہل چونکہ صفات الہیہ واجبہ
سے ہے لہذا فضیلت علمی پر کوئی بُرا مان قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی جس و قبح اشیا شرعی ہو یا عقلی بہر کیف بیان
مذکور بنا برمسکاب ہر دو فریق اہل نقل و عقل علمی فضیلت کے لیے کافی ثبوت ہے۔

لے پاک اور بلند ہے وہ ذات کہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ اور درود اور سلام اُس ہستی
پر جس کی شان میں نازل ہوا "عَزَّیْلُ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ" انور گراں ہے اُس پر وہ جو تمہارے لیے نقصان کا باعث ہوا اور وہ نہایت خواہشمند ہے
تمہاری بھلائی کا۔ رؤف و رحیم ہے مومنوں کے حق میں اور حضور کی اہل بیت اور حرمت پر جو حضور کی تطہیر سے مطہر ہیں۔ اور آپ کے اصحاب
اور احباب پر جو آپ کی معیت سے مشرف ہیں سخت ہیں کفار پر اور مہربان ہیں باہم حضور کے استفادہ سے اور حضور کے فضل جسیم اور علم عظیم
کی بدولت حضور کی اولیت آپ کی آخریت میں اور آخریت اولیت میں مندرج ہے جس طرح آپ کا ظہور بطون میں اور بطون ظہور میں
مندرج ہے۔ ہماری ہستی کا ثبوت حق تعالیٰ جل شانہ کے قول "کن" سے اور وجود ارشاد فیکون سے ثابت ہے۔ ہماری ہستیاں اللہ تعالیٰ
کے علم قدیم میں اپنی ضمنی استعدادوں کے ساتھ اُس کے ضمنی خزانہ اور فیض اقدس میں حاضر ہیں۔ اور ہمارے خارجی وجود اپنے لوازمات کے
ساتھ عالم دنیا کے میدان میں اندازہ الہی کے مطابق وجود کا لباس پہن کر اُسی کے فیض مقدس سے قائم ہیں پس اُس کے فیض مقدس کا منشأ
ہماری استعدادیں ہیں جو ہم پر ظہور پذیر ہوتی ہیں نہ کہ اُس کی ذات پر۔ اُس کا اولین ظہور استواری علی العرش ہے اور اُس کی شان ثانی وہ ہے
جس کی بشارت اُس کے ارشاد "وَمَا اَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ لَتُعْلَمَنَّ" (ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر عالم کے لیے رحمت) میں موجود ہے۔ اور اُس کی
آخری رحمت کا ظہور اُس وقت ہو گا جب کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کوئی سفارش نہیں کرے گا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی فوری مخلوق میں سب سے اول ہیں اُسی طرح اذن شفاعت میں بھی سب سے اول ہوں گے۔ باعتبار ظہور خارجی آپ قائم البقیں
ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی مثل اور نظیر ناممکن ہے کیونکہ جس طرح اول ثانی نہیں ہو سکتا۔ ثانی بھی اول نہیں ہو سکتا پس جس طرح اللہ تعالیٰ
کا شریک ہونا من حیث الذات ممکن نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی ہونا من حیث الصفات ناممکن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر معلوم
الہی تحت قدرت نہیں جیسے کہ خود ذات و صفات واجب الوجود پس نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ امکان و امتناع کذب کی مداخلت کے بغیر حضور کی نظیر کا
امتناع واضح و لائق سے ثابت ہوا۔ الہی ہمیں حقائق اشیا کا ساتھ دیکھلا دے۔

علم فرا دینے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم دلتے اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔ ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ بے شک اُسے علم دلتے
ڈرتے ہیں۔ علم والوں اور ہر صاحب علم کو دوست رکھنا ہوں گے۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے نیری تم میں سے سب ادنیٰ پر۔

جمع علوم کا احاطہ خارج از قدرت عباد ناممکن ہے۔ لہذا ہم العلوم اور مہتمم بالشان علم یعنی علم دین کی طرف توجہ اولاً ضروریات میں سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس اشرف الانواع، مہجور الوطن حضرت انسان کا اپنے اصل تک رسائی کا یہی ذریعہ ہو سکتا ہے نہ علوم عقلیہ محضہ مثلاً مبداء فیاض حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس غریب مسافر سب سے پس ماندہ و مہجور تر کو وطن اصلی میں پہنچنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ خبردار کہاں تو اور کہاں ہم۔ گنجائستی اور گنجائستی۔ نابود کو کیا مجال ہے کہ بالذات خود کچھ دکھائے یا حق مولیٰ ادا کر سکے۔ وہ خود ناچیز ہے بغیر امداد و توفیق ہماری کے کیا کر سکتا ہے؟ اگر کچھ توفیق خدا داد کے بعد تم سے ہو سکے تو صرف اپنی کارروائی کو اکیلا ہر ایک شخص عابد حضرت سلطان یعنی ہماری جناب میں مت پیش کرنا۔ کیونکہ ناقص اور ردی متاع بالذات خود در علیحدگی اس قابل نہیں ہوتا کہ حضرت سلطان میں پیش کیا جاوے۔ البتہ عیب پوشی کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتاتے ہیں۔ اس معیوب اور ردی رخت اپنی کو عمدہ اور جید متاعوں کے ضمن میں ہمارے پیش کرو۔ یعنی اپنی ردی اور ناقصہ عبادت اور بندگی کو انبسیا، اولیاء اور ملائکہ کی عبادت میں شامل کر کے بصیغہ جمع ایات بعد و ایات کسبتین (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم سب تجھی سے مدد مانگتے ہیں) عرض کرو۔

ہماری شریعت منزلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناس مختلفہ کو ایک عقد میں جمع کیا جائے اور پھر بعض اشیاء کا عیب ظاہر ہو تو اس صورت میں مشتری یا ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے نہ یہ کہ ردی کو واپس کرے اور اچھی کو رکھ لے۔ جب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف ردی اور معیوب کے واپس کرنے کا فیصلہ نہیں دیتی تو سلطان الکمل اور مولی الکمل کی شان خداوندی سے زیبا نہیں کہ ردی عبادت کو واپس کیا جائے بلکہ یہی زیبا ہوگا کہ سب کو منظور کیا جائے۔ حضرات سامعین! یہ ایک تمثیل بطور نمونہ از خروار ذویکے از ہزار صرف اس غرض کے لیے پیش خدمت کر دی گئی ہے کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ بغیر علم دین و تعلیم شارع ایسے راستے کا معلوم کر لینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے یا وطن اصلی تک پہنچا جائے ناممکن ہے۔ بغیر علم کے انسان گویا مردہ ہوتا ہے ولنعم ما قیل

وفي الجہل قبل الموت موت لاہلہ فاجسامہم قبل القبور قبور

وان امرہم حی بالعلم میت و لیس لہ حتی النشور نشور

دینی علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔ قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ جَاهِلًا فَطَلِّمْ لَعَلَّكُمْ تُعْلَمُونَ۔

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دو مجلس مجلس اہل ذکر و مجلس تعلیم و تعلم کے ملاحظہ فرمانے پر ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی اور سلسلہ تعلیم والے گروہ کو ذکرین پر ترجیح دی اور فرمایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا یُنِیْ بِحِیْثِیْ وَ مِنْ مَّصْنَبِیْ مَبْعُوثٌ ہُوَ اَبُوں اور گروہ اہل علم کو شرف شمولیت بخشا اور ان کے پاس

۱۔ جہل میں موت سے پہلے موت ہے اور جہلا کے اجسام قبروں سے قبل قبر میں ہیں اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے اور قیامت کے اٹھنے تک اس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔ ۲۔ ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔ ۳۔ ان مسلمانوں کے ہر فرقہ سے ایک گروہ کیوں جہاد پر نہیں نکلا تاکہ (باقی ماندہ) دین حاصل کرتے اور اپنی قوم کو واپس آنے پر ڈراتے تاکہ وہ احتیاط کریں۔

یونس ابن یسوی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **العلم عارضة والنسب باقية** اور میں
 پروردگار خیر ایتقہ فی الدین۔ **وایضا خیر ایتقہ علی علمک** اور خیر علمک ایتقہ ایتقہ بہترین ایتقہ
 علم میں اور علم سے برگزیدہ اہل فقہ است و فہم ہیں۔ آیت مذکورہ و حدیث ہذا سے ثابت ہوا کہ اہل قرآن و اہل حدیث
 میں سے برگزیدہ اگر وہ اہل فقہ ہوں تو علم کا ہے یعنی بنی کو قرآن و حدیث میں کچھ اور فقہ است بہ بخلاف خیال اہل زمانہ
 موبہ و وہ کہ کہ فقہ کو مقابل اہل قرآن و حدیث ٹھہراتے ہیں۔

بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **العلم فی الدین حق**
 علی کل مسلم الا تعلموا و علموا و تفقہوا و لا تموتوا بجهالاً۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **ما عتد اللہ بشیء افضل**
من لقیہ فی الدین۔ فقیہ و احداً اشد علی الشیطان من العابدین۔ و لکن شای عباداً و عباد لکین
العلم۔ و ایضاً العلماء و رثۃ الانبیاء۔ و ایضاً للانبیاء علی العلماء فضل و رجتین و للعلماء علی الشکر
فضل درجۃ۔

تینا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ **العلم خیر من المال۔ العلم یحرمک و انت تحرم المال**
العلم حاکم علیک و المال محکوم علیہ۔ مات خزائن المال و بقی خزائن العلم۔ اعیانہم مفقودۃ
و اشخاصہم فی القلوب موجودۃ۔

طالب علم دینی کا شان۔ **قوله علیہ السلام ان المملکۃ لتضع اجفوتہا طالب العلم رضی بما لطلب۔**
 طلبہ کو فن کی کتابت سے کافی حجتہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ **قوله علیہ السلام اقیل و العلم بالکتاب ایضاً**
استعمل یدک۔ کتاب کو اشکال حرز و ت کی دستی اور ضبط بالنقطہ محل اشتباہ میں ضروری ہے۔ بروایت حضرت
 ثابت ہے کہ عربی زبان میں پہلے کتاب آدم علیہ السلام اور بعد طوفان اتمعیل علیہ السلام تھے۔

عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ پہلے کتاب تثنیٰ میں سے وہ لوگ تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔
 ابجد ہوز جطی۔ کھن سعنس۔ قرشت۔ یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے۔

اشکال حرز و ت کو معمولی نظر سے نہ دیکھنا چاہیے یہی اشکال الفاظ پر اور الفاظ معانی پر اور معانی پر اظہار باطن پر وال ہے

لے خیر عادت ہے اور شر لجاجت اور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اُسے فقہت فی الدین حاصل ہوتی ہے میری ممت کے خیار علم میں اور علم
 کے خیار فقہ میں۔ **لے فقہت فی الدین ہر مسلمان پر واجب ہے۔** خبر دار علم پڑھو اور پڑھاؤ اور فقہ حاصل کرو اور باطل ہو کر مت مرو۔
 علی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقہت فی الدین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقہ شیطانی پر بزرگ عابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک
 ستون ہے اور وہ بن کا ستون فقہ ہے علماء انبیاء کے ارش ہیں۔ انبیاء کے لیے علماء پروردگار ہے میں اور علماء کے لیے شہداء پر ایک درجہ۔
 ہم علم مال سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے و تو مال کی علم تجھ پر حاکم ہے اور مال محکوم مال کے غزانے مٹ گئے اور علم کے غزانے باقی ہو گئے۔
 وہ ابن عم کے جرم مضروب بن کر ان کے ذلت دلوں میں ڈال دیں۔ **لے لکھنا علم کی دہ میں پھپھکتے ہیں** **لے علم کو کتابت میں فقہ کا اپنے ہاتھ سے لکھو**

اور وہی امر بیطباطنی معانی بعد ازاں الفاظ بعد ازاں شکل و نقوش سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا عالم نقوش و الفاظ و معانی متکثرہ میں اسی کا ظہور ہے جس کی جلوہ گاہ باقی عوالم میں بنظر اعتبار و تدبیر جس عالم کو دیکھا جائے ہو الاول۔ ہو الآخر۔ ہو الظاہر۔ ہو الباطن کا درس ہو رہا ہے۔ عارف نے فرمود ہے۔

نخستیں بادہ کا ندر جہام کردند
مزا جس عکس آں کُلف م کردند
اس پر از جانب فقیر۔

بہ مہر آنکہ غیرش نیست موجود ز خود آفت ز وہم انجم کردند
حضرات طلباء! آپ صاحبان میں سے کسی صاحب کو اگر جذبہ ازلی نے یہاں تک رسائی نصیب فرمائی تو پھر طبعاً خود بخود ہی نیاز مند کے پہلے سوال منجملہ سوالات مندرجہ رسالہ فتوحاتِ محمدیہ متعلق لمیتہ ترتیب حروفِ تہجی الف۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ کا جواب منکشف ہو جائے گا۔ جملہ اہل اسلام پر بدیل قولہ تعالیٰ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ طلباء علم دینی بما يتعلق بہ کی خدمت حسبِ توفیق واجب ہے۔

آخری معروض بحضرت طلباء! آپ صاحبان نے حدیث شریف انما الاعمال بالنیات کو بخوبی سمجھا ہوا ہے اس کی تعمیل نہایت ضروری سمجھیں۔ مبادا کہ خدا نخواستہ فسادِ نیت (جدل مراد) منہی فی الاحادیث کی وجہ سے اس عرۃ قصویٰ و ربوہ علیہ سے گرجاویں۔ والسلام

حضرت کی اس تقریر کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کی امداد کے لیے سابقہ معمول سے بہت زیادہ چندہ جمع ہونے کے علاوہ تجدیدِ سلیم یافتہ لوگ جو نمازیں بدیں خیال سستی کرتے تھے کہ جب ہم کامل نماز نہیں پڑھ سکتے تو ناقص نماز پڑھنے سے کیا فائدہ، باقاعدہ نماز کے پابند ہو گئے۔ علماء سے لے کر عوام تک سب آپ کی تقریر سے محفوظ و متاثر ہوئے۔

شیخ اکبر کی تعلیمات پر ایک اعتراض کا جواب

حضرت کے ملفوظاتِ طیبات میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ قصوص الحکم مصنفہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے سبق کے دوران کتاب کے الفاظ (الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَوْجَدَ الْاَشْیَاءَ وَهُوَ عِیْنُهَا) سب تعریف منزاو ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ایجاد فرمایا اشیاء کو اور وہ عین ہے ان کا کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ لوگوں کو حضرت شیخ کی اس عبارت سے وہم ہوا ہے کہ اس سے خالق و مخلوق کا اتحاد لازم آتا ہے مگر حاشا و کلاً۔ شیخ کی مراد ہرگز یہ نہیں کیونکہ لفظ عین کے دو معانی ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کہا جائے کہ فلاں چیز اپنا عین ہے مثلاً الانسان انسان اور دوسرے یہ کہ کسی چیز کا قیام اور تحقق کسی اور چیز سے ہو کہ اگر وہ نہ ہوتی تو اس کا کوئی وجود نہ ہوتا اور یہاں شیخ نے یہی معنی لیے ہیں کہ اگر واجب الوجود کا تعلق مخلوقات سے قطع تصور کیا جائے تو مخلوق کافی نفسہ کوئی وجود نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مجددی حضرت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب النہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر مراقب ہو کر بیٹھا تھا میں نے دیکھا کہ عالم مثال میں حضرت محبوب النہی قصوص الحکم کا درس دے رہے ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ اوجَدَ الْاَشْیَاءَ وَهُوَ عِیْنُهَا کی عبارت سے بظاہر خالق و مخلوق کا اتحاد مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت موصوف نے ایک لمحہ تامل فرمایا کہ ناگہاں حضرت شیخ اکبر کی رُوح پر فتوح تشریف لائی اور حضرت محبوب النہی صاحب سے فرمایا کہ

تپ کھول یہ جواب نہیں دیتے کہیں نے دھوکا دیا تھا کہ اسے نہ کہ ذہن لطیف یعنی یہ نہیں کہا کہ اسٹیج پر تھیں
کامین ہیں بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اشیا کا مین ہے۔

توحید و جودی کے متعلق انھیں انھیں کے عقیدہ کا بیان

حضرت فرماتے ہیں کہ ظاہر میں حضرات جنہیں ثناء سے لبر ہیں سے نہیں لانا اپنی کم فہمی کی وجہ سے شیخ اکبر کے مسئلہ
توحید و جودی کو عقیدہ منقول سے غائب کرتے ہیں حالانکہ حضرت شیخ نے اپنی تقریروں میں صریحاً اس عقیدہ کا انکار اور رد
فرمایا ہے۔ فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں کہ ظاہر میں گروہ کا عقیدہ وجود اولیٰ ظاہر و پرہیز ہے۔ یہ سبہ کہ حق تعالیٰ کی نسبت
اپنی مخلوق کے ساتھ ایسے ہے جیسے صنایع کی مصنوع کے ساتھ۔ ویکلی یعنی بطن مسلمان بھٹکا اور ہر مسلمان کو یہ
عقیدہ رکھنا واجب ہے مگر خاص انھیں لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیا کا مفعول ان کا ہیں سبہ یعنی اشیا و اسماء کے فعل کے
مخل ہیں اور فعل کی کوئی حقیقت نہیں ماسوائے اس نمونہ کے جو کہ اس مضمون کائنات کی روشنی دراصل آفتاب ہے
و اسم کے فیوضات کا مجلس ہے پس غیر حق کہاں سے ہوا اور کیا ہے کہ ان اللہ و لہو یکی معہ شئی و لکن کے مکان
(مخلوقات کی خلق سے پہلے اللہ ہی تھا اور اُس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اب خلق کے بعد ہی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا)
اور حضرت شیخ سب مسلمانوں کو اس عقیدہ پر مجبور و مکلف نہیں فرماتے بلکہ ان کے خیال کے مطابق یہ عقیدہ نفوس قدسیہ کے
مشاہدات اور تجلیات خاص سے ہے جو ان برگزیدہ ہستیوں کو حکم ذاتی عرفان حاصل ہوتا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہذا عقیدہ یہ
ہے کہ عالم میں حیث المجموع ذات مع الصفات کا خلاصہ ہے۔ اور شیخ یہاں اصح الروایۃ میں کو اور بارگاہ نبوی میں جبرئیل
علیہ السلام کے شکل و حیرت بھی حاضر ہونے کے واقعات کو شاہد لاتے ہیں وہاں قوم کو تو وہ وحی بھی نظر آ رہی تھی مگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ جبرئیل ہی حالانکہ نہ تو وہاں جبرئیل وحی بھی میں منول کیے ہوئے تھے اور نہ یہ بات حق جبرئیل
میں ہو جو وہ تھے اور وحی بھی جی۔ دراصل جبرئیل علیہ السلام اپنی حقیقت علیہ یہ باقی رہتے ہوئے عالم شہادت میں بصورت وحی
بھی متشکل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت مبارک میں وہ اپنی حقیقت علیہ ہی میں نظر آ رہے تھے مگر قوم کی روایت
کی رسائی ان کی صورت متشکل ہی تک تھی اور پھر کمر صحیح ترین روایت روایت محمدی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا فرمان ہی صحیح تھا کہ ذالک جبرئیل (یہ جبرئیل ہیں)

پھر اس مقام پر حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز نے فرمایا کہ مجھے ابتداء حال میں اپنا وجدان اس مسئلہ توحید میں آیت کریمہ فتشکل
لہا بشراً صوریہ کی طرف راہ دکھاتا تھا جس میں فرشتہ آکر حضرت مریم علیہ السلام کو بڑے کی بشارت دیتا ہے حضرت مریم کی
روایت میں وہ بشر تھا مگر وہ خود کہتا ہے انما انا رسول ربک یعنی میں فرشتہ ہوں مطلب یہ ہوا کہ حقیقت ملکی شکل انسان متشکل
ہو کر ظاہر نبوی جب حقیقت ملکی کا یہ حال ہے کہ اُسے اپنے آپ کو ادراک کرانے کے لیے متشکل ہونا پڑتا ہے تو کمال تجلیات حق کو
علوم انسانی کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے تو خود حق سبحانہ تعالیٰ کا اپنا علم جو اتم اور اکمل العلوم ہے وہی انسان کی
راہ نمائی کرتا ہے۔ اور اس علم الہی کے ورود کا مقام انسان کی زبان نہیں کہ قیل و قال سے درست ہو سکے بلکہ وہ جوہر نورانی ہے
جس سے کمال انسانی منتق ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ دیکھنے والا اپنی بنیاد کی استعداد اور اندازہ کے مطابق ادراک کرتا ہے اور
عقائد کے مدارج میں تفاوت بوجہ تفاوت ادراک کے ہے تو پھر وہ اعتراض کہاں رہ جاتا ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ لغو ذالک

حضرت شیخؒ کے اس عقیدہ کے مطابق خدا جبر ہے یا شجر ہے یا پہاڑ یا آسمان۔ دراصل شیخؒ کے اس عقیدہ عینیت کی مدار ان نفوس قدسیہ کی صحیح ترین رویت اور مشاہدہ ہے جنہیں قدرت کی طرف سے یہ شرف اختصاص کیا گیا ہے۔ نہ کہ عوام ظاہرین کی رویت جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ پھر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ کان الشيخ آية من آيات الله (حضرت شیخ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے)

راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت قدس سرہ کا یہ ملفوظ توحید و تجددی کے بیش بہا اسرار و رموز کے بیان میں ہے لیکن اس سے وہی شخص صحیح مستفید ہوگا جسے ارواح طیبہ کی توجہ سے اس مسئلہ کے ساتھ مناسبت ہو ورنہ شیخ ابن تمیمہ جیسے جلیل العلماء ظاہر اس معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے اور توحید و تجددی کو حلول سمجھ کر حضرت شیخ اکبرؒ اور دیگر اکابر مشائخ و تجددیہ کے خلاف اپنی تصانیف میں سخت نامناسب کلمات تحریر کیے۔

ایں جانہ حلول است نہ انکار شریعت
گوئید ز من مدعی علم و ہند را
تا ند بسو کشش نہ شود کشش چہ داند
ایں بے خودی و ذوق دل اہل نظر را فیض

رویت الہی کے بارے میں حضرت شیخ اکبرؒ کے مسلک کی تشریح

حضرت فرماتے ہیں کہ بعض مشاہیر سے منقول ہے کہ حضرت شیخ اکبرؒ اس دنیا میں رویت الہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا ہی اللہ الا اللہ (خدا کو خدا کے سوا کسی نے نہیں دیکھا)۔ اور اگر رویت نہیں ہو سکتی تو پھر درویشوں اور عشاق کی کوششیں اور سوز و طلب و تعب کس واسطے ہے۔ یہ حضرات بھی شاید شیخؒ کے اصل مقصد کو نہیں پہنچے۔ شیخؒ رویت کے منکر نہیں بلکہ فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے ۷

اذا ما تجلی الحبيب باي عين اراه بعينه اري لا بعيني اسراة
یعنی محبوب حقیقی جب تجلی کرے تو اُسے کس آنکھ سے دیکھوں۔ اُس کو اُسی کی آنکھ سے دیکھوں گا نہ اپنی آنکھ سے۔
خواص اس مقام میں شاید مشہود کو آلائش غیرت سے پاک اور بجز حق کے نہیں جانتے۔ وہی ذکر وہی مذکور، وہی شاید وہی مشہود۔ لیس فی الذار غیرۃ۔ (اُس کے سوا گھر میں کوئی نہیں) حدیث قدسی نے اس معنی کو یوں بیان فرمایا ہے
بی یسمع دبی یبصر (مجھ سے دیکھتا اور مجھ سے سُنتا ہے) اس مشاہدہ میں شاید کاسب تن بمنزلہ چشم ہو جاتا ہے
اور بہرہ تن جمال حق کو دیکھتے ہیں۔ ۸

ہمہ دیدہ گشتہ چوں ز گس تنش
(اُس کا سارا تن ز گس کی طرح آنکھ بن جاتا ہے)

اور یہ مقام حضرت شیخؒ کے مستفیضین شیخ ابن الفارض وغیرہ کو بھی حاصل ہے اور حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں بھی اسی چیز کو بیان کیا ہے ۹
بے منزل آمد ز من تا بتو شاید ترا یافت الا بتو

یعنی تیرے اور میرے درمیان بہت فاصلہ ہے اور تجھے تیرے بغیر پانا نہیں نہیں۔
 جسے دیکھنا بھی جاناں ہے تیری نظر سے مراد کہیں تیرا حشر مطلق کہیں میری کم نگرانی

ایک شبہ کا ازالہ

اور یہ جو شیخ سے منقول ہے کہ خاتم الانبیاء تمام ولایت میں خاتم الاولیاء سے اندکرتے ہیں۔ بخاطر یہ کلام منکرین پر
 گواہی گزرتا ہے لیکن اہل معنی پر اندکرتے معنی گواہ نہیں کیونکہ خاتم الاولیاء خاتم الاولیاء میں اس طرح کا سلسلہ اتصال و اشہد بہا
 ہو جاتا ہے کہ یہ اہل ہنر و اصناف و آلات ہو جاتا ہے مثل باقواں، کان آلود و غیرہ کے۔ انہی کو اگر کوئی پیچ کر پانی ہو
 آہا تو استعمال کرتا ہے۔ پھر باقواں سے دریا جاتا ہے۔ دیکھنے کے لیے آٹھ سے خانہ آجاتا ہے اور ٹپٹے کے لیے کان سے
 نماں باقواں سے اصناف کو انسان کے نفس بہتر پر وقت حاصل نہیں ہو جاتی۔ یہاں ہی میری علیہ السلام کو باوجود واسطہ ہونے
 معلوم ہوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت نہیں پس خاتم الاولیاء کو خاتم الاولیاء پر کس طرح فضیلت ہو سکتی ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ سہروردی اور شیخ اکبر

حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت شیخ اکبر علی الدین ابن عربی ہم عصر تھے
 ایک روز بازار میں آئے ماسے گذرتے ہوئے نظریں دوپہا ہوئیں حضرت شیخ الشیوخ سے ان کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا
 رَجُلٌ مَلِیٌّ بِحُكْمَةٍ وَ اَشْرَرُ اَرِیْضُ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اسرار کا غراں ہے حضرت شیخ اکبر نے حضرت
 شیخ الشیوخ کے بارہ میں فرمایا۔ رَجُلٌ مَلِیٌّ اَبْرَارٌ وَ اَشْرَرُ اَرِیْضُ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور شفقت نبوی علیٰ صاحبہما الصلوٰۃ والسلام
 سے ملتا ہے۔

پھر فرمایا حضرت شیخ الشیوخ اپنے مریضوں کو شیخ اکبر کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے جب شیخ کا دس سال ہوا تو
 شیخ الشیوخ نے سنت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ شیخ ابن عربی کی زندگی میں آپ ہیں ان کی طبیعت
 سے منع فرماتے تھے اب اس عزم و اہم کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا کہ شیخ کا کلام نہایت جلد اور عقیق ہوتا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ
 تم لوگ اپنے قصور و غم کے باعث معترض ہو کر بے ادبی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت شیخ اکبر ایک مخالف کے جنازے پر

ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر اپنے ایک مخالف کے جنازے پر تشریف لے گئے۔ یہ شخص آپ پر روزانہ لعنت کیا
 کرتا تھا۔ اُسے ہستلائے عذاب دیکھ کر توقف فرمایا اور اُس کی قبر پر پشتریز باغی اثبات کا ذکر کے اُس کے لیے استغفار کیا۔

حضرت شیخ اکبر کا کشف

ایک اور موقع پر فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر کے کشف کی یہ کیفیت تھی کہ کسی شخص پر تین مرتبہ نظر فرما کر وہ میثاق سے شریک
 اُن کے احوال پر متصل طور پر مطلع ہو جاتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت غوث الاعظم حبیبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی معنوی اولاد تھے۔ ان کے والد کی عرضداشت پر حضور غوث پاکؑ نے فرمایا تھا کہ تمہاری تقدیر میں اولاد نہیں مگر میری صُلب میں ایک فرزند موجود ہے۔ میری پشت سے اپنی پشت ملاؤ۔ چنانچہ پشت ملائے پر یہ فرزند انہیں منتقل کر دیا۔

حضرت شیخ اکبر کا ایک مُرید کو تجلی دائمی ابدی کا عطیہ

حضرت کا ارشاد ہے کہ صوفی دو قسم پر مشتمل ہوتے ہیں ایک متخلق باخلاق اللہ اور دوسرے متحقق باخلاق اللہ حضرت شیخ اکبر قسم ثانی سے تھے کہ احیاء اور اِمات اور تبدل اشکال وغیرہ پر قادر تھے حضرت شیخ کے ایک مستفیض شاگرد شیخ صدر الدین قنوی فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں بعض معارف و حقائق بیان کیے جس پر آپ مخطوطہ مسرور ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب آنجناب کے ہی تصدق اور افاضہ کی بدولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو متحقق بالاسماء کا رتبہ عالیہ عطا فرما رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ پر تجلی دائمی ابدی وارد فرمائی جائے جس سے ایک ساعت بھی مجھ بے ہوں حضرت شیخ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مجھ سے بارہا وصف احیاء و اِمات کا ظہور ہوا ہے اور خلق خدا کو گونا گوں قسم کے فوائد پہنچتے رہے ہیں لیکن یہ نعمت عظمیٰ آج تک مجھ سے کسی کو نہیں ملی۔ اب تمہیں عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت تجلی دائمی ابدی میرے حال پر وارد ہو گئی۔

فصوص الحکم کا ایک سبق

”فصوص الحکم“ کے سبق کے دوران ایک روز فص آدم (فص حکمت الہیہ فی کلمۃ آدمیۃ فاذل ما القاء المالك) کی تشریح میں حقیقت عالم پر اس طرح تقریر فرمائی کہ فص لغت میں نگین کو کہتے ہیں اور یہاں خلاصہ اور لب لباب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ حکمت سے مراد ہے حقائق اشیاء کا علم واقعی جس میں تغیر و تبدل کو راہ نہیں مثلاً حقیقت انسان حیوان ناطق ہے۔ پس زمانہ ماضی۔ حال اور استقبال میں اس کے لیے یہی حقیقت قائم رہتی ہے۔ لفظ الہیۃ اللہ کی طرف منسوب ہے جو ذات کے مراتب ثلاثہ میں مرتبہ ثانیہ کا نام ہے۔

پہلا مرتبہ ہے ذات بحت جسے ہویت صرفہ بھی کہتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ ہے ذات بحیثیت اسماء و صفات اجمالاً جسے احدیت الجمع بھی کہتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ ہے ذات بحیثیت اسماء و صفات تفصیلاً جسے واحدیت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اعیان ثابتہ

فی کلمۃ کلمات اس قوم کی اصطلاح میں موجودات کے معنی میں آتا ہے۔ اور چونکہ کلمات مرکب ہوتے ہیں حروف اور مبادی سے لہذا یہ حضرات اعیان ثابتہ اور حروف علیہ کو حروف اصلیہ کہتے ہیں۔ ارادۃ الہی بمنزلہ قلم ہے جس سے اولاً موجودات کی صورتیں شکل حروف اصلیہ (یعنی اعیان ثابتہ) صادر ہوئیں۔ پھر وہی حروف اصلیہ خلعت وجود خارجی سے تعلق اور ترکیب پا کر کلمات بنے۔

فیض اقدس

اعیان ثابۃ فیض اقدس کے اثر کا نتیجہ ہیں جو صفات جبریہ سے ہے اور عبارت ہے تجلی ذاتی سے جو اسٹیائیکے وجود اور استعداد کے لیے ظاہر ہوئی۔ فیض اقدس غیر مجہول ہے مابیات اور ان کی استعداد کی طرح، کیونکہ ذات اور ذاتیات کے مابین جعل کو دخل نہیں۔

اعیان ثابۃ عبارت ہیں اُن خصوصی علوم الہیہ سے جو کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق علم ازل میں ممکن ہیں۔

فیض مقدس

فیض اقدس کے علاوہ ایک فیض ہے فیض مقدس جو صفات اختیاریہ سے ہے اور عبارت ہے تجلی اسمائی سے جو خارج میں مقتضائے استعداد کے ظہور کا موجب ہے اور مجہول ہے اور یہ استعداد حاصل نہیں ہو سکتی مگر قبول رُوح الہی سے اور یہی چیز ہے فیض مقدس۔ اصطلاح صوفیہ میں خارج سے مراد ہے وجود ذات من حیث الظہور فی الثغینات پس خلقکم کے معنی ہوں گے تَعِیْنِ بِتَعِیْنَاتِکُمْ۔

آدم کے وجود میں علوم الہیہ کا ظہور

آدمیۃ آدم کی طرف منسوب ہے اور اس میں کل کی اضافت جز کی طرف ہے اور عام کی خاص کی طرف کہ وجود آدم جز ہے کل موجودات کا اور خاص ہے باقی مخلوقات کی نسبت۔ حاصل کلام پہلی چیز جو مالک یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر اس کتاب مثالی سے العافرمانی وہ ہے خلاصہ علوم الہیہ جو آدم کے وجود میں ثابت ہیں۔ اور آدم علیہ السلام کے وجود میں ان علوم کی ودیعت کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسب استعداد و قابلیت چند علوم ودیعت فرمائے اور چونکہ آدم کی استعداد ان علوم الہیہ کے قابل تھی بوجہ منظر اتم اور جمیع اسماء و صفات کا آئینہ اور خلیفۃ اللہ ہونے کے، اس لیے ان جمیع علوم کی ودیعت اُن کے وجود میں فرمائی گئی۔

انسانی وجود میں عالم علوی و فلی کے حقائق و نظائر

۱۔ عالم علوی اور فلی کے مجملہ حقائق اور نظائر آدم کے وجود میں موجود ہیں۔ عالم اعلیٰ جس میں ہرگز تغیر و تبدل نہیں ہوتا مثلاً قلم کہ حکماء اُسے عقل اول سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ اکبر کی اصطلاح میں عبارت ہے حقیقت محمدیہ سے۔ اُس کی نظیر انسان کے وجود میں رُوح قدس ہے۔ عرش عظیم کی نظیر جسم انسان، کرسی کی نظیر نفس انسان بیت المعمور کی نظیر قلب انسان۔ یہ تینوں اگرچہ متحد بالذات ہیں مگر مغائر بالاعتبار۔ ملائکہ جنہیں حکماء محمول عشرہ سے تعبیر کرتے ہیں اُن کی نظیر جسم انسان میں قوائے انسانیہ ہیں۔ اسی طرح رُعل اور اُس کا فلک اُس کی نظیر ہے نفس میں قوت علمیہ۔ مشرعی اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے قوتہ ذاکرہ (فی مؤخرۃ الدماغ)، مرتبج اور اُس کا فلک۔ قوت عاقلہ جو دماغ کے حجرہ یا فوخ میں ممکن ہے۔ اس موقع پر حضرت نے فرمایا کہ بعض حضرات کو جب معراج رُوحی ہوتا ہے تو یہی قوت

عقل اپنے مقام سے خارج ہوتی ہے اور اُس کے لیے براق شمالی لایا جاتا ہے اور وہ اُس پر سوار ہو کر عالم ملکوت کی سیر کرتا ہے میں نے ایسے اشخاص کو دیکھا ہے کہ یہ خیال اُن کے اندر وارد تھا مگر بوجہ بے علمی اس کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

شمس اور اُس کا فلک اُس کی نظیر قوتِ منکرہ وسط دماغ کے اندر۔ زہرہ اور اُس کا فلک۔ قوتِ ہمیه روح حیوانی میں۔ عطارد اور اُس کا فلک اس کی نظیر قوتِ خیالیہ مقدم الدماغ میں۔ مریخ اور اُس کا فلک جس کی نظیر ہے انسانی جوارح میں قوتِ حسیہ۔

۲۔ اب عالمِ اعلیٰ کے بعد عالمِ استحالہ کو بھیجے جس میں تغیر و تبدل کو راہ ہے۔ کمرہٴ نار جس کی روح ہے حرارت و یبوست۔ وجودِ انسانی میں اس کی نظیر صفر ہے جس کی روح قوتِ ہاضمہ ہے۔ کمرہٴ ہوا جس کی روح ہے حرارت و رطوبت۔ اس کی نظیر ہے دم جس کی روح قوتِ جذبہ ہے۔ کمرہٴ مار جس کی روح ہے برودت و رطوبت۔ اس کی نظیر ہے بلغم اور روح قوتِ دفعہ۔ کمرہٴ خاک جس کی روح ہے برودت و یبوست۔ اس کی نظیر سودا اور روح قوتِ ماسکہ۔

۳۔ عالمِ تعمیر (روحانی) اس کی نظیر قوائے انسانیہ (حیوانی) اس کی نظیر احساساتِ انسانیہ۔ (نباتی) اُس کی نظیر وجودِ انسانی میں نمو۔ (جماد) انسانی وجود کے وہ حصے جن میں جس کو دخل نہیں۔ سبع طبقات الارض (طبقات زمین) سودا۔ غنبر۔ حمراء۔ صفراء۔ بیضا۔ زرقا۔ خضرا۔ انسان میں ان کے نظائر ہیں۔ جلد۔ شحم۔ لحم۔ عروق۔ عصب۔ عضلات۔ عظام۔

۴۔ عالمِ نسب۔ یہ عبارت ہے مقولاتِ تسعہ سے۔ عرض اُس کی نظیر اسود و ابض (کالا گورا)۔ کیف اُس کی نظیر احوالِ صحت و سقم ہے۔ کم۔ مثلاً پنڈلی بازو سے لمبی اور موٹی ہے۔ این۔ مثلاً گردن سر کو اٹھائے ہوئے ہے اور پنڈلی ران کو۔ زمان۔ مثلاً حرکتِ راس بوقتِ تحریکِ دست۔ اضافہ اس کی نظیر ہے کہ فلاں میرا باپ ہے اور میں اُس کا بیٹا ہوں۔ وضع بالائے زید تحت اُو یعنی جسم کا کچھ حصہ بالائی ہے کچھ زیریں فعل مثلاً کھانا۔ انفعال مثلاً کھا کر سیر ہو جانا۔

عجائب نسوۃ ذاتِ الہی عیاں در قسے ہمد اسرارِ شاہی

جہاں انسانِ انساں شد جہانے ازیں پاکیزہ تر بنو دیانے

سبق کے بعد فرمایا کہ حضرت سلطان العارفين بايزيد بسطامي رحمۃ اللہ علیہ ایک کوچہ میں گذر رہے تھے۔ ناگہاں ایک گناہ سامنے سے آتا ہوا دیکھائی دیا۔ آپ اُس کے لیے راستہ چھوڑ کر نہایت ادب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ بعض خواص نے جو ہمراہ جا رہے تھے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضرت! انسان کے سر پر دَلَقْدُ کے رُفْنَا بَنِي آدَمَ کا تاج کرامت رکھا گیا ہے پس ایک کتے کی اس قدر تعظیم و تکریم کا باعث کیا تھا؟ فرمایا۔ یہ کتا زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اے بايزيد۔ تم نے روزِ ميثاق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا نیکی کی تھی کہ تمہیں اس لباس اور تعین میں پیدا فرمایا اور میں نے کیا بدی کی تھی کہ اس تقید اور شکل میں مخلوق ہوا؟ گویا کتا زبانِ حال سے کہہ گیا تھا۔

عذیب یک گستاخیم از مارِ مخمات

گرچہ الطافش ترا گل کرد مارا خار ساخت

پھر فرمایا جب حضرت بايزيد بسطامي مقامِ وصل میں سرفراز ہوئے تو حکم ہوا کہ اب مخلوق کی ہدایت اور ارشاد کی طرف متوجہ ہوں۔

آپ کو اس سخن سے بوجے فراق آئی اور توجہ الی الخلق کو توجہ الی الحق کے منافی تصور کر کے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ رُدُّوا لَیَّ عَبْدِی فَإِنَّهُ لَا یُطِیْعُ عَلٰی فِرَاقِی (میرے بندے کو میری طرف واپس لوٹاؤ کہ وہ مجھے سے فراق کی طاقت نہیں رکھتا)

فصوص الحکم کا ایک اور سبق

ایک روز فصوص الحکم کے سبق میں مراتب وحدت و احدیت اور حضرات اسماء کے فرق اور امتیازات کے ذکر میں فرمایا کہ عالم تمام اسمائے الہی کی تجلی کا ظہور ہے۔ ہر عین ثابت کے لیے ایک اسم ہے جو اُس عین ثابت کا رب ہے پس وہ رب اس عین ثابت کو حکم مَاصِنِ ذَا آتِہِ الْاَھُوْا اِخْدُ بِمَنَاصِیْتِہَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صَوَاطِیْمِہَا یَقِیْمُ (کوئی چلنے پھرنے والی مخلوق نہیں مگر رب تعالیٰ پکڑنے والا ہے اُس کو اُس کی پیشانی سے بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے یعنی جو سیدھی راہ چلے اُس سے ملے) اپنی گرفت میں لے کر اپنے راستہ پر جا رہا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ واقعات کو تیرے خارج میں ظاہر ہوں کبھی حضرات اسماء میں باہمی تنازع واقع ہوتا ہے اور جو اسم غالب آئے خارج میں اُسی کا ظہور ہوتا ہے۔

ایک صاحب کشف فقیر جو بوجہ لغزش علمی گمراہ ہو گیا

یہاں گولڑہ میں ایک سفید ریش شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا وہ ایسے مقام پر تھا کہ حضرت اسماء کا مشاہدہ کر کے واقعات کو تیرے سے مطلع ہو جاتا تھا مگر بوجہ لغزش دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا تھا اور کہتا تھا جو کچھ ہے یہی عالم ہے۔ نہ اس سے پہلے کچھ تھا نہ پیچھے کچھ ہو گا۔ میں اُس سے کہتا تھا کہ خُدا تجھے ہدایت دے اور اس مقام سے خارج کرے تیری نظر ارادۃ الہی اور فَعَالِی لِمَایَرِیدُ پر نہیں۔ وہ ایک روز میرے پاس آکر کہنے لگا۔ میں دیکھ کے ہوندا اے (یعنی اب دیکھ کیا ہوتا ہے) تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ قوم کلال کے درمیان سخت لڑائی اور جنگ و جدل واقع ہوئی۔ چونکہ حضرت اسماء کے درمیان تنازع مشاہدہ کیا تھا اس لیے قبل از وقت آگاہ ہو کر اطلاع دی۔ میں نے کہا تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوا تم اور وہ شخص جو اس چیز پر قبل از وقوع مطلع نہیں ہوا برابر ہو۔

عبادت سے ملائکہ کی تولید

ایک روز میں باہر سے آ رہا تھا مجھے راستہ میں جاتا ہوا بلا جب قریب آیا تو آہستہ سے کہنے لگا۔ آج تھوڑے نظر آئے ہیں (یعنی آج تھوڑے نظر آ رہے ہیں) یہ ملائکہ کی طرف اشارہ تھا۔ میں نے اُس روز اسمائے جلالیہ کا ورد کیا تھا جن سے ملائکہ کا تولد اجمالی ہوتا ہے لہذا اُسے پہلے کی نسبت تھوڑے نظر آ رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ آج تمہاری عبادت سے ملائکہ کم پیدا ہوئے ہیں۔

ترک اشغال بمعنی عدم تخت نشینی

پھر فرمایا یہاں ایک اور مجذوب رہتا تھا جو افیون پانی میں گھول کر پیاتا تھا اور درجہ میں متذکرہ بالا سفید ریش سے اونچا

تھا وہ ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا آج تخت توں اہلہ کے تھے بیٹھے ہو یعنی آج تخت سے اتر کر نیچے بیٹھے ہو اس روز میں اپنے اشغال ترک کر کے بعض آدمیوں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک اور درویش یہاں رہتا تھا اور سنگر کے برتن صاف کیا کرتا تھا۔ وہ ان دونوں کی نسبت بلند پرواز تھا۔ ایسے لوگوں کی طرف کسی شخص کی توجہ نہیں ہوتی اور حقیقت میں وہ بڑے روحانی مرتبوں کے مالک ہوتے ہیں۔

خاکسارانِ جہاں را بختارت مہنگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

مولویت کے لیے چار کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے

پھر اپنے ایک درویش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علم حقیقت میں اسے کہتے ہیں نہ وہ جو تم پڑھتے ہو۔ اور یہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک چار کتابیں نہ پڑھی جائیں پہلی کتاب ہے خود حضرت انسان۔ دوئم عالم یعنی تمام عالم کو اپنے وجود میں مشاہدہ کرنا۔ سوئم حضرت اسماعیلی ہر اسم کا ارتباط ایمان ثابتہ کے ساتھ اور چہارم ذات بخت۔ اگر یہ چار کتابیں پڑھ لے تو انسان مولوی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ورنہ نہیں ہے۔

مولوی گشتی و آگاہ نیستی	خود کجا د از کجاستی
اے عالم دانا کہ بدیں علم ضروری	نزدیک مطلوب نیستی بلکہ تو دوری
تاخانہ دل را نہ کنی مخزن توحید	حق را نہ شناسی تو بدیں کنز و قدوری

ایک مجذوب جو اپنے تئیں تلاش کرتا تھا اور نہیں پاتا تھا

ایک روز فرمایا کہ خوشاب میں ایک فقیر شادانامی دیکھا گیا جس پر ایسی حالت تھی کہ از خود رفتہ ہو چکا تھا۔ اپنے آپ کو تلاش کرتا تھا مگر نہیں پاتا تھا۔ چنانچہ اپنے تئیں آواز دے کر پکارتا تھا کہ "اوشادا۔ اوشادیا۔" پھر کچھ دیر بعد خود ہی جواب دیتا تھا کہ "شادا نہیں۔ شادا نہیں۔"

سخنِ رُفِیلتِ اہلیتِ کرام

ایک روز اہلیتِ کرام کی شان میں سخن جاری ہوا تو فرمایا حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی روایت کی ہے کہ مَنْ اَمَّنْ بِمُحَمَّدٍ ذَكَرَ يُؤْمِنُ بِالْآلِ فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ (جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا مگر آپ کی آل کو نہ مانا وہ مومن نہیں) اور شیخ عطار وہ بزرگ ہیں جن کی شان میں مولانا نے رُوم کا ارشاد ہے کہ ہے
ہفت شہر عشق را طاعت رگشت ماہنوذا اندر خم یک کوچہ ایم

حسین کے انبائے رسول اللہؐ نے کا قرآنی ثبوت

فرمایا نبی امیہ میں سے کسی نے ایک روز تعریفاً حضرت امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کو ابنِ رسول اللہ کیوں

ہوتے ہیں۔ صاحب اقلیم اول بر قدم خلیل علیہ السلام۔ دوم بر قدم کلیم علیہ السلام سوم بر قدم ہارون علیہ السلام چہارم بر قدم ادریس علیہ السلام پنجم بر قدم یوسف علیہ السلام ششم بر قدم عیسیٰ علیہ السلام اور ہفتم بر قدم آدم علیہ السلام۔ اور شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ کبھی نقبار کو ابدال بنایا جاتا ہے اور وہ تعداد میں بارہ ہیں نہ کم ہوتے ہیں نہ زیادہ اور ان کی خاصیت بروج افلاک میں کوکب کے خواص اور اسرار اور تاثیرات کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ انسانی افکار اور احوال کو متاثر کرتے ہیں شیطان ان کے سامنے مکشوف ہوتا ہے اور وہ اُس کے حالات سے اس قدر باخبر ہوتے ہیں کہ شیطان کو خود اپنے نفس میں اُس کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ سعید اور شقی کے نقش قدم کو شناخت کرتے ہیں اور کبھی رجبیوں ابدال کہلاتے ہیں اور ان کی تعداد چالیس ہے۔ اور یہ سارا سال سفر میں رہتے ہیں مگر رجب کے مہینے میں قیام اختیار کرتے ہیں۔ جب رجب آتا ہے تو ان پر ثقل عظیم وارد ہوتا ہے جس میں پہلے روز وہ ایک انگلی تک نہیں ہلا سکتے۔ دوسرے روز ثقل کم ہونے لگتا ہے اور تیسرے روز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس ماہ میں ان پر خاص کشف وارد ہوتا ہے جو بعض اوقات سال بھر باقی رہتا ہے۔

حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ایک صاحب سے ملاقی ہوا، جن کا کشف سال بھر باقی رہا تھا۔

دیوان حافظ کے دواشعار کی تشریح

حضرت نے دیوان خواجہ حافظ کے دواشعار کی تشریح سبق کے دوران ایک مرتبہ اس طرح فرمائی :-

۱۔ شبے تاریک و بیم موج و گردِ ابے چُنیں حائل

کجا دانستِ حالِ ما سبک سارا ان ساحلِ ہا

یعنی ہمارا حال مشابہ تجلیاتِ لطیف و قہر و درد اور حالاتِ رجا و خوف میں اُس شخص کی طرح ہے جو ایک تاریک رات کے اندر بحرِ محیط کے گردِ اب بلا میں گہرا ہوا پس اُس کی حالت کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو ساحل پر کھڑے ہوں اسی طرح سبکسارانِ ساحل یعنی مجذوبانِ محض اور زاہدانِ غیر مجذوب ہمارے حال سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس سخن کی تفصیل یہ ہے کہ

درویشوں کی چار قسمیں (مجذوب محض، زاہد خشک، مجذوب سبک اور سالک مجنوب)

درویش چار قسموں کے ہوتے ہیں۔ اول مجذوبانِ محض جو جاذبِ غیب کی کشش سے مغلوبِ حال ہو کر اوامر و نواہی سے بے خبر ہو گئے۔ جیسے کوئی شخص بادشاہ پر عاشق ہو کر اُس کے جمال کی دید میں مستغرق ہو جائے اور بارگاہِ سلطانی کے آداب کی بجا آوری کا کچھ خیال اُس کے دل میں باقی نہ رہے۔ یہ منزلِ مسلکِ انبیائے کرام کے عدم توارث کے باعث ناقص ہے۔ دوم زاہد خشک یا جذبِ اثرِ عشق جو محض زہد اور عبادت میں مصروف رہے اُس شخص کی مانند ہے جو صفتِ آدابِ شاہانہ کی پاسداری میں مشغول ہے اور جس نے وسیلے کو مقصود سمجھ رکھا ہے اور جو بادشاہ کے جمالِ جہاں آرا سے بے حظ اور بے بہرہ رہتا ہے۔ تیسرے سوم مجذوب سبک جس کا جذبِ سلوک پر مقدم ہو اور تیسرے چہارم سالک مجذوب جس کا سلوک جذب پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ دونوں اقسامِ انبیائے کرام کے وارث ہیں اور یہ درجاتِ مشائخِ عظام کو نصیب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں کا حصول

قطع نظر دیگر اسباب کے سلسل میں فقر پر منحصر ہوتا ہے۔ خاندان اقبندہ میں جذب سلوک پر مقدم ہوتا ہے۔ انہیں اول قلب شدہ کی توجہ سے جذب حاصل ہوتا ہے اور اسی کی کشش سے منازل سلوک طے کرتے ہیں لیکن اس جذب کو زوال کا خطرہ لاحق رہتا ہے کیونکہ اس کا حصول قلب مرشد کی توجہ پر منحصر ہے جس وقت یہ توجہ علیحدہ ہو جائے معنی مفقود ہو جاتا ہے۔ خاندان چشتیہ اور قادریہ میں جذب آخر میں آتا ہے اور اسے اپنی مشقت اور کسب سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ پس یہ جذب بطور ملکہ مزاج میں راسخ ہو کر خطرہ زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۲۔ حضور می گرہے خواہی ازوغائب مشو حافظ

مشی ماتلق من تھوی درع الدنیا وامہلہا

اُسے حافظ اگر حضور می دوام چاہتا ہے تو خود اُس سے غائب نہ ہو اور کسب اور مشقت سے دل کو دوست کے ذکر میں مشغول رکھ۔ اور دنیا کو چھوڑ دے۔

انواع ذکر (دل غافل اور زبان شاغل غفلت اور شغل مساوی غفلت کم اور شغل زیادہ)

ذکر اور یاد چپند نوع پر مشتمل ہے۔

اول دل غافل اور زبان شاغل۔ یہ ذکر لسان ہے اور اہل دل کے نزدیک اس کی کچھ قدر نہیں۔ کیونکہ زبان محض آلہ تعبیر ہے اور مدارِ کار معانی کے وژد پر منحصر ہے اور وہ ہے قلب۔

دوئم کہ غفلت اور شغل مساوی ہوں یعنی کسی وقت دل ذکر ہو کسی وقت نہ ہو۔ اسے ذکر قلبی کہتے ہیں اور قلب کو اسی وجہ سے قلب کہتے ہیں کہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ متقلوبیت اور تبدیلی احوال میں ہوا کے اندر درخت کے پتے کی طرح ہے۔

یہاں قلب سے مراد دل معنوی ہے جو حقیقت جامعہ اور نفس ماطقہ کا حکم رکھتا ہے نہ کہ دل منوبری جو ایک مضاعف گوشت ہے اور حضور دل معنوی کے بغیر صحیح ہے اور اس پر اکتفا اور انحصار فضول۔

سوم یہ غفلت کی نسبت دل کا ذکر اور توجہ زیادہ ہو اس کو ذکر رُوح کہتے ہیں اور یہی ذکر بتدوین ذکر سر و غفی اور ذکر اخفی نامک پہنچتا ہے۔

اس شعر کے مبصرہ اول میں بظاہر خلل ہے جس کا ذکر شارحین نے بھی نہیں کیا حضور می اور ازوغائب نہ بودن۔ ایک ہی چیز ہیں یعنی اگر تو حضور می کا خواہش مند ہے تو حضور می کر۔ یہاں شرط اور جزا کے معنی میں جو تغائر ضروری ہے وہ نہیں رہتا۔ اس فعل کا دفع ان معنی میں ہو سکتا ہے کہ حضور می سے مراد ہے حضور دوام کا ملکہ۔ اور ملکہ اُس وقت راسخ ہو سکتا ہے جس کو کسب اور مشقت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ایک طالب علم نحو کے مسائل جزئیہ کو نوک زبان یاد کرتا ہے اور انہیں ورد بنا لیتا ہے اور رفتہ رفتہ اس شغل میں اُسے ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور ہر وقت ان قواعد کا اجرا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح جو حضور ریاضات سے پیدا ہوتا ہے دوامی ہوتا ہے۔

صحائب کرام کا حضور دوام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حصول صحبت نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور قلب کے عکس سے منور

ہونے کے باعث حضور دوام کی نعمت حاصل تھی۔ اُس زمانِ سعادت اِقتران کے ختم ہونے پر اس معنی کے حصول کے لیے جیسے
اور طریقے استخراج کیے گئے۔ اور ولی اگرچہ وارث نبی ہے اور اُسی شمع سے نور حاصل کرتا ہے مگر یہاں ظلیت کا تنزل عامل
ہے اور ظاہر ہے کہ عین اور ظل میں بڑا تفاوت ہے۔

مصرعہ ثانی میں مثنیٰ مَاتَلَقَ سے مراد ہے مثنیٰ تَرَدُّدُ لِقَائِهِ (جب تُو اِرادہ کرتا ہے اُس کی بقا کے لیے) گویا ترک دنیا
بمنزلہ شرط ہے اِلقائے محبوب کے لیے، اور ایسا کرنا لقا سے قبل اتنا ہی ضروری ہے جیسا نماز کے لیے وضو۔

تصویرِ شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ

تصویرِ شیخ اور رابطہ فی الصلوٰۃ کے متعلق ایک قلمی استفسار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

مکرمی حفظک اللہ۔ دُعا و سلام

اس قصہ کا طے ہونا بحوالہ کتب ناممکن ہے۔ لسانِ شرع حسب ظاہر تصریح تصور سے ساکت ہے اور عند التَّحْقِيقِ
اس پر کوئی قیاحت شرعیہ لازم نہیں خصوصاً تصور برقعہ پر یعنی بعدِ خلع تعین خود صورتِ شیخ کو برقعہ کی طرح اپنے پرے لینا کہ
اس صورت میں متعین و مقصود تعین صورتِ شیخ عابد ہو گا نہ معبود۔ چنانچہ تعالٰی میں بھی حسب کُذُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ معیت اور
مصاحبت ہی ہے نہ معبودیت۔ زیادہ دُعا و استدعا۔

مسائلِ معجزات و کرامات

مسائلِ معجزات و کرامات کی بحث میں فرماتے ہیں کہ ان مسائل کو عقلِ فلسفی کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔

اس جہان میں احکامِ الہی دو وجہ پر جاری ہوتے ہیں۔ ایک موافقِ عادت جو کثرت سے ہوتے ہیں اور دوسرے
خلافِ عادت جو کم ہوتے ہیں اہل اللہ کے تصرفات کی حقیقت کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے
تو انکار کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ اسمائے حُسنی یعنی ننانوے اسمائے الہی سالک کی صفت بن جاتے ہیں پس اِطْلُوْ
ظِلِّیْتَ صفاتِ رِزَاقِیَّت، رَحْمَٰنِیَّت اور قہارِیَّت وغیرہ پر متصرف ہوتا ہے۔ ان حضرات پر عالمِ اسباب کے اسباب کا
بدل دینا کچھ مشکل نہیں ہوتا پس سالک پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اُس کی نظر سمومِ دوزخ کو حرام کر دینے کا باعث ہو جاتی ہے
اس کی مؤید وہ حدیثِ قدسی ہے جس میں ارشادِ باری ہوتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے اتنا قُرب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اُس کی
سمع اور بصر ہوتا ہوں۔ بلکہ میں اُس کا داہنا ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے گرفت کرتا ہے۔

باہمی اخلاص اور آشنا پرستی

فرمایا باہمِ اخلاص اور محبت و اُلفت کا ہونا اہلِ اسلام کی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ بلکہ دوستی اور شفقت کے سلسلہ کا
قیام سب سے پہلے اسلام میں پیدا ہوا ہے۔ ہمارے نبی حضور سیدِ الکونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آشنا پرستی
کا وصف دیگر انبیاء علیہم السلام سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ اپنی اُمت کے افراد کے لیے دُنیا میں کثرتِ استغفار اور آخرت میں اُن
کی شفاعت حضور کی اسی کمالِ شفقت و عنایت کی وجہ سے ہیں۔ جب پُلِ صراط پر انبیاء علیہم السلام رُت سَلَمِ رُت سَلَمِ

کیس گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحابیؓ و اُمتیؓ فرمائیں گے۔ افسوس کہ اس زمانہ میں بوجہ غربت اسلام یہ صفت مسلمانوں میں مفقود ہو گئی ہے۔

جلال کعبۃ اللہ

فرمایا: سبحان اللہ۔ کعبۃ اللہ کی کیا عظیم شان ہے کہ وہاں پہنچ کر خواص اولیاء اللہ بھی ایک عام انسان کی طرح غلط آتے ہیں جس وقت اولیاء اللہ مکہ معظمہ کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو کعبہ شریف کے جلال اور انوار کے استیلا کے باعث اُن کے انوار اس طرح ہضم پڑ جاتے ہیں کہ ولی اور غیر ولی کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ وہاں ہزار ہا اولیاء اللہ کی قبور ہیں مگر کوئی نہیں جانتا کہ کون ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور یہ چیز باعث کمال استیلائے اجلال کعبہ ہے۔

پیرانِ کلیر پر جلال کی کیفیت

پیرانِ کلیر شریف کے عرس سے واپسی پر فرمایا کہ حضرت خواجہ علاء الحق والدین صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جلال کی وہ کیفیت ہے کہ عقل اور حواس تھیں آجاتے ہیں۔ ایسا جلال اور کہیں نظر نہیں آیا۔ بجز مدینہ شریف کے مگر وہاں جلال اور جمال دونوں وارد ہوتے ہیں اور یہاں جلال غالب ہے کسی شخص کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ ہر شخص کو یہ وزاری اور آہ و نالہ میں مبتلا نظر آتا ہے۔ بلکہ عوام پر بھی سوز و گداز کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور یہ سب حضرت خواجہؒ کے جذبہ عشق کا اثر ہے۔

ایک رویش کی سرکار بغداد کے ارشاد پر بیعت

غالباً ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے ایک سفید ریش بزرگ آئے اور بیعت کے لیے عرض کیا۔ اُس وقت آپ عصر کی نماز کے بعد حسب معمول سواری کے لیے باہر تشریف لے آئے تھے اور گھوڑا تیار تھا۔ فرمایا: آپ بزرگ آدمی ہیں کسی باخداستی سے تعلق پیدا کیجئے میں تو ایک چابک سوار آدمی ہوں۔ انہوں نے کہا: میں سیدھا بغداد شریف سے آیا ہوں اور سرکار بغداد کے حکم کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یہ جگہ دکھائی گئی آپ کا نام بتایا گیا۔ آپ کی صورت دکھائی گئی۔ اب اگر جناب کی مرضی نہیں تو واپس جا کر عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت نے یہ سن کر بیعت فرمایا اور وظائف بتائے اور فرمایا: خدا جانے میرے ساتھ بیعت کرنے سے آپ کو فائدہ ہو گا یا نہیں مگر مجھے آپ سے فائدہ حاصل ہو گیا ہے۔ الحمد للہ سرکار بیعت خدا میں یہاں کی یاد تو ہے۔“

اُپ سے ایک کسان مُرید کی گفتگو

شاہ پور کا ایک کسان مُرید حاضر ہوا۔ اُپ نے دریافت فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا پچھلے سال اُپ کا مُرید ہو گیا تھا اگر آپ یہاں نہیں پہچانیں گے تو لگے جہان میں کیسے پہچانیں گے؟ مسکرا کر اُسی کی زبان میں فرمایا: جے توں مینوں پچھان لیا تاں میں وی مینوں پچھان لیاں، یعنی اگر تم نے مجھے پہچان لیا تو میں بھی تمہیں پہچان لوں گا، پھر اہل مجلس کی طرف دیکھ کر آیت

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ اور حدیث الْمَرْءُ مَعَ مَنْ احَبَ تلاوت فرمائی (ترجمہ آیت تم مجھے یاد کرو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا)
(ترجمہ حدیث انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)

سُورَةُ يسين کے وظیفہ کی ترکیب

پشاور میں ایک نابینا حافظ صاحب نے حاضر ہو کر تسخیر کے لیے کوئی عمل طلب کیا۔ فرمایا کہ تسخیر تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "هُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ فَا فِي السَّمٰوٰتِ وَفَا فِي الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے تسخیر فرما دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) پھر فرمایا کیا بولستان پڑھی ہے؟ اور یہ شعر پڑھا ہے

تو ہم گردن از حکم داور پیچ

کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو پیچ

(تو خدا کے احکام سے گردن نہ موڑ تا کہ تیرے حکم سے کوئی چیز گردن نہ موٹے)

پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے کوئی وظیفہ مانگتے ہو تو نماز فجر کے بعد سُورَةُ يسين شریف پڑھا کرو۔ اس طرح کہ کلمہ يسين پانچ مرتبہ پڑھنا۔ سَلَامٌ قَوْلًا لِّمَنْ رَبِّ الرَّحِيْمِ سولہ مرتبہ اور آخری آیت فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ يَبْدِئُ مَلٰكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (الی آخرہ) تین مرتبہ پڑھا کرنا۔

ایک پیر زادہ کو نصیحت

پیرانِ عظام کے خاندان میں سے ایک بزرگ زادہ کو بیعت اور تلقین وظائف سے مشرف فرما کر اس طرح ہدایت فرمائی جب تک اپنے سر سے بزرگی کی بو نہیں نکالو گے بارگاہ بزرگ حقیقی میں کبھی باریابی حاصل نہیں کر سکو گے۔ انسان کے شرف کا اعتبار حسب میں ہے نہ محض نسب میں۔ درویش کبھی اپنی ذات میں نظر نہیں کرتے بلکہ ہر کہ وہ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں جلد و شرعیہ کی پاسداری کو نگاہ رکھنا۔ نماز پچکا نہ اور وظائف قضا نہ کرنا۔ بہتیرے لوگ محض اس لیے خالی اور خشک رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنی خودی اور فخر پر نظر رکھتے ہیں۔

در شاہراہ جاہ و بزرگی خطہ بسے است

آں بہ کزیں گریوہ سُبک سار بگذری

سُورَةُ يسين و مُرْتَل اور چہل کاف کے وظائف کی ترتیب

ایک طالب کو حسب ذیل ترتیب سے سُورَةُ يسين شریف اور چہل کاف کے ورد کی اجازت عطا فرمائی تھی۔
سُورَةُ يسين شریف سات بار یومیہ مہین اول سات بار۔ سَلَامٌ قَوْلًا لِّمَنْ رَبِّ الرَّحِيْمِ سولہ بار۔ آیت۔ اَوَّلُ الْاِنْسَانِ اِنَّا خَلَقْنٰہُ سے آخر سُورَةُ تک تین بار۔

چہل کاف۔ گیارہ بار قبل از وتر۔ اور اگر برائے چلہ ہو تو چالیس روز یومیہ اکتالیس بار پڑھا جائے اس کے بعد روزانہ گیارہ بار ورد رکھے۔ ایام چلہ میں روزہ رکھے۔ اور گوشت وغیرہ ثقیل غذا سے پرہیز رکھے۔

اور سورہ شریف منزل کی اجازت ایک درویش کو اس ترتیب سے عطا فرمائی کہ بعد از نماز فجر تین بار پڑھے آیت کُبُ الشَّهِيقِ
وَالْمُغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا۔ کاتین بار تکرار کرے اور بعد از ختم چھیاسٹھ مرتبہ یا دُکِیلُ پڑھے۔
فرمایا قصیدہ بُرودہ شریف کا یہ شعر جناب نبوت میں بہت مقبول ہے۔ جو شخص بعد نماز فجر اسے سات بار صدقِ دل سے
پڑھا کرے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ضرور شفاعت فرمائیں گے۔۔

هُوَ الْحَيُّ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ بِكُلِّ هَوٍّ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ
ترجمہ وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ جو آنے والے خوف ہیں اُن میں سے ہر خوف کے وقت اُن کی شفاعت کی امید ہے۔

اوراد اور دم برائے شفا سے بخار مُزمنہ، وجع مفاصل کِرم دماغ وغیرہ

فرمایا امراض مُزمنہ بخار وغیرہ کے دفعیہ کے لیے نماز صبح کی سنت اور فرض کے درمیان سورۃ فاتحہ بمسب اللہ کا پڑھنا سنت
محبوب ہے وجع مفاصل اور کِرم دماغ کی امراض کے لیے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سات بار سورۃ فاتحہ شریف پڑھ کر دیتیں ہاتھ پر
دم کر کے مقامِ مرض پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے سینے میں سوزش رہتی ہے۔ فرمایا ہر نماز کے بعد تین مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا کرو۔ چنانچہ
یہ شخص چند ہی روز میں اچھا ہو گیا۔

ایک دائمی اور مایوس بیمار حاضر ہوا۔ فرمایا کہ مقامِ مرض پر اَلْمُشْتَبِہ شہادت رکھ کر یہ کلام پڑھ کر دم کیا کرو انشاء اللہ شفا
پاؤ گے۔ اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

تعویذ برائے جملہ حاجات

ضلع کوہاٹ کے گروہ علماء و صوفیائیں سے ایک صاحب نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک ایسے تعویذ کی اجازت دیجئے جو
جملہ امراض اور حاجات کے لیے مفید ہو فرمایا یہ نقش مثلث از اسم ذات ہر حاجت کے لیے مفید ہے۔ اس کی اجازت ہے۔

یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ
یا اللہ	یا اللہ	یا اللہ

وظیفہ برائے فراغت معاش

ایک شخص نے فراغت معاش کے لیے وظیفہ پوچھا۔ فرمایا نماز عشاء کی دو رکعت سنت اور وتروں کے درمیان
ایک ہزار بار ”یا وَهَّابُ“ پڑھا کرو۔

دُرود مستغاث شریف کا ورد

دُرود مستغاث شریف کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اس کلام میں عجیب اثر ہے اور بہت مفید ہے اور اس کے

روزانہ ورد کے لیے تاکید فرماتے تھے۔

وظیفہ برائے حفظ و امان

ایک طالب کو مندرجہ ذیل کلمات کی یقین فرمائی تھی جو صبح و شام ایک یا چند مرتبہ پڑھ لینے سے حفظ و امان کے لیے مجرب ثابت ہوئے ہیں۔ ایک کتاب میں ان کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ چوری اور ہر قسم کے نقصان مال اور حادثات سے حفاظت رہتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا یَسُوْقُ الْخِیْرَ اِلَّا اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ
مَا یَصْرِفُ السُّوءَ اِلَّا اللّٰهُ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ مَا یَكُوْرُ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنْ اللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ

ورد خاص

ایک روز ایام سفر میں ایک خاص تاثیر کے وقت از خود حاضرین کو اس کلام کے ورد کی عام اجازت فرمائی اور فرمایا کہ حاضرین اسے غائبین تک پہنچادیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ ؕ

محبت الہی کے لیے وظیفہ

ایک مُبتدٰی کاروباری آدمی کو محبت الہی کے حصول کے لیے یقین فرمائی کہ سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص سات مرتبہ، اول آخر ایک ایک بار درود شریف، نماز فجر کی دوستی سے پہلے اور نماز عصر کے بعد پڑھا کر دے۔ اور کاروباری مصروفیتوں میں چلتے پھرتے ہوئے پڑھ لو تو مضائقہ نہیں۔

کلام اللہ کے وظائف حصول ثواب اور رضائے حق کی نیت سے پڑھنے چاہئیں

فرمایا بعض لوگ سورۃ یوسف شریف کو دنیوی ثروت و جاہ کے حصول کے لیے وظیفہ بنا لیتے ہیں لیکن فسادِ نیت کی وجہ سے فائدہ کم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کا اقتضائے دنیوی حاجت براری نہیں۔ انہیں حصول ثواب اور رضائے حق کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔ پھر دنیوی حاجات کے حصول میں بھی ضمناً خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔

مرگی کی مرض کے لیے دم

ایک شخص کو مرگی کے لیے یہ علاج بتایا کہ سات بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر نمک پر دم کریں اور اسے اس طریقہ سے بخار استعمال کرے کہ ہر روز طعام سے پہلے اور بعد اور سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد گویا روزانہ چھ بار چکھ لیا کرے۔ اگر مرض میں افاقہ نظر آئے یا بالکل جاتی رہے تو بھی نمک کا استعمال تین ماہ جاری رکھا جائے۔ فرمایا۔ اگر مریض اس عمل پر مداومت رکھے تو نشاء

اس مرض سے خلاصی پاجائے گا۔

مجموعہ وظائف و اُوراد

حضرت قبلہ کے سلاسل شریفہ قادریہ و چشتیہ کا مجموعہ وظائف ایک عرصہ سے طبع ہو چکا ہے اور آستانہ عالیہ کے کتب خانہ سے معمولی ہدیہ پر مل سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں یہ وظائف اور اُوراد شامل ہیں۔

اسماء اللہ الحسنى، لمعة التوحید (شیخ الشیوخ شهاب الدین شہروردی وغیرہ مشائخ العراق رحمہم اللہ تعالیٰ) دعائے کبیرہ ہفت روزہ اسموع شریف سیدنا امام زین العابدین و سیدنا غوث الاعظمؒ و درود مستغاث شریف (شیخ احمد رفاعی) سلسلہ مشائخ چشتیہ نظم امیہ۔ قادریہ امامیہ۔ قادریہ جدیدہ (عربی و اردو منظوم) مستغاث عشر اسماء السبع (من اُوراد سیدنا غوث الاعظمؒ و درود شریف کبریت احمر (قادریہ) و درود اکبر اعظم (قادریہ) قصیدہ غوثیہ۔ حزب البحر چہل کاف۔ قصیدہ مضریہ۔ مستجابات (فارسی رباعیات درمیان اعتصام سیفی) ادعیہ نماز اشراق۔ استعاذہ۔ استخارہ۔ شکر اٹھارہ حق والدین۔ ناد علیٰ بترتیب آدائے وظائف و نوافل تہجد۔ اشراق۔ سنن عصر۔ اوابین۔ صلوة العاشقین و ذکر جہر۔ دلائل الخیرات۔

حضرت قبلہ عالم کے سلاسل فقر

حضرت قبلہ عالم کا سلسلہ شریف چشتیہ نظامیہ

- ۱۔ حضور سرور کائنات سید المرسلین خاتم النبیین ابوالقاسم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وصال ۲۱ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ)
- ۲۔ حضرت مولائے کائنات شاہ ولایت امیر المؤمنین ابوالحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم (وصال ۲۱ رمضان ۱۲۸۱ھ)
- ۳۔ حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۲۸۱ھ)
- ۴۔ حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷ صفر ۱۲۸۱ھ)
- ۵۔ حضرت خواجہ ابی الفیض فیض ابن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ) مزار حبیب المعالی مکہ مکرمہ)
- ۶۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم ادھم مخفی فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶ جمادی الاول ۱۲۸۱ھ) مزار بلاذروم)
- ۷۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴ شوال ۱۲۵۲ھ)
- ۸۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷ شوال ۱۲۷۹ھ)
- ۹۔ حضرت خواجہ مرثاد علودینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۴ محرم ۱۲۹۹ھ)
- ۱۰۔ سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابی اسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مزار شریف عکہ فلک شام، وصال ۳۴۳ھ)
- ۱۱۔ حضرت خواجہ سیلابی احمد ابدال ابن سلطان فرساذہ چشتی سید حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۱۲۶۰ھ وفات عشرہ جمادی الثانی ۱۲۵۵ھ مزار قصبہ چشت)
- ۱۲۔ حضرت خواجہ سید ابی محمد ابن خواجہ ابی احمد ابدال حسنی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ مزار چشت)
- ۱۳۔ حضرت خواجہ سید ناصر الدین ابی یوسف نقوی چشتی خواجہ زادہ حضرت ابی محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال

۵۹ھ مزارِ حشت)

۱۲- حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود ابن حضرت ابی یوسف نقوی حشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۲۰ھ غرہ رجب

۵۲ھ مزارِ حشت)

۱۵- حضرت خواجہ محمد دم حاجی شریف زندانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۰- رجب ۱۱۲ھ ۵۱۲ھ بم ۲۰ سال)

۱۶- حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۵- شوال ۱۱۷ھ مزارِ مکہ مکرمہ)

۱۷- حضرت خواجہ بزرگ سید معین الدین حسن سنجری اجمیری رضوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶- رجب ۶۳۲ھ

اجمیر شریف)

۱۸- حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار اوشی کاکلی تقوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۲- ربیع الاول ۶۳۳ھ

مہرولی شریف - دہلی)

۱۹- حضرت خواجہ سید الدین مسعود گنج شکر اجمیری فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۴ھ تا ۶۵۹ھ ۵۵۹ھ محرم

پاک پتن شریف)

۲۰- حضرت خواجہ سلطان المشائخ سید نظم الدین محمد بدایونی بخاری رضوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۳۴ھ تا ۶۴۵ھ

۱۷- ربیع الثانی مزارِ مضافات دہلی)

۲۱- حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ اودھی دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶۴۷ھ تا ۶۵۷ھ ۱۳- رمضان مزارِ دہلی)

۲۲- حضرت خواجہ کمال الدین علامہ دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۶۷۷ھ مزارِ شریف دہلی)

۲۳- حضرت خواجہ سراج الدین بن خواجہ کمال الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۷۷ھ مزارِ پیران پٹن برکات پورہ گجرات

۲۴- حضرت خواجہ علم الدین بن خواجہ سراج الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۵۵ھ مزارِ پیران پٹن گجرات)

۲۵- حضرت خواجہ محمود راجن بن خواجہ علم الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۷۷ھ مزارِ پیران پٹن گجرات)

۲۶- حضرت خواجہ جمال الدین جمن بن خواجہ محمود راجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۸۸ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۷- حضرت خواجہ جمال الدین حسن محمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۹۸۲ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۸- حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۲۱۱ھ مزارِ احمد آباد گجرات)

۲۹- حضرت خواجہ یحییٰ مدنی نبیرہ خواجہ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۲۲۲ھ بم ۱۱ سال مزارِ جنت البقیع مدینہ منورہ)

۳۰- حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۴- ربیع الاول ۱۲۲۲ھ مزارِ دہلی)

۳۱- حضرت خواجہ نظام الدین اورتنگ آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۲۲۲ھ مزارِ اورتنگ آباد دکن)

۳۲- حضرت خواجہ فخر الدین بن خواجہ نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۲۲۲ھ تا ۱۲۹۹ھ ۱۷- جمادی الثانی مزار

مہرولی شریف مضافات دہلی)

۳۳- حضرت خواجہ نور محمد قبلہ عالم مہاروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۲۳۳ھ تا ۱۲۰۵ھ ۳- ذی الحجہ مزارِ چشتیاں شریف بہاولپور)

۳۴- حضرت خواجہ محمد مسلمان تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۲۳۳ھ تا ۱۲۶۷ھ ۷- صفر مزارِ تونسہ شریف ضلع ڈیر غازیخان)

۳۵- حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۲۳۳ھ ۲۴- صفر مزارِ سیال شریف ضلع سرگودھا)

۳۶- حضرت خواجہ سید پیر مر علی شاہ قبلہ عالم گولڑہ شریف حسنی گیلانی (۱۲۷۵ھ تا ۱۳۵۶ھ ۲۹ صفر کو درمیں ضلع اپنی)

سلسلہ شریف قادریہ امامیہ

- ۱- حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
- ۲- حضرت مولائے مشکل کشار کم اللہ تعالیٰ وجہ
- ۳- حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ وعلی ابیہ وعلیہ وجہ الصلوٰۃ والسلام (ولادت ۱۵ رمضان ۳۰ھ وصال ۵۰ھ مزار شریف جنت البقیع مدینہ منورہ)
- ۴- حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا علیہ السلام (ولادت شعبان ۴ھ شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ کربلائے معلیٰ)
- ۵- حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ وعلی آبائہ السلام (ولادت ۱۵ جمادی الاخریٰ ۳۸ھ وصال ۱۸ محرم ۵۵ھ جنت البقیع مدینہ منورہ)
- ۶- حضرت سیدنا امام باقر علیہ السلام (ولادت جمعہ ۳ صفر ۵۷ھ وصال ۱۲ھ جنت البقیع)
- ۷- حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام (ولادت ۷ ایسح الاول ۸۳ھ وصال ۲۵ شنبہ ۱۵۰ھ رجب ۱۲۸ھ جنت البقیع)
- ۸- حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (ولادت یکشنبہ ۷ صفر ۱۲۸ھ شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کاظمین شریف اہل ق)
- ۹- حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا علیہ السلام (ولادت جمعہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۸ھ بقولے ۱۵۳ھ وصال ۲۰۳ھ مشہد - ایران)
- ۱۰- حضرت خواجہ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۰ یا ۲۱ محرم ۲۰۰ھ مزار - بغداد کٹنہ)
- ۱۱- حضرت خواجہ بربری سقنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ رمضان ۲۵۰ھ گورستان شونیزیر - بغداد)
- ۱۲- حضرت خواجہ سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۷ رجب ۲۹۷ھ یا ۳۰۲ھ بغداد)
- ۱۳- حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۲۵۵ھ وصال ۳۴۲ھ بغداد)
- ۱۴- حضرت خواجہ عبدالواحد بن عبد العزیز زمینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۶ جمادی الثانی ۴۲۵ھ بقولے اپنے والد کے مرید تھے اور وہ حضرت شبلی کے مرید تھے)
- ۱۵- حضرت خواجہ ابی الفرح علاء الدین طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲ شعبان ۴۴۷ھ طرطوس - شام)
- ۱۶- حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمود القرشی النکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۴۹۹ھ وصال ۵۸۶ھ تونس)
- ۱۷- حضرت خواجہ ابی سعید بن علی المبارک المخرومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷ شعبان ۵۱۳ھ مزار مدرسہ غوثیہ اعظمیہ بغداد شریف)
- ۱۸- حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سیدنا ابی محمد محی الدین عبدالستار درجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت یکم رمضان ۶۷۱ھ بقم گیلان وصال شب شنبہ ۱۱ ربیع الثانی ۷۶۳ھ مدرسہ باب النرج بغداد شریف المعروف باب الشیخ)
- ۱۹- حضرت خواجہ ضیاء الدین ابی الغیب عبدالقادر شہروردی صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷ جمادی الثانی ۷۶۳ھ بغداد)

- ۲۰۔ حضرت خواجہ عماد الدین بن یاسر اندلسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۶ ربیع الاول ۸۲۲ھ)
- ۲۱۔ حضرت خواجہ ابوالجناح نجم الدین احمد الکبریٰ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بمقابلہ تازیان بمقام خوارزم ۶۱۸ھ)
- ۲۲۔ حضرت خواجہ ابوسعید محمد الدین شرف بن المویذ بن ابی الفتح بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت بعندیہ خوارزم شاہ بدریائے خوارزم ۶۱۶ھ یا ۶۱۷ھ)
- ۲۳۔ حضرت خواجہ رضی الدین علی بن سعید لاغر نومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۳ ربیع الاول ۶۳۲ھ)
- ۲۴۔ حضرت خواجہ نور الدین عبد الرحمن اسفرانی کسرتی المعروف بہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۴ جمادی الاول ۶۸۷ھ بغداد)
- ۲۵۔ حضرت خواجہ رکن الدین احمد بن محمد علاؤ الدولہ سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۶۵۹ھ وصال ۷۳۶ھ سمنان ترکستان)
- ۲۶۔ حضرت خواجہ شرف الدین محمود بن عبد اللہ المزدقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۲۱۔ رجب ۷۳۶ھ مزار خطیبہ عماد الدین عبد الوہاب)
- ۲۷۔ حضرت خواجہ امیر سید علی بن شہاب بن محمد العمادانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۷۸۶ھ مزار ختلان سرحد بدخشان)
- ۲۸۔ حضرت خواجہ سید اسحاق ختلانی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵ ذی الحجہ ۷۸۸ھ ختلان)
- ۲۹۔ حضرت خواجہ سید محمود نور بخش اسیری بن یحییٰ بن علی گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۳۔ رجب ۸۵۷ھ پشاور)
- ۳۰۔ حضرت خواجہ سید محمد غوث نور بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وصال ۱۵۔ شوال ۸۹۸ھ کربت پور گجرات)
- ان کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب شمس الدین محمد بن خواجہ حسن محمد گجراتی پر اس سلسلہ شریف کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے اتصال ہو جاتا ہے جس کی تفصیل اور آئندہ مشائخ کرام کے اسمائے گرامی کا اندراج سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں گزر چکا ہے۔ یہ سلسلہ شریف اُنالیسیوں کڑی پر حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی ذات گرامی پر منسلک ہوتا ہے۔
- ان کے علاوہ سلسلہ عالیہ قادریہ مجددیہ، سلسلہ چشتیہ صابریہ اور سلسلہ رفاعیہ میں بھی آپ مجاز تھے۔ ان سلاسل کی تفصیل بوجہ طوالت یہاں نہیں دی جاتی۔

تیسری فصل

کلام منظوم

حضرت قبلۃ عالم قدس سترۃ پنجابی اور فارسی زبان کے ایک لغز گو سخنور تھے آپ کا کلام جو نعت مناجات اور تصوف پر مشتمل ہے اپنی سلاست اور انوکھے انداز کی وجہ سے غلبہ حال کا مرقع معلوم ہوتا ہے۔ کئی طویل نظمیں فی البدیہہ لکھتے یا لکھا دیتے تھے۔ واردات غیبی کی تاثیر سے ایک مرتبہ متافیہ وردیف سے بنے ساز ہو کر بھی کلام ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ بالوحی کی طرف ایک مکتوب میں اس قسم کا ایک شعر درج کر کے فرماتے ہیں: "لسان الوقت کو قافیہ وردیف سے غرض نہیں، لہذا مجھ کو نامہ مضامین پر عطا کو مواخذہ کا استحقاق نہیں" حضرت کی بعض پنجابی نظمیں متبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ اور بے پناہ تاثیر کی حامل ہیں بالخصوص وہ نعت جس کا مطلع ہے: "آج سبک ستران دی و دھیری ہے کیوں ڈٹری اوداس گھنیری ہے" اور دو اور نعتیں: "آجے بھی اوہ پیاں دسدیاں سانوں ماہی دایاں ٹاہلیاں" اور "دل لکڑے پرواہاں ناں" اس ٹک میں قوالی کی جان بھی جاتی ہیں اور اکثر تعاریب میں اور ریڈیو پر پڑھی جاتی ہیں۔

کبھی کسی استاد کا کلام پسند فرماتے تو طبع عالی پرواز کر کے اپنے بلند ہمت م سے جواب کہہ جاتی چنانچہ حضرت سید عتیق شاہ صاحب نے فرمایا تھا:۔

کُن فیکون جداں آکھیا آہا تاں اساں دی کوئے آہے
کے لامکان مکان اساڈا کے بُت وچ آن پھنسیا سے
کے ٹک اسانوں سجدے کر دے کے خاک وچ آن ریا سے
عتیق شاہ نفس پیت نے پیت کیا کوئی مڈھ دے پیت تاں ناہے
اس زمین میں ہمارے حضرت کا ارشاد ہے:۔

کُن فیکون توکل کی بات ہے ہم نے اُس سے بہت پہلے پیت لگائی تھی
ہم نے اُس وقت گواہی دی جب تیرا میرا نشان بھی نہ تھا۔
اُس وقت کے آثار ہمیں اب بھی نظر آ رہے ہیں۔
اے مہر علی شاہ دونوں کو ایک دوسرے کی طلب تھی اس لیے مل بیٹھے ہیں

(اس رباعی میں حضرت نے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ ذُو رِیْی کے مطالب کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت امام احمد بن حنبلہ نے مسند عبد الرزاق سے بروایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی ہے کہ کہا حضرت جابر نے: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا تھا؟ فرمایا: سب سے پہلے اے جابر اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ اور یہ نور بقدرت و مشیت

خداوندی پھر تار باجہاں اُس نے چاہا۔ اُس وقت کوئی شے نہ تھی۔ نہ لوح نہ قلم۔ نہ بہشت نہ دوزخ نہ فرشتے۔ نہ آسمان نہ زمین۔ نہ سورج نہ چاند۔ نہ جن نہ آدمی۔ پھر جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ ہوا۔ تو اللہ نے اُس نور کو چار اجزاء تقسیم فرمایا۔ پہلے جزو سے قلم۔ دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا کیا۔ اور چوتھے جزو کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے آسمان۔ دوسرے سے زمین تیسرے سے بہشت اور دوزخ پیدا کیے۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سے مومنین کی آنکھوں کا نور۔ دوسرے سے اُن کے دلوں کا نور۔ تیسرے سے نور توحید لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ کو پیدا کیا۔ حضرت سید محمد حنفادی حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ چوتھے حصے سے ارواح انبیاء پیدا کیے گئے اور باقی کو پشت آدم میں رکھا گیا۔

اسی طرح حضرت عراقی کے اشعار سے بھی متاثر ہو کر حضرت نے جو اباجنڈا اشعار کہے۔ حضرت عراقی فرماتے ہیں :-

نخستیں بادہ کا نذر جام کردند
مزا جش عکس آں گل نام کردند
بچوں خود کردند راز خویش تن فاش
عراقی را چہ نام کردند
اس پر حضرت نے جو اباشاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کے ساتھ کچھ اشعار فرمائے :-

مے توحید از خم خانہ غیب
بستان الست الغم کردند
چوں غلیبم زمستی باہر سو
حریناں مستی از من وام کردند
ہویداشد در امکاں صورت حق
بہ آں صورت جہاں را رام کردند
بہر آں کہ غیرش نیست موجود
بخود آفت ز وہم انجم کردند
خواجہ حافظ شیرازی کی ایک غزل کا شعر ہے :-

سینہ مالا مال درد است آئے در بغام رہے
دل ز تنہائی بجاں آمد خدا را ہمدے

حضرت نے اسی رنگ میں اس طرح فرمایا ہے :-

سینہ مالا مال درد است و بگوید ہر دمے
درد بردردے دگر زخمے بجائے مرہے
قرعہ فالش بستام آدم خاکی زدند
گل بودنے دل کہ بادردے بخوید مرہے
دل کشت زخمے رفوگر مہرباں دار طلب
نوک مرگاں را صبا بار دگر گو مرہے

حضرت کی یہ غزل ایک سال پاک تین شریف کے عرس میں ایام محرم کے اندر پڑھی جا رہی تھی۔ حضرت خود رونق افروز مغل تھے ہندوستان کے ایک بزرگ سجادہ نشین پہلے ہی شعر پودہ میں آکر رقص کرنے لگے۔ آداب چشتیہ کے ماتحت ساری مغل اٹھ کھڑی ہوئی۔ روتے جاتے تھے اور لذت فرمادیں ان اشعار کی اس طرح تشریح کر رہے تھے "سبحان اللہ پر صاحب نے کیا خوب مرثیہ کہ ڈالا ہے سنو سنو حضرت امام حسینؑ یہ خنجر کیا فرما رہے ہیں :-

آئے میرے دل و جان اور میری روح کے محبوب! اے میرے ایمان!! اس خنجر کی روانی کو تا قیام قیامت دراز کر دے کہ تیری محبت میں ذبح کیا جاؤں اور زندہ ہو جاؤں اور پھر ذبح کیا جاؤں۔"

اس کلام کیف کے بقیۃ اشعار یہ ہیں :-

بستہ شد اندر ازل خاطر بدان شور جہاں
الجل العینین اصدح وازجر الحاحجین
کونیم تاب زلفش نوریان چید ہے
سرمہ گیس چشمے کماں ابرو طبعے ارجمے
رؤتے تاباں والضحی واللیس مویش ذابھی
وز قحقتاش لوسے یسین از متبسمے

دوش در گو شم رسیدہ از رگہاں کونے دوست

مہر مارا کئے سزد ہر خود پرستے بے غمے

۱۹۱۲ء میں ملک سلطان محمود بھی بچپن میں ہی اس چشم سیہ مد بھری پُر سحر و فتن سے
کیا اور عذوان پر یہ شعر لکھا :-

گر چارہ مرے زخم جگر کا نہیں کرتے

اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے

حضرت نے بواپسی اپنے قلم مبارک سے یہ منظوم جواب ارسال فرمایا :-

اُس چشم سیہ مد بھری پُر سحر و فتن سے
سُطاس بھی اگر اُبھیں تو اچھا نہیں کرتے

بے ساختہ تھا زخم جگر نوک مژہ سے
پھر شکوہ ہی کیا ہے کہ وہ اچھا نہیں کرتے

کہ دیوے بھلا کیسے کوئی میہ عرب سے
اچھا یہی کہہ دو کہ ہم اچھا نہیں کرتے

ہے مہر و وفا طرز و ادا آل عبا کی

ہرگز نہ کہیں گے کہ ہم اچھا نہیں کرتے

مولوی محرم علی چشتی کے لڑکے مولوی قائم علی جب گوڑہ شریف کے درس دینیات میں داخل ہوئے تو نہایت غبی
طالب علم شمار کیے جاتے تھے۔ اس سے پہلے مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اساتذہ ان پر بہت محنت ضائع کر چکے تھے
اور انہوں نے چشتی صاحب پر جو انجمن نعمانیہ کے صدر تھے اس صاحبزادہ کی تعلیم کے متعلق اپنی قطعی مایوسی کا اظہار کر دیا
تھا لیکن چشتی صاحب بھی بیٹے کو انگریزی سکولوں میں داخل کرنے کے مشوروں کو ٹھکرا کر اُسے عالم دین بنانے کے ارادے پر
مُبصر تھے جس قدر قبلہ عالم قدس سترۃ نے قائم علی صاحب کے ذہن نارسا کی شکایات سُن کر اپنے پاس بلوایا اور فاضل لاہوری کا خطاب
بخشا۔ چنانچہ وہ اسم باسٹی ہو گئے اور عمر بھر اسی خطاب سے مشہور رہے۔ ایک روز یہ فاضل لاہوری فارسی میں نظم کہہ کر لے آئے اور
حضرت نے انہیں یہ نعت فی البدیہہ لکھوا دی :-

آشتی مہر دے پُر ناز و ستم گارم
من کشتہ ابروئے آل دلیہ عیارم

بر یاد یہ چشمے ہمہ روز سیاہم شد
وز ناوک مژگانش صد خار بہ دل دارم

۱۔ یہ ملک سلطان محمود بھی بچپن میں ہی اس چشم سیہ مد بھری پُر سحر و فتن سے
یہ بزرگ اپنے سرکاری عہدوں پر تھے مگر گھر بار اور جائیداد اور منبر واری چھوڑ کر پہلے کئی سال دیوانہ وار چکر کاٹتے رہے۔ پھر ۱۹۲۵ء
میں جو اکر بیٹے تو ۱۹۵۶ء میں مر گئے اور خانقاہ شریف کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

از زلف پریشانش شد خانه بدوش من
در مصحف رُوسے او آیاتِ حُدا دارم
عشق آمد و شد ساری چوں بوی گلآباد
او در من و من در فے بستر لیت زاسرارم
بیرون نہ زدم قدمے ویں طرفہ تماشا ہیں
پُر آبلہ شد پائیم عمریت کہ سیارم
قَدْ كَانَ وَمَا مَعَهُ مَا كَانَ مِنَ الْاَكْوَانِ
اَلَا كُنْ كَمَا كَانَ مَشْهُودٌ دِل زارم

تایافتہ ام خبیبہ از باب علومِ دل
دلدادہ بہر آں شہ حیث در کزارم

اسی زمین میں کچھ عرصہ بعد حضرت نے ایک اور نظم مختلف حالات کے اندر قلم برداشتہ تحریر فرمائی تھی موضع مونی تحصیل بہری پور کے ایک معمر اور ذی علم سید حسین شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کی کسی عبارت پر لواحق علاقہ کے ایک مفتی نے فتویٰ دیا تھا کہ یہ شخص اہلسنت سے خارج ہے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنا حرام ہے حضرت ایک مرتبہ اُس علاقہ میں تشریف لے گئے تو مصنف نے حاضر ہو کر اُس عبارت کے مشکوک پہلوؤں کی وضاحت کر دی اور آپ نے فتویٰ کو خطا سے تعبیر کر کے انہیں ترک موالات کی مصیبت سے نجات دلوائی۔ کچھ عرصہ بعد اُن کا عرضہ آیا کہ مفتی صاحب کا تشدد اور بڑھ گیا ہے اور انہوں نے حضرت کو بھی اپنے فتویٰ کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ چنانچہ جو ابابہ اشعار تحریر فرمائے اور لکھ بھیجا کہ اپنے بزرگانِ اہلیت کی سنت میں صبر سے کام لیں:-

گو نامہ سیاہ کردم از بس کہ گنہ گارم
اَنَا نَظَرْتُ بَسْتَةً بِرَحْمَتِ غَفَّارِمْ
اجاب بہ تکفیرم گرفتلم و زباں اندم
عاشاکہ بحق شاں جز عفو روا دارم
در کوئے حُدا بیناں زان روز کہ شد گدازم
از مذہب خود بینی بیزارم و بیزارم
رم کردہ ز غیبر اودارم دلکے شیدا
بے ہوشم و با ہوشم، بے کارم و با کارم
تا ساقی مستانم نے ریختہ در کامم
عُریان و حنہ اباتم، رقصانم و سرشارم
اَلْمُلُكُ لِمَنْ غَلَبَ نَاصِيَتُ زَمَنِ بَاقِي
از قریب مع اللہ برتر شدہ زان کارم

از سلسلہ فقرم اے دست چپے پُرسی

دلدادہ بہر آں شہ حیث در کزارم

اپنے فرزند ارجمند حضرت السید غلام محی الدین بالوچی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض مکتوبات میں حضرت قدس سرہ نے عارفانہ اشعار بھی لکھے جو برائے افادہ درج ذیل ہیں:-

اے غلامِ غوثِ اعظم فکر کن
فکر کن در خلقت پس شکر کن
جمع گشتہ در تو عالمِ حلق و امر
جسم تو خلق است و روح تہست امر
ہست در تو جملہ از عالمِ کبیر
زین جہت شد نام تو عالمِ صغیر
جبہ تو کل شد ملائک جُزیر او
زین سبب آمد خطاب اسجد و ا

دیگر

چونکہ در عالم سخن گوئی کے است
کیست دیار اندریں دار الوجود
وَجِبَتْ فِي كُلِّ شَيْءٍ يَجْتَلِي
مے وزد بادے چو از آلا آنا
فارسی میں حضرت کی ایک اور مشہور نعت یہ ہے :-

صبا ز طرہ شبنم موش طراز
کیم گدائے در منبسی کوتاہ دست
توئی کہ ذرہ صفت را با سماں بردی
غرض ادائے نیاز است در حاجت نیست
رہین ساقی چشم کہ جس صبر بچشاند
یہ برہم بادہ فروشاں بہ نیم خونہ خرد
مرا ز پیر متعال راز ہائے سر بستہ است
فغان ز داغ خود ہیں گجا است محرم راز

اگرچہ حسن تو از مہر غیب مستغنی است

من آں نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

ایک مرتبہ حضرت موضع قاضی غالب ضلع لائل پور جہاں ہے تھے جہاں پنجاب کے مشہور صوفی شاعر حضرت علی حیات درکامزاد کنار راوی واقع ہے۔ وہاں دریائے راوی پر فی البدیہہ چند اشعار ارشاد فرمائے :-

راوی از جہراں شکایت می کند
گشتہ ام مجبور تر از اصل خویش
آدم از بچہ دے پویم بہ اُد
رادی و مردی و مردی عنہ ہم
از وصالش ہم روایت می کند
تیز تر پویم برائے وصل خویش
روزگار وصل مے جویم بہ اُد
گشت چوں بحران و وصل انجیب بہم
و ہم غیل علم او غیل وجود
داند او کو راست و اچشم شہود

ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے صاحبزادہ جناب بابو جی صاحب مدظلہ کو خط میں یہ اشعار لکھ بھیجے :-

اے وعدہ فراموش کوں کیوں شکایت
بھولوں گا کبھی تجھ کو نہ میں تا یہ قیامت
تو نے تو یہ وعدہ کیا تھا دم رخصت
گریا و تمہیں ہم تھے تو کیوں از رہ اُلفت
خط نہ نوشتی و مرا یاد نہ کردی
گاہے بہ زبان قلم شاد نہ کردی

جناب بابو جی صاحب نے یہ خط قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے جواب کے لیے یہ اشعار لکھوائے :-
 ہوں وعدہ کا پکا نہ کرو میری شکایت میں نے تو یہ وعدہ کیا تھا دم رخصت
 بھولوں گا کبھی تم کو نہ میں تا بہ قیامت ہے یاد مجھے آپ کی ہر لحظہ بہ اُلفت
 ہے یاد صفت دل کی نہ کاغذ نہ قلم کی

جب یاد ہو دل میں نہیں حاجت ہے تم کی

قاضی سر بلند خان پشاوری سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے لکھا کہ آپ کو ہمارا کچھ خیال نہیں۔ مدت ہوئی یاد نہیں فرمایا۔ جواب میں صرف ایک شعر تحریر فرمایا :-

خاکساروں سے خاکساری ہے سر بلندوں سے انکسار نہیں
 قاضی صاحب نے جواب دیا :-

حلقہ بگوشوں میں سر بلند ہے آج حضرت مہر شاہ کو خیال نہیں
 اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

شاعری میں بھی سر بندی ہے قافیہ بھی یہاں بکار نہیں
 مہر اور پھر بے مہر کیا معنی؟ جمع اضداد ناگوار نہیں؟

ایک اور نظم جو مثنوی بوڑا کے نام سے مشہور ہو گئی ہے ایک سفر کے دوران ایک ایک چشم کو چوان کے رویہ سے متاثر ہو کر موزوں فرمائی تھی جس کا گھوڑا بھی اپنے مالک کی طرح ایک آنکھ سے محروم تھا۔ اور دونوں کی رفاقت کا نتیجہ یہ تھا کہ تاںکہ ایک ہی سمت کو غلط چل رہا تھا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں فرماتے گئے اور مفتی غلام مرتضیٰ صاحب صدر انجمن مہمانیہ لاہور اور ملک سلطان محمود لوانہ جو ساتھ سوار تھے قلمبند کرتے گئے۔ یہ اشعار بے عمل مولویوں، بے عمل صوفیوں اور متعصب دہائیوں اور نیچروں پر ایک لطیف طنز کا حکم رکھتے ہیں۔

واحد العین است یک سو بگرد از ہمہ رفت علیحدہ مے رود
 ربنا انا ظلمنا۔ الاماں ان نسینا تو زد ستش و ارباں
 یا ملاذ کل یا کھف الوری اوست اعور یحنا یا ربنا
 گوئش ہر چند لیکن نشود ہر کے بر خلقت خود مے تند
 خلقتش یک چشمی است و احولی رب فاشکک صراط مستوی

اس دوران میں مفتی غلام مرتضیٰ صاحب اپنے گاؤں کے چوراہے پر رخصت کے طلب کار ہوئے۔ فرمایا :-

مخلصی فی اللہ، غلام مرتضیٰ از شرارت کور باطن قد نجی
 آسے آماں کہ غلام حیدر اند از دل و جاں شاں ربین صفدر اند
 گوئے سبقت مے برند از ہر کے دارند از مولا علی نصرت بے
 کیست مولا سے علی مولا سے کل ہکذا قد قالہ خیر الرسل
 از نفوس ماست اولیٰ تر نبی پس علی را ایں چنیں داں یا خنی

گشت اول از ہمہ نور بنی بود اقرب تر بہ او نور علی

یہاں خیال آیا کہ میں نے اُس ہندو کو چوان کو کور باطن کا سنت لفظ کہہ دیا ہے فرماتے ہیں۔

کور باطن گفتت اُسے پوریا بالفت بل سے دہم ح لا دنا

حق تعالیٰ نور ایمانت دہا د جان و جہمت دائم اور فرج باد

پھر مثنوی غلام مرتضیٰ صاحب کی جدائی کا خیال عود کر آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

جامع علم و حیا۔ آں با ونا من بعض فی اللہ غلام مرتضیٰ

صانع الرحمن من نار المسقر وقت ما غوش کرد اندر ایں سفر

دل نے خواہد شود از ما جدا یا علی امیرک غلامک عندنا

جذبہ عشقت ساری در جہاں اصل کل جذبات فاحببت ہاں

رکت کثر اہم خفیاً فاحببت اُن اُعرف کے ارشاد باری کی طرف اشارہ ہے

ہست بے صورت جناب قدس حب قد تجلی فی غیابات الحب

داں جنود مجستہ ارواح را ما اختلف ثمتہ کشا شباح را

ایک تہ پاک پتن شریف سے واپسی پر جب حضرت علی حیدر صاحب کے وطن میں اقامت فرماتے تو قبلہ بابو جی کے تعاضد پر ایک نظم فی البدیہہ قلم بند کرائی۔ جس کے ہر شعر کے پہلے حرف کو لے کر دیوان سید محمد صاحب کا نام نکل آتا ہے جو اُس وقت پاک پتن شریف کے سجادہ نشین تھے۔ پوری نظم ملاحظہ ہو۔

دلا کس کی لگن میں پھرتا ہے وحشی تو بن بن میں پتن میں منہ ٹگری میں علی حیدر کے موطن میں

یہاں لا کر کیسا قائل فسون سحر کا اپنے کند زلف میں تیر مرہ میں چشم پرن میں

وہاں سوئے پڑے تھے خوش عدم کی غیند میں جگا کر جسوہ دکھلایا ہمیں مظہر دیوان میں

ارے ساقی ترے مہنون میں سب رند و مستانے بلا دے جام بھر کر جس سے سب غم جائیں آن میں

لگا لے والے صخرے رُفے وہ الیل سچے موئے ابھی گزے ہیں اس راہ سے بھری خوشبو شام میں

سنا کر میٹھی باتوں کو دکھا حسنی صفت توں کو دلوں کے قافلے ٹوٹے ہیں خود میٹھے مکان میں

یہ کیسا ہے گداز و سوز کیسی ہے یہ بے خوابی جگر میں آنکھ میں دل میں سراپا جسم تن من میں

دل حیراں کی تسکیں کو خیال اُن کا غنیمت ہے مجھے ڈر ہے نہ جائے اُن کی طرح لامکان میں

مدینے میں بلا بھیجو قریب وادی حسرا تڑپ کر ڈال لوں میں ہاتھ پھر یہاں سا قن میں

(سفر حج میں وادی حمر کے اندر ظاہری زیارت کی طرف اشارہ ہے)

حریت مانگوئے توں غریب جبر عیاں توں سہارا ہے قدر ضعی کا مجھے محشر مکان میں

مجھے کیا غم ہے محشر کا مرا حامی ہے جب وہ شاہ کمال و لاک و طہ و مژمل جس کی شان میں

والامت رو غلام ہو کر تو فی الدین حبیشی کا

مُریدنی لا تخف بس ہے سہارا ہر دو کون میں

جب ۱۳۱۵ ہجری مطابق ۱۹۰۷ء میں حضرت لاہور میں قادیانی معرکہ سے مظفر منصور ہو کر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالوی کا مبارک نامہ پہنچا۔ اُس کے جواب میں یہ لکھ کر کہ یہ مبارکیں عالم گیر خطہ خاک پاک سیال شریف کو شایاں ہیں اذر بگذرے خاک سر کوئے شمشاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ یہ بیس اشعار وحدت وجود کے رنگ میں قلم بند فرمائے ہیں اور ان میں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے وہ اسی شمس نورانی کے نور مطلق کی بدولت ہوا ہے جو میرے اندر کارفتار تھا۔ حضرت نے سیفِ چشتیانی میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں امتافزار ہے ہیں۔ اس خط کے آخر میں فرمایا ہے۔ یہ چند اشعار مذکورۃ الصدر جو لسان الوقت نے بغیر امدادِ غرض و قوائی ہدیہ در دولت کیے ہیں۔ اُمید ہے کہ بہ لحاظ جنون و بے ساختہ پن محلِ اعتراض بلغانہ ہوں گے۔

شمس نورانی کہ نورِ مطلق است	در ہمہ آفاق نورش مطبق است
گشت خورشید سے نہال در ذرۃ	شیر نر در پوستین برترۃ
از پئے رو پوش عامہ در میاں	مہر شاہ شد مشہر بر ہر لسان
چونکہ نور افشانہ بر لاہوریاں	ظلم مخروطی خفت فی القادیاں
شب ز روز و روز از شب شد عیاں	فمحو نا آیت اللیل بیاں
دیں عجب کاں شمس از نورِ مستم	نا توں را بود خود صاحب علم
انت تہدی انت تضلل من تشا	انت تعز زانت تذلل ہر کرا
طرفۃ العینی نہ از ماجد را	بس عجب از در و جہاں نالہ ہا
چشم عاشق بہر جست و جوئے جاں	شد بخاک کوئے تو غوطہ زناں
گر نہ دادے نام پاکت دست را	کس نہ دیدے در جہاں ایں مست را
از مسمی اسم چوں راند نفس	عالی را گوش بر بانگ جوس
نام دادی از کرم دیوانہ را	نسخہ فیہ الشف مستانہ را
نام پاکت ساختہ و روزباں	مہر تو را در دیش کردہ نہاں
خاصہ مستانے کہ مست اندر است	مونس جاہنائے شاں بد سوز ثقت
آں مہتیمان سر کوئے کے	واں اسیران خیم کوئے کے
راکعیں بر یاد ابروئے کے	ساجدیں سرشارِ مہرِ روئے کے
ہر دو عالم در ہواش باختہ	پائے از دیدہ براہش ساختہ
یہاں سر و بستان خدا	شاہبازِ قدس آں شمسِ اعلا
طلعت رُوز از تجلی فی انجیال	مدرکہ باناطقہ گردند لال
بس کن اے دل قصہ بے انفصام	السلام اے بدر شمس والسلام

ایک عاشق اپنے خط میں حضرت کی آنکھ کو زنگس بیمار اور زلفت کو زنجیر کی تار سے تشبیہ دیتا ہے۔ جواب میں لکھتے ہیں :-

حیران ہوئے پریشان ہوں اس زنگس بیمار نوں دیکھ کے جی
بن پیٹے شراب خراب پھر بن اس مست سرشار نوں دیکھ کے جی
بن قید زنجیر بن پھنس گئے اس زلفت ہی تار نوں دیکھ کے جی
شالا زنگس مست نوں مہر پوے کرے مہر بیمار نوں دیکھ کے جی
قصید فارسیہ کے بعض اشعار کا ترجمہ پڑھو پنجابی میں فرمایا جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے :-

سار باناں مہرباناں راہیا شالا جیویں خیر تھیوی راہیا
یہ ساری نظم معاصرین کرام کے باب میں دی جا چکی ہے۔
ایک اور جگہ حضرت جامیؒ کی یوسف زلیخا کی طرز میں فرماتے ہیں :-

نہیما قاصد نہ ویس لائیں	نوحہ اللہ مہی سے دیس جائیں
ادب سیتی دیویں بوسہ زمیں نوں	تے آکھیں اس طرح اُس نازیں نوں
مدت ہوئی نہ بلیا یار پیارا	کدیں منزل کرے سوہنا اتارا
بہا نواں کول۔ اکھاں بول دے ڈھول	ترے بولن اتوں عالم کراں گھول
کے ہوسی چا نوازیں گولڑی نوں	زیادہ نہ کریں گل تھولڑی نوں
دچھوڑا ناں کسے دے پیش آوے	کسے دایار ناں پردیس جاوے
کدیں پردیسیاں نوں یاد کرناں	غریب الوطن دا دل شاد کرناں
کوئی ہووے سیو کشتی مہاناں	اساں سر پر سجن دے دیس جاناں
ہوداں میں سگ مدینے دی گلی دا	ایہو رتبہ ہے ہر کامل ولی دا
دلا سمجھا توں اکھیاں وڈیاں نوں	جگر دا خون بھر کھونڈیاں نوں

رہی سمجھاتے آدن باز ناہیں

روون دھوون تے دسن راز ناہیں

ہندی خیال جو اکثر قوال بطرز بھوپالی گاتے ہیں -

جب سے لاگے توروے سنگ نہیں پیا

نیند گئی آرام نہیں ساری ساری دین پیا

دکھ آئے سکھ بھاگ گئے سب ہیش مٹا سا چین پیا

تن من دھن سب تجھ پر واروں وار دیوں کوئیں پیا

جیا تڑپت ہے در سن دیکو صد تر حسن حسین پیا

وَصَلِّ عَلَىٰ كَيْسَانَ هِ
نہر علی ہے حُب نبی اور حُب نبی ہے مہر علی
لَا مِثْلَكَ فِي الدَّارَيْنِ پیا
لکھ کھی جھک جسمی فرق نہیں مابین پیا

جب سے لاگے تو سے سنگ نین پیا

نیند گئی آرام نہیں ساری ساری پیا

مُنَاجَات، جو بطرِ اسآوری گائی جاتی ہے

اے بھی اُدہ پتیاں دِ سِداں سائوں ماہی الیاں ٹاہلیاں
اُسے تھیں اودہ ہے اُریسے ہے پریسے پرے تھیں
رات وِچ دینہوں دیکھ سمجھے کل مٹنی ہالک
جے آکھاں توں دِ سدا ناہیں تیرے بن پھر کون ہے
ہے جو تنزیہ عین تشبیہ جمع حق مشہود ہے
پاکے گل دل پیچیاں زلفاں دے میں روندی دتاں
رہندیاں پل پل سکاں دم دم اڈیکاں تیریاں
جھات پاکے دل گیوں ساری رین گزری روندیاں
فِي الْمَسَامِرِ قَدْ تَفَضَّلْتَ عَلَيَّ مَنِيَّتِي
دل دا دہڑا خانہ اکھیاں دا دوہاں نوں انتظار
دیکھ لو رُج رُج کے اکیو کچھ دساہ نہیں دم دا

مہر ہے ساری علی دی شک نہ رہیا اک ذرہ

تاہیں اُدہ پتیاں دِ سِداں سائوں ماہی الیاں ٹاہلیاں

نعت

دل لگڑا بے پرواہاں نال جتھے دم مارن دی نہیں مجال صلی علیہ ذوالجلال
روندیاں نیناں نوں سمجھا رہی لکھیا پڑھیا سب بھلا رہی

۱۔ خواب میں تو میری مُراد مجھے عطا فرمائی بیداری میں بھی اپنا جمال دکھا کر راحت بخش۔

ہک نام سخن دا گا رہی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 جس دی ہک مینوں اوہ تاں آیا نہیں
 پل پل گھڑی دے سو سو سال
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 سوہنا میں توں کیوں چت چا گیا
 قسمت سٹری دا واہ پیا
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 جیندی جیند تلی تے دھر رہی
 لکھ واری تو بہ پڑھ رہی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 کراں یاد میں سوہنی حیات توں
 اُس حمراد دی دی گھات توں
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 سارا دن گزاراں بھوندیاں
 ہنجواں نال مُکھڑا دھوندیاں
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 کیتی بھجج کے وانگ کباب ہوئے
 سرشار تے بے تاب ہوئے
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 کیتی وچ غماں غلطان ہوئے
 حیران ہوں پریشان ہوئے
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 آدم بھیس تا عیسے مسیح
 اُسے بولسی ہک اُمتی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال
 ربی الہی صمدی
 فاطمۃ الزہراء علی
 دل لکڑا بے پرواہاں نال

رگ رگ تے توں توں ساہاں نال

ہک جھٹ گھڑی سکھ پایا نہیں
صلی علیہ ذوا بحلاں

لگیاں پریتاں جھلا گیا
تتی ریت عرب دیاں راہاں نال

گل پڑا منستاں کر رہی
رُٹھڑا منساں دا خیال

اُس سفر عرب والی رات توں
یا لیتنی یومر الوصال

گھٹ پڑا مکھ تے روندیاں
ساری رہیں سولاں تے آہاں نال

پیتے باجھ شراب خراب ہوئے
اُنہاں خونیاں مست نگاہاں نال

اندر یاد سخن ستان ہوئے
اُنہاں پچاپاں زلفت سیاہاں نال

نفسی بلیس سب نبی
احمد نبی صاحب کمال

صلی وسلم علی النبی
حنین جاک دی پناہاں نال

مہر علی توں کون بچسارا
نپٹ لاشے تے اوگن ہارا
سرتے چاکے عیباں دا بھارا
لاویں پریت توں شاہاں نال
دل لکڑا بے پرواہاں نال.....

لاکے پریتاں کدیں نہ فیے
بھیت دلاں دا مول نہ دیے
اندر روئے تے باہر ہیے
دل لکڑا بے پرواہاں نال.....

مہر سی کیوں پھیریں داسی
آج کل سوہناں آگل لاسی
ہوسن خوشیاں تے غم جاسی
دل لکڑا بے پرواہاں نال
جتنے دم مارن دی نہیں مجال
صلے علیہ ذوالجسد

حضرت کی مشہور نعت جو اکثر بھیم پلاسی یا اساور میں گائی جاتی ہے

آج سبک مٹراں دی دھیری اے
کیوں دِلڑی اُداس گھیری اے؟
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے
آج نیناں لاسیاں کیوں جھڑیاں
اَلطِيفُ سَرِي مِنْ طَلْعَتِهِ
وَالشَّدِيدُ بَدِي مِنْ ذَفَرَتِهِ
فَسَكَرْتُ هُنَا مِنْ نَظَرَتِهِ
نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں
مٹھے چکے لاٹ نورانی اے
نکھ چنہ بدر شعشانی اے
کالی زلف تے اکھ متانی اے
دو ابرو تو س مشال دسن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعل یمن
اس صورت نوں میں جان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
ایہ صورت ہے بے صورت تھیں
بے رنگ دسے اس مُورت تھیں
دسے صورت راہ بے صورت دا
پر کم نہیں بے سوجھت دا
ایہا صورت سٹالا پیش نظر
ونج قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گذر
سب کھوٹیاں تھیں تہ کھریاں
کوئی دریاں موتی لے تریاں
رہے وقت نزع تے روزِ حشر
توبہ راہ کی عین حقیقت دا
سب کھوٹیاں تھیں تہ کھریاں

اے خواب میں اُس کی شکل نظر آئی اور زلفوں سے خوشبو مہکی جس کے مشاہدہ سے میں مدہوش ہو گیا۔

يُعْطِيكَ رَبُّكَ دَاسِ ثَنَا
 بچ پال کر یسی پاس اسماں
 لا ہو مکھ توں منقطہ بُرو یمن
 اوہا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن
 حجر سے توں مسجد آؤ ڈھون
 دو بج اکھیاں راہ دا فرش کرن
 انہاں سکدیاں تے کر لاندیاں تے
 انہاں بردیاں مُفت وکالندیاں تے
 مَبْنَحَانَ اللّٰهَ مَا أَجْمَلَك
 کتھے مہر علی کتھے تیری شرف
 فَتَرْضَىٰ تَحِيں پوری آس اسماں
 دَاشْطَعُ فَتَشْطَعُ صَحیح پُھیل
 من بھانوری جھلک دکھاؤ سجن
 جو حسرا داوی سن کریاں
 نوری بجات دے کارن مانے سجن
 سب انس و ملک خوراں پریاں
 لکھ دابری صدقے بندیاں تے
 شالا آون وت بھی اوہ گھڑیاں
 مَا أَحْسَنَكَ مَا أَكْمَلَكَ
 گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

مرثیہ

قبلہ عالم قدس ہر فکے کلام میں غم حسینؑ پر یہ ایک مرثیہ پنجابی مہندی کی صنف میں یادگار ہے۔

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

ایہ مہندی روزِ ازل دی اے

ایہ مہندی فاطمہؑ حسینؑ دی اے

ایہ پوراں نال نہ رلدی اے

نبیؑ - علیؑ دا دُرِ یگانہ

نانا پاکت دا پہن کے بانا

جُنبش ہوئی زمینِ اسماناں

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

آکھے نبیؑ - علیؑ تے فاطمہؑ زہراؑ

سانوں سک تیری پل پل دی اے

شاہ تیری مہندی دا پتر ساوا

ایویں لکھی ہوئی روزِ ازل دی اے

شاہ تینڈی مہندی دا پتر پیلا

تینوں پی مَصِیبتِ کربل دی اے

شاہ تینڈی مہندی دا رنگ دُلاوا

ساری خلقت تیلیاں کل دنی اے

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

سہر زندِ حسینؑ تو ویلا آ

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

کوئیاں زل مل کیستاد صاوا

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

سو پوئی رب نوں خویش قبیلہ

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

روندا تینوں عالم سارا

لایا مہندی خُونِ اجل دی اے

شاہ قینڈی مہندی دارنگ ہے سوہا
ساری اُمت جلدی بکدی اے
ایہ مہندی سوہنے باگ دی اے
تاہیں ہو راں نال نہ رلدی اے
ادھر پاک معصوم سپا سے ترسن
ادھر تیغ حُشیں تے چلدی اے
رب نوں آہا ایہو بھانڑاں
نہیں تال تھوڑا تھے کیڑی گل دی اک
بُجان اللہ تیرے رنگ الہی
آج خاک وچ پئی رلدی اے
مہر علی شاہ ایہہ جھوک فنا دی
تیری وسدی بھی پل جھل دی اے
لایا مہندی خون اجل دی اے
لایا مہندی خون اجل دی اے
وایطہر کھڑوالی لاگ دی اے
لایا مہندی خون اجل دی اے
جہاں تے عینہ تیراں دے برسن
لایا مہندی خون اجل دی اے
رتبہ شہیدی تینوں دوانڑاں
لایا مہندی خون اجل دی اے
اوہ سوہنی صورت فاطمہ جانی
لایا مہندی خون اجل دی اے
دائم قائم ذات حسدا دی
لایا مہندی خون اجل دی اے

حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں یہ ہندی کبت بھی حضرت کے کلام میں ملتا ہے جو ایک دستانی بھاٹ کے حاضر ہونے پر آپ نے اپنے قول سائیں نخت جمال کو فی البدیہہ لکھوا دیا تھا۔

کب کر کے مدرج تمام۔ امام ہمام ہمام۔ بھلا جگ سارا
جس فاتح خیبر۔ ماہ منور۔ شاہ غضنفر دیں کو سنوارا
وہ نبی کے دھی۔ اللہ کے ولی۔ دو جگ میں ملی بہ نخی و جلی
وہ جب کہ پریں لکھار میں کفار ہو دیں ناچار۔ ٹوٹے ہنکار سبھی کا
حیث در کے زور پہاڑ گریں کفار میں در خیبر کو اکھاڑا

”کلام منظوم“ کا باب اُس طویل مثنوی پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت نے ۱۳۲۶ھ ہجری مطابق ۱۹۰۸ء میں مولوی محرم علی چشتی مرحوم کے مقالہ گو مکتو سے متاثر ہو کر نظم فرمائی تھی اور جو اب مثنوی گو مکتو کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اس مثنوی میں آپ نے فنا و بقا کی حقیقت اور وحدت الوجود کا مسلک بیان فرمایا ہے۔ اس میں بعض اشعار بوجہ مناسبت مثنوی مولانا روم سے بھی مندرج ہیں۔ ان اشعار کو ”میں درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض متفرق اشعار بھی ملتے ہیں جن میں سے کچھ ”مکتوبات طیبہ“ ”مخطوطات طیبہ“ اور ”پنج گنج عرفان“ میں درج ہیں۔ ایک شعر جو قبلہ عالم نے اپنی ذات کے متعلق بطور تحریثِ نعمت ایک موقع پر کہا تھا اور جس کے آپ نے فی الواقعہ صحیح مصداق تھے یہ ہے:-

از لطفِ خلاقِ زماں دارِ یم مُست از اذ جہاں
وضعِ دگر طرز سے دگر۔ ذوقِ دگر شوقِ دگر

مشنوی المعروف گوگو

مرحبا سے بلبل بستان چشت
 ہر دم از اسلام و اہلش این صداست
 فیضیاب از بارگاہ احمدی
 کے مقابل با تو تاندھ سری
 نور چشم مصطفیٰ و مرتضیٰ
 نور دیدہ تاجدار انما
 آل سگے کو شد بقیم کوئے او
 حب دل داری بخواجہ خواجگان
 پنجتن را بسندہ ای از جان و دل
 جرعمہ از فیض مستان الست
 قل لہم قولا بلیغاً یسنا
 پس میفشال نور بر ظلماتیاں
 کار شیراں ہمت و سرگرمی است
 جو حق کردہ ترا مختص بدین
 جد لہم بالنصح والحسن المقال
 زان شد ہی موسوم با محمد مصطفیٰ علی
 چوں محمد با علی ہم خواندہ اند
 یعنی ہتک عزتت کردہ حرام
 از حسیم جمع در بیدائے فرق
 زان حدیث راہ پر خوئلے مے کنی
 روح مستان شاہ است نائی و نیت
 گفتہ تو گفتہ آل روح است
 باب و مساز خود پیوستہ ای
 بلبل بستان چشتی خوش بگو
 باز گو از گوگو آل سر نوشت
 این بیان نیک چشتی را سزا است
 جرعمہ بر دھریہ ہم فلسفی
 مستند از شیخ عبدالقادر
 سید حسنی حسینی مرمت
 مرود و از لا تحف دادہ ہا
 شیر نادر تاب دیدن سوتے او
 مات فی تحت الالہا و است نشان
 دہر ہم فلسفی چشتی مجمل
 ریز بر دواں ہمتاں مکان پست
 و لہم بیتین بیانا ہیئت
 از غشاوہ جہل ایشاں را رہاں
 کار دوناں حیلہ و بے شرمی است
 ذالک فضل من الہ العالمین
 و ارحم عن عقیدات الضلال
 محمدی زان عالم بتر و نخی
 از برایت حال نیکو راندہ اند
 آل علی غالب ذوالاحترام
 ماندہ امی مہجور در ظلماتے فرق
 قصہ ہائے عشق مجنوں مے کنی
 مے دہی بیرون دہیہ نایت
 گو بظاہر انتابش سویت است
 از تحف ہائے کلی رستہ ای
 ہاں و ہاں بر گوگو اصدا بگو

۱۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ پنجتن چشتیہ ۲۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری معین الدین ۳۔ حضرت قطب الدین (۴) فرید الدین
 (۵) نصیر الدین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ اشارہ بحضرت خواجہ مستان شاہ کابل پیر و مرشد چشتی صاحب مے علی معنی حق تعالی

"جوڈ محتاج است خواب طالبے
 "جو دے جوید گدایان و ضعات
 "رُوئے خواباں ز آئینہ زیبا شود
 "پس ازیں فرمود حق در واسطے
 چوں گدا آئینہ جوڈ است ہاں
 فلسفی در "ماہی" عمرش تیر شد
 دہریہ در عیش فانی کور و کر
 مرغ کاب شور باشد مسکنش
 اے کہ اندر چشمہ شور است جات
 اے تو نارستہ ازیں فانی رباط
 و ربدانی نقلت از آب و جد است
 ابجد و ہوز چہ فاش است و پدید
 تو چہ دانی ستر ایں را اے عمی
 ساعت و اکن عمت ال بیئر را
 تابہ او یقل بہ او یبطش شوی
 لوح محفوظ شود مشہود عین
 غیہ از معقولہا معقولہا
 علم تو علمش و علمش علم تو
 تو نہ ماندی چو نکہ بس گو کیت ایں
 ایں زماں جاں دامنم بر تافت است
 "من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست
 از ہمدہ اوہام و تصویرات دور
 ایں سخن لاریب حق است اے اخی
 خاصہ در انساں کہ نوع آخر است
 زیں جہت عالم صغیرش گشتہ نام
 ایں سخن را نیست پایاں اے پسر

ہم چسپاں کہ توبہ خواہد تابیے
 ہم چوں خواباں کا آئینہ جوید صاف
 رُوئے احساں از گدا پیدا شود
 بانگ کم زن۔ اے محبتد برگدا
 دم بود بر رُوئے آئینہ زیاں
 وانکہ جز ماہی است ز آبش سیر شد
 ماندہ در علم کیانی خیمہ سر
 اوچہ داند جائے آب روشنش
 تو چہ دانی شطیحون و فرات
 تو چہ دانی صحو و سکرو انبساط
 پیش تو ایں نامہا چوں ابجد است
 بر ہمہ طغیان و معنی بس بعید
 چوں ندانی کل شی فی کل شی
 بشنوا ز نے نالہ شبگیر را
 ہم بد و یسع۔ بد و یصر شوی
 از چہ محفوظ است محفوظی ز شین
 بینی اندر دل علوم انبیاء
 حلم تو حلمش و حلمش حلم تو
 فی مرا یا العدم قد ظہر الممتین
 بُوئے پیرایان یوسف یافت است
 شرح آں یارے کہ آں رایار نیست
 نور نوراً نور نوراً نور نوراً
 وجہہ فی کل شیء یجتلی
 کون او مجلہ جہاں را حاضر است
 ف العالم اربعہ بسنگ تمام
 باز گو از گو مگو لغسم النجر

۱۔ کلام مولائے روم

۲۔ ماہی یعنی یہ کیا ہے یعنی عالم خلق کی جستجویں عمر گزار دی۔

۳۔ یعنی ایں عقل کہ ماخوذ است از عقل بعیر دریمانے کہ بہ آں زانوئے اشتر بندند

کیست نے کوئے سراپد دہم
 ایں فغان و نالہ ہائے زار او
 بچو نے گشتہ تھی از خویشی
 دوست فانی از خود و فانی بحق
 بندش چشمے کہ دید از غیر دوست
 دیدن چشم محمد از شقی
 گفت یسلی را خلیفہ کاں توئی
 از دگر خوباں تو افسند نیستی
 دیدہ مجنوں اگر بودے ترا
 چہیت دانی چہرہ زیبائے دوست
 بالب دمساز خود جفت است او
 سر او نائی است او جز نے نیست
 گفت نے گفت نائی بود
 نے کہ ہسنگام حکایت بردہ
 کز مہتمم و حد تم رانیسہ اند
 کردہ ام جبروت اسرار عبور
 گشتہ ناسوت آخر ایں منزل مرا
 چوں نہ گریم در فراقش سر بسر
 در حسیم وصل با شاہ وجود
 گشتہ ام محروم از قرب ہمیں
 رینہ خواہم شرح شرح از فراق
 ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
 آن دہم بیدوں کہ او در من دید
 ہاں گو او چو تک با حق واصل است
 سوال — پس ز ہجرانش شکایت بہر چہیت؟
 جواب — زانکہ وصل مطلق است اینجا محال
 راست فرمود ست مولانا بیباں

من نیم واللہ یارا من نیم
 مے رود تا صبح عرش یار او
 زار و گریان است از حُب وطن
 مَن رَا کُفَّی رَا اَی رَبِّ الْفَلْکِ
 مطمئن لا غیر الازدے دوست
 کئے بود چوں دید بُوکَر و علی
 کز تو مجنوں شد پریشان و غوی
 گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
 ہر دو عالم بے خطر بودے ترا
 دید حق را آئینہ گویم نہ دوست
 زان چوں نے بس گفتی گفت است او
 شور ہائے دہوئے او بے دے نیست
 گو ظہورش از دہان نے شود
 از جسدائی ہا شکایت مے کند
 زان ز شورم مرد وزن تالییدہ اند
 عالم ملکوت را کردم مرور
 زیں جسدائی ہا شدہ خوں دل مرا
 نیست در عالم ز من مہجور تر
 تختہ بودم، جسد را رہے نہ بود
 در حنیض آوردہ موج پنہیں
 تا بگویم شرح درد اشتیاق
 باز جوید روزگار وصل خویش
 آرمیدہ ام بحق از خود رمید
 جملہ مطلوبات اورا حاصل است
 وز جسدائی ہا شکایت بہر چہیت؟
 تا بود پیوند جسم و جاں بحال
 در دم آخر چوں رفت ازیں جہاں

"من شدم عرباں ز تن او از خیال
 تا بود اینجاست تشبک جسم و جان
 او ز جان و جان ز او مستور نیست
 منظر ذاتست روح بے نشان
 بحث جان اندر معصم دیگر است
 جمله اسماء را تو مرآت آدمی
 آدمی از دور یک اے خوش لقا
 عَلَّمَ الْأَسْمَاءَ طرازِ جان تست
 از کمالت گر ملک آگاه بدے
 نماید این اندر لباسِ ضوت و حروف
 چشم بند و گوش بند اے بے نوا
 کن سفر در خود به رجعت قهقری
 پائے کوباں تا به بام او رسی
 از وطن بینی و از اهل وطن
 فَمَنْ كُنْ إِنْ شَاءَ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ
 "اسم خواندی زو مسی را بنجو
 "اذکر و اللہ کار ہر او باش نیست
 اذکر و نی راست اذکر در قفا
 با ملائک حق بگوید در سما
 دوست داریدش کہ او محبوب ماست
 داده اسمش شرح صدر و رفع ذکر
 مانے بے او، او نہ بے ما بالیقین
 مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ زَيْنَ بُوْد
 ذَاكَ فَضْلُ مِنْهُ - اللَّهُ يَضْطَفِي
 خاصہ پاکانے کہ از خود رستہ اند
 کردہ با جادُک نوط اجابتش
 آن دُعائے شیخ نے چوں برخواست

مے حسد احم در نہایت الوصال
 کئے رُخ جاناں عیساں دیدن توان
 یک کس را دیدن شان دستور نیست
 پیمناں کا سماکش را باقی ہماں
 بادۂ جان را قواسے دیگر است
 زان حلیفہ و منظر ذات آدمی
 گوئے بُردی از ملک یا محب
 اُسْجِدُ وَالْأَدَمِ ہم اندر شان تست
 کئے اَجْتَمَعْنَ گفتہ خود رسوا شدے
 غوطہ باید خورد در دریائے ثروت
 صحن دل را نیک روب از ماسوی
 تازہ رمز روح و جانت پے بری
 از خودی خود بیس دل آئی و رہی
 جان خود ہیں گر برول آئی ز تن
 استدا و انتہایت شد ہوں
 مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو
 ارجھی بر پائے ہر قلاش نیست
 ذکرِ تماں را ذکر او نعم بحذا
 دوست دارم آل کثیر الذکر را
 وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ راسخ است
 ذکر او ہر جا کہ از ما ہست ذکر
 گفتہ او گفتہ ما شد ازیں
 یک نے ہر کس منزلی ایں بود
 مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ يَا آخِي
 دیدہ از غیرت بروش بستہ اند
 از و کو خواں تمارحمی آیتش
 فانی است دست او دست خداست

از دهن هائے خلاق شد عیسا
 ظرف اذکر اذکرت کئے بود
 ذکر کن ذکرے کہ غیر از دل رود
 ذکر یاد دل بود نے از سخن
 چونکہ رُوحیت غرق یاد حق بود
 ذاکر و مذکور و ذکر ت یک شود
 غیر تو هستی، بروں شوا جسم
 آل وحید الدہر عارف بازید
 بیچ تاں یا بید از شاہم نشان
 جملہ گفتندش کہ بر ما کن عطا
 ما شنیدیم آل کہ قلب مومن است
 یا محیط الصل خلاق الوری
 عالمے را در تحیت کردہ امی
 یا محیط الصل و حباب النعم
 تو محیطی کئے محیط ما شوی
 بر تری از قسم و قال و قيل ما
 کئے تند بر شد تار موی
 مالک الملی و اللہ احد
 لہ یکن احد لک کفو و لہ
 تو چنانستی کہ خود کردی بیان
 آنچه با ما در بطون اتمات
 گرد بہقت کردے رحمت بر جلال
 زین سبب رحمن باللہ تدرین
 عالمے را از عدم کردی بدر
 لیس فی الفضیلین یا رب العلا
 معنی اذکر ذکر ہاں اے مہرباں
 غنی و مذکور ہر گاہ وے بود
 غیر غنی ذات حق در دل بود
 کو بود صوت و ہوا سے از دہن
 جامہ ہستی بکلی شق بود
 اندریں دم غیر حق بیشک بود
 خود حجاب اکبری۔ تم لاجسم
 با ملائک گفت از شوق مزید
 عرش جائے دوست خواندم در قرآن
 گو خبر از آل شہ ارض و سما
 تحت گاہست ز ہجران امین است
 ظاہری و باطنی در دوسرا
 با ظہور کمالیت در پردہ امی
 علم تو بہت از معلوم ما اتم
 علمنا کیمت علیک یحتوی
 خاک بر عمت و بر تیشیل ما
 کئے ز کثرت قول راند عاتقے
 لہ یلذ۔ لہ یولد اللہ الصمد
 لیس شیئاً مثلك یا ذا الکرم
 در صحائف سابقہ ہم در قرآن
 کردہ امی موسم نہ کردہ بانبات
 جملہ عالم ماندے در تیر زوال
 آمدہ در بسملہ از بہترین
 افسردی جملہ را از خیر و شر
 یرجع الشین الی ال لا ولا

لے وادے ربک اذالت الایۃ
 علم یعنی حق دہانی۔ ازین با خواہی فہید کہ الرحمن علی العرش استوی فرمود نہایتیکہ
 اللہ علی العرش استوی از ہائے حق یعنی کہ قدرت جلال ذات ماسوئی را ابدانیت شرکت فی الوجود فیہ نفس مخلوق و رحمت ماسو
 معنی فیض اقدس و تقدس

لِمَجْعَلِ الشَّرَّ شَرًّا بَاطِلًا
 لِمَجْعَلِ الشَّرَّ مَوْجُودًا بَدَلًا
 عِلْمُ تَالِجِ اسْتِ مَرْمَعُومِ رَا
 گَرَنَ لُطْفَتِ یَاوَرِ مُنْظِمِ بُدْءِ
 خَلَقَتِ مَا کَرْدِی اَز مَاءِ مَهْدِیْنِ
 پَسِ عَطَا کَرْدِی بِمَا عَقْلِ وَ حَوَاسِ
 اَز پَیِّ لُطْفِ وَ هِدَايَتِ وَ اَز بُلِ
 هِم ز فَضْلِ وَ رَحْمِ خُودِ یَا ذَوِ الْعِلَا
 تَاکَ نَحْمُ الْاَنْبِیَاءِ جَدِّ الْحَسَنِ
 خُواند بَر مَا رُوشَنِ وَ مُعْجَزِ کِتَابِ
 عِلْمِ وَ حِی آئِدِ دِلِیْلَتِ سِرِّسِرِ
 عِبْدَةِ الْبَطْنِ اَنْدِ اَبْنَاءِ زَمَانِ
 کُور وَ کُرْاَنْسِ دِلِ غَافِلِ زِیَارِ
 مَعْدِهِ رَا بَکْزَارِ سُوئے دِلِ خِرَامِ
 تَا اَلِستِ اَز وَءِ شَنْوِیِ اِیْنِ زَمَانِ
 وَ حِدَّتِ بَا شَدِّ بَه کَثَرَتِ جَلْوهِ گَرِ
 تَا بَدَانِی سِرِّ اَطْوَارِ وَ جُودِ
 کُلِّ شَیْءٍ هَالِکِ مَشْهُودِ عَیْنِ
 رَا کَعَا سِرِّ شَارِ اَز رُوءِی کَعِ
 بَیْنِ اَو رَا اَنْدَرِیْنِ آئِیْنِ هَا
 بَیْنِ عَالَمِ رَا ظُهورِ حَقِ گَعِ
 لَا یَصْحَحُ عِنْدَکَ فِی ذَالِ شَهُودِ
 گَاهِ بَیْنِی عَیْنِ ثَابِتِ رَا عَدَمِ
 گَاهِ وَ جُودِ خَاصِ دَانِی مَرُورِ
 "وَر تَصَوُّرِ ذَاتِ اَو رَا کُنْجِ کُورِ
 آفْتَابِ آئِدِ دِلِ آفْتَابِ
 جَذِبِ وَ شَوْقِ بِلِ بُلْتَانِ چِشْتِ
 سُنَّةِ اللّٰهِ چُونْکِه جَارِی شَدِ بَرِی
 مَدَّتِ اِیْنِ مَشْنَوِی تَا خَیْرِ شَدِ

اِذْ تَخْلَلُهُ هَتَا لَکَ عَاظِلِ
 خَیْرِ ذَاتِی هَسْتِ وَ شَرِّ عَارِضِ بَدَلِ
 کَیْفِ زَیْدِ یَتَقِی زَا لِ شَدِ خَطَا
 کَعِ جَوَابِ اَلِستِ رَا مُلِمْ شَدِ
 اَحْسَنِ التَّقْوِیَعِ کَرْدِی ذَوِ الْیَقِیْنِ
 تَاکَ اَز اَعْمَالِ مَابِیْنِی سِیَاسِ
 نِیْسَتِ مَا رَا جُزْ اَطَاعَتِ بَا رُسُلِ
 کَرْدِه اِمِی اَرْسَالِ رُسُلِ وَ اَنْبِیَا
 اَحْسَنِ آئِدِ بُودِ فُخْرِ اَنْجَمِ
 دَادِ مَا رَا شَرِیعِ بَا فَضْلِ خَطَابِ
 عَقْلِ جُزْ وِی هَسْتِ اِیْنِجَا خَیْرِهِ سِرِ
 کِه فَضِیْلَتِ مَعِ دِهَنْدِ اِیْنِ رَا بَرِ اَلِ
 رُوزِ وَ شَبِ دَر حِظِّ نَفْسَانِی دُورِ
 تَاکَ بَعِ پَرْدِه زِ حَقِ آئِدِ سَلَامِ
 هِم بِلِی آرمِی مَحْیَا بَر زَبَانِ
 پَسِ حَسْرَتِی دَر وَصَالَتِ سِرِّسِرِ
 کَیْسَتِ دِیَارِ اَنْدَرِیْنِ دَارِ وَ جُودِ
 بَا شَدَّتِ اَلِ دَمِ رَهی اَز غَیْنِ وَ شَیْنِ
 سَا جَدِّ اَز دِیْدِ اَبْرُوءِی کَعِ
 شَمِّ وَ جَهِّ اللّٰهِ بَفْهَمِی بَعِ خَطَا
 گَا بَعِ حَقِ ظَا هِرِ وَ بَاطِنِ عَالِی
 شَمَّتِ الْاَعْيَانِ رَا نَحْوَ الْوُجُودِ
 یَنْصَبِغُ بَصَفَاتِ اَو اَنْدَرِیْتِ مَدَمِ
 پَسِ اَنَا الْحَقِّ دَر سِرَانِی بَر مَلَا
 تَا دَر آئِدِ دَر تَصَوُّرِ مَشْشَلِ اَو
 گَر دِلِیْلَتِ بَا یَدِ اَز وَءِ رُوءِی مَتَابِ
 بَا زِ نَالَا لِ گِشْتِ بَر کُلِّ مَلَا کَعِ کِشْتِ
 دَر بَسَارَا لِ سَبْزِه رُویْدِ اَز زَیْنِ
 مَسْکَتِ بَا لِستِ تَا خُورِ شِیرِ شَدِ

ہاں نہ گوئی معجزات انبیا
 سنتش را نیست تبدیلی نہ ضد
 پس خلافِ نچپہ و قانون او
 زانکہ ایں ہم بر وفاقِ عادت است
 عادی و غیرش وفاقِ سنتش
 کثرتِ او قلتِ ایں از قدم
 نچپدی چوں اندرین جانگاہ شد
 صدقِ طالبِ خود آلِ ربِّ محمد
 لیک مختص بذالک من یشا
 آلِ دعائے شیخ نے چوں ہر عاست
 از دہن ہائے خلائق شد عیاں
 مشیئاً اللہ شاہِ جیلان اعطی
 ہر زبان سے خواند از عشقِ مزید
 رحم فرما اے سلیمانِ زماں
 المدد یا شمس دیں غوثِ جہاں
 چوں حدیثِ رُوسے شمس الدین رسید
 نورِ روحانی دہد شمسِ سیال
 از افول آمد مندرہ شمسِ دیں
 شرحِ احسانات و فیضِ ستم
 اولیاً صیقل گراں رُومِ داں
 دل ز غیر دوست چوں صافی کنند
 عکسِ مر رُوسے فتد آنکہ درو
 پاک کن بر آتِ خود از غیر حق
 رنگِ غیبت ز بر آتِ بکن
 تابیبانیِ علم خود از علم او
 نے نجوم است و نہ دل است و نہ خواب
 از پئے رُوپوش عامہ دریاں
 تلغرافِ غیبی آمد از اساس
 آنکہ بتکبِ عزتش کردہ حرام

شد خلافِ نصِ شرعی ایں کج
 شادش بر خواں ز قرآن لے یحذ
 درشتا صیغی چساں آید تو
 معجزہ ہم در طباقِ سنت است
 وافر و کم بر وفاقِ عادتش
 در محاطِ سنت و جہتِ القلم
 لاجرم زین نکتہ کم آگاہ شد
 پیش از فضلِ ہزاراں بروید
 از عبادش انبیا و اولیاء
 فانی است و دستِ اودستِ خداست
 معنی اذکر کھ ہاں اے مہرباں
 یا معین الدین چشتی آتشی
 یافتید و یافتید و یافتید
 المدد اے تو نشانِ بے نشان
 فضل کن یا فضل دیں کہفِ الاماں
 شمسِ چارم آسماں سر در کشید
 کوست حستانی و باقی بے زوال
 غیرش آفل لا احب الا فلین
 ایں زماں بگذار تا وقتِ دیگر
 نے چوں نقاشانِ چیں لعلت گراں
 ہر دو با خود آریسنہ بازی کنند
 کہ مصطفیٰ باشد و ہم رُوبرو
 کے تری فیہ وجوہا وجہ حق
 منعکس فیہ علومِ ذوالمنن
 ذات و ادصافش ہمہ ظاہر ز تو
 وحی حق واللہ اعلم بالصواب
 وحیِ دل گویند او را صوفیاں
 گشت چشتی پاس حق را صد سپاس
 محترم کردش بہ نزد خاص و عام

آل عسلی - غیور و مستان و صمد
 یا الهی - فیض از دهبانیه
 انجمن نعمانیه شد دار این
 و آل سلیم الطبع و الدین خوش صفات
 حق سلامت داردش از رنج و تاب
 راجی خود را کج رسوا کند
 ز د و باریک انجمن نعمانیه
 آبدار خد متشش آل تاج دین
 آل سلیم الله مفتی نیک ذات
 دین و دنیسا باشدش خیر المآب

هم چرخ دین احمد خادش
 الامان یا رب ز باد صحرش

باب دہم

تصانیف

پہلی فصل

تصانیف

”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

حضرت قبلہ عالم کی پہلی مہتمم بالشان تصنیف ”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ ۱۸۹۷ء میں فارسی زبان میں لکھی گئی اور اپنے لطیف مسائل، دقیق مباحث اور عظیم علمی کردار کے باعث تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں فارسی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ مضمون کتاب کو بیان کرنے سے پہلے مختصراً مسئلہ وحدت الوجود اور کلمۃ توحید لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے نفس مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

توحید و جودی صوفیائے اسلام میں سے اکثر مشائیر کرام کا مسلک روحانی رہا ہے۔ اس کا مجملہ مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً وجود یعنی صرف ذات واجب باری تعالیٰ کا ہے اور اس کائنات کے تعینات اور تنزلاتِ ظل ہیں اسمائے الہیہ کے، یعنی اس کائنات کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ صرف ظلی ہے اور یہ اصول جمیع کائنات پر بغیر کسی استثناء کے جاری ہے۔ کچھ اور بزرگانِ عظام توحید و جودی کے قائل ہیں، اُن کے نزدیک حقیقت عالم ایک نورِ محض ہے۔ بے بُود اور بے جُودِ صنعت کاملہ خداوندی سے مخلوق ہے لیکن ذات الہیہ اس سے ورارہ الورا ہے اور وہ اس کا عین نہیں۔

مگر یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ چونکہ ان دونوں نظریات کا تعلق آثارِ باطنہ سے ہے اس لیے عوام الناس انہیں تسلیم کرنے اور اُن پر اعتقاد رکھنے کے مُکلف نہیں۔ اُن کے لیے صرف توحید شرعی پر جو کلمۃ توحید میں بیان کی گئی ہے، ایمان رکھنا کافی ہے توحید شرعی کا مطلب جو شاریعین بیان کرتے چلے آئے ہیں وہ یہ ہے کہ ایمان لا الہ الا اللہ کی وحدانیت کے ساتھ صفت الوہیت اور استحقاق عبادت میں، اور کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک نہ کرو۔

لکھنؤ میں ایک بزرگ گزرے ہیں کا نام گرامی مولانا عبد الرحمن تھا۔ وہ نہ صرف علوم ظاہر کے جید عالم تھے بلکہ تصوف میں بھی دسترس رکھتے تھے اور توحید و جودی پر ایمان رکھنے والے صاحبِ حال مرد تھے۔ اپنے سفرِ ارتقاء کے روحانی کے دوران انہوں نے غایت وثوق اور اہتمام توحید و جودی کی بناء پر اپنی تصنیف ”کلمۃ الحق“ میں اصنام (معبودانِ باطلہ) کو عین اللہ قرار دے دیا اور کلمۃ طیبہ کے معانی اپنے زعم کے مطابق اور خلاف قانونِ ادب عربی کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کلمۃ توحید میں الا سے مراد اصنام ہیں اور خبرِ محذوف غیر ہے لہذا لا الہ الا اللہ کے معنی ہیں لا شئی مِن الاَصْنَامِ غَيْرُ اللہِ الا اللہ (نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ مگر اللہ یعنی ہر شے میں اللہ ہے) پھر اس پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ اس بات پر بھی مُصر ہوئے کہ تمام اُمت پر لازم ہے کہ وہ اُن کے بیان کردہ مطلب کو صحیح سمجھے اور تمام علماء ملت جنہوں نے ایسا نہیں کیا اور وہ جو آئندہ ایسا نہیں کریں گے سب گمراہ ہوں گے۔

تاریخ عالم باقی ہے کہ کائنات کے ظہور میں آنے کے بعد طبع انسانی اپنی کم فہمی اور محدود نظری کے باعث عبادت اصنام (معبودان باطلہ) کی مرتب ہوئی اور اُس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیج کر شرائع اور احکام نازل فرمائے تاکہ انسان فرق مراتب کر سکے۔ مولانا عبد الرحمن صاحب کے اصنام کو عین اللہ قرار دینے کا نتیجہ عوام الناس کو پھر اسی گمراہی میں ڈالنا تھا جس کا راستہ حکمت الہی نے بند کیا تھا۔ یہیں وجہ بعض علمائے ظاہر نے اُن کی اس غلط فہمی کو کفر صریح پر محمول کیا۔ نتیجہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ مسئلہ تمام امت کے لیے قندہ بن جائے۔

اس موقع پر حضرت قدس سرہ نے اپنا قلم مبارک اٹھایا اور یہ کتاب تحقیق الحق فی کلمۃ الحق تحریر فرمائی جس میں مولانا عبد الرحمن صاحب کے مسلک کی نہایت قوی اور مفصل براہین اور دلائل کے ساتھ تردید فرمائی اور یہ ثابت فرمایا کہ کلمہ توحید کا وہ معنی جس پر زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام اہل اسلام متفق چلے آئے ہیں، ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے کافی ہے۔ مگر دیگر علمائے ظاہر کی طرح حضرت نے مولانا کو مستوجب تکفیر و تعزیر نہیں ٹھہرایا بلکہ وجہ اُن کے غلبہ حال کے انہیں معذور سمجھا۔

موضوع کتاب چونکہ نہایت نازک ہونے کے علاوہ دقیق بھی تھا اور مولانا عبد الرحمن صاحب نے اپنے مسلک کی تائید نہایت عالمانہ رنگ میں کی تھی لہذا اُس کی تردید کے لیے بھی لازماً عالمانہ براہین ہی سامنے لانے ضروری تھے اس لیے حضرت کی اس تصنیف سے صحیح طور پر وہی صاحب علم حضرات مستفید اور محفوظ ہو سکتے ہیں جنہیں عربی زبان اور لغت پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی ذوق بھی ہو اور جو نفس مضمون کو سمجھتے ہوں۔ ارباب تحقیق کے لیے حضرت کا یہ شاہکار ایک نادر تحفہ ہے۔

مفتی محمد حسن مرحوم بیان کرتے تھے کہ اُن کے شیخ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حضرت کی اس کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ صاحب یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہل ظاہر کے لیے کلمہ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ مصنف کلمۃ الحق نے کتاب و سنت اور لغت و بلاغت کے قوی دلائل سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم توحید و جود ہی میں مضمر ہے اور وہ بھی وہ مفہوم جو خود انہوں نے بیان کیا تھا اور یہ کہ اُس کے بغیر ایمان شرعی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالم جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علماء ظاہر میں سے شاید ہی کسی کو کتاب مذکور کا جواب لکھنے کی جسارت ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس اصل اصول کلمہ طیبہ میں اہل اسلام کے دو بڑے گروہوں میں تصادم ہو جاتا۔

کتاب کی ترتیب اس طرح پر کی گئی ہے کہ اولاً بیان لا الہ الا اللہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ الہ سے معنی کلی مستحق للعبادۃ مراد ہے نہ کہ اصنام (معبودان باطلہ) اور خبر غیر محذوف نہیں بلکہ موجود محذوف ہے پس لا الہ الا اللہ کے معنی ہوں گے نہیں کوئی مستحق عبادت موجود مگر اللہ۔ ثانیاً بیان توحید حقہ عرفائے کرام یعنی توحید و جود ہی کی تشریح اور اُس کے حصول کا طریقہ۔ بعدہ بیان سیرت طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمۃ الحق کی دوسری جز محمداً رسول اللہ کی مختصر شرح ہے اور آخر میں تبرکات احادیث مخصوصہ کشفیہ کا بیان ہے۔

اب اہل علم و تحقیق کے لیے کتاب میں سے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں سب سے پہلے حضرت کا اپنا بیان درود جبرائیل دیا جاتا ہے۔

حضرت کا اپنا بیان دروجہ تالیف

اگرچہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اصحاب ذوق و وجدان سے حاصل کردہ اسرار توحید کے انوار میں عورت کو شریک
لیکن دیکھتا ہوں کہ وہ خود ان میں سے ہیں۔ غایت تصوف میں سے ہر ایک دوسرے فریق کو کافر اور مشرک قرار دینے کے
درپے ہے۔ اور اس کے علاوہ بعض لوگ اصحاب ذوق و وجدان کے کلمات نفیہ کو جو غلط فہمی کی بنیاد پر قائم ہے ان کے
پلنے سے بات بات معارف میں غلط فہم پڑتے ہیں اصل مزارک مہر پر سائی نہ پاسکے کی وجہ سے دوسروں کو مستوجب تحقیر ٹھہرانے
اور اپنی خود سامانہ تعریفات کو ثابت کرنے کے لیے سند بنا رہے ہیں (پچانچو مجھے بھی بعض اعتراف و اجاب کی رفاقت میں ایک
تقریب کے موقع پر قمبر شاہ پور میں اس قسم کی ایک مجلس میں شمولیت کا اتفاق ہوا جہاں ایسی باتیں سننے میں آئیں کہ اللہ تعالیٰ
ہم سب سے درگزر فرمائے)۔ نیز بعض اہل علم و ایمان تصوف دوسرے فریق یعنی ٹکڑے ٹکڑے غلام اور ان کے ہم مسلک
مسلمانوں کی تحقیر کے بارے میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن لکھنوی قدس سرہ کی کتاب کلمۃ الحق کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں
اگرچہ کتاب مذکور کے مضامین کی تحقیق اور براہین کی تدریق مولف علیہ الرحمۃ کے کمال علم و فہم پر شہادت دے رہی ہے
لیکن توحید و وجودی میں ان کا طرز اثبات بوجہ ان کے اس سلسلہ میں کمال استغراق کے ایک دوسرے رنگ میں ہے جو سلف
۱۱ غلط کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ حضرات وجودیہ نے ٹوٹا توحید و وجودی کو کلر طیبہ عند الشارح سے مراد نہیں لیا اور
نہ شرعاً ہر شخص خاص و عام کو اس کے ساتھ مکلف بنانا اور نہ ان کا یہ مسلک ہے کہ اُمت محمدیہ اور اہل علم سابقہ اسی مفہوم کو
سمجھنے اور اس پر ایمان رکھنے کے بغیر مشرک و کافر سے نہیں بچ سکتے بلکہ انہوں نے توحید فی العبادت (یعنی کوئی نہیں ہے
معبود سوائے اللہ کے) کو ہی کلمہ طیبہ کا مدلول اور مدار نجات قرار دیا جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے سب سے پہلا
سبق ہے اور توحید فی المحبت کو (یعنی کوئی نہیں ہے محبوب سوائے اللہ کے) کو مدار اخلاص قرار دیا جیسا کہ اس فرمان الہی
سے ظاہر ہوتا ہے:-

فَلْإِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ
وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ بَاقِيَةٌ فَتُحْشَرُوا وَتَبَارَكُ
تَحْشُرُونَ كَسَادَهَا وَهَلْ كُنْتُمْ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ
إِلَيْكُمْ مِنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبة - ۲۴)

کہہ دیجئے اگر تمہارے ابا اور اخوان اور ازواج
اور استر با اور تمہارے اموال جنہیں تم بڑھاتے ہو
اور تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو تمہیں اللہ
اور اس کے رسول سے زیادہ عزیز نہیں تو۔۔۔

اور توحید فی الوجود (یعنی کوئی نہیں ہے وجود معنی سوائے اللہ کے) کو مدار کمال عرفان سمجھا جو کہ آیت کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ
إِلَّا وَجْهَهُ (ہر شے اللہ کے سوا ہلاک ہونے والی ہے) اور اس کے مشابہ دیگر آیات سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ لفظ ہالک
لغت عربیہ میں اسم فاعل کا صیغہ ہے جو کہ حقیقتہً کسی موصوف پر اُس وقت بولا جاتا ہے جب کہ صفت بالفعل اُس کے
ساتھ قائم ہو نہ یہ کہ صفت کا قیام اُس کے ساتھ بعد میں جا کر ہو پس جب ہر شے بالفعل ہالک اور فانی ہوتی تو ثابت ہوا کہ
وجود حقیقی فقط اُسی ایک ذات باری تعالیٰ کا ہے اور تمام عالم امکان اُسی وجود حقیقی کا ظل اور پر تو ہے اور توحید کے یہ دو
مراتب (یعنی توحید فی المحبت اور توحید و وجودی) اسلام میں داخل ہونے کے بعد علی الترتیب عنایت ازلی سے حاصل ہوتے
ہیں یہی وجہ ہے کہ توحید فی العبادت کی متعلقہ آیات زیادہ تر نئی سورتوں میں وارد ہوئی ہیں (جب دعوت اسلام کی ابتدا تھی)

اور توحید فی المحبت کی متعلقہ آیات و احادیث عموماً مدینہ منورہ میں وارد ہوئیں۔ اور توحید فی الوجود کے لیے اشارات پر اکتفا کی گئی بخلاف ہر دو پہلی قسموں کے جن کے لیے باقاعدہ صریحہ خطاب سے مخاطبین کو مکلف بنایا گیا۔ اسی وجہ سے محرم بطور نے اظہار حق کے لیے اور علمائے ربانی اور صوفیائے کاملین مثلاً شیخ اکبر اور مولانا عارف جامی وغیرہ علمائے ظاہر کے اعتراضات کو رفع کرنے کی خاطر حسب استعداد کچھ بیان کر دیا ہے اور مؤلف کلمۃ الحق کے استدلالات اور تفسیر کو ان کے غلبہ حال اور استغراق فی التوحید الوجودی پر محمول کر کے معذور سمجھا کیونکہ وہ واقعی کاملین کی جماعت سے تھے اور قال اور حال میں ہر لحاظ سے سچے تھے۔ (خلاصہ مقدمہ تحقیق الحق)

مؤلف کلمۃ الحق کی توجہات

جناب مؤلف کلمۃ الحق کی توجہات حضرت قدس سرہ کے الفاظ مبارکہ میں مختصراً اس طرح سے ہیں:-
 "توحید وجودی" کے اعتقاد میں مولانا قدس سرہ دوسرے علماء سلف سے دو امور میں منفرد ہیں۔ (اول) کہ عین الشائع کلمۃ توحید سے مراد توحید وجودی (نہ توحید فی العبادت) اور (دوم) کہ تمام ائمہ کے لیے اسی اعتقاد پر ایمان رکھنا ضروری ہے اس باب میں مولانا نے جو بیان فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "الہ" مشترک لفظی ہے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے درمیان اشتراک کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ دونوں معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور ہر معنی کی تعین کے لیے قرآن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور کلمۃ طیبہ میں الہ بمعنی غیر ہے اور موجود خبر محذوف نہیں۔ یہ ثبوت قول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لَا إِلَهَ غَيْرُكَ اور اس نحو کے نظم لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا لَا إِلَهَ إِلَّا الْفَقَارُ اور وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ اور لَا خَيْرَ إِلَّا الْخَيْرُ لَا طَيْرَ إِلَّا الطَّيْرُ۔ علاوہ بریں اُس وقت کے مخاطبین مشرکین عرب تھے جن کا گمان غیرت اصنام پر تھا نہ کہ الوہیت اصنام پر اور ان کا زعم اس مسلک کی دلیل ہے۔ ایک اور دلیل تقریب کا اقتضا ہے کیونکہ بغیر تقدیر غیر کے تقریب نام نہیں ہو سکتی۔ پس کلمۃ طیبہ میں الہ سے مراد اصنام ہیں بدلیل استغراق کے جو کہ قرینہ ہے امکان کا۔ لہذا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی ہوئے لَا شَيْءٍ مِّنَ الْأَصْنَامِ غَيْرُ اللَّهِ (نہیں کوئی شے اصنام میں سے غیر اللہ) اور احتمالات ثلاثہ یعنی نکرہ الہ سے ارادہ معبود مطلق یا مستحق زعمی یا موجود کی تقدیر (جیسا کہ مشہور ہے کلمۃ طیبہ حقہ میں) وقوع کذب کا مستلزم ہے۔ اور استثناء الشئ عَنِ نَفْسِهِ (یعنی کسی شے کو خود اُس سے استثناء کرنا) لازم آتا ہے پس ان مقدمات مسطورہ بالا سے اللہ تعالیٰ اور اصنام کے مابین عینیت عبارت نص سے ثابت ہو گئی اور مابین اللہ تعالیٰ اور غیر اصنام یعنی دیگر ممکنات کے دلالت نص سے ثبوت مل گیا کیونکہ واجب کی طرف ممکنات کی نسبت میں یہی دو قول ہیں تیسرا قول ثابت نہیں۔

لفظ الہ پر دقیق علمی بحث

حضرت نے مولانا کی اوپر بیان کردہ توجہات کی تردید جس طرح بیان فرمائی اُس کے بعض حصے مختصراً درج ذیل ہیں:-
 کلمۃ الحق کے مصنف نے کلمۃ طیبہ میں لفظ "الہ" کو مشترک لفظی کہا ہے مشترک لفظی وہ ہوتا ہے جو متعدد معانی کے لیے وضع کیا جاتا ہے جیسے لفظ عین کے معنی آنکھ، چشمہ، سوتا، جاسوس وغیرہ ہیں۔ لہذا مصنف کلمۃ الحق کے نزدیک لفظ "الہ" خدا تعالیٰ معبود حقیقی پر بھی بولا جاتا ہے اور اصنام وغیرہ معبودان باطلہ پر بھی۔ حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ

لفظ الہ کا بجا نطق تو ہر اس چیز پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کی پرستش کی جائے واجب ہو خواہ ممکن ہو یا غیر ممکن عقلی اور شرعی کے لحاظ سے صرف معبود مستحق کے لیے خاص ہے۔ کیونکہ عقل سلیم ایسی چیز کی پرستش سے انکار کرتی ہے جو کہ صفات کاملہ سے موصوف نہ ہو جیسے خالق، مجیب المضطر اور مانع و ضار اور لفظ الہ کا استعمال اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اصنام دونوں کے لیے قرآن و حدیث میں کہیں بھی واقع نہیں ہوا بلکہ اس کا استعمال اسی مفہوم مخصوص کئی میں ثابت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس مفہوم کی توثیق میں متعدد براہین و دلائل بیان فرمائے ہیں اور ثابت فرمایا ہے کہ اشتر اک لفظی پر یہ استدلال بکڑنا کہ وہ اپنے دلوں معنوں میں سے ہر ایک میں استعمال کے لیے قرینہ کا محتاج ہے یا استعمال میں قرینہ کی طرف احتیاج اشتر اک لفظی کی دلیل ہے درست نہیں۔

آگے چل کر حضرت فرماتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کلام قصری ہے از قبیل قصر صفت بر موصوف تاکہ دو امر کے لیے مفید ہو ایک تو طبیعت و صفت یعنی الوہیت اور استحقاق عبادت کی نفی اصنام مثل لات و عترتے وغیرہ سے اور دوسرا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے وصف مذکور کا تحقق یا اور یہ قصر حقیقی ہے۔ لہذا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی مستحق عبادت بجز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے موجود نہیں پس تحقیق معلوم ہوا کہ بغیر تقدیر موجود مرد حال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہاں بادی النظر میں دو قسمیے بنتے ہیں ایک سالبہ کلیہ محصورہ لاشی من الہ بموجود۔ دوسرا موجبہ شخصیہ اللہ موجود۔ اور بنظر دقیق دو طبیعہ ظاہر ہوتے ہیں ایک سالبہ ایک موجبہ۔ اس کے بعد آپ نے اس ترکیب پر وارد شدہ اشکالات استثناء الشیء عن نفسه وغیرہ کا ابطال فرماتے ہوئے جمہور اہل اسلام کی تائید میں عقلی و علمی دلائل کا ایک کثیر ذخیرہ پیش فرمایا ہے جس کا اندازہ نص کتاب دیکھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا کی دوسری دلیل مشرکین عرب مخاطبین کا زعم غیرتیت اصنام کے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ مخاطب مشرکین عرب کا مزعوم غیر اللہ یعنی اصنام کی معبودیت تھا غیرتیت اصنام اُن کا مزعوم نہ تھا۔ اُن کے مزعوم کا مال یہ تھا کہ لات الہ ہے یعنی معبود ہے (عترت الہ ہے۔ سبل الہ ہے وغیرہ پس شارع سے اس مزعوم کی تردید صحیح یہ ہے کہ اصنام معبود نہیں۔ چنانچہ یہ معنی سورۃ فاتحہ سے الناس تک محاصرہ مشرکین اور رد شرک میں بخوبی واضح ہیں۔ مثلاً:-

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا
أَوْ (انبیاء- ۲۲)

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذْ أَذْنَبَ كُلُّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ
وَلَعَلِّي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ (مومنون- ۹۱) اور

لَوْ كَانَ مَعَهُ إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ الْأُبْتَعُوا
إِلَى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا (بنی اسرائیل- ۲۲) اور

وَلَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا قَادَرُوا هَآ (انبیاء- ۹۹)

علاوہ انہی مشرکین عرب اور مشرکین اُمم سابقہ کا زعم مندرجہ ذیل آیات سے عیاں ہے:-

أَجْعَلِ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا (ص- ۵)

کیا رسول نے سب معبودوں کو ایک ہی معبود بنا لیا۔

إِنَّمَا كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُسْتَكْبِرُونَ
وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ نَكُونُ الْهِنْدِ الشَّاعِرُ تَجَنُّونَ -

اور (الصُّفَّت - ۳۵-۳۶)

يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا
عَنْ قَوْلِكَ - (هُود - ۵۳) اور

يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا
أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا - (هُود - ۶۲)

اور قوم نوح کا جواب

لَا تَذَرُنَّ دِيًّا وَلَا سُوَاعًا - (نُوح - ۲۳)

پھر قولہ تعالیٰ

وَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (کہف - ۱۱۰)

بے شک وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان کو کہا جاتا کہ اللہ کے
سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے اور کہتے کیا ہم مجنوں شاعر
کے کہنے پر اپنے الہ چھوڑ دیں؟

اے ہود تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لایا اور نہ تیرے کہنے
پر ہم اپنے الہ چھوڑتے ہیں۔

اے صالح پہلے تو ہم میں تو اچھا خاصہ آدمی تھا کیا ہمیں
اپنے باپ دادا کے خداؤں کی عبادت سے منع کرتا ہے۔

نہ وہ کو چھوڑو نہ سواع کو۔

اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کر

یہ سب صریحاً حق سبحانہ تعالیٰ کی عبادت کے امر اور عبادت اصنام سے نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان سے صاف
ظاہر ہے کہ مزعوم مخاطب ہمیشہ سے شرک فی العبادۃ ہی رہا ہے نہ کہ غیرت۔ اور کل مذاہب اسی تحقیق پر ثابت قدم
رہے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے زعم شرک فی العبادۃ کا رد کیا گیا ہے نہ عنیت کا تا کہ کل اہل اسلام کے دلوں میں ممکن اور قرار ظاہر
ہو نہ صرف حضرات صوفیہ و مجددیہ کے دلوں میں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتقاد نہیں تھا کہ اصنام عین اللہ ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان
سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ ہی خالق ہے، باوجود اس کے کہ وہ عبادت
اصنام کی کرتے تھے اور اسلام کا مقصد ان کو اسی چیز سے روکنا تھا۔ اب اگر مولینا کی بات مان لی جائے کہ اصنام عین اللہ
ہیں تو مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہی ہمیں تلقین کی کہ اصنام عین اللہ ہیں پھر ہمیں عبادت اصنام سے
کیوں روکنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم نے کسی غیر کی عبادت تو نہیں کی۔ پھر اگر حق سبحانہ انہیں تنبیہ کرے کہ تم نے (در کلام
صوفیاء) اطلاق اور تنزل میں فرق نہیں کیا تو مشرکین یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہاں ہم رہتے
ہیں وہاں علم منطق اور فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا۔ ہم کس طرح اطلاق و تنزل میں فرق کرتے۔ غرضیکہ دعوت اسلام کا تمام مطلب
ہی فوت ہو جاتا ہے۔

مولینا عبد الرحمنؒ نے اپنے مسلک کا بیان کرنے کے بعد اعتدال فرمایا تھا کہ کمال حسرت ہے اس امر پر کہ اکابر علماء مشرق و
غرب، سلف و خلف اور مفسرین، محدثین، مجتہدین، مقلدین اور فقہانے کلمہ طیبہ کا صحیح معنی نہ سمجھا اور اُسے اپنے موقعہ و محل سے
تبدیل کر کے اُس کا مضمون ہی بدل ڈالا اور اس طرح (نحو ذیل اللہ) مشرک بالقلب ہو گئے۔ پھر دوسری جگہ کہا کہ جمہور علمائے
محکم میں تاویل کی حالانکہ ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اور منکور (الہ) میں تاویل اور مخدوٹ میں تحریف کی اور غیر شعوری طور پر کلمہ
باطلہ فی الاشراک لَا إِلَهَ إِلَّا غَيْرُ اللَّهِ کو دل سے قبول کر لیا۔ پس خود گمراہ ہوئے اور متبعین کو بھی گمراہ کیا۔
حضرت قبلہ عالم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مولانا کا فقرہ محکم سے متشابہ کی طرف تاویل کی خود مولینا پر وارد ہوتا ہے نہ جہاں

علمائے محققین پر یہ سب اس کے کہ ایک تو مولینا نے کلمہ توحید میں کہا کہ یہ از قبیل قصر الموصوف علی الصفۃ ہے محکم ثانی میں تاویل کے ساتھ یعنی صغیر موصوف ہے اللہ جو نے سے۔ دوسرے مولینا نے سورۃ اخلاص اور آیہ کیس کی مثلہ شنیٰ اور ان کے نظائر میں تاویل کی باوجودیکہ وہ محکمات سے ہیں۔ اس کے باوجود حضرت نے مولینا کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ فرمایا کہ مولینا کی یہ تقریر عملاً اس مفہوم کی طرف جذبہ و محبت پر مبنی ہے جو مولانا کے نزدیک بوجہ انہماک اور غلبہ مال کے حق ہے۔ مولانا عبد الرحمن کے مسلک کی تردید کے دوران حضرت نے کلمہ توحید کی وجوہ بلاغت کے متعلق بھی بیان فرمایا ہے جو اہل علم کے لیے باعث دلچسپی ہوگا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے وجوہ بلاغت

- ۱۔ اللہ کی تخصیص بذکر کی گئی اور لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ اور لَا مَوْجُودَ غَيْرَ اللَّهِ نہیں کہا گیا بوجہ عدم بلاغت ان کلمات کے۔
- ۲۔ "لَا إِلَهَ" میں تناسب وصل خفیف کا خفیف سے یعنی لَا کا اِلَہ سے اور اِلَہ میں وصل ثقیل (یعنی الٰہ مشدود) کا ثقیل (اللہ مشدود) سے ہے جس کا لطف فصاحت واضح ہے۔
- ۳۔ خفیف سے ثقیل کی طرف انتقال تلفظ میں زیادہ آسان اور لطیف ہے اس لئے دونوں لفظ جو خفیف ہیں یعنی لَا اور اِلَہ اول ذکر کے گئے ہیں۔ اور جو ثقیل ہیں یعنی اِلَہ اور اللہ ثانیاً مذکور ہوئے۔
- ۴۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے سارے حروف غیر منقوٹ ہیں اور تعدد اور تغایر موجود ہے بری ہیں۔
- ۵۔ کلمہ طیبہ کے حروف متقارب فی المخرج ہیں۔ لام اور الف ساکن وسط سے اور ہمزہ و ہا ملق سے نیز مطابق حروف کے (یعنی الف، لام، یا و ہمزہ) الفاظ بھی تعداد میں چار ہیں (لا۔ الہ۔ الٰہ۔ اللہ)۔
- ۶۔ کلمہ طیبہ کے الفاظ صورتاً متقارب ہیں جیسا کہ اس کے حروف مخرج میں متقارب ہیں۔ اور تقارب صوری صنایع محسنہ سے شمار ہوتا ہے۔
- ۷۔ کلمہ طیبہ کے کلمات معنی میں بھی متقارب ہیں۔ کیونکہ کلمہ لا نفی کے لیے موضوع ہے اور ایسا ہی کلمہ اِلَہ اِلَہ اِلَہ میں واقع ہو تو نفی کا معنی دیتا ہے اور مستکور (اللہ) کے اطلاق سے بھی ذہنی ذات مراد لی جاتی ہے جو کلمہ اللہ سے مراد ہے۔ تقارب معنوی محسنات بلاغت سے ہے۔

عالم برزخ کا بیان

توحید و وجودی کے مختلف پہلوؤں کی تشریح عارفانہ کے دوران عالم برزخ کے متعلق حضرت اس طرح فرماتے ہیں:-
 "دنیا سے منتقل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت کو بواسطہ عزرائیل علیہ السلام موکل فرمایا۔ اس نقل و حرکت میں جسم عنصری مادی سے جسم مثالی برزخی میں تبدیلی واقع ہوتی ہے بحکم بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ یَّبَدِّلَ اَمْثَالِکُمْ وَ تُنْشِئَ لَکُمْ فِیْہَا لَآعَلَمٰوْنَ" (ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تمہارے عنصری اجسام کو برزخی مثالی ابدان میں تبدیل کر کے تمہیں ایسے ابدان میں پھر اٹھائیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے) برزخ بھی دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ سب ارواح، خلقتِ ازلیہ کے بعد اجسام میں آنے سے پہلے اُس میں موجود ہیں جو کہ عالم قدس سے تعبیر ہے۔ اور پیدا نش اور تکمیل جسم کے بعد برزخ سے منتقل ہو کر دنیوی زندگی کی میعاد مقررہ

تک جسم عنصری سے متعلق رہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ارواح و دنیا سے انتقال کے بعد اُس عالم برزخیہ میں یوم محشر تک جمع رہتے ہیں اور وہاں سے عالم آخرت میں نقل کریں گے اور اس برزخ ثانی میں بھی جنت و دوزخ ہیں علاوہ اُس جنت اور نار کے جو عالم آخرت میں دائمی قرار گاہ ہوں گے جنت و دوزخ برزخیہ کی انتہا زمین و آسمان کی بقا تک ہے بحکم فَاَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فَاَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ وَاَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَاَفِي النَّارِ لَعْنُهُمْ فِيهَا زَوٰجِرٌ وَشٰهِقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ پس وہ لوگ جو سعید ہوئے ہیں وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں مگر جو چاہے تیرا پروردگار۔ اور وہ لوگ جو شقی ہوئے ہیں وہ آگ میں ہوں گے۔ اُن کے لیے وہاں پیچ و پکار اور فریاد ہے۔ اور داخل ہوں گے اُس میں جب تک آسمان اور زمین باقی ہیں، مگر جو چاہے تیرا پروردگار اس جنت و دوزخ برزخیہ سے جنت و دوزخ اخرویہ مراد نہیں بلکہ ظاہر چونکہ اس معنی سے بے خبر ہیں اس لیے قرآن مجید میں جہاں بھی جنت و نار کا ذکر آیا ہے انہوں نے اُسے جنت و نار اخرویہ پر محمول کیا ہے۔

سجدہ تعظیمی کی ممانعت

مسئلہ وحدت وجود کی بحث میں حضرت نے دلائل قویہ سے سجدہ تعظیمی کو ناجائز ثابت فرمایا ہے۔ اور اگرچہ اولیاء اللہ اور مومنین کی تسبیح کی زیارت کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے مگر علماء اور مشائخ کو اکابر دین کے مزارات کا بوسہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ عوام جو بوسہ اور سجدہ میں فرق نہیں کر سکتے سجدہ تعظیمی کے لیے اُن کے فعل کو حجت نہ بنالیں۔

الغرض حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اس نادر تصنیف نے اُمت اسلامیہ کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف استعدادات عطا فرمائی ہیں۔ بعض محض عقل و فکر کے مدارکات کے سوائے قوت قدسیہ اور وجدان کے معلومات سمجھنے سے قاصر ہیں اور بعض کی شان یہ ہے کہ جہاں پر علوم عقلیہ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے اُن کے علوم قدسیہ کی ابتدا ہوتی ہے اور اُن کے بھر معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ بعض دیگر طبائع متوسط ہوتی ہیں جن کے متلوب کچھ تو عقل و فکر کے پابند ہوتے ہیں اور کچھ عشق و محبت کی وجدانی کیفیات سے متاثر۔ اس لیے اُس حکیم مطلق نے ہر فرقہ کی استعداد کے مطابق اُسے مکلف بنایا ہے۔ عوام ارباب عقل کے لیے فقط اسی پر اکتفا فرمائی کہ غیر حسد سے معبودیت کی نفی کر کے فقط ایک ہی ذات کو پرستش کے قابل سمجھتے ہوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو معنی لَا مَعْبُودَ اِلَّا اللّٰهُ ورجان بنائیں۔ اور چونکہ اکثریت اسی قسم کے افراد کی ہے لہذا اسی نظریہ پر مدار نجات رکھی۔ اور خواص جن کی فطرت میں کمال سعادت اور نعمت و صل و مشاہدہ کی قابلیت رکھی گئی تھی انہیں اس مفہوم سے بالاتر لَاحُضُوبِ اِلَّا اللّٰهُ اور پھر لَا مَوْجُودَ اِلَّا اللّٰهُ کی حقیقتوں پر سائناتی عطا فرما کر توحید کے انتہائی منازل خدائی اللہ اور بقا باللہ کے مراتب پر سرفراز فرمایا۔ اور چونکہ یہ مفہوم نہایت دقیق اور عقل و فکر کی دسترس سے بالاتر اس لیے قرآن و حدیث میں اس کی طرف صرف اشارات پر اکتفا فرمائی۔ قرآن مجید کا جس طرح ایک ظاہری مفہوم ہے جو بطریق توارث صحابہ کرام سے ہم تک پہنچا ہے اسی طرح ایک باطنی مفہوم بھی ہے جو خواص مقبولانِ خدا کا حصہ

ہے۔ اور حضرت کا سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپ نے اسی بات پر زور دیا کہ کسی فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کی تکفیر اور تفسیق کرے۔ حضرت نے اس طرح علمائے ظاہر اور باطن کے درمیان ایک ایسا اشتراک قائم فرمایا ہے جس کے بعد اس اختلاف کی نوعیت صرف فروعی اور اجتہادی رہ جاتی ہے جس کی بنا پر کسی فرقہ کو دوسرے کے خلاف کچھ کہنا شرعاً درست نہیں۔

دوسری فصل

شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح

(۳۱۷ء مطابق سنہ ۱۹ء)

وجہ تالیف

”تحقیق الحق“ کی تصنیف کے تقریباً دو سال بعد حضرت نے قادیانی تحریک کی تردید میں کتاب شمس الہدایت تالیف فرمائی۔ اس سے قبل باب مسند ارشاد میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت نے اس تحریک کے ابطال میں معرکہ الہ آباد اور افرایا۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس تحریک کے بانی اپنی اوائل عمر میں وہی اعتقادات رکھتے تھے جو عامۃ المسلمین کے تھے اور اپنے دعوئے نبوت تک پہنچنے کے لیے انہوں نے کئی مدارج طے کیے۔ اپنے ابتدائی دور میں انہوں نے آریہ سماجیوں اور نصاریٰ کے خلاف دین اسلام کی حمایت میں کئی مناظرے بھی کیے جس سے اُس وقت کے اہل علم کافی متاثر ہوئے سب سے پہلا قدم جو انہوں نے اپنے دعوئے نبوت کے ارتقاء کی طرف اٹھایا وہ اپنے آپ کو مجددِ ظاہر کرنے کا تھا۔ اس پر عامۃ المسلمین کا ایک طبقہ مشتوش تو ہوا مگر اس خیال سے خاموش رہا کہ یہ شخص اہل ہندو و نصاریٰ کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ہے اگر بوجہ تفاخر اپنے آپ کو القابات سے مرصع کرنا چاہتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا دوسرا قدم اپنے آپ کو مسیح موعود کہلانے کا تھا۔ یہ قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے اس عقیدۂ اجماعیہ اہل اسلام کی نفی کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بحمدِ عنصری اُپر اٹھالیا جہاں وہ اُس وقت تک رہیں گے جب وہ قیامت سے پہلے دوبارہ اس زمین پر اترے جائیں گے۔ اور کہا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھایا مگر اُن کی موت واقع نہ ہوئی بلکہ اُن کے حواریوں نے انہیں وہاں سے اُتار کر چھپا دیا اور وہ اپنی عمر طبعی گزار کر ۸۷ سال بعد سری نگر میں فوت ہوئے۔ اور جس مسیح کے قیامت سے پہلے آنے کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ مثیلِ مسیح ہو گا اور دعوئے کیا کہ وہ مثیلِ وہ خود ہیں اپنے اس دعوئے کی تصدیق میں انہوں نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی پیش کیں۔ اس موقع پر دیگر علمائے اسلام نے محسوس کیا کہ اب خاموش رہنے کا وقت نہیں کیونکہ خدشہ تھا کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگ بوجہ اپنی کم علمی دربارہٴ امورات مذہبیہ مرزا صاحب کی توجیہات کا رد نہیں کر سکیں گے۔ اس پر حضرت نے اپنی یہ کتاب ”شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح“ تالیف فرمائی۔ کتاب کی ابتدا میں حضرت نے جو وجہ تالیف بیان فرمائی وہ مختصر اس طرح سے ہے۔

”حضراتِ ناظرین پر پوشیدہ نہیں کہ آج کل فطرتِ انسانی تعصب کی ہواؤں اور بھالت کے بخارات سے متاثر ہو رہی ہے۔ اور ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ ہدایت اور استقامت کا سورج ڈوبنے کے قریب آگیا۔ اور استوا کا زمانہ حکایت بن کر رہ گیا۔ اس وقت بسبب فقدانِ تقویٰ نہ تو اشراقِ نوری ہے اور نہ انشراحِ صدری جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان تمیز و شواہ ہے لیاقتِ علمی

بھی مفسود ہے جس کی وجہ سے احکام شریعہ پر عمل نہ سہی کم از کم اعتقاد تو درست رہ سکتا ہے۔ دنیا میں ظاہر پرستی بہت بڑی ہو چکی ہے اور فتنہ پردازی کا دور دورہ ہے اور سادگی اور راستی جو شعار اسلام میں سے ہیں وہ مفسود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود اہل ان کے زمانہ اپنے آپ کو بڑے غرور مند اور کھاتے روزگار سمجھتے ہیں ان کے نزدیک مکاشفات انبیاء علیہم السلام میں تو غلطی فی الکشف یا فی التبعیر ہونا ممکن ہے مگر ان کے اپنے معانیات میں تاویل تک بھی ناممکن ہے۔ ایسا ہی علمائے سلف کے اجتہادات ان کے نزدیک خیالات فرسودہ ہیں اور کوئی وجہ ان کی صحت کے لیے نہیں ہوا ہے اس صورت کے کہ وہ ان حضرات کی رائے اور استنباط پر منطبق ہو جائیں۔

میری توجہ ان حقائق و معارف کی طرف دلائی گئی تھی جو تالیفات مثل ازالہ اوہام و دفع الوسوس اور آیام صلح میں مندرج ہیں۔ مگر میں علمائے کرام کو ان کی معن صحت سے بدیں و جبر و کتا رہا کہ خلاف شعار اسلام ہے لیکن اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ بر محل میں اظہار حقیقت عقیدہ مرزائیہ اور مذہب و تبہیل بلکہ تکفیر علماء کرام کی جن کا اعتقاد مطابق سلف کے تھا ہونے لگی ہے جس کے سننے کی برداشت مجھ میں نہیں۔ اور عقیدہ حقہ کا یو مافیوما اضلال بھی گوارا نہیں۔ لہذا یہ چند مضامین حسب رائے ناقص لکھے گئے تاکہ آیات قرآنی اور احادیث کے صحیح معنی ابنا سے زمان پر واضح ہو جائیں اور وہ عقیدہ اجماعیہ اہل اسلام سے بوجہ کم علمی کے انحراف نہ کریں۔

اس کے بعد حضرت نے بانی مرزائیت کے ان دلائل کا ذکر فرمایا جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات پا جانے کے حق میں بیان کرتے تھے۔

آج کل کے تعلیم یافتہ افراد اور ان زعمی مولویوں اور فاضلوں سے اگر پوچھا جائے کہ بتاؤ میاں آیت یا عیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَقِّئْتُكَ وَرَافِعُكَ اِلَیْیَیْ اور ایسے ہی قُلَمَّا تَوْفِیْتَنِیْ کُنْتُ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْهِمْ جس قرآن کے ساتھ تمہارا ایمان ہے اُس میں موجود ہے یا نہیں؟ اور لفظ تَوْفِی تیس جگہ قرآن کریم میں معنی موت ہی میں مستعمل ہے اور ائمہ الناس عبد اللہ ابن عباسؓ نے بھی یہی معنی لیا بخاری اور عباسی تفسیر ابن کثیر وغیرہ وغیرہ تو حسب قولہ تعالیٰ یا عیسیٰ اِنِّیْ مُتَوَقِّئْتُكَ وَرَافِعُكَ اِلَیْیَیْ کے وعدہ وفات اور بقضائے قُلَمَّا تَوْفِیْتَنِیْ ابو عیسیٰ بن مریم کی موت اور اُس کے بعد ان کا رفع روحانی ہو چکا اور آیت قَبِلْ اَدْخِلِ الْجَنَّةَ اور ایسے ہی قَدْ اَدْخَلْنِیْ جَنَّتِیْ اور ایسے ہی احادیث صحیحہ سب شہادت دے رہی ہیں کہ ارواح مقربین بعد الوفات جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور بعد دخول جنت کے پھر نکلتا اُس سے بحکم آیت وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِیْنَ کے ناممکن ہے۔ ایک قُلَمَّا تَوْفِیْتَنِیْ کیا بلکہ آیت قَدْ اَدْخَلْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلَ اور اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَیِّتُونَ اور اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ تمامہا اور وَ خَلَعُوا النَّبِیِّیْنَ اور وَمَنْ نَعَمْرَہُ تُنْکِسْہِ فِی الْخَلْقِ اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور فِیْہَا تُخَوِّنُونَ وَ فِیْہَا تَمُوتُونَ اور وَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مَسْمَرٌ وَّ مَنَاعٌ اِلَیْ حِیْنٍ اور کَانَ یَا کُلِّی الطَّعَامَ اور وَ اَوْصَانِیْ بِالْصَّلٰوۃِ وَّ الرُّکُوعِ مَا دُمْتُ حَیًّا اور کُلُّ مُبْعَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ الْاَبْشَرُ اَرْسُولًا اور هَلْ یَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ یَّاتِیَهُمُ اللّٰہُ فِیْ غُلْجٍ مِّنَ السَّحَابِ وَّ الْقِسْطِ الْاَمْرُ اور هَلْ یَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ تَآتِیَهُمُ السَّاعِیۃُ اَوْ یَآتِیَ

رَبِّكَ أَوْ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا۔ اور وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ اور وَكَوْضَعُ خُلُوعِهِمْ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ اور حدیث صحیح کما قال العبد الصالح اور حدیث صحیح لَا يَأْتِي مِائَةَ سَنَةٍ عَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَقْنُوسَةٌ يَوْمَ۔ یہ سب آیات اور احادیث صحیحہ بآواز بلند موت ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر دے رہی ہیں۔ علاوہ اس کے عقل انسانی اور قصہ عود ایلیا بھی جو انجیل میں مذکور ہے صعود اور نزول مسیح سے بعینہ مجسمہ العنصری منکر ہیں۔ احادیث نزول ابن مریم اور خروج دجال وغیرہ منجملہ مکاشفات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں۔ اور کشف اجمالی مثل دیکھنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عورت پر الگ ذہن والوں کی کو کہ گردا گرد مدینہ طیبہ کے گھوم رہی تھی وغیرہ وغیرہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ بحالت خواب دیکھنے میں کچھ اور آتا ہے اور ظہور میں کچھ اور ہوتا ہے۔ جیسا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کو دیکھا اور تعبیر اُس کی دبائے مدینہ طیبہ سے (زادہ اللہ شرفاً) فرمائی۔ معنی تعبیر میں خطاب بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ خواب میں آپ نے یہی سمجھا کہ امسال مکہ معظمہ کو (زادہ اللہ تکریماً) جانا ہوگا اور بعد مراجعت فرمانے کے حدیبیہ سے معلوم ہوا کہ تعبیر میں تخصیص امسال کی غلطی ہوئی۔ الغرض آیات و احادیث متذکرہ بالا باعث شدید میں ماقول ٹھہرنے پر احادیث نزول مسیح اور خروج دجال وغیرہ کے یعنی کہ احادیث نزول سے مراد ظہور اُس شخص کا ہے جو مثال ہو ابن مریم کا جیسا کہ مراد ایلیا کے دوبارہ آنے سے مثیل ایلیا یعنی ظہور یحییٰ کا بشہادت مسیح ابن مریم کے تھا۔ وہ شخص مثیل ابن مریم کا کون ہے؟ میں ہوں! (یعنی مرزا صاحب) کیونکہ الہام منجملہ براہین قاطعہ کے اور حج ساطعہ کے ہے (فتوحات مکیہ اور میزان عبد الوہاب شہرانی وغیرہ)۔

حضرت فرماتے ہیں کہ بعد استماع ان دلائل کے آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات طوعاً و کرہاً انہیں صحیح تسلیم کریں گے کیونکہ ان کی تائید کتاب اللہ، سنت انجیل اور عقل سے ہو چکی ہے، نہ کریں تو کیسے؟ قرآن و حدیث سے کیسے منکر ہوں۔ لہذا یہ چند خرافات ریزہ بدیہ ناظرین کرتا ہوں تاکہ ایسی تقاریر کے دھوکے میں نہ آجائیں اور اُسی صحیح راستہ پر چلیں جو مراد ہے اس حدیث سے : لَنْ تَصِلُوا بَعْدِي مَا تَمَسَّكْتُمْ بِأَمْرِي كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ (موطا امام مالک) یعنی جب تک کتاب و سنت کو مضبوط رکھو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

آگے چل کر حضرت نے بانی مہرِ انبیت کی اُس تحدی کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ایام الصلح میں بزبان فارسی فرج کی تھی اور جس کا ذکر پہلے باب مسند ارشاد میں آچکا ہے کہ اس وقت آسمان کے نیچے کوئی شخص میری برابری کی لاف نہیں مار سکتا۔ میں علانیہ کہہ رہا ہوں اور ہرگز ایسا کہنے سے نہیں ڈرتا کہ مسلمانو تمہارے اندر بعض لوگ ہیں جو محمد شیت اور مفسریت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور بعض نازش ادب سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے۔ ایک اور گروہ ہے جو خدا شناسی کا دم مار کر اپنے تئیں چشتی اور قادری اور شہروردی و نقشبندی اور کیا کیا (چھاوچھا) کہتے ہیں۔ ان سب کو میرے سامنے لاؤ۔

حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

آپ نے بجا فرمایا۔ وہ لوگ چونکہ مفسر اور محدث اور خدا شناس ہیں تو پھر لاف زنی اور گردن فرازی ان سے کیسے ظاہر ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی لافوں سے بچائے اور فوق کل ذی علیہم اور بلی علیہم ناخضر کی طرف توجہ دلائے۔

سوال۔ یہ عقیدہ محض بے اصل اور اجماع کو راندہ ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے یا قرآن و حدیث سے بھی اس کی کوئی سند ہے؟

جواب۔ ارشاد باری ہے "وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ" یعنی یہود نے حضرت مسیح ابن مریم کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا، یہ نص قطعی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ آپ یہودیوں کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوئے بلکہ جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے۔

سوال۔ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ سے کیا رفع روحانی مراد نہیں ہے بشہادت محاورہ قرآن "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عند اللہ معزز و مکرم ہوئے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں حسب محاورہ قرآنیہ اور اہل لسان "بَلْ" جس کا ترجمہ ملکہ ہوتا ہے ابطال یا قبل کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مریمؑ کو جو حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل تھے باطل فرماتا ہے اور باطل اور مابعد اضرایہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں مستحق نہیں ہوتے بلکہ پہلے جملہ کا ابطال اور دوسرے کا اثبات کیا جاتا ہے مثلاً وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ میں ولدیت کا ابطال اور عبودیت کا اثبات کیا گیا ہے اور اَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّهِمْ میں جنوں کا ابطال اور ایمان بالحق کا اثبات ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ زید کو میں نے نہیں مارا بلکہ اُس کو حضرت دی۔ عمرو کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کے کھلایا۔ ان سب مثالوں میں لفظ بَل سے پہلی اور پچھلی کلام کے مضمون کا باہم تضاد واقع ہوتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بل اضرایہ کے مابعد کے درمیان تضاد اور تنافی ضروری ہے۔ پس آیت مذکور میں بھی ضروری ہوا کہ مقتولیت اور مرفوعیت میں منافات ہو یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کی طرف اٹھائے جانے کے درمیان تضاد ہو اور دونوں چیزیں جمع نہ ہو سکیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قتل اور رفع روحانی کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ دونوں یکجا پائے جاسکتے ہیں۔ مقتربین میں جو قتل کیا جاتا ہے، عالم علوی کی طرف اُس کا رفع روحانی بھی ایک لازمی امر ہے پس رفع سے مراد رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ حضرت مسیحؑ کے قتل جسمی اور رفع جسمی میں ہی تضاد ہو سکتا ہے۔ اگر جسم آپ کا یہود کے ہاتھوں مقتول ہوا تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا۔ اور اگر مسیح اسی جسم ظاہری کے ساتھ بحفظ و امان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھوں مقتول نہیں ہو سکتے۔ بہر حال یہ آیت نص صریح ہے کہ مسیح علیہ السلام اسی جسم ظاہری کے ساتھ اٹھائے گئے۔ اور یہ سوال غلط ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے سے لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لیے بھی کوئی مکان ہو جہاں پر حضرت عیسیٰؑ کو اٹھایا گیا ہو۔ کیونکہ اس قسم کی تمام آیات میں سلف نے عالم علوی اور موت کی طرف اٹھایا جانا مراد لیا ہے۔ چنانچہ آیت إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وغیرہ دیگر آیات میں تمام مفسرین ہی معنی لیتے چلے آ رہے ہیں کہ اعمال صالح اور کلمات طیب آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں جو محل قبول خیرات ہے اور مقام علیین اور اعلیٰ الدرجات۔

"الْقَوْلُ الْجَمِيلُ تَصْدِيقُ الْمُنَاقِلِ" کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اور ان کے اتباع کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے رفع اور نزول کے متعلق قرآن اور حدیث میں لفظ سما نہیں آیا رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَى السَّمَاءِ اور يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ کیسے وارد نہیں۔ حضرت نے ان سے استفسار فرمایا ہے کہ بھلا صاحب! یہ تو فرمائیے کہ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ جس کا مدلول خدا کی طرف مرفوع ہوتا ہے، رفع روحانی ہی سہی، کس طرح متحقق ہوگا؟ اور ایسا ہی ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ میں اپنے رب کی طرف نفس کے

تجوع کی کیا صورت ہوگی؟ اور کھاتے جیسے اور عمل صلح کا خدا کے پاک کی طرف مرفوع ہونا کیسے ہوگا؟ اس کو جواب میں یہ لکھا گیا ہے کہ میں وہ اسے کہ خدا کی طرف مرفوع ہونا یا تجوع ہونا یا چڑھ جانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آسمان کو جو وہاں مکرین کا محل ہے ترک کر کے ان کی بنایا جائے۔ نہ کہ بجائے آسمان کے زمین میں یا آسمان اور زمین دونوں سے باہر مقرر کیا جائے۔ ایسا ہی طرح بھی کی صورت میں بھی ایسا کا ملاحظہ فرما کر صفا کو مذکور سمجھیں پس رَفَعْنَا إِلَى اللَّهِ أَوْرَاقَهُمُ الْبُشْرَى السَّمَاءُ أَوْرَاقُهُمْ السَّمَاءُ أَوْرَاقُهُمْ السَّمَاءُ عَلَى السَّمَاءِ مَرَاتِقٌ فِي الْمَعْنَى هِيَ. اور احادیث میں تو صراحت بھی لفظ سماء لیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان اصحاب کے اصول و خصوصیات سے تعادل قرآن اور حدیث صحیح بھی ہے کہ اس مغالطہ سے بڑے کام نکلتے ہیں جب عوام کا انعام سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میاں خداوند کریم کی کلام پاک مقدم ہے یا بندہ کی؟ تو میں سچا کہ سب بیباقت خود بول اٹھتے ہیں کہ خدا کے تعالیٰ کی کلام مقدم ہے۔ خدا خدا بندہ بندہ یہ کوئی نہیں کہتا۔ اسی حضرت آپ سوال وقت کریم و تاج خیر ازراہ عظمت و منزلت فرما رہے ہیں یا از قبیل تفصیل و بیان؛ اگر من حیث العظمت ہے تو سب اہل اسلام کلام الہی کو زائد العظمت مانتے ہیں لہذا غار کا ذکر کن کلام الہی ہو سکتی ہے نہ حدیث اور اگر بچست تفصیل و تشریح فرماتے ہیں تو حدیث شریف مقدم ہے کیونکہ پہلے مضمون تفصیلی حدیث شریف کا ہمارے اذہان میں آئے گا تب اجمال آیت کو ہم سمجھیں گے۔ ہاں صحت میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُس دُعا للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکیم مطلق لَکُنْ بِکُنْ اَلْبَکْرَ لِنَسْ لِنَسْ اس لیے اپنے اور ہمارے درمیان برزخ قرار دیا ہے کہ برزخ کے پرلی طرف کی بات برزخ ہی کے مبارک منہ سے بعد تشریح سن لیں جیسا کہ قولہ تعالیٰ

أَنْزَلَ عَلَى عَبْدٍ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا۔
اور

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الذِّكْرَ بِالْحَقِّ لِيَتَحَكَّمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا آزَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ
خَصِيمًا۔
اور

وَمَا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِلتَّبَيِّنِ لِقَوْمٍ الَّذِينَ
اِخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔
اور

وَأَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔

اور حدیث شریف

أَلَا إِنِّي أُذِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ دِيعْنِي
السُّنَّةَ

اسی برزخ سے مخصوص ہے۔ ایسا ہی فہم واری

إِنَّ عَلَيْكَ جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ شَرَّ أَنْ عَلَيْكَ بَيَانُهُ

اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی
نہیں رکھتی۔

ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ جو
کچھ اللہ نے آپ کو دکھایا اُس کے مطابق لوگوں میں حکم فرمائیں
اور خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔

اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر اس لیے کہ آپ صاف
طور و وہ چیز بیان کر دیں جس میں انہیں اختلاف ہے اور ہدایت
رحمت اُس قوم کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

اور ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ چیز
بیان فرمادیں جو اُن کی طرف نازل کی گئی اور شاید کہ وہ فہم کر لیں

نہرا میں مستعدان اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا
لیا ہوں (یعنی سنت)

بے شک قرآن کا جمع کرنا اُس کا پڑھنا اور بیان کرنا ہمارے فہم ہے

اُسی کو شایان ہے۔ قَسْبُحَانَ مَنْ خَلَقَهُ وَاجْمَلَهُ وَاکْمَلَهُ وَعَلَّمَهُ وَادَّبَهُ فَأَحْسَنَ قَادِيْبِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس تقریر میں حضرت نے منکرین حدیث کا منہ بھی بند کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس برہ نے حضرت مسیح
ابن مریم (علیہما السلام) کے مجید عنصری رفع الی السماء اور نزول من السماء پر چالیس کے قریب احادیث اور آثار صحابہ
کی تخریج فرمائی ہے جن میں اکثر کے اندر لفظ "سماع" موجود ہے اور جو بائیس صفحات کتاب پر پھیلی ہوئی ہیں جنہیں بحث دہی مسلم
مسند امام احمد۔ تفسیر ابن جریر۔ ابن کثیر۔ درمنثور اور کنز العمال جیسی مستند کتابوں میں ذکر کیا گیا اور جن کی روایت مندرجہ ذیل
اٹھارہ صحابہ کبار وغیرہم نے فرمائی۔

حضرت عائشہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابوہریرہ۔ انس بن مالک۔ عبداللہ بن عمرو۔
عثمان بن ابی العاص۔ ابی امامہ۔ جابر۔ سمرہ بن جندب۔ عمرو بن عوف۔ حذیفہ بن اسید۔ حذیفہ بن
یمان۔ عمران بن حصین۔ کیسان۔ ابی شریحہ۔ نواس ابن سمعان اور مجمع بن جاریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
اس کے علاوہ حضرت نے مزید آٹھ وجوہات سے مرزائیوں کے اس دعویٰ کا ابطال کیا کہ رفع روحانی تھا جسمانی نہ تھا۔
اور بلاشبک ان وجوہات کی تشریح کی جائے تو آٹھ جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مرزا صاحب کی اس تاویل کو کہ نزول مسیح سے
میرا ظہور مراد ہے جو شیل مسیح ہوں بدلائل اس قدر مضحکہ خیز ثابت کیا ہے کہ قادیانیت کی تجلیں کا پردہ یکسر چاک ہو کر
رہ گیا ہے۔ اور یہی حشر اس زعم باطل کا ہوا کہ دجال ایک شخص معین نہیں بلکہ پادری دجال ہے جنہیں میرے لائل نے قتل کر دیا
ہے۔ اور کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال شخصی کے معاملہ میں ابہام رہا ہے حضرت فرماتے ہیں کہ غلطی بقیہ
نبی کی عصمت کے منافی ہے۔

آیت اِذْ قَالَ اللهُ لِيٰعِيسٰى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیّیْ میں توفی کو موت کے معنی میں لینے کا ابطال صحابہ
اور تابعین کی تفاسیر سے کما حقہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر توفی سے موت کے معنی بھی لیے جائیں تو مرزا صاحب کا
مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہاں متوفی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال دونوں پر حاوی ہے جس سے یہی معنی حاصل
ہو گا کہ میں ہی آئندہ زمانہ میں کسی وقت تجھے وفات دوں گا۔ یہ یہود تجھے قتل کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور تمام اہل اسلام
اس چیز پر متفق ہیں کہ آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر وفات پائیں گے۔

مرزا صاحب نے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں خلو کو موت کے معنی دے کر استدلال کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کی موت پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں اس طرح آیت سُنَّهَ اللهُ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ کے
معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ سنت الہی مرچکی ہے اور اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیْطٰنِیْہُمْ کے ماتحت جب منافقین اپنے سرداروں
کی طرف جاتے تھے تو مر جاتے تھے۔

ان دلائل اور کئی دیگر ضمنی مباحث پر استدلال کا پورا لطف اس کتاب کے دیکھنے ہی پر موقوف ہے جو اپنے نقشِ اول
پنصفت صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو رہی ہے اور ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو جاتی ہے۔ اہل حدیث کے نامور
پیشوا مولوی عبدالباق صاحب غزنوی نے اس زمانہ میں اس کے مطالعہ کے بعد جو تعریفی خط بھیجا تھا اس کی نقل باب ارشاد میں آ
چکی ہے۔ دیگر علماء و مشائخ کے تحسینی اور توصیفی اور دعائیہ خطوط کا حوالہ مکتوبات شریف میں درج ہے۔ اور مخالفین نے جو
صلواتیں سنائیں وہ ان کی تالیفات اعجاز المسیح۔ تحفہ گولڑویہ اور قصیدہ اعجازیہ وغیرہ میں درج ہیں۔

تیسری فصل

سیفِ چشتیانی

(۱۹۰۲ء مطابق ۱۹۰۲ء)

وجہ تالیف

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے بانی مرزائیت اپنے دعوے نبوت تک بتدریج پہنچے تھے۔ پہلے اپنے مجدد ہونے کا اعلان کیا۔ پھر مسیح موعود ہونے کا اور آخری منزل اعلان نبوت کی تھی جو انہوں نے ۱۸۹۱ء میں طے کی۔ حضرت نے اپنی تصنیف شمس الہدایت میں جس کا بیان اُدھر گزر چکا ہے، جہاں اُن کے دعوے مسیح موعود ہونے کو نہایت حتیٰ طور پر قوی دلائل اور دُرہان کے ساتھ باطل قرار دیا تھا، وہاں اُن سے چند سوالات بھی کیے تھے اور ساتھ ہی کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کی دعوت بھی دی تھی۔ قریب دو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد مرزائیوں کی جانب سے مولوی محمد احسن صاحب نے شمس الہدایت کا جواب شمس بانقہ کے نام سے شائع کیا اور خود بانی مرزائیت نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر اعجازِ مسیح تالیف کی اور اُسے الہامی اہواز قرار دیتے ہوئے دھتے کیا کہ اس کا جواب طاقتِ بشری کے لیے ناممکن ہے۔

ان دو کتب کے لکھنے سے پہلے بانی مرزائیت کی طرف سے حضرت کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا گیا جس میں اُن کی ہزیمت کی تفصیل باب ارشاد میں دی جا چکی ہے۔ ان دونوں کتابوں کے جواب میں حضرت نے اپنی تیسری شہرہ آفاق کتاب سیفِ چشتیانی تحریر فرمائی جس کی وجہ تالیف بھی تفصیل باب ارشاد میں دی جا چکی ہے۔ اس میں اعجازِ مسیح پر پورے ایک سو اہتر اعتراضات اور اشکال وارد فرما کر آپ نے یہ آشکارا فرمایا کہ مؤلف نے نہ صرف دعوے کی غلطیاں کی ہیں بلکہ سرقہ اور تحریف سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان اغلاط کی تفصیل بھی بیان ارشاد میں گزر چکی ہے۔ مرزائیوں کی دوسری کتاب شمس بانقہ میں مؤلف نے کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے کے علاوہ حضرت کی تصنیف شمس الہدایت پر مختلف اعتراضات بھی کیے تھے۔ کلمہ طیبہ کے معانی بیان کرنے میں انہوں نے حضرت کی کتاب تحقیق الحق سے استفادہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر جوہر اپنی کم فہمی کے اُس کا صریح استعمال نہ کر سکے اور تمام مضمون بے ربط ہو کر رہ گیا۔ حضرت نے نہ صرف اُن کی اس ناکام کوشش کو عیاں کر دیا بلکہ انہیں کلمہ طیبہ کا صحیح مطلب بھی سیفِ چشتیانی میں سمجھایا اور شمس الہدایت کے خلاف تمام اعتراضات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل دلائل کے ساتھ رد فرمایا۔ اس کتاب کو علامہ عسکری نے تحریر اور تقریراً ایک علمی شاہکار قرار دیا اور مختصر میں نے اپنی تفسیر میں اور مختصر میں نے اپنی تصانیف میں بطور حوالہ پیش کیا۔ شعرار نے اس کی شان میں قصیدے لکھے اور مشنویاں موزوں کہیں جن کی تفصیل باب ارشاد میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد علامہ کے حق میں مرزائیت کی تبلیغ قلماً غیر مؤثر ہو کر رہ گئی۔ اور ہزاروں فاضلین اہل اسلام عقیدہ حق پر مضبوط ہو گئے۔ بلکہ کئی مرزائی اس کتاب کو پڑھ کر مرزائیت سے تائب ہو گئے۔ چنانچہ کتاب صاحبہ رحمانی برہنہ قادیانی کے مصنف

مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری نے جو مکتوب حضرت کی خدمت میں ارسال کیا اُس میں کہا کہ مرزائیوں کی کتاب عملِ مصطفیٰ پڑھ کر میرے دل میں قسم قسم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے مگر الحمد للہ کہ جناب کی تصانیف سیفِ چشتیائی اور شمسِ ہدایت نے میرے مذبذب دل میں تسلی بخش امرت چکایا اور نیز چند مرزائیوں نے اسے پڑھا چنانچہ حکیم الہی بخش صاحب مرحوم مع اپنے لڑکے کے آخر مرزائیت سے توبہ کر گئے اور اسلام پر فوت ہوئے۔

اب چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں بطور نمونہ اور برائے استفادہ ناظرین پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ کتاب بھی شکلِ سوال و جواب ہے اور مقابلہٴ سلیس اور عام فہم اردو میں لکھی گئی ہے۔

اقتباسات از سیفِ چشتیائی

بانی مرزائیت نے اپنے ابتدائی دور میں اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے نبی کے آنے کو وعدہ الہی کے خلاف بتایا تھا مگر جب خود دعویٰ نبوت کیا تو اس طرح کا استدلال لانے لگے کہ میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ پس اس طو سے خاتم النبیین کی ٹہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اُن تک ہی محدود رہی یعنی جب میں بروزی طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی معہ نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہٴ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہو جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ مولف شمس بازغہ نے بھی اسی استدلال کا اعادہ کیا اور اپنی تصنیف کے خطبہ میں بھی اُنھیں اَنَّمُحَمَّدًا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ تحریر کیا۔ اور کہا کہ یہاں نبی سے وہ انبیاء مراد ہیں جن کی نبوت اصالتاً ہو۔ مرزا صاحب تو بہ سبب اتباعِ کامل ظلی طور پر نبوت اور رسالت کے مدعی ہیں نہ اصالتاً۔ حضرت نے اس کا رد فرماتے ہوئے یہ ثابت فرمایا کہ بانی مرزائیت نبوتِ اصلہ کے مدعی تھے نہ کہ نبوتِ ظلیہ کے۔ اور ظلیت، بروز اور فنا فی الرسول کے الفاظ کو بظاہر سپر بنا رکھا تھا۔

جواب: اشتہارِ ایک غلطی کا ازالہ۔ بحریہ ۵۔ نومبر ۱۹۷۷ء کے مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے:-

”چنانچہ وہ مکالمات الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں اُن میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:-

هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (وہ خدا

جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ سب ادیان پر اُسے غالب کر دے) اس میں صاف

طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔

یہ آیت سورہ فتح کے رکوعِ آخر میں موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کے دین پاک کے غالب کرنے کا ذکر ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:-

”اول تو کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اگر کسی شخص کو خواب یا بیداری میں یہ آیت سنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ

اور شافعیین کو کثرتِ استعمال و خیال کے سبب ایسا ہوا کرتا ہے۔ یا فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی تو وہ شخص شہاد

اس آیت کے رسول کہلانے کا مجاز ہو۔ یا ایسا ہی اَقِمْوُ الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ کے سننے سے کوئی

دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نبی اور رسول ہوں اور نبی نماز اور زکوٰۃ کا حکم محمد پر نازل ہوا ہے۔ لیکن بر تقدیر الہام

بآیت مذکورہ (هو الذي ارسلناك بهذا النور) فرض محال اگر رسول کہلانے کا مستحق بنے تو اُسی معنی سے رسول ہوگا جو

یعنی اس آیت میں مراد ہیں اصلی رسول اور نہ دلیل دعویٰ پر منطبق نہ ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ میں رسول غلطی اور دلیل
یعنی اَرْسُولُ رَسُوْلًا میں رسول اصلی اور نیز رسولہ سے رسول غلطی مراد لینے کی تقدیر میں کلام الہی میں
تحریف معنوی لازم آئے گی۔ لہذا استدلال بآیت مسطورہ بند آواز سے پکار رہا ہے کہ دعویٰ اصلی نبی
ہونے کا ہے۔

اسی اشتہار ایک غلطی کا ازالہ میں اپنے نبی ہونے کی ایک اور دلیل بانی ہر ذاتیت نے ان الفاظ میں پیش کی تھی۔
”وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے محافلوں کو
خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشین گوئیوں
کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان
لفظ نبی کو اپنی نسبت ثابت کر سکے نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے
یعنی فانی الرسول کی۔ پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اُس پر غلطی طور ہی نبوت کی چادر
پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لیے اُس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔

اس کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں: اگر صرف فانی الرسول کا مقام ہی رسول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو
کیا وجہ ہے کہ حدیث ائمہ میں کی شان میں لوگ نہت متخذ اخلا لاخذت ابابکر خلیلا فرمایا گیا اور ایسا ہی مسعودی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود لقب محدثیت کے اور عثمان نے باوجود کمال اتباع صوری اور معنوی کے اور علی مرتضیٰ نے باوجود بشارت
رافت مثنیٰ بمنزلہ ہارون من عوئی۔ تیرا مقام مجھ سے ایسے ہے جیسا ہارون کا موسیٰ سے ہے اور سید اشباب
اہل البیت حسنین نے جن کا مجموعہ بعینہ جمال باکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا رسول اور نبی کہلانے پر جرات نہ کی اور
ہزار اہل اللہ جن کے فانی فی الرسول ہونے پر ان کا سایہ کاظم جانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسول نہیں کہلویا طلب تھا
سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکالمات الہیہ میں سے کسی مکالمہ میں باوجود شان رخصنا بعد الحقیف علی ساحلہ
الانبیاء ہم نے ایسے سمندر میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء نہ ٹھہرے، کے یعنی فینانی النسبی الامنی الذی
ہو کا البحر فی السخاء نبی اور رسول کے لفظ سے نہ پکارے گئے۔ یہ تو سب اسی قاعدہ مسئلہ میں محدود ہے کہ الولی لا
یبلغ درجۃ النسبی۔ مگر یہ حضرت باوجود اپنے اوصاف کے مقام فنا سے نبوت تک پہنچ گئے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: ”مسلمانو! بعد اں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب نبی اور رسول کا کسی مسلمان کے لیے شرعی نظر
سے جائز نہیں نہ اصلی نہ ظنی۔ اگر غلطی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فانی الرسول کا مقام مجوز اُس کا ہوتا تو سب سے زیادہ
مستحق مہاجرین اور انصار تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا ذکر خیر کتاب وسنت میں موجود ہے اور جنہیں اللہ جل شانہ
نے قرآن مجید کے سورۃ فتح میں ان الفاظ سے یاد فرمایا: ”وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ
رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا“ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں
وہ کھڑے پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تو انہیں رُکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا پائے گا، وہ اللہ کا فضل
اور رضا طلب کرتے ہیں)۔

اگرچہ کسی اور کو خلیفہ بنانا تو ابوبکر کو بنانا۔ ہم نے اسی میں قیام حاصل کی جو خلافت میں بحر کی طرح ہیں۔ مگر ولی و وصی نبی کو نہیں پہنچ سکتا۔

معراج نبوی کے جسمی ہونے کا ثبوت

بانی مہرِ زانیت نے چونکہ اپنے آپ کو مسحِ موعود ثابت کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیع جسمانی کی تردید کی تھی۔ اسی طرزِ استدلال کا اتباع کرتے ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو بھی معراجِ روحانی قرار دیا تھا۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں: معراج جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ بیداری آیت ذیل سے ثابت ہے: **سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى**۔ کیونکہ لفظ **سُبْحَانَ** کا اطلاق اسی موقع پر ہوتا ہے جہاں کسی عظیم الشان اور مستبعد اور محال عادی کا ذکر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر جب نایا اطرافِ السموات والارض میں سیر کرنا کوئی امر مستبعد اور متماز طور پر نبی کا خاصہ نہیں۔ نیز **أَسْرَى** کا استعمال نیند میں نہیں آتا۔ (قاضی عیاض) پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسرارِ مثل اور انبیاء کے کشفی اور روحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالتِ بیداری ہوئی۔ اس کے بعد حضرت نے متعدد احادیث اور اہل سیر کے حوالہ سے ثابت فرمایا ہے کہ معراج جسمی کے منکرین غلطی پر ہیں۔

معراج جسمانی کے خلاف ایک اور دلیل جو بانی مہرِ زانیت کی طرف سے دی گئی یہ تھی کہ تیار اور پُرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کڑھ زمہرِ تیک بھی پہنچ سکے۔ بس اس جسم کا کڑھ ماتاب یا کڑھ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ افسوس کہ اُن کی فطرتِ نبوت کی جس پیشگوئی نے انہیں اتنا بھی نہ بتلایا کہ بہت جلد انسان اپنے مادی آلات کی امداد سے ہی اُن کے اس قول اور دلیل کو لغو ثابت کر دے گا۔ تاہم حضرت اس کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح فرماتے ہیں: آیت اور حدیث اور اجماع کے مقابلہ میں ایسے استدلال سے کام لینا مسلمان کا کام نہیں۔ نیز استدلال مذکور موقوف ہے امورِ ذیل کے ثبوت پر۔ ورنہ خطر القیاد۔

۱۔ اتحاد نوعی کل طبقات ہوائیہ کا۔

۲۔ لوازم طبقات ہوائیہ کا از قبیل لوازم مابہت ہونا۔

۳۔ تبدل فصول کا مؤثر نہ ہونا خصوص کیفیات کے تغیر میں۔

۴۔ لزوم کا ضروری ہونا نہ عادی۔

امور مذکور سے اگر صرف امر چہارم ہی کا خیال کیا جائے تو بہادت (يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا أَوْ سَلْمًا عَلَىٰ رَأْبَاهِيمَ) آگ ٹھنڈی اور سلامت ہو جا ابراہیم پر) کے حرارت و برودت وغیرہ کا انفکاک اپنے ملزومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وہ فاعل مختار اور حکیم مطلق جس نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زمہرِ تیک کی برودت کو مثلاً معتدلہ حرارت سے بہ نسبت اپنے ایک مقبول بندے کے متبدل کر دے؟

آگے چل کر اس اعتراض کے جواب میں کہ آیت مذکورہ بالا (قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا أَوْ سَلْمًا عَلَىٰ رَأْبَاهِيمَ) بھی خدا انھم ماقول ہے حضرت فرماتے ہیں: مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارت مفرطہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اور صحیح ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں۔ لہذا آیت مذکورہ کو امتناع انفکاک الحرات عن النار کی بناء پر ماقول ٹھہرانا سراسر تعصب ہے۔ الغرض جسم خاکی کے آسمان پر جانے کے محال ہونے کو کوئی دلیل شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی۔ اور جنہوں نے اس پہلو کو اختیار کیا ہے اور صرف

فصل نوزدی کو شعل نام بنکر لکھو اس میں کابل و ہندوستان کی بات نہیں اس سلسلہ میں تین وجہ سے دھوکا ہو گا۔
۱۔ ایک تو فصل نوزدی کے استمرار ناقص کو نام قانون قدرت لکھا ہے کہ نوزدیاں تھکاو کے اصل پر قائم ہونے سے
قادر و قوی مستند ہوئیں گی یا نہ ہوں گی۔

۴. مستندات قضیه کوکارت قضیه استثنای کاپلر

۳۔ آیات و احادیث کو اُن معانی پر مقبول کیا جو باطل پرکھس میں اُن لوگوں کے جنہوں نے قرآن و سنت سے ہلکے دم معافی لے لی۔
کا استکبار کیا۔

تعارض عقل و نقل کا مسئلہ

اسی مسئلہ کی بحث کے دوران حضرت ایک اہم سوال یہ قائم فرماتے ہیں :-

سوال۔ تعارض عقل و نقل کی صورت میں عقل ہی کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ ذوالاصل سے نقل کئے بغیر اور جب تک عقل عقیدہ کی رُو سے وجودِ صانع نہ مانا جائے تب تک تصدیقِ بالِنقل و بعدِ اجابتِ بہ التوسل علیہم السلام مقبول نہیں ہو سکتی۔ تقدیمِ عقل کی وجہ سے بنیٰ خصوص عقیدہ میں عیسٰی عقل کو ضروری سمجھا جاتا ہے کہانی بنیٰ اللہ علیٰ کون خلقی قَدْ یُؤْمِنُ بِنَارِ اِلَادۃِ مَعْرَاجِ رُوحِی اور نزولِ بُرُوزِی جگہ کل معجزات و خوارقِ کما قالِ ضمیرِ انصاری سمجھا جاتا ہے ؟ اس کا جواب حضرت نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے :-

جواب :- یہ امر قابل غور ہے کہ قنویہ ذیل (اعقل اصل منتقل میں عقل سے مراد کیا ہے۔ بعد از جو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مراد عقل سے جو ہر حد تک یا قوت مطلقہ نہیں کیونکہ اس معنی کی رُو سے عقل اور عقل میں تو عقل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو ہر حد تک یا قوت مطلقہ حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اور سمعیات کے لیے اور ظاہر ہے کہ شرط کیسی صاف اور منافی نہیں ہوتی مشروطہ کے لیے پس معلوم ہوا کہ مراد عقل سے وہ معرفت اور ارگ ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم ضرور ہی نہیں کہ ہر علم اور ادراک عقلی اصل اور دلیل جو سمعی و عقلی کے لیے کیونکہ سمعیات اور عقلیات کی صحت کا توقف صرف انہی عقلیات پر ہے جن کی رُو سے تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چکا ہو (الصلح ہو بخود) وھو مصدق الرسول علیہم السلام بالآیات والمعجزات۔ اس سے واضح ہوا کہ قنویہ مذکور (اعقل اصل منتقل) قنویہ نہیں بلکہ اس میں حکم انہی بعض عقلیات پر ہے جو بموجب تصدیق بصدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عقل بحث کو یعنی (الرفع والنزول بالجنہیان وامثالھما من المعادلات) دفع اور نزول جہانی اور ایسے دیگر معادلات جو بمنزلہ عقلیات ہیں کوئی ملاقہ نہیں تصدیق بصدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اس طور پر کہ واسطہ فی اثبات کی طرح تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت نفس الامری ان پر ہو قوت ہو اور نہ اس طریق پر کہ واسطہ فی اثبات کی شکل عام کے اذبان میں تصدیق مذکور کا حصول ان پر مرتب ہو نہ نیا آئندہ عقل بحث صادق ہی نہیں کیونکہ رفع و نزول جمعی صورت مستبعدات عقیدہ سے ہیں نہ معادلات سے۔ چنانچہ آیت شیعان ربی اھل کنت الا یشرا زکوا لکے پہنچے

ثبات کیا جا سکتا ہے۔

تواریخ کے مسلمانوں کی اجماعیت: یہ تصور ہو سکتا ہے۔

۱۔ دلیل عقلی و نقلی دونوں قطعی ہوں۔

۲۔ یا دونوں ظنی

۳۔ یا ایک قطعی اور دوسری ظنی۔

تیسری صورت میں قطعی کی تفسیر ہم ظنی پر اتفاقی ہے خواہ قطعیت عقلی کے لیے ہو یا نقلی کے اور دوسری صورت میں محسب اولہ (دلائل) ترجیح و تعادل (برابر ہونا) عمل کیا جائے گا۔ اور پہلی صورت صرف احتمال ہی ہے۔ فی الواقع تحقق اُس کا ممکن نہیں کیونکہ دلیل قطعی اُسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اور ضروری ہو پس اس صورت کے واقعہ ہونے پر جمع بین البقیضین لازم آئے گا۔ جہاں ایسی صورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقعہ بالضرور ایک غیر قطعی ہوگی۔ الغرض دلائل کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے نہ مخصوص عقل کو جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں

کتاب ایام الصلح میں مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے بیان میں لکھا تھا کہ پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع ظہور کی رائے بھی خلاف نفس الامرائل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسا قبل از وقوع ہی ہوتا ہے نہ بعد از وقوع۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تنجوس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا لہذا حکمت الہیہ کا اقتضا ہوا کہ اُن واقعات کے احکام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور اُن کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہو تاکہ نعمت الہی تمام ہو اور محبت قائم رہے وہ سب وقائع منکشف ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کی نسبت تو اس طرح خبر دی گویا کہ بہ چشم ظاہر دیکھ رہے ہیں اور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تاکہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمت مرحومہ تاریکی میں نہ رہے لہذا یہ کتابوں احادیث نزول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات اور بیان نشانات سے اس لیے ارشاد فرمایا گیا ہے تاکہ اُمت مرحومہ جھوٹے مسیحوں سے بچے اور کشف عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے کہ اُن میں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے بخلاف کشف اجمالی کے کہ اُن میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ نزول مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے اُن کے مناسبات احکام و رضا و عدم رضا و کفر و ایمان نہایت مہتمم بالشان ہیں۔ اُن کو مفیس علیہا ٹھہرانا دوسری اقسام کے لیے جہالت ہے۔

طعام اہل ارض و اہل سما

امروہی صاحب نے رفع مسیح کے بیان میں کہا تھا کہ آیتہ "وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا آلَیَا کُلُوْنَ الطَّعَامُ" اور کَانَ یَا کُلَانِ الطَّعَامُ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کا نبی ہو یا ولی، بغیر طعام خوردنی گندم وغیرہ کے زندہ رہنا ممکن نہیں لہذا علیہ السلام بغیر طعام کے آسمانوں پر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ ہم بھی

۱۔ دو خدوں میں جمع کرنا محال ہے جیسے زید کی موت اور حیات۔ ۲۔ اشراط جمع شرط ہے یعنی علامات قیامت

ماتے ہیں کہ حسب آیت مذکورہ کسی انسان کا بغیر طعام زندہ رہنا نہیں ہو سکتا مگر اہل ارض کے لیے طعام گستردہ وغیرہ ہے اور اہل سما کے لیے تسبیح و تہلیل جس ملک میں کوئی جاتا ہے اسی ملک کی غذا سے مایہ حیات حاصل کرتا ہے۔ زمین آدمی جب تک زمین میں ہے اہل زمین کی غذا کھائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اُس کا آسمان پر لے جانا منظور ہے تو اُس کو ملائکہ کی طرح تسبیح و تہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ بلکہ محققین کے نزدیک تو اہل زمین ہی میں سے زمانہ آئندہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح و تہلیل ہوگی صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ جس دن کھانے پینے کا سامان دجال کے ہاتھ میں ہوگا اُس دن مومنین کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا تھا اُس دن اہل آسمان کی طرح اُن کو تسبیح و تہلیل مانے حیات ہوگی۔ پھر قرآن مجید سے اصحاب کھٹ کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ بغیر کھانے پئے زندہ رہنا ثابت ہے پڑھیے آیت :-

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا نَبْكَرُ أَشْعَرُ بِمَا يُبَشِّرُ فَبَعَثُوا أَحَدَكُمْ بِرِزْقِكُمْ هَذَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا (ترجمہ)۔ اور اس طرح ہم نے انہیں اٹھایا مگر ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی مدت تھہرے۔ کہنے لگے ایک دن یا کچھ دن۔ کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جس قدر تھہرے ہو تم اپنے سے ایک آدمی کو چاندی دے کر بھیجو وہ دیکھے کہ لوگوں میں کون شخص پاکیزہ طعام والا ہے پھر تمہارے لیے رزق اسی سے لے آئے اور نرمی اختیار کرے اور تمہارے متعلق کسی کو نہ بتلائے۔

غرض کتاب کیا ہے۔ عزم و سرفراں کا خزانہ ہے۔ اس کا حجم ۴۰۰ صفحے ہے اور معارفانہ اور تحقیقانہ دلائل و برہان کا ایک گنجینہ گواں بہا ہے جس میں مذہب مرزائیت کے ہر دعوے اور اعتراض کا تفصیلاً رد موجود ہے۔

چوتھی فصل

اعلام کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ

(۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء)

وجہ تالیف

حضرت نے وجہ تالیف تصریحاً اس کتاب کے خطبہ میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ بزرگان دین کے نام پر مذکر مانے ہوئے جانور کی حلت و حرمت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور ہر دو فریقین کے وہ متبعین جو سخن فہمی اور دیانت و تقویٰ سے پوری طرح بہرہ ور نہیں ہیں افراط و تفریط کا راستہ اختیار کر رہے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ ایسے جانوروں کو جو بغرض ایصالِ ثواب اور فاتحہ بزرگان دین اُن کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں یا اُس طعام کو جو (اسی غرض ایصالِ ثواب سے) اُن کے نام سے تقسیم کیا جاتا ہے مطلقاً حرام اور آیت مَا اٰھِلَ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل گردانتے ہیں۔ اگرچہ بوقت ذبح اُن پر خدائے تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے اور ذابح کا مقصد بجز ایصالِ ثواب اور کچھ بھی نہ ہو۔ اور بعض دیگر اصحاب اس قسم کی اشیاء کو مطلقاً حلال کہتے ہیں گو ذابح کا مقصد غیر اللہ کا تقرب ہی کیوں نہ ہو۔ بنا بریں یہ رسالہ تحریر کیا گیا کہ اہل اسلام افراط و تفریط کا راستہ ترک کر کے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ اور برادرانِ اہل انصاف و سادس و اوہام سے محفوظ رہ کر شرِ شیطان سے بچیں۔

حضرت نے اس رسالہ کو ایک مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل فرمایا ہے۔ اصل کتاب فارسی میں لکھی گئی جس میں پختون اور افغان علماء و عوام کی رعایت بھی مد نظر تھی۔ بعد میں حضرت بابو جی صاحب مدظلہ العالی کے ایما پر متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے تاکہ پاک و ہند کے عوام کے لیے بھی مفید ہو۔ یہاں صرف مختصر طور پر مقاصد کتاب کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے بعض مقامات پر راقم ترجمہ کی طرف سے بغرض تشریح کچھ اضافہ درج کر دیا گیا ہے۔

تفسیر اور تاویل کی تحقیق

مقدمہ میں تفسیر اور تاویل کے متعلق تحقیق فرمائی ہے اور تفسیر بالرائے اور تاویل کے درمیان فرق بیان فرما کر واضح کیا ہے کہ جو تاویل سلف صالحین کی مستند تفسیر کے خلاف یا قواعد عربیہ کے مطابق نہ ہو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جو حسب ارشاد نبویؐ مذکور ہے البتہ جو تاویل خصوصاً شرعیہ اور قواعد عربیہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو وہ درست ہے۔ گو حضرات سلف صالحین، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے صراحتہ منقول نہ بھی ہو۔

اہل کے معنی

باب اول میں آیت وَمَا اٰھِلَ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کا معنی اور اُس کی تفسیر کے تمام متعلقہ امور سوالات و جوابات کی صورت

مذکورہ فرامات میں اختلافی نکتہ سے ثابت فرمایا ہے کہ بدل کا معنی آیت شریفہ میں یہ کہ نہیں کہ کسی بذاتہ کسی بدل کے
کی طرف منسوب کر دیا جائے یا اس کے نام پر مشتمل کر دیا جائے تو اور ہم یہ بات کہ اور کسی طرف ہوا کہ نہایت اہل علم کے ہاں
ہیں اگرچہ ذراغ کا مقصد تقارب نیز ملحق بھی ہو اور ہم آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ہر باوجود فیہ اللہ کے ہم یہ بھی ذراغ کیا جائے اور
بھی بدل ہے اور فصلی پر ہیں آپ فرماتے ہیں کہ بدل یعنی ذراغ اور غیہ اللہ یعنی یا محمد فیہ اللہ یا تو یکتا ذاتی کے لئے اور نہ
آجوبات کا یہ محاکمہ قابل یہ ہے جسے چاہے کہ اور ذراغ کے وہ باب اختلاف وادیت میں نہیں دیکھتے

ذراغ کے شرائط اور اقسام

باب دوم میں ذراغ کے شرائط اور اس کے اقسام بیان فرمائے ہیں اور مولانا محمد اعظم عثمانی اور مولانا شاہ جبار علی صاحب
دعوتی کے مابین مسئلہ مذکورہ کے متعلق اختلافات پر تبصرہ فرمایا ہے اور آخر میں تذریل کے عنوان سے مسئلہ ذراغ فوق مقدمہ پر
نہایت مفصلانہ بحث فرمائی ہے اور اس کی خدمت کو از روئے دلائل ثابت فرمایا ہے۔

باب سوم میں نذر کے معنی اور اس کے تعلقات کی تشریح مندرجہ ذیل مسائل سے غائبانہ تو نزل اور استعانت از
اولیاء اللہ اور سماج مولیٰ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور مستسکرین استدلال اور سماج مولیٰ وغیرہ کے دلائل کے
نہایت اطمینان بخش جوابات دیئے ہیں۔ چنانچہ بدیہاً لفظ کہا جاسکتا ہے کہ ان مسائل اختلافیہ پر اس اقدار اور اخصان
سے آج تک کسی نے حکم نہیں لیا ہوگا۔ لہذا مسئلہ علم فیہ بنی معنی اللہ مسئلہ عالم و مسلم کو ایسے انداز میں بیان
مندرجہ ذیل ہے کہ ذریعہ کا اختلاف ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس مفصلانہ تحقیق کے بعد کسی قسم کے نزاع کی گنجائش ہی
نہیں رہتی۔ قارئین کرام کے انکادو کے لیے چند ایک سوالات مع جوابات کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے وفاقاً فی
الآیۃ العسیٰ العظیمہ

استفسار جواب طلب ان علماء کوٹنجیب اللہ خان علاقہ ہزارہ متعلق نذر و استدلال احوال

ما قولکم دامت فضلكم منہ مستطوریہ

۱۔ ایک شخص تادمیت کرے اس طور پر کہ اگر میرا میری اچھا ہو جائے یا نہ ہو میرے گھر میں غیرت سے نبھائے تو میں اللہ کے
نام کا بکراؤں گا اور ثواب اس کا ولی اللہ کو پہنچاؤں گا۔

۲۔ دوسری صورت :- اسے ولی اللہ اگر میرا میری اچھا ہو جائے تو میں تیرے نام کا بکراؤں گا۔

۳۔ تیسری صورت :- اسے ولی اگر میرا میری اچھا کیے یا میرا مطلب تم نے پلٹا کیا تو میں تمہارے نام کا بکراؤں گا۔
پھر بعد حصول حاجت کے بکرا لے کر ولی اللہ کی قبر کے نزدیک ذراغ کرے کہ میرا اللہ اس ولی اللہ نے پوچھا ہے یا
اپنے گھر میں ذراغ کرے۔

کیا ان صورتوں میں نذر واجب ہے یا نہ؟ اور ذریعہ حلال ہے یا حرام؟ اور حرمت کی وجہ ارتداد ہے یا غیر؟ اور
وجہ ارتداد کی ولی اللہ کو تصرف حقیقی جانتا ہے یا وسیلہ کی صورت میں ہی؟ اور ہر وجہ قول اگر وہ مرقہ ذراغ کرے کوئی اور
کرے تو پھر بھی ذریعہ حلال ہے یا نہ؟ بیٹھو الیہ جسر واد۔

جواب

- ۱۔ پہلی صورت میں ایفاء نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔
- ۲۔ ایسا ہی دوسری صورت میں بھی اگر مقصود ذبح اور جان کشی للہ ہے اور ایصالِ ثواب ولی کے لیے اور اگر نفس ذبح ولی کے لیے ہے تو ذبیحہ حرام اور ایفاء بالتذکر واجب نہیں۔
- ۳۔ تیسری صورت میں اگر ولی کو وسیلہ سمجھ کر ایصالِ ثواب مقصود ہو تو جائز اور ایفاء واجب ورنہ ذبیحہ حرام اور ایفاء غیر واجب۔

نذرِ اولیاء اللہ کے متعلق فتاویٰ عزیزی کا حوالہ

خاتم المحدثین شاہ عبد العزیز دہلوی اپنے والد ماجد سے (رضی اللہ عنہما) فتاویٰ عزیزی میں نقل فرماتے ہیں:-
(ترجمہ) ارواح سے مدد مانگنا اس اُمت میں بہت واقع ہوا ہے۔ اور وہ جو جہاں اور عوام کرتے ہیں کہ ان ارواح پر ہر کام میں متقل اعتماد رکھتے ہیں بلاشبہ شرکِ جلی ہے اور نذرِ اولیاء اللہ حاجات کے پورا ہونے کے لیے معمول ہے اور رسم ہے اکثر فقہاء کو اس نذر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ انہوں نے نذرِ اولیاء کو نذرِ خدا پر قیاس کر کے ارتداد کا حکم لگا دیا کہ اگر نذر بلا استقلال اُس ولی کے لیے ہے تو باطل ہے اور اگر خدا کے لیے ہے اور اس ولی کا ذکر محض مصرف کا بیان ہے تو صحیح ہے۔

لیکن اس نذرِ اولیاء اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور مال کے خرچ کرنے کا ثواب کسی اہل اللہ کی رُوح کو ہدیہ کرنا۔ اور یہ امر سنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُمّ سعد وغیرہ کا حال صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور ایسی نذر لازم ہو جاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اس نذر کا ثواب فلاں ولی کی رُوح کو ہدیہ کرتا ہوں اور ولی کا ذکر اس عمل منذور کی تعیین کے لیے ہے نہ کہ مصرف کے لیے۔ اور مصرف اس نذر کا نذر کنندگان کے نزدیک اُس ولی کے رشتہ دار اور خدام اور برادرانِ طریقت اور ان جیسے لوگ ہیں۔ اور نذر کنندگان کا بلا شک یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفا واجب ہے۔ اس واسطے کہ یہ قرابت شرع میں معتبر ہے۔

ہاں۔ اگر اُس ولی کو مستقلاً مشکلات کا حل کرنے والا اعتقاد رکھیں یا اس کو شفیع غالب سمجھیں تو یہ عقیدہ

شرک اور فساد کی طرف لے جاتا ہے مگر یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر دوسری چیز۔

اسی سے دوسری اور تیسری صورت کا حکم معلوم ہو گیا۔ یعنی ایفاء نذر واجب اور ذبیحہ حلال کیونکہ (میں تیرے نام کا بکرا دوں گا) عمل منذور کے معین کرنے کے لیے ہے۔ پس نذر اللہ کے لیے اور ثواب طعام رُوح ولی اللہ کے لیے ہو گا۔ اور یہ قول بیان مصرف گوشت ذبیحہ کے لیے نہیں، تاکہ یہ ہبہ اور تملیک لغو اور بے جا سمجھ کر اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام کہا جائے۔ بجز الرائق اور بعض دوسری معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے (خلاصہ) کہ اگر کوئی شخص کھانا وغیرہ کسی بزرگ کی قبر پر اس کے تقرب کی خاطر لائے تو یہ درست نہیں اور حرام ہے۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ اس کھانے وغیرہ کو زندہ مسلمانوں کو دے گا اور طعام دینے کا ثواب صاحب قبر کی رُوح کو پہنچائے گا تو جائز ہے۔ اور غالباً ایسے امور کے منع کا سبب یہ ہے کہ

صاحب قبر کو ان چیزوں سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اور بے جا اسراف ہے۔ مہذبہ مردہ کے لیے جبہ اگر اُس کے تقرب کی غرض سے ہو تو وہ کفار کے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو بتوں کے سامنے اُن کے تقرب کے لیے حلو اور مؤین بھوک وغیرہ رکھتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ بت نہیں کھا سکتے۔ اور یہ تشبیہ حدیث شریف من تشبہ بقوم فهو منهم کی ذیل میں آتی ہے جیسا کہ فوائدِ بڑبائیہ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

رہا نذر کا یہ قول اگر مریض تم نے اچھا کیا: سو اگر مقصود اُس کا اس نسبت سے شفیعانہ طور پر ہے تو مضائقہ نہیں نسبت و سائل کی طرف مت آن کریم سے ثابت ہے مثلاً لَهَبٌ لَكَ غُلَاظٌ كَيْتَا (تا کہ میں تجھے ایک فرزند کی دوں۔ قول حضرت جبریل علیہ السلام) ہاں اگر ہر دو فقرہ مذکورہ بالا میں معنی میں تیرے نام کا بکراؤں گا: اور اگر مریض تم نے اچھا کیا: استقلالِ طور پر نسبت ہے یا شفیع غالب سمجھ کر تو بے شک ناذر مُردہ ہے اور ذبیحہ اُس کی ذبیحہ مُردہ کی ہے اور اگر ناذر مُردہ خود نہ ذبح کرے بلکہ دوسرے مسلمان سے خُدا کے نام پر ذبح واقع ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ عالم گیری میں ہے کہ مسلمان کسی آتش پرست کی بکری آتش کدہ کے لیے یا کافر کی بکری اُس کے بتوں کے لیے ذبح کرتا ہے تو اُس کا کھانا اس واسطے جائز ہے کہ اُس نے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔ ہاں مسلمان کے لیے مکروہ ہے اور کراہت کی بنا تشبیہ اور انتساب نام غیر نہیں بلکہ عدم تعمیل ارشادِ مالک کی وجہ سے ہوگی۔ فتاویٰ تاتار خانیہ اور جامع الفتاویٰ اور فوائدِ بڑبائیہ میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ اور جناب خاتم المحدثین فرماتے ہیں:-

”اور اسی طرح حلال نہیں جب ذبح کرے بکری کو کسی تھان یا قبر پر اور قصد اس صاحب قبر یا تھان والے کے تقرب اور عبادت کا ہو۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ذبح کے وقت ذکر کرے تو بھی حلال نہ ہوگی اور مدار اس کا نیتِ عبادت اور تقرب ہے یا ذبح کے مشہور طریق کا بدل دینا“ (ترجمہ)

خلاصہ آنکہ موصوفہ فی السؤال میں ایفائے نذر واجب اور ذبیحہ حلال بشرطیکہ اس ولی کو مستقل اور شفیع غالب نہ مانا جائے اور ذبح اور جان کشی اللہ جل شانہ کے لیے ہو نہ اُس ولی کے لیے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ اور جامع الحرمین مفسرِ اصولی۔ فقیہ مصنف تفسیر احمدی اور مولانا بڑبان الدین وغیرہم محققین نے عوام کی مراد کو صاف واضح کر دیا ہے۔ رہے قرآن کہ آیا ان کی رو سے بھی عوام کی وہی مُراد ثابت ہوتی ہے جو محققین نے اوپر بیان کی ہے یا نہ۔ سو اس کو ناظرین اسی رسالہ سے مختلف موقعوں پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علماء کرام پر واجب ہے کہ جہاں کو مجلس وعظ میں ایسے الفاظیں بدایت فرمایا کریں کہ کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ مگر کے مختلف اقسام مع احکام بھی اس رسالہ میں تفصیلاً درج ہیں۔

نذر کردہ چیز کی تخصیص کا بیان

اس کے بعد حضرت نے منذور کی تخصیص پر کتاب بوارق تھری میں مندرج استفتاءئے مولوی رفیع الدین۔ وصیت نامہ مولانا عبد اللہ گجراتی جمہور شیخ عبدالحق سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ جو لکھتے ہیں کہ فاتحہ دلوانا اور طعام کھلوانا بلاشبہ امر مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اُس کے کھانے والوں کا تخصیص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے۔ پس یہ تخصیص امر مستحب کے منوع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی اور یہ تخصیصات رسم و رواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتداء ان کی کسی خاص صفت اور منفی غشاء کی وجہ سے ہوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہو گئیں صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانور ذبح فرماتے تھے اور بالخصوص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اُس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بزرگانِ طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے۔ اُس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُور اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ تخصیص اور تعین نیک رسوم اور عاداتِ حسنہ کی قبیل سے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ تخصیصات اور تعینات اُن مشائخِ عظام اور اولیائے کرام کے معمول ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

چند سوالات دربارہ استعانت و امدادِ ارواحِ کاہلین

اس استفتا میں چونکہ صاحبِ قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اُس سے مدد طلب کی گئی ہے لہذا اگر استمداد کے مسئلہ اور اُس کے مالہ و ماعلیہ کو کسی قدر ذکر کیا جائے تو ناظرین کے لیے باعثِ آسانی ہوگا۔

سوال۔ چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز کو سُنتے ہیں، ہر ایک چیز کو دیکھتے ہیں اور اس سُنتے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں حق تعالیٰ کو کسی کے توسل کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب کرنا، چاہے وہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جن بے معنی بات ہے اور مشکلات اور حاجات میں بزرگوں کو اُن کے نام سے پکارنا، جیسے اے میرے پر میری مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر، سراسر بے معنی چیز ہے۔ بلکہ انصوصِ قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظلم ہے۔ آیات :-

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تعلیم کے لیے فرماتے ہیں :-

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ یہاں عبادت اور استعانت کو اپنی ذات میں حصر فرمادیا ہے۔

۲۔ وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا وَأَنَّ اللَّهَ يَدْعُوهُ كَادُّوا يُكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝

(ترجمہ) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے واسطے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ اور یہ کہ جس وقت کھڑا ہوا بندہ خدا کا اُس کی عبادت کے لیے تو یہ کافر لوگ اُس پر بھڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۳۔ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝

(ترجمہ) وہ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر مؤنثات (لات و منات) کو۔ وہ لوگ درحقیقت شیطانِ مردود کو پکارتے ہیں۔

۴۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَنْتَجِبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (ترجمہ) اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوائے کسی اور کو پکارتا ہے جو روزِ قیامت تک اُس کی پکار کا

جواب نہیں دے سکتا اور جو ان کی پکار سے محض بے خبر ہیں)

۵۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنْ الظَّالِمِينَ (ترجمہ) اور اللہ کے سوائے کسی اور کو نہ پکارو جو تجھے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

احادیث شریف :-

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ابن مسعود سے روایت ہے قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ ذُنُوبٍ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ إِلَهًا سِوَهُوَ خَلْقَكَ (بخاری و مسلم) ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک لگا دے۔ اور حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ حضرت جبریل مٹھم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا جانیں سختی میں پڑ گئی ہیں عیال مُصِیبت میں مبتلا ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگیے۔ ہم اللہ کو آپ پر شفیق لگاتے ہیں اور آپ کو اللہ پر شفیق لگاتے ہیں۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ اور بڑی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے یہاں تک کہ اپنے صحابہ کے چہروں کی طرف دیکھا پھر فرمایا۔ افسوس تجھ پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی پر شفیق نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ اعظم ہے اس بات سے تجھ پر افسوس۔ کیا تو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کون ہے؟ اُس کا عرش اُس کے آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہ الفاظ تجھ پر افسوس اللہ کو کسی پر شفیق نہیں بنایا جاسکتا۔ ان سے یا شیخ عبد القادر جیلانی مشیئ اللہ کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ پس فرمایا اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرتا رہ وہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اُسے پہنچ وہ تجھے پہنچے گا۔ اور جب کسی چیز کا سوال کر تو اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب مدد مانگ تو اللہ ہی سے مدد مانگ (مشکوٰۃ باب توکل۔ ترمذی)

ان سوالات کے جوابات

آیات (۱) اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کا معنی اور مدلول صرف یہ ہے کہ مدد طلب کرنا اس طرح کہ مُسْتَغَانِ مِنْہُ کو خالقِ عون و مدد یقین کیا جائے جو صرف جناب باری تعالیٰ شانہ کی ذات میں منحصر ہے خواہ امور دینی میں جو خواہ امور دنیوی میں۔ اور اگر استعانت کے معنی نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنی اس امر کے کہ مُسْتَغَانِ مِنْہُ کو مظہرِ عون جانے اور یہ اعتقاد رکھنے کہ اللہ جل شانہ کے کارخانہِ حکمت و اسباب میں ہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور یہیں ان اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے (مثلاً پانی پیاس بجھانے کے لیے، روٹی بھوک کے دفع کرنے کے لیے، آگ روٹی پکانے کے لیے، زمین کھیتی باڑی کے لیے، آدویہ کو دفعِ امراض کا سبب بنایا ہے طیب اور ڈاکٹر کی طرف رجوع کا صریح ارشاد ہے) پس کارخانہِ اسباب و حکمت پر نظر کرنا اسی کا متقاضی ہے۔ لہذا یہ طلب مدد مخلوق سے ممنوع نہیں اور نہ یہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی اور مدلول کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں منحصر ہے صحیح نہیں۔

خاتم المحدثین مولانا شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر مقدم کرنا صحر کا فائدہ بخشا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع امور دنیاویں میں۔ اگر خاص ہے

تو راز اس میں یہ ہے کہ اگرچہ عبادت انسان کا اپنا کسب اور اپنا اختیار ہی فعل ہے مگر بندہ کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں پس عبادت میں استعانت ثابت ہو گئی اور اگر عام ہے تو اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کی امداد اور اعانت کرتا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کے دل میں اُس دوسرے کی امداد کرنے کے واسطی ڈالے جاتے ہیں اور یہ اسباب اعانت کسی کے دل میں ڈالنا فعل باری تعالیٰ ہے پس گویا بندہ کہتا ہے کہ آپ کا کوئی غیر میری مدد نہیں کر سکتا۔ اور اس سے اعانت کا امکان بھی نہیں لیکن اگر آپ اُس کے دل میں میری امداد و اعانت کا داعیہ ڈالیں اور اُس کی امداد فرمائیں کہ وہ میری اعانت کے اسباب جمع کرے تب یہ ممکن ہے پس میں ان تمام وسائل سے قطع نظر کرتا ہوں اور آپ کی اعانت پر ہی نظر رکھتا ہوں۔

۲۔ آیت دوم میں لَا تَدْعُوا أَوْلِيَاءَكُمْ وَلَا تَدْعُوا أَوْلِيَاءَكُمْ وَلَا تَدْعُوا أَوْلِيَاءَكُمْ سے مراد پکارنے اور بلانے اور ندا کرنے کے معانی میں نہیں

لے حضرت کا یہ ارشاد بالکل قطعی اور یقینی ہے۔ اس واسطے کہ مشہد آن شریف میں دونوں قسم کی آیات وارد ہیں۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ تَعَاوَدْنَا عَلَى الْیَدِ وَالْثَّقْوٰی۔ وَاسْتَعِیْنُوا بِالْصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ حضرت ذوالقنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد اَعِیْنُوْنِیْ اَللّٰہِ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کا ارشاد وَادْعُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ۔

آیت اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ خاص تجھ سے مدد چاہتے ہیں میں حصر ہے اور تَعَاوَدْنَا عَلَى الْیَدِ وَالْثَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو میں تعاون کا حکم ہے۔ ایسے ہی صبر و صلوٰۃ سے استعانت اور حضرت ذوالقنین کے مدد طلب کرنے سے غیر اللہ سے مدد لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے گو مجازی سہی۔

۳۔ آج کل بعض تشدد پسند حضرات ان آیات میں لفظ دُعَا کے لفظی معنی پکارنا لے کر تحریر کرتے ہیں حالانکہ ان آیات میں لغوی معنی مراد نہیں جیسے مشہد آن مجید میں لفظ صلوٰۃ محمولاً بمعنی لغوی نہیں ہے۔ یہاں بھی دُعَا بمعنی شرعی اور اصطلاحی مراد ہے۔ یعنی کسی ذات کو نافع و ضار متقل یا شیفع غالب و قاضی الحاجات علی الاطلاق سمجھ کر اُس کی طرف متوجہ ہونا اور استعانت طلب کرنا جو بلاشبہ عبادت ہے۔ اگر دُعَا بمعنی لغوی ہر جگہ مراد ہو تو پھر جس وقت مشرکین بغیر پکارنے کے فقط دل سے غیب اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ ان آیات کے دائرہ سے نکل جاتیں گے جو ہرگز مقصود نہیں۔ لہذا واضح ہو گیا کہ آیت وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ کے معنی یہ ہیں کہ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو غیر اللہ سے دُعَا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ غیب اللہ سے اس اصطلاحی معنی میں دُعَا کرنا شرک فی العبادت ہے جس سے اہل سنت کا دامن پاک ہے کیونکہ وہ اہل اللہ سے دُعَا نہیں کرتے بلکہ دُعَا اللہ سے ہی کرتے ہیں اور اہل اللہ کو وسیلہ لاتے ہیں یا اُن سے سوال اور عرض کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ سے دُعَا کریں جو بلاشبہ جائز ہے البتہ جہاں دُعَا بمعنی لغوی ممکن ہو وہاں لغوی معنی ہی مراد ہو گا جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ اَنِیْ (اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو پکارا اور بلایا)۔

غالباً کسی مقبول ہستی سے توسل کرنے کا قہر طریقیہ بھی یہی ہے کہ دُعَا اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور اہل اللہ کے ساتھ محبت و تعلق کو وسیلہ بنایا جائے جو ایک عمدہ اور نیک عمل ہے اور سلف میں مروج ہے لیکن اگر کسی نے اس عقیدے سے غائبانہ ندا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُن مقبولین کو میری طرف متوجہ فرمائے تو اس کے شرما حرام ہونے پر کوئی نص نہیں جیسا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی نشر الطیب میں حدیث عثمان بن حنیف میں مجاہد یا محمد اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ کی توجیہ میں خود تصریح کر دی ہے اور حدیث اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ مندرجہ حسن حسین اس پر شہاد ہے۔ (مؤلف معنی منہ)

بلکہ عبادت مراد ہے بیضادی۔ مدارک معارف وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی مذکور ہیں پس عبادت غیر اللہ حرام اور شرک ہوتی نہ کہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی يَدُ عُونٍ سے مراد دعوت بطریق عبادت ہے اور انما سے مراد احسان نام ہیں۔
۴۔ اور چوتھی آیت میں بھی يَدُ عُونٍ کے معنی يَعْْبُدُ کے ہیں اور مَنْ لَا يَشْتَجِبُ لَهُ سے مراد بت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ آیت پنجم میں بھی لَا تَدْعُ سے مراد لَا تَعْبُدُ ہے معارف وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔ علامہ سیوطی اقصان میں فرماتے ہیں لفظ دُعَا کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک معنی عبادت کے بھی ہیں جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ۔

احادیث

۱۔ اَنْ تَدْعُوْا لِلّٰهِ يَنْتَ اُسے مراد ہے اَنْ تَجْعَلَ لَهُ يَنْتَ اُرِيہ کہ تو اُس کے لیے کسی کو شرک بنائے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بنائے تو پروردگار کا کوئی شرک اور مساوی حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ علامہ قاری نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے اَنْ تَدْعُوْا اَنْی تَجْعَلَ لِلّٰهِ قِطْلَانِی نے لَا یَدْعُوْنَ کی شرح میں لکھا ہے اَنْی لَا یَعْبُدُوْنَ۔

۲۔ اس حدیث میں اَنْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَیْكَ کے معنی یہ ہیں کہ ہم خود ذات جل جلالہ کو آپ کی خدمت میں سفارش لاتے ہیں اور یہ جملہ باری معنی مذکور مسلم ہے اس امر کو کہ جناب باری تعالیٰ جو یہاں شفیع بنائے گئے ہیں جناب سالماہ سے جو مشفوع بنائے گئے ہیں کم مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فِشَانُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذَٰلِکَ فرمایا ہے اور جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وہ تفسیر فرماتی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس امر کا قائل نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ معنی یا شیخ عبد القادر جیلانی شیدائے اللہ کے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو حضرت شیخ کی جناب میں شفیع بنا رہے ہیں اور حضرت شیخ کو مشفوع۔ اور اللہ تعالیٰ عز وجل کے نام مبارک کی حرمت سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی ممانعت نہیں بلکہ یہ چیز قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہِ ذَٰلِکَ الْحَاۤیِمُ رُوٰی اس اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے سوال کرتے ہو تفسیر کبیر۔ عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ مَنْ اِسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُ وَاَوْصَنَ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ۔ رواہ نسائی وغیرہ (جو اللہ تعالیٰ کے نام کے واسطہ سے پناہ مانگے اُسے پناہ دو اور جو اُس کے واسطہ سے سوال کرے اُسے عطا کرو) اس مضمون پر احادیث کثیرہ موجود ہیں مگر بخوال طوالت نقل نہیں کی جاتیں۔

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصود بیان توکل ہے جو بہت بلند مقام ہے اور خواص کے لیے مخصوص ہے پس خواص کے لیے اسباب کی طرف توجہ اور انہماک موجب تنزل ہے چنانچہ واروہ جو ہے کہ حسنات الابوار سیئات المحقرات میں اور اس سے مقصود نہیں کہ بنی نوع سے مدد مانگنا اور انبیاء اولیاء کی ارواح طیبہ سے استمداد اور اسباب کے ساتھ توکل مطلقاً ممنوع اور حرام ہو نہ یہی ہے۔ ہذا امین

صَفَاتِ الْأَوْلِيَاءِ الْمُعْرِضِينَ عَنْ أَسْبَابِ الدُّنْيَا وَغَوَائِقِهَا الَّذِينَ لَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنْ عِلَاقَتِهَا وَتِلْكَ دَرَجَةُ الْخَوَاصِّ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ وَأَقَامَ الْعَوَامُّ فَرَسَ خَصٍّ لَهُمْ فِي التَّدَاوِي وَالْمُعَالَجَاتِ رِيَّةَ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ كِي صَفَاتِ هِيَ جَوَابِ دُنْيَا سَ اعْرَاضِ كَرْتِ هِي اُور دُنْيُو عِلَاقَتِ كِي طَرَفِ لَفَافَتِ نَہیں كَرْتِ۔ يَہِ خَوَاصِّ كَا دَرَجَہ ہِے دُوسروں كَا وَاہَاں كُذَرِ نَہیں۔ عَوَامِ كَے لِیَے دَوَاوِ مَعَالِجَہ اُور اَسْبَابِ ذِرَاعِ اِحتِیَاذِ كَرْنِ كِي اِجَازَتِ ہِے)

حضور سرور کائنات کے بعض خاص ارشادات حسب المراتب ہوتے تھے

بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض ارشادات مخاطب کی استعداد اور حیثیت کے مطابق فرمایا کرتے تھے اور وہ عام نہیں ہوتے تھے۔ دیکھئے جب صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال خیرات کر دیا تو آپؐ نے انکار نہیں فرمایا۔ اس واسطے کہ ان کے یقین اور صبر اور توکل پر نظر تھی اور جب دوسرے ایک صحابی نے سب مال خیرات کیا تو آپؐ نے منع فرما دیا۔ اسی طرح جب یوسف صدیق علی نبیناؓ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر اللہ سے یہ کہہ کر مدد مانگی کہ اُذْکُرْنِی عِنْدَ رَبِّکَ (اپنے بادشاہ سے میری سفارش کرنا) تو چونکہ یہ مقام نبوت کے مناسب نہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسفؑ پر رحم فرمائے۔ اُگراُذْکُرْنِی عِنْدَ رَبِّکَ نہ کہتے تو سات سال جیل خانہ میں نہ رہتے حالانکہ یہ چیز شرعاً ممنوع نہ تھی کہ ایک بے گناہ مظلوم جیل خانہ میں پڑا ہو اور بادشاہ کے پاس اپنی حالت بیان کروائے۔

حضرت سلطان الزاہدین گنج شکر کے سہارے اور توکل کا ایک واقعہ

نقل ہے کہ حضرت سلطان الزاہدین فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ جب ایک مرض سے تندرست ہوئے تو بوجہ ضعف چند قدم عصا پر تکیہ کر کے چلے اور پھر فوراً عصا کو پھینک دیا اور چہرہ مبارک سے ناخوشی کے آثار نمودار ہوئے بعد میں مناسب موقع پر ایک شخص نے سبب دریافت کیا تو فرمایا جب میں چند قدم اس عصا پر سہارا لے کر چلا تو ہاتھ سے آواز آئی کہ اے فرید اب تک تو ہم ہی تیرا تکیہ اور سہارا تھے اب خلاف عادت ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔ اس وجہ سے میں نے عصا کو پھینک دیا تھا۔

ہر شخص کی مبداء فیاض سے ایک خاص خصوصیت

(تنبیہ) جاننا چاہیے کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کو مبداء فیاض سے ایک خصوصیت اور خاص شان ملی ہے جو دوسری مخلوق کی شان سے الگ اور ممتاز ہے اور وہ شان مبنیٰ اور منشا ہے ترتیب احکام متنازعہ اور ظہور آثار مختلفہ کا۔ اور لازم نہیں کہ بنی نوع پر فضیلت مطلقہ کا سبب بنے پس حضرت گنج شکر رضی اللہ عنہ کے اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر ان کی فضیلت ثابت ہو جائے۔ عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ (تمہارے لیے سوا و اعظم امت اسلامیہ کے ساتھ تمسک لازم ہے) اور حدیث دیگر لَنْ تَجْتَمِعَ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور مقولہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مَا رَاَهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ (جس چیز کو مسلمان

درمیان تعارض اور تناقض نظر نہ آئے اور یہ حدیث صادق نہ آجائے۔ اِذَا سَمِعْتَ الرَّجُلَ يَقُولُ هَذَا النَّاسُ فَهُوَ
أَهْلُكُمْ (جب تجھے کوئی شخص یہ کہتا ہو اُنسانی دے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ اُن میں سب سے زیادہ ہلاکت میں پڑنے
والا ہے) اس حدیث کی شرح میں حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث کا ایک دوسرا معنی
ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص جمہورِ مسلمین اور اکثرِ صالحینِ علم کی مخالفت کرے اور ان کے قول کے خلاف ایک قول گھڑ لے
اور پھر ان لوگوں پر طعن اور انکار کرے۔

اب اللہ تعالیٰ کے قول مبارک اِذَا لَمْ تَسْتَعِیْنِ کو ہی دیکھئے اگر اس کے متعلق یہ زعم اور خیال ہو کہ یہ مطلق استعانت
پر حصہ ہے تو تناقض ہو جائے گا آیہ شریف تَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کے اس واسطے کہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ
نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَللّٰهُ یُکَافِی عِبْدَهُ کا جب یہ معنی
خیال میں رکھا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کی ہرگز ہرگز حاجت نہیں اور کسی کام میں بھی کسی دوسرے کی
ضرورت نہیں تو یہ آیت شریف تناقض ہو جائے گی۔ آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا
اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا کی جہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر گنہگار آپ کی خدمت
میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور آپ بھی اُن کے حق میں استغفار کریں تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو تواب اور رحیم
پائیں گے۔

چونکہ اِنَّ الْقُرْآنَ یُفَسِّرُ بَعْضُهُۥۤ اِبْعَاضًا (قرآن مجید کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تفسیر کر دیتی ہیں) وارد ہوا ہے
اور یہ ساری قرآن مجید ہی کی آیات ہیں لہذا تمام آیات کی رعایت اور ہر ایک کے اپنے موقعہ اور مرتبہ کی نگہداشت ملحوظ رہنی
چاہئے۔ اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جناب الہی کا اپنے بندوں کے لیے کافی ہونا اور سمیع و بصیر ہونا اس چیز کے منافی نہیں کہ
محبوبانِ حق میں سے کسی محبوب کی طرف التجا لے جانی جائے یا اُن سے اپنی حاجات میں توسل اختیار کیا جائے۔ اس واسطے کہ
اللہ جل شانہ نے باوجود اپنے کافی ہونے اور سمیع و بصیر ہلا واسطہ ہونے کے گنہگاروں کی مغفرت کو بارگاہِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام میں حاضر ہو کر حضورؐ سے مغفرت طلبی پر موقوف اور وابستہ فرمایا۔

بزرگانش بیاوہر چہ خواہی تمنا کن

ربیع بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ایک رات میں حضورؐ کے
لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات لایا تو حضورؐ نے فرمایا جو چاہے مجھ سے مانگ لے میں نے سوال کیا کہ بہشت میں آپ کی
رفاقت مانگتا ہوں حضورؐ نے فرمایا اس کے سوائے کچھ مانگ میں نے عرض کیا صرف یہی چیز مانگتا ہوں۔ فرمایا پھر کثرتِ سجود سے
میری اعانت کر (مسلم) اس حدیث میں کلمہ نسل (سوال کر) اور اَوْ غَیْرُ ذَٰلِکَ (اس کے سوا کوئی اور سوال کر) کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔
اس لیے کہ نسل کا مفعول اور اَوْ غَیْرُ ذَٰلِکَ کا مفعول ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ اور مطلوب میں کمالِ وسعت اور
اطلاق ہے حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نسل کو مطلق فرمایا ہے۔ اور مسئلہ کو معین نہیں فرمایا اور مطلوب
کو خاص نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کام آپ کے دستِ ہمت و کرامت سے وابستہ ہیں کہ جو کچھ چاہیں اور جس کو
چاہیں باذن پروردگار تقدس و تعالیٰ عطا فرمائیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الذُّنُوبَ وَضَرَّتْهَا وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ الْوُجُوحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریت دُنیا و عجبی آرزو داری

بدرگاہش بیا و ہر چہ خواہی تمنا کن

(دُنیا و آخرت آپ کے جود و سخا کے اجزاء ہیں۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔

اگر دُنیا و عجبی کی خیریت کی آرزو ہے تو حضورؐ کی درگاہ میں حاضر ہو اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔)

اسی موضوع پر علامہ علی قاری لکھتے ہیں سئل کا معنی ہے مجھ سے اپنی حاجت طلب کر لے۔ اور ابن حجرؒ اس کا مطلب فرماتے

ہیں تُو نے جو میری خدمت کی ہے میں اس کے مقابلہ میں تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پورا کر دوں گا۔ اس واسطے کہ ادبِ کرم کا

یہی طریقہ ہے۔ اور آپ سے زیادہ کوئی کریم نہیں۔ آپ کے امرو سوال کو مطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے خزانہ میں تصرف کا حق آپ کو عطا فرمایا ہے۔ اور جو چیز کسی کو عطا فرمانا چاہیں اُس کا آپ کو اختیار دے رکھا ہے۔

ابن مسیحؒ نے خصائص میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو بطور جاگیر عطا فرمادی ہے جسے چاہیں عینی

عطا فرمادیں۔ (احقاق الحق)

عقیدہ شفاعت

سوال مُشرکین بھی اپنے بتوں کو زمین و آسمان کا خالق نہیں جانتے تھے بلکہ وہ بتوں کو اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ

اس آیت شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ۔ پس

مومنین جو انبیاء اور اولیاء کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مُشرکین جو اصنام (بت) کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ

رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ اس واسطے کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام سب ماسوی اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے

تو بیان کر دو۔

جواب۔ فرق واضح ہے مُشرکین اپنے اصنام (بتوں) کو معبود اور مستحق عبادت جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے

بطور حکایت فرمایا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان

کا رد کیا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُشرکین کہتے تھے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خادموں کو خاص خدمت کے بدلے میں کوئی

ملک یا شہر دے دیتے ہیں اور اس ملک یا شہر کی تدبیر اُسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وہ خادم اس ملک یا شہر کا مستقل

بادشاہ اور متصرف ہوتا ہے اور اُس ملک یا شہر کے لوگ اُس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ اصنام ہیں حکیم الامت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقی میں فرماتے ہیں کہ مُشرکین بڑے بڑے کاموں کی تدبیر کے بارہ میں مومنین کے موافق ہیں کہ یہ

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر باقی امور میں اور چھوٹے چھوٹے کاموں

میں مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وہ (مُشرکین) کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے صالحین گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی

لے اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور جواب دیں گے اللہ نے۔

مگر ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے تاکہ وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔

عبادت کی اور اس کا قرب حاصل کیا پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اُمتِ دی اور وہ تمام مخلوق کے لیے مستحق عبادت ٹھہرے۔ جیسے کوئی شہنشاہ کہ اُس کا غلام اُس کی خدمت کرتا ہے اور اپنی خدمت کرتا ہے پس بادشاہ اُسے بادشاہی کی خدمت عطا کرتا ہے اور اُس کی طرف کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے پس اُس شہر کے باشندے اُس کے احکام کو سن کر اطاعت کرتے ہیں اور وہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا ہے نیز مشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی صورت میں مقبول ہوتی ہے جب کہ اُس کی عبادت کے ساتھ ان صالحین کی عبادت بھی مل جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبول نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نہایت غلو اور بندی میں ہے پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس کے تعجب کے لیے بالکل مفید نہیں بلکہ ان صالحین کی عبادت ضروری ہے اور یہ صالحین اب بھی سُنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں اور ان کی نصرت کرتے ہیں۔ پھر ان صالحین کے ناموں سے پتھروں کو کھڑا کر دیا اور صالحین کی طرف توجہ کرتے وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اس کے بعد ان کی اولاد دہوئی جنہوں نے ان بتوں اور ان صالحین کے درمیان جن کے نام پر یہ بت بنائے گئے تھے کوئی فرق نہ کیا اور انہیں بتوں کو بے حیہ و بیعتیں کر لیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مختلف طور پر رو فرمایا۔ کبھی فرمایا کہ تم اور تمک خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کبھی فرمایا کہ یہ بت بے دست و پا ہیں نہ ان کے پاؤں ہیں نہ چل سکیں، نہ ہاتھ ہیں نہ پکڑ سکیں، نہ آنکھیں ہیں نہ دیکھ سکیں، نہ کان ہیں نہ سن سکیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو منصب شفاعت باذن الہی ثابت ہے۔ اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اِلٰهٍ بِدُونِ اِذْنِهٖ ذُو اِسْمٍ اس کی اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُحْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ رَحْمَةً فَرَمَاتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے شفاعت کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةُ الْاَنْبِیَاءِ ثَوْرُ الْعُلَمَاءِ ثَوْرُ الشُّهَدَاۃِ (رواہ ابن ماجہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔

سَمَاعِ مَوْتِی

سوال۔ مُردوں کا کچھ نہ سنا قرآن مجید سے ثابت ہے: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتِی وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔

اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور اسی آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ اور حدیث: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمِعُ کی تاویل کی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے پس مُردوں سے مدد مانگنا بے فائدہ ہے۔

جواب۔ آیت مذکورہ میں جس سماعت کی نفی کی گئی ہے اُسی کو اِنْ تَسْمِعُ الْاَمْنُ یُؤْمِنُ بِاٰیَاتِنَا آپ نہیں سناتے مگر ان لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، میں ثابت کیا گیا ہے اور اثبات بطریق حصر کیا گیا ہے۔

(مترجم۔ یعنی قرآن شریف میں یہ آیات اس طرح مذکور ہیں: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتِی وَ مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ اور اِنْ تَسْمِعُ الْاَمْنُ یُؤْمِنُ بِاٰیَاتِنَا۔ ان آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سماعت کی نفی کی گئی ہے۔ مَوْتِی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے اور اثبات کیا گیا ہے بلکہ حصر کیا گیا ہے مَنْ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ، تَوَعَّلُوْهُمُ هَؤُلَاءِ جَوْاسِمَاعٍ مُّنفِيٍّ هِيَ فُرْسِيٌّ مَّثْبُوتٌ هِيَ اِنْ كَرِهَ السَّمْعُ كَالْمُتَحَلِّقِينَ بِهَرْدَجِكُمْ
مختلف ہیں مگر اسماع ایک ہی ہے)

ظاہر ہے کہ جس اسماع کا اثبات مومنین کے لیے کیا گیا ہے وہ اسماع اجابت ہے نہ مُطلق۔

مستحکم۔ کفار سے نفی بھی اسماع اجابت کی ہوگی۔ پس اگر مَوْتٰی سے اَوْرَمَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے ان کے حقیقی معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو مُردے حالت کُفر میں مر گئے ہیں وہ اب آپ کے کلام کو سُن کر اجابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دائرِ تکلیف سے نکل چکے ہیں۔ ان کا کُفر اب زائل نہیں ہو سکتا۔ یعنی ان کو اب کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ پس اس لحاظ سے مَنْ یُّؤْمِنُ سے مومن مُردے بھی مراد لیے جائیں گے یعنی ان کو آپ کا کلام سُننے سے نفع ہوتا ہے۔ اَوْر اگر مَوْتٰی اَوْرَمَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے مَوْتٰی قلب میں یعنی زندہ کافر جو اصرار کُفر پر کرتے ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ کُفار مُصر ہیں آپ کا کلام سُن کر اجابت نہیں کریں گے اَوْر اسلام نہ لائیں گے۔ ہاں مومن جو ایمان لانا چاہتے ہیں اَوْر ایمان میں پختگی چاہتے ہیں وہ آپ کا کلام سُن کر ضرور قبول کریں گے۔ اَوْر اگر مُراد مُطلق اسماع ہو تو اُس کی نفی غیر ممکن ہے۔ اس واسطے کہ اگر کُفار مُصرین نے آپ کا کلام مُبارک مُطلق سنا ہی نہیں تو کُفر کیسا؟ کُفر کہتے ہیں انکار کو۔ جب کوئی کلام ایک شخص سُنتا ہی نہیں تو وہ اس کا انکار کیسے کرے گا؟ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں آیت شریفہ ما نحن فیہ خارج ہو گئی اَوْر پہلی صورت میں بھی اسماع نافع کی نفی ہوتی نہ مُطلق اسماع کی۔

قبور پر دعائے مغفرت

اس سوال کے جواب میں کہ قبور پر دُعائے مغفرت اہل قبور کے لیے جانا مستنون ہے نہ کہ استعاذ کی غرض سے، فرماتے ہیں کہ ہاں مستنون ہی ہے جیسا کہ سوال کیا گیا۔ لیکن اس سے ارواحِ کاملین کی جناب میں استعانت کا عدم جواز قائم نہ ہوگا۔ آیت: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (نیکي اور تقویٰ کے امور میں اعانت کرو) کی رو سے احیاء اور اموات دونوں سے استعانت کی اجازت ہے چنانچہ احیاء سے استعانت تو ظاہر اور واضح ہے لیکن اموات سے استعانت کے معاملہ میں یہ چیز قابلِ غور ہے کہ ارواحِ زندہ ہیں۔ موت اور زوالِ حیات اُن کے ابدان پر واقع ہوتی ہے۔ ہاں ارواحِ پر موت کا اثر فقط اسی قدر ہے کہ وہ ابدان سے جدا ہو جاتی ہیں اور یہ چیز اُن کے خُداداد قویٰ اور تصرفات کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے۔ اس مقصد کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کی کتاب حجتہ اللہ البالغہؒ اور حضرت شیخ اکبرؒ کی فتوحاتؒ کے حوالہ جات قلمبند فرما کر آخر میں لکھتے ہیں:-

ہوتے ہیں :-
 حاصل کلام یہ کہ خود ساختہ اصنام اور تماثیل اور ارواح کا طین کے درمیان فرق ہیں اور امتیاز غالب ہے۔ لہذا اصنام کے بارہ میں نازل شدہ آیات کو انبیائے عظام اور اولیائے کرام کی ذواتِ مبارکہ پر چسپاں کرنا جہل و کفر ہے، تخریفِ قبیح اور تخریبِ شنیع کا حکم رکھتا ہے۔“

کرنے، جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے، تخریبِ تبلیغ اور تخریبِ تبلیغ کا کام لھنا ہے۔

کتاب کے آخر میں ذبح فوق العتدہ اور لزوم کفر اور التزام کفر کے درمیان فرق پر محققانہ تبصرہ ہے اور ارباب تحقیق

کے لئے قابلِ دید ہے۔

پانچویں فصل

الفتوحات الصمیه

۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء

وجہ تالیف

حضرت کی تصنیف غیر متقلدین کے اُن اس سوالات کے جوابات سے متعلق ہے جو انہوں نے مدرسہ العلوم نعمانیہ لاہور کے ایک طالب علم قائم علی حسینی کے ساتھ تحریری بحث کے دوران کیے تھے۔ اس کا ذکر باب ارشاد میں بھی آچکا ہے اگرچہ اُن کا دوسرے سخن اُس طالب علم کی طرف تھا مگر چونکہ اُن کا خیال تھا کہ اس بحث کے درپردہ اُس طالب علم کے راہنما حضرت تھے اس لیے اپنی تحریر میں انہوں نے حضرت کو بھی مخاطب بنایا۔ اُن کے سوالات کے جوابات مدرسہ نعمانیہ کے اساتذہ تیار کرنے کا الدہ رکھتے تھے مگر حضرت کے ایک نیاز مند نے ایک مصلیٰ کے ذریعے استاد عالی کرچو کو مخاطبین نے آپ کا نام نامی بھی اس بحث میں شامل کیا ہے اس لیے بہت مناسب ہو گا کہ جواب آپ ہی تحریر فرمائیں۔ جس وقت یہ خط حضرت کی خدمت میں پہنچا آپ ارشاد و تشریف لے جا رہے تھے۔ دوران سفر ہی آپ نے ان سوالات کے جواب بغیر کسی کتاب سے استفادہ کیے لکھوائیے۔ یہ سوالات مختصر کیچے تحریر کیے جاتے گئے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ مخالفین نے اُن کی تیاری میں بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا تھا نہایت ادق ہونے کے علاوہ یہ نہ صرف اُن موضوعات سے متعلق تھے جو آج سے صدیوں قبل مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ، جہمیہ وغیرہ کے درمیان متنازعہ فیہ رہ چکے تھے مثلاً الہیات، کلام باری تعالیٰ وغیرہ بلکہ ایسے موضوعات بھی شامل کیے گئے تھے جیسے علم حسیت، فلسفہ اقلیدس اور بعض مشہور الغار۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضرت کی بہت علمی کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا کہ ایک ہی شخص اتنے مختلف النوع مضامین میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ ان سب سوالات کا جواب دے سکے مگر جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے حضرت کو قدرت نے علم لدنی سے نوازا تھا چنانچہ آپ نے تمام سوالات کے نہایت مفصل جوابات دیئے مخالفین نے اپنے سوالات کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ان کا جواب دیئے والوں کو ہم پر بھی سوال کرنے کا حق ہو گا۔ اس لیے جوابات لکھوانے کے ساتھ ہی حضرت نے اپنی طرف سے ۱۲ سوالات اُنہی اور دیگر متنازعہ کے متعلق مخالفین پر کیے جن کا جواب آج اتنی مدت گزر جانے پر بھی اُن سے نہیں بن آیا۔

غیر متقلدین کے سوالات

مخالفین کے سوالات مختصر ایسے تھے :-

۱۔ علم لغت :- صاحب قاموس شیخ عبداللہ بن فیروز آبادی کے اشکالات جو انہوں نے ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری صنف

صحاح پر وارد کیے، اُن کی تشریح مانگی گئی۔

- ۲۔ علم التصریف والادب :- عولیعہ ابن الکمال کے اقوال متعلقہ اعدال لالتحشون پر اشکال اور اُس کا جواب مانگا گیا۔
- ۳۔ علم الحروف والھیئۃ :- علامہ رشید الدین الفاروقی کی منظوم لغز (پہیلی) درج کر کے اُس کا حل دریافت کیا۔
- ۴۔ علم فنیہ :- صاحب دقایق کی عبارت مندرجہ کتاب البیوع پر علامہ فاری کے اشکال کا حل طلب کیا۔
- ۵۔ علم الکلام :- کلام الہی کے بارے میں سوالات جن کی تفصیل نیچے علیحدہ دی جاتے گی۔
- ۶۔ علم فلسفہ :- دریافت کیا کہ تسلسل اور دور کے کتنے اقسام ہیں۔ کون سا متمتع، کون سا جائز اور کون سا مختلف فیہ۔
- ۷۔ علم تفسیر :- تاویل کے معنی اور تاویل صحیح جائز اور تاویل فاسد غیر صحیح کے مابین فرق دریافت کیا ہے۔
- ۸۔ علم فلسفہ :- امکان وحدوث ذاتی و مکانی کی حد اور تعریف اور اس تقسیم کا موجب کون تھا؟ نیز تقسیم صحیح ہے یا باطل؟
- ۹۔ علم اقلیدس :- نظام جو طفرہ کا قائل ہے اُس کے متعلق سوال اور جوابا جیومیٹری کی شکل بنا کر توضیح مانگی ہے۔
- ۱۰۔ علم منطق :- اصطلاح کلی ذاتی اور کلی عرضی کے درمیان فرق دریافت کیا ہے نیز یہ کہ باوجود متضادی الاقدام ہونے کے بحسب الزوم ایک ذاتی اور دوسری عرضی کیوں قرار دی گئی۔

حضرت نے جوابات کے شروع میں ذات حق کی تنزیہ و تقدیس کے متعلق ایک خطبہ عربی زبان میں تحریر فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ ذات پاک مخلوق کے فہم و دہم و ادراک سے بالاتر ہے اور معرفت الہی میں حضرات حقویائے کرام کا مسلک ہی اکمل ہے کیونکہ وہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں اُس کی اساس محض عقل اور علوم ظاہر پر نہیں بلکہ کشف صحیح اور علوم لدنیہ پر ہوتی ہے۔ اور وہ حسب ارشاد نبوی خدا کے ساتھ دیکھتے، سُنتے، بولتے اور پکڑتے ہیں۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو ساری عمر علوم ظاہر میں ہی محدود رہے اور کشف و عیان کے میدان وسیع میں قدم نہ رکھا۔ اگر یہ حضرات بھی انبیاء علیہم السلام اور اُن کے وارثین کامل اولیائے کرام کے ساتھ حسن ظن رکھتے تو یقیناً اُن کی ارواح طیبہ کی توجہ اور برکت سے اُنہیں بھی اُن کے حسب استعداد علوم لدنیہ سے بہرہ وری ہوتی۔ اولیائے کرام کے مشکوفات اور مسئلہ توحید و جود پر شیخ ابن تیمیہ اور اُن کے تابعین کے اعتراضات پر حضرت نے سخت افسوس ظاہر فرمایا کیونکہ انہوں نے ان دقیق مسائل کو محض اس لیے اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا کہ وہ اُن کے ادراک و فہم سے بالاتر تھے۔ حالانکہ جب تک کوئی چیز نص شرعی کے خلاف نہ ہو، ایسا کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمام ایسے علوم غیبیہ کے متعلق ہمیں حکم ہے کہ اُن پر ایمان لائیں اور حقیقت خدا کی طرف تفویض کریں۔

غیر مقلدین کا سوال پنجم

سوال نمبر پانچ بہت طویل تھا اور اُس کی کئی شکیں تھیں اس لیے حضرت نے سب سے پہلے اسی کا جواب لکھوایا۔

سوال کی اجمالاً تفصیل یوں ہے :-

کلام الہی قدرت اور مشیت کے نیچے داخل ہے یا نہیں؟ اور خدا سے عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہے یا قائم نہیں بلکہ خارج و منفصل ہے؟ اگر کلام نفسی ہے تو حروف و اصوات کس کے ساتھ قائم ہوئے اور اولاً کس سے ظاہر صادر ہوئے؟ یہ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ قدیم ہیں یا حادث؟ اور حکایت ہیں یا عبارت؟ حادث و مخلوق کے درمیان نسبت رابعہ میں سے کون سی نسبت ہے؟ اگر قدیم ہیں تو کس طرح؟ تسلسل آثار آپ کے نزدیک ماضی و مستقبل دونوں میں جائز ممکن ہے یا

دنوں میں منع و محال ہے؛ مجتہد امتناع کیا ہے؛ تمام افعال باری تعالیٰ کیا لازمی طور مساوی الاستددام ہیں؟ ... آخر میں کہا ہے کہ اپنا مذہب و مشرب کلام باری تعالیٰ کے بارہ میں بیان کر کے اُس پر بُرہان قائم کریں اور جو اعتراض اُس پر وارد ہوتا ہے اُس کا جواب دیں۔

سوال پنجم کے جواب کا خلاصہ

جیسا کہ ظاہر ہے اس طویل سوال کا جواب بھی ویسا ہی طویل ہو گا اور اُس کا پُرسے طور پر نقل کرنا یہاں ممکن نہیں حضرت نے اپنے جواب میں اس موضوع پر مختلف مکاتیب خیال کا مسدک تفصیلاً بیان فرمایا ہے اور اُن کے مابین وجہ اختلاف اور اعتراضات اشکال کو بڑی وضاحت سے سامنے رکھا ہے جس سے صرف اہل علم حضرات ہی کتاب سے مطالعہ کر کے محظوظ ہو سکتے ہیں اپنے مشرب کے متعلق جو بیان فرمایا وہ مختصر ایوں ہے :-

میں جو کہ اہل حق صوفیائے کرام خصوصاً سیدی و سندی و شیخی و شیخ الکمل فی زمانہ حضرت خواجہ محمد شمس الدین صاحبِ چشتی نظامی فخری سیلانی (سیالوی) قدس سرہم کا اور حضرت جدی و شیخی فی القادریہ پیر فضل الدین صاحب الحسنی الکیلانی کا دامن گرفتہ ہوں میرا مذہب آپ اہل حق کے کلمات ذیل سے معلوم کر سکتے ہیں :-
۱۔ حضرت شیخ علی خواص فرماتے ہیں :-

ایاک ان تؤول اخبار الصفات فان فی ذلک دسیسة من الشیطان لیفوت المؤمن الایمان بعین ما انزل اللہ۔ قال تعالیٰ "امِنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ وَهَذَا الْمَوْءُولُ مَا مِنْ حَقِيقَةٍ اِلَّا بِمَا اَوَّلَهُ بِعَقْلِهِ فَفَاتَهُ الْاِيْمَانُ بِعَيْنِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَلَيْتَا قُلَّ الشُّكَّی۔

غیر وار، آیات و اخبار صفات (الہیہ) میں تاویل نہ کرنا کیونکہ اس میں شیطان کا شغفہ فریب ہے۔ تاکہ عین ما انزل اللہ کے ساتھ مومن کا ایمان فوت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- رسول اور ایمان لانے والے ایمان لائے اُس کے ساتھ جو رسول کی طرف اُس کے رب سے نازل کیا گیا۔ لہذا تاویل کرنے والا حقیقت میں اپنی عقلی تاویل پر ایمان رکھتا ہے نہ بعینہ اُس چیز پر جو خدا نے نازل فرمائی۔

۲۔ استاد ابو اسحاق اسفرائینی فرماتے ہیں تو حید کے بارہ میں تمکلمیں کا سب ذخیرہ اہل حق نے صرف کلمات میں جمع کر دیا ہے الاولی اعتقاد ان کلمات صوری الادھام فاللہ بخلافہ پہلا یہ اعتقاد کہ جو کچھ اوہام و تصورات میں آئے اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف ہے (الثانیہ اعتقاد ان ذاته تعالیٰ لیست مُشَبَّهةً بِذَاتٍ وَلَا مَعْطَلَةٌ عَنْ الصِّفَاتِ وَقَدْ اَكَّدَ ذَالِکَ تَعَالٰی بِقَوْلِهِ وَكَذَرِیْکُنْ لَّہُ کُفُوًا اَحَدًا ۙ وَکُفُوًا لَّہُ کُفُوًا اَحَدًا ۙ اَحَدًا ۙ اس کی تاکید کر رہا ہے یعنی کوئی چیز اُس کے برابر نہیں (کُفُوًا) اس کے بعد حضرت شیخ اکبر کے چند اقوال ازراہ بُرہان بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :-

قال الشیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدار صحة العقائد علی حصول المجزئ بہا حثی ان من اخذ ایمانہ تفلیداً جزئاً للشارع کان اعصم و صحت عقائد کا مدار حصول جزم (یقین) پر ہے۔ لہذا جس شخص نے شارع علیہ السلام سے تقلیدی طور پر ایمان حاصل کر کے یقین کر لیا تو اس سے زیادہ مضبوط ہے جو

او ثق ممن یأخذ ایمانہ عن الادلة وذالک لما
یتطرق الیہا اذا کان حاذقاً فطناً من الحیرة
والدخیل فی ادلتہ وایراد الشبہ علیہا فلا یثبت
لہ قدم ولا ساق یعتمد علیہا فیخاف علیہ الهلاک۔
دلایل سے ایمان حاصل کرتا ہے کیونکہ اُس کے دلایل میں
شکوہ و شبہات راہ پکڑ سکتے ہیں جن کی وجہ سے اُس کے
رُسوخ و استحکام کے زوال اور ہلاکت کا خطرہ لگا
رہتا ہے۔

ان اقوال کے آخر میں حضرت فرماتے ہیں:-

”پس ہمارے لیے کیس کے مثیلہ شئی و هو السَّمِیعُ البَصِیرُ الشَّورِی: (۱۱) وَلَکُمْ لَیْسَ لَہُ کُفُوًا أَحَدٌ
(الاحلاص: ۴) وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰی تَکْلِیْمًا (النساء: ۱۶۴) و امثال ذالک کلام الہی سے جس میں
جس سے یقیناً معلوم ہو سکتا ہے کہ القرآن کلام الہی اور مقالات صحابہ کرام کے بموجب القرآن کلام الہی غیر مخلوق۔“

غیر مقلدین پر حضرت کے بارہ سوالات

مخالفین سے جو سوالات حضرت نے استفسار فرمائے وہ مختصر اُیوں تھے:-

۱۔ علم الحروف:- سیدنا محمد بن علی کا قول متعلقہ حروف تہجی بیان فرما کر اُس کا مطلب نیز حروف تہجی کی ترتیب
کذا الیٰ کی وجہ دریافت فرمائی ہے۔

۲۔ علم ہمتیت:- عویصہ ابن الکمال کا قول بیان فرما کر اُس کی توجہ دریافت فرمائی ہے۔

۳۔ علم ریاضی:- صاحب بن مین بنی اللہ عنہما کی لغز (پہلی) کا مطلب دریافت فرمایا ہے۔ مخالفین کی لغز کے برعکس یہ نہایت
ہی مختصر لغز ہے اور مندرج ذیل ہے:-

”الاسم الذی مرکب عن عشرين وثلاثین بینہما حسا ومعنی وقد یتربک حسا ومعنی من
ثمانیة وثمانین ومائتین وستة عدادا اذا جمعتہما علی وجه مخصوص من غیر اسقاط
الستة کان اسما مرکبا وان اسقطت الستة کان اسما غیر مرکب۔“

۴۔ علم فقہ:- یہ سوال بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں یوں ہے:-
”فہما کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی عبارت ذیل (بلوغ ظل کل شیء مثلیہ سوی فی الزوال) میں استثناء
کا ماخذ اور ہمتیت بیان فرمادیں۔“

۵۔ علم الکلام:- کلام الہی اور حروف و اصوات کے متعلق اشعری، ابن کلاب، ہشام بن الحكم، ابن سینا وغیرہ کے
اقوال بیان فرما کر ان میں سے کسی ایک قول کی صحت و حقیقت کو محققانہ طور پر ثابت کرنے کو کہا ہے۔ نیز یہ استفسار
فرمایا ہے کہ آپ صفات باری تعالیٰ عز اسمہ کو میں ذات مانتے ہیں یا لا میں اور برتقت پر ثانی مسئلہ کی کئی مختلف
شقوں میں سے کسی ایک شق کو لے کر مطلق صفت کا ثبوت مدلل طور پر دیں۔“

۶۔ علم اقلیدس:- یہ بھی مختصر سوال ہے اور ناظرین کی دلچسپی کے لیے مکمل درج کیا جاتا ہے۔ اقلیدس میں کون سی شکل
ہے جس سے توحید ثابت ہوتی ہے اور وہ کون سی جس سے قائل بالتثلیث بزعم خود متمسک ہوتا ہے۔ اور پھر
اقلیدس ہی کی رو سے اُس کی تردید بھی کی جاسکتی ہے۔ اور نیز آپ تین دائرے بنائیں جن کے نصف قطر تین دیے

نوعے ٹھوس کے برابر ہوں اور ان تین سے ایک اند کی طرف اور دوسری طرف من کریں۔ بتائیے کیفیت قہر میں کیا نسبت ہونی چاہیے کہ مل ممکن ہو۔

۷۔ علم فلسفہ۔ اشعار کی دلیل حدیث و علم پر بیان فرما کر اسے فیہ صریح قرار دیا ہے اور استفسار فرمایا ہے کہ اگر صریح ہے تو کس طرح!

۸۔ علم الحدیث۔ حدیث بخاری پر ایک شکل۔ یہ سوال بھی بخاری کی دہریہ کے لیے مشکل درج کیا جاتا ہے۔

بخاری کی حدیث احوال فی الصور بظاہر کیسے کیمتنبہ شکی کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ طائے المتصورہ تصویر

مثلاً اذاکان فی صورتی معہ صفت الحمل بینہ و بین المتحول۔ ان میں تطبیق چاہیے۔

بتائیں کہ اس حدیث میں اہل انکار کہتے ہیں اور کہیں کہ کیا قبل از تحقق ہذا دنیا میں بھی ان کو کسی صورت میں مشاہدہ

ہوا تھا یا نہ اگر ہوا ہے تو کوئی صورت میں۔ اگر نہیں تو پھر انکار اور تسلیم کے کیا معنی۔ آیت اور حدیث سے ثبوت

چاہیے اور نیز حدیث معراج میں بالخصوص نمونے علیہ السلام ہی کو فنا کے بارہ میں فحاشی کی کیا وجہ تھی؟ حالانکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم مالک علوم اولین و آخرین تھے۔ نیز ہر ایک نبی کی فلک مخصوص سے وہ مخصوصیت کیا ہے؟

۹۔ علم الکلام۔ قرآن کریم میں خیر علیہ السلام کا کلام "فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْسِلَکَ" اور "فَاَرَدْتُ اَنْ یُبَدِّلَ نَسَمًا رَہْمًا"

میں افراد اور جمعیت ضمیر کی وجہ تخیس دریافت فرمائی ہے۔

۱۰۔ علم التفسیر۔ آیت "وَلَوْ کَانَ شَیْءٌ اَخْصِیْنٰہُ فِی رَاہِمَ مُبِیْنٌ" میں حضرت شیخ اکبر کی تفسیر کی شرح اور اس

کے متعلقہ امور دریافت فرمائے ہیں۔

۱۱۔ علم الافلاک۔ چند آیات قرآنیہ جن کا تعلق اجرام فلکیہ سے ہے ان کی تشریح اور منازل قر کے انجائش ہونے کی

وجہ تخیس دریافت فرمائی ہے۔

۱۲۔ علم ریاضی۔ علم الافلاک ریاضی کے متعلق چند مناقضہ عبارات کی تطبیق دریافت فرمائی ہے۔

حضرت کی یہ کتاب علوم اسلامیہ کے چہ نہایت مشکل امور سے تعلق رکھتی ہے جس سے حضرت کے توحسبہ

کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح لطف صرف اہل علم حضرات ہی اٹھا سکتے ہیں۔

چھٹی فصل

تصفیہ مابین سنی و شیعہ

یہ حضرت کی آخری تصنیف ہے جو آپ کچھ عرصہ خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کو لکھواتے رہے مگر یہ سلسلہ بوجہ اولاً آپ کی علالت کے اور بعدہ حالت استغراق کے منقطع ہو گیا۔ بیماری کے دوران ایک مرتبہ اس کی اشاعت کے متعلق آپ سے اجازت طلب کی گئی مگر فرمایا: فی الحال رہنے دو۔ یہ مسودہ جو ۹۲ فل سیکپ صفحات پر مشتمل ہے اب چھپ چکا ہے اور کتب خانہ دربار عالیہ میں موجود ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد اسے طبع کروا کر ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ اور اُمیدِ وثیق ہے کہ شیعہ سنی مباحث کے اہم موضوع پر داعیِ اعتدال و انصاف ثابت ہو گا جس کے سلیم الطبع حضرات پر لہ صدقت و حقیقت واضح ہو جائے گی۔

تقریب تالیف

اس تصنیف لطیف کی وجہ تالیف حضرت نے بعد تو صیف و درود مختصر الیوں بیان فرمائی ہے :-
 "تخالف مذہبی مابین سنی و شیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے علماء سے التجا کریں۔ اس سے قبل سلفِ صالحین علیہم الرضوان حسب تدبیرِ الہیہ و تقاضا اہل بیتِ کرام سے محبت رکھنے کے جو ب اور خلافتِ خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہارِ خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔ البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا ہے اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہل سنت و الجماعت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اہل بیتِ کرام کے خلاف بغض اور بنی اُمیہ کے ساتھ محبت رکھتے۔ حالانکہ اہل سنت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے۔ اور ان کے عقائد میں رسولِ پاک کے خاندان سے دوستی و مودت مدارِ ایمان اور فرضِ مانی گئی ہے اس نئے رجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے بمقابلہ اہل تشیع اپنے مواعظ و نصائح کی مجالس میں صرف دفعِ ملامت و مطاعن کی طرف ہی رخ کیا اور اہل بیتِ علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی۔ لہذا مخلصی مفتی غلام مرتضیٰ ساکن میانی اور سید صدیق شاہ صاحب اور عزیز بی بیہ غلام عباس صاحب حسنی کھڑی حفظہم اللہ تعالیٰ نے شدید اعتراض کیا کہ اس نہایت ضروری امر کی طرف توجہ کی جائے۔ لہذا ارشاد کی تعمیل میں اور فرصت اور لیاقت نہ ہونے کے باوجود یہ چند اوراق جو سلفِ صالحین علیہم الرضوان کی کتبِ تاباں سے ماخوذات اور ذاتی عنذیات پر مشتمل ہیں اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ حضرات ناظرین محطوظ ہو کر اس سیاہ جہیدۂ عالم کو دعائے خیر سے یاد فرما کر ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت کی عزت و جلالت کے صدقے جب اُس نے استواء علی العرش فرما کر دنیا اور دنیا والوں پر اپنی رحمت کا اجر البصورت اُن رحمۃ اللعالمین فرمایا۔ اُمتِ محمدیہ کے ساتھ شاری و غفاری سے معاملہ فرماتے ہوئے ہم سب کی بخشش فرمائے۔"

جن امور پر ارشاداتِ عالیہ قبند ہوئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :-

- (۱) ثباتِ خلافتِ راشدہ پر آیتِ استخلاف و دیگر آیاتِ قرآنی (۲) مسئلہ قرطاس (۳) حدیثِ فہم خدیجہ (۴) ابنِ فزک (۵) آیتِ مباہلہ (۶) آیتِ تطہیر (۷) آیتِ مودت (۸) حدیثِ ثعلبہ (۹) فضائلِ سیدنا علیؑ اور بحثِ حدیثِ اَنَا صِدِّیقُہُ الْعَلِیُّ اور اُس کے متعلق ابنِ تیمیہ اور ابنِ جوزی کے اعتراضات کے جوابات ۔
ان فیوضاتِ عالیہ کا مختصر خلاصہ مدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ۔

اثباتِ خلافتِ راشدہ پر آیاتِ قرآنیہ

خلافتِ راشدہ کی حیثیتِ کذائی کی حقیقت اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت حضرت نے آیتِ استخلاف سے دیا ہے ۔ اور اُس کی تائید میں جو پس و پیش دیگر آیاتِ قرآنی اور متعدد احادیث و مسلمہ واقعات مندرجہ کتب میں کو پیش فرمایا ہے ۔ اور منکرینِ خلافت کے اعتراضات اور دلائل کو سوال و جواب کی صورت میں قائم فرما کر پورے ستر صفحات پر ایسی مدلل بحث فرمائی ہے کہ فکرِ سلیم کے لیے اس عنوان پر کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا ۔ آیتِ استخلاف کے بعد حضرت نے وہ آیات بیان فرمائی ہیں جن میں حضراتِ خلفائے اربعہ کی فضیلت بیان ہے جس سے اُن کا استحقاق برائے منصبِ خلافت ثابت ہوتا ہے ۔ حضرت کی بحث کا خلاصہ یہاں بیان کیا جاتا ہے ۔

آیتِ استخلاف پر

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾ (نور: ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو با ایمان اور عملِ صالح کے مرتکب ہیں کہ البتہ وہ اُن کو زمین پر خلیفہ کرے گا جس طرح اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور البتہ اُن کے لیے اُن کا دین جو انہیں پسندیدہ ہے محکم کرے گا ۔ اور البتہ اُن کے حق میں خوف کو امن سے بدل ڈالے گا ۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ مانیں گے ۔ اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا پس وہ لوگ فاسق ہیں ۔

حضرت فرماتے ہیں کہ استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ استخلاف کے معنی ولی امر اور خلیفہ بنانے کے ہیں ۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں آیا ہے يَاٰ اٰدَمُ اٰمُرْ اٰدَمَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنْ الْجَنَّةِ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ (اسے وادو ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا) آیتِ استخلاف کے مخاطب اور حقدار وہی لوگ ہیں جو نزولِ آیت کے وقت با ایمان اور صالح تھے یعنی مہاجرین الاولین ۔ پھر اس آیت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کے ایک قول کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یا بیان یہ حدیث ہے : اَلْخِلَافَةُ مِنْ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيرُ مِنْكُمْ عَصُوْطًا یعنی خلافتِ راشدہ میرے بعد تیس سال رہے گی اور بعد ازاں جو جائے گی ملکیت و امتوں سے کاٹنے والی ۔ عربی زبان میں خلافت نجاشینی کو کہتے ہیں یعنی ایک شخص دوسرے کی جگہ بیٹھے اور اُس کا نائب ہو کر کام کرنے

شرع میں خلیفہ وہ حاکم ہے جو یہ نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، دین محمدیہ کو قائم رکھے۔ پس جو شخص کہ حاکم نہ ہو اور حکم اُس کا عام نافذ نہ ہو وہ خلیفہ نہ ہوگا۔ ایسا ہی وہ مسلمان حاکم جو مالیہ وغیرہ وصول کرے مگر دین کی اقامت مثل جہاد و اقامت حدود و فیصلہ جات شرعیہ نہ کرے وہ بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ معنی خلافت مطلقہ کا ہے اور خلافت خاصہ راشدہ میں علاوہ حکمرانی و اقامت دین محمدی کے مہاجرین اولین سے ہونا اور سوا بق اسلامیت سے متصف ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ خلفائے اربعہ با معنی خلافت راشدہ سے متصف تھے اور مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قول و فعل میں واجب الطاعت تھے۔ اور وعدہ الہیہ مندرجہ آیت کا تحقق بھی چاروں خلفائے کرام کی خلافت پر ہے نہ صرف کسی ایک شخص کی خلافت پر، کیونکہ اس آیت میں جتنے ضامروں و موعودوں کا ذکر ہے وہ سب بصیغہ جمع ہیں۔ نیز جن امور کا تحقق اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی استخلاف، اقامت دین، تبدیلی خوف بالامن اور عبادت خالصہ، یہ بھی چاروں خلفائے کرام کے وقت میں موجود تھے نہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں، اور وعدہ الہیہ کا تحقق براعہ اوصاف موعودوں ضروری اور واجب ہے جو خلافت خلفاء اربعہ علیہم الرضوان کے وقت میں ہوا اور روز روشن کی طرح ہوا اور کسی کو گنجائش انکار نہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خلافت راشدہ کے لیے کوئی نص قرآنی موجود تھی تو گروہ انصار اور سیدنا علی علیہم الرضوان نے بیعت ابوبکر سے انکار کیوں کیا تھا اور اپنے لیے مدعی خلافت کیسے ہوئے؟ فرماتے ہیں کہ ایک نص کیا بلکہ بکثرت نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ نہ صرف خلافت شیعہ بلکہ خلافت اربعہ علیہم الرضوان پر شاہد ہیں مگر چونکہ نصوص قرآنیہ میں شخصی طور پر کسی کے نام کی تخصیص نہیں تھی صرف کلی طور پر اوصاف جمیلہ کا ذکر تھا، لہذا بوجہ نامعلومی شخصیت، وفات شریف نبوی کے موقع پر باہمی تخالف پیدا ہوا لیکن رفتہ رفتہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان نصوص اور اوصاف مندرجہ فیہا سے مراد اور ان کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ نصوص کی مراد اور مصداق پر سب سے پہلے نظر بھی خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پہنچی۔ ”نہج البلاغہ“ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ عراق میں بنفس نفیس شریک ہونے کے لیے مشورہ لیا تو سیدنا علی نے فرمایا: ”جہاد فی سبیل اللہ کی جیت یا ہار لشکر اسلام کے تھوڑا یا بہت ہونے پر موقوف نہیں، دین اسلام خدائی دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب ادیان پر غالب فرمایا ہے اور لشکر اسلام خدائی لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہتیا فرمایا اور اُس کی امداد فرمائی۔ اور جس حد تک اُسے پہنچا اور ظاہر ہوتا تھا وہ پہنچا اور ظاہر ہوا اور ہم (مہاجرین اولین) منجانب اللہ وعدہ نصرت دیتے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کو امداد دینے والا ہے۔ والی امر (خلیفہ) بمنزلہ پشتہ جو اہر ہوتا ہے۔ ان (جو اہر) کو باہم جمع رکھنے والا اور ملانے والا ہوتا ہے۔ اگر رشتہ ٹوٹ جائے تو جو اہر جدا جدا ہو جاتے ہیں اور نظام جاتا رہتا ہے اور پھر کبھی اپنے اطراف کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ آج کے دن عرب اگرچہ قلیل ہیں مگر بوجہ اسلام کشمیر ہیں۔ اور اتفاق کی وجہ سے عزیز اور غالب ہیں۔ پس اُسے عمر تو چلنے کے قطب کی طرح اپنے مرکز پر قائم رہے اور یہیں بیٹھ کر چلے کو پھرا اور اعداء کو جنگ کی آگ سے جلا دے۔“

آخر میں بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجہ کشف نبوت، وعدہ استخلاف میں ایسا اطمینان تھا کہ مرض وفات کے آخری ایام میں خیال شریف میں آیا کہ اس امر کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے اور فرمایا کہ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں لکھ دوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ مگر وعدہ الہی کے بھروسہ اور اطمینان پر تحریر کو ضروری نہ سمجھا اس لیے کہ ”لَیْسَتْ خَلِیْفَتُهُمْ“ اور

لَيَمَكِّنَنَّهُمْ" اور لَيُبَدِّلَنَّهُمْ" اور يَزِيدُهُمْ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" کا فرمانے والا صدق الصادقین ہے ضرور ہی ان عداوں کو جن کے ہاتھ پر پورا کرنا ہے پورا کرے گا۔ بیعت صدیقی پر حضرت شیر خدا کی شکر بخشی صرف اتنی بات پر تھی کہ اہل بیت رسول اللہ اس طرح نظر انداز کیوں کیے گئے کہ بروقت تنازعہ فیما بین مہاجرین و انصار و اقامت تحت بریک فریق اُن کا ذکر تک نہ ہوا۔ حالانکہ جس تحت اور دلیل سے مہاجرین کو بہ نسبت انصار اس امر کا اہل و مستحق سمجھا گیا (الائمه من القریش) وہی تحت اُن کے لیے بھی تھی۔ کیونکہ ہاشمی کو بہ نسبت قریشی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ قرابت اور ارتباط ہے۔ مگر یہ تھوڑی سی کدورت بھی صدیق اکبر کے بیان معذرت سے جاتی رہی۔ یہ لوگ علیہم الرضوان آیت شریفین یَعْبُدُونَ بِنِي لَا يُشْرِكُونَ بِنِي مُشِينًا کے مصداق تھے۔ اُن کے پاک سینوں میں کدورت کا مقام کیسے ہو سکتا تھا۔ اُس روز بوجہ فراق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صدیقی ادراک اور نہ مرقضوی فہم موعود و ہم کی شخصیت تک پہنچا ہوا تھا ورنہ اتنا تنازعہ بھی نہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خلافت اربعہ منصوبی ہے اور یہی خوش قسمت لوگ اس نعمت عظمیٰ اور اقامت دین پسندیدہ کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ آیت استخلاف میں الَّذِينَ اصْطَوٰا مَنكُمُ کا خطاب علم الہی میں انہی حضرات اربعہ کی طرف تھا۔ ایفائے وعدہ کے لیے ان حضرات کی فضیلت کمال کے علاوہ اُن کی عمروں کی ترتیب بھی موجب ترتیب خلافت ٹھہری۔ کیونکہ اگر حضرت علیؑ بلا فصل خلیفہ ہوتے تو باقی تینوں حضرات خلافت سے محروم رہتے۔ اسی طرح اگر بلا فصل حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے تو جناب ابوبکرؓ و عمرؓ محروم ہو جاتے علیٰ ہذا القیاس۔ مہاجرین و انصار کا اتفاق خلافت کے لیے اہل دنیا کی طرح بوجہ نفسانیت نہیں تھا بلکہ صرف اس وجہ سے تھا کہ ہر ایک نے سبقت اقامت دین اور خدمت اسلام سے مشرف ہونے کا شرف حاصل کرے۔ یہ لوگ اُس مقدس ذات کے جانشین تھے جس کی صحبت کا اثر بقائے عمر تک باقی رہنا چاہیے۔

اب چند وہ آیات اور اُن کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس میں خلفائے راشدہ اور دیگر اصحاب کرام علیہم الرضوان کی فضیلت درج ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی کیسے نعوذ باللہ منافی یا مُرتد ہو سکتے ہیں جیسا کہ مخالفین کا دعوئے ہے۔

۱۔ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ حَبْرًا بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَدَّ
رَضْوَانُهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ جَعْرِئِي تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ (توبہ: ۱۰۰)

مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں اُن کی پیروی کی۔ خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہوا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہوئے اور اُن کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے اولین مصداق خلفائے اربعہ علیہم السلام ہیں۔

۲۔ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقَاتِلًا ۚ أُولَٰئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةٍ ۚ
الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا ۚ أُولَٰئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةٍ ۚ
الْحَسَنِيُّ۔ (حدید: ۱۰)

مُن میں سے اُن لوگوں کی کوئی برابری نہیں کر سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کیے اور جنگ کی یہ لوگ درجہ میں بلند تر ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیے اور کفار سے لڑے۔ اور سب کے لیے وعدہ بہشت کا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

۳۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ
عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرْتِبُهُمْ رُكْعًا سَجْدًا
يَتَّبِعُونَ فَأَمَّا مَنْ اللَّهُ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي
التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ نَجْدٌ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ
شَطَأًا فَازْرَعَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ
يُعِيبُ الْزَّرْعَ لِيُعِيبَهُمُ الْكُفَّارَةَ وَعَدَا اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً
وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (فتح: ۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُس
کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں اور آپس میں
محبت کرنے والے ہیں۔ تو اُن کو دیکھتا ہے رکوع اور سجود
کرتے ہوئے، وہ خدا کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں
اُن کے چہروں پر سجدوں کے نشان موجود ہیں۔ تورات اور
انجیل میں اُن کی داستان ایسے ہے جیسے کھیتی (پہلے) اپنے
سبز گھاس کو نکالے، پھر اُسے قوی کرے پس وہ موٹی ہو
جائے اور اپنی جڑوں پر کھڑی ہو جائے۔ (اُسے دیکھ کر)
کھیتی والے خوش ہوتے ہیں اور کفار غصہ سے جل کھاتے ہیں
اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام
کے بخشش اور ثواب بزرگ کا وعدہ دیا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ان آیات میں بیان کردہ اوصاف جمیلہ سب کی سب خلفائے اربعہ پر صادق آتی ہیں بلکہ
اُن کی مثالیں پہلے آئی ہوئی آسمانی کتابوں میں بھی ہیں۔
۴۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَدَتْ
لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ (توبہ: ۲۰-۲۱)

یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ کیا کوئی خلفاء اربعہ علیہم السلام کی مالی اور جانی خدمات سے انکار کر سکتا ہے؟
۵۔ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنَّا بِهُمْ فَتَحَاتِرِيًّا ۚ وَ
مَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَ وَنَهَايَهُ كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ۝ (فتح: ۱۸-۱۹)

اللہ تعالیٰ نے اُن مومنین سے راضی ہو چکا
جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔
پس خدا نے تعالیٰ نے اُن کے دلوں کا حال جان لیا اور
اُن پر رحمت اُماری اور اُن کو فتح قریب عطا فرمائی اور بہت سا
مال غنیمت جو وہ حاصل کریں گے اور خدا غالب حکمت والا ہے
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعت الرضوان والوں کو جن میں شیخین و سیدنا علی حقیقہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما
شامل تھے، اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی۔
۶۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ
أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (الحج: ۵۵)

اور یقیناً ہم نے تورات کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین
موجود کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔

یہ پیشین گوئی بہ شہادت تورات و زبور فاروق عظیم کے حق میں ہے جن کے ہاتھ سے ارض مقدسہ (شام) فتح ہوئی۔ آپ بحسب اس آیت کے عبادی الصلوٰۃ سے ٹھہرے۔

۷۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ يَرْتَدَّ هُنَا كُفْرُ عَنْ دِينِهِمْ سَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَ أَذِلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِكِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (مائدہ: ۵۴)

اُسے مسلمانوں کوئی تم سے اپنے دین سے پھر گیا تو جلدی نہ لے
تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ
اُسے دوست رکھیں گے۔ یہ قوم مسلمانوں پر مہربان کافروں
پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خدا کے تعالے کی راہ میں
لڑتے ہیں اور کسی کی علامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ خدا کی
عنایت ہے جسے چاہے ہے اور اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔

یہ پیشین گوئی حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں پوری ہوئی جنہوں نے باوجود مخالفت کے مرتدین امت سے جہاد کیا۔
ان آیات کے علاوہ جو آیات حضرت نے خلفائے راشدین کی فضیلت کے متعلق نشان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں :-

انفال ۳۴، ۴۲، ۶۴، ۷۴، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴

ہے۔ دوبارہ دریافت کر لو۔

پھر فرماتے ہیں: یہ تو ظاہر ہے کہ جس بات کو آپ لکھنا چاہتے تھے اگر اُس پر اُمت کی اصلی یاد دہانی ہدایت کا دار و مدار ہوتا تو آپ ہرگز ہرگز اُسے ترک نہ فرماتے۔ یہ آپ کی شان ہادی، مبلغ، بشیر، نذیر، حَرِّیصٌ عَلَیْکُمْ وَغَیْرُہُ اوصافِ منصوبہ کے سراسر خلاف ہے کہ آپ ایک ایسے امر کو پورے تین دن مجھ، شنبہ، یک شنبہ معہ بقیۃ روز پنج شنبہ کی مہلت میں ترک فرمادیں۔ پھر خطاب اور ارشاد نبویؐ سب حاضرین کے لیے تھا جن میں سیدنا علیؑ اور سیدنا عباسؓ بھی تھے نہ صرف حضرت عمرؓ کے لیے ہی خطاب تھا۔ اگر مطعونؓ ٹھہریں گے تو سب نہ صرف اکیلے حضرت عمرؓ بلکہ سب سے زیادہ سیدنا علیؑ پر مطاعن اور تاراج فاسدہ کا اثر پڑتا ہے کیونکہ دولت خانہ نبویؐ پر حضرت علیؑ ہی کتابت وحی کا کام کرتے تھے۔ وہ خطاباتِ اسد اللہ الغالب، خیر شکن اور لاکھتی اِلَّا عَلَیْہِ وغیرہ سے ملقب تھے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی سے ڈر کر یا کسی کے رعب میں اگر ارشاد نبویؐ سے گریز کیا ہو۔ اگر بفرض محال ایسا تھا بھی، پھر بھی کامل تین دن میں حضرت عمرؓ سے علیحدگی کے وقت انہیں تعمیل کا موقع مل سکتا تھا۔ حاضرین میں سے کسی کا بھی تعمیل نہ کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ کتابت زیر بحث ضروری نہ تھی ورنہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بالاتفاق معصوم ہیں کسی کے روکنے سے کب رُک سکتے تھے۔

حدیث خُم غدیر

حضرت نے حدیث خُم غدیر کی تفصیل بیان فرما کر لکھا ہے کہ اُس کی تقریب یہ ہوئی تھی کہ بریدہ اسلمی نے یمن میں حضرت علیؑ کے کسی عمل پر اعتراض کیا تھا اور حضورؐ سے اس کی شکایت کی تھی جس پر حضورؐ نے مَن کُنْتُ مَوْلَاکَ فَعَلِیْ مَوْلَاکَ اللّٰهُمَّ قَالَ مَن وَالَاکَ وَعَادَ مَن عَادَاکَ کا ارشاد فرما کر حضرت علیؑ کی محبت واجب فرمادی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ بریدہ اسلمی کے بیان اور واقعات و بشارات و نصوص قرآنیہ مبینہ فی مواضعہا سے واضح ہو جاتا ہے کہ خُم غدیر والی حدیث کو خلافت بلا فصل سیدنا علیؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ یہ ایام مرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ارشاد مکرر اور اصرار ہو کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو تین روز کی نمازوں کے لیے امام نہ بناتے۔ اس پر حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا (قَدْ مَلَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یُوْخِرُکَ) تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش امام فرمایا ہے پھر کون ہے جو تمہیں پیچھے کرے۔

قصیۃ باغ فدک

اس مضمون پر سوال و جواب کی صورت میں حضرت نے ۸ صفحات قلم بند فرمائے ہیں۔ اس موضوع پر حضرت کا مسلک باب سوم میں اہل تشیع کے ساتھ ایک مناظرہ کے زیر عنوان دیا جا چکا ہے۔ تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب دینے کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ فدک کے علاوہ اور جائیدادیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھیں مثلاً بنو نضیر کے سات باغات، القرئی کی وادی، و طخ اور سلام خیر کے دو قلعے اور خیبر کا پانچواں حصہ، مگر حیرت ہے کہ فدک میں باصرار ہمہ یاد صیت کا ذکر تیرہ سو سال سے جاری ہے مگر بقیۃ جائیدادیں محل بحث ہی نہیں۔ نہ اُن کا دعویٰ جناب خاتونِ جنتؑ نے کیا نہ شیر خداؑ نے انہیں یاد دلایا اور نہ ہی اپنے عہد خلافت میں انہیں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یا حصہ یاد صیت قرار دیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ سیدۃ النساء کی نسبت ہمہ یا وصیت کا دعویٰ بھی محض اُن پر افترا اور بہتان ہے۔ اگر مطالبہ بطور وارث تھا تو ہمہ نہیں ہو سکتا اور نہ بالعکس۔ ایسا ہی دعویٰ میراث اور دعویٰ وصیت میں تناقض ہے۔

آیت مباہلہ کی تشریح اور تفسیر

حضرت فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو تحریری دعوت اسلام دی اُن کے چوہ منتخب آدمی یہ قیادت عبدالمسح عرف عاقب مدنیہ پاک پہنچے اور بڑے تکلف اور رسمی لباس پہن کر مسجد نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توجہ نہ فرمائی۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ لوگ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے اُس سے فارغ ہو کر دوبارہ حضور میں آئے مگر پھر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کی طرف توجہ نہ ہوئے۔ وہ لوگ مسجد سے باہر چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفان، عبد الرحمن بن عوف اور علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جاتے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میرے خیال میں آپ لوگوں کی متکبرانہ اور جاہ و جلال والی روش سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت مُبارک کُند رہو گئی ہے۔ اگر آپ سادہ کپڑے پہن کر جائیں تو اُمید ہے ضرور توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب یہ لوگ سادہ کپڑے پہن کر حاضر ہوئے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: قسم ہے خدا کی جس نے مجھے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ کل جس وقت یہ لوگ آئے تھے ان کے دل غرور سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں دعوت اسلام فرمائی مگر انہوں نے معذرت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کون تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظارِ وحی کیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔۔۔

إِنْ مَثَلٌ عِيشِي عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَ كُرُوسَاءَنَا وَنِسَاءَ كُرُوسِنَا وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِمْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝
(آل عمران: ۵۹ تا ۶۱)

آیت کا مطلب:۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کا حال مثل آدمؑ کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو اور وہ ہو گیا۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں سے مت ہو۔ اگر کوئی اس علم اور دانست کے بعد تم سے اس بات پر جھگڑے تو اُس کو کہہ دو کہ فریقین معہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے مل کر جھوٹوں پر عجز و انکسار سے لعنت کریں (یعنی مُبہلہ کریں)۔

یہ کلام الہی سن کر بھی وہ لوگ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ بھی نہیں مانتے ہو تو آؤ ہم مباہلہ کر لیں اور مشورہ کے لیے انہیں وقت دیا۔ اپنی فرود گاہ میں پہنچ کر اُن کے قائد نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگ دل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی برحق مانتے ہیں۔ اور اُن کا بیان دربارہ مسیح علیہ السلام بھی مدلل اور محقول ہے لہذا مباہلہ کرنا میرے نزدیک ٹھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ سچے نبی سے مباہلہ کرنے والی قوم یقیناً ہلاک ہو جاتی ہے بہتر ہے صلح کر لیں۔ سب نے یہ رائے پسند کی اور دوسرے روز جب حضور نبویؐ میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسین علیہ السلام کو گود میں اٹھاتے اور حسن علیہ السلام کا ہاتھ کپڑے ہوئے ہیں۔ جناب سیدۃ النساء آپ کے چچے اور سیدنا

علیؑ اُن کے پیچھے تشریف لارہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرماتے ہیں کہ اگر نصاریٰ مباہلہ کو آگئے تو میں دعا مانگوں گا اور تم سب مل کر آہیں کہنا۔ جب نصاریٰ نے یہ نقشہ دیکھا تو کانپ گئے اور عاقب نے اُن سے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ پانچ مُنہ خدائے تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُٹھاڑنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُسے پورا کرے گا۔ پس مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ”حسب رائے نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ اور اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہمارا تعرض نہ فرمائیں اور ہم دو ہزار جِلہ (پوشاک) سالانہ حضور میں بطور جزیہ پہنچایا کریں گے۔ آخر الامر اسی پر صلح ٹھہری۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آلِ عباس یعنی علیؑ و حسن و حسین و سیدۃ النساء علیہم السلام کا ایک جُداگانہ قُرب بحضورِ نبویؐ تھا۔ نہایت پاک کا کیفیت مذکورہ جلوہ گر ہونا بے نظیر اور عجیب نظارہ ہو گا اور دیکھنے والے کو حیرت ہوں گے۔ الہی بحُرمَتِ آل و تینکے نہایت پاک علیہم الصلوٰۃ والسلام برائے مباہلہ تشریف فرما شند اس سیاہ جریہ تردداتے رابع آثار و دوستان و سائر برادرانِ اسلام و اخوانِ طریقت و ہر اُمتِ مرقومہ یہ بخشاک بغیر از فضل و کرم تو در دست نداریم۔ خَلَقْنَا مُحَمَّدًا وَرَزَقْنَاهُ حَنَانًا فَاعْفِرْ لَنَا حَنَانًا فَإِنَّكَ قَدِيمُ الْإِحْسَانِ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وَلطيفٌ قَبْلَ كُلِّ لَطِيفٍ وَلطيفٌ بَعْدَ كُلِّ لَطِيفٍ، فَالطُّفُ بِنَا كَمَا لَطُفْتَ فِي ظُلُمَاتِ الْأَحْشَاءِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ بِحُرْمَتِ حَبِيبِكَ رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَأَدْرُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ ۝

حضرت فرماتے ہیں کہ آیت مباہلہ میں کلمہ اَبْنَاءَنَا میں حسین پاک کو فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانے کا شرف ثابت ہے اور اس کی تائید مزید میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت کا ذکر فرمایا ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین پاک کے متعلق ارشاد فرمایا ”هَذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا بِنْتِي“ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ کلمہ نِسَاءَنَا کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگرچہ بیعت جمع ارشاد ہوا ہے مگر طرزِ عمل نبویؐ سے واضح ہو گیا کہ مراد سیدۃ النساء حجۃ پاره رسولؐ ہیں۔

کلمہ اَنْفُسَنَا اور اُس کی تائید میں حضرت نے متعدد احادیث سے کمالِ اتحاد اور قرابتِ مابین نفسِ نبویؐ اور نفسِ مرقومہ ثابت فرمائی ہے۔ اور حضرت شیخ اکبر کا یہ کشفی بیان مندرجہ فتوحاتِ مکیہ ”بیان فرمایا کہ حقیقتِ کلیہ بعد و ردِّ تجلی نوری سے سب سے پہلے قبولِ فیض و انعکاس حقیقۃ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور پھر اُس حقیقت سے سب سے قریب حقیقتِ امامِ اولیاء حضرت علیؑ کی تھی۔ پھر حضرت نے حدیثِ غدیر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے (جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے) کہ جس طرح مومن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھنا ضروری ہے اُسی طرح حضرت علیؑ کو بھی محبوبِ جاننا لازمی ہے۔ یہاں حضرت نے دلائل اور عداوت کے مفہوم پر حصر کرتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ اس حدیثِ شریف میں مولاؑ کے معنی محبوب کے ہیں۔ اس کی مختصر تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

آیتِ تطہیر

اس موضوع پر حضرت کا مسلک بابِ اول میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں پر حضرت نے اسے متعدد دوسری آیات اور

احادیث سے تفصیلاً ثابت فرمایا ہے۔

آیت مودّت

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ
فِي الْقُرْبَىٰ۔ کہہ دیجئے میں تم سے اس امر پر کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن
دوستی اہل قرابت کی۔

حضرت نے مدلل طور پر بیان فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا مصداق آل عبا علیہ السلام ہیں۔ اس سوال کے جواب میں
کہ یہ آیت کلی ہے جب حسین علیہ السلام کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی حضرت فرماتے ہیں یہ ضروری امر نہیں کہ بروقت نزول
آیت مفعوم علیہ کے کل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اُس وقت کے موجودہ افراد میں ہی وہ مکمل محصور ہو۔ اپنے اس نظریہ کے
ثبوت میں حضرت نے کئی مثالیں آیات قرآنی کی بیان فرمائی ہیں اور نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکہ میں ہی ہوا
ہو مگر چونکہ قرنی اور قرابت ہاتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی آل عبا علیہ السلام ہیں۔ اس لیے اُن حضرات علیہم السلام کا ملو
ہونا اس آیت میں بطریق اولیٰ ہوگا۔

حدیث ثقلین

یہ حدیث مبارک اس طرح ہے: "إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا كُنْتُمْ تَسْمَعُونَ مِنْهُمَا كُنْتُمْ تَصِلُونَ الْبَعْدِي
كِتَابَ اللَّهِ وَحَشْرَتِي" (میں تمہارے پاس دو ایسی عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر اُن کو پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے
ایک کتاب اللہ اور دوسرا میری عمرت) حضرت فرماتے ہیں کہ طاغیین کا یہ دعوئے کہ اہل سنت نے کبھی اس حدیث مبارکہ پر غلط فہمی
نہیں کیا صحیح نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اہل سنت نے تو اسی قرآن کو جو اُن کے پاس ہے اور غیر محرف اور کامل کلام
الہی ہے شرفاً غرّ بادستور العمل بنایا ہوا ہے جس کے حق میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے بھی فرمایا ہے: "وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَحَدٍ
بَعْدَ الْقُرْآنِ حُجَّةٌ" (جان لو کہ قرآن کے بعد کسی پر کوئی حجت نہیں) اور تاریخ شاہد ہے کہ ثقل اکبر (قرآن کریم) پر تیس سالہ
مدت خلافت راشدہ میں باتفاق رائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ عمل ہوتا رہا جس سے ثقل اصغر یعنی منکب بالبعثت کی بھی تعمیل ہوتی رہی۔ برخلاف
اس کے طاغیین کا عقیدہ ہے کہ ثقل اکبر یعنی قرآن کریم کو حضرت امیر علیہ السلام نے غائب کر دیا تھا اور قیسری صدی ہجری سے امام
غائب علیہ السلام کے پاس غار شمر میں رکھے میں بتایا جاتا ہے پس ان حضرات کو تو آج تک منکب بالقرآن نصیب نہ ہوا۔ رہا
منکب ثقل اصغر تو قرآن کریم کے فقدان اور گم ہو جانے کی صورت میں مومنوں کی فہم کے لیے بھی مورد تحقق اور وقوع نہ رہا۔ لہذا ان
حضرات کا دعوئے منکب بالثقلین سراسر غلط اور بے معنی ہے۔

حدیث اَنَا مِلَّةُ الْعِلْمِ وَعَلَىٰ بَابِهَا

ترمذی کی حدیث شریفہ: "أَنَا مِلَّةُ الْعِلْمِ وَعَلَىٰ بَابِهَا" میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں، پر شیخ ابن تیمیہ
نے منہاج السنہ میں اعتراض کیا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع کلمہ ہے اور واقعات کی رو سے بھی نفس مضمون
صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم نبوت کا صرف ایک دروازہ حضرت علی بن ابی طالب سے صرف کو فیوں نے قلیل
مدت کے لیے علم حاصل کیا اور باقی بلاد اسلامیہ میں علم اور ول سے پہنچا۔

حضرت فرماتے ہیں یہاں علم سے مراد علم خاص یعنی علم اسرارِ مراد ہے۔ اس حدیث پاک کی تصحیح اور ابن تیمیہ کی تردید میں آپ کے دلائل اربعہ صفحات پر قلم بند ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں خلفائے ثلاثہ اور کبار صحابہ کا رجوع اور مدار ہمیشہ حضرت علیؓ کے فتاویٰ پر تھا۔ چنانچہ خلیفہ ثانی کے اقوال "لولا علی لفسدت عُمُر" (اگر علی نہ ہوتے تو عمرِ ملاکت میں پڑتا) اور "لا لقیث لمعضلۃ لیس لها ابو الحسن" (خدا مجھے اس مشکل سے دوچار نہ کرے جس کے حل کے لیے ابو الحسن موجود نہ ہوں) اور "لا یفتیک احد فی المسجد وعلی حاضر" (مسجد میں علیؓ موجود ہوں تو کوئی اور شخص فتوے نہ دے) اس امر پر شاہد ہیں۔ حضرات سلمان و ابوذر و مقداد و عمار و عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سب حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں اور شیخ ابن تیمیہ خود بحوالہ اتقان لعلامہ سلوٹی لکھتے ہیں کہ علم تفسیر میں اہل مکہ اعظم الناس ہیں کیونکہ وہ عبد اللہ بن عباس کے اصحاب ہیں۔ مکہ شام میں علم بقول مذکورہ الحفاظ (علامہ ذہبی) ابوذر دار سے شائع ہوا جو عبد اللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں۔ ابوذر کا قول ہے کہ عالم تین ہیں ایک شام میں یعنی میں خود۔ دوسرا کوفہ میں یعنی عبد اللہ بن مسعود اور تیسرا مدینہ میں یعنی حضرت علیؓ شامی عند الحاجب کوفی سے پوچھتا ہے اور کوفی مدنی سے اور مدنی (یعنی حضرت علیؓ) کسی سے نہیں پوچھتا۔

پھر حضرات ائمہ اہل بیت حسنین و سجاد و باقر و جعفر و کاظم (علیہم السلام) کے ذریعے حضرت علیؓ کے علوم نے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جسے سرسرا نہ فرمایا ہو۔ اگر صرف حضرات امام ابو حنیفہ اور امام مالک بن انس مدنی کے حلقہ تدریس کو شمار میں لایا جائے تو اہل سنت کے کسی مجتہد، محدث، مفسر اور مبلغ کا نام نہیں ہوگا جو اس صفت میں شامل نہ ہو اور یہ دونوں حضرات امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا دوسرا سلسلہ حضرت حماد کے ذریعے حضرت عبد اللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے جو براہ راست حضرت علیؓ کے تلمیذ تھے۔ اہل سنت کے علاوہ امامیہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ سے کون ہے جو علوم علیؓ سے مستفید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

اس حدیث پاک کی صحت پر بہت سے حوالہ جات کا شمار فرماتے ہوئے حضرت لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت صحیح بن معین نے کی ہے جنہیں شیخ ابن تیمیہ نے اپنی اسی کتاب منہاج السنۃ میں اعظم محققین اصحاب رجال اور روایات کی جرح و تعدیل میں از روئے صداقت و دیانت و امانت و مہارت اعظم الناس میں شمار کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے شہر علم کے ایکے دروازے پر خبر واحد کی غیر یقینی حیثیت کا جو اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ باتفاق مسلمان یہ ضروری اور واجب سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی شخص کا تبلیغ علم میں ذریعہ ہونا صحیح نہیں اور چاہیے کہ یہ دروازہ مسدود اور بند ہے اس کے جواب میں حضرت نے خبر واحد کے معتبر ہونے کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور کہا ہے کہ ابن تیمیہ کی یہی دلیل معاذ اللہ انکار نبوت پر بھی قائم ہو سکتی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم کے علم کو ہر زمانہ میں صرف ایک شخص اس طریق پر نہیں پہنچا سکتا کہ لوگوں کو علم یقینی حاصل ہو۔ لہذا ہر زمانہ میں انبیاء کا متعدد ہونا ضروری ہے۔ ورنہ چاہیے کہ دین الہی مسدود اور بند رہے۔ لہذا معاذ اللہ ایکے نبی کی نبوت باطل ہے۔

لفظ مولیٰ کی تشریح

کیست مولائے علیؓ مولائے کل

لہذا قد قالہ خیر الرسل

یہ حدیث من کنت مولاً فعلی مولاً اللہم وال من وال من والہ وعاد من عادہ جس کا میں مولی ہوں، علیؓ

بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ الٰہی جو اس سے محبت رکھتے تو بھی اُس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھتے تو بھی اُس سے عداوت رکھ کا ترجمہ ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں ایک بار حضرت نے فرمایا تھا کہ اس کا آخری جملہ لفظ مولیٰ کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ مولیٰ مشترک ہے اور کئی معنی رکھتا ہے مشترک کے مختلف معانی کے تعین کے لیے قرینہ کا لحاظ ضروری ہے۔ اس لیے اَللّٰهُمَّ ذَا لَمْ يَنْزِلْ مِنْ عَادٍ مِّنْ عَادَاہُ کے قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے مولیٰ کے معنی خلاف معادی (عدو) کے ہیں یعنی محبوب پس معلوم ہوا کہ مولیٰ سے علیٰ محبوب کل ہیں جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے لَا يُحِبُّهُ إِلَّا هُوَ مِنْ وَلَا يَبْغُضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ (حضرت علیؑ سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق) لیکن ہمارے برادرانِ طریقت مولیٰ کے معنی وہ لیتے ہیں جو پنجابی زبان میں مفہوم ہیں یعنی سردار۔ گویا حضرت علیؑ تمام اصحاب و خلفائے سردار ہیں۔ یعنی محض خوش فہمی پر مبنی ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بے حد محبت تھی جو محویت اور درجہ انہماک تک پہنچی ہوئی تھی۔ مگر آپ کا کمال یہ تھا کہ غلبہ عشق و محبت کے باوجود شرع شریف کے لحاظ و اتباع کامل کو ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا۔

برکھنے جامِ شریعت برکھنے سندانِ عشق
ہر کو سنا کے نداند جام و سندانِ باطن

ایک ضروری تنبیہ

کتاب کے آخر میں حضرت تنبیہ ضروری کے عنوان سے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُهُ الْيَتْرُوكُ أَهْلَ سَبِيلٍ (اے اہل کتاب اپنے دین میں ناسحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی تابعداری نہ کرو جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے) اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میاند روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی ہے صراطِ مستقیم جس کی درخواست کے لیے ہم مامور ہیں۔ اور غلو اور تجاوز چاہے دین میں ہی ہو، موجب ضلالت اور غضبِ الٰہی ہے۔ بسا اُمور ایسے ہیں کہ فی ذاتہ صحیح بلکہ کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں لیکن ایک بدطینت اور فاسد الرائے انسان انہی امورِ صحیحہ سے بوجہ غلو اور حسد بڑھ جانے کے نتائج فاسدہ اخذ کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ ایسے نتائج کو شیطانی معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں مثلاً حُبِ اہل بیت بشادۃِ قرآن و حدیث اور قرارِ دادِ اہل اللہ موجب کمال ایمان سمجھا گیا ہے۔ مگر اس صحیح میں غلو کرنے والے دو فرقے ہوئے۔ ایک فریق نے تو بغض اور سب صحابہ کرام کا راستہ لے لیا اس وجہ سے کہ خیال اُن کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کے اہل بیت کا منصب اور حقِ غضب کر لیا۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسول اور جبریلؑ تک کے خلاف گستاخ ہوئے بدیں خیال کہ رتبہ اہل بیت اور تقدیم علی الصحابہ پر نص صحیح کیوں وارد نہیں ہوئی۔ یہ سب نتائج فاسدہ اُسی صحیح امرِ حُبِ اہل بیت میں غلو کے ہیں۔ ایسا ہی حُبِ عباد اللہ الصالحین اللہ تعالیٰ کے قُرب حاصل کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے لیکن اگر اُس میں بھی تجاوز کیا جائے جیسے اُن صلحاء کو معبود بنا لیا جائے یا اُن کو تصرفِ مستقل سمجھا جاوے یا شریک فی التصرف اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ بغیر اُن کی شرکت کے انتظامِ عالم نہیں کر سکتا تو یہی حُبِ موجب شرک ہو جائے گی اور وہی حُبِ مشترک ناقابلِ مغفرت ہو جائے گا۔ لہذا انسان کو کبھی اعتدال کا صحیح راستہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حُبِ اہل بیت و حُبِ عباد اللہ الصالحین صاحبِ اعتدال کے لیے نہایت مفید اور موجب کمال ہیں۔ مگر ان میں افراط و تفریط اور غلو کرنے والے گمراہی اور ضلالت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

ساتویں فصل

فتاویٰ مہربہ

حضرت قبلہ عالم قدس سرفراز نے بوجہ اپنی مصروفیات جو ارشاد و تلقین سلوک اور تدریس کتب تصوف وغیرہ پر مشتمل تھیں، فتویٰ نویسی کا کام آستانہ عالیہ پر مقیم متبحر علمائے کرام کے سپرد کیا ہوا تھا جو خود بعد تکمیل ملاحظہ فرمایا کرتے تھے مگر بعض زیادہ قابل تحقیق یا ہنگامی فتاویٰ خود بھی اپنے قلم مبارک سے تحریر فرماتے تھے جن کو راقم الحروف نے ایک مجموعہ کی شکل میں ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۰ء) میں شائع کر دیا ہے۔ ذیل میں صرف چار فتاویٰ بدیعہ ناظرین کیے جاتے ہیں، جو طلاق ثلاثہ، گاؤں میں نماز جمعہ کے درست ہونے یا نہ ہونے، بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ اور درود مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کے جواب سے متعلق ہیں ان سے حضرت کی فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے پہلے فتویٰ کا مختصر مطلب دیا گیا ہے۔

طلاق ثلاثہ کے متعلق حضرت کا ایک فتوے

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلاق ثلاثہ کا وقوع بیکہ واحدہ یا بکلمات مختلفہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ و اجماع صحابہ واقعہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا و تو تجربوا۔

الجواب هو الصواب

طلاق ثلاثہ خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعدد ہو۔ دونوں صورتوں میں واقع ہو جاتی ہے۔ غایتہ ما فی الباب سنت کا خلاف لازم آتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ و آثار صحابہ اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں بطور اختصار بقدر ضرورت اس مقام میں نقل کیے جاتے ہیں۔ ردی الدارقطنی فی سننہ من حدیث معلی بن منصور عن عبد اللہ بن عمر انہ طلق امرأۃ تطلیقہ وہی حائض ثم اراد ان یتبعہا تطلیقتین اخریین عند القرئین فبلغ ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ابن عمر ما کذا امرک اللہ قد اخطأت السنۃ والسنۃ ان یتقبل الطهر فیطلق لکل قرء فامر فی فراجعتهما فقال اذا ہی طهرت فطلق عن ذلک او امسک فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت لو طلقتهما ثلثا ان کان یحلی ان اراجعہا فقال لا کانت تبین منک فکانت معصیتہ فی موطا مالک بلغہ ان رجلا قال لابن عباس انی طلق لامرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا تدری فقال ابن عباس طلق منک ثلثا و سبع و تسعون اتخذت

بہا آیات اللہ ہزوا واسند عبد الرزاق عن علقمة قال جاء رجل الى ابن مسعود فقال انی طلقت امراتی تسعا وتسعين فقال له ابن مسعود ثلث تنجیها وسائرهن عدوان۔

وفی سنن ابن داؤد وموطا مالک عن محمد بن ایاس عن البکیر قال طلق رجل امراته ثلاثا قبل ان یدخل بها ثریب الہ ان ینکحها فجاء یتفتی فلہ ہبت۔ معہ فسأل ابن عباس واباہریرہ عن ذلک فقالا لا ندری ان تنکحها حتی تنکح زوجا غیرک قال فانما طلاق ایاہا واحدة فقال ابن عباس انک ارسلت بین یدیک ما کان لک من فضل وروی وکیع عن الاعمش عن جیب بن ثابت قال جاء رجل الى علی بن طالب فقال انی طلقت امراتی الفاً قال بانث منہا بثلاث واقسم سائرهن بین نسائک۔ واسند عبد الرزاق عن عبادة بن الصامت ان اباه طلق امراته الف تطليقة فانطلق عبادة فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانث بثلاث فی معصية اللہ وبقي تسع مائة وسبع وسبعون عدوان وظن ان شاعذ به وان شاعفره۔ وفی الطحاوی حدیث یونس قال اخبرنا سفیان عن الزہری عن ابی سلمة عن ابی ہریرہ وابن عباس انہما قالای الرجل یطلق البکر ثلاثا لا یخل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ اور امام بہام ابی جعفر طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرح معانی الآثار میں اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔ وفی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مالوا کتفینا بہ کانت حجة قاطعة وذلک انہ قال فلما کان زمان عمر رضی اللہ عنہ قال ایہا الناس قد کانت لکم فی الطلاق اناة وانه من تعجل اناة اللہ فی الطلاق الزمناہ ایاہ وفی الحدیث الثانی فحاطب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بذلک الناس جمیعاً وفیہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہم الذین قد علموا ما تقدم من ذلک فخر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکرہ علیہ منکر ولم یرید افعہ دافع فکان ذلک کبیر الحجۃ فی نسخ ما تقدم من ذلک لانه لما کان فعل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماعاً فعلیاً یجب بہ الحجۃ کان کذلک ایضاً اجماعہم علی القول اجماعاً یجب بہ الحجۃ وکما کان اجماعہم علی النقل بریئاً من الوهم والنزل کان کذلک اجماعہم علی الرای بریئاً من الوهم والنزل۔

احادیث وآثار منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ تین طلاق کا وقوع خواہ بلفظ واحد ہو یا بالفاظ متعددہ اجماعی امر ہے کیونکہ نقل اجماعی میں نقل عن العوام کو اعتبار نہیں بلکہ نقل عن المجتہدین کو اور اصحاب کرام میں سے اہل فقہت واجتہاد خلفاء اربعہ وعبادہ وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل وانس وابی ہریرہ وغیرہم ہیں رضی اللہ عنہم۔ جن سے حکم بوقوع الثلث در صورت لفظ واحد متعدد منقول ہے۔ باقی عوام کا رجوع عند الواقعہ انہی فقہار کی طرف ہوتا ہے اور انہی سے دریافت کرنے پر تعمیل کرتے ہیں اجماعی ہونے کی وجہ سے محقق ابن ہمام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر حاکم نے در صورت ثلث بلفظ واحد ایک طلاق کا حکم دیا تو وجہ مخالفت اجماع نافذ نہ ہوگا۔ رہا جواب طلب یہ امر کہ عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بوقوع الثلث اور سب اصحاب کا سکوت وعدم انکار بوجہ وعلم ان سب کے کہ انہا کانت واحدة فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی بکو کیسے متصور ہو سکتا ہے لان النسخ لا یتصور بعد وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانقطاع الوحی۔ جواب العقاد میں ارادہ معنی بنا بر عرف ہو اگر تاسے۔ قول الرجل انت طالق انت طالق یعنی اگر قصد اس کے ہر ایک جملہ سے ایقاع ہے تو تین طلاق

واقع ہوں گی اور اگر قصد اس کے مجملہ ثانیہ و ثالثہ سے صرف تاکید ہے ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور پہلے زمانہ میں بھی قائل کو ارادہ معنی اول میں سچا مانا جاتا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت میں قرآن سے ارادہ معنی ثانی کو محقق سمجھا یعنی موجودہ زمانہ کے لوگوں کا عرف معنی کو ثابت کر رہا ہے تو حکم بوقوع الثلث فرمایا۔ پس قول الرجل انت طالق ثلثاً چونکہ اختصار ہے انت طالق انت طالق انت طالق کا لہذا اس میں پہلے زمانہ کے لوگ ارادہ معنی اول میں سچے مانے جاتے تھے یہی وجہ ہے ماروی عن ابن عباس کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس استعجلوا فی امرکانت لہم اذاة فلو استعجلوا امضیناہ علیہم۔ لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہ باوجود قول بروایت ہذہ کے قائل بالثلث بلفظ واحد کو فرماتے ہیں۔ لا ادری تنکحھا حتی تنکح زوجا غیرک کما نقل قبیل ہذا۔ الحاصل در صورت ارادہ ایقاع الثلث ہر زمانہ میں تین طلاق واقع ہوتیں۔ مگر پہلے زمانہ میں قائل ثلثاً کو ارادہ معنی اول میں سچا مانا جاتا تھا۔ بخلاف پچھلے زمانہ کے کہ نظریہ تغیر عرف و لحاظ قرآن معنی ثانی متعین ہو گیا۔ فتح القدر اور فیو ی اور ازالۃ النہا مقصد دوم ملاحظہ ہو۔

آج کل کے اہل ظواہر در صورت انت طالق ثلثاً ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبرؓ کی معاذ اللہ شرع اور ٹھہری اور عمر وغیرہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی اور ہرگز ایسا نہیں۔ وہی ایک شریعت اور صراط مستقیم ہے۔ الا تغیر عرف کی رو سے احکام متغیر ہو سکتے ہیں۔ بایں معنی کہ اگر ایک حکم شرعی کا مستطو موجب بدلاتو دوسرا حکم شرعی وہاں پر عائد ہوگا۔ نہ یہ کہ خلاف ما قال اللہ و قال الرسول اور شرع جدید نازل ہو جائے گی۔ ہذا ما اتیسر لی الآن بعد ملاحظۃ فتح القدر۔ والعلم عند اللہ ولہ الحمد اولاً و آخراً و الصلوۃ والسلام علی من ارسلنا الی الناس کافۃ و آلہ و عترتہ و صحبہ۔

العبد الملتجئ الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ

اردو میں فتوے کا مختصر مطلب

” واضح ہو کہ بعض اہل ظواہر علماء کا خیال ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو ایک شمار ہوگی۔ اس سلسلہ میں ان کی سب سے بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں طلاق ایک تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تین قرار دی گئیں۔ حضرت نے امام ابی جعفر طحاوی اور امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیقات کے پیش نظر اس دلیل کا یہ جواب دیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ اس وقت تک ہم ایسے شخص کو سچا مانتے رہے جو بیان کرنا کہ میں نے باوجود متعدد بار طلاق کہنے کے ایک کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اب لوگ طلاق کے معاملہ میں جلدی کرتے ہیں، اور بجائے تدریجاً طلاق دینے کے بیک وقت تین طلاق کی نیت کر لیتے ہیں۔ لہذا تغیر عرف کی بنا پر آئندہ تین طلاق کو تین ہی شمار کیا جائے گا۔ اس پر حضرت نے سات روایات سے استدلال فرمایا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانہ میں جو شخص ایک سے زائد طلاق دیتا اور اس کا مقصد بھی متعدد طلاقیں دینا ہوتا تو متعدد طلاقیں ہی شمار کی جاتی تھیں یہ ہرگز نہیں کہ متعدد کی نیت ہونے کے باوجود بھی ایک طلاق شمار ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جدت منہائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ اکثر ایک ہی طلاق دیا کرتے تھے

گو اس کا تعلق بار بار بھی کرتے مگر اب لوگ نیت ہی متعذر کی کرتے ہیں لہذا متعدد شمار ہوں گی۔ بنابرین جو لوگ باوجود تین طلاق دینے کے برصورت میں ایک ہی طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں ان کا فیصلہ صحابہ کرام کے اجماع اور روایات مذکورہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے نافذ نہ ہوگا۔

فتوے متعلقہ نماز جمعہ

استفتاء

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ بتیو اور جواب۔

الجواب هو الصواب

گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ و ظفار عظام و صحابہ کرام کے وقت میں شہر و قنار شہر و قصبات کے سوا جمعہ قائم نہیں ہوا ہے۔ فلہذا استدلال ابو حنیفہؒ بارواہ عبد الرزاق عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال لأجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع و کذا رواہ ابن شیبہ من طریق حجاج الخ وروی ایضاً بسند صحیح حدثننا جری عن منصور الخ اور جو لوگ قیام جمعہ بجوانی سے گاؤں میں جمعہ درست ہونے کی سند لاتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ پہلے یہی امر قابل تسلیم نہیں کہ جوانی قریب ہے۔ کیونکہ محققین نے مدینہ یعنی شہر بیان کیا ہے اور بشرط تسلیم اس کا ثبوت کہاں سے ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام بجوانی کی خبر ہوئی اور آپ نے اس کو قائم رکھا۔ اس لیے کہ حدیث اس سے ساکت ہے و نیز باوجود تعظیم آیتہ کریمہ فاسعوا الی ذکر اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بعض اماکن میں قیام جمعہ کا اختصاص فرمانا مرفوعیت حدیث کی دلیل ہے۔ کیونکہ خلاف قیاس قول صحابی کا وقوع ممکن نہیں مگر بوقت سماع حدیث سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ علاوہ ازیں یہ آیت کریمہ اپنے عموم پر تو بالاتفاق باقی نہیں ہے اس واسطے کہ کوئی شخص اقامت جمعہ فی البراری والصحرا کا قائل نہیں ہے پس جب آیت کریمہ اپنے اطلاق پر باقی نہ رہی تو ضرور خصوصیت مکان اقامت جمعہ کے لیے ضروری ہوئی۔ وهو المراد۔

البعید الملتجئ الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ اللہ

بنی ہاشم پر حرمت صدقات فرضیہ کے متعلق حضرت کا ایک تحریری فتوے

حضرت قبلہ عالم کے اس فتوے کی اصل تحریر سید حسین شاہ صاحب مکہ کوٹ فتح خان ضلع کیمیل پور سے دستیاب ہوئی۔ فتوے فارسی اور عربی میں تحریر ہے۔ اس کا مختصر مطلب بزبان اردو یہاں دیا جاتا ہے:-

اے حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جمعہ تکبیرات تشرقی بمصر جامع کے بغیر نہیں۔

حضرت نے بحوالہ تفسیر روح البیان زیر آیت "وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ" وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (انفال - ۴۱) معانی الآثار امام طحاوی سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابی حنیفہؒ کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے ہر قسم کے صدقات فرضیہ ہوں یا نافذ جائز ہیں۔ اُن کی حرمت بنی ہاشم کے لیے فقط زمانہ نبی علیہ السلام میں تھی کیونکہ اُس وقت انہیں مال خمس سے حصہ ملتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حصہ اُن کے لیے ساقط ہو گیا تو صدقات اُن کے لیے حلال ہو گئے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہم جواز پر فتویٰ دیتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اُن احادیث کا علم نہ ہوا ہو جن سے صدقات فرضیہ کی حرمت بنی ہاشم کے لیے ثابت ہے۔ تو اُس کا جواب حضرت قبلہ عالمؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ اُن احادیث کو جانتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمت اور منع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مختص تھی۔ لہذا ایک محقق مجتہد کے اجتہاد سے یہ ثابت ہوا کہ احادیث نبیؐ اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اور حرمت کی علت خمس کا حصہ ملنا قرار دیا۔ لہذا جب یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ختم ہوا نبی اور حرمت بھی ختم ہوئی۔ نیز ایک الزامی جواب کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جب بھی لوگوں کے انساب فقہائے کرام کے نزدیک ضائع ہو چکے ہیں یعنی اُن کا اعتبار نہیں رہا تو محض شک سے حرمت کیسے ہوگی

دُرودِ مستغاث پر غیر مقلدین کے اعتراض کا جواب

سیدی و سندی دامت برکاتہما العالیہ

تسلیم و نیاز میں نے سنا ہے کہ حضور انورؐ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن میں اپنی امت کا حال بلا واسطہ ملائکہ دیکھ رہے ہیں۔ اور قائل کا مقولہ بلا واسطہ خود سُنتے ہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح میں صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی غائباً ابْلغْتَهُ رواہ احمد کے خلاف ہے نیز وہ دُرودِ مستغاث شریف پڑھنے پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بھی حدیث مذکور کے خلاف ہے کیونکہ اس میں صبیحہ خطاب موجود ہے۔ اُمید ہے حضور ازراہ کرم اس اشکال کو حل فرما کر مطلع فرمائیں گے۔

آپ کا نیاز مند محمد شفیق از علاقہ بڈہ راجھ ضلع شاہ پور

الجواب

مخلص فی اللہ مولوی محمد شفیق صاحب حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس مسئلہ کے متعلق میری نسبت جو کچھ آپ نے سنا ہے۔ وہ راوی نے حسب فہم خود بیان کیا ہے میں اپنی رائے کے اظہار کو مخاطب کے خواص اہل مشاہدہ و تجربہ سے اور صاحب ارتباط بہ عالم برزخ ہونے پر موقوف سمجھتا ہوں بغیر اس کے تحریر فضول ہے بجواب غیر مقلدین اتنا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ دُرودِ مستغاث پڑھنے کے وقت یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ملائکہ مولا بلاغ دُرود شریف حیثاً یقرء بصیغۃ خطاب حضور پہنچا دیں گے۔ پس حدیث مذکور میں جملہ (ابْلغْتَهُ) کے مطابق ٹھہرا۔ دُرودِ مستغاث کا جواز عقیدہ خواص کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس بارے میں مزید تفصیل میری کتاب اعلیٰ کلمۃ اللہ کے آخر میں ملاحظہ کریں۔ بوجہ اذہام خلق بقرب عرس شریف زیادہ فرصت نہیں۔ والسلام

دعا گو۔ مہر علی شاہ از گولڑا

لے جو شخص مجھ پر میری قبر کے نزدیک دُرود پڑھتا ہے میں خود سُنتا ہوں اور جو غائبانہ پڑھے اُس کا دُرود پہنچایا جاتا ہے۔

باب یازدهم

کرامات

کرامت کی تعریف

قبل اس کے کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کرامات بیان کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت کے متعلق چند ضروری امور کی وضاحت کر دی جائے۔ اہل سنت کے علمِ عصمت اندو کلام کی مشہور کتاب شرح عقائد میں کرامت کی تعریف اور اُس کے ثبوت میں بہت کچھ تحریر ہے۔ اس موضوع پر محققین علمائے کرام نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علامہ شہاب الدین احمد بن احمد نے اپنے رسالہ اثبات کرامات اولیائے میں کرامت کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:-

”کرامات جمع ہے کرامت کی، اور وہ ایسے خرق عادت امر کا نام ہے جو نہ نبوت سے تعلق رکھتے اور نہ قبل از زمانہ نبوت ہو اور وہ ایسے شخص سے ظاہر ہو جس کا ظاہر صلاح پر مبنی ہو، وہ کسی نبی کا متبع ہو اور اُس کی شریعت کا پابند ہو۔ اُس کا اعتقاد صحیح ہو اور اُس کے اعمال صالح ہوں۔“

”محاسن الابرار میں کرامت کے ضمن میں اس طرح تحریر ہے:-

”سچی کرامت وہ ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ کرامت کی غایت یہ ہے کہ انسان استقامت اور اُس کے کمال کو حاصل کرے جو کرامت انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے حصول اور تقویٰ و استقامت کی توفیق دے اُس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں۔“

کرامتِ حسیہ

محققین کرام کی تحریروں کے مطابق کرامت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کرامتِ حسیہ عناصرِ اربعہ اور عالمِ حسی میں تصرف و خلاف عادت امور کا اظہار کرامتِ حسیہ میں جو اولیائے کرام کے حالات میں بکثرت مذکور ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس قسم کے واقعات کا غیر نبی سے بطور کرامت صادر ہونا ثابت ہے۔ البتہ بعض اوقات اس قسم کے عارقی عادت امور کسی غیر نبی اور غیر ولی سے بھی بوجہ ریاضت یا علومِ لطیفہ یا سائنسی ایجادات صادر ہو کر عوام کے لیے موجب استہباب ہو سکتے ہیں۔

کرامتِ معنویہ

دوسری قسم کرامتِ معنویہ کی ہے کسی انسان کی جاوہ شریعت پر استقامت، اللہ اور اُس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، علوم اور معارفِ حق پر عبور، اخلاقِ فاضلہ کا حصول، اُس کی علم و حسب اور شرفِ نسب، تبلیغِ حق اور اصلاحِ خلق میں اُس کا کوشاں رہنا یہ کراماتِ معنویہ ہیں۔

شرعیات کا غیر متزلزل ضابطہ

مؤمن یا متبعی مجذوب انسان جو عالمِ استغراق میں رہتے ہیں۔ وہ بوجہ اس ظاہر اور شعور و عقل ظاہری میں کسی حد تک غور آنے کے احکام ظاہرہ کے تکلف نہیں رہتے مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے انہیں چھوڑ کر باقی تمام انسان

کے لیے شریعت کا ایک غیر متزلزل ضابطہ ہے۔ لہذا اسلامی ہوش و حواس اگر کوئی شخص خلاف شرع امور کا مرتکب ہونے کے باوجود مدعی ولایت ہے تو وہ جھوٹا ہے، اگرچہ اس سے کسی طور پر بعض خوارق اور خلاف عادت امور ظاہری ہوں۔ ارباب حقیقت کا مسئلہ قاعدہ ہے: کل حقیقۃ رذتہ الشرعیۃ فہی زندقۃ (جس حقیقت کو شریعت رد کر دے وہ بے دینی ہے)

بہر حال کرامات معنویہ میں محبت اور عشق الہی سب سے بڑی کرامت ہے جس کے حصول کا مدار حسب ارشاد الہی، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰهُ رُکھ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری متابعت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا) اتباع محمدی پر ہے۔ اور اسی ارشاد ربانی میں اُس کی جزایہ بیان کی گئی ہے کہ انسان محبوب خدا ہو جاتا ہے۔ اور مقتضائے مَنْ لَّہُ السُّوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ پھر سب کائنات اُس کی ہو جاتی ہے۔

کی خدمت سے وفا تو نے توہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (اقبال)

قضاوت در کانا در شاہکار مرد حق

بحمدہ تعالیٰ جو شخص حضرت قبلہ عالم قدس سیرۃ کے پاکیزہ حالات اور سیرت کے مختلف پہلوؤں پر غور کرے گا، اُسے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں رہے گا کہ آپ کو کرامات معنویہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک حظِ دافر عطا فرمایا تھا اور آپ محبوبیت کے ایک بلند مقام پر فائز تھے جس معنوی اور اخلاق فاضلہ کی نعمتِ عظمیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمال ظاہری کی نعمت سے بھی بدرجہ اتم نوازا تھا اور حسن معنوی اور جمال ظاہری ہر دو قسم کے کمالات کی جامع ایسی ہستیاں دنیا میں بہت ہی کم ظہور پذیر ہوا کرتی ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

روز ہا باید کہ تا یک مُشتِ شمشادِ ز پشتِ میمنہ	زاہد سے راحتِ گردِ دیا حمار سے رارسن
ماہ ہا باید کہ تا یک سپہ دانہ ز آب و خاک	شاہد سے راحتِ گردِ دیا شہید سے راکفن
سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب	لعلِ گردِ در بدخشاں یا عتیق اندرین
عمر ہا باید کہ تا یک کودکے از روتے طبع	عالی گردِ نکو یا شاعر شیریں سخن

دور ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود

بایزید اندر حُر اسماں یا اویس اندر قرن

دیکھئے! ان کیف اور اور حقائق افزہ اشعار میں حکیم سنائی نے مرد حق کی تخلیق کو کس طرح قضا و قدر کا نادر شاہکار قرار دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے میں کہ ٹٹھی بھر اُون کو کسی درویش کا فرقہ یا کسی جانور کی رستی بننے میں کتنی روز درکار ہوتے ہیں۔ دینی کا کالا آب و خاک کی نشوونما سے نکل کر مہینوں میں کسی شاہدِ دلنواز کی عیب یا کسی شہیدِ ناز کا کفن بنتا ہے۔ ایک سنگ جو ہر دار کو سالہا سال کا عرصہ چاہیے کہ خورشید کی ضیا پاشی اُسے لعلِ بدخشاں یا عتیق میں تبدیل کر دے۔ اور ایک طفلِ روشن طبع ایک عمر بسر کرنے کے بعد کہیں اچھا عالم دین یا شیریں سخن شاعر بنتا ہے۔ لیکن زمانہ پر گردشِ کئی دور گزر جاتے ہیں تب کہیں ایک ایسا مرد حق پیدا ہوتا ہے جیسے خراسان میں بایزید یا قرن میں اویس۔

ہمارے حضرت قبلہ رحمہ اللہ قدس سرہ قدس پروردگار کی اسی قبیل کی ایک نادر تخلیق تھے۔ سرزمین محبوبہ ہزارہ شمالی پنجاب میں میانہ و عرفان کے کئی شاہسوار نظر شہود پر آئے اور خود حضرت کا نامزدان ملک نشانی میں ایسے آہستہ ساروں سے کبھی نکالی نہیں رہا مگر جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت کی ذات کو آسمان، شاہ و پند منیر بنا کر آفاقی آدمی کی طرح ہر طرف سے روشنی دیا اور ایک جہان کی رہنمائی کا باعث بنایا، اُس کی مثال اس دور میں نہیں ملتی۔

جمال طاہری کی کرامت اولین

باطنی مہسن کے پوتے اس اعلیٰ عہد کی طاہری جمال بھی فطرت اللہ کے اعجاز اور جوتہ اللہ علی الخلق کا عنوان بن کے رہ گیا تھا جو آپ کی اولین زندہ اور واضح کرامت تھی۔ دیکھنے والے پہلی نظر میں گردیدہ ہو کر دست بوسی اور دامن بوسی کے لیے مجرم کر کے بڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے اُن کے دلوں میں نور و سرور کا خزانہ بھر گیا ہے۔ گویا سَبَّحَ لِلّٰہِ لَمَّا رَفَعَ الْفَلَاحَ وَ ذَاقَ الْتَمَنِّیْہِ اَوْ فَاذْکُرْ ذِیْ اَذْکُرْ کَحُکْمِیْ تَفْسِیْرِہِ ہوتی ہے۔

اس تسخیر اور تنویر کی دامن کش اور دل ربا گرفت سے حاضرین کا کوئی طبقہ نہ بچتا تھا۔ براہ راست منہ اور نودارد، ہوام اور غلام اس کیلئے شکار تھے۔ بلکہ غیر مسلم بھی اثر لیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ایک بار مدرسی ہندوؤں کا ایک وفد اپنے طور طریقہ پر ہاتھ جوڑ کر پرنام اور سلام کر کے مجلس سے باہر آیا تو اُن کا سر براہ یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ واہ اکیا پر تاب ہے۔

اس کرامت پر جان کی قسم کھانے والے

اس کرامت جمیل پر جان کی قسم کھانے اور بازی لگانے والے بہت تھے۔ ان کا ایک پورا قافلہ اس دربار میں آباد ہو گیا تھا بعض بچپن میں شکار ہوئے اور یہیں مزار پائے۔ کئی گھر بار چھوڑا اور نسبتیں توڑ کر عمر بھر مجرور رہے اور کچھ ابھی تک اُن کی یاد گوئل میں بسائے جی رہے ہیں۔ ابھی حال میں حضرت کے غرس پر جب حاجی محبوب علی قوال نے آپ ہی کا یہ مصرعہ اُٹھایا:

کالی زلف تے اکھستانی اسے

تو روضہ پاک کی پائنتی میں آپ کا ہم عمر ایک معمر شخص ٹرپنے لگا۔

اَمِنْ تَذْکُرِ حَیْرَانِ بِذِی سَلَمِ

(قصیدہ بردہ)

مَرْجَتْ دَمْعًا جَدْرَی مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمِ

ہ۔ اُن دن یاد پئے اودہ جانی جیڑے وچھڑے ذی سلم دے

اکھیاں تھیں کیوں جاری ہوئے ٹوئیں آنسو غم دے (مراحمہ نواز خان پنج پھول)

جناب سید امیر الدین صاحب قدوائی لاہور کے ایک مقدر وکیل اور وسیع النظر و فیسر میں تقسیم ملک پر یونی سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے۔ داماد دربار کے حاضر باش اور سید ہونے کے باوجود پیروں فقیروں کے معاملہ میں کچھ آڑ و خیال واقع ہوئے ہیں۔ مجلس میں ہمارے حضرت کا ذکر آگیا تو اچانک ایک جھجھری لی اور کہنے لگے سبحان اللہ کیا پیارا نام پایا ہے۔ مہر۔ علی۔ شاہ۔ دل شحاس سے بھر گیا۔ اولیائے قریب میں یہی نام ہے جو مجھ پر وجدانی کیفیت طاری کر

لے تھو لہو چمن واقعی ان رائے پاک باز بندل کے لیے محبت اور مروت کے جذبات (لوگوں کے لوگوں میں) پیدا کریں گے۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

دیتا ہے میں نے صرف نام ہی سنا ہے جن لوگوں نے زمانہ پایا ہو گا معلوم نہیں تاب جمال کا حوصلہ کہاں سے لائے ہوں گے۔
حضرت مولانا محمد غازی صاحب حرم کعبہ شریف میں بحث کرنے آئے تھے صورت دیکھتے ہی دل ہار بیٹھے اور
گریہ طاری ہو گیا۔ پھر متعل طور پر ساتھ منسلک ہو گئے۔

حضرت فقیر محمد امیر صاحب (کوٹ اٹل) وحدت الوجود کی منزلوں میں برسوں سے سرگردان اور خانہ بدوش تھے۔
ماضی نوبے تو پہلی نگاہ میں منزل مقصود کو پہنچ گئے۔

جناب مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ سے حضرت کے کمالات پر سوال ہوا تو فرمایا: واللہ میں تو اُس زلف
گرہ گیر کا اسیر تھا میری نظر تو ٹھہر اُس جمالِ دلآرا سے اٹھ کر کسی اور کمال کی طرف جا ہی نہیں سکی؟
یہ حضرات منازل وجود و تنزیہ کے سارین میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کو تشبیہ و تنزیہ کی ساری کیفیتیں اسی جمالِ شبیہ
تعلیق میں ہم عمان و ہم نفس نظر آئیں کہ ہے

خدا چہ صورتِ ابروئے دلربائے تو بست

کشاد کارِ من اندر کرشمہ ہائے تو بست

ان کرشمہ ہائے دلربا و کار کشا کے متعلق تحدیثِ نعمت کے طور پر حضرت خود فرماتے ہیں ہے

از لطفِ خلاقِ زماں، دارِ ہم ممتاز از ہماں

وضعِ دگر، طرزِ دگر، ذوقِ دگر، شوقِ دگر

حضرت ایک آئینہ دیکھ رہے تھے۔ ملک سلطان محمود صاحب کمرہ میں چلے گئے تو مسکرا کر فرمایا: میں اُس صورت کو دیکھ
رہا تھا جس کے صانع نے اپنی حسنِ صنعت پر چار چیزوں: الثَّيْنِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سَيْنَيْنِ وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ
کی قسم کھائی ہے۔

اصل میں یہ جمالیات صورتِ اُس جلوہ حقیقت کا پر تو ہیں جسے لباسِ بشریت میں مستور کر دیا گیا ہے اور جسے تابِ نظارہ
کی توسعتیں اپنے اپنے ظرف کے مطابق زیادہ سے زیادہ بے حجاب دیکھ پاتی ہیں۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت بالوحی مدظلہ العالی
پر اس شعر کے معنی اور مفہوم اُس رات کھٹے تھے جب حضرت کا تاؤت شریف باہر نکالا گیا تھا اور اس کے ایک شکاف نے
دعوتِ نظارہ دی تھی تو وہ کیفیت سامنے آئی کہ بجلی میں وہ چمک تھی، نہ سورج میں وہ نور ہے

بمخدا کہ رشکِ آید بدو چشمِ روشنِ خود

کہ نظرِ دروغ باشد بہ چنیں لطیفِ رُوسے

یہاں سے اُس جلوہ حسن کی کچھ خبر ملتی ہے جس کے نظارہ نے حضرت سلطان العارفين بائید رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر محو
کر رکھا تھا کہ کسی اور طرف دیکھنے کو فرصت یک نظر بھی نہ تھی۔ آپ کے شیخ حضرت سید جعفر بن امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک بار طاقچہ سے کتاب مانگی تو جواب دریافت کیا: کون سا طاقچہ؟ اس پر جب شیخ نے فرمایا ہے

در مجاہد ز سہا سبکینی این طاق بر سر پہ انبیینی؟

تو عرض کیا ہے: زان دم کہ بمخدمت حضورم از کثرتِ جلوہ غرقِ نورم

من فرصت یک نظر نیلیم کز شبن ششما نظر بست ایم
 ہر لحظہ نگاہ من بسویت چشم من و آفتاب اودیت
 از غیسر وجود تو خبر نیست جز تاب رخت بکس نظر نیست
 مجبور ز جذب شبن یارم
 دارم نظر و نظر نہ دارم

علوم لدنیہ کی کرامت عظیمہ

حضرت کی دوسری عظیم الشان کرامت آپ کے علم بسیرا کی وہ خدا داد دولت تھی جو ہمہ وقت جلو میں دست بستہ رہتی کہ جس طرح چاہتے تصرف میں لے آتے جس کے دریائے آبدار تصنیفات اور طفولیات میں بکثرت بھرے نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب کی انومی مہاجر کی مہمفی عرب مجسم نے جن کے حضور میں عیسائی دنیا کے مشہور مناظر خذرا اگرہ میں لا جواب ہو کر تحریری شکست نامہ پیش کرنا پڑا تھا حضور کے اس عزیز کو علم لدنی قرار دیا۔ پشاور کے قاضی قدرت اللہ (اور افغانوں کے قاضی قدرو) صاحب کو جو ہر سال ملک افغان و خراسان کو وعظ کہنے جاتے تھے مناظرہ سماع کے بعد اس علم کے سامنے دست بیعت و راز کرنا پڑا۔ اور ہندوستان کے نامور مناظر مولانا ذریا احمد صاحب انیسویں کو گویہ شریفین میں اس علم کے حصول کے لیے زانوئے تلمذتہ کرنے کی استدعا کرنا پڑی۔

شرف نسب کی سرمدی کرامت

جمال صورت اور فضل علم کے علاوہ عنایت ازلی نے حضرت کو شرف نسب کی سرمدی کرامت سے سرفراز فرمایا تھا آپ اللہ ماجد کی طرف سے حسنی جیلانی اور والدہ ماجدہ کے انخیال کی جانب سے حسینی بخاری سید ہیں جن پر اللہ کے فضل کی یہ انتہا ہے کہ تہجد کے دونوں اقل پڑھ کر ہی سو رہیں تو شب بھر امت کا درود و صلوة ان کے فزوات حساب میں راجع ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عالم اسلام کا یہ ہمہ وقت سلام ان حضرات کو بستر راحت پر عین ہی کب لینے دیتا ہے عنایت ازلی اور جذبہ وجود سخا کی درشت ان کے ذوق و شوق اور مناجات کو ہر دم نئی تازگی اور وسعت عطا کرتی ہے اور استطاعت خدمت دین اور انصاف امت مومنین کے لیے ان کی تربیت فرماتی ہے مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور نے لکھا ہے کہ حضرت نے قیس برس عشرہ کے حضور سے فجر کی نماز ادا نہ مائی عشاء کی نماز پڑھ کر مراقبہ فرماتے تو ذکر خفی میں عضو بدن کو کجا بہر کو بھی حرکت نہ ہوتی تھی۔

صلہ امت کی بشارت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے متعلق خیال ظاہر فرمایا ہے کہ آپ نے وحدت الشہود اور وحدت الوجود میں یہ فرما کر اتصال پیدا کیا ہے کہ حق تو شاہراہ شہود ہے مگر وحدت الوجود والوں کو غلبہ حال میں اپنا مسلک حق نظر آتا ہے جس میں وہ معذور ہوتے ہیں۔ اور اس طرح حضرت مجتہد علیہ الرحمۃ پر حدیث صلیہ کی پیش گوئی صادق آتی ہے لیکن اگر اس حدیث پاک میں صلیہ سے مراد واقعی ان دو مسلک کے درمیان اتصال پیدا کرنا ہے تو حضرت

مجدد کے فرمان سے ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا یہ ارشاد لفظِ صلہ کے مفہوم سے زیادہ قرین معلوم ہوتا ہے کہ وحدت الشہود نفس ایمان ہے اور وحدت الوجود کمال ایمان حضرت نے اپنی کتاب تحقیق الحق میں بدلائلِ بلغیہ اس امر کو ثابت فرمایا ہے۔

قادیانیت کا مُفتابہ

قادیانیت جیسی جسور تحریکیں اور اس قبیل کے مدعیانِ نبوت روزِ روز پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی ایسی تحریکیں کو ترقی کے لیے ایک غیر اسلامی حکومت کی مرتبہ یا کم از کم روادارانہ فضا اور عصرِ جدید کے وسیع ذرائعِ نشر و اشاعت اور رابطہ عوام و تنظیم کے ایسے آسان اور ملک گیر وسائل اس سے قبل کبھی میسر آئے تھے جو اس تحریک کو نصیب ہوئے۔ اس کے باوجود اگر برطانوی ہند میں جو دنیا بھر میں قادیانیت کے لیے نشو و نما کا واحد سازگار میدان تھا کسی مردم شماری میں اس کے پیروؤں کی تعداد نصف لاکھ یعنی یہاں کے مسلمانوں کی تعداد کے اعشاریہ پانچ فی صد اتنا کم بھی نہیں پہنچ سکی تو یہ امر ہمارے حضرت کی فتحِ عظیم کا واضح ثبوت ہے جن کو اگست ۱۹ء کے معرکہ لاہور میں تمام اسلامی فرقوں کے زعماء نے قادیانی محاذ پر اپنا پیشوا تسلیم کیا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ اس فتنے کی ابتدا سے آج تک بہت سے فضلاء عصر نے اس محاذ پر دوا و جہاد دی ہے لیکن اتنا بڑا معرکہ اور میدان اور خود بانی تحریک کی زندگی میں اُس کے خلاف سوادِ عظیم کی طرف سے ایسا متفقہ قائدانہ اور منسازانہ مقام کسی اور صاحب کو حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ہماری نظر سے کسی اور بزرگ کا ایسا دعویٰ گذرا ہے جیسا کہ حضرت نے اپنی تصانیف اور ملفوظات میں بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے آپ کو اس کا ردِ دین پر مامور فرمایا گیا تھا۔ پس آپ کی یہ کرامتِ عظیمہ اسی نسبت سے ہی بے نظیر اور لا جواب متصور ہوگی۔

گاندھی ازم کا سدِ باب

قادیانیت کے بعد گاندھی ازم کے غیر اسلامی طوفان کے سدِ باب کے لیے حضرت کا اقدام مسلمانانِ برصغیر کے حق میں کچھ کم مفید ثابت نہیں ہوا۔ تحریکِ خلافت کے بعض پُر جوش رہنماؤں نے گفتارِ کانگریس کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر شمال مغربی ہند کے موجودہ پاکستانی ممالک سے ہجرت کے ذریعے مسلمانوں کے انخلا کی ابتدا کر دی تھی۔ اخبارات اور مسلمان کانگریسی لیڈروں کی تقاریر نے ملک میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ سندھ، پنجاب اور سرحد سے ہزاروں مسلمان اپنی اموال و اطلاق بیچ کر افغانستان کو سدھار چلے گئے۔ کانگریس نواز جمعیتِ علماء ہند کے فتاوے کے پیش نظر مسلمانوں کو اپنے وطن میں رہنا گناہِ عظیم نظر آنے لگا تھا۔ اگر حضرت اس ہجرت کو غیر شرعی اور مبضر قرار نہ دیتے تو مہاجرین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی۔ اخبارات و سیاسی لیڈروں اور خلافتی علماء نے آپ کے اس موقف کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ بعض کم سواد مریدوں کا اعتقاد بھی متزلزل ہونے لگا۔ ایک نے منٹ گمری سے اخبارات کو بیان دیا کہ تحریکِ خلافت پر حضرت کے مخالفانہ مسلک کی وجہ سے اُس نے ابوالکلام سے بیعت کر لی ہے۔ ایک اور نے ہزارہ سے لکھا کہ ہم تو دین کے لیے ہجرت کر رہے ہیں آپ کو وطن نصیب رہے۔ مگر مخالفت کے اس طوفان میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کو وہ وقار کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے اور پوری عزیمت اور استقامت کے ساتھ تحریکِ ہجرت اور ہندو مسلم ہم قومیت کے کانگریسی خلافتی نظریے کی تردید فرماتے رہے۔ آپ کو یقین تھا کہ انشا اللہ یہ تحریکیں

ناکام رہیں گی۔ چنانچہ جمعۃ العلماء اور خلافت اور مسلم پریس اور پیٹ فارم کے تمام سرکردہ اراکین بالآخر ایک ایک کر کے حضرت کے مسلک پر واپس آ گئے۔

استقرار پاکستان میں حضرت کے افادات اور برکات کا حصہ

جانشین ہمارے حضرت کے اس غیر متزلزل موقف کا اعتراف کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں اور ان کا آپس میں تعاون ممکن نہیں پاکستان کو وجود میں لانے کا باعث ہوا اور کچھ تعجب نہیں کہ ملت کے احساس عمومی کی یہ رہنمائی آپ کے ہی خداوادی روحانی تصرف کا ثمرہ ہو، اور یہ خدا واد استقامت اور سلطنت اسلامیہ اسی قطب دوران کی کرامت استقامت اور اسی غوث زمان کے انعام قدسیہ کی برکات کا انعام ہو۔

پاکستان کے لیے دعا

مولوی مظفر علی خان صاحب حضرت کے ساتھ اپنی تاریخی ملاقات میں جب خلافت اور ہجرت کی بحث میں کامیاب ہوئے تو ذہن رسا نے انہیں ایک کام کی بات سنجائی۔ عرض کیا: میں تو اس دربار میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے سلطنت مانگنے آیا ہوں، فرمایا: میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی میرے ساتھ دعا میں شریک ہوں۔ اور خاص توجہ سے دعا فرمائی۔ اس ملاقات کی تفصیل باب پنجم میں آپ کی ہے۔

پاکستان کی پیش گوئی

میاں محمد سعید صاحب قریشی افسر جبل خاںجات بیان کرتے ہیں کہ عالم استغراق کے دوران ایک روز حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دنے جناب میاں محبوب عالم صاحب اور میرے روبرو فرمایا تھا کہ عنقریب اس ملک میں سب مسلمان ہوں گے اور مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ اُس طرف کے مسلمانوں کو نصیبت پیش آئے گی۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندوستان پر ایسا ہی وقوع میں آیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ ہندوستان کے متعلق خواب میں قبل الوقت فتح پاکستان کی بشارت

سید طاہر حسین صاحب عبداللہ پوری (ضلع شیخوپورہ) جو حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے مرید اور خاندان نقشبندیہ کے ایک مقبول درویش ہونے کے علاوہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ذات سے نابہانہ ارادت رکھتے ہیں، ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (اگست ۱۹۶۵ء) میں عرس شریف حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کے موقع پر گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ اور خواب میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی زیارت سے مشورت ہونے کا واقعہ بدیں تفصیل بیان کیا کہ میں دیکھتا ہوں حضرت قبلہ عالم گولڑوی قدس سترہ ایک بلند مقام پر تشریف فرما ہیں اور دعا فرماتے ہیں۔ آپ کے برابر ایٹم بم پر پانچ اور حضرات کرسیوں پر رونق افروز ہیں۔ سامنے میسران میں بے شمار مسلمان حاضر ہیں اور مظلوم رہے ہیں۔ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ حضرت آیت سبحان الذی فی السموات یعبّدہ کیا گیا۔ ان کی تفسیر بیان کر کے خاتمہ سخن پر فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ العزیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائے گا۔ اُس وقت ایک شخص

پاس سے مجھے اُن پانچ کرسی نشین حضرات کی نشان دہی کر کے بتاتا ہے کہ وہ صدر نشین حضور غوث الاعظم ہیں۔ اور اُن کے ارد گرد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری، خواجہ قطب الدین بخت یار کاکلی، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی رحمہم اللہ علیہم تشریف فرما ہیں۔

اس خواب کے چند روز بعد یکم ستمبر کو افواج پاکستان کے ساتھ کشمیر کے محاذ پر ہندوستانیوں کی جنگ چھڑ گئی۔ اور ہندوستان کو بھارت نے پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے پاکستانی افواج کو حیرت انگیز فتوحات عطا فرمائیں۔ حالانکہ تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے ہندوستانیوں کو کم از کم پانچ گنا اکثریت حاصل تھی۔ غیر ملکی مبصرین کی نظر میں بھی ہندوستان کو دس گنا زیادہ جانی، مالی اور ملکی نقصان اٹھانا پڑا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت کے کرامت کی کار سازی فرماتے ہیں

حضرت شیخ اکبر کا فرمان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ کے ولی سے خدمت کے کرامت کی کار سازی فرماتے ہیں۔ چنانچہ تشکیل پاکستان کی تاریخ میں اس رؤف کی حیمانہ کار سازی کے نشانات قدم قدم پر ملتے ہیں۔ چودھری رحمت علی صاحب کے دماغ میں اس مملکت خداداد کے نام کا تعین، علامہ اقبال کے دل میں شہرہ برس پہلے اس کے صمت کا تصور، قائد اعظم محمد علی جناح کا سیاسی انقلاب، اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کا سرفروشانہ اشارہ، نواب صاحب بھوپال کے سامنے گاندھی جی کی ایک جذباتی لمحہ میں تقسیم ہند کے لیے تحریری رضامندی اور پھر پشیمانی، بلیک چیک کی پیش کش پر سکھوں کی شمولیت پاکستان پر آمادگی اور پھر انکار اور اس میں پاکستان کی سالمیت کا تحفظ اور اسی طرح کے کئی دیگر خطرناک مراحل اور مسائل کی عقدہ کشائی اور رہنمائی، ان تمام امور اور اسباب کی تہ میں وہی کریمانہ شفقت اور حفاظت ہی تو کار فرما تھی اور گویا متعلقہ صاحب خدمت سے کام لے رہی تھی۔

مہر عالم کے جلووں کا عکس

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ اس برصغیر میں ولایت کبریٰ کے جس عالی مقام پر متمکن تھے اُس کی باطنی بہت اور وسعت کے لیے ایسی ہی مہمات اور عظیم امور کی عملی تکمیل شایان شان تھی کچھ بعید نہیں کہ علامہ اقبال پر جب یہ شعر وارد ہو رہا تھا تو روح تحت الشعور میں اسی مہر عالم کے جلووں کا عکس لے رہی ہو۔

ذرا مہر نسیر آن من است
صد سحر اندر گریبان من است

اب پاکستان کے دار الخلافہ کا منتقل ہو کر اسلام آباد کے نام سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے براہ راست مقام ولایت کے سایہ میں آباد ہو جانا انشاء اللہ مزید برکات کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ماطفت اس مملکت اور اس کے اہالیان اور ارباب حکومت پر دائم و قائم رکھے اور اسے صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بنادے۔ آمین اہل پاکستان کو اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اسلام کی سر بلندی کے لیے کمر بستہ ہو جانا چاہیے ورنہ ناشکری کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

اس ولایت کبریٰ کی وسعت

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی ولایت کبریٰ کی وسعت اور مہر گیری پر یہ چند مصدقہ واقعات ملاحظہ ہوں جن میں سے بعض

کا اعادہ یہاں قس مکرر ثابت ہو گا اور واضح ہو گا کہ کس طرح اس کا خدا و دوست قسرت مبینی اور کابل اور روس اور
یانگ کانگ، عرب و عجم اور بحر و بر میں کیساں کار فرما نظر آتا ہے۔

حضرت سید علی شاہ صاحب کے مکاشفات

باب چہارم زمانہ جذبہ سیاحت میں پہلے درج ہو چکا ہے کہ حضرت سید علی شاہ صاحب (وندہ شاہ بلاول) نے بھی
اسی سال حج کیا تھا جس سال حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے ادا فرمایا تھا۔ ابن سید صاحب سے جناب مولانا محمد غازی صاحب اور
حضرت سید چنان شاہ صاحب اجابہ نے روایت بیان کی ہے کہ میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس سال رئیس الحاج
ہونے کا شرف کس ولی اللہ کو نصیب ہوا ہے۔ حرم کعبہ میں مراقبہ کیا تو دیکھا کہ بیٹ اللہ شریف جناب یہ صاحب کو ثلثین
کی طرف متوجہ ہے اسی طرح میدان عرفات میں نگاہ کی تو آپ ہی لوگوں کے حج بارگاہ رب العزت میں پیش کر رہے تھے چنانچہ میں سمجھ گیا کہ
اس سال آپ ہی اس منصب عالی پر فائز ہوئے ہیں۔

حضرت سید عباس علی شاہ صاحب بخاری (ساندہ خورد) کا خواب

حضرت سید عباس علی شاہ صاحب بخاری جن کا روضہ مبارک ساندہ خورد (مضافات لاہور) میں زیارت گاہ عوام و
خواص ہے ایک بڑے شیخ طریقت اور مقبول بزرگ تھے۔ اوائل عمر میں ہی تلاش حق میں اپنے وطن بخارا سے نکل پڑے تھے۔
مذکور گناہم رہ کر جنوبی ہند کے شہروں میں مجاہدہ اور ریاضت میں غمر بسر فرمائی۔ آنجناب نے ۱۲- مارچ ۱۹۴۵ء کو لاہور میں ہمارے
حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے عالم گیر تصرفات کا یہ خود آزمودہ واقعہ ملک محمد خدابخش ٹوانہ سے بیان فرمایا کہ مبینی میں ہر سات کی ایک
سنت سرور ات میرے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو ایک شکستہ حال مجذوب پانی میں تر بہر کھڑا کانپ رہا تھا۔ کہنے لگا
چائے پلاؤ کوئی دوسرے کا وقت تھا۔ اسٹو پر چائے بنا کر پیش کی جو وہ پی کر چلا گیا۔ جیسے ہی پھر میری آنکھ لگی ایک بزرگ نے خواب
میں فرمایا: آپ نے تکلیف اٹھا کر میرے فقیر کو چائے پلائی ہے جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں جاگ کر پھر سویا تو پھر وہی خواب دیکھا
کہ وہ بزرگ فرما رہے ہیں۔ میرے فقیر کو چائے پلائی ہے شکریہ۔ میری آنکھ پھر کھل گئی اور ان بزرگ کی صورت دماغ پر نقش ہو گئی۔
پھر سویا تو سہ بارہ وہی خواب آیا۔ میں بیدار ہو کر اپنے شغل میں مصروف ہوا مگر دل اُن کی زیارت کے لیے بے قرار تھا حالت وہ تھی
جسے پہلی نظر میں عشق کہتے ہیں۔ اُس مجذوب فقیر کی تلاش کی مگر وہ نہ ملا۔ چند روز صبر کیا، پھر تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ دکن، بنگال، بہار
یوپی، اجمیر اور آخر میں پنجاب، جہاں بھی کسی بزرگ کا نام سُن پایا وہیں پہنچا مگر کوہ مقصود پا نہ آیا۔ گو تصور میں ہر وقت وہ جمال
صورت موجود تھا۔ بالآخر مالوئس ہو کر لاہور سے واپس جا رہا تھا اور مبینی کا ٹکٹ بنوا لیا تھا کہ اتف قاپلیٹ فارم پر ایک صاحب
سے ملاقات ہو گئی۔ میرا حال سُن کر پوچھا: گولڑے کئے ہو؟ میں نے گولڑہ کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ کہنے لگے: راولپنڈی سے اگلا
اسٹیشن ہے۔ چنانچہ مبینی کا ٹکٹ واپس کر کے گولڑہ کا ٹکٹ بنوا لیا۔ صبح وہاں پہنچا تو ابھی آپ مسجد میں مصروف وظائف تھے۔
میں نے صحن میں قدم رکھا ہی تھا کہ مسجد کے اندر سے آواز آئی: مولانا صاحب! آجائے: آگے چلا تو پھر آواز آئی: شاہ صاحب
تشریف لائیے: اور جب حاضر ہوا تو اٹھ کر معانفہ فرمایا اور کہا: سید صاحب! علیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ: تو ہی مقصود نظر
صورت سامنے تھی اور میں تعجب کر رہا تھا کہ میرے بخارا چھوڑنے کے بعد کسی فرد بشر کو معلوم نہ تھا کہ میں سید ہوں۔ آج پہلی مرتبہ

مجھے سید کہہ کر پکارا جا رہا ہے۔ حضرت سید عباس علی شاہ صاحب نے کچھ روز قیام فرمایا اور اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔

انقلاب افغانستان میں شہر کابل کی نگہداشت

حافظ غلام صدیقی صاحب مرحوم جو حاجی سیٹھ کریم بخش صاحب (پشاور) کے مائول زاد بھائی تھے اور خواب میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے اشارہ پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے مریض ہوئے تھے بیان کرتے تھے کہ والد صاحب نے جنوبی افغانستان میں حکومت سے جنگ کی لکڑی کاٹھیک لیا تو میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا چاہی۔ آپ نے فرمایا: کیا ابھی وہاں امن ہے؟ کچھ عرصہ بعد پھر حاضر ہوا تو آپ نے وہی سوال دُہرایا۔ اُس وقت تک بظاہر افغانستان میں امن و امان تھا۔ لیکن چند ہی دنوں بعد بچہ سقہ نے حملہ کیا اور امیر امان اللہ خانؒ کو لے کر چلا گیا جس کے متعلق والد صاحب کا خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اللہ پاک تمہارے عزیزوں کو جو کابل میں ہیں محفوظ رکھے اور شہر لوٹ مار سے بچا رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۳۱۱ھ میں میں کابل میں ایک روز دوستوں کے ساتھ ایک مشہور مجذوب کی زیارت کو گیا۔ مجذوب کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ سنگ باری کرتا تھا۔ مجھے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا: بخیر آمدید جوڑ ہستید بر امان خدا! کابلی طعنہ زنی کرنے لگے کہ ہمیں تو پتہ چلتا ہے اور پشاور کی کے ساتھ یہ سلوک! کہنے لگا: پتہ خرا! اس کس دست بدست کسے دادہ است کہ ایک وقت شہر مارا بگاہ کر دے۔ ورنہ پورے شدید وزن ہائے شمار اسقویٰ مے بُرزد۔ یعنی اس شخص نے اُس شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہوا ہے جس نے ایک وقت تمہارے شہر کابل کی نگہداشت فرمائی۔ ورنہ تم لوگ تباہ و برباد ہو جاتے اور تمہاری عورتوں کو بچہ سقہ کے لشکری اٹھالے جاتے۔

ملا صاحب ہڈہ کی غزائیں نظر آنا

حاجی محمد دین صحاف (پشاور) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے ایک افغانی آیا اور پشتو میں باتیں کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنا ایک شیم دیدیا بجا بیان کیا۔ میں نے اس کی پشت کو ترجمہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کہتا ہے کہ انگریزوں کے ساتھ ملا صاحب ہڈہ کی غزائیں آپ کو میں نے ٹھنکی گھوڑی پر سوار دیکھا ہے۔ آگے آگے آپ تھے آپ کے پیچھے ملا صاحب تھے اور اُن کے پیچھے غازی تھے حضرت صاحب نے فرمایا: منشی صاحب یہ دیوانہ (لکھو) ہے۔ اس کو چپ کر دو۔ مگر وہ خدا کی قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں نے آپ کو وہاں دیکھا ہے اور یہاں بھی آپ موجود ہیں۔

حل مشکلات کے لیے مایہ منورہ سے ایک تار

حضرت سیدنا احمد عطاء مدنی دام فیض نے جن کے بعض مبارک حالات کسی پچھلے باب میں درج ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ مدینہ شریف سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نام پر اجنٹ ٹیلیگرام بھیجی تھی۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ جب حضرت بابو جی مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی تو بیان فرمایا کہ ایک سخت مہم درپیش تھی جو تار کی روانگی کے بعد بفضلہ تعالیٰ حل ہو گئی۔ اور فرمایا کہ عرصہ ہوا ایک عرب سلطنت کا وزیر بادشاہ کے عتاب میں آگیا تھا جس نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے نام پاک پر مدینہ شریف تار بھجوا یا تھا اور اپنے درجہ پر بحال ہو گیا تھا۔ یہی مثال یاد تھی جس پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے نام نامی پر تار بھجوانے کا خیال پیدا ہوا۔

ایران میں اُفنگتے مُرید کو اشارہ کر کے لاری کے حادثہ سے بچا لیا

صاحبی محمد الیوب صاحب ٹیٹی (پشاور) رات کے وقت ایران میں سفر کر رہے تھے غیند کے غلبہ میں اُفنگتے رہے تھے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرما رہے ہیں: لاری کو روکو آگے گڑھا ہے۔ انہوں نے فوراً لاری کو روکوا یا اور اتر کر دیکھا تو سترہ چند گز کے فاصلہ پر سامنے ایک بہت بڑا گڑھا موجود تھا۔

مُرید کو اشارہ کر کے ڈوبنے والے جہاز سے بندرگاہ پر اُتروا لیا

حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا دامن حفاظت آتش ناؤں اور مُریدوں پر آسمان کی طرح ہر زمین اور ہر مہم پر سایہ فگن رہتا ہے۔ خان صاحب غلام رسول خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مرکزی خفیہ پولیس برطانوی ہند کو بحری جہاز کے سفر میں خواب میں منبر پایا کہ اگلے کو لنک سٹیشن پر جہاز سے اُتر جانا۔ چنانچہ جب جہاز اگلی بندرگاہ پر پہنچ کر کوئلہ لینے لگا تو یہ اپنا سامان لے کر اُتر گئے۔ جہاز کی روانگی کے دو گھنٹے بعد ایس او ایس (SOS) موصول ہوئی کہ جہاز ڈوب رہا ہے۔

خواب میں اشارہ فرما کر قتل ہونے سے بچا لیا

اس سے کچھ عرصہ پہلے یہ خان صاحب سیالکوٹ میں کچھ سکھ ڈاکوؤں کو بطور شہید بچا کر تفتیش کر رہے تھے ایک آت خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ فرماتے ہیں: اپنی حفاظت کرو یہ سکھ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اُٹھ کر صحن مکان میں ایک گھنے درخت پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ برچیوں اور گھماڑیوں سے مسلح ہو کر ان کے بستر پر آئے اور اسے خالی پا کر کمروں اور غسل خانوں میں تلاش کرتے رہے۔ اور پھر مالکس ہو کر چلے گئے۔

خواب میں اشارہ کر کے چوری برآمد کروادی

انہی خان صاحب نے ایک مرتبہ دوس میں خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں ہانگ کانگ میں تمہارے مکان پر چوری ہو گئی ہے۔ اُسی روز سفارت خانہ کی معرفت دائر لیس پر دریافت کرنے سے اس کی تصدیق ہوئی اور چوری بھی مل گئی۔ محکمہ سفارت کے افسر دونوں جگہ حیرت کا اظہار کرتے تھے۔

سفر سے روک کر ریل کے حادثہ سے بچا لیا

حضرت کے چھوٹے بھائی جناب پروالیت شاہ صاحب ایک شادی میں شامل ہونے کے لیے بذریعہ ریل گاڑی سفر پر تیار تھے حضرت نے بوا کر فرمایا کہ اس گاڑی سے نہ جانا انہوں نے عرض کیا کہ نکاح اور شادی کی تقریب ہے اور یہ آخری گاڑی ہے اگر میں نہ

پہنچا تو ان لوگوں کو سخت مایوسی ہو گئی مگر آپ نے تاکید مانع فرما دیا اور یہ رک گئے۔ وہ گاڑی لالہ موسیٰ کے قریب ایک رگڑی سے ٹکرائی جس سے بہت جانی نقصان ہوا۔
ایسے واقعات میں تصرف تو دراصل اسی کارساز حقیقی کا ہی ہوتا ہے مگر بوجہ اس کائنات کے عالم اسباب ہونے کے اس کا ظہور وہ اپنے مقبولوں کے ذریعہ کرتا ہے۔

اجابت دعا اور توسلین کی دستگیری

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی اجابت دعا اور مہمات میں اجباب کی دستگیری کے واقعات ضرب المثل ہیں اور وصال کے بعد بھی بدستور ظہور پذیر ہو رہے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت دیوان سید محمد صاحب پاک پن شریف کی سجادہ نشینی اور حضرت صاحبزادہ محمود صاحب تونسوی کے استقرار حق کے مقدمات پر یوی کونسل تک جا کر آپ کی دعا سے ان کے حق میں فیصلہ ہوئے گولڑہ سردار محمد عظیم خان کی جائیداد کا مقدمہ چیت کورٹ تک گیا۔ اس گاؤں کے ایک فقیر صاحب نے پیغام بھجوایا کہ آپ عظیم خان کے حق میں دعا نہ کریں، کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ میں نے لوح محفوظ میں دیکھ لیا ہے کہ یہ جائیداد میرے مریدوں سے باہر نہیں جاسکتی حضرت نے جواباً فرمایا فقیر صاحب کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ مجھے لوح محفوظ تو نظر نہیں آتی مگر میں اُس وقت تک اپنے اللہ کا دامن نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ ساری جائیداد عظیم خان کو نہیں مل جاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر میں چیت کورٹ سے یہ ساری جائیداد عظیم خان کو مل گئی۔

امیر افغانستان، نواب صاحب بہادر پور اور والی ریاست انب در بند کی گدی نشینی میں حضرت کی توجہ اور اعانت کے واقعات بھی پہلے بیان ہو چکے ہیں میرا باد یہ کے محمد حسین کو عین پچانسی کے تختے پر موت سے رہائی کا حکم ملا تھا۔ اس کی والدہ نے صرف ایک روز پہلے آکر فریاد کی تھی جب کہ رحم کی اپیل مسترد ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق اپنے ایک مکتوب گرامی میں استاد اولیاء اللہ کے ضمن میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس نازک وقت میں حضور سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استغاثہ کیا تھا۔

ابتلا کے دور ہونے کی بشارت

ملک شیر محمد صاحب ٹوانہ ولد ملک بخش خان صاحب ایک مقدمہ میں چھ سال قید ہو گئے تھے۔ اور تمام اپیلیں مسترد ہو گئی تھیں حضرت نے فقیر عبد اللہ صاحب کو ملک صاحب کے خاندان کی تسلی کے لیے روانہ فرما کر بعد میں ایک نوازش نامہ بھی تحریر فرمایا جو مکتوبات طہیات میں شائع ہو چکا ہے کہ انہیں کہہ دو انشاء اللہ تھوڑے دنوں کے اندر مصیبت ابتلا دور ہو جائے گی۔

اچانک ملک وکٹوریہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے کی تخت نشینی کی خوشی میں عام قواعد کے خلاف ملک صاحب کو رہائی مل گئی اور کچھ عرصہ بعد پہلے سے بھی بڑی ملازمت پر چلے گئے۔

نابینا کو بصارت مل گئی

ایک روز حضرت عشا کے بعد سواری سے اتر کر مہمان خانہ کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک آنکھوں سے معذور

مریض موجود تھا۔ آپ نے فرمایا میں کل پاک پتن شریف کے سفر پر چار پائوں۔ تم اب واپس وطن کو چلے جاؤ۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اُس شخص نے جو نہی آپ کی آواز پہچانی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ آپ عبد القادر ہیں خدا کے لیے مجھے بیانی عطا فرماؤ۔ فرمایا۔ ایسا مت کہو۔ کارساز اور بیانی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اپنے خاص بندوں کا دل اُس طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہ فرما کر آپ چلے گئے۔ اگلے روز جب یہ شخص واپس ہوا تو ریلوے اسٹیشن کے راستے میں اس کی بیانی درست ہو گئی۔ بیٹے سے کہنے لگا میری لائٹی چھوڑ دو۔ مجھے راستہ دکھانی دینے لگا۔ یہاں حیدر بخش صاحب شپتی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ میرے سامنے ہوا تھا اور میں نے خود اس شخص کو ریلوے اسٹیشن تک خود بخود چلتے ہوئے دیکھا۔

ایک یرینہ اپانج کی فوری شرفیابی

مضافات خوشاب کے ایک شاہ صاحب دونوں پاؤں سے اپانج و غلوج ہو کر گولڑہ شریف آئے اور کچھ عرصہ حضرت قبلہ عالم قدس بترہ سے دعا اور دم کرتے رہے۔ وہ مسجد کے سامنے پڑے رہتے تھے اور آپ نماز کو جاتے ہوئے اکثر دم فرما دیا کرتے مگر کوئی افادہ نہ ہوا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ ابھی وقت نہیں آیا تم فی الحال گھر چلے جاؤ۔ وہ تعمیل ارشاد میں چلے گئے۔ بہت عرصہ بعد سیال شریف کے سفر میں خوشاب کے ریلوے اسٹیشن پر آپ نے انہیں گھٹنوں کے بل ریگتے ہوئے دیکھ کر پہچانا اور فرمایا۔ آؤ شاہ صاحب وقت آگیا ہے میں دعا کرتا ہوں۔ جب ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی تو شاہ صاحب اُسی وقت سب لوگوں کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے جلو میں اپنے پاؤں سے چل کر شہر گئے۔ آپ نے اپنے ایک ملفوظ میں قبولیت دعا کے اوقات اور سالک کی توجہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ایسا ہی ایک اپانج گھوڑ (مضافات ملتان) میں بھی پیش ہوا تھا حضرت زغدم سے فرمایا کہ تہجد کی نماز کے بعد مجھے یاد دلانا کہ اس کے حق میں دعا کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی صحت دی۔

دعا سے معذرت کا اثر

موضع جھگیاں تھانہ خوشاب کا مستری فضل الہی جو آج کل دربار کی آٹامشیں پر کام کرتا ہے اُس کے ماں باپ بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ چچا کے مظالم سے تنگ آ کر گولڑہ شریف چلا آیا اور یہاں بسگریں کام کرنے لگا چچا نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی نسبت توڑ کر ایک اور شخص سے کر دی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اُسے بھی جواب دے دیا۔ اُس شخص نے ازراہ انتقام لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا اور باپ نے لڑکی کے بیان نزاع میں اس حملہ کا الزام فضل الہی پر لگوا دیا تاکہ وہ پھانسی پا جائے اور یہ مرحوم بھائی کی جائداد پر بے کھٹکے قابض ہو جائے۔

حملہ سے کچھ دیر بعد لڑکی مر گئی اور اُسی روز دوپہر کے وقت گولڑہ شریف میں فضل الہی کو خواب میں نظر آئی اور کہنے لگی۔ مجھے میرا قاتل تھکیر قتل کر گیا ہے اور میں نے باپ کے کہنے پر اس قاتل کا الزام تم پر لگایا ہے جس کی وجہ سے میں عذاب میں گرفتار ہوں تم مجھے معاف کر دو۔ فضل الہی نے بیدار ہو کر اُسی وقت حضرت قبلہ عالم قدس بترہ کی خدمت میں اپنا یہ خواب بیان کیا اور اُس لڑکی کے لیے دعائے مغفرت کروائی۔ مرحوم نے دوبارہ اُسی رات خواب میں آکر فضل الہی سے کہا کہ تمہارے پیر صاحب نے جس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت مجھ سے عذاب اٹھالیا تھا۔

اگلے روز خوشاب کی پولیس فضل الہی کی گرفتاری کے لیے گولڑہ شریف پہنچ گئی مگر سب انسپکٹر پولیس نے فضل الہی کی متواتر یہاں موجودگی اور اس خواب کے واقعہ کے متعلق شہادت قبلہ کر کے اسے گرفتار نہ کیا اور واپس جا کر قاتل کو گرفتار کر کے چالان کر دیا۔

دردِ دندان کا عجیب دم

جناب سید امام شاہ صاحب (مہر آباد تحصیل لودھراں) جو ایک جید عالم باعمل اور حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے خصوصی متوسلین سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے دردِ دندان کی سخت تکلیف ہوئی۔ علاج سے مایوس ہو کر گولڑہ شریف چلا آیا اور حضرت کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے دم فرمایا مگر افادہ نہ ہوا۔ دوبارہ شدت درد کی حالت میں حاضر ہوا اور دروہر سے لہجے میں کہا حضور ڈاڑھی پٹیراے۔ یعنی سخت درد ہے حضور نے مشفقانہ نظر فرما کر زبان مبارک سے یہی مذکورہ جملہ ڈاڑھی پٹیراے تین بار فرما کر دم کیا۔ مجھے اُسی وقت آرام آگیا۔ میں نے اس عجیب دم کی اجازت لے لی۔ اور اب یہ جملہ میرے معمولات سے ہے کہ جس کو تھکایت ہو دم کرتے ہی درد رفع ہو جاتا ہے۔

ایک ارادت مندی تین گذارشات

میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی سابق گورنر مغربی پاکستان کے عہد بزرگوار اور میاں محبوب علی صاحب گورمانی کے والد میاں شیخ احمد صاحب جو پنجاب کے مشہور اُمراء میں شمار ہوتے تھے بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو گذارش کی کہ حضرت میری تین آرزوئیں ہیں (ایک) میں بلوچ ہوں، میرا اعتقاد منجھتہ ہو جائے۔ (دوسری) نرینہ اولاد نہیں، خدا تعالیٰ فرزند عطا فرمائے اور (تیسری) میری موت آپ سے پہلے ہو کہ آپ کی وفات کا صدمہ نہ دیکھوں۔

حضرت نے فرمایا کیا بلوچ ہو کر بھی تمہارا اعتقاد منجھتہ نہیں؟ میاں صاحب کہتے تھے کہ یہ ارشاد آپ نے کچھ اس انداز میں فرمایا کہ اُسی وقت میرے دل میں جو خطرات اور وساوس تھے رفع ہو گئے اور عقیدت کا دریا موجزن ہو گیا اور ساتھ ہی دل کو تسلی ہو گئی کہ دوسری دونوں گذارشات بھی آپ کی توجہ سے پوری ہوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نرینہ اولاد بھی عطا فرمائی اور میاں صاحب کا انتقال بھی حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ سے بہت پہلے ہوا۔

نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ

مصورِ فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب اپنے اخبار منادی میں ایک سفر نامہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ جب میں نواب عبداللہ خان رئیس خان گڑھ (ضلع مظفر گڑھ) کی دعوت پر ان کے یہاں پہنچا تو وہاں اقامت کے دوران میں نے مشاہدہ کیا کہ رات گئے تک مصروفیات کے باوجود نواب صاحب موصوف سے نماز تہجد قضا نہ ہوئی خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ یہ حضرت قبلہ پر صاحب گولڑوی قدس سرفہ کی بین کرامت ہے کہ اس قسم کے مشاغل دنیاوی میں مصروف آدمی پابندی صلوٰات خمسہ کے ساتھ تہجد تک بھی قضا نہیں کرتا۔ یہ نواب صاحب حضرت قبلہ عالم قدس سرفہ کے مخلص مرید تھے۔ انہوں نے بیعت کے وقت عرس کیا تھا کہ دعا فرمائیے میری دنیا میرے دین پر غالب نہ آئے۔

راقم الحروف کے والد کی دستگیری

راقم الحروف کے والد جناب حافظ غلام محمد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ ایک بار میں علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان سے واپس گھر آ رہا تھا اور دیہاتی طریقہ کے مطابق دریائے سندھ کو مشک پر عبور کر رہا تھا کہ سامنے ایک بہت بڑا سانپ نظر آیا دوسری جانب رُخ کیا تو ایک بڑا تنگ آبی نمودار ہو کر حملہ آور ہوا۔ اس اثنائے میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا تصور آنکھوں میں پھر گیا۔ اچانک دیکھا کہ مجھے کسی نے اٹھا کر دریا کے کنارے پر کھڑا کر دیا ہے۔

زینہ اولاد کے زندہ رہنے کی دعا

والد مرحوم مجھے فرماتے تھے کہ ابتدا میں تیرے دو تین بھائی پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے تھے میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ سے دعا کے لیے عرض کیا۔ عام طور پر آپ اس سلسلہ میں اجوائن دم فرمایا کرتے تھے لیکن اُس وقت صرف دعا فرمائی جس کے کچھ عرصہ بعد تیری ولادت ہوئی اور خود راقم الحروف کے بھی ابتدا میں زینہ اولاد نہ تھی۔ والد مرحوم ایک بار گیارہویں شریف کی مجلس میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے واپس گھر جا کر فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی بارگاہ میں خدا سے فیض احمد کے لیے لڑکا مانگا آیا ہوں۔ والد صاحب تو اسی سال شوال ۱۳۶۶ء میں فوت ہو گئے مگر دعا سے پورے ایک سال بعد دوسری گیارہویں شریف کے ایام میں راقم الحروف کا عزیز مشاق احسنین پیدا ہوا۔ فالحمد للہ۔

ایک ارادت مند کی زینہ اولاد کی پیشگوئی

ملک غلام فرید صاحب ٹوانہ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کے والد ملک محمد خان صاحب مرحوم ۱۹۵۷ء میں ساہی وال (منگلہ ری) میں ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ پاک پن شریف جاتے ہوئے ان کے یہاں فروکش ہوئے۔ ان کی زینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اور چاند ہفتے پہلے ایک نوموؤد فرزند فوت ہو گیا تھا۔ مستورات کی گزارش پر دعا فرمائی۔ اور ملک غلام فرید صاحب کی والدہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ انشاء اللہ اس کے بعد جب تم میرے سامنے آؤ گی تو تمہاری گود میں ایک سمر دراز بیٹا ہو گا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ ملک محمد خان صاحب کی اپنی بیعت حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی کے ساتھ تھی ان کے فرزند حضرت کے مرید ہیں۔

ایک بے اولاد ارادت مند کے فرزند کا پیشگی نام بھی رکھوا دیا

ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب مہروی (شہیدان والی مضافات منڈی بہاؤ الدین) بیان کرتے ہیں کہ میرے والدین بے اولاد ہونے کی وجہ سے غمگین رہتے تھے حضرت کے پُرانے مرید تھے۔ ایک بار حاضر ہوئے تو ریلوے اسٹیشن سے بات کٹانوں میں بحث چلتی رہی کہ اولاد کے لیے کون عرض کرے دونوں شرابا ہے تھے جب حاضر ہوئے تو حضور قبلہ عالم قدس سترہ نے مسکرا کر اتود دریا فرمایا کہ تم دونوں آپس میں کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟ اور پھر فرمایا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں اللہ تعالیٰ فرزند عطا فرمائے گا، غلام غوث نام رکھنا۔ میری پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے والد صاحب نے حضور قبلہ عالم قدس سترہ کو اور اپنے والد کو جو حضرت پیر

فضل الدین صاحب کے مُرد تھے، خواب میں دیکھا اور ایک بچہ اُن سے لیا جس کا ایک کان قدر سے ٹیڑھا تھا اور اُس کے پیٹ پر خارِ میلاں کی طرح ایک مسہ تھا۔ صبح اُٹھ کر والد صاحب نے اس خواب کا اعلان کر دیا جب میں پیدا ہوا تو لوگ آکر یہ دونوں نشانات میرے جسم پر دیکھتے اور حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی کرامت کا چرچا کرتے تھے۔ یہ دونوں نشان اب بھی موجود ہیں۔

ایک سادہ دل پٹھان کے اخلاص کی برومندی

ایک پٹھان اور اُس کی بیوی آپ کی بیماری کے ایام میں حاضر ہوئے اور دروازہ کی دہلیز میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد بیوی نے خاوند سے کہا: پیر سے کہہ ناں دُعا کرے خدا ہم کو اولاد دے۔ پٹھان نے جھٹک کر کہا: چپ رہ! دیکھتی نہیں پر کتنی تکلیف میں ہے اور تو کہتی ہے اولاد کے لیے کہہ: اُس وقت کمرہ میں مولوی محبوب عالم صاحب اور سائیں نجت جمال صاحب قوال موجود تھے۔ حضورؐ نے اپنی نجیف آوازیں فرمایا: محبوب! اس سنگی (رفیق) کو اندر بلا لو میری اس لمبی بیماری میں شخص اپنے لیے ہی دُعا کروا تا رہا ہے۔ آج میری تکلیف کا صرف اس شخص کو رنج پہنچا ہے۔ پھر اجوائن دم کر کے دی اور دُعا فرمائی۔ اگلے برس یہ میاں بیوی اپنے نوزائیدہ فرزند کو لے کر حاضر ہوئے تو سائیں نجت جمال کہتے ہیں کہ اُس وقت بھی اتفاق سے میں اور جناب مولوی محبوب عالم صاحب ہی حضرت کے کمرہ میں حاضر تھے۔

ملک پنڈیا خان کی بے تکلفی

بے اولادوں کے حق میں حضرت کی اس اجوائن کے اکسیر ہونے کی اس قدر شہرت تھی کہ ایک مرتبہ آپ قیلو کہ فرما رہے تھے اور ملک پنڈیا خان صاحب زمیندار حسن ابدال پاس فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ کمرہ کے باہر بچوں نے شور مچا رکھا تھا جنہیں ملک صاحب بار بار جاکر منع کرتے تھے۔ ایک بار حضرت نے بے چین ہو کر فرمایا کہ ملک! یہ کیسا شور ہے؟ تو پنڈیا خان نے جنہیں بچپن کی دوستی اور انتہائی اخلاص نے بے تکلف بنا رکھا تھا کہا: جوان ایہہ تینڈی جو ان پی چکیدی اے۔ یعنی یہ آپ کی اجوائن نے شور مچا رکھا۔

ایک مخلص کی ترقی درجات کے لیے خاص تصرف

چودھری اورنگ زیب خان صاحب پشتر ڈپٹی کمشنر (چکوال) نائب تحصیلداری کی حالت میں حاضر ہوئے بارگلا کی پہاڑیوں سے کالی گٹا آ رہی تھی اور سنگر کا بھوسہ باہر پڑا تھا چودھری صاحب نے منہ پر صاف لپیٹ کر حُتّام دربار کے ساتھ بھوسہ کی گھڑیاں اٹھا اٹھا کر کوٹھڑی میں ڈالنا شروع کیں اور بارشس سے پہلے انہیں محفوظ کر لیا۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی نے اس واقعہ کا ذکر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں کچھ اس انداز سے فرمایا کہ حضورؐ کے دست مبارک دُعا کے لیے اُٹھ گئے چپن روز بعد مٹو بانی گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ جو نائب تحصیلدار گریجویٹ ہیں اُن کے نام براہ راست اکسٹرنل کمشنری کے لیے بھیج دیئے جائیں۔ چودھری صاحب اس اسکیم میں براہ راست امی۔ اے۔ سی۔ اے۔ لیے گئے۔ اور پھر اگلے ہی سال یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ گویا یہ تصرف محض انہیں کے لیے بروئے کار آیا تھا۔

چودھری صاحب نے فوراً ملازمت جس فرض شناسی اور دیانت سے کام کیا وہ ضرب المثل ہے ان کا بیان ہے کہ اس دیانت و صداقت کی وجہ سے کئی بار سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا مگر شکل میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے خوب یا باری میں میری حوصلہ افزائی فرما کر حق پر ثابت قدم رہنے میں مدد فرمائی۔ (فیض)

ایک نیازمند کو ترقی درجات کی بشارت

ملک محمد خدابخش توانہ کو جو ان دنوں سب انسپکٹر پولیس تھے ایک روز فرمایا: "قرب آؤ اب تم کیا ہو؟" عرض کیا: "انسپکٹر پولیس ہوں۔" فرمایا: "وہ کیا ہوتا ہے؟" تھا نیدارہ اور مسکرا کر فرمایا: "اس سے اوپر کیا ہوتا ہے؟" عرض کیا: "انسپکٹر ہوتا ہے؟" فرمایا: "اُس سے اوپر؟" عرض کیا: "سپرٹنڈنٹ پولیس۔" مجلس سے بہتر ملک صاحب نے اعلان کر دیا کہ آج مجھے اپنے میر صاحب کے دربار سے یہ سارے درجات ملنا کئے گئے ہیں بخت پنجہ سپرٹنڈنٹ پولیس ہو کر رہنا رہے۔

حل مشکلات اور دفع بلیات

یہی نیازمند یعنی ملک صاحب ۱۹۳۲ء میں تھانہ گوجران میں افسر نچارج تھے بستی بلیاں کی ایک دھوکہ پر سپاہیوں کی حراست سے ایک موزم فرار ہو گیا۔ چونکہ یہ خود بھی اُس رات اُسی بستی میں مقیم تھے لہذا قواعد پولیس کی رو سے موزم کی عدم گرفتاری کی صورت میں انہیں فوراً معطل ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑا کر دُعا مانگی اور حضرت کے دو خورد سال پوتوں کا واسطہ دیا۔

دُعا کے خاتمہ پر یوں محسوس ہوا گویا براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے دل میں تسبی اور طمانیت ڈال دی گئی ہے اور میری اپنی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری کر دیئے گئے کہ "انشاء اللہ پکڑا جائے گا۔" اس میں مقرر موزم اس علاقہ کی نادانیت کی وجہ سے کئی میلوں کا پکڑ کاٹ کر خود بخود وہیں واپس آگیا اور گرفتار کر لیا گیا۔

ایک مسموم مُرد کو خواب میں فرمایا کہ فوراً گولڑے چلے آؤ

لالہ عبدالکریم صاحب سوداگر (پشاور) کو زہر دیا گیا۔ خواب میں فرمایا فوراً گولڑے چلے آؤ۔ وہ اُسی وقت اٹھ کر ریل گاڑی سے گولڑہ روانہ ہوئے۔ حضرت نے دو خادم سواری دے کر اسٹیشن پر روانہ فرمائے جو انہیں آکر رکے آئے۔ دم کیا اور دُعا فرمائی اور فرمایا: "جس لوگ نے زہر دیا ہے اُس کی تجیز و تکفین تمہارے ہاتھوں سے ہوگی۔" چنانچہ لالہ صاحب نے اُسے ملازمت سے علیحدہ نہ کیا اور بہت عرصہ بعد جب وہ مرا تو اُس کی اچھی طرح تجیز و تکفین کی۔

ریل گاڑی کے سامنے سے اٹھا کر بچا لیا

جامع مسجد راولپنڈی کے مشہور خطیب اور سیاسی اور مذہبی لیڈر مولانا صاحب قسوری بیان کرتے تھے کہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر جب میں گھر آیا تو اپنے شہر کے رئیس نواب دہ فتح باز خان صاحب قسوری کے ہمراہ گولڑہ شہریت حاضر ہو کر بیعت کی۔ واپسی پر ریلوے اسٹیشن گولڑہ سے باہر مسجد میں ظہر کی نماز کے لیے وضو کر کے نواب زادہ صاحب کے لیے فاتحہ پڑھ کر لے جا رہا تھا۔ سامنے ایک تھوگہ نے والی مال گاڑی آکر ہی تھی میں اُسے دُعا سمجھ کر لائن پار کرنے لگا تو بگنل کی آواز سے اُلجھ کر میں لائن کے درمیان گر پڑا۔ انھن اس قدر قریب آگیا تھا کہ میرا ٹھکانہ نہ تھا۔ لیکن تھپٹ فارم پر پہنچا اور دُعا

مسافروں کی ہائے ہائے کی آوازیں گونج اٹھیں۔ اچانک ایک ہاتھ میری گردن کے پیچھے اور ایک ٹانگوں کے نیچے پڑا اور کسی نے مجھے اٹھا کر لائن سے باہر پھینک دیا اور ایک آواز آئی جو بالکل حضرت کی طرح تھی کہ ہا۔ ایسی غلطی۔ چنانچہ ہم لوگ سفر ملتوی کر کے واپس گئے اور قد مبوس ہوئے۔

صاحبزادی صاحبہ کے کنوئیں میں گرنے کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت کی چھوٹی صاحبزادی صاحبہ حرم سرائے کے اندر والے کنوئیں میں گر پڑیں۔ کنواں کافی گہرا تھا۔ اور اس میں پانی بھی تیز آدم سے بہت زیادہ تھا۔ بی بیان، مہمان عورتیں اور خادمائیں الہی خیر الہی خیر کا غل جھپاتی ہوئی کنا سے پر جمع ہو گئیں۔ بالوجہ صاحب گھر پر نہیں تھے حضرت کے بھانجے سید چن پر شاہ صاحب کو پیغام بھجوایا گیا۔ کسی کو اُمید نہ تھی کہ صاحبزادی اتنی بلندی سے گھر سے پانی میں گر کر زندہ بھی رہ جائیں گی اتنے میں کسی بی بی کی نظر مکان کی طرف گئی تو دیکھیا کہ صاحبزادی پانی میں شرابور بھاگ کر جا رہی ہیں۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ حضرت صاحب نے ہاتھ سے پکڑ کر تھام لیا تھا اور نکال کر باہر کھڑا کر دیا اس وقت ڈیوڑھی پر فقیر عبد اللہ صاحب پہنچ گئے اور کہا کہ حضرت نے خیریت دریافت فرمائی ہے۔

آپ اُس روز نماز عصر کے بعد حسب معمول سواری کے لیے کمرہ سے باہر تشریف لائے تھے مگر سوار ہونے کی بجائے واپس مسجد میں چلے گئے۔ اور فقیر عبد اللہ صاحب سے فرمایا کہ پار جاؤ اور خیریت پوچھ آؤ۔ (دربار اور حرم سر کے درمیان ایک پہاڑی ندی پڑتی ہے اس لیے پار فرمایا) اس دربار کے متعلق ایسے کئی محیر العقول واقعات کا بچہ بچہ گواہ ہے لیکن ان کی تاریخ مرتب کرنے اور محفوظ رکھنے کا یہاں دستور نہیں بلکہ اسے پسند ہی نہیں کیا جاتا۔

شفاعت کے مسئلہ کا حل

ضلع مظفر گڑھ کے خان بہادر غلام رسول خان صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے مخلص مرید تھے وہ اُن دنوں (غالباً ۲۷-۱۹۲۶ء میں) ضلع جھنگ میں تعینات تھے، اُن ایام میں حضرت کی سیال شریف سے واپسی پر سرگودھا حاضر ہوئے اور جھنگ تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے بعض مصروفیات کی وجہ سے انکار فرمایا اور جہان کے بار بار سر پر بھی راضی نہ ہوئے تو خان بہادر صاحب نے جوش میں آکر اپنی بولی میں کہا۔ ا وہ مردا! میں دیکھساں تُوں کنوئیں نہ جاسیں میں تیری گڈی اگے سر رکھ کے مرجاساں۔ سچے اور مخلص لوگوں کا کلام تہ دل سے نکلتا ہے۔ چنانچہ آپ نے جھنگ جانے کا ارادہ فرمایا۔ گاڑی میں اتفاقاً آپ ایک مسئلہ تصوف کی تشریح فرما رہے تھے اور سرگودھا کے کئی مخلصین ملک عمر حیات خان صاحب ٹوانہ وغیرہ آپ کے ڈبے میں بیٹھے تھے۔ گاڑی چل پڑی اور کسی کو اترنے کا خیال نہ رہا۔ اور یہ تمام لوگ بغیر ٹکٹ آپ کی تقریر سنستے ہوئے ساتھ ہی چلے گئے۔ تقریر جاری رہی اور گاڑی چلتی رہی۔ جتنی کہ جھنگ کا اسٹیشن آگیا۔ اُس وقت یہ حضرات سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس منصب کے لوگوں کے لیے بلا ٹکٹ پکڑے جانے کی ندامت قابل برداشت نہ تھی۔ اتنے میں پلیٹ فارم پر لوگوں کا اثر دھام دیکھ کر اسٹیشن ماسٹر نے بلند آوازیں کہہ دیا کہ گیٹ کھول دو، جس کے پاس ٹکٹ ہے وہ دے جائے۔ مزید کسی سے پڑتاں نہ کی جائے۔ یہ سن کر اسٹیشن سے باہر لوگوں کا منتظر جھوم بھی اندر داخل ہو گیا اور اس جھوم کے اندر ان بلا ٹکٹ معتبرین کی پردہ پوشی ہو گئی۔ اسٹیشن سے باہر نکلنے پر ملک عمر حیات صاحب کے مصاحب میاں مردان علی صاحب قریشی ایڈووکیٹ نے بلند آوازیں کہنا۔ لوگو! آج شفاعت کا

مسئلہ ہو گیا۔ دیکھو ہم لوگ سرگودھا سے حضرت کی تقریر سننے میں ایسے موبہوت کے باعث جھٹک پہنچ گئے۔ اور یہاں سخت پریشان تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت کی طفیل ہمیں شرمندگی سے بچا لیا۔

مخلصین کو حضرت غوث پاک کی زیارت کروادی

یہی خان بہادر غلام رسول خان ایک بار گولڑہ شریف حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں بغداد شریف ہائے کالہ رکھتا ہوں آپ نے فرمایا بغداد والوں کی مہربانی ہو تو یہاں بھی زیارت ہو سکتی ہے۔ خان صاحب یہ سن کر رو پڑے۔ اور اسی وقت عیناً مشورہ سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شیخ الجامعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ ایک بار میں گولڑہ شریف حاضر ہوا حضرت سجد میں تنہا تشریف رکھتے تھے۔ اشراق کا وقت تھا میں نے قدمبوس ہو کر عرض کیا کہ حضور! میں گیارہویں شریف دیا کرتا تھا کچھ عرصہ سے توفیق نہیں ہوتی۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خیر ہوگی۔ اتنے میں ایک آہٹ ہوئی۔ اور ایک نورانی صورت بزرگ وہاں تشریف فرما نظر آئے۔ مجھ پر ایک بے حس سی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر یہ عالم رہا اور پھر وہ بزرگ آنکھوں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرت کی کرم گستری تھی جس کی بدولت حضور غوث الاعظم کی زیارت نصیب ہو گئی اور آئندہ گیارہویں شریف بھی جاری ہو گئی۔

لالہ عبدالحکیم سیٹھی صاحب کو آپ کی خدمت میں جنات نظر آئے

حضرت بعض اوقات شام کے بعد باہر تشریف لے جاتے اور کچھ دیر شغل اور ذکر میں مصروف رہتے۔ پھر کا ایک خادم بھی وضو کے لیے پانی کا آفتاب لے کر ساتھ رہتا۔ ایک دفعہ پشاور کے لالہ عبدالحکیم سیٹھی صاحب باصرہ خادم سے کوزہ لے کر ساتھ ہو لیے۔ حضرت نے سیٹھ صاحب کو ایک جگہ بٹھا دیا اور خود کچھ فاصلے پر حسب معمول اپنے شغل میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دیر بعد سیٹھ صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت کے ارد گرد ایک عجیب الخلق مخلوقات کا اڑدھام ہے۔ یہ جو اس باختم ہو کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئے۔ جب حضرت نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو حاضرین کو جو کہ جنات تھے رخصت فرما دیا اور پھر سیٹھ صاحب کو بلا لیا۔ مگر ڈر کے مارے ان کی زبان بند ہو گئی تھی۔ حضرت نے تنہا کر فرمایا کہ لالہ اب تو وہ چلے گئے ہیں۔ اب تو آنکھیں کھولو۔ تب وہ اٹھے اور پھر کبھی ساتھ جانے کی جرات نہ کی۔

کڑوا کنواں میٹھا ہو گیا

جناب سید صدیق شاہ صاحب (ماگدوال تحصیل غوث شاہ) نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ گاؤں میں بہت سا پیر خیرج کر کے کنواں کھدوایا گیا جس کا پانی سخت کڑوا نکلا ہے۔ پانی کی بڑی تکلیف ہے۔ بہت دور ایک پہاڑی چشمہ سے پانی لاتے ہیں حضرت نے کچھ پانی دم کر کے دیا جس کے ڈالنے سے کنواں میٹھا ہو گیا اور آج تک استعمال ہو رہا ہے۔

خود لنگر کے کنوئیں میں پانی نہ تم ہو گیا تھا۔ کنواری پر پتھر پتھر نکلتے تھے۔ جب مستری نے بالوسی کا اظہار کیا تو دعا فرمائی۔ اگلی صبح مزید کھدائی کے بغیر پانی بھر آیا اور آج تک خشک نہیں ہوا۔

ایک مُرد کو اٹھارہ بیس سال پہلے زمین ملنے کی بشارت

میاں محمد سعید صاحب قریشی دارونہ حیل (تحصیل خوشاب) حاضر ہوئے۔ حضرت کے عالم استغراق کا زمانہ تھا تاہم کچھ دیر خاموش بیٹھ کر اُٹھ جاتے تھے۔ حضورؐ نے اچانک مولوی محبوب عالم صاحب سے پوچھا کہ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے۔ تعارف کرانے پر فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ اسے کچھ زمین ملی ہے جس سے پانی نکل رہا ہے۔ قریشی صاحب کہتے ہیں میں نے خیال کیا کہ میری تھل کی چند کنال زمین سے پانی نکلنے کا کیا سوال ہے۔ اس پر حضرتؐ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں تمہیں بہت سی زمین ملی ہے جس کے اندر سے پانی اُپر کو نکل رہا ہے۔ اس فرمان کے اٹھارہ بیس سال بعد پاکستان میں ریٹائر ہوئے پر مجھے ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ٹیوب ویل یکم میں سات مرتبوں کے قریب اراضی حاصل ہوئی جو اب میری ملکیت ہے اور اس کے اندر سے واقعی پانی نکل رہا ہے۔

ایک زبان بند لڑکے کی فوری گویائی

پشاور میں حضرت کے سامنے ایک چودہ سالہ لڑکا پیش ہوا جس کے لہنے عرض کیا کہ آج چھ مہینے ہوئے یہ ایک ڈامی میں بکریاں چرانے گیا تھا۔ واپس آیا تو زبان بند تھی، آج تک بات نہیں کر سکا۔ حضرتؐ نے لڑکے سے فرمایا: لڑکے کیا تمہارا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ اُس نے فوراً جواب دیا کہ جی ہاں میرا باپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ فرمایا: اب بات کیا کرنا؟ اس کے بعد اُس کی حالت درست ہو گئی۔

تالیفِ قلوب کا وظیفہ

جناب پیر ولایت شاہ صاحب نوشہروی نے اپنے قصبہ (نوشہرہ تحصیل خوشاب) کے حاجی محمد اولیازگر کو شاہ پور کے مقام پر پیش کر کے عرض کیا کہ اسے اپنے چند دشمن رشتہ داروں سے قتل کا سخت اندیشہ ہے۔ فرمایا سورۃ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ گیارہ مرتبہ، اول آخر بائیس مرتبہ درود شریف بائیس روز پڑھے۔ اس عمل کے چودھویں روز دشمن فریق وفد لے کر صلح کرنے آئے۔ اور حاجی صاحب کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا رشتہ کر دیا۔

لوٹے ہوئے رشتے جو ردینا

سید احمد شاہ صاحب (پنڈ پراچہ داخلی جھنگلی سیداں) بیان کرتے ہیں کہ میرے خسر نے اپنی لڑکی کی نسبت مجھ سے توڑ کر ایک فوجی صوبیدار کے ساتھ کر دی تھی۔ اس پر ہمارے گاؤں کے امام مسجد جو حضرت قبلہ عالم گولڑہ شریف قدس سرہ کے مُرد تھے انھوں نے ظاہر کرنے کے لیے آئے اور والد صاحب سے کہنے لگے: احمد شاہ کو میرے ساتھ گولڑہ شریف بھیجو۔ اگر حضرت متوجہ ہو گئے تو سمجھو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہمارا خاندان شیعہ عقائد اختیار کر چکا تھا۔ اور اس سے پہلے حضرت کے ساتھ کوئی راہ و رسم نہ تھی مگر والد صاحب نے مجھے مولوی صاحب کے ساتھ بھیج دیا حضرت قبلہ عالم قدس سرہ مولوی صاحب سے واقعات سُن کر خاموش رہے اور ہم دونوں نے خیمہ سال کیا کہ آپ متوجہ نہیں ہوئے جب مجلس پر خاست ہوئی اور سب لوگ باہر جانے لگے تو حضرتؐ نے مجھے روک لیا، اپنے دست مبارک سے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور فرمایا اسے پن لو ہم عصر کے قریب گاؤں میں

واپس آئے ہشام کے وقت معلوم ہوا کہ میرے فرسٹ اور ٹو بیڈ کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے کچھ دیر بعد ایک عرب نے آکر کہا کہ جلدی کرو مگنی کے واپس کیے جوسے زوردار کپڑے لے پلو ٹو بیڈ کو جواب مل گیا ہے: چنانچہ عثمان کے قریب وہاں مگنی کی گئی اور چند روز بعد شاہی ہو گئی۔ اس واقعے بعد اگلی ہی صبح میں امیر والد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور اس طرح بزرگوں کے صحیح مسلک کا ثواب ہوا رشتہ بھی خراب ہو گیا۔

ایک ناکر کی حکما واپسی کی حکمت

حافظ علامہ حسین صاحب (علاقہ روات) بیان کرتے تھے کہ میں ایک فخرچوہہ پندرہ سال کا سفر پیدل طے کر کے شام کے بعد گڑھ شریف پہنچ کر قذووس ہوا تو حضرت نے دُعا فرما کر ارشاد کیا کہ حافظ صاحب آپ کو اجازت ہے ابھی واپس چلے جائیے: میں میرا ان ہو کر اسی طرح پیدل واپس چل پڑا آدھی رات کے وقت راستے میں گھر سے ایک آدمی آتا ہوا ملا جو میرے لیے یہ پیغام لارہا تھا کہ والد قریب لگے ہیں۔ چنانچہ میرے گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بابو جی مدظلہ العالی کے ایک ارادت مند محمد اقبال صاحب سکندر آبادیہ کے ساتھ پیش آیا۔ وہ آپ کے ساتھ کراچی گئے تھے یہاں اگلے ہی روز حضرت بابو جی صاحب نے لہر کر کے واپس بھیج دیا ان کے واپس پہنچتے ہی اُن کے والد نے وفات پائی۔

اپنا بچا ہوا پانی پلا کر نمازی بنا دیا

ملک خدا بخش صاحب ٹوانہ کا بیان ہے کہ انگریزی تعلیم اور انگریزوں کی ملازمت کا مجھ پر یہ اثر ہو گیا تھا کہ نماز کی پابندی بالکل جاتی رہی۔ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے پینے کے لیے پانی منگوایا، دو گھونٹ خود نوش فرما کر باقی مجھے پلا دیا۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ پھر نماز کبھی نہیں چھوٹی۔

الغرض بے نماز، بے عمل اور بے ریش فیشن زدگان کے حق میں آپ نوش کردہ اور پس خوردہ تریاق اور دامن الفت کا کام دیتے تھے، نظر مبارک و عطا کنتی تھی اور محبت اپنا کراہ راست پر لے آتی کبھی شادی زبان مبارک سے یہ فرمانے کی ضرورت پیش آئی کہ ایسا کیوں کرتے ہو اور ایسا کیوں نہیں کرتے۔ جو شخص قریب آیا اور کچھ دقت قریب رہا۔ جس نے بیعت کی اور پھر گاہے گاہے خدمت میں حاضر ہوتا رہا وہ اسی رنگ میں رنگا گیا۔ اخلاص، محبت، استغنا اور دل کی تونجری میں وہ اثر تھا کہ جس نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا مٹا کر بوسے بغیر نہ رکھا، بعد آپ کی مجلس میں پہنچ کر خدا یاد آتا تھا اور دنیا بھول جاتی تھی۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کامل کے نشان گنوا کر فرماتے ہیں۔ اے مُرد اگر تجھے ان نشانات کی شناخت میں وقت واقع ہو تو سن لے کہ جس شخص کے حضور میں پہنچ کر تجھے دنیا کا خیال بھول جائے اور خدا یاد آنے لگے وہی کامل ہے حضرت شیخ کے اس ارشاد کا ناخند وہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو مقبولانِ خدا کی شان میں فرمایا کہ اذارد ذکر اللہ (جب ان پر نظر پڑتی ہے خدا یاد آتا ہے) حضرت کی مجلس میں پہنچ کر مشنوی شریف کے اس شعر کا مفہوم دل پر نقش ہو جاتا تھا۔

ایک زمانہ صحت با اولیہ

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

نجیب الطرفین سیادت کا امتحان

کہوڑ پکا ضلع ملتان کے فقیر دوست ذیلدار ملک پرنجیش خان صاحب کا بنجو اُچ شریف کے آستانہ سے متعلق تھے بیان کرتے تھے کہ ہم اُچ شریف کے سادات کے مُریدوں میں مدت سے دوسرے مشائخ کے دعویٰ سیادت کی تحقیق کا ضبط چلا آ رہا تھا۔ جب حضرت قبلہ عالم پیر صاحب گوڑہ شریف قدس سرہ کی شہرت ہمارے وطن میں پہنچی تو ایک بار حضرت مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت موسیٰ پاک شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملتان شریف نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ جناب پیر صاحب گوڑوی رزاقی گیلانی سید ہیں۔ پھر میرے اپنے شیخ حضرت مخدوم اللہ بخش صاحب گیلانی ایک مرتبہ گوڑہ شریف گئے اور واپسی پر حضرت پیر صاحب کے کمالات کا تذکرہ فرماتے رہے۔ چنانچہ آپ کی سیادت کے بارے میں تسلی ہونے کے بعد مجھے اپنے بزرگوں کی اس کہاوت کو آپ پر آزمانے کا خیال پیدا ہوا کہ صحیح النسب اور نجیب الطرفین سید کی پشت پر درود شریف پڑھ کر پھونک دیا جائے تو وہ مُنہ پھیرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک بار اطلاع ملی کہ پیر صاحب پاک پتن شریف کے عرس پر آئے ہوئے ہیں میں کہوڑ سے ریل پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گیا اور گوشہ کشش کر کے ظہر کی نماز کے وقت آپ سے کھلی صف میں جگہ لے لی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر چلے تو اس حجم غفیر میں آہستہ سے درود شریف پڑھ کر آپ کی پشت مبارک پر پھونک دیا۔ جس کے ساتھ ہی آپ مُڑ کر کھڑے ہو گئے اور غور سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے شرمندہ اور خوفزدہ ہو کر گردن ٹھکادی اور سلام کے لیے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک آپ پھر چل نہ پڑے۔ اسی شرم اور رعب کی وجہ سے میں حاضر نہ ہوا اور پہلی گاڑی سے واپس آ گیا۔

مایوس اور جاں بلب مرضیوں کا احیاء

ملوک کے تمام تذکرے اولیائے کاملین سے احیائے موتی کے تصرف کو روار کھتے ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء اللہ علیہم السلام کے معجزات میں تو ایسے لوگ زندہ ہوتے رہے ہیں جن کی موت پر ایک زمانہ گزر چکا ہوتا تھا۔ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی کرامات سے تازہ مرنے والے یا عالم نزع کے مرضی باذن اللہ جی اُٹھتے رہے ہیں۔ اس صنف میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی بعض کرامات کو مستثنیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت کی برکت سے مایوس مرضیوں کے شفا یاب ہونے کے تو بے شمار واقعات رُونا ہوتے ہیں لیکن نزع کے عالم میں جب کہ موت کے فرشتے بھی نظر آنے لگ گئے تھے زندگی پالینے کے بعض صدقہ واقعات کی بھی خبر ملتی ہے جن میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں :-

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب کا واقعہ

خان بہادر مولوی شیر محمد صاحب لاہوری کی موت اور سوال و جواب کے بعد زندہ ہوجانے کا واقعہ جو باب جذب سیاحت میں مذکور ہوا ہے، اگرچہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی سلاک میں آتا ہے لیکن بوجہ اُن کے حضرت کے ایک مقبول مُرید اور دیرینہ خادم ہونے کے یہ آنجناب کی دُعا اور توجہ ہی کا ثمرہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کے تمام تصرفات اور کرامات کا مدار اور مرکز اور معدن وہی ذات کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تو ہے جس کے (صلی اللہ علیہ وسلم) معجزات خود اللہ تعالیٰ

کے افعال شمار کیے جاتے ہیں۔

حافظ نور محمد صاحب قوال کو نئی زندگی ملنے کا واقعہ

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ حضرت کے قبول قوال حافظ نور محمد کی نئی زندگی پانے کا ہے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے وصال کے دو برس بعد حافظ صاحب اپنے گاؤں لاہ اضعلے میانوالی میں ڈیل ٹوئیہ میں مبتلا ہوئے اور ڈاکٹر نے مائوسی کا اظہار کر دیا۔ ان کا بیٹا خادم حسین باپ کا سر گود میں لیے بیٹھا تھا کچھلی رات سخت بے چینی اور کرب کی حالت میں مریض پر غنودگی طاری ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اچانک یہ شعر گنگانے لگے۔

آتش شوقِ بستاں در دلِ جانم باقی ست

اے اجل بخش کہ بایارِ بیانم باقی ست

یعنی مجازی محبت کی آگ ابھی میرے دل و جان میں موجود ہے۔ اے اجل رک جا کر مجھے اپنے دست سے کچھ کہنا ہے۔ بیٹے نے متعجب ہو کر سبب دریافت کیا تو کہا: ابھی حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تھے۔ فرمایا: حافظ آنا چاہتے ہو یا ابھی رہنے کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا خادم اور عبد الرحمن کا بیاہ کر چکا ہوں گرفتِ بد کے بیاہنے کی حسرت باقی ہے۔ فرمایا یہ شعر پڑھو۔ اور جب میں نے پڑھا تو آنکھ کھل گئی۔ جب صبح ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو دونوں پھیپھڑے صاف تھے۔ حافظ سات برس اور زندہ رہا۔ اور اپنے تیسرے بیٹے غلام سدید کے دو بچے دیکھ کر فوت ہوا۔

پشاور میں مریضہ کو گولڑہ شریف سے دم شفا

میاں فضل الہی صاحب سیٹھی (پشاور) کی اہلیہ بیمار ہو کر لا علاج قرار دی گئیں۔ ہزار مارو پے صرف ہوئے۔ ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھایا گیا۔ اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ زندگی کی کوئی امید نہیں۔ حضرت بابو جی مدظلہ العالی کو خط لکھا کہ مریضہ کو گولڑہ شریف لارہا ہوں تاکہ اُسے اسی خاکِ پاک کی قبر نصیب ہو۔ حضرت نے خط سن کر فرمایا: فضل الہی کو تار دے کر منع کرو۔ پھر فرمایا: شاید تار دیر سے پہنچے۔ فقیر عبد اللہ صاحب کو روانہ فرما کر ہدایت کی کہ مریضہ کی چار پانی اپنے ماموں کریم بخش صاحب سیٹھی مرحوم کے گھر اُس کمرہ میں جہاں حضرت پشاور جانے پر قیام فرمایا کرتے تھے نو سے ساڑھے نو بجے صبح اور نو سے ساڑھے نو بجے شام رکھ دیا کریں آپ یہیں سے دم کر دیا کریں گے۔ چند روز ایسا ہی کیا گیا اور مریضہ کلی طور پر شفا یاب ہو گئی۔ میاں فضل الہی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز گھر میں پر ساڑھے نو بجے، تو میں نے مریضہ کو جو غنودگی کے عالم میں تھی ہاتھ سے چھو کر کہا کہ وقت ہو گیا ہے اب چلیں۔ تو اُس نے کہا کہ اس وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ میرے پاس بیٹھے ہوئے دم فرما رہے تھے آپ نے ناحق مجھے جگا دیا۔

جاں طلب مریض کا شفا پانا

ملکِ قندھار صمدانی صاحب ٹوانہ ایک مُہلک مرض میں مبتلا ہوئے جس میں حلق اور ناک سے بے تحاشا خون جاری ہو گیا۔ اپنے گاؤں سے یوہ پیتال لاہور پہنچائے گئے۔ جہاں میسٹر کل افسر نے لا علاج قرار دیا۔ ان کے عزیز کپستان ملک

محمد صادق صاحب ان امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر کو دیا لے گئے۔ اُس نے کہا حالت خطرناک ہے مرض کو میرے کلینک میں لے چلو۔ خون کثرت سے بہہ رہا تھا اور انتہائی ضعیف کی حالت تھی لیکن اچانک مریض نے آنکھیں کھول دیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، کمرہ کے دروازہ کی طرف دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر سلام کیا۔ پھر ایک مجھ جی لے کر اُٹھ بیٹھے۔ خون اُسی لمحے بند ہو گیا۔ اور ضعیف اس حد تک جا تا رہا کہ باتیں کرنے لگے۔ کہا۔ میرا معالج پہنچ گیا ہے۔ اب کسی اور علاج کی ضرورت نہیں۔ اور بیان کیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ تشریف لائے تھے۔ دروازہ میں کھڑے ہو کر دریافت فرمایا۔ اوسے! تمہاں کے ہو گیا؟ (تمہیں کیا ہو گیا ہے؟) میں نے سلام کیا تو ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی اور ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ گویا کہ رہے ہیں کہ یہاں سے چلے چلو۔ اور پھر میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ حضرت کے وصال سے تیس برس بعد ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے۔

نزع کے عالم میں اچھا کا ایک کتابی واقعہ

ملک غلام صدیقی کے عم زاد بھائی ملک محمد خدابخش صاحب ٹوانہ نے رسالہ نور اسلام شرق پور شریف میں حضرت کی اس طرح کی کرامت کا ایک برخود آزمودہ واقعہ اس طرح رستم کیا ہے:-

۱۹۷۳ء میں میری اہلیہ ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو کر لیڈی ارون ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں داخل ہوئی اور ایک ہفتہ کے اندر مایوسانہ حالت کو پہنچ گئی۔ سردی کا موسم تھا۔ اُس کی والدہ چار بجے رات گھر آئیں اور کہا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ آخری وقت ہے بچوں کو لے چلو۔ انہیں دیکھنے کی حسرت دل میں نہ لے جائے۔ جب میں پہنچا تو اُس پر نزع کی سی کیفیت تھی۔ تین چھوٹے بچے مجھ سے پہلے پہنچ کر بستر سے لگے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے میرا مرنہ گولڑہ شریف کی طرف تھا۔ حضرت کا تصور آیا اور میں نے کہا: اللہ! ہم تیرے ولی کے دامن گرفتہ ہیں، اُس کا صدقہ رحم فرما! کوئی دمنٹ بعد مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے پہچانا اور اشارہ سے قریب بلا کر نحیف آواز میں کہا: مجھے ابھی اپنے پر کی زیارت ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ تم اس مرض سے نہیں مرو گی، زیادہ بات نہیں کر سکتی پھر بتاؤں گی: بعد میں بتایا کہ دو شخص آئے اور مجھے اپنی گرفت میں لے لیا جس سے بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ رات نے میں دیکھا کہ حضرت صاحب سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے اُن دونوں سے کہا کہ اگر مجھ سے کوئی نیکی اپنی عمر میں ہوئی ہے تو اُس کے بدلے اپنے پر سے بات کر لینے دو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے حضرت کا دامن پکڑ لیا اور کہا میں آپ کی مُرید ہوں، میری مدد فرمائیے۔ حضرت صاحب اُس وقت مغموم معلوم ہوتے تھے اور خاموش رہے۔ مگر اُن میں سے ایک شخص نے کہا: دیکھو تمہارے مُرشد کو تم لوگوں کی وجہ سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ جاؤ اور ہوش کرو تم اس بیماری میں نہیں مرو گی:-

حضرت کے وصال کو اُس وقت پانچ برس ہو چکے تھے۔ مجھے آپ کے اس غم و غزن کی بات سے اُس شفقت بے پایاں کے پے درپے واقعات یاد آنے لگے جو آپ اپنے ملنے والوں کے حال پر فرماتے تھے۔ کسی ایک شخص کی نصیحت پر مطلع ہوتے تو بار بار آہ سرد مرنے سے نکل جاتی۔ وہ شفقت اور رحمت جو آپ کو عزیز علیہ مَا عَنِتُّمْ حَرِیصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ کے موصوف صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثے میں ملی تھی جن کی شان ہے کہ

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری بہ ہر مہزاراں سیہ کار داری
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلَ مُحَمَّدٍ
 بِقَدْرِ رَحْمَتِهِمْ وَشَفَقَتِهِمْ عَلٰی خَلْقِكَ

اس کتابی واقعہ کے مطالعہ سے درگزرہ کے ایک مریض کی فوری شفا یابی

ملک محمد صادق خان صاحب ثوانہ بیان کرتے ہیں کہ میں درگزرہ کی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو بعض اوقات بڑی تکلیف
 صورت اختیار کر لیتی تھی ۱۹۶۲ء میں ایک روز ملک خدابخش صاحب کا وہ مقالہ پڑھا تھا جس میں اُن کی اطمینان کی تجویز
 شفا یابی کا ذکر ہے۔ میں نے کہا یا اللہ! میں بھی آپ کے اُسی ولی اللہ کا دامن گرفتہ ہوں۔ مجھے بھی اُن کا صدقہ اس دردناک مرض
 سے شفا عطا فرمائیے۔ اور یہ کہ مجھ پر بوقت طاری ہو گئی چند منٹ بعد مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی جس میں ایک بڑی سی تھری
 خود بخود بغیر کسی تکلیف کے باہر نکل گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں بھی شفا یاب ہو گیا۔

اولیاء اللہ کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے

واضح ہو کہ علمائے محققین کے نزدیک اولیائے کرام کی کرامات کا سلسلہ موت سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ بعد وصال اُنہیں روحانی
 تصرف اور زیادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین احمد کارسائے نفعات القرب والاقتصال
 باثبات التصرف لاولیاء اللہ تعالیٰ والکرامۃ بعد الانتقال قابل دید ہے۔

موت کے وقت مُریدوں کی دستگیری

ملک سلطان محمود خان صاحب ثوانہ فرمایا کرتے تھے کہ اس قسم کے مسمیوں خط حضور کی ڈاک میں موصول ہوا کرتے تھے جن میں
 آپ کے مرحوم مُریدوں کے دُشمنانے لکھا کہ موت کے وقت مرحومین نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور اپنے حسب استطاعت عزیزوں سے
 پیار پائی یا کرسی لانے کو کہا کہ میرے حضرت تشریف لائے ہیں۔ ان واقعات سے علم سلوک کے اُس سلسلہ کی تائید ہوتی ہے جس
 میں آیا ہے کہ نزع کے وقت مُرید صادق کو پیر کامل کی مدد پہنچتی ہے۔ خود راقم الحروف نے اپنے والد صاحب مرحوم کو بوقت
 وفات بار بار کہتے سنا کہ دیکھو حضرت صاحب تشریف فرما ہیں۔

حضرت بابو جی مدظلہ العالی کی علالت اور شفا یابی

خود حضرت بابو جی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی علالت کا واقعہ مشہور ہے کہ بیماری شدت پکڑ رہی تھی اور قبلہ عالم قدس سرہ
 کی طبع مبارک پر تشویش کے مطلق کوئی آثار نہ تھے۔ درس و تدریس اور ارشاد و اشغال میں وہی انہماک تھا۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا۔
 جیسے اپنے اچھوتے صاحبزادے اور اس دربار غوثیہ اور خاندان عالیہ کے اکیلے چشم و چراغ و ارث کی اس خطرناک حالت کی
 طرف بالکل توجہ ہی نہیں۔ خدا مروت رو کر عرض کرتے تو فرمادیتے تھے کہ علاج کراؤ، کسی اور بڑے طبیب کو بلالو۔ آخر ایک روز ڈاکروں
 نے کہہ دیا کہ اب وہاں کی نہیں، عاکی ضرورت ہے۔ پھر سے مختصات عالیہ آکر رو کر و دل ع کر گئیں۔ بابو جی صاحب قدیم مہمان سرائے

میں باغ کے سامنے والے کمرے میں صاحب فراش تھے۔ اچانک پوش میں آکر پینٹ مہجوا یا کہ تشریف لا کر مجھے آخری وقت بیعت فرما جائے تشریف لائے اور بیعت فرمایا۔ اسی وقت ان پر نزع کے سے آثار طاری ہو گئے اور حاضرین میں کھرام مچ گیا۔ حضرت اس حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اکیلے اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ کہتے ہیں کہ ادھر آپ حجرہ شریف میں پہنچے ادھر بابو جی صاحب قبلہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر حجرہ شریف میں حاضر ہوئے اور قد مبوسی کی۔

اطلاع بر غیب اور اس قبیل کے بعض واقعات

کراماتِ حسیہ کی یوں تو کئی اقسام ہیں لیکن ان میں امور غیب پر براہِ ذن الہی مطلع ہو جانا ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اور پھر کسی کے دل میں پوشیدہ بات کو معلوم کر لینا اور بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ جس چیز کا عالم شہادت میں ابھی تک ظہور نہیں ہوا اُس پر مطلع ہونا نسبتاً زیادہ مشکل ہے۔ گو یہ چیزیں بعض علوم لطیفہ کے ذریعے بھی حاصل ہو جاتی ہیں مگر اولیائے کرام کے الہامی اور کشفی علوم اور علوم لطیفہ کے ذریعے حاصل کردہ امور میں کافی فرق ہے۔ کیونکہ ولی کامل کی صفات کاملہ علم، سمع، بصر، حسبِ حدیث قدسی بِنِی یَسْمَعُ وَبِنِی یَبْصُرُ ایک خصوصی شان کی حامل ہوتی ہیں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شہادت دے رہا ہے اَتَقُوْا اَفْرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرٍ اِلَیْہِ۔ (مومن کامل کی فراست سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) اس سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کے متوسلین سے کئی واقعات منقول ہیں جن میں سے چند ایک ایسے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو راقم الحروف نے قبلہ بابو جی مدظلہ العالی اور اپنے والد مرحوم سے بارہا سنے۔

مقبولانِ خدا کے آثار کی تعظیم مگر اولاد سے تغافل

قبلہ بابو جی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ہندوستانی شخص حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت فقر و ولایت سے متاثر ہو کر اس خیال سے پاک پتن شریف حاضر ہوا کہ آپ کے سجادہ نشین سے بیعت کروں گا۔ لیکن وہاں پہنچ کر دل میں صاحب سجادہ حضرت دیوان صاحب پر معترض ہو کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس شخص کو دیکھ کر مجلس میں ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے بعض لوگ حضراتِ مقبولانِ خدا کی محبت اور تعظیم میں اُن کے مشاہد و مقابر اور آثار و تبرکات کا تو احترام کرتے ہیں مگر اُن کی اولاد کا احترام نہیں کرتے جن کے رگ و ریشہ میں ان حضرات کا خون جاری و ساری ہے۔ حالانکہ ایک مجازی محبت مجنوں، سیلی کے نام کی نسبت سے لیل یعنی رات اور ہر سیاہ چیز سے محبت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

أَحِبُّ لِحَبِیْہَا السُّودَانِ حَتِّی

أَحِبُّ لِحَبِیْہَا السُّودَ الْکَلَابِ

یعنی میں سیلی کی محبت کی وجہ سے ہر سیاہ چیز کو دوست رکھتا ہوں یہاں تک کہ اس کی محبت میں مجھے کالے گتے

بھی پیارے لگتے ہیں۔

یہ سن کر وہ شخص نام نہاد اور اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا۔ اس سلسلہ کا ایک اور واقعہ جس میں دیوان صاحب پاک پتن شریف کے مافی الضمیر پر مطلع ہو کر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ نے آپ کے شبہ کا ازالہ فرمایا تفصیلاً باب پنجم میں گذر چکا ہے۔

ارادتمند کے ضمیر پر مطلع ہو کر اُس کی پسند کے سلسلہ طریقت میں بیعت فرمایا

والد مرحوم فرماتے تھے کہ ہمارے اسلاف جو شمالی سندھ کے بلوچ قبائل سے تھے، گھوٹکی ضلع سکھر کے ایک گیلانی بزرگ حضرت مخدوم ٹوٹی شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارادتمند تھے جو حضرت سلطان العارفين بابا نور محمد اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس لیے مجھے ابتدا ہی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کا شوق تھا متعدد خانقاہوں پر حاضری دی مگر کہیں اطمینان نہ ہوا ایک دفعہ ایک خلوت نشین صد سالہ معزز بزرگ بابا نور صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوا جو ڈیرہ اسماعیل خان سے شمال کی طرف ایک قصبہ خسور میں رہتے تھے اور بڑے صاحب کشف مشہور تھے۔ انہوں نے فرمایا ابھی کچھ وقت باقی ہے خاطر جمع رکھو ہمیں ایک گیلانی بزرگ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کا شرف حاصل ہو گا جو اپنے وقت کا غوث ہو گا۔ بابا صاحب کی اس پیش گوئی نے میرے شوق کو اور بھی تیز کر دیا کچھ عرصہ بعد جب میرے چھوٹے بھائی حافظ اللہ بخش صاحب قصبہ گھوٹا ضلع ملتان میں بغرض تعلیم مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوئی کے درس میں داخل ہوئے تو میری آمد و رفت بھی ادھر زیادہ ہونے لگی اس اثنا میں حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کا ذکر خیر بکثرت سننے میں آتا۔ اور آپ کی طرف دل کھینچنے لگا چنانچہ ایک مرتبہ میں اُس علاقہ میں تھا کہ حضرت قبلہ عالم قدس خان گرٹھ تشریف لائے اور مجھے پہلی بار شرف زیارت حاصل ہوا۔ لوگوں کا بڑا جھوم تھا جو قریب درجہ بیعت ہو رہے تھے۔ میں نے بھی بیعت ہونے کی درخواست کی تو فرمایا: ٹھہر وکل ملنا۔ مجھے آپ کے اس ارشاد کے بعد سخت پریشانی ہوئی خصوصاً جب یہ معلوم ہوا کہ آپ سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت اعلیٰ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہیں تو اور بھی زیادہ فکر و امل ہوئی کہ شاید میری منزل حسب پیش گوئی مذکورہ بالا ابھی دور ہے۔ دوسرے دن حاضر ہوا تو خود ہی فرمانے لگے، تمہارے اسلاف سلسلہ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے مشائخ کرام سے سلسلہ چشتیہ اور قادریہ ہر دو میں بیعت کرنے کی اجازت ہے تمہیں سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا جائے گا۔ پھر نہایت شفقت سے بیعت فرما کر اوراد و وظائف تلقین فرمائے۔ جب گھر واپس آیا تو اپنے والد حافظ غلام اسحق صاحب سے ذکر کیا چونکہ انہیں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات سے نہایت محبت تھی، یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا خدا کرے کبھی مجھے بھی حضرت کی زیارت نصیب ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ جب پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت بھکڑ سے گزرے تو والد صاحب اسٹیشن پر آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کے بعد بار بار فرمایا کرتے تھے کہ حافظ تمہارے پیر صاحب کے متعلق جس طرح سنا اُس سے بدرجہا زیادہ پایا۔ اذیاء اللہ میں ایسے مقدس حضرات بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین ہیں۔ راقم کے خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت میاں محمود قادری اور دیگر اسلاف کا ذکر کتاب مناقب سبطانی میں بھی آچکا ہے۔

قطب الوقت کے اوصاف کا بیان اور اُس کا مشاہدہ

والد مرحوم فرماتے تھے: ایک سال پاک پتن شریف سے واپسی پر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ (مرکز اعلیٰ میں) ضلع مظفر گڑھ میں غلام رسول خان صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے۔ مجھے بھی حاضری نصیب ہوئی۔ مجلس میں قطب الوقت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے دل بہ اذن الہی قطب الوقت کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ چاہے اپنی طرف متوجہ کرے چاہے ہٹا دے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آئینا ہے سے بڑھ کر اس وقت کون اس صفت پر فائز ہو سکتا ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کی بیان کردہ علامات کا مشاہدہ ہو جائے جب روانگی کا وقت آیا تو آپ کی حیرت انگیز روئے سے دلچسپی

کو روانہ ہوئی۔ اُس وقت میرے ایک دوست اور پیر بھائی سید غلام محی شاہ صاحب جو ایک ڈاکر و شاغل بزرگ تھے صوبہ سرحد کے علاقہ سے دریائے سندھ عبور کر کے اہل خانہ سمیت زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے مجھے کہا کہ میں بڑی تکلیف اٹھا کر اہل خانہ کو زیارت کے لیے لایا ہوں حضرت سے عرض کریں میں نے کہا اب تو گاڑی کا وقت قریب ہے اور لوگوں کا اردو حام اس قدر ہے کہ جیب کو چلنے نہیں دیتے۔ لیکن شاہ صاحب کے زیادہ اصرار پر بڑی مشکل سے آپ کے پاس پہنچ کر عرض کیا۔ پہلے تو آپ نے فرمایا کہ اب موقعہ نہیں لیکن چونکہ آپ سادات کرام کا خصوصی خیال فرماتے تھے آپ نے تھوڑا سا تامل فرما کر جیب کو آدمی جو ہنی آپ اترے لوگ اُمنڈ آئے اور آپ کا چلنا دشوار ہو گیا۔ شاہ صاحب کے اہل خانہ کافی فاصلہ پر تھے۔ ہم نے لوگوں کو شدت سے جھٹانا شروع کیا تو آپ نے فرمایا: کچھ نہ کوٹھہر جاؤ۔ بس آپ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ جہاں بھی کوئی آدمی تھا طلسم بن کر رہ گیا۔ اور کسی کو آپ کے پاس پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ نے باطمینان شاہ صاحب کے اہل خانہ کو بیعت فرمایا اور پھر واپس آکر جیب میں سوار ہوئے۔ اس اتناہیں گاڑی اسٹیشن پر پہنچ چکی تھی لیکن قدرتی طور پر کسی وجہ سے اُسے بھی رُکنا پڑا یہاں تک کہ آپ سوار ہوئے اور کافی دیر بعد گاڑی روانہ ہوئی۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت نے میرے خیال پر مطلع ہو کر مشاہدہ کرا دیا۔

راحم الحروف کی بیعت اور اُس کے متعلق ایک مجذوب کی اطلاع پر غیب

نیاز مند مؤلف جب صفر ۱۳۵۶ھ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے وصال سے چند روز پہلے بعمر نیدہ سال پہلی بار گولڑہ شریف حاضر ہو کر آپ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوا تو اُن دنوں والد صاحب صوبہ سرحد کی طرف گئے ہوئے تھے۔ میرے گولڑہ شریف سے واپس ہونے کے بعد جب گھر تشریف لائے اور میرے متعلق گولڑہ شریف جانے کا ذکر سنا تو فرمانے لگے۔ میں نے تو مجنونانہ کلام سمجھ کر چنداں خیال نہ کیا تھا مگر بات سچی نکلی۔ پھر سارا واقعہ بیان فرمایا کہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک مجذوب صورت شخص نے مجھے کہا تمہیں اپنے پیر صاحب یاد کر رہے ہیں میں نے اس کی بات پر چنداں توجہ نہ دی اور چلا گیا۔ دوسرے روز پھر وہاں سے گذرنا تو وہ کہنے لگا۔ تم نے میری بات نہ سنی، تمہارا لڑکا تو پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے پھر بھی یہ بات قرین قیاس معلوم نہ ہوئی کیونکہ تمہارے متعلق مجھے یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ پہلی بار آپ سے دُور دراز سفر پر اکیلے چلے جاؤ گے۔ اور نہ کوئی اور ساتھ جانے والا آدمی خیال میں تھا۔ پھر مجھ سے سفر کی کیفیت اور گولڑہ شریف کے حالات پوچھے۔ میں نے عرض کیا کہ ۲۳ صفر بروز آخری چہار شنبہ قبل دوپہر اچانک کسی کو اطلاع کیے بغیر گھر سے روانہ ہو گیا۔ قریب زوال اسٹیشن ہل سے ریل پر سوار ہو کر ۲۴ صفر بروز جمعرات صبح گولڑہ شریف حاضر ہوا۔ جب لوگ حضرت کی مجلس میں جانے لگے تو میں بھی مجلس خانہ میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو آپ چارپائی پر ایک بڑے تکیہ سے پشت مبارک لگا کر آرام فرماہیں۔ اور ایک شخص قرآن شریف تلاوت کر رہا ہے۔ باقی سب مجلس خاموش ہے۔ بعد ازاں دعا ہوئی اور لوگ آپ کی زیارت کرنے لگے میں نے حاضر ہو کر آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک مفید ریش شخص کو کہا میں بیعت ہوتا ہوں۔ اُس نے میرا ہاتھ حضرت کے سینہ مبارک پر رکھا اور آپ کا مبارک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا۔ اُس وقت آپ نے قدرے چشم مبارک کھول کر نظر فرمائی۔ پھر اُس شخص نے کہا اپنا ہاتھ منہ پر پھیر لو۔ پانچ وقت نماز پڑھتے رہنا۔ اور دُعا بارگاہ شریف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ اور دُعا بارگاہ شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ صبح کی نماز کے بعد پڑھا کرنا۔

یہ سننے ہی والد صاحب پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا سبحان اللہ میرے حضرت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت عطا فرمائی ہے مجھے کئی بار تمہیں گولڑہ شریف لے جانے کا خیال ہوا مگر پورا نہ ہو سکا۔ محمد رفیع کہ آپ نے میری اس دلی تمنا کو پورا فرمادیا پھر فرماتے تھے کہ میرا خیال تھا کہ آج کل بعض آدمی نقل مجذوب بن کر دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں مگر ڈیرہ اسماعیل والا شخص واقعی صاحب کشف مجذوب تھا جس دن اُس کی میرے ساتھ بات ہوئی، تمہارے بیان کے مطابق اُسی دن تمہارا گولڑہ شریف جانا ہوا۔ پھر فرمایا کہ حضرت کی مجلس میں قرآن خوانی غالباً آپ کے پیر و مرشد حضرت اعلیٰ سیالوٹی کے یوم وصال کے سلسلے میں ہوئی جو ۲۴ صفر کو ہوتا ہے اور وہ سفید ریش شخص آپ کے صاحب خاص مولوی محبوب عالم صاحب ہوں گے۔ اس کے چند روز بعد آل جناب ۲۹ صفر کو دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ آنجناب کی نظر کرم کا نتیجہ تھا کہ رقم نے جامعہ فقیہ احمدیہ لاہور میں دلائل مافوقہ صاحب سے درس غامضہ کی تکمیل کے بعد ۱۹۷۱ء سے جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف میں خطابت، تدریس اور افتاء کے فرائض سنبھالے ہیں۔

حضرت جس قدر غریب نواز تھے اُسی قدر غیور بھی تھے

والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ ہمارے حضرت جس قدر مہربان اور غریب نواز تھے اُسی قدر غیور بھی تھے۔ چنانچہ میرے ایک پیر بھائی نے جو مراد آباد ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے بیان کیا کہ حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی محجہ پر بڑی مہربانی تھی۔ اور میں ذوق و شوق اور سیر و سلوک میں کافی ترقی پر تھا کچھ خانگی مجبوریوں اور دُوری کی وجہ سے گولڑہ شریف کی بجائے حضرت سلطان العارفین بابا نور محمد اللہ علیہ کے مزار پر کثرت سے آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک دن بحالت مراقبہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلطان صاحب مجھے اپنی بغل میں لے کر پرواز فرما رہے ہیں۔ جب چوتھے آسمان سے آگے نکلے تو سامنے سے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ بڑے جلال میں نمودار ہوئے اور جوش میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں دیکھوں گا تجھے سلطان صاحب کہاں اُڑا لے جاتے ہیں۔ یہ سننے ہی میں سلطان صاحب کی بغل سے جدا ہو کر ایک گندے پانی کے گڑھے میں جا کر اُور وہ سب کیفیات روحانی سلب ہو گئیں۔ کافی آہ و زاری کی مگر حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی وہ عنایت مذہبی۔ اس کے بعد والد صاحب نے فرمایا کہ اپنے شیخ کے ساتھ عقیدت میں ہرگز فرق نہیں آنے دینا چاہیے۔ اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے حضرت کے وصال سے کچھ عرصہ بعد سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور شیخ کی مجلس وعظ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ ہمارے خاندان کو جانتے تھے۔ وعظ کے بعد مصافحہ کیا تو بڑے جوش سے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ حافظ جی! ولایت صغریٰ کی ضرورت ہے تو ابھی اس مقام پر پہنچائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کی مہربانی، مجھے اپنے حضرت کی نظری کافی ہے۔ اس واقعہ کے بعد خواب میں میں نے حضرت قبلہ عالم قدس سترہ کی وہ عنایت اور مہربانی مشاہدہ کی جو بیان سے باہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شیخ سے بات کرتے وقت حضرت قبلہ عالم قدس سترہ یہ سب کچھ مشاہدہ فرما رہے تھے۔

دستِ پیر از غائبان کو تاہ نیست

دستِ اوجہ از قبضۃ اللہ نیست

الحمد للہ کہ یہ مبارک تصنیف مسمی بہ مہرِ نیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و خوبی اتمام کو پہنچی۔

مولف ناچیز و نیازمند بارگاہِ مہربانہ

فیض احمد فیض عفی عنہ آستانہ عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد

تمت

اگرچہ حُسن تو از مہرِ غیر مستغنی است
من آن نیم کہ ز ایمان خویش آیم باز

حضرت شیخ اکبر سیدنا محی الدین ابن العربی فصوص الحکم میں فرماتے ہیں کہ دلی درحقیقت وہ ہے جو فنا فی اللہ ہو جائے کیونکہ ولایت حق تعالیٰ میں بندہ کے فنا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی بشریت کی جہت کو رُبُوبیت کی جہت میں بالکل نیست و نابود کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ولایت کی ابتدا سفرِ اول کی انتہا سے ہوتی ہے۔ اور سفرِ اول یہ ہے کہ خلق سے حق کی جانب، مظاہر اور اغیار سے تعین کو زائل کر کے سیر کرے، تقیدات اور حجابات سے بچے اور منازل و مقامات کو طے کرتے ہوئے مراتب و درجات حاصل کرے۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی تجلی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی تجلی اُس پر ہوتی ہے جس سے اُس کے اپنے نشانات مٹ گئے ہوں اور اُس سے اُس کا اپنا اسم زائل ہو گیا ہو۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اہل سلوک نے جملہ مقامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے: "عِلْمُ الْیَقِیْنِ"، "عِیْنُ الْیَقِیْنِ" اور "حَقُّ الْیَقِیْنِ"۔ "عِلْمُ الْیَقِیْنِ" یہ ہے کہ انسان شے کو اُس کی اصلی حالت سے تصور کرے۔ "عِیْنُ الْیَقِیْنِ" یہ ہے کہ شے کو اُس کی اصلی حالت سے مشاہدہ کرے۔ اور "حَقُّ الْیَقِیْنِ" یہ ہے کہ انسان حق میں فنا ہو جائے۔ اور علم، مشاہدہ اور حال ہر تین میں حق تعالیٰ کے ساتھ بقا حاصل کرے۔

حضرت سیدنا مہر علی شاہ صاحب اُن اولیائے عظام میں سے تھے جنہوں نے اپنے مجاہدہ، مشاہدہ، علم اور فضل الہی سے حقِ یقین میں ایک نہایت ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمالِ ظاہری کے ساتھ ساتھ کمالِ رُوحانی بھی بدرجہ اتم عطا فرمایا۔ آپ اپنے جدِ امجد، سرچشمہ کا ملان حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالحق درجیلانی اور سلسلہ سچست اہل بہشت کے گوہر صدانوار حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کے صحیح جانشین اور منظر تھے۔ علم لدنی کا گنج بے کراں آپ کو عنایت ہوا تھا۔ آپ کا وجود اقدس بیسویں صدی کے مسموم زمانہ میں بنی نوع انسان کی ایک کثیر تعداد کو گمراہی سے بچانے کا موجب ہوا اور لاکھوں افراد آپ کے فیضانِ رُوحانی سے مستفید ہوئے۔ آپ کے اوصاف و کمالات کو صحیح طور پر بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ آپ متصف باوصاف اللہ تھے۔ تاہم مولانا فیض احمد صاحب کی یہ کوشش اس لحاظ سے قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے اس مردِ کامل کی زندگی کے حالات بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے پُر دقلم کیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر بخشیں اور پڑھنے والوں کے لیے اس کتاب کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے اس کی برکت سے انہیں راہِ راست پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

فیضانِ الہی کا جو چشمہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی ذاتِ بابرکات سے جاری ہوا تھا وہ ان کے وصال کے بعد بھی بدستور رواں ہے اور خلقِ خدا روز افزوں تعداد میں آستانہِ عالیہ پر حاضر ہو کر فیضِ یاب ہو رہی ہے حضرت کے

سراپا اخلاق و محبت اور منکر المزاج قرآن حضرت بابو جی قدس سرہ اپنی زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد ختم ہر وقت اور ہر طرح سے زائرین آستانہ اور مہمانوں کے آرام و آسائش کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے اس لکھن کو سدا سر بہر رکھیں اور آل اطہر کا یہ گھرانہ ہمیشہ آباد رہے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آیین باد
آخر میں قصیدہ مہرنا کے چند چیدہ اشعار کے ساتھ اس مختصر گزارش کو ختم کیا جاتا ہے۔

محمد حیات خان
محمد فاضل خان

قصیدہ مہرنا

شہسوار و معیت میدان ہوا پاک طینت سیر پاکیزہ ہو
گوش دار سے بر صدائے قائم ہو شرح ساز آیت لا تقنطوا

معدن انوار مہر عالمیں
احمد آمد گشت فخر اولیں

خاصہ حق آل ختم المرسلین نور البصار امیر المؤمنین
جان جان پیر کامل نذر دیں جلوہ گاہ نور شمس العارفین

معدن انوار مہر عالمیں
احمد آمد گشت فخر اولیں

کامل و اکمل حصول مدعا مالک دل اصل کھار ہوا
کوہ حلم و مصداق رحم و عطا مہر عالم مہر دل مہر سما

معدن انوار مہر عالمیں
احمد آمد گشت فخر اولیں

گوہر نمایاب بحر چشتیا خوش نوائے طوطی باغ رضا
قلہ دیں کعبہ صدق و صفا خواجہ مہر علی شاہ مقدا

معدن انوار مہر عالمیں
احمد آمد گشت فخر اولیں

یہ قصیدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بخشی رجب علی صاحب جوہر مہر موم و مخمور نے لکھا تھا۔

سَيِّدِي مَهْرٍ عَلَى صَاحِبِ عَطَا أَنْتَ هَادِي أَنْتَ مَوْلَى حَقِّ نَمَا
أَنْتَ مَاوِي أَنْتَ مُلْجَا فِي الرَّجَا عَالِمُ سِحْرِ الْبَيَانِ نَشْرُ الْهُدَا

معدن انوارِ مہرِ عالمیں

آخند آمد گشتِ فخرِ اولیں

مسلکِ او جسادہ تحقیق گشت مثلِ حاتم وادریق گشت
از عملِ مسلم الہ تصدیق گشت بر کمالِ فضل او تطبیق گشت

معدن انوارِ مہرِ عالمیں

آخند آمد گشتِ فخرِ اولیں

الْغِيَاثُ أَيْ مَهْرٍ نُورِ تَيْم الْغِيَاثُ أَيْ كَاشِفِ مَرِّ عَيْم
الْغِيَاثُ أَيْ مَهْرٍ وَكَرَامِ كَرِيم كُنْ حُندَارَ اچَارَةِ قَلْبِ سَيْم

معدن انوارِ مہرِ عالمیں

آخند آمد گشتِ فخرِ اولیں

بندہ مہرِ علی جوہر گدا بر در آمد اے شہِ عفتِ گدا
کُن دَوَا بِدَرْدِ دِلِ بَہرِ حُندَا تا شود حاصلِ مرا کمالِ شفا

معدن انوارِ مہرِ عالمیں

آخند آمد گشتِ فخرِ اولیں

بندۂ عاجز غلامِ مَنجی دین ملتجی ہے تجھ سے ربِّ العالمین
سُن دُعَا یہ بہرِ ختمِ المرسلین تا ابد حضرت رہیں مسندِ نشین

معدن انوارِ مہرِ عالمیں

آخند آمد گشتِ فخرِ اولیں

کوائفِصال حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلۃ عالم پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس مہترہ العزیز کے اکلوتے فرزند جمیل حضرت سید غلام محی الدین شاہ صاحب المعروف بابو جی کے مختصر حالات زندگی اس کتاب کے چھٹے باب کی آٹھویں فصل میں تحریر کیے جا چکے ہیں۔ ۳۷ برس تک گولڑہ شریف کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما رہنے کے بعد ۲۲ جون ۱۹۷۲ء (۲۱ جمادی الثانی ۱۳۹۴ھ) کو حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وصال فرمایا۔ چنانچہ مہر نیر کے اس تازہ ترین ایڈیشن میں نہایت اجمالی طور پر آپ کے کچھ باقی ماندہ حالات اور آپ کے وصال کے کوائف ایک علیحدہ فصل کی صورت میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ حضرت بابو جی کی حیات مبارکہ کے کماحقہ تفصیلی حالات بیان کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ وہ ایسی کتاب کی تحریر، تدوین و اشاعت کے اسباب جلد از جلد پیدا فرمائے۔

جب قبلۃ عالم حضرت اعلیٰ نے خلق خدا کو ایک طویل مدت تک اپنے بے نظیر علی اور روحانی کمالات سے مستفیض کرنے کے بعد بالآخر ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء (۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ) کو رفیق اعلیٰ کی جانب سفر فرمایا تو آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے معاملات کی دیکھ بھال اور حضرت کے سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری رکھنے کی ذمہ داری کلیتہً حضرت بابو جی کے (بقول اُن کے "ضعیف") کندھوں پر آن پڑی جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۳۶۸ پر لکھا جا چکا ہے۔ حضرت بابو جی نے حضرت اعلیٰ کی اجازت کے باوجود اُن کی زندگی میں سعیت و ارشاد کی ذمہ داری اٹھانے میں عرصہ تک تامل فرمایا تھا اور اُس وقت تک اس پر آمادہ نہ ہوئے تھے جب تک کہ حضرت نے آپ کی پیہم درخواست پر یہ وعدہ نہ فرمایا کہ اچھا جو شخص تمہارے ہاتھ پر سعیت کرے گا اُس کا ذمہ دار میں ہوں تاہم حضرت کے وصال کے بعد خلق خدا نے جلد ہی دیکھ لیا کہ اپنے عالی مرتبت والد سے تربیت یافتہ اس مرد عظیم نے اپنے گراں بار فرائض کس عزم، حوصلہ اور خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور اپنے حضرت کے شروع کردہ سلسلہ فیضان کو کس خوبی سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت بابو جی کی ذات گرامی کے گرد بالکل اُسی طرح گھومتے لگا جیسے کہ خود حضرت اعلیٰ کے گرد آپ کے دور مبارک میں گھوما کرتا تھا۔

اسلامی اقدار کی ترویج

اپنے والد بزرگوار کی طرح اسلامی اقدار اور اخلاق کی ترویج و ترقی کو حضرت بابو جی نے ہمیشہ اپنا اولین مقصد حیات سمجھا۔ جہاں تک دنیوی معاملات کا تعلق ہے قیام پاکستان سے پہلے آپ نے صحیح اسلامی روایات اور سلف صالحین کے مسلک کے عین مطابق راستہ اختیار فرمایا یعنی نہ ہی اُس وقت کی انگریز حکومت کا آلہ کار بننا گوارہ کیا اور نہ ہی ہندو کانگریس کے اختراع کردہ واحد ہندوستانی قومیت کے نعرہ کو تسلیم کیا بلکہ برصغیر میں ایک علیحدہ آزاد مسلمان مملکت کے حصول و قیام کے لیے جس کا مقصد اولیٰ ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل تھا، آل انڈیا مسلم لیگ کے منشور کی پُر زور حمایت فرمائی۔ یہاں تک کہ اپنے بعض اکابر متعلقین کے نظریات کی پرواہ بھی نہ کی جو اُس کے برعکس تھے اور اپنے تمام ملنے والوں کو یہی مشورہ دیا کہ اس وقت مسلمانان

برصغیر کی بہتری اسی میں ہے کہ مسلم لیگ کی مکمل اور متفقہ حمایت کی جائے۔ تاہم جماعتی سطح پر اپنے اس نظریہ کے باوجود پاکستان بن جانے کے فوراً بعد ہندوستانی باشندوں کی طرف سے پہل کے نتیجے میں جب ہر طرف فرقہ وارانہ قتل و غارت کا بازار گرم ہوا تو آپ نے عظیم اسلامی روایات پر عمل کرتے ہوئے گورنہ شریف کے غیر مسلم باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کا نہ صرف پورا پورا انتظام فرمایا بلکہ وقت آنے پر انہیں اپنی ذاتی نگرانی میں ہندوستان رخصت فرمایا۔

تحریک ختم نبوت

حضرت بابو جی کے متذکرہ بالا اقدامات خالصہ جذبہ اخوت اسلامی کی بنا پر تھے۔ ورنہ ملکی سیاست میں آپ نے براہ راست عملی حصہ کبھی نہ لیا اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے۔ البتہ جب کبھی اسلامی اقدار کی حفاظت کی ضرورت پیش آئی آپ نے اپنی تمام تر کوششیں اس مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور اُس وقت کی مسلم لیگ حکومت کے اس رویہ سے سخت شاکی رہے جو اُس نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے اختیار کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو ملک محض حضور خاتم النبیین کی نظر کرم کے صدقے میں معرض وجود میں آیا۔ اُس کے عمائدین حضور کی ختم نبوت کے شیدائیوں سے کیسا بے دردانہ سلوک کر رہے ہیں۔ لاہور ختم نبوت کانفرنس میں بھی آپ نے تمام مکاتیب کے رہنماؤں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جلسے جلوس میں اصولاً احترام کے باوجود اس کانفرنس کے کئی اجلاس میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں اُس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد، وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور دوسرے زعمائے حکومت سے اس مسئلہ کے مناسب اور مستقل حل کے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۶۲ء کے شروع میں جب ختم نبوت کی تحریک نے پھر زور پکڑا اُس وقت حضرت بابو جی اپنی علالت کے باوجود اُس میں بہت دلچسپی لیتے رہے ہسپتال میں بھی جو شخص عیادت کے لیے آتا اُس سے تحریک کے متعلق باتیں پوچھتے الحمد للہ کہ جمہور اہل اسلام کا متفقہ مطالبہ جس کی ابتدا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنے زمانے میں موجودہ عیسوی صدی کی ابتدا میں رکھی تھی کہ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے بالآخر ان مقبولانِ خدا کی کوششوں سے ۱۹۶۲ء میں تسلیم کر لیا گیا۔

جنگ بھارت و پاکستان

۱۹۶۵ء کی جنگ بھارت و پاکستان کے دوران بھی جب ملک کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق تھا حضرت بابو جی نے ملک و ملت کی بھرپور اعانت فرمائی اور علاوہ اور باتوں کے آپ نے خلافِ عادت ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے تمام اہل پاکستان کو بالعموم اور اپنے متعلقین کو بالخصوص ان الفاظ میں خطاب فرما کر اس جہاد میں حصہ لینے کی ہدایت فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعِزَّتْہِ

الطَّاهِرِیْنَ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اما بعد براہِ رانِ ملتِ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اب تک اگرچہ سیاسیات اور دنیاوی جھیلوں سے دور رہا ہوں مگر آج جب کہ ملک و ملت کو نہایت ہی خطرہ اور

مشغل حالات کا سامنا کسی طرح بے تعلق نہیں رہ سکتا ملک و ملت کی خدمت اور اعانت غیر ملان کا فرض اولین ہے۔
 ارشاد و اعلان خداوندی ہے لَکُمُ الْمُلْکُ وَلَکُمُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ فی الحقیقت ربی ہی فیروزِ دل
 اور لافانی حکومت اور ستائش صرف اور صرف اُسی ذات کی ہے اور وہ پوری طرح ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی عالمِ مطلق و برحق کا
 ارشاد ہے رَانَ اللّٰہُ اشْرَی مِنْ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ بِاَنْ لَّهْمُ الْجَنَّةِ۔

بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے اُن کی جانوں اور مالوں کا جنت کے بدلے سودا کر لیا ہے۔ اسی بنا پر فرزندِ ان
 اسلام کے ہر فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک و ملت کی سالمیت کے لیے تنہا دھن پیش کرے اور اس سوجھے میں
 پورا اُترے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر ہم سب پر ضروری ہو گیا ہے کہ اس جہاد میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں اور اپنی ساری
 صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ میں اپنے متعلقین اور مخلصین کی اُن خدمات پر جو وہ اللہ واسے، دے، تقدے بری، بھری
 ہوئی صفائیتی اور معاشرتی شعبہ جات میں نہایت اخلاق، بلند حوصلگی، پُر دلی اور پامردی سے سرانجام دے رہے ہیں نہایت
 ہی مسرت اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اُنہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اس ملی و قومی جدوجہد اور شدید آزمائش کے وقت
 حکومت کے ساتھ ہر تعاون کے لیے تیار اور ہر طرح سے شریک حال ہوں۔ پوری قوم خصوصاً میرے مخلصین کی جان و مال اور بے شک
 خدمات کی ہر آواز میرے کانوں تک پہنچ کر میری خوشیوں اور مسرتوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے اور دل سے اللہ شکر
 زِدْ فِیْہِ ذَکَا نَعْرَہُ نکلتا ہے۔ ہماری کامیابیاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں۔ ہم کو ہر وقت اُس رب اکبر کا شکر ادا کرتے رہنا
 چاہیے۔ حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے عہد کریں کہ اُس کے اوامر کا احترام اور نواہی سے اجتناب کریں گے۔

میں دستِ بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام اُمتِ مسلمہ کا عموماً اور مسلمانانِ پاکستان کا خصوصاً حامی و ناصر ہو اور اپنے حبیب
 پاک کے صدقے میں اور اپنے مقبولین کے طفیل ہمیں فتح و کامیابی ارزانی فرمائے۔ آمین۔ ایں دُعا ازمن و از بھلہ جہاں آمین باد۔
 ویسے بھی حضرت بابو جی پاکستان کی سلامتی اور بہبود کے لیے دل سے خواہش مند اور دُعا گو رہتے تھے اور اسی وجہ سے
 آزادی کے بعد کے مختلف پُر آشوب ادوار میں نامساعد حالات، سیاسی تعطل و بخرانات، اسلامی نظام اور اقدار کے نفاذ میں
 مسلسل التواء، کنبہ پروری اور اقربانوازی میں اضافہ، ذاتی مفاد پر قومی بہبود کی قربانی اور اس طرح کے دیگر مایوس کن کوائف
 کی بنا پر اکثر اظہارِ تاسف فرماتے اور قوم اور عوام کی اصلاح کے لیے دردِ مندانہ دُعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت بابو جی نے اصولاً کبھی عمائدینِ حکومت سے راہ و رسم نہ بڑھائی اور اپنے ابداد و کرام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے
 کبھی سربراہانِ مملکت کی ملاقات کو نہ گئے۔ یہ بات عمائدینِ حکومت کو پسند نہ آئی اور سال ۱۹۶۱ء میں بابو جی کو اس کے دربارِ عالیہ
 گولڑہ شریف حسن نظم و نسق کے اعتبار سے ملک بھر میں ایک مسلمہ مثالی حیثیت رکھتا تھا اور کسی طرح سے بھی اوقاتِ ایکٹ کی
 زد میں نہ آتا تھا۔ حکومتِ وقت نے اُسے محکمہ اوقاف کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد بھی آپ نے مرکزی یا شاہی
 حکومت کے سربراہان سے اس سلسلہ میں جا کر ملنا گوارا نہ فرمایا بلکہ قانونی چارہ جوئی کا معروف راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی چنانچہ
 ایک مردِ مجاہدِ شجاعت سید محسن ترمذی کے عدالتی فیصلہ کے تحت ہی دربارِ گولڑہ شریف کو محکمہ اوقاف سے واکدار کیا گیا۔

سیاسیات کے متعلق آپ کا نظریہ

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے آپ نے کبھی عملی طور پر ملکی سیاسیات میں حصہ نہ لیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام بذاتِ ایک

مکمل نظریہ حیات ہے۔ عدل و انصاف کے جو اصول اسلام نے پیش کیے ہیں اُن کے سامنے دُنیا کے تمام دیگر نظام بیچ ہیں۔ کیونکہ اسلام خود اُس خالق کائنات جل جلالہ کا تجویز کردہ ہے جو عَلام الغیوب ہے اور انسان کی فطرت اور روایات سے خوب واقف ہے۔ مخلوق کے بنائے ہوئے نظام بھلا اُس کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اسلامی نظام کی ترویج کے لیے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے حتیٰ الوسع کوشش فرمائی اور اس سلسلہ میں متعدد مقامات پر پریس کانفرنسوں اور جلسوں میں بھی شرکت فرمائی۔

روزمرہ کے معمولات

حضرت بابو جی کا قیام آستانہ عالیہ سے قریب سوگڑ پر اپنے رہائشی گھر کے قریب بیٹھاک پر رہتا تھا جس کا تفصیلی ذکر اسی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر آچکا ہے۔ بیٹھاک پر آپ کی ذاتی ضروریات کی دیکھ بھال پہلے مخلص محمد حیات عرف جرنیل کیا کرتے تھے جرنیل صاحب عرس شریف اور دیگر تمام اہم تقاریب پر مجالس کا انتظام بھی کراتے تھے۔ وہ موتیابند کی وجہ سے بینائی سے معذور ہوئے تو مخلص غلام مصطفیٰ چشتی نے یہ ڈیوٹی سنبھالی۔ بیٹھاک کے دروازے ماسوائے رات کے چند گھنٹوں کے ہمیشہ ہر کہ و بہ پر کھلے رہتے تھے۔ شام کے وقت آنے والے مہمانوں سے سب سے پہلے آپ یہ پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے۔ اگر نہ کھایا ہو تا تو فوراً اُن کے کھانے کا انتظام فرماتے۔ اگر انہوں نے رات رہنا ہو تا تو لنگر شریف پر رہائش کے لیے ہدایات جاری فرماتے۔ بیرون ملک سفروں کے دوران بھی آپ کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ایسے سفروں پر اکثر سلطان کے خواجہ منظور حسین صاحب کے صاحبزادے خواجہ خدابخش جنہیں آپ کے ساتھ ایک خاص نسبت تھی آپ کے ہمراہ رہ کر آپ کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھتے سفر کے دوران بھی ملاقات کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔

پابندی معمولات کا حد درجہ اہتمام اور التزام تھا۔ ۳۷ برس کے طویل عرصہ ارشاد میں کسی دن معمولات میں تبدیلی آتے کسی نے نہ دیکھی۔ تہجد سے لے کر تقریباً صبح ۹، ۱۰ بجے تک نماز اور در دو وظائف اور تلاوت کلام پاک میں مصروف رہتے۔ گولڑہ شریف میں موجودگی کے دوران مجالس سماع کا روزانہ اہتمام فرماتے جو روزانہ ۱۰ بجے سے لے کر ۱۲ بجے دوپہر تک جاری رہتی اپنے خصوصی قوال حاجی محبوب علی صاحب کی تربیت آپ نے اُن کی اوائل عمر ہی سے ذاتی طور پر نہایت محنت اور انہماک سے فرمائی اور انہیں اس پائے تک پہنچا دیا کہ اُن کی مجلس قوالی تصوف کے اہم مسائل بالخصوص وحدت وجود میں ایک درس اور وعظ کا مقام حاصل کر گئی۔ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف حضرت اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کے زمانہ ہی سے وحدت وجود کی تعلیم و اشاعت کا گوارہ بن چکا تھا۔ سیدنا شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ اور خصوصاً الحکم کا درس حضرت کی محفل کا ایک خاصہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اُس زمانہ میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے حضرت کی ذات مبارک اپنی مثال آپ تھی۔ اس بات کا اعتراف علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے بھی اپنے اس خط میں کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت کی خدمت میں حضرت شیخ اکبر کے نظریہ زمان و مکان پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ میں استدعا کی تھی۔ اس خط کا متن اس کتاب کے صفحہ ۳۲۶ پر درج کیا جا چکا ہے۔ وحدت وجود کا مسئلہ اسلامی فلسفہ روحانیت کا ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہے جسے صحیح طور پر سمجھنے کے لیے نہ صرف ظاہری علم بلکہ وجدان کا ہونا بھی از حد ضروری ہے اور وجدان ایک ایسی شے ہے جو اہل اللہ کے قرب و توجہ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حضرت بابو جی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اعلیٰ کے زمانہ میں اس مسئلہ کے متعلق طالب علموں کے شوق کی بھی یہ حالت تھی۔

عوارض شامل ہونے کی وجہ سے اُسے ممنوع قرار دیا گیا ہے مثلاً غیر محرم عورتوں سے سُنا۔ فحش اور غیر شرعی کلام سُنا۔ شراب وغیرہ کی مجالس میں راگ رنگ کا ہونا وغیرہ۔ اگر ان عوارض سے مجلس سماع پاک ہو اور توحیدِ خداوندی، اسلام کی عظمت، بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبولانِ خدا کی مدح و ثنا ہو تو اس کے ممنوع ہونے پر کوئی قطعی نص دلالت نہیں کرتی۔

یادِ الہی

حضرت بابو جیؒ نے اپنے والدِ بزرگوار کے فیضِ روحانی کو بھی بالکل اُسی طرح جاری رکھا جیسا کہ اُن کے اپنے وقت میں تھا۔ جہاں تک عبادت اور یادِ الہی کا تعلق ہے آپ کی حیاتِ اقدس ایک مُستقل مجاہدہ تھی۔ آپ کے شب و روز کا تقریباً تین چوتھائی حصہ بیداری، نماز، ورد و وظائف اور ذکرِ الہی میں گزرتا۔ ہر وقت با وضو رہتے۔ تمام نمازیں با جماعت اول وقت میں ادا فرماتے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ذکر و تسبیح کا ظاہری شغل جاری رہتا۔ ذکرِ قلب و باطن کی صحیح کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم اس پر آپ کا یہ اپنا جملہ دال ہے کہ یادِ الہی سے ایک لمحہ بھی غافل رہنے سے بہتر ہے کہ انسان کو موت آجائے۔ یہ غرض ہر لحاظ سے مثنوی مولانا رومؒ کے ان اشعار کی جیتی جاگتی تصویر تھیں۔

غفلت ازوے یک زماں صدمِ گرداں زندگی یاد است نزدِ عارفان

ترجمہ۔ اُس ذاتِ پاک کی یاد سے ایک لمحہ کی بھی غفلت کو تو موتوں کے برابر سمجھ کیونکہ عارفوں کے نزدیک اُس کی یاد ہی زندگی ہے۔

ایں جہان و آں جہاں فانی بُود غیرِ یادش جُملہ نادانی بُود

ترجمہ۔ یہ جہاں اور وہ جہاں دونوں فانی ہیں۔ بس اُس کی یاد کے علاوہ سب نادانی ہی نادانی ہے۔

یادِ او سرمایہٴ ایمان بُود ہر گدا از یادِ او سلطان بُود

ترجمہ۔ اُس کی یاد ہی ایمان کا سرمایہ ہے اور ہر گدا اُس کی یاد ہی سے سلطان بن جاتا ہے۔

یادِ او گر مونسِ جانت بُود ہر دو عالم زیرِ فرمانت بُود

ترجمہ۔ اگر اُس کی یاد تیری جان کی مونس بن جائے تو دونوں جہان تیرے تابع فرمان ہو جائیں۔

رسولِ مقبولؐ سے والہانہ محبت

حضرت بابو جیؒ کا ایک امتیازی وصف آپ کا مسلکِ ادب تھا جسب مرتبہ و مقام اس ادب کے موردِ اعلیٰ سرکارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات والاصفات سے لے کر اہل بیتِ کرام اور تمام اکابرینِ داویاے اُمت رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے حضور رسالتِ پناہؐ سے تو حضور بابو جیؒ کو حقیقی اور والہانہ عشق تھا جو فنایتِ تامہ تک پہنچا ہوا تھا اور جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں حضور کا نام اظہر سنتے ہی فرطِ ادب سے آپ کا سر جھک جاتا اور اکثر رقت طاری ہو جاتی۔ قوالی کی مجالس میں حضور کی تعریف و توصیف اور عرضِ سلام و نیاز روزانہ کا مُستقل معمول تھا۔ حضرت مولانا جامیؒ کے نعتیہ کلام کو بالخصوص پسند فرماتے اور بسا اوقات اُن کی کسی منتخب نعت کی کسی روز تک مجلس میں تکرار رہتی۔ حج کا زمانہ نزدیک آتا تو محبوبِ آپ کے ذوق کے پیشِ نظر حضرت جامیؒ کی اس نظم کو اکثر دہراتا۔

اِحْنِ شَوْقًا الْاَدِیَارَ لِقِیْتِ فِیْہَا جَمَالَ سَلْمَا

ترجمہ میں اُس دیار کے شوق میں گریاں بٹوں جہاں مجھے سہلا یعنی اپنے محبوب کا وصال حاصل ہوا تھا۔

حضرت بابو جی اسے سُختے جاتے اور آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتا۔ اسی شوق میں ساہماں سال تک تقریباً ہرج کے موقتہ پر دیا رجبیت کی حاضری دیتے رہے۔ ایک دفعہ جب سفر ارض مقدس میں کچھ سرکاری موافقہ دہش آئے تو حسرت بھر سے لبھے میں فرمایا کہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ مدینہ شریف کے راستے پر آنے والے ہی میں ٹرگزر جائے لیکن ارباب اقتدار کو ہماری اتنی سی خواہش کا پورا ہونا بھی گوارا نہیں۔ مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حاضری کے دوران آپ پر ایک عجیب کیفیت نیاز طاری رہتی۔ وہاں کے جانوروں تک کا ادب اور مدارات فرماتے۔ بارگاہ رسالت سے رخصت ہوتے وقت بہت روتے۔ مدینہ شریف سے تقریباً دس میل باہر جدہ کی شہر پر ایک ایسی جگہ آتی ہے جہاں سے روضہ اقدس کے مینار آخری مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اس رُوح پر درنظارہ کی جگہ پر موٹروں کوڑ کو اگر محبوب قوال سے پنجابی کا ایک فراقیہ ماہیا پڑھواتے جس کے آخری بول یہ ہیں:-

بازار و کیندا کلفٹ - خوش دس ماہی دیا مُلکا - تے اسیں پر دیسی جی و سے ڈھولا

ڈھول جانی ساڈی گلی آویں تینڈی مہربانی

ترجمہ - بازار کے ہے کلفٹ - خوش نس نس کے مُلکا - ہم ہیں پر دیسی ، جیو جانی
دیں ہمارے آنا ، مہربانی

اُس کے بعد وہاں کی زمین چومتے اور اشکبار واپس روانہ ہو جاتے۔

۱۹۴۹ء سے میلاد النبی کے موقع پر ولادت مبارکہ کی شب کو آپ نے ایک ایسی مجلس کا اہتمام فرمایا شروع کیا۔ جس کی کیفیت کا اندازہ صرف اُس میں شریک ہونے والے ہی لگا سکتے ہیں۔ گولڈا شریف میں بجلی آ جانے کے بعد حضرت بابو جی کے ایک پُرلنے سگی کے فرزند سید صفت علی شاہ نہایت اخلاص و محنت کے ساتھ اسے اس خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ درود و صلوٰۃ اور مدح و ثنائے رسول پر مشتمل مجلس سعید رات بھر جاری رہتی اور حضور کی ولادت کے معرُوف وقت، صبح صادق پر ایک سو ایک گولوں سے حضور کی بارگاہ اقدس میں سلامی پر ختم ہوتی۔ الحمد للہ کہ یہ مجلس مبارک حضرت بابو جی کے وصال کے بعد بھی اُن کے فرزند ابن ارجمند کے زیر اہتمام اُسی احتشام و احترام سے منعقد کی جا رہی ہے۔

سرکار بغداد، خواجہ غریب نواز اور مولانا روم سے نسبت و تعلق

حضور رسالت کے بعد سرکار بغداد حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت مولانا جلال الدین رومی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اور حضرت داتا گنج بخش مخدوم سید علی ہجویری سے آپ کو خصوصی عقیدت اور نیاز تھا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم سے آنجناب کے مسئلہ طور پر سلطان الاولیاء ہونے کے علاوہ خود جیلانی النسب ہونے کی بنا پر حضرت بابو جی کو اپنے حضرت اعلیٰ کی طرح ایک خاص خاص نسبت اور تعلق تھا۔ چنانچہ گولڈہ شریف کا لنگر ہمیشہ لنگر خوشیہ کہلاتا رہا اور اب بھی کہلاتا ہے۔ اور جس شان و اہتمام سے حضرت سیدنا غوث الاعظم کا عرس مبارک نوا گیا رہے ربیع الثانی کو یہاں منایا جاتا ہے شاید ہی کسی اور جگہ

منایا جاتا ہوگا۔ حضرت بابو جیؒ نے بغداد شریف کئی دفعہ حاضری دی ۱۹۴۲ء میں آخری حج مبارک کے بعد بھی بغداد شریف حاضر ہو کر واپس تشریف لائے۔ وہاں آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ میں آپ کا اور آپ کے رفقاء کا قیام ہوتا۔ صبح کی نماز کے بعد مزار مبارک کے باہر والے کمرہ میں بالکل جالی مبارک کے سامنے حضرت بابو جیؒ بیٹھ کر حسب معمول اپنے وظائف میں مشغول رہتے۔ پھر قریب آٹھ بجے محبوب قوال سیدنا غوث الاعظمؒ کی خدمت اقدس میں سلام اور منقبت اور دیگر نعتیہ کلام پیش کرتا اور پھر دُعا کے بعد یہ مجلس ختم ہوتی۔ وہاں قیام کے دوران بغداد شریف کے مختلف دینی مدارس کے اساتذہ کرام سے ملاقات رہتی۔ اکثر ان کی دعوت کا بھی انتظام فرماتے۔ کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، کاظمین شریفین، حضرت امام اعظمؒ حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت سری سقطیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت بہلول دانا، حضرت ابراہیم خواص رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت نبی یوشع علیہ السلام اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مزارات مبارکہ پر حاضری دیتے۔ بصرے میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے مزارات مبارکہ کی زیارت کے لیے کئی بار حاضر ہوئے۔ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں بھی مزارات مبارکہ کے سامنے محبوب قوال سلام پیش کرتا۔ حضرت یوسف صاحب گیلانی جو آستانہ عالیہ کے متولی ہیں اکثر حضرت بابو جیؒ کے پاس تشریف لاتے اور مجلس فرماتے۔

قونیہ شریف ترکی میں حضرت مولانا نے رومیؒ کے مزار پاک پر بھی آپ نے چار مرتبہ حاضری دی۔ حضرت مولانا کو آپ "قافلہ سالار عشق" کے لقب سے یاد فرماتے اور ان کے مزار مبارک پر لکھے ہوئے اس شعر کو اکثر دہراتے تھے۔

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام ہر کہ ناقص آمد ایں جا شد مقام

ترجمہ۔ یہ مقام عاشقوں کا کعبہ ہے۔ یہاں جو ناقص بھی آیا وہ کامل بنا

حضرت مولانا کے مزار مبارک کو آب بطور ایک عجائب گھر کے رکھا جاتا ہے۔ جب آپ پہلی دفعہ وہاں حاضر ہوئے تو وہاں کے مدیر اور گورنر کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں۔ وہ لوگ آپ کے اخلاق حسنہ کے اس قدر گردیدہ ہوئے کہ آپ کو عجائب گھر کے اوقات کے بعد اندر حاضر ہو کر قوالی کرانے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ خود بھی شامل ہوئے اور باوجود اس بات کے کہ فارسی نہیں سمجھتے تھے، بے اختیار روتے رہے۔ محبوب نے اسی اوپر لکھے ہوئے شعر سے اپنی قوالی کی ابتدا اس طرح سے کی۔

بہیں تفاوت راہ از کجاست تا کجاست کجاست گولڑا کجاست قونیہ

نہ من بیوہ گرد کو چہ و بازار مے گردم

کعبۃ العشاق باشد ایں مقام ہر کہ ناقص آمد ایں جا شد مقام

یعنی دیکھئے کہاں گولڑا، کہاں قونیہ۔ کتنا طویل فاصلہ ہے مگر میں (اتنا سفر بے مقصد طے کر کے نہیں آیا اور) نہ بے بیوہ

کو چہ و بازار میں گرداں ہوں میں تو اس لیے آیا ہوں کہ یہ مقام عشاق کا کعبہ ہے اور یہاں جو ناقص بھی آیا، کامل ہو کر گیا۔

حضرت احمد مختار عطاس المدنی بھی اس سفر کے دوران حضرت بابو جیؒ کے ہمراہ تھے۔ انہیں خواب میں حضرت مولانا نے حضرت بابو جیؒ کی دعوت کرنے کا اشارہ فرمایا۔ مدیر صاحب نے یہ خواب سنا تو وہ اصرار کرنے لگے کہ یہ دعوت میں کروں گا۔ حضرت بابو جیؒ نے فرمایا کہ اچھا آپ دعوت کریں مگر اس شرط پر کہ دعوت کا خرچ ہم دیں گے کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ بھی تو حضرت مولانا ہی کا ہے۔ مدیر صاحب مشکل اس شرط پر راضی ہوئے اور جو دعوت ہوئی اُس کی کیفیت بھی عجیب تھی حضرت بابو جیؒ فرماتے تھے کہ کھانے سے بالکل طبیعت پر کوئی گرانی یا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی تھی

اور یہی جی چاہتا تھا کہ انسان کھاتا پلا جائے۔ اس سفر کے دوران آپ استنبول بھی گئے۔ وہاں حضرت ایوب انصاری کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کے ہاتھ پوچھتے تھے اور دعا کے لیے استعا کرتے۔ پورا ڈیرہ گھنٹہ آپ وہاں اس طرح رُکے رہے۔ یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ مشنوی شریف کا درس آپ کی مجلس سماع کا ایک لازمی جزو تھا۔

تقسیم ملک سے پہلے حضرت بابو جی ہر سال اجیر شریف کے عرس مبارک پر حاضری دیتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی آپ کئی مرتبہ تشریف لے گئے۔ حضرت باوا صاحب فرید الدین مسعود گنج شکر کے مزار مبارک پر پاک پتی شریف بھی ہر سال حاضر ہوتے۔ حضرت مولانا جامی کے مزار شریف پر بھی اکتوبر ۱۹۷۱ء میں وصال سے قریباً تین سال قبل ایک مرتبہ حاضر ہوئے اور وہاں چار پانچ روز قیام فرمایا۔ یہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت جامی کا نعتیہ کلام آپ کو بہت مرغوب تھا اس کے علاوہ اپنے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے تمام بزرگان کا انتہائی ادب فرماتے یہاں تک کہ ان کے خاندانوں کے کم سن بچوں کی آمد پر بھی احتراماً کھڑے ہو جاتے اور یوں اپنے متعلقین کو درس ادب دیتے۔

لنگر شریف کا انتظام

اپنی تمام مذکورہ مصروفیات ذکر و شغل کے باوجود حضرت بابو جی لنگر شریف کے انتظام و انصرام میں جہاں روزانہ سینکڑوں اور حضرت سیدنا غوث الاعظم اور حضرت اعلیٰ کے اعراس مبارک کے موقع پر ہزاروں مہمانوں کو قیام و طعام مہیا کیا جاتا ہے گہری اور ذاتی دلچسپی لیتے۔ یہاں تک کہ عرس کے دوران بسا اوقات تمام دن کچھ کھائے بغیر گزر جاتا۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم کے مہمانوں کے آرام و آسائش کو اپنے آرام پر مقدم سمجھتے اور اس بات سے خائف رہتے کہ خدا نخواستہ اُس ذات عالیہ کے مہمانوں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ یہ اسی ذاتی دلچسپی اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ دربار گوڑہ شریف ہمیشہ حسن انتظام کا ایک قابل تقلید نمونہ رہا اور آج تک ہے۔

آستانہ عالیہ پر زائرین کی تعداد میں مسلسل اضافہ کے پیش نظر حضرت بابو جی نے دو نئے مہمان خانے بنوائے۔ ایک بڑا مجلس خانہ تعمیر کروایا۔ مسجد کی از سر نو دو منزلہ تعمیر و توسیع فرمائی۔ مدرسہ اور طلباء کی رہائش و تعلیم کے انتظام کو نئی صورت دی۔ تمام آستانہ عالیہ پر بجلی فراہم کروائی۔ حکومت نے آستانہ عالیہ ہی کی وجہ سے راولپنڈی سے دربار شریف تک پختہ سڑک کی تعمیر کا انتظام کروایا اور اومنی بس سروس بھی جاری کروائی تاکہ لوگوں کو آنے جانے میں سہولت ہو۔

عجز و انکسار

جیسا کہ سابقہ فصل میں لکھا جا چکا ہے حضرت بابو جی کا نماز ترین وصف آپ کا عجز و انکسار اور انھیں حال تھا۔ اسی وصف کے تحت آپ نہ تو خود کبھی تعلیٰ ذکلمات فرماتے تھے اور نہ کسی اور کی زبان یا قلم سے اپنی تعریف کسی صورت سُنا پسند فرماتے۔ انسان کی صفت عجز کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بارگاہ الہی میں سب سے زیادہ مقبول ہے اس لیے کہ اُس ذات بزرگ و برتر میں سب منصورہ صفات کا مدِ موجود ہیں۔ صرف عجز ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُس کے یہاں نہیں ہے اور نہ ہی اُسے اُس کے ساتھ منسوب کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جیسے انسان کی دنیاوی زندگی میں بالعموم اُسی شخص کی قدر زیادہ کی جاتی ہے جو تحفہ لینے دینے کے پاس پہلے سے موجود نہ ہو۔ اسی طرح بارگاہ ایزدی میں بھی عجز و انکسار کا تحفہ

بدرجہ اولے قابلِ قدر و قبولیت ہے۔

حُسنِ اخلاق

اسی حجر و انکسار کا ایک اور مظاہرہ حضرت بابو جی کا عظیم المثال حُسنِ اخلاق تھا۔ آپ کے نزدیک کسی بھی انسان کی قدر و منزلت اس کے دنیاوی جاہ و مرتبہ کی بنا پر نہیں بلکہ اُس کے اخلاص و محبت اور شرافت و نجابت کی بنا پر ہوا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کی مجلس میں غریب و امیر سب شامل ہوا کرتے تھے اور آپ سے یکساں توجہ پاتے تھے بلکہ غربا کے ساتھ آپ کی طبیعت زیادہ لگتی تھی اور آپ اکثر اُن سے خوش طبعی بھی فرماتے۔ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ ملنے والے کو بھی سنگی (یعنی ساتھی) یا "آشنا" کہہ کر پکارتے۔ آپ کے بچپن کے کئی غریب ساتھی تادمِ آخر آپ کی خصوصی محبت کا مرکز بنے رہے اور بالآخر موت نے جب اُنہیں آپ سے جدا کر دیا تو آپ ایسے ہی متاثر اور متأسف ہوئے جیسے اپنے عزیز افراد کی جدائی سے ہوتے تھے۔ نتیجہً آپ سے وابستہ ہر شخص یہ خیال کرتا تھا کہ آپ اُسی پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ حالانکہ آپ کے متعلقین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی اکثر اپنے مخلصین کی عیادت، تعزیت یا شرکتِ جنازہ کے لیے طویل سفر اختیار فرماتے متوفی متعلقین کے پسماندگان کی مسلسل خبر گیری فرماتے۔ اگر کوئی قریبی تعلق والا کسی وجہ سے کچھ دُوری بھی اختیار کر لیتا تو آپ کی طرف سے تعلق اور توجہ میں مطلقاً کمی نہ آنے پاتی جس کی وجہ سے بسا اوقات وہ خود ہی پشیمان ہو کر دوبارہ نزدیک آ جاتا۔ ایسے مواقع پر آپ اکثر یہ بھی فرماتے کہ غالباً دیر تک میرے ساتھ رہنے سے یہ صاحبِ میرے عیوب سے پوری طرح واقف ہو گئے ہیں اس لیے اب بلا پسند نہیں کرتے۔ مخالفین کی معاندت کا جواب ہمیشہ حُسنِ خلق سے دیتے اور وقت پڑنے پر اُن کی بھی اُسی طرح دلجوئی اور امداد فرماتے جیسے اپنے مخلصین کی۔ چنانچہ مخالفین باوجود اپنی مخالفت کے آپ کی وسعتِ اخلاق کے ہمیشہ معترف رہے۔ حضرت بابو جی کا حُسنِ اخلاق غیر مسلموں کے لیے بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لیے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران گولڑہ شریف کے غیر مسلموں سے آپ نے جو مشفقانہ سلوک فرمایا اُس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم صاحبانِ آپ کی مجالسِ سماع میں بھی شریک ہوتے اور اُن سے لُطفِ اندوز ہوتے تھے اور بحالتِ کیف "اللہ اللہ" اور "محمد محمد" کے اسمائے پاک کی تکرار بھی کیا کرتے۔ کچھ ہندو اور سکھ صاحبان اپنی قیام گاہوں پر بھی محبوبِ قوال کی مجلسِ قوالی منعقد کرواتے۔ الغرض حضرت بابو جی کا وجود مبارک سلفِ الصالحین کے اس ارشاد کی زندہ تصویر تھا کہ تصوف سارے کا سارا حُسنِ اخلاق ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس موضوع پر حضرت داماد گنج بخشؒ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تصوف کے ان معانی اور معارف کا انکار کرے تو جنابِ رسولِ پاکؐ کی پوری شریعت اور آئینہٴ حُسنِ اخلاق حسنہ کا منکر ہے۔"

رحمِ دلی و غریب نوازی

حضرت بابو جی کی ذاتِ مبارک میں قدرت نے رحمِ دلی اور بے سہارا لوگوں کے لیے جذبہٴ ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ محبت اور آشنا پرور فی آپ کا خاصہ تھا۔ ملنے والوں اور نگرِ شریف کے مہمانوں کے آرام و سہولت کو آپ ہمیشہ اپنے ذاتی آرام پر فوقیت دیتے رہے۔ ملاقات کے دروازے ہر ایک پر ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ صبح کے وقت وظائف اور اُرد

کے دوران بھی ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا ہے کہ دوسرے کی زندگی بڑی توجہ سے ٹھنٹے اور بیان کرنے والے کی تکلیف کو حقیقی طور پر محسوس فرماتے انسان تو انسان حیوانوں کی تکلیف سے بھی آپ متاثر ہوتے بغیر نہ رہتے۔ ایک مرتبہ بھمبر کی سخت سردرات میں بارش ہو رہی تھی۔ راولپنڈی سے واپس پر آپ نے ایک عمر رسیدہ گدھے کو سڑک کے کنارے کھڑے دیکھا۔ فرمایا کہ جب تک بے چارہ کام کرنے کے قابل تھا اس کی نگہبانی ہوتی رہی۔ اب جب اس قابل نہیں رہا تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی وقت آدمی بھج کر اسے ایک محفوظ سایہ دار جگہ پہنچایا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

طریقت بحر خدمت خلق نیست
بسیح و سجادہ و ولی نیست

یہ حقیقت ہے کہ بابو جی کے پاس بیٹھ کر اور آپ کی صورت مبارک دیکھنے سے ایسا سکون حاصل ہوتا تھا کہ انسان اپنی تمام تکلیف اور پریشانیاں بھول جاتا تھا۔ ایک روز جنگ کے علاقہ کا ایک سادہ لوح دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا "خیر اسے؟" یعنی خیریت ہے؟ اُس نے جو جواب دیا وہ آپ کے تمام غمے والوں کے جذبات کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ اپنی بولی میں اُس نے عرض کیا: "تساڑے انھیاں خیر اسے؟" یعنی آپ کو دیکھ لیا بس خیر ہی خیر ہے۔

جود و سخا

خلق خدا کے ساتھ ہمدردی اور رحم دلی کا ایک اور مظاہرہ آپ کی صفت جود و سخا تھا۔ سینکڑوں بھائیوں اور بیویوں کو نہایت خاموشی سے مالی امداد پہنچاتے۔ غریب سادات خاندان اور دوسرے ایسے اچھے خاندان جو انقلابات زمانہ کی وجہ سے عسرت کا شکار ہو گئے تھے، خاص طور پر آپ کی توجہ سے مستفید ہوتے۔ ۱۹۴۳ء میں جب آپ دوسری جنگ عظیم کے بعد حج پر تشریف لے گئے اُن دنوں عرب میں ابھی تل کی دریافت نہیں ہوئی تھی اور کئی سال جنگ کے باعث باہر سے حجاز نہ آنے کی وجہ سے وہاں پر لوگوں کی مالی حالت سخت تشویش ناک ہو گئی تھی۔ اُس موقع پر آپ نے وہاں کے لوگوں کی اتنے وسیع پیمانے پر مالی امداد فرمائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ غرضیکہ جو بھی سائل دروازہ پر آیا خالی ہاتھ نہ گیا۔

بیماری کی ابتداء اور اسباب

حضرت بابو جی کی صحت بفضلہ اُن کی عمر کے بیشتر حصہ میں قابل رشک رہی۔ میاں قد پر سفید لباس، گندمی رنگ، کلاں پرتیج زلفیں اور سر منگیں مدبھری آنکھیں ایک ایسا نقشہ پیش کرتی تھیں کہ جی چاہتا تھا انسان دیکھتا ہی رہے۔ اپنے چہرے بستر سے آپ اپنی اصل عمر سے بہت کم عمر کے نظر آتے تھے۔ سادہ غذا آپ کو بہت مرغوب تھی۔ کھانے اور پینے کے لیے مٹی کے برتن پسند فرماتے۔ دوران سفر جب اپنے کسی ملنے والے کے ہاں قیام ہوتا تو وہاں کھانوں کی بہتات دیکھ کر آپ ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ بسا اوقات کسی ملنے والے کے اصرار پر اُس کے ہاں کھانے کی دعوت اس شرط پر قبول فرماتے کہ دال یا صرف ایک سامن پکایا جائے گا۔ ایسا اتفاق بھی ہوتا کہ آپ کسی کے ہاں کھانے کے وقت بلا اطلاع پہنچ جاتے اور جو کچھ اُس وقت گھر میں پکا ہوتا آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا، اُس وقت آپ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اپنے لیے تو کیسا اچھا کم مرغن کھانا پکاتے ہو اور میں بیمار کرنے کے لیے کھانے میں اتنا سارا گھی ڈال دیتے جو پہل پسندی سے آپ ہمیشہ دور رہے جسم کو مشقت کا ایسا

مادی بنایا تھا اور پیدل اتنا تیز چلتے تھے کہ اپنے سے بہت کم عمر والوں کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ گھوڑے کی سواری کو بھی آپ پسند فرماتے اور ایسا اوقات صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ساتھ کے گاؤں میرا بادہ تشریف لے جاتے۔ شام کے وقت آپ ٹھونا راوینڈی تشریف لے جاتے۔ وہاں شرف میں آپ حاجی محمد شفیع صاحب کی دوکان واقع پرانا قلعہ پر قیام فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ پرانے قلعہ سے آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ایک اور مخلص منشی رحیم بخش صاحب کے گھر لال کڑتی بھی تشریف لے جاتے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب پٹرول کاراش تھا تو آپ پنڈی کا یہ روزانہ سفر مانگے پڑھتے کچی سڑک پر یہ ۲۰ میل کا سفر خاصا کمشن ہوتا تھا۔ لنگر تشریف سے گولڑہ تشریف کے ریوٹیشن تک آپ ڈومیل پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں سے تانگے پر سوار ہوتے۔ حاجی محمد شفیع صاحب سے آپ کا پرانا تعلق تھا۔ دوسرے بار ثروت لوگوں نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حاجی شفیع صاحب کے ہاں جانے کی بجائے اُن کے ہاں جایا کریں۔ مگر پرانے تعلق کو چھوڑنا آپ کے مسلک میں نہ تھا۔ جب حاجی شفیع صاحب بوجہ بیماری اپنی دوکان پر آنے سے معذور ہو گئے تو پھر آپ نے شام کے وقت منشی رحیم بخش صاحب لال کڑتی والوں کے پٹرول پمپ موسومہ چاولہ گیراج مال روڈ پر تشریف لے جانا شروع کیا۔ لال کڑتی کا یہ خاندان لنگر تشریف سے بڑی عقیدت رکھتا ہے منشی رحیم بخش صاحب کے بھتیجے حاجی غلام قادر صاحب تو اپنی جوانی ہی سے حضرت بابو جی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے۔ شام کی ان مجالس میں راوینڈی شہر اور باہر سے آئے ہوئے بڑے بڑے صاحب علم و ذوق حضرات شامل ہوتے اور علمی اور روحانی مسائل زیر بحث آتے۔ حضرت بابو جی کی ذات مبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا وقار، تمکنت اور جلال عطا فرمایا تھا کہ آپ کی تمام مجالس نہایت سنجیدہ اور پر وقار ہوتیں۔

اللہ والوں کے پاس بالعموم زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو زمانہ کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے درد کا درماں اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ اپنی نفوس قدسیہ کے ہاں مل سکتا ہے۔ بقول امیر مینائی

علا ہے مہرباں فریاد رس مسر یاد کرتے ہیں

پاکستان کے وجود کے ابتدائی سالوں میں حاکمان وقت کی غلط روی، اقربا پروری، ذاتی مفاد کی خاطر بھاگ دوڑ اور غریب عوام کے مسائل کی طرف انتظامیہ کی بے توجہی وغیرہ نے خلق خدا کو مختلف النوع تکالیف میں مبتلا کر دیا۔ جو بھی آتا ایک نئے ستم کی سرگزشت سنانا۔ حضرت بابو جی کی حد درجہ حساس طبع مبارک پر ان داستان ہائے غم کا شدید اثر ہوتا۔ ۱۹۷۱ء کے مشرقی پاکستان کے المیہ اور پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے کو آپ نے اس شدت سے محسوس کیا کہ بیان سے باہر ہے جنگی قیدیوں کے اقربا جب دُعا کے لیے حاضر ہوتے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ ان سب باتوں کا اثر آپ کے قلب پر ہونا لازمی تھا۔ ۱۹۷۱ء حج کے دوران آپ نے حج سے واپسی پر حضرت جامیؒ کے مزار مبارک پر حاضری دینے کا پروگرام بنایا اور ستمبر ۱۹۷۱ء کے آخر میں موٹروں پر یہ سفر فرمایا۔ موٹروں کے اس قافلہ میں آپ سب سے آخر میں مخلص عزیز الحق قریشی جو نوابزادہ محمد سعید قریشی کے فرزند اور نوابزادہ محمد ذاکر قریشی صاحب کے بھتیجے ہیں، کی موٹر میں سفر فرماتے رہے۔ سرگودھا کا یہ قریشی خاندان صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتا ہے۔ اور ان کے جد امجد محمد حیات صاحب قریشی کا حضرت اعلیٰ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اُن کا ذکر اس کتاب کے صفحہ ۲۹۸ پر آچکا ہے۔ عزیز الحق قریشی صاحب حضرت بابو جی کو فی الواقعہ بہت عزیز تھے جاتے ہوئے قندھار میں قیام کے دوران آپ نے سخت کمزوری اور دل کے مقام پر بے چینی محسوس فرمائی۔ ٹھنڈے پسینے بھی آئے مگر آپ نے رُفقا کو پریشان نہ کرنے کے خیال سے اس کو زیادہ اہمیت نہ دی اور سفر جاری رکھا۔ راستہ میں پھر اسی تکلیف

کا اعادہ ہوا اور ہر ات پینچنے پر رُفحہ کے اصرار پر ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔ اُس نے فوری طور پر مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی اور دوائیاں بھی دیں مگر آپ جس مقصد کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے اُس کی تکمیل کے بغیر آرام ناممکن تھا۔ آپ روزانہ تین چار گھنٹے حضرت جامع کے مزار مبارک پر حاضری دیتے۔ ہر ات میں ۵ روز قیام کے بعد آپ کابل اور مزار شریف سے ہوتے ہوئے ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو واپس تشریف لائے۔ مگر واپس آتے ہی آپ کو مٹھ ٹوانہ ضلع سرگودھا ایک شادی کے سلسلہ میں جانا پڑا۔ وہاں سے راستہ ستیانہ و ٹکھیانہ ضلع جنک ملتان تشریف لے گئے۔ ٹکھیانہ میں مٹھ والوں کے اصرار پر آپ کو متعدد جگہوں پر پیدل چلنا پڑا۔ اور ایک جگہ ایک نالے کو چھلانگ لگا کر عبور کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ٹکھیانہ سے آگے راستے ہی میں کبیر والہ کے مقام پر آپ نے دوبارہ دل کے قریب تکلیف محسوس فرمائی۔ اور وہ دوائی دوسری موٹر سے منگوا کر مٹھ میں رکھی جو ڈاکٹر کرنل شیخ صاحب نے ایسے موقع پر استعمال کے لیے دی تھی۔ ملتان پہنچنے پر آپ پر نقابست کا ایک زبردست حملہ ہوا۔ ملتان میں آپ خواجہ مظفر محمود صاحب کے صاحبزادے خواجہ محمد مسعود کی کوٹھی پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ انہیں آپ بوجہ اُن کی بی بی بھونی طبیعت کے فقیر صاحب کے لقب سے خطاب فرماتے تھے۔ ملتان کے مخلصین نے وہاں کے تمام اچھے ڈاکٹر بلا لیے اور انہوں نے آپ کو وہاں دو تین روز زبردستی آرام فرمانے کے لیے رکھا اور گولڑہ شریف واپسی کے لیے موٹر کے سفر سے منع کیا۔ لہذا آپ کو لاہور سے آگے ہوائی جہاز میں راولپنڈی لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے مکمل آرام کا مشورہ دیا مگر آپ نے اپنے روزمرہ کے مشاغل میں سرگرمی فرق لانا گوارہ نہ فرمایا۔ صاحبزادگان مدظلہا العالی کے اصرار پر صرف اتنا کیا کہ مجلس سے واپس مکان کو جاتے ہوئے راستے میں چڑھائی ہونے کی وجہ سے آپ پیدل جانے کی بجائے موٹر پر تشریف لے جانے لگے۔ فرماتے تھے کہ تم لوگ آرام آرام کہہ کر مجھے بالکل معذور بنا دو گے۔ دل کی تکلیف سے ذرا افادہ ہوا تو مسلسل چکی کی تکلیف شروع ہو گئی جس نے جسم مبارک کو اور بھی کمزور کر دیا۔ اس دوران حج کا زمانہ آگیا۔ ڈاکٹروں کی شدید مخالفت کے باوجود آپ نے حج پر جانے کا پروگرام بنالیا اور دسمبر ۱۹۷۲ء میں آپ اپنے تمام اہل خاندان اور متعدد دوسرے متعلقین کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف اور کاظمین شریفین بھی حاضری دی۔ ایسے سفروں کے دوران آپ ہمیشہ اپنے سب قطار کو سوار کر کے پھر سوار ہوتے اور منزل پر پہنچ کر ہر ایک کے لیے قیام کا انتظام فرما کر پھر اپنے لیے جگہ ڈھونڈتے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سب رُفحہ اپنے ڈیروں پر ٹمکتے ہیں اور آپ باہر میدان میں تشریف فرما ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے سفروں میں چونکہ طبیعت کا رجحان کیوٹی سے منزل مقصود کی جانب ہوتا ہے اس لیے دوران سفر کسی تکلیف یا کمزوری کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔

حج سے واپسی اور استغراق

مندرجہ بالا سفر آپ کا آخری سفر حجاز و عراق تھا۔ اس سفر کے بعد حضرت بابو جی کی طبع مبارک میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ آپ اب اکثر و بیشتر خاموش رہنے لگے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا جسم تو یہاں ہے مگر قلب و روح کسی نہایت ہی ارفع مقام پر ہیں بعض مرتبہ استغراق کا یہ عالم بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ نے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ان دنوں آپ اکثر محبوب قوال کو مشنوی شریف مولانا دہلوی کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔

چند بارشی عاشق صورت بگو طالب معنی شو و معنی بگو

ترجمہ۔ تو کب تک صورت کا عاشق رہے گا۔ معنی کی طلب اور تلاش کر

صورت ظاہر نہ کر دے۔ عالم معنی بساں جادواں

ترجمہ — یہ جان لے کہ ظاہری صورت تو فنا ہو جائے گی لیکن معنی کی دنیا ہمیشہ رہنے والی ہے
گفت المعنی هو اللہ شیخ دیں بھر معنی ہاں ست رب العالمیں

ترجمہ — شیخ دیں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معنی ہی معنی ہے اس کی ذات پاک معانی کا ایک سمندر ہے

ایسے لگتا تھا کہ آپ کو اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کا علم ہو گیا ہے اور ان اشعار کے اعادہ سے آپ اپنے ملنے والوں کو اپنی جدائی کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنے ملنے والوں کے لیے حضرت بابو جی کی ذات مبارک ایک ایسا محبوب و مباد و ماحی جس کا بیان ممکن نہیں۔ اُن کی تو کائنات ہی آپ کے دم قدم سے آباد تھی اور اُن کی زندگی کی رونق آپ کے وجود ہی سے تھی۔ ایک دنیا آپ کی گردیدہ تھی۔ اور خود آپ سے بھی یہ بات مخفی نہ تھی۔ اپنی تمام زندگی رہ کر عشق میں گزارنے کی بنا پر آپ یہ جانتے تھے کہ جدائی کیسی تکلیف دہ چیز ہوتی ہے بقول عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ سے
از مذاق تلخ می رانی سخن ہر چه خواہی کن و یکن ایں مکن

ترجمہ — تم تلخ جدائی کا ذکر کر رہے ہو (حضور!) سب کچھ کرنا مگر یہ نہ کرنا

پہنچنا آپ خوب سمجھتے تھے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والوں پر کیا گزرے گی۔ آپ کے ایک دیرینہ نیازمند مہر احمد نواز خان نے جو اکثر اپنی پُر مزاح باتوں سے آپ کی طبیعت بہلایا کرتے تھے، مندرجہ بالا اشعار سن کر آپ کی خدمت میں ایک روز عرض کیا کہ آپ ہیں معنی کی باتیں سننا سنا کر دوسرے راستے پر نہ لگائیں ہم جانتے ہیں کہ معنی بہت اچھی چیز ہے تاہم ہیں تو صورت ہی بڑی پیاری ہے آپ اسی کو ہمارے پاس رہنے دیں؟ ۵۔ نومبر ۱۹۷۳ء کو آپ اپنے دیرینہ نیازمند ریاست امب کے نواب صاحب کے انتقال پر ایٹ آباد سے ہوتے ہوئے شیر گڑھ تشریف لے گئے اور ۱۴ نومبر کو واپسی پر ریحانہ ضلع ہزارہ میں بھی سردار بہادر خان کی والدہ کی تعزیت کے سلسلہ میں رکتے ہوئے اُسی رات واپس گولڑہ شریف تشریف لے آئے۔ ۸۔ نومبر ۱۹۷۳ء صبح کے وقت ناشتہ کے بعد آپ نے حسب معمول محبوب قوال سے کلفت لگوائی اس کے لگاتے ساتھ ہی آپ نے زبان کی روانی میں رُکاوٹ محسوس فرمائی۔ محبوب قوال جب بیٹھک سے نیچے اُترا تو اس نے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت بابو جی کی زبان کی روانی میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت بابو جی بھی نیچے تشریف لائے اور آپ نے بھی لالہ جی سے یہی ذکر فرمایا۔ لالہ جی مدظلہ العالی نے بھی گفتگو کے دوران زبان کی روانی میں فرق کو محسوس کیا اور اُسی وقت آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر کرنل محمد شفیع صاحب کو ٹیلیفون پر اطلاع دی۔ وہ فوراً آئے اور دیکھ کر بتایا کہ زبان پر فالج کا اثر ہے اور مکمل آرام کے لیے عرض کیا۔ مگر آپ نے اپنے معمولات میں مزید صرف اتنی تبدیلی فرمائی کہ موٹر کا استعمال محبس سے گھر تشریف لے جانے کے علاوہ گھر سے مجلس کے لیے بھی ہونے لگا۔ ایلوپتھک و انیوں کے ساتھ ساتھ ہومیو پتھک اور یونانی ادویہ بھی استعمال کی گئیں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی افادہ ہو گیا تاہم زبان کی روانی کلیتہً بحال نہ ہوئی۔

حضرت مدنی صاحب کی آمد

اُدھر حج کا زمانہ پھر آن پہنچا اور آپ اپنی کمزوری اور تکلیف کے باوجود دیار پاک کی حاضری کے لیے تیار ہونے لگے

ڈاکٹر صاحبان نے شدت سے منع فرمایا۔ بالآخر یہ ارادہ فرمایا کہ حج کے بعد عمرہ کے لیے جائیں گے جب وہاں بھیہ ذرا کم ہوگی۔ اور حضرت مدنی صاحب کو بھی اُن کی آنکھ کے آپریشن کے لیے اپنے ساتھ پاکستان لے آئیں گے۔ ابھی یہ پروگرام بن ہی رہا تھا کہ ۵ مارچ ۱۹۷۳ء کو اچانک اطلاع ملی کہ حضرت مدنی صاحب کراچی پہنچ چکے ہیں۔ یہ اطلاع ملنے پر حضور باجوہیؒ کے ڈاکٹر کرنل محمد شفیع مشتاق قوال، خواجہ نذیر بخش و خواجہ محمد اعظم گیلانی کے ۹ مارچ کو بذریعہ سوانی جہاز حضرت مدنی صاحب کے استقبال اور انہیں ساتھ لانے کے لیے کراچی پہنچ گئے۔ حضرت مدنی صاحب کا تعارفی ذکر اس کتاب کے صفحہ ۳۳ پر حاشیہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت باجوہیؒ سے انہیں بے حد نیاز اور قیمتی معنوں میں مشق تھا۔ آپ جو خط بھی حضرت باجوہیؒ کی خدمت میں تحریر فرماتے انہیں ان الفاظ سے شروع کرتے۔

من مسقط رأس المدینۃ المنورہ الی مسقط قلبی گولڑا شریف

ترجمہ۔ یہ خط جابا ہے اُس دیار پاک سے جہاں میرا سر گرا ہے۔ طرف اُس دیار گولڑا شریف کے جہاں میرا دل گرا ہے۔ افسوس کہ حضرت باجوہیؒ کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مدنی صاحب بھی یکم رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو اس جہان فانی سے دار بقا کی طرف تشریف لے جا کر حضرت باجوہیؒ سے جا ملے۔

کراچی میں حضرت باجوہیؒ شروع میں صادق ٹریڈرز کے دفتر میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کے ایک اور ملنے والے مخلص احمد داؤد نے جب اپنا مکان بنوایا تو بڑے اصرار سے التجا کر کے آپ کو وہاں قیام کرنے پر راضی کیا۔ احمد داؤد صاحب کا حضرت باجوہیؒ سے پاکستان بننے سے پہلے بمبئی میں تعارف ہوا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کراچی آ گئے۔ حضرت باجوہیؒ سے بے حد محبت کرتے تھے اور کراچی اور بیرون ملک سفروں کا تمام انتظام اُن کے سپرد ہوتا تھا۔ دل کے مریض تھے مگر نگر تشریف کے کاموں کے لیے پیدل دوڑتے پھرتے تھے۔ حضرت باجوہیؒ بعد مدنی صاحب ۹ مارچ کو کراچی سے واپس تشریف لے آئے۔ آپ کی واپسی کے دوسرے ہی روز اطلاع ملی کہ احمد داؤد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے آپ کو نہایت دلی صدمہ ہوا اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت لالہ جی کو جنازہ میں شمولیت کے لیے کراچی بھیجا۔

کمزوری اور علالت کے باوجود حضرت باجوہیؒ کی مصروفیات اور معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ کی بیماری کی خبریں سن کر ملنے والوں کا جہوم بڑھ گیا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۷۳ء کو بغداد شریف سے درگاہ حضرت غوث الاعظمؒ کے متولی سید یوسف سف الگیدانی تشریف لائے۔ اُن کی خاطر مدارات میں بھی حضرت باجوہیؒ ذاتی طور پر شمولیت فرماتے رہے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۷۳ء کو مانی سارا صاحبہ ترکی سے حضرت باجوہیؒ کی بیماری پُرسی کے لیے تشریف لے آئیں۔ یہ ترکی کے مشہور جرنیل النور پاشا کی اولاد سے ہیں اور حضرت مولانا مائے رومؒ سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں۔ حضرت باجوہیؒ سے ان کی ملاقات قونیہ شریف حضرت مولانا کے مزار مبارک کے باہر ٹوٹی اور چونکہ یہ کچھ خنڈا بہت انگریزی سمجھتی ہیں اس لیے وہاں پر یہ حضرت باجوہیؒ اور مدنی صاحب و دیگر ترکی انتظامیہ کے ملازمین کے درمیان بطور مترجم کام کرتی رہیں۔ حضرت باجوہیؒ کے اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہیں اپنا بھائی کہنے لگیں اور اس سے قبل بھی ایک دفعہ آپ کو ملنے کے لیے پاکستان آئی تھیں۔ ۱۶ اپریل ۱۹۷۳ء کو یوم عید میلاد النبیؐ تھا۔ اس موقع پر آستانہ عالیہ پر جو خاص تقریب ہوتی ہے اُس کا ذکر اسی فصل کے شروع میں آچکا ہے۔ حضرت باجوہیؒ پہلی بار اس مجلس میں بذاتہ شامل نہ ہو سکے کیونکہ رات تقریباً گیارہ بجے آپ کو سردی کے ساتھ شدت کا بخار آ گیا۔ آپ کے تشریف نہ لانے کا اثر ساری مجلس پر تھا۔ حضرت باجوہیؒ کی جگہ آپ کے صاحبزادگان نے مجلس کی تعاریف کو سزا انجام پہنچایا۔

مگر وہ خود بھی اپنے والد بزرگوار کی غیر شمولیت پر غمزدہ نظر آتے تھے۔

حضرت مدنی صاحب کی تشریف آوری سے حضرت بابو جی کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی۔ مدنی صاحب کو موتیا بند کی تکلیف تھی اور پہلے بھی آپ کی ایک آنکھ کا اپریشن پاکستان ہی میں ہو چکا تھا۔ اب دوسری آنکھ میں تکلیف تھی۔ اور حضرت بابو جی کا خیال تھا کہ اس کا اپریشن بھی یہیں ہو جائے کیونکہ یہاں تسلی بخش اپریشن کے علاوہ آپ کی دیکھ بھال کا خاطر خواہ انتظام ہو سکتا تھا غرضیکہ مدنی صاحب کی دوسری آنکھ کا اپریشن بھی کامیابی سے ہو گیا۔ آپ ابھی زیر علاج تھے کہ سیدنا غوث الاعظم کا عرس مبارک ۱۳، ۱۴، ۱۵ مئی ۱۹۷۴ء کو آن پہنچا۔ اس موقع پر گولڑہ شریف میں خلق خدا کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے اور ان سے ملاقات کا تو اترا تن وقت طلب اور اس قدر تھکا دینے والا ہوتا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ نے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ اس کے علاوہ حضرت بابو جی عرس کی سہ روزہ باقاعدہ مجالس میں عموماً دوا دوا کر بیٹھا کرتے تھے اور بہت کم پہلو بدلتے۔ انہی تقریبات کے دوران جمعہ کے روز ختم شریف کی مجلس میں دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد آپ نے محسوس فرمایا کہ آپ کی ایک ٹانگ بالکل بے حس ہو گئی ہے۔ مجلس کے خاتمہ پر آپ بڑی مشکل سے سہارا لے کر قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ اس تکلیف کے باوجود آپ نے جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر باجماعت ادا فرمائی۔

ہسپتال میں داخلہ اور حضرت مدنی صاحب کی واپسی

عرس مبارک کے تھوڑے ہی دنوں بعد ۱۱ مئی بروز ہفتہ آپ کو غصہ و مثانہ بڑھ جانے کی وجہ سے پیشاب میں رکاوٹ کی تکلیف ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے غصہ کے اپریشن کا مشورہ دیا جس کے لیے آپ کو کلبائٹری ہسپتال میں جمعرات ۱۶ مئی ۱۹۷۴ء کو کمرہ نمبر ۴ میں داخل کرادیا گیا۔ حضرت مدنی صاحب نے جب حضرت بابو جی کی اس تکلیف کو دیکھا تو آپ پس وطن جانے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ غالباً وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی موجودگی کی وجہ سے حضرت بابو جی کے علاج کی طرف توجہ میں کمی واقع ہو۔ حضرت بابو جی کو جب مدنی صاحب کے اصرار کا علم ہوا تو آپ نے بار بار ان کی خدمت میں ہی کہلوایا کہ ابھی تشریف نہ لے جائیں مگر مدنی صاحب بدستور مصر رہے۔ آخر ان کی خواہش کے سامنے سب کو جھکنا پڑا۔ اور وہ ۲۶ مئی ۱۹۷۴ء بروز اتوار رات ساڑھے آٹھ بجے تشریف لے گئے۔ ان کی روانگی سے ایک روز قبل حضرت بابو جی ڈاکٹر صاحبان سے اجازت لے کر انہیں خیر باد کہنے کے لیے گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔ دوسرے روز آپ کا پروگرام انہیں ہوائی اڈہ پر جا کر رخصت کرنے کا بھی تھا۔ مدنی صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے گزارش کی کہ آپ ہوائی اڈہ پر تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تو آپ کو مدینہ شریف تک چھوڑ کر آنے کا تھا آپ مجھے ہوائی اڈہ تک جانے سے بھی منع فرما رہے ہیں۔ جب مدنی صاحب نے دوبارہ وہی گزارش کی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ کیا آپ نے یہاں مزید قیام فرمانے کے متعلق میرا کہا مانا ہے کہ میں آپ کا کہا مانوں؟ غرض آپ ہوائی اڈہ پر تشریف لے گئے۔ واپسی پر حسرت بھرے لہجے میں فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ مدنی صاحب میرا جنازہ پڑھا کر جاتے مگر افسوس کہ یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ مدنی صاحب کے اپنی واپسی پر غیر معمولی اصرار کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بھی حضرت بابو جی کے عنقریب اس دنیا سے تشریف لے جانے کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ جانکاہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

علامت کے دوران ملنے والوں کی بے چینی

حضرت بابو جی کی علامت نے آپ کے تمام ملنے والوں کو بے چینی کیا ہوا تھا جس کی کو علم ہوا اس نے حتی الوسع کوشش کی کہ بیمار پرسی اور زیارت کے لیے ہسپتال میں ماضی دے۔ دورہ راز سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ نتیجتاً ہسپتال میں پوچھنے والوں کا اتنا بندھا رہتا تھا۔ ملاقات کے اوقات کے دوران وہاں باہر باجماعت نمازیں ادا کی جاتیں۔ اور کھانے کے وقت ایک لمبا دسترخوان بچھا ہوتا۔ آپ کی علامت کے اس دور میں آفا شورش کا شیرازی نے چٹان نورخہ ۲۰ مئی ۱۹۵۹ء میں ایک نظم لکھی جو آپ کے ملنے والوں کے احساسات کی ترجمان ہے۔ آفا شورش بقول خود کسی اور میدان یعنی میدان سیاست کے شاہسوار تھے۔ تحریک ختم نبوت میں انہیں حضرت بابو جی کے قریب آنے اور دیکھنے کا موقع ملا اور آپ کے اخلاق حسہ اور اوصاف حمیدہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی اکثر مجالس میں اس کا ذکر کرتے۔ حضرت بابو جی انہیں منع فرماتے کہ آپ جن الفاظ میں میرا ذکر کرتے ہیں ان کے بالکل قابل نہیں ہوں۔ آپ ایسا نہ کیا کریں۔ مگر وہ بھلا کہاں دیکھنے والے تھے۔ مندرجہ ذیل نظم بھی جب آپ کو ہسپتال میں سنانی گئی تو آپ نے پھر شورش صاحب کی طرف پیغام بھجوایا کہ ایسا نہ کیا کریں۔

گولڑہ کے معتقد اس درد سے لاچار ہیں	ان کے مرشد اک مینہ ہو گیا بیمار ہیں
تندرستی دے انہیں اسے مالک ہر دو جہاں	جم فقیروں کے لیے وہ ابر گوہر بار ہیں
قرن ازل کے صحابہ کی عزیمت ان سے ہے	بالیقیں حلقہ تجو کشس سید الابرار ہیں
ان کے دل میں حضرت صدیق اکبر کی لگن	حضرت فاروق کی شمشیر جو ہر دار ہیں
منظر عثمان ذو النورین اذ راہ سحر	حیث در کردار کی خیر شکن تلواریں ہیں
میں نے دیکھا ہے انہیں مسیتے یوم الست	خواجہ الطحطاوی کی دعوت کے علمبردار ہیں
میکد سے میں تیشہ کاموں کے لیے ساغر بدست	تنگہ میں غیرت اسلام کی نگار ہیں
فرو استغنا کا پس کراہی پاکستان میں	ایشیا میں شکر اسلام کے سالار ہیں

اس غریب الحال پر ان کی عنایت بے حساب
لرزدہ بر اندام شورش سے وسیلہ کار ہیں

احمدی آیام

حضرت بابو جی مسلسل ۹ روزہ ہسپتال میں ڈاکٹر ریگیڈیر آئی۔ ڈی جی اور ڈاکٹر کرنل اکرم کے زیر علاج رہے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحبان نے خصوصاً ڈاکٹر کرنل اکرم نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ مگر آپ کی انتہائی کمزوری کے باعث اپریشن کرنے سے ہچکچاتے رہے۔ اس دوران عیادت کرنے والوں کا اتنا لگا رہتا تھا۔ ہسپتال کا عملہ انہیں ملاقات سے منع کرتا تھا۔ اس سے حضرت بابو جی کی طبع مبارک پر بوجھ پڑتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ بے چارے دورہ راز کا سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور یہاں انہیں ملنے میں اتنی دشواری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ باہر راجہ جی ۱۹۵۹ء کو گولڑہ شریف واپس تشریف لے گئے۔ سب کمرہ والوں سے اور تمام خویش و اقارب سے ملاقات فرمائی۔ اپنے دونوں صاحبزادگان کو اور اپنے سارے پوتوں کو بلا کر

نصیحت فرمائی کہ دیکھنا آپس میں اتفاق رکھنا۔ اپنے آپ کو صاحبزادہ نہ بنانا بلکہ لوگوں کا خادم بنے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کمروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور ملنے والے باہر تکلیف میں کھڑے رہیں۔ آرام طلب نہ بننا، مشقت اور تکلیف سہنے کی عادت ڈالنا۔ مالک کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہونا اُس کے حقوق ادا ہوں گے تبھی منزل مقصود کو پہنچو گے۔ ایک روز اپنے بڑے صاحبزاد حضرت لالہ جی کو مشنوی مولانا نے روم کے یہ شعر لکھوائے۔

صورت ظاہر چہ جوئی اے جواں زو معانی را طلب اے پہلواں

ترجمہ۔ اے جواں ظاہری صورت کو کیوں تلاش کرتا ہے۔ جا اور معنی کی جستجو کر۔

صورت و حیات بد چوں قشر و پوست معنی اندر دے چوں مغز اے یار دوست

ترجمہ۔ ظاہر صورت مثل پھلکے کے ہے۔ معنی اس کے اندر مثل مغز موجود ہے

در گزر از نام و ہنگر در صفات تا صفات راہ نماید سوائے ذات

ترجمہ۔ نام کو چھوڑ اور صفات کو دیکھ تاکہ صفات تمہیں ذات کی طرف رہنمائی کریں

گم شوی در ذات و آسانی ز خود چشم تو یک رنگ بیند نیک و بد

ترجمہ۔ اپنے آپ کو چھوڑ اور اُس کی ذات میں گم ہو تاکہ تیری آنکھ، نیک و بد کو ایک رنگ سے دیکھے

کار او با بندگان بد چمن ادا کرم فرما بود بر عاصیاں

ترجمہ۔ وہ اپنے گناہگار بندوں سے اس طرح سلوک کرتا ہے کہ اُن پر اپنا کرم فرماتا ہے

گر نہ عاصی آمدے اندر جہاں رحمت ایزد کج بودے عیاں

ترجمہ۔ اگر دُنیا میں گناہ گار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے ظاہر ہوتی

گوڑا شریف آنے کے بعد آپ نے پھر اُن تمام لوگوں سے ملنا شروع فرما دیا جو بیمار پُرسی کے لیے آتے تھے۔

اس سے طبیعت کی کمزوری میں اضافہ ہوا اور مشانہ کی تکلیف زیادہ ہو گئی۔ ساتھ ہی ۹۔ جون ۱۹۴۴ء کو آپ کو شدید بخار آ

گیا۔ اس پر حضرت صاحبزادگان نے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو دوبارہ ہسپتال پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ جب

آپ سے اس بارہ میں عرض کیا گیا تو فرمائیے: تمہاری مرضی ہے تو لے چلو مگر وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ ۱۱۔ جون

۱۹۴۴ء کو آپ کو دوبارہ دن کے تین بجے ہسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے پہلے فوری طور پر اپریشن کرنا چاہا لیکن پھر آپ کی

کمزوری کے پیش نظر رک گئے۔ اس کے بعد کے چند ایام آپ نے نہایت تکلیف میں گزارے۔ دفع نقابت کی غرض سے گلو کو

لگانے کے لیے خون کی رگ تلاش کرنے میں کئی کئی بار آپ کے جسم مبارک میں سونیاں چھوٹی پڑتی مگر زبان پر شکر خداوندی کے

علاوہ کبھی کوئی غم نہ آیا۔ ڈاکٹر صاحبان جب دیکھنے کے لیے آتے اور حال دریافت کرتے تو آپ ہمیشہ فرماتے الحمد للہ اللہ کا بڑا شکر

ہے۔ آپ کی اس بے پناہ قوت برداشت پر ہسپتال کا سارا عملہ حیران تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں ایسا راضی برضا مریض

پہلی بار دیکھا تھا۔ ان دنوں مخلصین عبدالرزاق مٹھیالوی، راجہ غلام سرور، محمد شام صدیقی اور ملک غلام ربانی آپ کی مسلسل دیکھ

بھال کرتے رہے۔ دونوں صاحبزادہ صاحبان بھی ہر وقت موجود رہتے اور مہمانوں اور عیادت کرنے والوں سے ملتے رہتے۔

چونکہ اتنے آدمیوں کا کمرہ تھے اندر جانا محال تھا اس لیے جب کبھی آپ تکیہ لگا کر چار پائی پر بیٹھتے تو سامنے والی کھڑکی کھول دی

جاتی تاکہ آنے والے دُور ہی سے کھڑے ہو کر اپنے پیارے بابو جی کی زیارت کر لیں۔

سفر آخر

۱۰۔ چونکہ آپ نے محبوب اور عاشق قہاں کو بلوایا اور اس سے آخری بار دنیا، موت و افسوس کی منہ داری
منقبت سماعت فرمائی اور انیس دست دعا میں سے گزشتہ فرمایا۔

شاہ بانہ لا مکانی معہ رب مستدری حضرت محبوب سبحانی شہید ہیں
اب مدد فرمائیے قید خدائی میں جنوں میں یہ تھک ٹکتا ہے معہ رب مستدری
یا تعجب یا غوث اور معجز یا ولی اور شہید

بکر مصلیاں میں تو ہم اور اندھیری بات ہے ہے بھر اس میں یہ کچھ کہ آپ ہی کی ذات ہے
زا و راہ آخرت کچھ بھی نہ میرے پاس ہے یا قدر تیرے بلبلوں کو تیرے ہاتھ ہے
بندہ ام اور ماندہ ام بجز تو نہ درم کہ مستقیم

ہو اگر آزاد اپنی قید بہت دیر سے ربط ہو جاتے مدامی مہد کا معنوا سے
دیجئے ناسوئی کو بھی صدقہ کچھ اپنے جوتے دامن انیس کو بھر دو گل مقصود سے
غیر ہاشا دراکئی شاہید ہیں ان ہیں

بستی خالی پر بنی سیدی یحییٰ کا ثواب زندگی اپنی نظر آتی ہے کچھ کو اک شراب
دیجیئے ابد او کا اپنے قصداً بے حساب برادر گاہ و اسب کچھ آئے آفتاب
جہاں کو خالی نہ رہے آپ کے ہیں ان ہیں

اس سے اگلے روز کمزوری اور زیادہ ہو گئی اور باطن استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ اس کے بلا مجاہد آپ تمام دنیا
وقت پر اشاروں سے ادا فرماتے رہے۔ اس مرتبہ ہسپتال والے آپ کو ڈو کمزور سے لے کر پہلی مرتبہ دیا تھا۔ چنانچہ آپ
نے کوئی مرتبہ پوچھا کہ وہ کمزور کب خالی ہوگا۔ ۴۔ جون ۱۹۳۷ء بروز جمعہ مجاہدی الشانی کا چاند نظر آیا اور ۴۔ جون کو ڈو کمزور یعنی کمزور
نہیں رہا خالی ہوا تو آپ کو اس میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کمزور میں آجائے کے قہوڑی ہی دیر بعد طبع مبارک میں دفعتاً بے ہوشی و قی
ہوئی۔ جڈ پریش تشویشناک صدمہ گر گیا اور بالآخر اسی روز مجاہدی الشانی کی ۴۔ تاریخ کو گیارہ بجے شب آپ نے اپنے
رفیق علی کو جنیک کہا۔

سے صورت اذیے صورتی آمد بڑوں باز شد اننا الیہ راجعون

نماز جمعہ روزہ و تدفین

اس وقت کمزور کے اند آپ کے پاس اکثر کرنل محمد شفیع صاحب، اکثر میر شہاب الدین، ڈاکٹر کرنل آصف بھٹتی
لکھنؤ صاحب، راجہ غلام سرور، عبد الرزاق مٹھیالوی، ملک غلام ربانی اور سخی محمد اسماعیل پشوری موجود تھے۔ صاحبزادہ صاحبان
اور دیگر خاص متعلقین باہر حاضر تھے۔ اسی وقت آپ کے جسم مبارک کو عیسوی نفس میں گولڈ ٹرائینٹ لے جایا گیا۔ یہاں رات کے
دو بجے مولانا فیض احمد، مولانا عبد الرزاق، ملک غلام ربانی، راجہ غلام سرور، عبد الرزاق مٹھیالوی اور مولانا احمد کنیش صاحبان

نے غسل دیا اُس کے بعد جسد مبارک کو حرم سرا میں لے جایا گیا تاکہ اہل خانہ زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ رات ہی کو بذریعہ ٹیلیفون آپ کے وصال کی اطلاع ہر طرف بھیج دی گئی تھی۔ قُرب و جوار کے لوگ تو رات ہی سے آنا شروع ہو گئے تھے۔ ریڈیو پر آپ کے وصال کی خبر صبح کی خبروں میں نشر کی گئی۔ صبح ۹ بجے حضرت بابو جی کے دونوں فرزند ان ارجمند شاہ غلام محسن الدین اور شاہ عبدالحق مدظلہما العالی مجلس خانہ میں تشریف لائے۔ باوجود ضبط کے تمام اہل مجلس اشکبار تھے۔ مولانا فیض احمد صاحب نے حضرت بابو جی کی پاکیزہ زندگی کا مختصر خاکہ اور بزرگانِ خدا کے وصال کے خواص بیان کیے جو بوقتِ ال نے مولانا فیض احمد صاحب کا اُسی روز کا کہا جو امندرجہ ذیل فارسی مرثیہ پڑھا جسے سُن کر ساری مجلس زار و قطار رو رہی تھی۔

مرثیہ

وا حسرتا کہ خواجہ حق آشنا برفت	مفت بول بارگاہِ شہِ دوسرا برفت
سبط جناب حیاتِ دروہ لبندِ غوثِ پاک	فدِ زندِ شاہِ مہر علی حق منشا برفت
آں محزنِ محبت و آلِ معدنِ سحنا	خواجہ غلام محی دیں سپرِ ہدیٰ برفت
شد آسماں بگریہ و نالہ زہیں بسوز	آں خیر خواہ و مؤنس خلقِ خدا برفت
اے دردِ عشقِ خاکِ بسرِ ریز و اشکبار	اے حُسنِ گریہ کن کہ بہارِ شما برفت
تاریک گشتِ عالمِ وجد و سماع و ذوق	آں مردِ پاکباز سرِ اصفیا برفت

سن وصال فیض شنیدم نہ ہاتھ
آن کمالِ پیکرِ مہر و دلف برفت

۱۳۹۲ھ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہجوم میں اضافہ ہوتا گیا۔ اگرچہ موسم گرما کا شباب تھا۔ تاہم تمام دن بادل چھائے رہے اور کبھی کبھی نہایت ہلکی بوند باندی بھی ہوتی رہی گویا آسمان بھی اہل دُنیا کے ساتھ اس جاگاہ واقعہ پر اشکبار تھا۔ نمازِ ظہر کے بعد قریباً ۲ بجے جنازہ حرم سرا سے باہر لایا گیا۔ ہجوم اس قدر تھا اور ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لیے اس قدر بے قرار تھا کہ جنازہ کو بڑی مشکل سے گیراج تک پہنچایا گیا۔ اُس وقت جنازہ کے اوپر ابا بیلوں اور چڑیوں کے جھنڈ فضا میں پروا کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ جنازہ مہمان خانہ نمبر ۱ کے صحن میں ایک تخت پوش پر رکھ دیا گیا تاکہ عوام الناس زیارت سے مشرف ہو سکیں۔ نمازِ عصر کے بعد جنازہ کو دربارِ شریف کے جنوب مغرب میں ایک کھلے میدان میں بذریعہ وگن پہنچایا گیا کیونکہ لوگوں کے فرطِ شوق زیارت اور ہجوم کے باعث چارپائی پر بے جانا نا ممکن تھا۔ اس وقت حاضری کی تعداد اخباری اطلاعات کے مطابق اڑھائی تین لاکھ تھی۔ پشاور سے کراچی تک کے لوگ جنازہ پر پہنچ چکے تھے جن میں کثیر تعداد علمائے کرام، مشائخِ عظام، ارجحائی تین لاکھ تھی۔ پشاور سے کراچی تک کے لوگ جنازہ پر پہنچ چکے تھے جن میں کثیر تعداد علمائے کرام، مشائخِ عظام، سجادہ نشین صاحبان اور مقتدر حضرات کی تھی۔ ۶ بجے شام حضرت سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سابق سفیرِ حکومتِ عراق کی امامت میں جو بارگاہِ غوثیہ بغداد شریف کے موجودہ متولی کے بھائی اور حضرت سیدنا غوث الاعظم کی اولاد و امجاد میں سے تھے ۷ بجے شام نمازِ جنازہ پڑھائی گئی اور پھر بذریعہ وگن ہی جنازہ واپس لا کر آپ کو اپنے والدِ بزرگوار قبلہ عالم سید پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کے مزارِ اقدس کے اندر اُن کے مشرقی پہلو میں نمازِ مغرب کے قریب دفن کیا گیا۔ وہ چاند جس نے عرصے سے ایک

عالم کو اپنے نور سے متور کر رکھتی مخلوق کی نگاہوں سے زیر زمین روپوش ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

وصال کے بعد کے حالات

۲۳ جون ۱۹۷۴ء اور اُس کے بعد کئی روز تک ملک کے تمام اخبارات میں حضرت بابو جی کے متعلق مضامین تقبیل اور مرثیہ جات شائع ہوتے رہے۔ ریڈیو پاکستان سے آپ کی زندگی کے مختصر حالات اور مقدمہ حضرات کے تاثرات نشر کیے گئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے بھی آپ کے متعلق ایک خاص میٹین نشر کیا۔ اُردو اور شعراء نے تاریخ پائے وصال اور مرثیے لکھے۔ ہر مکتب فکر کے علماء اور ہر سلسلہ روحانیہ کے مشائخ اور سجادہ نشین تعزیت کے لیے تشریف لاتے رہے۔ مدیترچان لاہور نے اپنی اشاعت نور ۳۰ جولائی میں ملک کے مختلف مکتب فکر کے رہنماؤں کے اُن بیانات کو یکجا کیا جو انہوں نے حضرت بابو جی کے وصال پر دیئے۔ ہم یہ بیانات ناظرین کے مطالعہ کے لیے نقل کیے دیتے ہیں۔

ارادت کے موتی حضرت سید غلام محی الدین شاہ علیہ الرحمۃ کی یاد میں

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو

”بلاشبہ آپ کا وجود ایک روحانی عظمت تھا۔“

ملک غلام مصطفیٰ کھریم۔ این۔ اے

”قرن اول کی دینی حمیت کا مجسمہ تھے۔“

ایم۔ ارشل اصغر خاں

”اسلاف کی آخری تصویر تھے۔“

نواب زادہ نصر اللہ خاں

”فقرو استغناء کا نمونہ کامل تھے۔“

چودھری ظہور الہی ایم۔ این۔ اے

”اہل اللہ کی معجز نمایوں کا مجسمہ تھے۔“

حضرت مفتی محمود ایم۔ این۔ اے

”فی الواقعہ تحریک ختم نبوت کے موروثی راہنما تھے۔“

خان عبدالولی خان ایم۔ این۔ اے

”علم و تقویٰ کا نادرہ روزگار وجود تھے۔“

پروفیسر غفور احمد ایم۔ این۔ اے

”اُن کا وجود آئینہ رحمت تھا۔“

حضرت شاہ احمد نورانی ایم۔ این۔ اے

”اساطیر اولیٰ کی تصویر تھے۔“

میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی پاکستان

”اُن کے روتیں روتیں میں اسلام ہی اسلام تھا۔“

چودھری غلام جیلانی امیر جماعت اسلامی پنجاب

”اُن کا وجود صداقت اسلام کی دلیل تھا۔“

علامہ عبدالعزیز خاں

”انہیں دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پریم کی۔“

ملک خضر حیات خاں ٹوانہ

”وہ قطب الاقطاب تھے۔“

پیر دلایل شریف

”شیخ العصر تھے۔“

علامہ محمود رضوی (عزب الخاف)

”آپ تربیت یافتگان رسالت مآب کا مجسمہ تھے۔“

مولانا ابوالکات

”تھا اُن میں رنگِ علیؑ اور اُن میں بونے رسولؐ۔“

مولانا تاج محمد صاحب لائل پور

”قامت اُن کی غیرت اسلام کی تصویر تھی۔“

مولانا غلام اللہ خاں راولپنڈی

”وہ خانوادہ طریقت کا عمل شب چراغ تھے۔“

مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت لاہور

”اس خدا کی سرزمین پر نور کا پیکر تھے وہ“

اقبال زمیری ایڈیٹر شرق لاہور

”فقر اسلام کی دلیل محکم تھے“

بارون سعد ایڈیٹر امروز لاہور

”انہیں دیکھتے ہی مادیت کا طلسم خانہ پاش پاش ہو جاتا تھا“

شاعر اسلام حضرت احسان دانش

”وہ آدمی تھا مگر دیکھنے کی تاب نہ تھی“

حضرت شفیق کوٹی

”اس وطن کے بتکدے میں نعرہ تکبیر تھے“

خواجہ عبدالرحیم بار آیت لار

”وہ سچے دلوں کے فاتح تھے“

ملک عباس حسین النجیر سعودی عربیہ

”سخاوت کا آئینہ تھے“

عزیز انصاری گوجرانوالہ

”فی الواقعہ اُن کا وجود عطیہ ربانی تھا“

بیگم شورشش کاشمیری

”ہادی کامل، مرشدِ دُور اُن وجودِ سخا کا چشمہ صافی“

سردار شوکت حیات خاں ایم این۔ اے

”اُنھ گئے تو ایک عانیِ خلا پیدا ہوا“

نواب کریم قریشی ایم این۔ اے

”اُن کے اوصافِ حسنہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے“

مولانا غلام علی اوکاڑوی

”قدرتِ حق آدمی کے رُوپ میں“

سید مظفر علی شمسی

”ایک انساں امر بالمعروف کی آواز تھا“

سید خلیل احمد قادری خلیفۃ المسیح مولانا ابوالحسنات مرحوم

”منظر حق و صداقت حجتِ دین ہدی“

حضرت بابو جی کے وصال کے بعد کئی ہفتہ تک ہر جمعرات کے روز ایصالِ ثواب کے بعد ہزار ہا لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا رہا۔ ۱۱ رجب ۱۳۸۷ھ کو چہلم شریف ہوا اور اُس روز بھی بیشتر اخبارات نے آپ کے حالاتِ زندگی اور بعض نے خاص نمبر شائع کیے۔ اس موقع پر بالعموم سب سے بڑے بیٹے کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ مگر چونکہ حضرت قبلہ عالم کے وصال کے بعد حضرت بابو جی نے یہ رسم ادا نہیں فرمائی تھی اس لیے آپ کے صاحبزادہ صاحبان نے بھی اپنے والد بزرگوار کی اتباع میں اس رسم کی اجازت نہ دی۔ حضرت سید عبدالقادر گیلانی سابق سفیر حکومت عراق اس تقریب پر بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت بابو جی کو اُن کے ساتھ اُن کے آستانہ عالیہ بغداد شریف کے تعلق کی بنا پر بہت نیاز تھا اور انہیں اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی سفیر صاحب کے لقب سے ہی یاد فرماتے تھے۔ سفیر صاحب دونوں صاحبزادگان کو لے کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور ایک سفید رنگ کا جُبہ نکال کر حضرت لالہ جی کے کندھوں پر ڈالنا چاہا۔ حضرت لالہ جی نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالحق صاحب کو بھی جُبہ کے نیچے لینا چاہا تو سفیر صاحب نے فرمایا کہ میں اُن کے لیے بھی الگ جُبہ لایا ہوں۔ دونوں بھائیوں نے روتے ہوئے دونوں جُبے تبرکاً قبول فرمائے۔

حضرت بابو جی نے اپنے دونوں صاحبزادگان کو مذہبی تعلیم جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں مشہور عالم دین مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ کے زیر نگرانی دلائی بھتی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ انہیں ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ بھائی تعلیم و تربیت کے علاوہ ننگر شریف کی تمام ذمہ داریوں سے بھی انہیں اچھی طرح رُوشناس کر دیا تھا۔ خلوت و جلوت میں بارہا خصوصی نصائح اور وصیتوں سے اُن کی تربیت فرمائی۔ خدمتِ خلق، مہمانوں کی رعایت، خاطر اور دیکھ بھال اور اتباعِ شریعت و طریقت کی خصوصی تعلیم دی اور خود نمائی سے یکسر دُور رہنے کی ہمیشہ پُر زور تاکید فرمائی۔ دونوں کو بیعت و ارشاد کی اجازت اپنے

وصال سے کافی عرصہ پہلے عطا فرمادی تھی۔ اگرچہ آپ کی زندگی میں ان دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی کسی کو بیعت کرنے کی جرات نہ فرمائی۔ دونوں بھائی اب اپنے والد بزرگوار کی سنت کو اسی خوش اسلوبی سے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس طرح خود حضرت بابو جی نے حضرت قبلہ عالم کے وصال کے بعد فرمائی تھی۔ منکر شریف پر مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کی آسائش میں اضافے کے لیے ہر دم کوشاں ہیں۔ غفلت خدا کی گذارشات بڑی توجہ سے سنتے اور ان کی دیکھ بھال فرماتے ہیں دنیا داری اور سیاست سے اسی طرح الگ تھلک ہیں جیسے اُن کے اجداد کرام تھے۔ اللہ کریم انہیں جنت و توفیق بخشے کہ اس پر آشوب زمانہ میں استاذ عالیہ کے فیض کو اپنے آبا کی طرح جاری رکھ سکیں اور بے سہارا اور بے آسرا لوگوں کا یہ ملجا و ماوے تا ابد قائم و سلامت رہے۔ آمین۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت بابو جی کی ذات مبارک کے اوصاف و کمالات بیان کرنا آسان نہیں اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس کے باوجود بھی شاید بیان تشدد تکمیل ہی رہے۔ یہاں ہم آغا شورش کا شمیری مرحوم کے مضامین سے چند اقتباسات اس اُمید پر نقل کیے دیتے ہیں کہ شاید قارئین کرام کو حضرت بابو جی کی ذات مبارک کی رفعت، علو مقام اور محبت اوصاف کا کچھ تھوڑا سا اندازہ ہو جائے۔

حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ یاد اُن کی صرف جاں ہے آج تک

حضرت پیر سید غلام محی الدین شاہ (گولڑہ شریف) سیدنا مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ کے تخت جگر تھے اور معرفت الہی کے وہ تمام اوصاف آپ کی ذات ستودہ صفات میں جمع تھے جن کی بدولت آپ کے مایہ ناز والد کا وجود گرامی حقیقت عوام کا مرجع تھا۔ احقر نے آپ کو پہلی دفعہ ۱۹۵۸ء کے اواخر میں دیکھا۔ سب سے بڑی چیز جو دل پر نقش ہوئی وہ یہ تھی کہ اللہ والے کیا ہوتے ہیں۔ راقم کو اپنے مزاج کی افتاد کے باعث رزم و رزم سے تعلق رہا اور ہمیشہ اُن لوگوں کی رفاقت حاصل کی جن کی زندگی کے شب و روز سیاسی مہر کہ آریٹوں میں گزرتے رہے۔ راقم کے لیے مشائخ کی صحبتیں اور اہل اللہ کی محفلیں بالکل اجنبی رہیں۔ بلکہ احقر نے اپنی نگاہ کی نارسائی کے باعث ان حلقوں کے شب و روز کو گریز و فرار کا نام دیا لیکن سیدنا غلام محی الدین شاہ (بابو جی) کے فیض نے راقم کے تصورات کی اڑائیں ہی بدل دیں اور وہ عاتقاہی سلسلے جو فہم سے ماورائی تھے کچھ اس طرح دل پر نقش ہو گئے کہ پُرانی تصویریں مدھم مدھم ہو گئیں اور نئی تصویریں پیدا ہوئیں۔ راقم اپنے رب کے اس کریم بے پایاں کا عمر بھر شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس کو بارگاہ ایزدی سے قلم و زبان کی زینتیں عطا ہوئیں اور کسی چیز کو تقریر و تحریر میں بیان کرنا دشوار نہیں رہا لیکن جو تاثر، کیف، وجد اور سرور بابو جی کی صحبت میں حاصل ہوا اور اُن کی نگاہ کو جس طرح مہربان پایا حقیقت یہ ہے کہ نہ تو قلم میں بیان کی طاقت ہے اور نہ زبان انہما پر قادر ہے جس انسان پر آپ نگاہ کرتے اُس کی کایا پٹ جاتی۔ آپ کے روبرو ہونے سے یہ نعمت حاصل ہوتی کہ عظیم انسانوں سے قربت کے فاصلے کیونکر طے کیے جاتے ہیں۔ اور عام انسان اہل اللہ کی صحبت میں کیونکر تاثر حاصل کرتا پھر اس تاثر سے اُنس کا دروازہ کس طرح کھلتا۔ اس سے پہلے رغبت کیسے پیدا ہوتی جب اُنس اپنے نشو و نما کو پہنچتی ہے تو محبت کے عنوان کیا ہوتے ہیں اور محبت کی معراج کا نام عشق ہے۔ پھر عشق میں خود سپردگی جنون پیدا کرتی ہے۔ بابو جی اپنے اللہ کے تھے۔ حضور سرور کائنات کی ذات اقدس سے آپ کا عشق اس معراج کو پہنچ چکا تھا کہ حضور کی صحبت میں ہوتے تو ہر لمحہ اس تلاش میں رہتے

کہ ان کے گرد و پیش رہ کر جان کیونکر دی جاسکتی ہے۔ بالوجہ کو حضورؐ سے ایک ایسا لگاؤ تھا کہ ان کے ذکر سے بے خود ہو کر ان کے تصور میں تحلیل ہو جاتے۔ یہ عالم کیا ہوتا، راقم اس کا نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے لیکن آنکھیں اس منظر کو دیکھ چکی ہیں۔ کئی الفاظ ذہن میں اپنے مطالب کے ساتھ نقش ہو جاتے ہیں لیکن الفاظ ان کی شرح و تفسیر نہیں کر سکتے مثلاً فقر و استغناء، خود و سخا، مہر و وفا، غیرت و محبت، عفت و حیا، قناعت و شرافت، ایمان و عرفان، ایقان و احسان اور خودی و بے خودی۔ ان الفاظ کی تصویریں انسانی وجود کے تجربے ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ بالوجہ ان الفاظ ہی کی معنوی خصوصیتوں اور روحانی کیفیتوں کا مجسمہ تھے۔ احقر نے زندگی میں جید علماء، نامور فضلاء، معروف فقہاء اور بڑے بڑے صفت آراء انسانوں کی ہم نشینی اور خوشہ چینی کا فیض حاصل کیا حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے محاسن کا نادارہ روزگار مجبوسہ تھے لیکن بالوجہ قدس سرہ کا عالم ہی دوسرا تھا۔ ان کی زبان میں کسی کے لیے آزار نہ تھا۔ وہ عیب بینی، عیب چینی اور عیب گوئی سے خلقی طور پر نا آشنا تھے۔ سب سے بڑی بات کہ ان میں کسی عنوان سے کوئی ترمذ نہ تھا۔ وہ ایک بہت بڑے باپ کے نور نظر اور خود بہت بڑے انسان تھے لیکن دارا و سکندر سے اولیٰ تھے۔ ان کی فقیری میں بونے اسد اللہی تھی۔ ان میں صدیق کا عشق، فاروق کی سطوت اور عثمان کی سخاوت تھی۔ ان کی نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جان پُرسوز تھی۔ وہ قرن اول کے حجازی تھے لیکن فی زمانہ پاکستان میں ولایت عشق کے سرخیل تھے حضورؐ سرور کائنات کی سخاوت سے متعلق جتنی حدیثیں ہیں ان کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کی دُعا کا انداز یہ تھا کہ اللہ کریم اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نواز، تیرے در کے سوا اور کوئی دروازہ سائلوں کے لیے نہیں ہے۔ ان کی مڑوں پوری کر جو تیری بارگاہ میں دُعا کے ہاتھ اٹھا کر حاضر ہیں۔ تیرے سوا کوئی دوسرا ستارہ وغفار نہیں۔“

بالوجہ علیہ الرحمۃ کی تصویر کھینچنا اپنے قلم کی تمام وسعتوں کے باوجود ناممکن ہے۔ وہ پاکستان کی طویل تر سیاہ رات میں قرن اول کا اُجالا تھے۔ وہ ایک عظیم روحانی چراغ تھے جو گرد و پیش دُور دور تک اپنی روشنی سے صبحِ خداں کو شہ مات دیتا تھا۔ وہ عظیم انسان ہونے کے باوجود دنیاوی معاملات کی مبادیات سے بھی نا آشنا تھے۔ انہیں سیاسی مسئلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی فرماتے: مسلمان سیرت محمدیؐ کا اتباع کر لیں تو ان کی تمام مشکلیں آن واحد میں حل ہو سکتی ہیں۔ وہ دوسرے بزرگانِ کرام کی طرح مسندِ طریقت پر بیٹھ کر خدائی نہ کرتے تھے۔ وہ فنا فی الرسول اہل اللہ تھے۔ ان کا مسلک محبت تھا۔ عشق کی جوت جلاتے اور شریعت کی چمن بندی پر زور دیتے۔ ان کے رُویں رُویں میں محمدؐ عربی کا عشق بھرا ہوا تھا۔ وہ سرور کائنات کے سوا ہر چیز سے بے نیاز تھے فرماتے: ”اے اللہ سے لو لگاؤ اور یہ لو محمدؐ سے نسبت پیدا کیے بغیر ناممکن ہے۔“

ہم لوگ جب کبھی دُعاؤں کے لیے عرض کرتے تو فرماتے: ”میں بھی ہاتھ اٹھاتا ہوں، تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔ اللہ دیتا ہے اور ہم لیتے ہیں جس خلوص سے مانگو گے، اُسی نسبت پاؤ گے۔“ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا میں کھوئے ہوئے انسان تھے، انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا اور قرن اول کے اسلام کی تصویر کھنچ جاتی۔ وہ عطیہ الہی اور محبت ربانی تھے۔ ان کی رحلت پر ہندوستان، آکاش وانی کے ایک شیش سے آپ کے سوانح پر جو نقشہ پیش کیا گیا اُس میں ایک بول تھا کہ حضرت سید غلام محی الدین شاہ فی الواقعہ ایک ایسے بزرگ تھے جن سے ہندوستان میں شمع اسلام روشن ہوئی، بُت کدوں میں اذانیں گونجیں اور تعصبات فنا ہو کر انسانیت کا طغریٰ ہو گئے۔ اگر بزرگ عظیم ان جیسے سُنّت پیدا کرتا تو انسان کبھی تقسیم نہ ہوتے اور اسلام اس سُرعت سے پھیلتا کہ نصف آبادی دو تین دہائیوں ہی میں ملتہ مگوش اسلام ہو جاتی۔“

آخر میں ہم حضرت بابائی کے ذوق میں کھٹے ہوئے دوسرے قریر کیے دیتے ہیں۔ پہلا مثنوی کا شعر ہے کہ شیری مرثوم نے
 کہا تھا اور دوسرا حضرت بابائی کے ہواں سال پوتے سید غلام نصیر الدین شاہ صاحب کا ذکر کوہ ہے۔ چوتھی کم عمری کے ہاں
 شاعری میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکے ہیں اور نہایت ہی نچرے اور رفیع کلام کہتے ہیں۔

محمد حیات خان
 محمد فاضل خان

قرن اول کا اُجالا

حضرت قبلہ سید غلام محی الدین شاہ گولڑا شریف کی فاضلہ آیات

(آزاد شورش کاشمیری)

اس مملکت کا مردِ مسلمان چلا گیا	روتا ہوں میں کہ سپیکر ایاں چلا گیا
بے دست و پا تھے ہم سب بازار لٹ گئے	نہو میں مٹھٹے کا بھبھساں چلا گیا
اُسے مرگ ناگماں تراش کوئے کریں تو کیا	جانتیں کہاں کہ درد کا دماں چلا گیا
دو یا کروں گا اُن کی جُدائی میں روزِ شب	میرے لیے تو منبعِ عرفاں چلا گیا
اُن کا وجود آئے رب و دودھ تھا	میسرِ اُمم کے عشق کا عنوان چلا گیا
یہ سوچتا ہوں اُن سے ملاقات کہاں	دختِ سفرِ لپیٹ کے سلطان چلا گیا
دینِ ہدٰی کی جوت بگائی تمام عمر	طاعت گزارِ خواجہ گہماں چلا گیا
اُس کی تطہیرِ کبرۃ ارضی پر آب کہاں	اُبھرا، اُبھر کے نیرِ تاباں چلا گیا

دیکھے ہیں میں نے اُس کی لحد پر ملائکہ
 حُسدِ بریں میں یوسفِ کنعاں چلا گیا

مرثیہ از شاہ غلام نصیر الدین شاہ صاحب

سُنے کون قصہ دروہل سیدِ انمگسار چلا گیا	جسے آشناؤں کا پاس تھا وہ وفا شعار چلا گیا
وہ سخن شناس وہ دُور ہیں وہ گداناوڑ وہ مرجہیں	وہ حسین وہ بھر علوم دیں مرا تاجدار چلا گیا
جسے نوٹ مہر علی کہیں وہ کہ جس کا نام ہے محی الدین	مجھے کیا خبر کہاں ٹوٹ کر وہ میری بہار چلا گیا
وہی بزم ہے وہی دُھوم ہے وہی عاشقوں کا جھوم ہے	ہے کمی تو بس اُسی چاند کی جو تہہ مزار چلا گیا
کہاں اب سخن میں وہ گرمیاں کہ نہیں باکوئی قدِ رواں	کہاں اب وہ شوق کی مستیاں کہ وہ چر و قار چلا گیا
میں جسے سنا تھا دروہل وہ جو پوچھتا تھا غمِ دروہل	وہ گداناوڑ چلا گیا وہ وفا شعار چلا گیا

بہیں کیوں نصیر نہ اشکِ غم کروں کیوں نالہ زاریاں
 مجھے بے دستار وہ چھوڑ کر سرِ ہنگزار چلا گیا

حضرت بابو جی کی ولادت، عمر اور وصال کی تواریخ

(از شاہ غلام نصیر الدین شاہ حنا)

تولدِ شبہ والا حضور بابو جیؒ طلوعِ بدرِ ہدایت ز بُرجِ مہر علیؒ

۸۰۳۱ھ

غروبِ نجم و فآہ ارتحالش داں حیاتِ او بجلالِ ودود گشت جلی

۸۶ سال

۱۳۹۴ھ

حضرت قبلہ عالم سیدنا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ

تصنیفات

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق { یہ کتاب کلمۃ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو حضرت نے فرمائی۔ شاہ صاحب لکھنوی نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمۃ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمت محمدیہ کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف فرما دیا تھا۔ حضرت پیر صاحب نے اپنی خداداد علمی و عرفانی قابلیت سے نہ صرف شاہ صاحب کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی بلکہ صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی مدلل تشریح فرمائی جو ارباب علم و ذوق کے لیے خضر راہ ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقہ سلوک کو تجربہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سکر دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سیرت طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ۲۱۱ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن جس میں عربی اور فارسی کی عبارات کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ شمس الہدایہ { یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب اُس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر قرآن و شہادت کی مدلل تردید تحریر ہے۔ ۶۶ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن

۳۔ سیفِ چشتیانی { ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختمِ نبوت کے موضوع پر اس بے حد قبول ہے۔ ۲۲۰ صفحات پانچواں ایڈیشن

۴۔ اعلاء کلمۃ اللہ { یہ کتاب دھما اہل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے جس میں حضرت نے مسائل نذر و نیاز سماع موٹے، استدلال چلے آئے ہیں انہیں اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ۱۶۶ صفحات، پانچواں ایڈیشن

۵۔ مکتوباتِ طیبہ { یہ کتاب آنجناب کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے اجاب اور متعلقین کی طرف تحریر فرمائے ان میں بہت سے مسائل شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔

۶۔ الفتوحاتِ الصمدیہ { اس کتاب میں مخالفین کی طرف سے حضرت پر کئے گئے ان دس مشکل سوالات کے جوابات دیئے گئے جن پر مخالفین کو بہت ناز تھا۔ کتاب کے آخر میں حضرت کی طرف سے پوچھے گئے بارہ سوالات بھی درج ہیں جن کے جوابات مخالفین آج تک نہ دے سکے۔

۷۔ تصفیہ یابین سنی و شیعہ { اپنی اس تصنیف لطیف میں حضرت نے خلافتِ راشدہ کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کرام کے فضائل کو ازرے کتاب سنتِ اہمائی متوازن انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ یہ کتاب توازن و استدلال مسلک کا شاہکار ہے۔

۸۔ ہدیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم { فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب حضرت قبلہ عالم کی طرف سے مزارِ ایت کی مکمل تردید پر مشتمل ہے۔ اس کے مندرجات کی تفصیل پہلے شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیانی کے عنوان سے شائع شدہ کتابوں کی صورت اردو زبان میں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اب اصل کتاب فارسی بھی فارسی دان حضرات کیلئے شائع ہو چکی ہے اور دستیاب ہے۔

۹۔ مہرِ منیر { آنجناب کی شہرہ آفاق سوانح عمری، آپ کے مصدقہ حالات زندگی، علمی و روحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ، تصنیف کے مختصر حالات وصال ساواں ایڈیشن ۶۳ صفحات، بہترین کاغذ، آفسٹ طباعت، خوبصورت جلد

۱۰۔ ملفوظاتِ طبیب { آپ کے علمی ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ، بارچہارم، آفسٹ طباعت، مجلد نیا ایڈیشن

۱۱۔ مرآۃ العرفان { آپ کا عارفانہ اور روحانی کیفیات سے بھرپور منظوم کلام، مرتع ایڈیشن۔ دو رنگوں میں آفسٹ طباعت

صلنے کا پتہ: آستانہ عالیہ غوثیہ۔ گولڑا شریف، ضلع اسلام آباد

